پابندِ سلاسل

از قلم: مرِجان قطب

عباس جان نثار نے بچپن سے لے کر اَب تک ایک ہی لفظ اپنی زندگی اور سماعتوں میں محسوس کیا تھا اور وہ تھا **'اِنتقام'**۔ اُسے اِس سفر کا راہی بنانے والے ہاتھ اُسکے اپنوں کے تھے کیونکہ وہ اپنے خاندان کا واحد اِیسا مَرد تھا جسے اُس اِنتقام کو پورا کر کے اپنے خاندان کے کلیجوں کو ٹھنڈا کرنا ہی تھا۔ یہ اِیسا سفر تھا جِس سے اُسکی کوئی واپسی نہیں تھی اور اُسے سَر پر کفن باندھ کر نکلنا تھا۔

"عباس بھائی! داجی آپکو بُلا رہے ہیں۔" بال سُلجھاتے اُسکے ہاتھ تھمے۔ چہرہ پھیر کر اُس نے آئینے میں نظر آتے نازنین کے عکس کو دیکھ کر اثبات میں سَر ہلایا اور پھر عُجلت میں برش کرنے کے بعد قمیض کے اگلے بٹن بند کر کے، کف اُلٹتے ہوئے تیز قدموں سے اپنے کمرے سے نکل کر مردانے کی جانب بڑھا۔ راستے میں ہی اُسے اصغر مِل گیا جو اُسے کالج کے ٹرِپ کی اجازت دِلوانے پر بضد تھا۔

"میں بات کرتا ہوں دَاجی سے۔" اُسکا شانہ تھپ کر مُسکرانے پر مجبور کرتے ہوئے وہ اُسی سنجیدگی سے مردانے میں داخل ہوا جہاں جرگے کی بابت بات چیت چل رہی تھی مگر اُسکے اندر آنے پر خاموشی طاری ہوگئی۔

"آؤ عباس!" اُس اُونچے، لمبے وجیہہ اور سنجیدہ مرد کو آتے دیکھ کر دَاجی کا کلیجہ پُرسکون ہونے لگا۔ سارے غم جو دُشمنوں نے اُنکو دیئے تھے، وہ عباس جان نثار کو دیکھ کر ہمیشہ اپنی حیثیت کھو بیٹھتے۔ کچھ اِیسی ہی مُحبت تھی اُنکو اپنے ولی عہد سے۔ جس نے سنجیدگی، احساسِ ذمہ داری اور وجاہت اپنے وجیہہ باپ، مُحتسب رحمان سنجرانی سے چُرائی تھی تو شرم وحیا اور خُوش گُفتاری اپنی حسین ماں ماہِ نور مُحتسب سے۔

"اسلام آباد کے لیئے کب نِکل رہے ہو؟" اُنکے اگلے سوال پر اُس نے ایک نظر سب کو دیکھا جو اپنی اہم باتیں چھوڑ کر اُسکی جانب سوالیہ نظروں سے متوجہ ہو گئے تھے۔

"آج شام، اِنشاء اللہ!" اُسکے بھاری لہجے میں جو عظم تھا اُس پر دَاجی کی بوڑھی آنکھیں چمکنے لگیں۔

"تم ہمارا کلیجہ ٹھنڈا کرنے جا رہے ہو، عباس۔ خُدا تمہارے مضبوط بازو سلامت رکھے۔ تم نے ہمیں مایوس نہیں کرنا۔" اُنکے نرم لہجے کی شفقت پر عباس نے چہرہ جُھکا کر اثبات میں سَر ہلایا۔

"میں اِنتقام کے لیئے بڑھ کر جوان ہوا ہوں، دَاجی مگر میں کسی عورت کو نشانہ نہیں بناؤں گا۔" اُسکی اگلی مصمم بات پر مردانے میں اِیسی خاموشی چھا گئی کہ سُوئی بھی گِرتی تو حشر بَرپا کر دیتی۔ سردار رحمان بخش سنجرانی چند پَل بے حد گہرائی سے اُسکی چمکتی شہد رنگ آنکھوں میں دیکھتے رہے۔

"ہم بلوچ ہیں۔ ہمیں یہ زیب نہیں دیتا کہ عورت کو اِنتقام کا نشانہ بنائیں۔" عباس کی اگلی بات سارا کھاتا کھول کر رکھ دینے والی تھی۔

"یہ کونسی کتابی باتیں کر رہا ہے، دَاجی؟" کلیم بخش سنجرانی نے ناگواری سے عباس کے سنجیدہ چہرے کو دیکھ کر دَاجی کو گہری سوچ سے باہر نِکالا۔

"دُشمن، دُشمن ہوتا ہے چاہے پھِر مَرد ہو یا عورت۔ اِسی مقولے پر وہ لوگ چلے تھے۔" اَب کی بار نا گوار لقمہ ڈالنے والے کریم بخش سنجرانی تھے۔ عباس نے اُنکو دیکھ کر دَاجی کو دیکھا جِنکی نظریں اندر تک اُتر جانے والی تھیں۔

"ٹھیک ہے! مگر یاد رکھنا دُشمن کی عورت دُشمن کی ہی رہے گی۔" اُنکے باور کرواتے انداز میں کچھ اِیسا تھا کہ عباس نے نظریں پھیر لیں۔ وہ بخُوبی اُنکی بات کا مفہوم سمجھ رہا تھا۔

"دَاجی، آپ۔۔۔۔" کریم بخش نے کچھ کہنا چاہا مگر دَاجی نے ہاتھ بلند کر کے اُنکی بات قطع کر دی۔

"سفر کی تیاری کرو۔" عباس کو اُٹھنے کا عندیا دے کر کہتے ہوئے اُنہوں شجاعت کو اِشارہ کیا۔

"یہ تمہارے ساتھ جائے گا۔" اُنکی اگلی بات پر اُٹھتا عباس ٹھٹک گیا۔ ایک نظر شجاعت کو دیکھ کر دَاجی کو دیکھا۔ وہ خوب سمجھ رہا تھا کہ شجاعت کو اُس پر نظر رکھنے کے لیئے بھیجا جا رہا ہے مگر اُسکا مقصد واضح تھا۔ اُسے دُشمن کو گہری چوٹ پُہنچا کر، اِنتقام لے کر اِس تھکاتے سلسلے سے جان چھُڑوانی تھی ورنہ اُسکو ساری زندگی چین نہیں مِلنا تھا۔ اثبات میں سَر ہلا کر اُٹھنے کے بعد دَاجی کے آگے جُھکا اور اُنکے بڑھتے ہاتھ کی پُشت کو ہونٹوں سے چُھو کر پیچھے ہوا۔

"خُدا تمہارا حامی و ناصر ہو!" اُنکی دُعا پر مردانے میں موجود سب نے یک زُبان ہو کر 'آمین!' کہا۔

"اصغر کو گھُومنے جانے کی اجازت دے دیں، دَاجی۔ یہی عُمر ہے اُسکی کھیل کود کی۔" اُسکی اگلی بات پر دَاجان مُسکرا دیئے۔ جانتے جو تھے کہ جاتے جاتے وہ ضرور اصغر کی سفارش کر کے جائے گا۔ سب سے بڑا ہونے کی وجہ سے حویلی کے لڑکے لڑکیوں کے لیئے عباس جان نثار حوصلے اور اُمید کا اِستعارہ تھا۔ مُشکل سے مُشکل اور کھٹن سے کھٹن کام اُسکے سَر سونپ کر سب مطمئن ہو جاتے کیونکہ جانتے جو تھے کہ عباس سب کچھ کر سکتا ہے۔ اُسکو بات منوانے کا

گُر آتا تھا۔ وہ بس بات کہتا تھا اور مُقابل تسلیم کر لیتا شاید اِسی صفت کی وجہ سے وہ سنجرانی خاندان کے سب مَردوں اور لڑکوں سے مُنفرد تھا تبھی تو اِس کام کے لیئے مُنتخب کیا گیا تھا۔

"ٹھیک ہے مگر اُسکو کہنا جلد واپسی کی کرے ورنہ وہیں سے جوتے مارتے مارتے گھر لائیں گے۔" اُنکی ہدایت پر عباس کے چہرے کو مُسکراہٹ چُھو گئی۔ سیاہ گھنی داڑھی والے وجیہہ، رُعب دار چہرے پر مُسکراہٹ بے حد اچھی لگ رہی تھی۔

"میں بتا دیتا ہوں۔ جرگہ کامیاب رہے۔" نرمی سے کہہ کر عباس مَردانے سے باہر نِکل آیا۔ اُسکی اسلام آباد جانے کی ساری تیاری ہو چُکی تھی بس گھر کی عورتوں سے مِلنا تھا اور سامان جیپ میں رکھوانا تھا۔ باہر آ کر راہداری میں کان لگا کے کھڑے اصغر کو دیکھ کر اُسکی مُسکراہٹ کچھ اور گہری ہوئی۔ وہ بہت کم مُسکراتا تھا شاید تبھی اُسکی مُسکراہٹ بڑی پُرکشش تھی۔

"مِل گئی اِجازت؟" اُسکی بے صبری دیکھنے لائق تھی۔

"مِل گئی اور اگر وقت پر واپس نہ آئے تو میں خود آؤں گا جوتے مار مار کر گھر تک لانے کے لیئے۔" اُسکی تنبیہہ پر اصغر کا کب کا رُکا ہوا سانس بحال ہوا۔ چہک کر اُس نے اُچھلتے ہوئے عباس کے گلے میں بازو ڈالے۔ عباس کام ہو جانے کے بعد ہونے والے اِس لاڈ کا عادی تھا۔

"یار! آپ گریٹ ہیں۔ اللہ پاک آپکی بوڑھے ہونے سے پہلے شادی کروادے۔" اُس نے عباس کی عُمر پر تاک کر نشانہ مارا۔ وہ اُن سب کے فرائض سے سُبکدوش ہونے اور اِنتقام کے چکر میں اپنی عُمر رائیگاں کر رہا تھا اور اُسے اِسکا کوئی افسوس نہیں تھا۔

"میری پر اَب فاتحہ پڑھو اور اپنی تیاری کرو۔" اُسکا کندھا تھپک کر سراسر چڑھاتے ہوئے وہ زنان خانے کی جانب بڑھ گیا جبکہ پیچھے اصغر تلملا کر رہ گیا۔ جانتا تھا کہ اکبر کے بعد اُسکا نمبر ہے مگر اُسکو یونیورسٹی کی تعلیم مکمل کرنی تھی اور یہ بات رحیم بخش سنجرانی صاحب کو کون سمجھائے۔

\-------------

"میرے خیال سے میں واضح کہہ چکی ہوں کہ مجھے یہ آفر کسی صورت منظور نہیں۔" سیل فون کان سے لگائے، سیاہ رنگ کے بیگ کی زنجیر دوسرے ہاتھ میں مُنتقل کرتے ہوئے اُس نے لفٹ کا بٹن جُھک کر دبایا۔

"اگر اُسے بزنس کرنا ہے تو اپنی گھٹیا حرکتیں ترک کرے ورنہ اِیسا حشر کروں گی کہ سات نسلیں یاد رکھیں گی اُسکی۔" وہ بولی نہیں غُرائی تھی۔ اُسکے عقب میں کھڑی سیکرٹری نے مُسکراہٹ دبا کر اُس خوبصورت اور پُروقار سی عورت کو دیکھا جو لگ بھگ اُنتیس، تیس سال کی تھی۔ ڈارک براؤن رنگ کے کُرتے اور سیاہ ٹراؤزر کے اُوپر سیاہ رنگ کے اُوور کوٹ کے ساتھ سَر پر ڈارک براؤن رنگ کا حجاب پہن کر کوٹ کے اندر کر رکھا تھا۔ اُسکے اور سیکرٹری کے حُلیے سے معلوم ہو رہا تھا کہ سردیاں اپنے جوبَن پر ہیں۔

"ٹھیک ہے۔ مزید بات کر کے دیکھ لو۔ ہماری ڈیمانڈز کلیئر ہیں۔ مجھے کل میرے آفس میں اِنٹیریئر کی ٹیم چاہیئے۔" قطعی انداز کے ساتھ اختتامی کلمات کہتے ہی کال مُنقطع کر کے سیل فون زنجیر والے سیاہ بیگ میں ڈال کر چہرہ سیدھا کرنے پر چمکتی لفٹ کی دیوار میں اُسکا عکس واضح ہوا۔ سرمائی رنگ کی آنکھوں والی اُس لڑکی کا چہرہ چونکا دینے والا تھا۔ وجہ غیر معمولی حُسن نہیں بلکہ وہ معصومیت تھی جو اُسکے چہرے سے عُمر کے اِس حصّے میں بھی واضح ہو رہی تھی۔ اُسکے چہرے اور سُرمائی آنکھوں میں پُختگی اور سختی کے بجائے بے حد نرمی اور حلاوت تھی۔

"کتنی میٹنگز ہیں آج، مِس کائنات؟" اُسکے سوال پر سیکرٹری نے ہاتھ میں تھام رکھے ٹیب کو سفید پین سے کھول کر دیکھا۔

"آج آپ کی احمد ہوم اِنٹئیریرز اور شہلا کلا تھنگ کے ساتھ میٹنگز ہیں۔" سیکرٹری کے بتائے جانے پر اُس نے سوچتی نظروں سے چہرہ اُٹھا کر لفٹ کے تیزی سے نیچے جاتے نمبرز کو دیکھا۔

"شہلا کلا تھنگ کو اپنا سٹور یہاں کھولنے کا پرمِٹ بِھجوادو۔" چند لمحے کی خاموشی کے بعد اُس نے بہت سوچ سمجھ کر کہا جبکہ سیکرٹری نے 'اوکے میم' کہہ ٹیب بندھ کر دیا۔ لفٹ کا دروازہ مخصوص آواز سے کُھلا اور باہر سیاہ اور گولڈن رنگ کی راہداری میں قدم رکھتے ہوئے اُس نے ایک طائرانہ نظر سائیڈ پر ڈالی جہاں آمد ورفت کا سلسلہ جاری تھا۔ راہداری سے گُزر کر جِس مین ہال میں آئی وہاں پچاس کے قریب آفس ٹیبلز کے ساتھ لوگ بیٹھے فائلز اور لیپ ٹاپ میں سَر دیئے اپنے کام میں مُنہمک تھے۔ کسی ایک کی نظر اُس تک گئی اور پِھر سب اپنی کرسیاں اور کام چُھوڑ کر اُٹھ کھڑے ہونے لگا۔

"اسلام وعلیکم، میم!" کتنی ہی آوازیں تھیں اور سب میں خلوص اور احترام نمایاں تھا۔ وہ اُن سب کو اُٹھنے سے کئی بار منع کر چکی تھی مگر اُسکی اُن سب کے لیئے کی گئی فیورز اِتنی زیادہ تھیں کہ سب خود بخود اُسکے احترام میں کھڑے ہونے لگے۔

"وعلیکم اسلام! بیٹھے رہیں اور اِسی محنت سے میرا ساتھ دیتے رہیں۔" سب کی جانب دیکھتے ہوئے ہلکا سا سَر کو خم دے کر اپنے آفس کی جانب بڑھ گئی جہاں دیوار پر خوبصورت سیاہ رنگ کی نیم پلیٹ لگی تھی جِس پر سُنہری رنگ سے **'سی-ای-او میزاب رحمت'** کندہ تھا۔ وہ سیاہ مضبوط دروازے کا ہینڈل دھکیل کر آفس میں داخل ہوگئی۔ آج کا دِن بھی روزانہ کے عام دِنوں کی طرح بے حد مصروف اور تھکا دینے والا تھا۔ ریوالوئنگ چیئر پر بیٹھ کر اُس نے ابھی

سُکھ کا سانس بھی نہیں لیا تھا کہ اُسکے آفس کا دروازہ دَھاڑ سے کُھلا۔ چونک کر اُس نے چہرہ پھیرا اور پھر سامنے سے آتے ایم-ڈی ذکی کو دیکھ کر گہرا سانس لیا۔

"دوبارہ اگر تم اِس طرح میرے آفس میں داخل ہوئے تو جانتے ہو نہ کیا ہو گا۔" اُسکی تنبیہہ پر ذکی نے مُٹھیاں بھینچ کر اُسکو دیکھا۔

"میں نے تم سے کل کہا تھا کہ یہاں شہلا کلاتھنگ کے بجائے میری مرضی کی برینڈ کا آوٹ لیٹ کُھلے گا تو تم نے کیوں شہلا کو اوکے کا سگنل دیا؟" اُس نے چِلا کر جِس طرح سوال کیا میزاب رحمت اپنی کرسی سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"مت بُھولو کہ اِن شاپنگ مالز کی مالک میں ہوں اور تم محض ایم-ڈی۔" اُسکے باور کرواتے انداز پر ذکی نے خون آشام نظروں سے اُسکو دیکھا۔

"تم جانتی ہو نہ دادا نے تمہیں کیوں ہر شے کا مالک بنایا ہے؟" شعلے اُگلتی آنکھوں سے وہ اُسے سنبھل کر رہنے کا عندیا دے رہا تھا۔

"تم سب بہت بزدل اور ڈرپوک ہو۔ اِس کے علاوہ اور کیا وجہ ہو سکتی ہے۔" وہ بہتے پانیوں کی مانند پُرسکون رہی۔ ذکی نے تلملا کر اُسکو دیکھا اور ایک جھٹکے سے پیچھے ہوا۔

"اگر یہاں میں نے اپنی مرضی کا آوٹ لیٹ نہ کُھلوایا تو میرا نام بدل دینا۔" اُسکے انداز کے چیلنج پر اُس نے بے حد غور سے اُسکو دیکھا۔ اِس بار جو لہجے میں یقین تھا اُسکی یقیناً کوئی خاص وجہ ہو گی اور وجہ کیا ہو سکتی ہے اُس سے بہتر کون جانتا تھا۔

"ٹھیک ہے! پھر آئی-ڈی کارڈ پر بھی تبدیل کروانا پڑے گا۔" اُسکے اطمینان میں ذرا فرق نہیں آیا۔ اِس سے پہلے کہ ذکی مزید ضبط کھوتا، اُسکا سیل فون بَج اُٹھا۔ ایک سخت نظر اُس پر ڈال کر جِس طرح آندھی طوفان بنا اندر آیا تھا ویسے ہی باہر چلا گیا۔ اُسکے جاتے ہی اُس نے جُھک کر اِنٹر کام پر سیکرٹری کو کال کر کے کان سے لگایا۔

"دوبارہ اِس بد تہذیبی سے کوئی بھی میرے آفس میں داخل ہوا تو میں لحاظ نہیں کروں گی، مِس کائنات۔" اُسکی نرم تنبیہہ بھی لہو سَر کر دینے والی تھی۔

"سوری میم! وہ میرے بہت منع کرنے کے باوجود بھی گُھس آئے۔" کائنات نے شرمندگی سے اپنی پوزیشن کلئیر کرنی چاہیئے۔

"میں اُسکا دماغ ٹھکانے لگاتی ہوں لیکن ضرورت پڑے تو نیچے سے سیکورٹی کو بُلا سکتی ہیں آپ۔" اُسکی ہدایت پر کائنات چونک گئی۔ دوسری جانب اُس نے کریڈل رکھ کر ایک نظر کلائی پر پہن رکھی گھڑی کو دیکھا۔ اُسے ابھی سائیٹ میٹنگ کے لیئے زی-فوڈز جانا تھا۔ ذکی کو وہ بعد میں دیکھ لے گی۔ اپنے سیاہ زنجیر والے بیگ سے سارا ضروری سامان نکال کر سیاہ چھوٹے پیک بیگ میں ڈالنے کے بعد ساتھ ہی ٹیبل سے سیاہ رنگ کا لیپ ٹاپ نکال کر رکھا۔ گلاسز کی یقین دہانی کے بعد بیگ بند کر کے کندھے پر ڈالتے ہوئے آفس سے باہر نِکل آئی۔

"میم! میٹنگ میں آدھا گھنٹہ ہے ابھی۔" کائنات کی اطلاع پر اثبات میں سَر ہلا کر آگے بڑھی تو کائنات کو بھی اُسکی تقلید کرنی پڑی۔ جانتی جو تھی کہ سی-ای-او مِس میزاب رحمت اپنے کام کو لے کر کِس قدر سنجیدہ اور پرفیکشنسٹ تھیں۔

"ریسٹورنٹ کا ایک راؤنڈ بھی لگانا ہے۔" نرمی سے کائنات کو اطلاع دے کر پھر سے لفٹ میں داخل ہوئی اور اَب کے لفٹ نیچے پارکنگ لاٹ میں جا رہی تھی۔

سب سے مِل کر گھر سے نکلے ہوئے اُسکو ایک گھنٹا ہونے والا تھا۔ عباس کا اِرادہ جلد سے جلد اسلام آباد پُہنچنے کا تھا تبھی سارا سامان رکھ کر، اُسکا کہیں رُکنے کا اِرادہ نہیں تھا مگر شجاعت ساتھ ہو اور اِیسا مُمکن ہو جائے۔ وہ ہر جگہ ہر بے مقصد جگہ جیپ رُکوا کر کچھ نہ کچھ کھانے کو ضرور خریدتا۔

"تم جانتے ہو نہ میں کِس مقصد کے لیئے نِکلا ہوں؟" جب اُس نے پھر سے جیپ روکنے کا کہا، عباس نے چہرہ پھیر کر تیز نظر اُس پر ڈالی جِس نے کوئی خاطر خواہ اثر نہیں لیا۔

"دُشمن کے چھکے چھُڑانے۔" اُسکا اطمینان قابلِ دید تھا۔

"اور بھرے پیٹ سے دُشمن کے چھکے نہیں چھُڑائے جاتے۔" اُسکے انداز کی سنجیدگی کو کم اَز کم شجاعت خاطر میں نہیں لا سکتا تھا۔

"وہ تو آپ چھُڑائیں گے تو خالی پیٹ رہیں۔ میں نیند لوں گا اور نیند کے لیئے پیٹ کا بھَرا ہونا بہت اہم ہے۔" اُسکی نرالی مَنطق پَر عباس نفی میں سَر ہلا کر رہ گیا۔

"اَب یہ جیپ منزل پر پُہنچ کر ہی رُکے گی۔ ہم سیر سپاٹے کرنے نہیں جا رہے وہاں۔" اُسکے سخت الفاظ پر شجاعت نے بُرا سا مُنہ بنایا۔ وہ اُس سے عُمر میں کم نہ ہوتا تو ضرور مُنہ توڑ جواب دیتا۔

"ٹھیک ہے مت روکیں۔ یہ تو بتائیں کریں گے کیا وہاں جا کر؟" شجاعت کے ذہن میں جس سوال کا کیڑا کب سے کُلبلا رہا تھا، وہی کیا۔

"صورت حال دیکھنے کے بعد ہی فیصلہ ہو گا۔" موڑ کاٹتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"پھر بھی کوئی پینٹ دے دیں۔" وہ جاننے پر بضد تھا۔

"مجھے اُن لوگوں کے بہت قریب رہنا ہے، شجاع تاکہ وار کہاں کرنا ہے یہ معلوم ہو سکے۔" اُسکے لہجے کی پُختگی پر شجاعت نے چونک کر اُسکو دیکھا۔

"جانتے ہیں نہ آپ کہ فوزیہ امی بالکل بھی خُوش نہیں ہیں آپکے اِس مشن سے۔" شجاعت کا وہ سوال نہیں تھا۔

"جانتا ہوں!" مُختصراً جواب آیا۔

"وہ چاہتی ہیں کہ آپ اَب شادی کر کے اپنا گھر بَسائیں۔" شجاعت نے مزید لقمہ دیا۔

"میرے پلانز میں شادی دُور دُور تک نہیں ہے۔" اُسکا اطمینان قابلِ دید تھا۔

"یعنی بوڑھے ہو کر مریں گے؟" بڑی ہی مکاری سے سوال آیا۔

"جوانی میں بھی مَر سکتا ہوں۔" اُسکے برجستہ جواب پر مُسکراتے شجاعت کی مُسکراہٹ پھیکی پڑی۔ بے حد غور سے اُس نے عباس کے چہرے کے سخت، کُھردرے تاثرات دیکھے۔

"مَرنے کے اِرادے سے جا رہے ہیں؟" شجاعت کے سوال میں پہلی بار تفکر لہرایا۔

"مارنے کے لیئے۔" اُسکے حوصلے بلند تھے۔

"مرے بغیر واپس جانا ہے!" شجاعت کی یاد دہانی پر اُس نے مسکرا کر سر ہلایا۔

"دیکھتے ہیں۔ صورتحال نے اِجازت دی تو مار کر نہیں تو مر کر۔" اُسکے انداز میں اِتنی طمانیت تھی کہ شجاعت کا دِل دُکھنے لگا۔ باقی کا سفر سوگوار کرتی خاموشی میں ہی طے ہوا اور پھر شجاعت نے واقعی کہیں رُکنے کو نہیں کہا۔ یہاں آنے سے قبل ہی عباس نے اپنے دوست کو کہہ کر ایک بنگلہ خرید لیا تھا اور پھر اُنکی جیپ اُس گھر کے پورچ میں جا کر ہی رُکی۔ دونوں نے سامان اندر رکھا اور پھر شجاعت صاحب تو اِیسا سوئے کہ اُنھیں صُبح ہی اُٹھنا تھا مگر عباس سفر کی ساری تھکن بُھلائے اپنے کمرے کے ساتھ بنے جِم خانے میں آ گیا۔ شرٹ اُتار کر بھینچ پر رکھتے ہوئے وہ اِس سردی میں سیاہ سلیولیس شرٹ میں ملبوس ورک آؤٹ میں مصروف ہو چُکا تھا۔ پنچنگ بیگ پر مکے مارتے ہوئے اُسکا ذہن آگے کا لائحہ عمل ترتیب دے رہا تھا۔ دُشمن کے قریب رہنے کے ہر طریقے کو ڈھونڈ کر رَد کرتے ہوئے اُسکو اِیسا کچھ ڈھونڈنا تھا جِس سے کم وقت میں زیادہ اعتبار قائم ہو سکے۔ پسینے سے بکھرتے بالوں کو پیچھے کر کے Preacher Curl Machine پر آ کر بیٹھا۔ Biceps کی ایکسرسائز کے لیئے اُسی مشین کا اِستعمال کیا جاتا ہے۔ اُسکے ذہن کو سب سے زیادہ اچھا فوکس، ورک آوٹ کے دوران مِلتا تھا۔ اُسے فُول پُروف پلان بنانا تھا۔ ایک خاص پلاننگ کے ساتھ تاکہ دبے پاوں چل کر دُشمن کی رگِ گردن کاٹنے میں دُشواری کا سامنا نہ ہو۔ ہر کام پلاننگ سے کرنے اور کرتے رہنے والے کے لیئے اِس بار سب پلان کے مُطابق جانا تھا یا نہیں اِسکی اُسے فلحال کچھ خبر نہیں تھی کیونکہ اُس نے اپنا اُونٹ باندھ کر معاملات آخر میں ربِ کعبہ کے سُپرد ہی کرنے ہوتے تھے۔ اَب کیا لکھ رکھا تھا قسمت نے اِس اِنتقام کے چکر کے بارے میں اُسے خبر نہیں تھی مگر یہ طے تھا کہ عباس جان نثار اپنا سب کچھ داؤ پر لگانے کو پورے دِل وجان سے مائل تھا۔ وہ سب کچھ تیاگ کر، ساری کشتیاں جلا کر یہاں آیا تھا اور یہاں سے خالی ہاتھ واپس لوٹنے کا اُسکا کوئی اِرادہ نہیں تھا۔

✓ تُو میری خانہ بدوشی سے کہاں واقف ہے

میں تو گھر بار اُٹھاؤں گا، چلا جاؤں گا۔۔۔

اُس شاہانہ سے ڈائینگ ہال میں طویل ٹیبل پر لاتعداد کرسیاں لگیں تھیں اور اُس گھر کے سب افراد ناشتے کی ٹیبل پر جمع تھے۔ یہ اعلیٰ شان قصر پاکستان کے جانے مانے اِنڈسٹر لیسٹ اور شاپنگ مالز اونر سردار ہاشم بزنجو کا تھا۔ وہ بذاتِ خود ساری ذمہ داریاں اپنی آل اولاد پر ڈال کر اَب گھر میں آرام کر رہے تھے مگر اُنکی مخصوص ٹیم ایک ایک بات اُنکے گوش گُزارتی تھی جِس میں اُنکی اولاد کی کارگُزاریاں صفحہ اول پر تھیں۔

"ہاں بھئی، ذکی! کل کے تماشے کا مقصد کیا تھا؟" ہاشم بزنجو کے سوال پر ماحول میں خاموشی طاری ہو گئی۔ سب نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا جبکہ ذکی اندر تک تلملا کر رہ گیا۔

"کیسا تماشا، بابا جان؟" کاشف بزنجو نے تعجب سے اُنکو دیکھا۔ وہ فیکٹریوں کے معاملات سنبھالتے تھے اِس لیئے اُنکی ساری توجہ وہیں تھی۔

"یہ تو تم اپنے بے شرم بیٹے سے پوچھو کہ کیوں زیب کے آفس جا کر تماشا لگایا۔" اُنکی آواز ایک دَم اُونچی ہوئی۔ سب کی نظریں اطمینان سے ناشتہ کرتی میزابِ رحمت تک گئیں۔

"کیا کر دیا اِس نے، زیبی؟" ذکی کی بہن اور اُسکی کزن زوبیہ کی سرگوشی پر اُس نے چہرہ پھیر کر اُسکو اور پھر سب کے متوجہ چہروں کو دیکھا۔

"شہلا کلا تھنگ کا سٹور مال میں کُھل رہا ہے اور ایم-ڈی ذکی کو اُسی سے مسئلہ ہے۔" اُسکے سنجیدہ جواب پر سردار ہاشم نے غصے سے اُسکو دیکھا جو اندر ہی اندر کڑھ رہا تھا۔

"معاملا کیا ہے؟" سردار ہاشم کی چھوٹی بہو، آمینہ کاشف کو بیٹے کے لیئے میدان میں کودنا ہی پڑا۔

"میں چاہتا ہوں کہ ماریہ کلا تھنگ کا سٹور کُھلے۔ اُس سے ہمارا پروفٹ بہت زیادہ آئے گا اور۔۔۔" ہاشم بزنجو اور اپنے ماں، باپ کی توجہ پا کر وہ جو تیز تیز اپنا مُدعا پیش کرنے لگا تھا، میزابِ رحمت کی مُداخلت پر ٹھہر گیا۔

"بزنس میں اپنی چاہت نہیں کاروبار کا مفاد دیکھا جاتا ہے اور وہ تمہاری ماریہ جتنا لون اُٹھا کر کلا تھنگ لانچ کر رہی ہے سارا خسارا ہمارے کندھوں پر آئے گا۔" اُسکے دوٹوک لہجے میں واضح تنبیہہ تھی۔

"یہ کِس طرح بات کر رہی ہو تم میرے بیٹے سے؟" آمینہ بیگم کو اُس ہاشم بزنجو کی لاڈلی کی اکڑ کبھی ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی۔

"یہ آپ اپنے بیٹے سے پوچھیں کہ میرے اور بورڈ آف ڈائریکٹرز کے اِنکار کے باوجود میری محنت کو کیوں ضائع کر رہا ہے۔" اُسکا لہجہ اُن سے بھی سخت اور اُونچا ہوا۔ ہاشم بزنجو نے مُسکرا کر اُسکے انداز و اطوار دیکھے۔ اِیسے ہی تو نہیں اُنہوں نے اپنی اِس پوتی کو اپنے کُل کا اِختیار دے رکھا تھا۔ اُنکا کاروبار اِسی پوتی کی وجہ سے آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ بَلا کی ذہین، بہادر اور بزنس کی خوب سمجھ بوجھ رکھنے والی عورت تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ بزنس میں جذبات کی کوئی جگہ نہیں ہوتی بلکہ ہمیشہ اپنا مفاد دیکھا جاتا ہے۔

"میں اپنی برسوں کی محنت کو ضائع کرنے کی اِجازت کسی کو بھی نہیں دوں گی، دادا جان۔" ہاشم بزنجو کی بوڑھی آنکھوں میں دیکھ کر اُس نے تنبیہہ کرتے ہوئے اُنکو چونکا دیا۔ وہ جانتے تھے یہ خسارے میں جانے والا مال اُنہوں

نے اُسکی قابلیت کو جانچنے کے لیئے اُسکی بزنس کی ڈگری مکمل ہونے کے بعد اُسکے حوالے کیا تھا اور مال کو شہر کا مشہور شاپنگ مال بنانے میں اُسکو چار سال لگے تھے۔ اُس مال پر اُس نے اپنا خون، پسینہ ایک کیا تھا۔

"تمہاری زُبان روز بروز لمبی نہیں ہوتی جا رہی؟" طنزیہ سا سوال کب سے خاموش بیٹھی اُسکی بیوہ پھوپھو رفعت کی جانب سے آیا تھا۔

"اِسی لمبی زُبان کی وجہ سے میرا کاروبار چل رہا ہے۔" اُسے ہر ایک کی زُبان بند کرنی آتی تھی۔

"آپ نے اِسے بہت چھُوٹ دے رکھی ہے، بابا جان۔ اپنے ہر سیاہ اور سفید کا اِختیار اِسکے ہاتھ میں تھما کر آپ اپنے بیٹوں، پوتوں اور نواسے کی بے عزتی کرتے آ رہے ہیں۔" رفعت نے ایک کینہ توز نظر میزاب پر ڈال کر مُسکراتے ہاشم بزنجو کو سنجیدہ کر دیا۔

"اگر اِن سب مَردوں میں کوئی ایک بھی اِسکے جتنا سمجھ دار، ذہین اور بہادر ہوتا تو میں ضرور اپنے کُل کا اِختیار دیتا۔" اُنکی اگلی بات اُس قصر کے مَردوں کو تازیانے کی طرح ایک بار پھِر لگی۔

ہاشم بزنجو نے اپنی جائیداد اور کاروبار کا تقریباً ساٹھ فیصد اُسکے نام کرنے کے ساتھ اُسے ہر اِختیار دے رکھا تھا۔ اُنکی پاور آف اٹارنی اُسی کے پاس تھی جو مال کو کامیاب کرنے پر میزابِ رحمت کو دو سال پہلے مِلی تھی۔

"تمہاری فیکٹریوں میں جب بھی مزدور سٹرائیک پر جاتے ہیں، مال کم پڑتا ہے، بجٹ آؤٹ ہوتا ہے، آڈٹ والے آتے ہیں تو کِس کو لین دین کے لیئے بُلاتے ہو تم؟" اُنہوں نے کاشف اور مُدثر کو دیکھ کر سنجیدگی سے سوال کیا۔

مُدثر، اُنکا نواسا، اُنکی اکلوتی بیوہ بیٹی کا بیٹا تھا تبھی اُنہوں نے سب سے فائدہ مند کنسٹرکشن فیکٹریاں اُسکے اور اپنے بیٹے کاشف کے نام کی تھی۔

"زیب کو!" مُدثر نے نرمی سے تسلیم کیا۔ وہ اِس سب میں ہاشم بزنجو کا ہمنوا تھا۔ اُسے میزابِ رحمت کی صلاحیتوں اور خوبیاں پر پورا اعتبار تھا تبھی اپنے کاروبار کے ہر معاملے میں اُسکو ضرور شامل کرتا۔ یہ کرنے کا اُسے ہاشم بزنجو نے ہی کہا تھا اور اِیسا کر کے مُدثر ہمیشہ فائدے میں رہا تھا۔

"تو پھر تماشے لگانے کے بجائے خود کو ثابت کرو، ذکی۔" اُنکے قطعی انداز پر ذکی نے ایک ناگوار نظر میزابِ رحمت کی اُٹھی گردن پر ڈالی۔ جی چاہ رہا تھا اُس عورت کی فخر سے تنی گردن مروڑ کر رکھ دے مگر وہ داداجان کی چہیتی تھی اِسی لیئے اِیسا صرف سوچا جا سکتا تھا۔

"میرے خیال سے تمہیں یہاں میں کسی کام کے لیئے لے کر آیا ہوں۔" سڑک کراس کرنے کو پُل پر چڑھتے ہوئے اُس نے ہاتھ سیاہ ہُڈی کی جیب میں ڈال کر میٹھا طنز کیا مگر اُسکے برابر شجاعت تھا جسے اپنے نام کی طرح ڈھٹائی میں شجاعت حاصل تھی۔

"آپ مُجھے کچھ زیادہ ہی ہلکے میں نہیں لینا شروع ہو گئے۔" اُسکی شوخی کو نظر انداز کر کے عباس نے نفی میں سَر ہلایا۔

"تم رہنے ہی دو۔ فضول میں وقت ضائع کرنے کے لیئے یہاں خوار کروا رہے ہو۔" جیپ کے بجائے وہ پیدل ہی چل رہے تھے۔ صُبح کے اُوقات میں پاکستان کے دارالحکومت، اسلام آباد میں ہمیشہ کی طرح پُرسکون سکنیت طاری تھی۔ عام شہروں کی نسبت یہاں خاموشی، چڑیوں کی چہکار، آنکھوں کو تراوہٹ پُہنچاتا سبزہ اور مارگلہ کے پہاڑ دیکھنے والے پر بہت خوبصورت سا تاثر چھوڑتے۔ عباس جانثار کا بلوچستان کے ضلع چاغی میں نسلوں سے آباد، سرداری

کرتے سنجرانی قبیلے سے تعلق تھا۔ بلوچستان، پاکستان کا رقبے کے لحاظ سے سب سے بڑا صوبہ ہونے کے ساتھ ساتھ قدرتی ذرائع اور ذخائر سے مالامال ہونے کے باوجود باقی صوبوں کی نسبت وہ مقام حاصل نہیں کر سکا جو اُسکا حق تھا مگر یہاں کے لوگ اِنتہائی مُحب الوطنی اور جانفشانی سے ہر آنے والی حکومت کو اپنے حقوق یاد دِلاتے آرہے تھے اور یوں بعض اوقات حقوق پورے ہوتے اور کبھی کبھار پامال مگر پاکستان کی ترقی اور خوشحالی میں بلوچستان اور اُسکے پُرخلوص لوگوں کے اہم کردار کو کسی صورت نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اَمن واَمان کو قائم رکھنے کے لیئے قبائلی جرگوں نے اُس علاقے میں جو امن قائم کر رکھا تھا وہ سرکاری اداروں کے بھی شاید بس کی بات نہیں تھا اور لائقِ تحسین تھا۔ وہ پہاڑوں کا بیٹا تھا مگر بدلا لینے کو اُسے اپنے بلندوبالا پہاڑوں سے اُتر کر دارالحکومت میں آنا پڑا۔ قبائل کی اِس جنگ میں عدالتی فیصلہ ہمشیہ سنجرانی قبیلے کے حق میں آنے کے باوجود، بزنجو قبیلے نے اُن فیصلوں کی دھجیاں اُڑاتے ہوئے دُشمنی اور غضب کی روایت ہمیشہ قائم رکھی۔

"جب آپ کل جم میں اپنی بوڈی بنارہے تھے تب یہ شجاعت کا اِستعارہ معلومات اکھٹی کر رہا تھا۔" عباس کو رُعب میں لانے کے لیئے اُس نے کندھے چوڑے کرنے چاہے۔

"پھر کِس حدتک کامیاب ہوئے؟" وہ شجاعت کی سُوئی ہوئی صلاحیتوں کو جگانے کے ایک سو ایک طریقوں سے واقف تھا تبھی رُعب میں آئے بغیر سوال آیا۔

"آپ بُرے پھنسنے والے ہیں، عباس بھائی۔" شجاعت کی اگلی بات میں کچھ اِیسا تھا کہ عباس کے قدم تھم گئے۔ چہرہ پھیر کر سنجیدگی سے اُسکو دیکھا مگر شجاعت علی بھی مَر جانے کی حدتک سنجیدہ تھا۔

"کیا دُشمن کو میرے آنے کی خبر ہوگئی ہے؟" وہ جانتا تھا کہ اپنی شناخت یہاں مُخفی رکھنے کے لیئے اُس نے کیا کیا پاپڑ بیلے تھے تبھی یہ سوال کیا۔

"بالکل نہیں! لیکن جِس چیز سے بھاگ رہے تھے آپ، وہی مُقابل آگئی ہے آپ کے۔" شجاعت کا انداز معنی خیز ہوا۔

"اگر ایک سکینڈ کے اندر بات مکمل نہیں کی تو تم میرے ہاتھوں نہیں بچو گے۔" اُسکے بلاوجہ بات کو طُول دینے کی عادت سے عباس ساخت عاجز تھا۔

"سردار ہاشم کی سیاہ سفید کی مَالک ایک عورت ہے اور آپکا مقابلہ اَب ایک عورت کے ساتھ ہو گا۔" شجاعت کی بات پر وہ اندر تک چونک گیا مگر چہرے سے کچھ ظاہر نہیں ہونے دیا گیا۔

"میری دُشمنی اُس عورت سے نہیں اُس گھر کے مَردوں سے ہے۔ عورت سے نہ مُقابلہ کیا جاتا ہے نہ اِنتقام لیتے ہیں۔" اُسکے آہنی لہجے کے اِرادے واضح تھے۔

"خیر! باقی کیا خبر ہے؟" سَر جھٹک کر باقی باتوں کی جانب توجہ دِلائی گئی۔

"باقی سب کچھ آپکی معلومات کے مُطابق دُرست ہے۔ سردار ہاشم بزنجو سارے کاروباری معاملات بیٹوں، پوتوں، نواسے اور پوتی کے حوالے کر کے اپنے قصر میں شان کی زندگی گُزار رہا ہے اور اُسکا ایک ہی بیٹا زندہ ہے، کاشف بزنجو۔ اَصفہان بزنجو مَر چُکا ہے اور ایک بیوہ بہن ہے۔" شجاعت وہی معلومات دُوہرا رہا تھا جس سے عباس واقف تھا۔

"سب عورتیں بزنس میں ہیں اُس خاندان کی؟" اُسکے سوال پر شجاعت نے ایک پَل کو سوچا اور پھِر نفی میں سَر ہلایا۔

"نہیں! ایک ہی پُوتی جِس کا بتا رہا تھا آپ کو کہ ہاشم بزنجو کی منظورِ نظر ہے۔ سب سیاہ سفید کی مالک۔" اُسکی تفصیل پر عباس نے سَر جھٹکا۔ یہ بات اُسکے پلان کے خلاف جا رہی تھی۔ اُسے کچھ اور سوچنا ہو گا۔

"لیکن ہم یہاں کیا کر رہے ہیں؟" رُک کر اُس نے سوالیہ نظروں سے اُسکو دیکھ کر دائیں اَبرو اُٹھائی۔ اُسکی دائیں اَبرو اُٹھانے کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ اُسکی بس ہو چکی ہے اور اَب مُقابل کی خیر نہیں۔

"ہم یہاں آپ کے حریف کو دیکھنے آئے ہیں۔" مُسکراہٹ دبا کر اُس نے فخر سے کندھے اَچکائے۔ عباس کے بے تاثر تاثرات میں کوئی تبدیلی نہ آتے دیکھ کر اُس نے کئی رقبے پر پھیلے شاندار سے قصر کی جانب ہاتھ سے اِشارہ کیا۔ وہ یقیناً اُس قصر کا عقبی حصّہ تھا۔ عباس نے بے دِلی سے بائی پاس کی ریلنگ سے ٹیک لگالی۔

"وہ لڑکی جو بالکونی میں کھڑی ہے، وہی ہے آپکی اصل حریف۔ سردار ہاشم بزنجو کی پوتی اور سردار اَصفہان کی بیٹی۔" شجاعت کے کہے جانے پر وہ جو پُشت ریلنگ سے ٹِکا کر کھڑا تھا، تیزی سے اُس جانب پلٹا۔ بالکونی میں موجود لڑکی کی اُنکی جانب پُشت تھی۔ وہ کھڑکی پر بیٹھی کوئی کتاب ہاتھ میں تھامے پورے اِنہماک سے متوجہ تھی۔ عباس چند پَل خاموشی سے کھڑا وہاں دیکھتا رہا۔ اُن کے بیچ خاموش سڑک پر ہزاروں کی تعداد میں کبوتر فرصت سے بیٹھے خوبصورت موسم سے لُطف اندوز ہو کر دانہ چُگ رہے تھے تبھی اُس نے زوردار تالی بجائی اور سارے کبوتر ایک ساتھ پھڑ پھڑا کر ہوا میں اُڑے۔ کتاب میں مُنہمک لڑکی نے پرندوں کی پھڑ پھڑاہٹ پر چونک کر چہرہ پھیرا۔ سیاہ ریشمی دوپٹے کے ہالے میں مُقید چہرے کا نیم رُخ اور سُرمائی آنکھیں جان لیوا تھیں۔ وہ بھی سانس نہیں لے سکا۔ اِتنی دُوری کے باوجود بھی اُس لڑکی کا نیم رُخ ہوش اُڑا دینے والا تھا۔ عباس جانثار کو اپنے سانس تھم جانے کی وجہ سمجھ نہیں آسکی۔ اُسے آج سے پہلے اپنی نظر کی تیزی کا اندازہ تک نہیں تھا مگر یہ کیفیت پَل بھر کی تھی۔ اُس نے ریلنگ سے ٹیک لگا کر اُس لڑکی کے متوجہ ہونے سے پہلے چہرہ پھیر لیا۔

"اِتنی دُور سے سہی نظر تو نہیں آئی مگر یہ موقع اچھا تھا۔" شجاعت نے اُسکو سیل فون جیب سے نکالتے دیکھ کر آہستگی سے کہا۔ سارا جوش اپنے آپ مَر گیا۔ جانتا جو تھا عباس کی فطرت کو۔

"گھر چلتے ہیں۔" شجاعت کے کہنے پر وہ جو تیزی سے میسج ٹائپ کر رہا تھا، چونک گیا اور پھر اثبات میں سَر ہلا کر دونوں ایک ساتھ قدم سے قدم مِلا کر اُس قصر سے دُور ہوتے جا رہے تھے جہاں اُنکے دُشمنوں کا بسیرا تھا۔ بالکونی میں کھڑی اُس لڑکی کا نیم رُخ جو پہلے واضح نہیں تھا، اَب مکمل صاف ہوا۔ کتاب سائیڈ پر رکھ کر دلچسپی سے دانا چُگتے کبوتروں کے غول کو دیکھنے لگی۔ اُس توجہ سے دیکھتی عورت کا نام **'میزابِ رحمت'** تھا اور وہی عباس جان نثار کی حریف تھی۔ اِیسی حریف جِس کا اُس نے نام تک جاننے کی کوشش نہیں کی۔

✓نام سے کوئی نہیں جانتا زنداں میں مجھے

اپنی زنجیر سے پہچان لیا جاتا ہوں۔۔۔

(اُسامہ خالد)

"زی-فوڈز سے میٹنگ کے بعد آپکو شہلا کلاتھنگ کے لانچ پر جانا ہو گا۔" کائنات کے بتائے جانے پر اُس نے سَر اثبات میں ہلا کر گاڑی کو زی-فوڈز کی جانب موڑ دیا۔ اِتنے بڑے مالز اور کاروبار کی مالک ہونے کے باوجود وہ گاڑی خود چلا رہی تھی تو یہ تعجب کی بات تھی مگر اُسکے لیئے نہیں۔ اُسکے لیئے شوفر اور سیکورٹی کے لیئے کام کرنے والے اُس پر آئے روز ہونے والے حملوں اور مسئلوں سے تنگ آکر مہینے کے اندر اندر کام چھوڑ دیتے اور یہ سلسلہ تقریباً تین سال تک متواتر چلتا رہا اور پھر اُس نے سیکورٹی اور ڈرائیور رکھنے چھوڑ دیئے گو کہ ہاشم بزنجو کی جانب سے بہت پریشر تھا اور وہ ہمیشہ گارڈز کی ایک ٹیم کو اُسکے پیچھے روانہ رکھتے تھے مگر اُس پر اِتنے حملے ہوئے تھے کہ شاید موت کا خوف اُسکے اندر سے نِکل گیا تھا یا پھر اپنے کاروبار کو لے کر بے خوف ہو گئی تھی۔

"میم! میں گاڑی چلا لیتی ہوں۔" کائنات نے وقفے کے بعد کہا تو اُس نے مُسکرا کر نفی میں سَر ہلایا۔

"آپ مجھے بریف کریے۔" اُسکے کہنے پر کائنات کھنکار کر شروع ہو گئی۔ ہر چھوٹا، بڑا پہلو، زی فوڈز کی سیلز ویلیو، خسارہ، لیگل مسئلے تمام اُسکو بتا چکی تبھی سامنے زی-فوڈز کی عمارت آنے پر اُس نے پارکنگ میں گاڑی کھڑی کی۔ زی-فوڈز کا مالک زوریز سکندر جو آگے بڑھ کر پیچھے کا دروازہ کھولنے والا تھا، ڈرائیونگ سیٹ سے ایک وقار سے اُترتی عورت کو دیکھ کر چونکتے ہوئے پیچھے ہوا۔ اُسکے سٹاف کے اہم افراد اُس وقت باہر اُسکے اِستقبال کے لیئے آئے تھے۔

"اسلام علیکم!" سب کو دیکھ کر اُس نے نرمی سے کہا جبکہ زوریز سکندر نے مُسکرا کر ہاتھ آگے بڑھانا چاہا مگر وہ پہلے ہی آگے بڑھ کر سب سے مِلنے لگی۔ چہرہ پھیر کر زوریز سکندر نے اُسکو دیکھا جو صرف عورتوں سے ہاتھ مِلا رہی تھی اور مَردوں کو بس سلام کر رہی تھی تو اپنے پھیلا رکھے ہاتھ سے گردن کی پُشت سہلا کر اُسکی جانب بڑھا۔

"آیئے اندر چلتے ہیں۔" آگے بڑھ کر اُس کے لیئے شیشے کا دروازہ کھولنا چاہا جبکہ میزابِ رحمت پہلے ہی اثبات میں سَر ہلا کر دھکیلتے ہوئے اندر بڑھ گئی۔ ضوریز سکندر ایک پَل کو نا سمجھی سے تھما اور پھر تیز قدموں سے اپنی ٹیم کو ضروری ہدایات دے کر اُس کے ہمقدم ہوا جو اپنی سُرمائی آنکھوں کی گہرائی سے اُس ریسٹورنٹ کا تفصیلی معائنہ کر رہی تھی۔

"صفائی کا اچھا اِنتظام ہے۔" اُسکے تعریفی تبصرے پر زوریز سکندر نے مُسکرا کر داد قبول کی۔

"میٹنگ کے لیئے سب تیار ہیں۔" سامنے شیشے کے کانفرنس روم جہاں طویل میز کے گرد پچاس کے لگ بھگ لوگ محوِ انتظار تھے، وہاں اِشارہ کیا گیا۔ اثبات میں سَر ہلا کر میزابِ رحمت آگے بڑھی اور خود ہی دروازہ دھکیل کر اندر آ گئی جبکہ ضوریز کے کھول رکھے دوسرے دروازے سے گُزرتے ہوئے کائنات نے مُسکرا کر سَر کو ہلکا سا خم کیا۔

"اسلام علیکم!" اُسکے آتے ہی سب اپنی کرسیاں چھوڑ کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ نرمی سے مُسکرا کر اُنکو بیٹھنے کا اِشارہ کر کے اُس نے سامنے کی دو کرسیوں میں سے ایک سنبھال کر اپنے پیک بیگ سے لیپ ٹاپ نکال کر ٹیبل پر رکھا تب تک زوریز سکندر اُسکے برابر والی کرسی سنبھال چُکا تھا۔

"جی! شروع کریں۔" اُسکے کہے جانے پر پروجیکٹ ہیڈ اُٹھ کر ڈائس تک گیا اور اپنا لیپ ٹاپ پروجیکٹر سے کنیکٹ کرنے کے بعد اُس میٹنگ کے مقصد اور فوائد بتانے لگا۔ وہ بے حد غور سے پروجیکٹر سکرین پر چلتی پریزینٹیشن کو دیکھ رہی تھی۔ اِس میٹنگ کے بعد ہی اُس نے فیصلہ لینا تھا کہ زی-فوڈز اُنکے مالز کے فوڈ کورٹ میں آسکتی ہے یا نہیں۔

"پچھلے دو سال کی سیلز کا چارٹ آپ دکھا سکتے ہیں؟" پریزنٹیشن دیتے شخص کو اُس نے براہِ راست کہتے ہوئے اپنے بیگ سے پانی کی بوتل نکال کر کھولی۔ زوریز سکندر نے چہرہ پھیر کر اُسکو ناسمجھی سے دیکھا جو پانی کا گلاس سامنے پڑا ہونے کے باوجود۔۔ خیر! سَر جھٹک کر اُسکو پانی پیتے دیکھ کر اُس نے سامنے دیکھا جہاں پچھلے دو سالوں کی سیلز دِکھائی جا رہی تھی۔

"بہت زبردست بریفنگ تھی، جذاک اللہ۔" بریفنگ ختم کر کے اپنی کرسی پر آتے شخص کے لیئے میزابِ رحمت جیسے ہی کھڑی ہوئی سب نے چونک کر اُسکو دیکھا جبکہ اُس تعریف پر پروجیکٹ ہیڈ حمدان کا چہرہ کِھل اُٹھا۔

"تھینک یو، میم!" مُسکرا کر کہتے ہوئے اُس نے کرسی سنبھال لی۔ پِھر ایک دو اور لوگوں نے بڑی جامع اور پی-پی-ٹی دی جِس سے اُسکے لیئے فیصلہ لینا آسان ہو گیا۔

"فوڈ کورٹ میں آنے کے ساتھ میں چاہتی ہوں آپکی سوشل میڈیا مارکیٹینگ ٹیم ہمارے آفس میں آکر کام کرے۔" اُسکے کہے جانے پر حمدان نے زوریز سکندر کو دیکھا۔

"ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔" میزابِ رحمت کی بڑھائی گئی فائل تھامتے ہوئے اُس نے سوچے بغیر کہہ دیا۔ اُس مال کے فوڈ کورٹ میں آنا اُسکے اِس سال کا ٹارگٹ تھا۔ جِتنا مقابلہ اِس عورت نے مارکیٹ میں اُٹھا رکھا تھا اُسکے بعد سی-ای-او میزابِ رحمت کے ساتھ کام کرنا مشکل تھا کیونکہ وہ بہت سوچ سمجھ کر اپنے پارٹنرز چُنتی تھی۔ فائل پر دستخط کرتے ہوئے میزابِ رحمت کی جانب بڑھائی۔ **'جذاک اللہ'** کے ساتھ تھامتے ہوئے اُس نے سیاہ پین سے دستخط کر کے فائل ساتھ بیٹھی کائنات کے حوالے کر دی۔

"آپ سب کے ساتھ کام کرنا یقیناً بہت فائدہ مند ہو گا۔" اُٹھ کھڑے ہو کر اُس نے سب لوگوں کو شائستگی سے کہا۔ اُسکے اُٹھتے ہی کائنات نے کرسی کی پُشت پر رکھا اُسکا اور کوٹ بازو پر رکھ لیا۔

"تھینک یو، زوریز صاحب۔" اپنے مال کی ڈیل کی فائل اُسکی جانب بڑھائی جِسے زوریز سکندر نے حمدان کو پکڑا دی۔

"ہمارے ریسٹورنٹ کا ویزٹ کرنا چاہیں گی آپ؟" وہ جو پیک بیگ پہن رہی تھی، زوریز سکندر کی بات پر چونک کر چہرہ اُٹھایا۔ چند پل کو سب کے پُر اُمید چہروں کو دیکھا اور پھر اِنکار دَم توڑ گیا۔ پہلے اُسکا اِرادہ حالانکہ ویزٹ کا تھا مگر اُس نے میٹنگ کے دوران خود ہی اُس اِرادے کو رَد کر دیا تھا کیونکہ اُسے جلدی تھی۔

"شیور مگر میں کچن سے سٹارٹ لینا چاہوں گی۔" اُسکے کہے جانے پر زوریز سکندر اور سارے سٹاف کے چہرے کی رونق بڑھ گئی۔ پھر وہ پوری ٹیم کے ہمراہ زی-فوڈز کے ویزٹ پر نِکل کھڑی ہوئی۔ تین منزلہ وہ خوبصورت سا ریسٹورنٹ اسلام آباد میں ایک بہت اچھا نام رکھتا تھا اور اِسکی باقی برانچز لاہور، مری، فیصل آباد، کوئٹہ اور نوشہرہ

میں بھی تھیں۔ اِتنی ترقی اور مشہوری کے باوجود اُس ریسٹورنٹ نے کبھی کسی مال میں اپنا فوڈ کورٹ نہیں لانچ کیا اور یہ پہلی بار تھا اِسی لیئے زی-فوڈز کو میڈیا کوریج اور بہت سے لوگوں کی نظروں کا سامنا بھی کرنا پڑ رہا تھا۔ ابھی میزابِ رحمت ساری ٹیم کے ہمراہ کچن اور اُوپر کا وزٹ کر کے گراؤنڈ فلور پر آئی ہی تھی کہ وہاں مچتے شور اور بھگ دَڑ پر سب پریشانی اور نا سمجھی سے ٹھہر گئے۔ سیکورٹی بھاگ کر اُس جانب جا رہی تھی جہاں لوگوں کا رش اکھٹا تھا۔

"کیا ہوا، متین؟" زوریز سکندر نے ایک گارڈ کو روک کر پریشانی سے پوچھا۔

"سَر! کوئی کسٹمر توڑ پھوڑ اور تماشا کر رہا ہے۔" اطلاع دے کر گارڈ بھاگ کر آگے بڑھ گیا جبکہ میزابِ رحمت کسی خیال کے تحت چونک کر رش کو چیرتے ہوئے آگے بڑھی۔ زوریز سکندر جو حمدان کو ضروری ہدایت دے رہا تھا اُس کو آگے بڑھتے دیکھ کر بوکھلا کر اُسکے پیچھے بھاگا۔ سامنے آ کر میزابِ رحمت کو گہرا سانس لینا پڑا کیونکہ شاید معاملہ وہی تھا جیسا وہ سمجھ رہی تھی۔

ایک آدمی تیز دَھار چُھری کو تھامے کرسیاں اُٹھا اُٹھا کے اِدھر اُدھر پھینک کر کاونٹر پر کھڑے سٹاف کو ہراساں کرنے کے ساتھ اِرد گرد لوگوں کو بھی بدحواس کر رہا تھا۔

"آگے کوئی نہ بڑھے ورنہ میں اِس پورے ریسٹورنٹ کو آگ لگا دوں گا۔" سائیڈ پر پڑے سفید کین کی جانب اِشارہ کر کے وہ چیخ اُٹھا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے خود پر سارا کین خالی کر دیا۔ زوریز سکندر نے تلملا کر پیشانی سہلائی۔ یہ تماشا بھی آج ہی ہونا تھا۔

"یہ سب کرنے سے صرف آپ کا نقصان ہو رہا ہے، معلوم ہے نہ آپ کو؟" پریشان اور بدحواس مجمعے میں کھڑی اُس اُٹھی گردن والی پرُوقار عورت نے نہایت اطمینان سے بتا کر اُس گیلے ہوئے شخص کو چونکا دیا۔ صاف واضح تھا کہ وہ سوال نہیں ہے۔ کرسی اُٹھا کر کاؤنٹر پر پھینکنے کو تیار اُس شخص کا ہاتھ تھما۔

"معلوم ہے نہ اِس دُنیا کے قانون کا۔ ظالم بچ جاتا ہے اور مظلوم پس جائے گا۔" اُسکی آواز نہ بہت مدہم تھی نہ بہت اُونچی۔ اُس بہتے جھرنے جیسی آواز پر کھڑکی کے پاس موجود ٹیبل سے کھانا کھا کر اُٹھتا عباس جانثار ٹھہر گیا۔

"لگتا ہے مسئلہ پیچیدہ ہے۔" اُس تماشے کو انجوائے کرتے شجاعت نے بڑے مزے سے کہا جبکہ عباس کرسی دھکیل کر تماشے کی جانب آیا یوں کہ تماشا کرتے آدمی کی پُشت اُسکی جانب تھی۔

"زوریز صاحب! سیکورٹی کی ضرورت نہیں۔" قدم نامحسوس انداز میں اُس آدمی کی جانب بڑھاتے ہوئے میزابِ رحمت نے چہرہ پھیر کر نرمی سے کہا اور عین اُس شخص کے سامنے آکر اُسکے کان کی جانب جُھکی۔

"اگر میں آپ کی جگہ ہوتی تو کسی کو ڈھال بنا کر پولیس کے آنے سے پہلے نکل جاتی کیونکہ یہاں بے بس کا ساتھ کوئی نہیں دیتا۔" اُسکی سرگوشی اِتنی آہستہ نہیں تھی کہ پیچھے کھڑے شخص تک نہ جاتی جو حیرانگی سے اُس عورت کو اُس آدمی کی جانب چہرہ کیئے جُھکتے دیکھ رہا تھا۔ اُس عورت کا رُخ اُس پر واضح نہیں ہو سکا۔ اُس مٹی کے تیل سے بھیگے آدمی نے اُن سُرمائی آنکھوں میں دیکھا اور اُن آنکھوں کی مالکن نے خود کو ڈھال بنانے کا خاموش اِشارہ کیا۔

لپک کر اُسکو ایک جھٹکے کے ساتھ کندھے سے تھامتے ہوئے اُس نے سارے مجمعے کو خوفزدہ کر دیا۔ کتنے لوگوں کی چیخیں نِکل گئیں۔ پیچھے کھڑا مرد ناسمجھی سے اُس دیدہ دلیر عورت کی پُشت دیکھ رہا تھا۔

"کوئی میرے قریب نہ آئے۔" اُسکو جھٹکا دے کر اپنے ساتھ گھسیٹتے ہوئے دروازے کی جانب لے جاتے ہوئے وہ غُرا کر بولا مگر سیکورٹی تیزی سے قریب آئی۔

"ضوریز صاحب! سیکورٹی کو پیچھے کریں۔" اُس عورت کی آواز میں ذرا سی بھی کپکپاہٹ نہیں تھی۔ تبھی اُسکو اپنی گردن کے پاس ٹھنڈا چاقو محسوس ہوا۔ چہرہ پھیرے بغیر بھی وہ اُس بے بس آدمی کا خوف سمجھ سکتی تھی۔

"آپ وہاں کیا کر رہے ؟" شجاعت تیزی سے بھاگ کر اُس تک آیا جِس کی نظر اُس آدمی کے تیزی سے دروازے کی جانب بڑھتے قدموں پر لگی ہوئی تھی۔

"نہیں! ضوریز صاحب۔" حمدان کو آگے بڑھنے کا کہتے ضوریز کو اُس نے چیخ کر کہا اور تبھی اُس شخص نے خوف سے اپنی جانب لپکتے گارڈ کو دیکھ کر اُسکو پوری قوت سے پرے پھینکا اور باہر کی جانب بھاگ کھڑا ہوا۔ کراہ کر بامُشکل سنبھلتے ہوئے میزابِ رحمت نے پلٹ کر اُس آدمی کو شیشے سے بھاگ کر باہر نکلتے اور پھر لوگوں کے جم غفیر میں اوجھل ہوتے دیکھ کر گہرا سانس لیا۔

"آپ ٹھیک ہیں ؟" اُس کی ہر حرکت کو بغور دیکھتا عباس تیزی سے قریب آیا مگر میزابِ رحمت سیکورٹی کو باہر بھاگتے دیکھ کر پریشانی سے شیشے کے قریب گئی۔ اُسکے پلٹتے ہی اِس سے پہلے کہ ضوریز اُسکی جانب بڑھتا کسی نے اپنا گرم اُوور کوٹ اُسکے شانوں پر پھیلا دیا۔ مدہم مردانہ پرفیوم پر میزابِ رحمت نے گھبرا کر چہرہ پھیرا جبکہ جُھک کر کھڑا شخص اُن تیزی سے پلٹتی سُرمائی آنکھوں کو دیکھ کر بروقت پیچھے نہیں ہو سکا۔ سامنے ہراساں آنکھوں سے دیکھتی عورت وہی تھی جسے دیکھنے کے لیئے عباس جان نثار نے کبوتر اُڑائے تھے۔

****

"جذاک اللہ!" بوکھلا کر وہ تیزی سے پیچھے ہوئی اور عباس جان نثار بھی دونوں ہاتھ مفاہمتی انداز میں اُٹھا کر پیچھے ہوا۔ وہ نظر کا ٹکراؤ پَل بھر کا کھیل تھا اور پھِر سارا فسوں بھک سے اُڑ گیا۔

"میم! آپ ٹھیک ہیں؟" کائنات بھاگ کر اُسکی جانب آئی اور تبھی عباس کی نگاہ زمین پر گِرتے خُون کے قطروں پر گئی۔ کچھ کہے بغیر جیب سے رومال نکال کر اُسکے سامنے کیا۔ چونک کر میزابِ رحمت نے ایک نظر اپنے ہاتھ کو دیکھا اور دوسرے ہی پَل اُس ہاتھ کو جو اُسکے سامنے رومال دینے کو پھیلایا گیا تھا۔

"جذاک اللہ!" آہستگی سے کہہ کر اُس نے رومال لے کر ہاتھ اُونچا کر کے گہرے کٹ پر رکھا جو یقیناً عُجلت میں لگا تھا۔

"اگلی میٹنگ کتنی دیر میں ہے؟" ساتھ کھڑی کائنات کو دیکھے بغیر اُسی مصروفیات سے کہتے ہوئے اُس نے پلٹتے عباس جانثار کو چونکا دیا۔

"دَس مِنٹ بعد!" کائنات نے بے چارگی سے کہا۔ جانتی جو تھی اپنی میڈم کو۔

"اُوکے! مجھے راستے میں بریف کر دینا۔" نرمی سے کہہ کر اُس نے کائنات کا بازو تھپتھپایا۔

"گھبرا تو نہیں گئیں؟" رومال کو ایک نظر دیکھ کر پوچھتے ہوئے اُس نے اپنا بازو سیدھا کیا۔

"آپ کے ساتھ تین سال سے ہوں۔ اَب تو اِس سب کی عادت ہو گئی ہے۔ آپ تو خود خطروں میں کود پڑتی ہیں۔" کائنات نے وہ بات کہنا ضروری سمجھا جو ہمیشہ سے کہنا چاہتی تھی۔ میزابِ رحمت نے مُسکرا کر چہرہ اُٹھایا اور پھِر دُور جاتے اُس شخص کو دیکھ کر تیزی سے کوٹ کندھوں سے اُتارا اور کائنات کے بازو سے اپنا اُٹھا کر پہنتے ہوئے تیز قدموں سے اُسکی جانب بڑھی۔

"بات سُنیں!" وہ جو شجاعت کے قریب پُہنچنے والا تھا، اُس پُکار پر ٹھہر کر پلٹا۔ سامنے وہی عورت اُسکا رومال اور کوٹ بڑھائے کھڑی تھی۔

"آپ کا بہت شکریہ۔" اُس لہجے میں اِتنی حلاوت تھی کہ عباس جانثار کو سَر جھٹکنا پڑا۔

"اِٹس اوکے۔" سَرد مہری سے کہہ کر اُس نے اپنا رومال اور کوٹ ایک جھٹکے میں اُس کے ہاتھ سے لیا اور حیران رہ جاتی میزابِ رحمت کو کچھ کہنے کا موقع دیئے بغیر دُور کھڑے اپنے کسی قریبی تک گیا اور پھر وہ لوگ شیشے کا بیرونی دروازہ پار کر گئے۔

"یہ کیا تھا؟" اُس انداز کی سختی اُسے واضح محسوس ہوئی تھی تبھی حیرانگی سے اُس نے خود کلامی کی۔

"کیا ہوا، میم؟" اُسکو یوں ٹھہرا دیکھ کر کائنات تیزی سے اُس تک آئی۔

"ہاں! کچھ نہیں۔ چلتے ہیں۔" کہہ کر سامنے سے آتے حمدان کی جانب بڑھی۔

"کیا بنا اُس آدمی کا؟" میزابِ رحمت کا انداز عُجلت بَھرا تھا۔

"وہ پولیس کے آنے سے پہلے ہی نو دو گیارہ ہو گیا۔" حمدان کی افسوس بَھری اطلاع پر وہ کہیں اندر تک طمانیت کا شکار ہوئی۔

"کوئی بات نہیں۔ بزنس میں اِیسے ہزار طرح کے واقعات ہو جاتے ہیں۔ ضوریز صاحب سے کہیئے گا کہ میری ضروری میٹنگ ہے تو میں جا رہی ہوں۔" ضوریز سکندر پولیس اور سیکورٹی کے ساتھ مصروف تھا اِیسے میں اُس سے الوداعی کلمات کہنا ناممکن تھا کیونکہ اُسکو شہلا کلاتھنگ کی لانچ پر مال جانا تھا اِسی لیئے حمدان سے کہہ کر کائنات کے

ہمقدم تیز قدموں سے وہ باہر نِکل کر پارکنگ کی جانب بڑھ گئی۔ ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھولتا اُسکا چہرہ پہلے جیسا نرم نہیں بلکہ آہنی اور بہت سنجیدہ ہو گیا تھا یوں جیسے جو بھی ابھی اُسکے سامنے آئے اُسکی ماں اُسے روئے۔

"میم! میں ڈرائیو کر لیتی ہوں۔" کائنات نے اُس سے چابی لینی چاہی۔

"اُونہوں! مُجھے اِس وقت ڈرائیو کرنے کی اَشد ضرورت ہے۔" نرمی سے اُسے پسینجر سیٹ سنبھالنے کا اِشارہ کر کے اُس نے اندر بیٹھ کر گاڑی سٹارٹ کی اور کائنات کے بیٹھتے ہی اُسکی گاڑی گولی کی رفتار سے زی-فوڈز کی پارکنگ لاٹ سے نِکل کر اپنی اگلی میٹنگ کی جانب دوڑ رہی تھی۔

"کیا ضرورت تھی دُشمنوں کی بیٹی کی مدد کرنے کی؟" سنجیدگی سے جیپ چلاتے عباس کو دیکھ شجاعت نے تلملا کر کہا۔

"تمیز سے! شجاعت۔ ہمارے لیئے وہ صرف ایک غیر عورت ہے اور عورت کی عزت اور احترام ہم پر فرض ہے۔" اُسکا لہجہ بالکل دوٹوک، کسی بھی لچک سے پاک تھا۔

"اپنا دھیان عورتوں پر سے ہٹا کر مَردوں پر رکھو۔ ہمارا حساب اُس گھر کے مَردوں سے نِکلتا ہے۔" عباس جان نثار کے مُصمم اِرادے واضح تھے۔

"مگر اُنہوں نے بھی ہمارے گھر کی عورت۔۔۔" شجاعت نے تیزی سے کچھ کہنا چاہا مگر عباس نے چہرہ پھیر کر اُسکو جِن نظروں سے دیکھا وہ بات مکمل نہیں کر سکا۔

"تو تم کیا چاہتے ہو میں بھی اُسی پَستی میں اُتر جاؤں جِس میں وہ لوگ اُترے تھے؟" وہ بولا نہیں غُرایا تھا۔ شجاعت نے دنگ نظروں سے اُسکو دیکھا۔ خاموش رہتا تھا تو سب کو پُر سکون لگتا تھا مگر سب جانتے تھے جب بھی اُسکا ضبط رخصت ہو عباس جان نثار لاوے کی طرح پھَٹے گا۔

"میرے اپنے شانے الحمدللہ اِتنے مضبوط ہیں کہ بندوق چلانے کے لیئے مُجھے کسی عورت کا کندھا نہیں چاہیئے۔" اُس بات میں کچھ اِیسی تُندہی تھی کہ شجاعت اُس سے نظر نہیں ہٹا سکا۔ اُسکی یہی باتیں تو اُسے سب میں ممتاز رکھتی تھیں۔ اِسی وجہ سے تو شجاعت اُسکا دیوانہ تھا۔

"پھِر آپ کیا کرنے والے ہیں؟" شجاعت کو اُسکے پلان کی کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی۔

"دُشمن کا اعتبار جیتنا ہے، شُجاع۔" آہستگی سے کہتے ہوئے اُس نے گاڑی اسلام آباد ایکسپریس وے پر روکی۔

"ہم یہاں کیوں رُکے ہیں؟" اُسکا ایک اور سوال تیار تھا۔

"تم سوال کرنے کے لیئے چاغی سے آئے ہو؟ صبر نہیں کر سکتے؟" اُسکے خفا انداز پر شجاعت نے ہنستے ہوئے اُسکو دیکھا جو کافی دُور کھڑی سیاہ رینج رُوور کو دیکھ رہا تھا۔

"موسیٰ علیہ سلام کے اُستاد والی بات ہے۔ جِس بات کی ہمیں خبر نہ ہو آخر اُس پر صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں۔" معصومیت سے یوں کہا گیا کہ عباس مُسکرا دیا۔ اُس رینج روور کے چلنے پر اُس نے بھی گاڑی آگے بڑھائی۔ تقریباً آدھے گھنٹے تک عباس کو ایک فاصلے سے اُس گاڑی کا تعاقب کرکے دوسری سائیڈ کی ویران سڑک پر دیکھتے بڑے تحمل سے شجاعت دیکھتا رہا تبھی ایک جھٹکے سے عباس نے بریک پر پاؤں مارا اور اطمینان سے بیٹھا شجاعت کا مُنہ ڈِش بورڈ سے لگتے لگتے بچا۔

"عباس بھائی!" پیشانی سہلا کر وہ چیخا مگر عباس تیزی سے سیٹ بیلٹ اُتار کر کافی فاصلے پر ایک جھٹکے سے رُکتی رینج روور کی جانب بھاگا۔

مُحتاط نظر اِرد گرد دوڑا کر اُس نے قمیض کی جیب سے ریوالور نکالا اور رینج روور کے قریب آکر کُھلے شیشے سے اندر جھانکتے ہی اُسکی آنکھیں پھیلی۔ اندر موجود ڈرائیور سنائپر کی گولی پیشانی پر لگنے سے بے دم سٹئیرنگ وہیل پر گرا ہوا تھا۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھے دو میں سے ایک بوڑھا سا شخص بازو پر گولی لگنے کے باعث کراہ رہا تھا اور ساتھ والا یقیناً اللہ کو پیارا ہو چُکا تھا۔ عباس نے ایک جھٹکے سے اُس بزرگ والی سائیڈ کے کُھلے شیشے سے اُس بوڑھے سے شخص کا چہرہ اپنی جانب کیا اور پِھر سُن رہ گیا۔ چند لمحے لگے اُسکو اپنے نفرت سے نیلے پڑتے وجود کو سنبھالنے کے لیئے۔ کُھلے شیشے سے ہاتھ اندر ڈال کر اُس نے لاک کھولا اور پِھر اُس دَرد سے کراہتے شخص کا بازو ہلا کر متوجہ کیا۔

"مُحترم! آپ ٹھیک ہیں؟" دُور سے آتی آواز اور گال کو زور زور سے تھپتھپائے جانے پر سردار ہاشم بزنجو نے بامُشکل آنکھیں کھول کر دیکھنا چاہا مگر آنکھوں کے آگے گہری دُھند چاہ رہی تھی۔ گہرا سانس لے کر عباس نے اُس شخص کو گاڑی سے گھسیٹ کر باہر نِکالتے ہوئے نیچے ٹیک لگا کر سہارا دیا تبھی ایک اور سنسناتی ہوئی گولی آئی اور عباس کے بازو کو چُھو کر گُزر گئی۔ آنکھیں سختی سے میچ کر اُس نے چہرہ اُٹھا کر گولی کے چلنے کی سمت دیکھ کے پستول پر گرفت مضبوط کر کے تاک کر نشانہ باندھا۔ گولی سیدھا دُور کی بلڈنگ پر کھڑے سنائپر بردار کی پیشانی پر جا لگی۔ شجاعت بوکھلا کر تیزی سے باہر نِکل کر اُسکی جانب بھاگا۔

"عباس بھائی! آپ ٹھیک ہیں اور یہ۔۔۔" آگے آکر اِس سے قبل اُس بزرگ شخص کو سہارا دیتے ہوئے عباس کا بوجھ بانٹتا۔ اُس چہرے کو دیکھ کر وہ تیزی سے چند قدم پیچھے ہوا۔

"شجاع! جذباتیت کا وقت نہیں ہے ابھی۔" پستول جیب میں ڈالنے کے بعد اُسکا شانہ ہلا کر ہوش میں لاتے ہوئے اُس نے سنجیدگی سے کہا جبکہ شجاعت اُسے دیکھ کر رہ گیا۔ ہاشم بزنجو کو سہارا دے کر تیز قدموں سے عباس اپنی جیپ کی جانب بڑھا اور پھر پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر پلٹ کر شجاعت کو دیکھا جو ابھی تک وہیں ساکن سا کھڑا تھا۔

"شجاع!" اُسکی بلند آواز پر شجاعت ہوش میں آیا اور پھر سر جھٹک کر جیپ کی جانب بھاگا۔

"ہمیں جلد سے جلد اِس علاقے سے نکلنا ہو گا۔" جیپ سٹارٹ کر کے اُس نے تیزی سے ریورس کی کیونکہ اُسکو یقین تھا کہ آگے ہاشم بزنجو پر حملہ کرنے کو اور لوگ بھی تیار ہوں گے۔

"جواد کو کال ملاؤ۔" اپنا سیل فون نکال کر اُس نے شجاعت کی جانب بڑھایا جسے تھام کر اُس نے ڈی-ایس-پی جواد کو کال مِلا کر عباس کی جانب بڑھایا۔

"اسلام علیکم، جواد! یار ایک مسئلہ ہو گیا ہے۔ تمہاری ضرورت ہے۔ تم شفاء اِنٹرنیشنل ہاسپٹل پُہنچو۔ باقی بات وہیں ہو گی۔" جواد کو مزید سوال کرنے کا موقعہ دیئے بغیر اُس نے سیل فون ڈیش بورڈ پر پھینکا اور تیزی سے جیپ بھگانے لگا۔ شجاعت نے چہرہ پھیر کر اُس کی سنجیدگی اور عُجلت کو بہت توجہ سے دیکھ کر پیچھے پلٹ کر دیکھا جہاں ہاشم بزنجو کے شانے کا زخم عباس نے باندھ دیا تھا مگر یقیناً گولی کی تکلیف اور خُون کافی بہہ جانے نے اِس عُمر میں ہاشم بزنجو کو نچوڑ کر رکھ دیا تھا۔

"دیکھو! زندہ ہے؟" جیپ دوڑاتے ہوئے اُس نے شجاعت سے پوچھا۔

"ہماری بلا سے۔" سر جھٹک کر اُس نے نخوت سے آگے دیکھا۔

"شجاعت!"عباس کی سخت تنبیہہ پر اُس نے ایک خفا نگاہ عباس کے خون آلود بازو پر ڈال کر پیچھے کو جُھکتے ہوئے ہاشم بزنجو کو پوری قوت سے ہلایا۔

"بزرگ اِنسان ہیں، شجاع۔ تمیز سے!"اُسکی سرزنش پر اُس نے پیچھے کو ہو کر نیم بیہوش ہاشم بزنجو کی ناک کے نیچے اُنگلی رکھی۔

"بڑا ڈھیٹ ہے، بُڈھا۔"سیدھے ہو کر بیٹھتے ہوئے شجاعت علی کی آواز سرگوشی سے زیادہ نہیں تھی۔ عباس جانتا تھا کہ یہ وقت ٹوکنے اور سمجھانے کا نہیں ہے تبھی شفاءاِنٹرنیشنل ہاسپٹل کی پارکنگ لاٹ میں جیپ کھڑی کر کے ہاشم بزنجو کو نکال کر اپنے کندھے پر ڈالتے ہوئے اندر کی جانب بھاگا۔ کتنے لوگ حیرت اور پریشانی سے پیچھے ہو کر راستہ دینے لگے۔ ایمرجنسی میں داخل ہوتے ہی اُس کو آسمانی رنگ کی وردی میں جواد کھڑا نظر آیا جو اُسکو دیکھ کر پہلے چونکا اور پِھر بھاگتے ہوئے اُس تک آیا۔

"یہ۔۔۔تم۔۔۔تمہیں کہاں سے مِلا؟"ہاشم بزنجو کو پہچان کر اُس نے حیرت سے کہا۔

"ڈاکٹر!"بھاگ کر آتے ڈاکٹرز کو اپنی جانب متوجہ کر کے اُس نے ہاشم بزنجو کو سٹریچر پر لٹایا۔

"اِنکو گولی لگی ہے اور خُون بہت بہہ گیا ہے۔"ڈاکٹر کو تیزی سے کہہ کر اُس نے جواد کو بازو سے پکڑ کر آگے کیا۔

"جی! یہ پولیس کیس ہے۔ ہم اِسکی تفتیش کرتے ہیں مگر آپ اِنکا آپریشن شروع کر دیں۔"پولیس والے کو دیکھ کر ڈاکٹر اپنے باقی نرسز اور ڈاکٹرز کے ساتھ سَر ہلا کر تیزی سے سٹریچر کو گھسیٹ کر اُو-ٹی میں لے گئے۔ عباس نے گہرا سانس لے کر دیوار سے ٹیک لگا کر حیران پریشان کھڑے جواد کو دیکھا۔

"اسلام آباد ایکسپریس وے کے قریب ہاشم بزنجو پر حملہ ہوا ہے۔ ڈرائیور اور سیکرٹری موقعے پر جاں بحق ہو گئے ہیں۔ تم جائے وقوعہ پر فورس بھیج دو۔" شجاعت کو ایک نظر دیکھ کر اُس نے جواد کو آہستگی سے بتایا جو مشکوک نظروں سے اُسے دیکھ کر تیزی سے اُسکے قریب آیا۔

"تم وہاں کیا کر رہے تھے؟" اُسکے انداز پر عباس نے نفی میں سَر ہلایا۔

"بے فکر رہو! میں اِیسے بزدلی سے حملہ کرنے والا نہیں ہوں۔ میرے علاوہ اور بھی دُشمن ہوں گے۔ سنائپر والے کو گولی ماردی تھی میں نے۔" اُسکے مطمئن انداز پر جواد کا جی چاہا اپنا ماتھا پیٹ لے۔

"تم۔۔۔ پاگل اِنسان! دار لحکومت میں تم نے قتل کر دیا۔" تلملا کر اُس نے سنجیدہ بیٹھے شجاعت کو دیکھا۔

"سمجھا نہیں سکتے تھے تم اِسے۔" اُسکے جُھنجھلانے پر شجاعت نے خفگی سے سَر جھٹکا۔

"دُشمن پر مہربانی کا بُھوت سوار تھا اِن پر۔ میری کہاں سے سُنتے۔" سَر جھٹک کر وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ جواد نے ایک نظر اُسکے انداز کو دیکھا اور سارا معاملہ اُسکی سمجھ میں آ گیا۔ ایک تیز نظر عباس پر ڈالی جِس نے کندھے اَچکا دیئے۔

"اِیسے مت دیکھو! قدرت میرے ساتھ ہے۔" یعنی اُسکا اِشارہ اعتبار جیتنے والی بات کی جانب تھا۔

"تمہیں میں بعد میں پوچھتا ہوں۔ پہلے بزنجو فیملی کو خبر کروں۔" سیل فون جیب سے نکال کر پہلے اُس نے تھانے کال کرنے کے بعد نفری کو فعال کر کے جائے وقوعہ بھیجنے کا حکم دیا اور پھر کاشف بزنجو کو کال مِلا کر تیز قدموں سے باہر نِکل گیا۔

"میں گھر جا رہا ہوں۔ آپ ہی اِس خبیث بُڈھے کے ناز نخرے اُٹھائیں۔" ناگواری سے اپنی کہہ کر شجاعت تیزی قدموں سے اُسی راستے کی جانب بڑھ گیا جہاں جواد گیا تھا۔ عباس نے تھکتا سانس لے کر بائیں ہاتھ کی مدد سے سیاہ

گھنی بھنویں سختی سے مِیچ کر سہلائیں۔ اُسکو وہاں کھڑے پندرہ منٹ ہی ہوئے ہوں کے بھاگتے قدموں پر عباس نے چہرہ اُٹھا کر سائیڈ پر دیکھا جہاں سے بزنجو خاندان کے سارے افراد بھاگ کر اُسکی جانب آ رہے تھے۔

"بابا کیسے ہیں؟" اُسکو دیکھ کر کاشف اور رفعت بزنجو تیزی سے اُسکی جانب لپکے جو پتھروں جیسی سنجیدگی سے اُن سب کے بوکھلائے چہرے دیکھ رہا تھا۔

"اندر آپریشن تھیٹر میں۔" اِشارے سے اُس سے اُو-ٹی کی جَلتی سُرخ بَتی کی جانب اِشارہ کیا۔

"ڈی-ایس-پی جواد بتا رہے تھے نانا کو گولی لگی ہے۔" مُدثر نے اُس اَنجان شخص کی جانب بڑھ کر سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھا۔

"جی! آپکے فیملی میمبر پر قاتلانہ حملہ ہوا ہے۔" اُن سب کو دیکھ کر اس نے اُنکے اعصاب پر دھماکہ کیا۔ کاشف بزنجو تیزی سے پیچھے کو ہوئے جبکہ تقی اور مُدثر نے بڑھ کر اُنکو سنبھالتے ہوئے کرسی پر بِٹھایا۔

"کِس نے کیا میرے بابا پر حملہ؟" رفعت بیگم بپھر کر اُسکے گریبان کو آنے لگیں مگر عباس نے اپنا ہاتھ اُٹھا کر اُنکی کلائی ہوا میں ہی روک دی۔

"مُجھے نیکی کر کے پچھتانے پر مجبور مت کریں، خاتون!" اُس شخص کے لہو سَرد کرتے لہجے پر جہاں رفعت بزنجو تھمیں وہیں سب سے ہٹ کر دیوار کا سہارا لے کر کھڑی میزابِ رحمت نے بے اِختیار چہرہ پھیر کر اُس شخص کو دیکھا جِس نے رفعت بزنجو کا ہاتھ جھٹک دیا۔ میزابِ رحمت کی نگاہ اُسکے ہاتھ سے ہو کر بازو تک گئی اور ٹیک چھوڑ کر سیدھی ہوئی۔ اُسکی سفید شرٹ والے بازو سُرخ تھے اور ابھی بھی وہاں سے خُون بہہ کر کوریڈور میں گِر رہا تھا۔

"تم۔۔۔" اِس سے قبل سب بُھول کر رفعت بزنجو کچھ کہتیں، میزابِ رحمت کو اُس جانب بڑھنا پڑا۔

"پھوپھو! ہم ہسپتال میں ہیں۔" اُس سنجیدہ آواز پر عباس نے جھکا چہرہ اُٹھایا۔ سُرمائی آنکھوں کا شہد رنگ آنکھوں سے جیسے ہی تصادم ہوا، سُرمائی آنکھیں جُھک گئیں۔

"آپ۔۔۔ میرے ساتھ آئیں۔" میزابِ رحمت کے نرم انداز پر آگے بڑھتا مُدثر ٹھٹک گیا۔

"سوری!" عباس نے چہرہ دائیں اور بائیں پھیر کر یقین دہانی کی کہ آیا سامنے کھڑی عورت اُسی سے مُخاطب ہے۔

"آپ کے ہاتھ سے خُون نِکل رہا ہے۔" اُسکو اصل بات کہنی ہی پڑی۔ سب نے چونک کر اُسکی سُرخ شرٹ اور نیچے گرتے خُون کو دیکھا۔

"آپ ٹھیک ہیں، بیٹے؟" کاشف بزنجو نے وہیں بیٹھے بیٹھے آہستگی سے پوچھا۔ عباس نے بازو ہلکا سا چُھو کر دیوار کی ٹیک چُھوڑی۔

"میں نے پولیس کو بیان دے دیا ہے۔ اَب میں چلتا ہوں۔" سامنے کھڑی عورت کو دوبارہ دیکھے بغیر اُس نے ایک سائیڈ پر کھڑے بزنجو خاندان کے مَردوں کو دیکھ کر رکھائی سے کہا اور میزابِ رحمت کے برابر سے ہو کر مضبوط قدموں سے نِکل گیا۔ ایک دَم میزابِ رحمت کے ذہن میں جُھماکہ ہوا اور کل زی-فوڈز والے شخص کا چہرہ اُسکی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔ یہ شخص وہی تھا۔ ویسا ہی سَرد اور کُھردرا انداز۔ جو ناگواری اُس نے ابھی ابھی محسوس کی تھی وہی کل بھی اُس نے واضح کی تھی۔ سَر جھٹک کر وہ راہداری پار کر کے اُسکے پیچھے گئی جبکہ مُدثر نے چہرہ پھیر کر وہاں دیکھا جہاں میزاب تیز قدموں سے اپنے سے آگے بڑھتے اَنجان شخص کے قدموں سے مِلنے کے لیئے تیزی سے چل رہی تھی اور پھر وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔

"بات سُنیں!" اُسکو اندر جانے کے بجائے خارجی دروازے سے باہر جاتے دیکھ کر میزابِ رحمت بھاگ کر اُس تک آئی۔

"آپ کو ڈریسنگ کے لیئے اندر جانا چاہیئے۔" پلٹتے سَرد مہر تاثرات والے شخص کو دیکھ کر فکرمندی سے کہا گیا۔ عباس نے اُس چہرے کو دیکھنے کے بجائے سائیڈ پر نصب بورڈ پر نگاہ جمائی۔

"اِسکی ضرورت نہیں، شُکریہ۔" سنجیدگی سے کہہ کر قبل اِسکے وہ پلٹتا، میزابِ رحمت کو اُسکے سامنے آنا پڑا۔ بروقت ٹھٹک کر رُکتے ہوئے اُس نے چونک کر چہرہ اُٹھایا اور اُن اُٹھتی شہد رنگ آنکھوں میں اِیسی تُندہی اور سَردپَن تھا کہ مضبوط اعصاب کی میزابِ رحمت اندر تک لرز گئی۔

"آپ نے ہماری مدد کی ہے۔ پلیز! آپ کا خُون ضائع ہو رہا ہے۔" اُس متفکر درخواست پر عباس نے چہرہ پھیر کر اُس راہداری کی جانب دیکھا جہاں بزنجو خاندان موجود تھا اور کوئی بھی وہاں سے ہٹ کر یہاں تک نہیں آیا تھا تو پھر اِس عورت کو کیا مسئلہ ہے بھئی۔ کچھ کہے بغیر اُسکے برابر سے گُزر کر عباس اُو-پی-ڈی کی جانب بڑھا۔ چہرہ پھیرتی میزابِ رحمت گہرا سانس لے کر اُسکے پیچھے لپکی۔ اندر آ کے وہ بڑے ضبط سے ایک سٹول پر بیٹھ کر نرسز کے فارغ ہونے کا اِنتظار کرنے لگا۔

"ایکسکیوزمی، سِسٹر!" اُس نے جلدی سے آگے بڑھتے ہوئے گُزر کر جاتی نرس کو روک کر اپنی جانب متوجہ کیا۔

"جی!" اُس نرس کے ہاتھ میں وہی تمام ضروری سامان تھا جو ڈریسنگ کے لیئے چاہیئے ہوتا ہے۔

"اِنکو گولی لگی ہے اور بازو سے بہت خُون نِکل رہا ہے۔" اُسکی اطلاع پر نرس نے چونک کر اُسکو دیکھا جو بےزاری سے بحالتِ مجبوری بیٹھا تھا۔

"اُوہو! آپ اِنکو لے کر اندر آئیں۔" نرس نے ساتھ والے کمرے کی جانب اِشارہ کیا۔ میزابِ رحمت نے چہرہ پھیر کر اُسکو دیکھا جو کسی بھی وقت اُٹھ کر جا سکتا تھا۔

"پلیز!" آہستگی سے کہہ کر اُس نے کمرے کی جانب اِشارہ کیا۔ تحمل سے گہرا سانس لے کر عباس کو اپنی جگہ چھوڑ کر اُٹھنا پڑا۔ کمرے میں آکر نرس نے اُسے سٹول پر بیٹھنے کا اِشارہ کیا جبکہ عباس نے چہرہ جُھکا کر بٹن کھولتے ہوئے بازو اُلٹ کر پیچھے کیا۔ نظروں کا زاویہ بدلتی میزاب ٹھہر گئی۔ گولی اُسکے بازو کو چُھو کر نِکل گئی تھی مگر زخم گہرا تھا۔

"زخم کافی گہرا ہے۔" نرس نے کہہ کر اُسکا زخم ڈِس اِنفیکٹ کرتے ہوئے اُوپر بینڈیج لگا کر اُس شخص کے پتھر تاثرات دیکھ کر پاس پریشان کھڑی خوبصورت سی مُضطرب عورت کو دیکھا۔

"آپکے شوہر کو تین دِن بعد پٹی چینج کروانی ہو گی۔" نرس کی بات پر جہاں میزاب کا رنگ اُڑا وہیں عباس کچھ بھی کہے بغیر تیزی سے اُٹھ کر دروازہ کھول کر باہر نِکل گیا۔

"آپ غلط سمجھی ہیں۔ یہ میرے محُسن ہیں۔" نرمی سے کہتی اُس لڑکی کی آواز پر باہر نکل کر دروازہ تھام رکھے ہاتھ سے ہینڈل پِھسل گیا۔

"جذاک اللہ!" کُھلے دروازے سے نکلتے ہوئے کہہ کر اُسکے مُقابل آئی۔ عباس کو اپنا جُھکا چہرہ اُٹھا کر دیکھنا پڑا۔ اُسکے مُقابل کھڑی عورت قد میں عباس جان نثار کے کندھے تک آ رہی تھی۔ اُس عورت کا قد عام عورتوں کی نسبت زیادہ ہونے کے باوجود اپنے مُقابل کھڑے مَرد سے کم تھا۔

"آپکی دوائیاں!" نرس کی طرف سے دیا گیا سفید کاغذ کا لفافہ اُسکی جانب بڑھایا جبکہ سَر کو ہلکا سا خم دے کر بغیر کچھ کہے لیتے ہوئے وہ تیز قدموں سے کاونٹر پر جا کر پیمنٹ کرنے لگا۔ میزابِ رحمت جو اُسے روک کر خود پیسے دینا چاہتی

تھی، روک نہیں سکی۔ کچھ عجیب سَر د مہر اور سخت سا تھا اُس شخص کی شخصیت میں یا پھر یہ میزاب رحمت کا وہم تھا۔ اُسکے پیچھے وہ بھی اُو-پی-ڈی سے باہر نِکلی اور قبل اِسکے ایک اور بار شُکریہ ادا کرتی، وہ اَنجان شخص مضبوط قدموں سے ایک نظر بھی دیکھے بغیر آگے بڑھ کر خارجی دروازہ پار کر گیا۔ میزاب چند پَل وہاں کھڑی رہی اور پھر تیز قدموں سے واپس ایمرجنسی کی جانب بھاگی۔ اُسے ہاشم بزنجو کی بہت فکر تھی۔ پہلے صرف اُس پر حملے ہوتے تھے اور اَب اُس حملے کی زَد میں ہاشم بزنجو بھی آ گئے تھے یہ اُسکے لیئے بہت تشویشناک تھا۔ پورے خاندان میں صرف وہی اُسکے ہمنوا اور مُخلص تھے۔ اُسے باپ کے مرنے کے بعد خود پر بھروسہ کرنے پر اُکسانے والے وہی تھے۔ اُنہوں نے تب اُس پر بھروسہ کیا تھا جب وہ خود بھی خود پر بھروسہ کرنے کا خود کو اہل نہیں سمجھتی تھی۔

"تم بھی گھر چلی جاؤ۔" رات کے گیارہ بجتے ہی نرس نے سب کو گھر بھیج دیا تھا۔ صرف مُدثر اور میزاب وہیں تھے کیونکہ ہاشم بزنجو کو آئی-سی-یو سے روم میں شفٹ کر دیا گیا تھا۔ گولی نکال لی تھی اور بروقت خون اور طبی اِمداد مِلنے پر وہ سٹیبل مگر دوائیوں کے زیرِ اثر گہری نیند میں تھے۔ تبھی جب گھڑی نے دو کا ہندسہ عبور کیا وہ اُٹھ کر دیوار کے ساتھ پُشت ٹِکا کر کھڑی میزاب تک آیا۔

"نہیں! میں یہیں ہوں جب تک دادا جان کو ہوش نہیں آ جاتا۔" آہستگی سے کہہ کر اُس نے تھکتی آنکھوں کو مَسلا۔ تھکاوٹ روم روم میں بسی ہوئی تھی مگر اُسے یہاں سے نہیں ہلنا تھا۔

"میں ڈاکٹر سے کنڈیشن پوچھ کر آتا ہوں۔ تم کچھ دیر بیٹھ جاؤ۔" جانتا تھا کہ جب تک وہ یہاں بیٹھا رہے گا، میزاب نے اُسکے برابر نہیں بیٹھنا تبھی کہہ کر چلا گیا۔ میزاب نے اُسے جاتے نہیں دیکھا بس آ کر کرسی پر بیٹھ گئی۔ کمر تختہ ہو چُکی تھی اور تین دِن سے مُسلسل میٹنگز بُھگتا تا وجود شدید تھکن کا شکار تھا۔ کب دیوار سے ٹیک لگائے اُسکی آنکھ لگی

میزاب کو کچھ خبر نہیں ہو سکی۔ مُدثر دوبارہ پلٹ کر وہاں صُبح تک نہیں آیا۔ فجر کی اذانوں کے ساتھ تیزی سے بوکھلا کر سیدھا ہو کر اُس نے اپنی گردن سہلا کر اِرد گرد دیکھا۔ شُکر ہے مُدثر واپس نہیں آیا تھا۔ ایک نظر کمرے کے بند دروازے کو دیکھا اور پھر لپک کر اندر بھاگی۔ ہاشم بزنجو کے قریب جا کر اُس نے نرمی سے اُنکا نحیف، سَرد ہاتھ اپنے دونوں میں لے کر آہستگی سے سہلایا تبھی ہاشم بزنجو نے اُسکے ہاتھ پر گرفت مضبوط کی۔ میزاب نے چونک کر اُنکے چہرے کو دیکھا اور پھر لرزتی پلکوں کو دیکھ کر تیزی سے اُنکی جانب جُھکی۔

"دادا جان!" اُنکے چہرے کے گِرد نرمی سے ہاتھ رکھ کر اُس نے مُحبت سے پُکارا۔ اُس مُحبت بَھری پُکار پر ہاشم بزنجو نے آنکھیں کھول کر اُسکو دیکھا جو بھیگتی آنکھوں سے اُنھیں دیکھ رہی تھی اور پھر ہاشم بزنجو مُسکرا دیئے۔ اُنکو مُسکراتے دیکھ کر میزاب بھی مُسکرا دی۔

"میں ڈاکٹر کو بُلاتی ہوں۔" وہ جو تیزی سے بھاگنے لگی تھی، اُنکی کمزور گرفت پر چونک کر پلٹی۔

"میں ٹھیک ہوں۔" آکسیجن ماسک نیچے کر کر اُنہوں نے مضحمل لہجے میں اُسکو تسلی دی۔ وہ خود سے میزابِ رحمت کی مُحبت اور عقیدت سے بخوبی واقف تھے تبھی اُسکا ہاتھ نرمی سے تھام کر تھپتھپایا۔

"مُجھے یہاں کون لے کر آیا؟" اُنکے سوال پر میزاب سٹول کھینچ کر اُنکے بستر کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔

"کوئی آدمی وہاں سے گُزر رہا تھا۔ اُس نے آپکی پٹی کر کے خُون روکا اور یہاں لے کر آیا۔" اُسکے بتائے جانے پر ہاشم بزنجو نے گہرا سانس لیا۔

"آپ جانتے ہیں اگر وہ نہ پُہنچتا تو کیا ہوتا۔ آپ کو ضرورت کیا تھی سیکورٹی کے بغیر اِتنے انجان علاقے میں جانے کی۔" اُسکے تفکر پر وہ دھیرے سے مُسکرا دیئے۔

"اَب میری فکر سمجھ آرہی ہے جب تم سیکورٹی کے بغیر گھُومتی ہو تو میں کتنا پریشان ہوتا ہوں۔" اُنکے یوں بات جوڑنے پر میزاب اُنہیں دیکھ کر رہ گئی۔

"حملہ ابھی مُجھ پر نہیں آپ پر ہوا ہے اور آپکو معلوم ہے اُس بندے کو بھی گولی لگی تھی جو اُپکو ہاسپٹل لے کر آیا۔" اُسکی اگلی بات پر ہاشم بزنجو چونک گئے۔

"کون ہے وہ؟" اُنکے سوال پر میزاب کا جی چاہا اپنا سَر پیٹ لے۔

"معلوم نہیں! آپ کی پریشانی میں نام تک پوچھنا یاد نہیں رہا۔" اُس نے تاسف سے کہا تو ہاشم بزنجو نے بغور اُسکے تھکے تاثرات کو دیکھا۔

"باقی سب کہاں ہیں؟" اُنہوں نے خالی کمرے کو دیکھ کر سوال کیا۔

"سب کو مُدثر نے رات بارہ بجے ہی گھر بھیج دیا تھا۔" نرمی سے بتا کر اُنکو چونکا دیا۔

"تم بھی چلی جاتی۔ مجُھے پورا یقین ہے تین چار دِن سے آفس میں خوار ہونے کے بعد تم یہاں تھکا رہی ہو خود کو۔" اُنکی سرزنش پر وہ دھیرے سے مُسکرا دی۔ کل کے دِن کی ساری کثافت اور تفکر بھک سے اُڑ گئے تھے۔

"کتنے اچھے سے جانتے ہیں آپ مجُھے۔" اُسکے فخریہ انداز پر ہاشم بزنجو بھی مُسکرا دیئے۔

"ساری باتیں چھوڑیں اور مجُھے بتائیں یہ کِس کی رذیل حرکت ہے۔" اچانک سنجیدہ ہو کر جو پوچھا گیا اُس پر ہاشم بزنجو کو نگاہ چُرا لینی پڑی۔

"مت بتائیں۔ میں خود معلوم کرلوں گی۔" اُسکے لہجے کے عَظم پر ہاشم بزنجو نے بغور اُسکو دیکھا۔

"اور جب معلوم ہوا تو کیا کرلو گی؟" اُنکے سوال میں کچھ اِیسا تھا کہ میزاب ٹھٹک گئی۔

"تو میں اُن لوگوں کا جینا حرام کر دوں گی۔" انداز میں اِتنا یقین تھا کہ وہ مُسکرا دیئے۔

"کتنوں کا جینا حرام کرو گی۔" اُنکی مُضمحل اور بتدریج آہستہ ہوتی آواز میں عجیب سی اُداسی تھی۔

"جو بھی آپکے مُقابل آئے گا۔ آپ سے دُشمنی رکھے گا اُن سب کا کر دوں گی۔" اُسکے مُصمم اِرادے چٹان کی مانند مضبوط تھے۔

"یعنی کوئی نہیں بچے گا۔" ہاشم بزنجو سب بُھول کر مُسکرا دیئے۔

"کوئی نہیں بچے گا۔" اُسکی تائید بڑی مُخلصانہ تھی۔

"لیکن تب تک جب تک آپ حق پر ہیں۔" اُسکی اگلی باور کرواتی بات بے حد وزنی اور اعصاب شکن تھی۔ ہاشم بزنجو قہقہ لگا کر ہنس دیئے۔

"تم بے فکر رہو۔ ہم ہمیشہ حق پر ہوتے ہیں۔" اُنکے لہجے کا زعم محبت سے مُغلوب میزاب رحمت کو یقین لگا اور وہ آسودگی سے مُسکرا دی۔

"میں ڈاکٹر کو بُلا کر لاتی ہوں۔" اُنکا ہاتھ گرم کمبل میں اندر کر کے کہتے ہوئے اُٹھ کھڑی ہوئی اور پھر کمرے سے باہر نِکل کر جیسے ہی ڈاکٹر کی تلاش میں آگے بڑھنے لگی اُسے وہی شخص نظر آیا جس نے ہاشم بزنجو کو بروقت بچا کر میزاب رحمت پر احسان کیا تھا۔ اِس سے پہلے کہ پھر اُسکی نظروں سے غائب ہوتا میزاب تیزی سے بھاگ کر اُس تک آئی جو کسی سے باتوں میں مُنہمک تھا۔

"بات سُنیں!" اُسکی پُکار پر عباس نے نا سمجھی سے پلٹ کر دیکھا اور اُس عورت کو دیکھ کر اُسکے تاثرات میں تبدیلی آئی۔

"آپ اپنی بینڈیج تبدیل کروانے آئے ہیں؟" اُسکے سوال پر شجاعت نے عباس کے سنجیدہ ہوتے چہرے کو دیکھا۔

"اَب کیسا ہے آپکا بازو؟" اُسکی سنجیدگی اور خاموشی نظر انداز کر کے پھِر نرمی سے سوال آیا۔

"یہ ٹھیک ہیں اَب۔" اُسکو یوں خاموش دیکھ کر شجاعت کو ہی آگے ہو کر کہنا پڑا۔

"میرے دادا جان آپ سے مِلنا چاہتے ہیں۔" اَب یہ بات کام کی تھی تبھی عباس نے چہرہ پھیر کر اُسکو دیکھا جو توجہ سے اُسکو ہی دیکھ رہی تھی۔

"آپ۔۔۔ چلیں گے؟" اُن پتھر شہد رنگ آنکھوں پر بامُشکل اُسکے ہونٹوں سے بددقت نِکلا۔ نہ جانے کیوں وہ سَرد اور سپاٹ آنکھیں اُسکا لہو سَرد کر دیتی تھیں۔

"تم یہاں رکو۔ میں آتا ہوں۔" شجاعت کا شانہ تھپتھپا کر وہ پلٹ کر میزاب سے آگے نکل گیا۔ وہ ایک پَل کو نا سمجھی سے وہیں کھڑی رہی اور پھِر اُس شخص کے پلٹ کر دیکھنے پر تیزی سے اُسکی جانب آئی۔ ظاہر ہے اُسکو روم کا معلوم نہیں تھا۔

"میں ایک بار پھِر آپ کا شکریہ کہنا چاہتی ہوں۔" اُسکو خاموشی سے چلتے پا کر دیکھے بغیر میزاب نے ممنونیت سے کہا۔ چونکتے عباس نے بھی ساتھ چلتی دُشمن کی عورت کو نگاہ اُٹھا کر نہیں دیکھا۔

"اِس کی ضرورت نہیں۔" اُسکی سنجیدہ رکھائی پر میزاب خاموشی ہو گئی۔ سامنے کمرے کا دروازہ اُس نے آگے بڑھ کر کھولا مگر وہ شخص اندر نہیں گیا۔ ایک پل کو ٹھہر کر سمجھتے ہوئے دروازہ کُھلا چھوڑ کر اندر کی جانب بڑھی اور تبھی عباس نے اُسکی تقلید کی۔

"کیا کر رہے ہیں آپ؟" ہاشم بزنجو کو اُٹھتے دیکھ کر وہ بوکھلا کر اُنکی جانب بھاگی۔

"آپ نے ایک ہفتے تک ہلنا نہیں ہے۔" اُنکو سہارا دے کر پیچھے کُشن رکھتے ہوئے اُسکا لہجہ متفکر تھا۔ عباس نے بغور اُن دادا پوتی کو دیکھا تبھی ہاشم بزنجو کی نظر اُس اُونچے لمبے، وجیہہ مگر پتھر جیسے تاثرات والے شخص سے ٹکرائی۔

"یہ۔۔۔" ہاشم بزنجو کے سوال پر میزاب نے پلٹ کر ایک نظر اُسکو دیکھا جو کافی فاصلے پر ہی جم کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"یہ وہی ہیں جِس نے آپکی بروقت جان بچائی۔" میزاب کی اطلاع پر ہاشم بزنجو کے کھوجتے تاثرات نرم پڑے۔

"اُو بیٹے! تمہارا بہت بہت شکریہ جو تم نے اپنی جان کی پرواہ کیئے بغیر میری حفاظت کی۔" اُنکے مُسکرانے پر بھی وہ نہیں مُسکرایا۔

"اِنسانیت کا تقاضا یہی تھا اِس لیئے شکریہ کی کوئی بات نہیں۔" اُسکے بھاری لہجے میں سارے زمانے کا سَرد پَن تھا۔ ہاشم بزنجو وہ محسوس نہیں کر سکے مگر میزاب نے چونک کر اُسکو دیکھا جِسکی سنجیدگی کے پار عجیب بے زاری اور کوفت سی تھی۔

"شُکریہ کی تو بات ہے مُجھے زیبی بتا رہی تھی کہ تمہیں گولی بھی لگی ہے۔" اُنھوں نے اپنی پوتی کی جانب اِشارہ کیا مگر عباس نے وہاں نہیں دیکھا۔

"چھو کر گُزر گئی تھی۔ اَب میں چلتا ہوں۔" اپنی کہہ کر وہ تیزی سے پلٹا میزاب تو میزاب، ہاشم بزنجو تک حیران رہ گئے۔ قبل اِسکے کے اُسے روک کر نام پوچھتے وہ دروازہ دھکیل کر باہر چلا گیا تبھی میزاب کا سیل فون بَج اُٹھا جبکہ ہاشم بزنجو سوچتی نظروں سے کتنی دیر تک بند دروازے کو دیکھتے رہے۔

ہاشم بزنجو چار دِن تک ہسپتال رہے اور اِن چار دِنوں میں میزاب گھر نہیں گئی۔ آفس کا کام اِتنا تھا کہ حد نہیں۔ سارے ضروری کام نمٹا کر وہ سیدھا ہسپتال چلی جاتی اور ہاشم بزنجو کے کہنے کے باوجود گھر نہیں جاتی۔ اُس گھر میں ہاشم بزنجو کے بغیر اُسکے لیئے کوئی جگہ نہیں تھی اور یہ بات میزابِ رحمت بچپن سے جانتی تھی۔ اُس قصر میں اکیلے رہنے کا خیال ہی وحشت ذدہ کر دینے والا تھا تبھی اپنے آفس سے مُلحقہ ریسٹ روم میں ٹھہر جاتی مگر اُس قصر نہیں گئی کیونکہ پہلے ہی وہاں سب ہاشم بزنجو کے اقدام قتل کا موردِ اِلزام اُسکو ٹھہرا رہے تھے۔

ضروری فائلز پر دستخط کرتے ہوئے اُسکا سیل فون بجا۔ چونک کر اُس نے تیزی سے فون اُٹھایا جہاں **'مدثر کالنگ'** لکھا آرہا تھا۔

"اسلام علیکم! سب خیریت ہے؟" آج کل وہ ہر کال پر لرز اُٹھتی تھی۔

"ہاں! نانا جان کو ڈسچارج کر دیا ہے۔ ہم اُنہیں گھر لے کر جا رہے ہیں۔" اُسکی اطلاع پر ڈھیلے ہوتے اعصاب کے ساتھ اُس نے کرسی کی پُشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں مُوند لیں۔

"جذاک اللہ، مُدثر!" نرمی سے کہہ کر اُس نے کال مُنقطع کر دی۔ ساری کثافت اور تھکن اُس خبر پر ختم ہونے لگی۔ مُسکرا کر بیٹھتے ہوئے اَب وہ پورے عظم اور حوصلے سے کام کی جانب متوجہ ہو گئی تھی۔ اُسے سارے کام جلد سے جلد ختم کر کے **'قصرِ بزنجو'** جانا تھا۔

"مِس کائنات! میری آج کی ساری میٹنگز کینسل کر دیں۔" دوپہر تین بجے آفس سے نکلتے ہوئے کائنات کے آفس میں داخل ہو کر اُس نے نرمی سے کہا اور پھر تیز قدموں سے پیک بیگ کندھے پر لٹکائے اُسکے قدم پارکنگ لاٹ کی جانب بڑھ رہے تھے۔ گھر جانے سے قبل فلور شاپ پر گاڑی روک کر وہ مُسکراتے ہوئے اندر آئی۔

"اسلام علیکم، مِس زینت!" اُسکی مُسکراتی آواز پر زینت نے چہرہ اُٹھا کر اُسکو دیکھا اور کاونٹر چھوڑ کے اُسکی جانب بڑھ کر بغلگیر ہو گئی۔

"آج بڑی چمک رہی ہو ہو، کیا بات ہے بھئی؟" کاونٹر پر کھڑے کسٹمر کو چھوڑ کر اُس نے مُسکرا کر میزاب کا شانہ تھپتھپایا اور واپس کاونٹر تک جا کر پہلے والے کسٹمر کے پُھول تراشنے لگی۔

"بس! داداجان ڈسچارج ہو گئے ہیں آج۔" کاونٹر تک آ کر اُس نے جُھکتے ہوئے پُھولوں کی مہک اندر اُتار کر ایک جذب سے کہا جبکہ برابر کھڑے مَرد نے چہرہ پھیر کر اُس عورت کو دیکھا اور چونک گیا۔

"میں بھی کہوں اِس چاند چہرے پر بہار کیسے آ گئی۔" زینت کا انداز چڑھاتا ہوا تھا۔

"تم آج جو مرضی کہتی پھِرو۔ میں بہت خُوش ہوں۔" ریک میں لگے پُھولوں کی پتیاں چُھو کر اُس نے مُسکرا کر کہا۔

"اِتنا بھی اپنے دادا کو اعصاب پر سوار مت کرو، لڑکی۔" زینت نے پُھول ریپنگ کے بعد سامنے کھڑے کسٹمر کی جانب بڑھائے۔

"اِس دُنیا میں ایک ہی تو میرا مُخلص رشتہ ہے اُسے بھی نہ اعصاب پر سوار کروں تو گزارا کیسے ہو۔" ریک سے ہٹ کر پھِر سے کاونٹر تک آئی اور ایک بازو اُس پر ٹِکا کر ہاتھ کے پیالے میں چہرہ گرا کر کہتے ساتھ اُس نے سرسری سا چہرہ پھیر کر زینت کو پیسے پکڑاتے مَرد کو دیکھا جو پلٹ رہا تھا۔ وہ جو اُسکو پُکارنے لگی تھی اُس کو تیز مگر مضبوط قدموں سے فلاور شاپ کا شیشے کا دروازہ پار کر کے دیکھ کر رہ گئی۔ زینب نے اُسکی نظروں کے تعاقب میں باہر دیکھا۔

"کیا ہوا؟" اُسکے سوال پر میزاب نے چہرہ واپس کاؤنٹر کی جانب پھیرا۔

"کچھ نہیں۔ تم مجھے مِکس فلورز کا بُکے دو جلدی سے۔" کلائی پر بندھی گھڑی پر وقت دیکھتے ہوئے اُس نے عُجلت میں کہا جبکہ زینت اُسکی تیزی پر نفی میں سَر ہلا کر رہ گئی۔ پانچ مِنٹ بعد خوبصورت سا مِکس پھُولوں کا گلدستہ پسنجر سیٹ پر رکھنے کے بعد اُسکی گاڑی قصرِ بزنجو کی جانب تیزی سے دوڑ رہی تھی۔

"اسلام و علیکم، دادا جان!" اُسکی پُکار پر آنکھیں مُوند کر ٹیک لگائے بیٹھے ہاشم بزنجو نے تیزی سے آنکھیں کھولیں اور اُسکے ہاتھ میں خوبصورت سا گلُدستہ دیکھ کر مُسکرا دیئے۔

"وعلیکم اسلام!" اُنکے نرم لہجے پر اُس نے گلدستہ اُنکی جانب بڑھا کر اُنکے گِرد کمبل اچھی طرح دُرست کیا اور پھِر کرسی رکھ کر بیٹھ گئی۔

"اَب کیسی طبیعت ہے آپکی؟" اُنکا ہاتھ کمبل کے اندر کرتے ہوئے اُس نے محبت سے کہا۔

"بس بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں اور شدید بوریت کا شکار۔" اُنکے گلے پر وہ بے ساختہ مُسکرا دی۔

"جب تک مکمل ٹھیک نہیں ہو جاتے آپ کو بستر سے نیچے پاؤں نہیں رکھنا۔" اُسکی تنبیہہ پر پھِر سے ہاشم بزنجو ہنس دیئے۔

"آپ کی بوریت دُور کرنے کے لیئے میں آپکی سٹڈی سے کچھ کتابیں لا کر یہاں رکھوادوں گی۔" پھولوں کا بُکے سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر کہتے ہوئے اُس نے ہاشم بزنجو کو خوش کر دیا۔

"ہمم !اَب میں آرام سے بستر پر لیٹا رہوں گا۔" اُنکی بات پر اندر آتا مُدثر بھی مُسکرا دیا۔

"مُجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے، زیبی؟" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد اُنہوں نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے میزاب کو چونکا دیا جبکہ اُنکی دوائیوں کی ٹرے اُٹھا کر سائیڈ ٹیبل پر رکھتے مُدثر نے میزاب کو ایک نظر دیکھا جو اُسکی آمد سے مزید سنجیدہ ہوگئی تھی۔ وہ زوبیہ اور ہاشم بزنجو کے علاوہ سب سے بس لیا دیا سا واسطہ رکھتی تھی۔ نہ سارے خاندان کے ہم عُمر کزنز سے اُسکی اِتنی بول چال تھی نہ ہی ایک گھر میں رہتے، تقی، ذکی اور مُدثر سے۔ خیر !اَب تو سب کے لیئے یہ معمول کی بات ہو چُکی تھی مگر مُدثر کو ہر بار یہ بات نئے سِرے سے محسوس ہوتی۔

"جی !آپ حکم کریں۔" اُسکے لہجے کا خلوص بڑا کھرا تھا۔ ہاشم بزنجو اپنے اِنتخاب پر مُسکرا دیئے۔

"میں نے تمہارے لیئے سیکورٹی کا اِنتظام کروایا ہے اور اَب میں تمہاری ایک نہیں سُننے والا۔" اُنکی اگلی وہی ہمیشہ والی تھی۔ میزاب نے گہرا سانس لیا۔

"آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں نے کبھی کسی سیکیورٹی کو نہیں نکالا۔ خود ہی مُجھ سے تنگ آ کر بھاگ جاتے ہیں۔" اُس کے انداز پر ہاشم بزنجو نے خفگی سے اُسکو دیکھا۔

"تمہیں پرواہ نہ ہو، بیٹا۔ مُجھے ہر وقت تمہاری جانب سے دَھڑ کا لگا رہتا ہے۔" اُنکی بات میں وزن تھا۔

"میں سمجھتی ہوں لیکن مُجھے ہر جگہ سیکورٹی کی پوری فوج لے جانا پسند نہیں۔ سارا ماحول عجیب آکورڈ سا ہو جاتا ہے۔" میزاب کی دلیل بھی جائز تھی۔ وہ ہر جگہ سیکورٹی کی ٹیم کو لے کر نہیں گُھوم سکتی تھی۔

"اِسکا بھی میں نے حل نِکال لیا ہے۔ تم بس اَب اِنکار نہیں کر سکتی۔" ہاشم بزنجو کے انداز کی قطعیت پر میزاب ٹھٹک گئی یعنی اُنہوں نے کچھ سوچ لیا تھا۔

"جان لیوا حملہ آپ پر ہوا ہے اِسی لیئے ٹھیک ہوتے ہی ہم آپکی نئی ٹیم رکھیں گے جو زیادہ پروفیشنل ہو۔" جُھک کر ہاشم بزنجو کا ہاتھ تھپتھپا کر اُنکو تسلی دی۔

"میری پچھلی ٹیم اچھی ہے بس جہاں جانا تھا وہاں ٹیم کو لے کر نہیں گیا لیکن میں وہ معاملہ ختم کر چُکا ہوں اور اَب میری جان کو کوئی خطرہ نہیں۔" ہاشم بزنجو کی سنجیدہ بات میزابِ رحمت جیسی عقلمند اور زمانہ شناس عورت کے لیئے تعجب انگیز تھی۔

"کوئی متنازعہ زمین جائیداد کا مسئلہ ہے، داداجان؟" اُسکا سوال بروقت آیا اور ہاشم بزنجو نے گہرا سانس لیا۔ اُنکی یہ پوتی جہاندیدہ تھی۔ اِس سے کچھ مُخفی نہیں رکھا جاسکتا تھا۔

"فیض آباد کے قریب والی آٹھ ایکڑ کی زمین پر منظور کرامت کا ناجائز قبضہ تھا تو بس وہی زمین قانونی کارروائی کے ذریعہ چُھڑوا کر واپس آرہے تھے میں اور میرا وکیل۔" اُنکی تفصیل پر مُدثر اور میزاب نے پریشانی سے اُنکو دیکھا۔

"آپ اِتنے خطرناک کام اکیلے کرنے سے پہلے گھر میں کسی کو تو بتا دیتے، ناناجان۔" کرسی گھسیٹ کر میزاب سے قدرے ہٹ کر بیٹھتا مُدثر نے خفگی سے کہا۔

"تو اَب کیا ہم کیس جیت گئے؟" میزاب کا سوال کچھ اور تھا۔

"ہمم! جیت گئے۔ وہ زمین میں نے تمہارے نام کر دی ہے۔" اُنکی اگلی بات پر میزاب نے آنکھیں بند کر گہرا سانس لیا۔

"گھر میں اِتنے افراد کے ہوتے ہوئے آپکو میرے نام نہیں کرنی چاہیے تھی زمین۔ آپ جانتے ہیں نہ پہلے میں کانٹے کی طرح کھٹکتی ہوں سب کو۔" اُسکی سنجیدگی پر مُدثر اور ہاشم بزنجو نے پشیمانی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ وہ سہی ہی تو کہہ رہی تھی۔

"یہ سب کچھ تمہاری پوزیشن اِس خاندان میں مُستحکم کرنے کے لیئے ہی تو تمہارے نام کرتا آ رہا ہوں۔" اُنکی اپنی مَنطق تھی جسے ظاہر ہے میزاب نہیں سمجھ سکتی تھی۔

"مُجھے یہاں اپنی پوزیشن مُستحکم کرنے کی کوئی چاہ نہیں ہے، داداجان۔ میرے لیئے بس میرے باپ کے شاپنگ مالز کافی ہیں۔" میزاب کے لہجے میں کوئی لچک نہیں تھی۔

"اَب سب کچھ تمہارے نام ہے۔ تم جِس کے نام آگے کرتی ہو، کسے بیچتی ہو، کس کو رکھتی ہو۔ یہ سب تمہارا فیصلہ ہوگا۔" ہاشم بزنجو نے اُسکا ہاتھ اپنی نرم، نحیف گرفت میں لے لیا اور یہی طریقہ میزابِ رحمت کو موم کر جاتا تھا۔ اِس گرفت میں اُسکے مرحوم باپ کا لمس تھا۔ اِس گرفت کو نہ وہ جھٹک سکتی تھی اور نہ ہی رَد کر سکتی تھی۔

"ٹھیک ہے! پھر میں جِس جِس کے نام کروں آپ کچھ نہیں کہیں گے۔" اُسکی تسلیم پر ہاشم بزنجو کے کاندھوں سے گویا منوں بوجھ اُتر گیا۔ وہ جانتے تھے کہ ہمیشہ کی طرح میزابِ رحمت اُنکو کبھی مایوس نہیں کرے گی اور ناگزیر حالات میں سخت چٹان کی طرح کھڑے ہو کر اُنکے خوابوں اور دِن رات کی محنت کو ہر سَرد گرم سے بچا کر رکھے گی۔ اُس پر اُنکا بھروسہ بے اِنتہا تھا۔ میزابِ رحمت، ہاشم بزنجو کو کبھی مایوس نہیں کر سکتی تھی۔

آفس میں بیٹھ کر جب وہ جرمنی کی زُوم میٹنگ میں مصروف تھی تبھی کائنات نے آکر اُسکے سامنے نیلی جلد والی لیدر کی فائل رکھی۔ میٹنگ کے اختتام تک کائنات وہیں صوفے پر اُسکے کہنے پر بیٹھی رہی۔ لیپ ٹاپ بند کر کے میزاب نے فائل اُٹھا کر کائنات کو دیکھا۔

"ہاشم صاحب نے بھجوائی ہے یہ فائل۔" کائنات کی اطلاع پر اُس نے کچھ چونک کر فائل کھولی اور پھر گہرا سانس لیا۔ وہ اُسکے لیئے اُنکی جانب سے رکھے جانے والی باڈی گارڈ کی تفصیل تھی جِسکا نام **'عباس جان نثار'** تھا۔ وہ یقیناً اُس باڈی گارڈ کا ریزیومے تھا جس میں اِیسا ورک ایکسپیرینس تھا کہ وہ مُسکرا دی۔

"جان نثار!" مُسکرا کر اُس نے فائل پر طائرانہ نظر ڈالی۔ شُکر ہے پوری پلاٹون کے بجائے اِس بار ہاشم بزنجو نے ایک شخص کو بوڈی گارڈ رکھ کر میزاب رحمت کی آدھی مُشکل آسان کر دی تھی۔ فائل پر درج معلومات کچھ یوں تھی:

نام: **عباس جانثار**

والد: **وارث علی**

تجربہ: **ایلیٹ پولیس فورس کمانڈو۔**

نیچے نہ جانے کون کونسے وی-ای-پیز کو دی گئی اُس کمانڈو کی کامیاب سیکورٹی کے تجربات رقم تھے۔ فائل بند کر کے اُس نے ورکنگ میز کے سب سے پہلے والے خانے میں رکھ دی۔

"ہاشم صاحب نے اِس فائل کے دیکھتے ہی آپکو گھر آنے کا کہا ہے۔" کائنات کی بات پر اُس نے سیل فون اُٹھایا اور بیگ وہیں رکھ کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اُسکو دادا جان سے مِل کر واپس آفس آنا تھا۔ آج بہت اہم میٹنگز تھیں جِن کو منسوخ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

قصرِ بزنجو میں گاڑی پورچ میں کھڑی کرنے کے بجائے پاتھ وے پر کھڑی کر کے تیز قدموں سے وہ باہر نِکلی اور پھر اندر آکر ہاشم بزنجو کے کمرے کی جانب بڑھی تبھی راستے سے بُرے بُرے مُنہ بناتا ذکی اور سنجیدہ سا مُدثر اُسے دیکھ کر ٹھٹکا۔

"کیسے دوڑی چلی آئی ہو تم ایک بُلاوے پر۔" ذکی کا طنزیہ انداز اُسکے لیئے کوئی نیا نہیں تھا تبھی بھاؤ نہیں دیا۔

"دوڑ کر تو آنا تھا دادا کو زی-فوڈز میں ہوئے تماشے کا بتانے کے لیئے۔" اُسکے معصوم انداز پر ذکی نے دانت کچکچائے جبکہ مُدثر نے ٹھٹک کر اُسکو دیکھا۔ ذکی کی خون آشام نظریں نظر انداز کر کے آگے بڑھ گئی۔

"اسلام علیکم، دادا جان!" دروازہ ناک کر کے اندر داخل ہوتے ہوئے اُس نے کتاب کی رُوگردانی کرتے ہاشم بزنجو کو چونکا دیا۔

"وعلیکم اسلام!" اُسکے آگے بڑھنے پر اُنھوں نے بستر کے برابر رکھی کرسی پر بیٹھنے کا اِشارہ کیا۔

"کیسی طبیعت ہے اَب آپ کی؟" اُنکے بازو اور کندھے کو بغور دیکھ کر پوچھا۔

"ٹھیک ہوں بالکل اور تب تک رہوں گا جب تک تم میری بات مانتی رہو گی۔" اُنکی مصنوعی خفگی پر میزاب دھیرے سے مُسکرا دی۔

"آپ کی بات میں ٹال سکتی ہوں؟ بتائیں کیا حکم ہے میرے لیئے؟" اُسکے تابعدار انداز ہاشم بزنجو کا سیروں خُون بڑھا دیتے تھے۔

"میں نے تمہارے لیئے باڈی گارڈ کا اِنتظام کیا ہے۔ اِنتہائی پُروفیشنل ہے۔ ایلیٹ فورس میں کئی سال گُزار چُکا ہے۔" اُنکی وہی ساری معلومات دُہرانے پر میزاب نے مُسکراہٹ دبائی۔

"میں نے یہ سب کچھ آپکی بھیجی گئی فائل میں پڑھ لیا تھا۔" اُسکے انداز کی طمانیت پر ہاشم بزنجو ٹھٹکے۔

"تو پھر؟ "

"تو پھر یہ کے پورے پلاٹون سے تو ایک کمانڈو بہتر ہے۔" اُسکے مان جانے پر ہاشم بزنجو پہلے حیران ہوئے اور پھر ہلکے پھلکے ہوتے اعصاب کے ساتھ مُسکرا دیئے۔

"مجھے معلوم تھا کہ تم مجھے کبھی مایوس نہیں کر سکتی۔" اُسکا ہاتھ تھپکتے ہوئے اُنھوں نے جوش سے کہا جبکہ اُنکے بچوں جیسے جوش پر ہنستے ہوئے میزاب کرسی سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"مجھے ضروری میٹنگ پر جانا ہے۔ اَب دیکھ لیں کسی چیز کی ٹینشن نہیں لینی۔" اُسکی تسلی پر ہاشم بزنجو کو سب سہل لگنے لگا۔

"تمہارا باڈی گارڈ باہر اِنتظار کر رہا ہو گا تمہارا۔ اُسکے ساتھ جانا۔" اُنکی اگلی ہدایت پر دروازے تک پُہنچتی میزاب ٹھٹک کر پلٹی۔

"یعنی آج سے؟ "

"بالکل آج سے۔" اُسکے لہجے میں ہی جواب آیا جبکہ وہ پلٹ کر کمرے سے باہر نِکل آئی۔ اَب کے اُسکا چہرہ مُسکراتا ہوا، نرم نہیں بلکہ خطرناک حد تک سنجیدہ اور سپید تھا۔

"زیب!" پاس سے گُزرتا تقی قبل اِسکے اُسے روکتا وہ تیز قدموں سے لکڑی کا دروازہ پار کر کے باہر پورچ میں آئی اور چٹختے اعصاب کے ساتھ گہرا سانس لیا۔ ماتھے پر ہاتھ رکھ کر اُس نے دُکھتی پیشانی سہلائی اور جیسے ہی آگے بڑھنے لگی اپنی گاڑی کے سامنے مُدثر اور کسی اُونچے لمبے، ڈیل ڈول والے آدمی کو دیکھ کر ٹھہر گئی جو سیاہ اُوور کوٹ میں

ملبوس یقیناً اُسکا نیا باڈی گارڈ تھا۔ باڈی گارڈ کی میزاب کی جانب پُشت تھی جبکہ مُدثر کی اُس پر جیسے ہی نظر پڑی چونک کر مُسکرایا۔

"تمہارا باڈی گارڈ۔ آخر تم دَام میں آہی گئی۔" مُدثر کا مُسکراتا ہوا لہجہ ہلکا پُھلکا مگر میزاب کو تیر کی طرح لگا۔ بامُشکل چہرے کے تاثرات سنبھال کر وہ آگے بڑھی۔

"اسلام علیکم!" اُسکا سلام ظاہر ہے مُدثر کے لیئے نہیں تھا تبھی باڈی گارڈ پلٹا اور میزاب کی سُرمائی آنکھیں اُٹھ کر اُس آدمی کے چہرے سے جیسے ہی ٹکرائیں، وہ چونک کر سنبھلی۔ سامنے کھڑے شخص کی حیرانگی اور چونک جانا بھی اُس جیسا ہی تھا۔

"یہ ہیں میزابِ رحمت جِسکی تم نے حفاظت کرنی ہے۔" مُدثر نے اُن دونوں کی حیرانگی سمجھ کر تعارف کی رسم نبھائی جبکہ میزاب نے ناسمجھی سے مُدثر کو دیکھ کر اُس اجنبی مگر مُحسن شخص کے چہرے کے آہنی ہوتے تاثرات دیکھے۔

"اور یہ تمہارا باڈی گارڈ، عباس جان نثار۔" میزاب کو اَب جا کر اپنے مُحسن کا نام معلوم ہوا تو وہ بھی اِس عجیب سی سیچوئشن میں۔

"اسلام علیکم! کیسے ہیں آپ؟" سنبھل کر اُسکو دوبارہ سے سلام کرنا پڑا جبکہ عباس اُسکے راستے سے مؤدبانہ سا ہٹ کر سائیڈ پر ہوا۔

"وعلیکم اسلام! تھینک یو۔" اُسکے جواب پر وہ صرف ایک پَل کو ٹھٹکی۔ مُدثر نے اُس عجیب سی آکورڈنس کو صاف محسوس کر کے میزاب کو دیکھا جو اپنے ماتحت کو دوبارہ چہرہ اُٹھا کر نہیں دیکھ رہی تھی۔

"میری میٹنگ کو دیر ہو رہی ہے، مُدثر۔ میں چلتی ہوں۔" نرمی سے کہہ کر قبل اِسکے وہ ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھولتی، عباس جان نثار نے جُھک کر پچھلی سیٹ کا دروازہ اُسکے لیئے وَا کر کے ہلکا سا سَر کو مودبانہ خم کیا۔ ایک پَل کو چونک جاتی میزاب دوسرے ہی پَل سَر جھٹک کر پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

"ہمیں اِجازت، مُدثر صاحب!" اُس سنجیدہ، بھاری لہجے میں عجیب سی مرعوب کر دینے والی بات تھی تبھی مُدثر اُن الفاظ کی چُبھن کے باوجود پیچھے ہو گیا اور عباس نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر دروازہ بند کرتے ہوئے گاڑی سٹارٹ کی۔ کچھ ہی دیر بعد سیاہ رنگ کی مَرسڈیز قصرِ بزنجو کو بہت پیچھے چھوڑے تیزی سے **'الرحمت'** مال کی جانب بڑھ رہی تھی۔ سارا راستہ خاموشی سے طے ہوا۔ مال کی اندرونی پارکنگ میں گاڑی کے رُکتے ہی قبل اِسکے میزاب دروازہ کھُولتی، پہلے سے کھول دیا گیا۔ خاموشی سے باہر نِکل کر چند قدم آگے بڑھی اور پھِر یک دَم کچھ سوچ کر پلٹی اور وہ جو اُسکے پیچھے ایک فاصلے سے سَر اُٹھا کر چل رہا تھا، بروقت ٹھہر گیا۔

"مجُھے بند دروازے خود کھولنے کی عادت ہے۔" اُسکی سنجیدہ بات میں کچھ چونکا دینے والا تھا۔

"آئیندہ آپ میرے لیئے دروازہ نہیں کھولیں گے۔" اُسکی اگلی بات پر عباس نے خاموش نظر روشنی میں دھمکتے چہرے پر ڈال کر ہٹالی۔

"یہ میری جاب کا حصّہ ہے۔ میں اپنے کلائنٹ کی حفاظت یقینی بنا کر ہی ہر بند دروازہ کھولتا ہوں اِسی لیئے آپ مجُھے منع نہیں کریں۔" سامنے کھڑے شخص کو چہرہ اُٹھا کر دیکھتی میزاب کی سُرمئی آنکھوں میں تحیر جگمگایا۔ اُسے اِس صاف گوئی اور قطعیت کی سامنے کھڑے مُودب شخص سے اُمید نہیں تھی۔ وہ جو اُسکے کہے کی تردید کرنے والی تھی کچھ سوچ کر بغیر کچھ کہے آگے بڑھ گئی۔ لفٹ کے قریب پُہنچ کر بھی مُناسب فاصلہ رکھ کر ایک مضبوط ہاتھ آگے آیا

اور بٹن دبا کر پیچھے ہو گیا۔ میزاب کو موقع نہیں مِل سکا۔ مخصوص آواز سے لِفٹ کُھلی اور میزاب کے اندر داخل ہونے کے بعد وہ داخل ہوا اور پہلے پیچھے ہونے والا شخص اَب قدرے آگے کھڑا تھا۔

"آپ کا نام کیا تھا؟" لمحے کی خاموشی کے بعد اُسے خاموشی قطع کرنی پڑی۔ وہ بُھولی نہیں تھی مگر فضا میں کچھ عجیب سَرد تناؤ سا محسوس کر کے اُسے ہی پہل کرنی تھی۔ مکمل پلٹنے کے بجائے نیم رُخ اُسکی جانب کر کے **'عباس جان نِثار'** کہہ کر اُس نے رُخ پھیر کر چہرہ عین سیدھ میں کر لیا۔

"میں آپ کو جان نِثار کہہ سکتی ہوں؟" اُسکے یوں اِجازت مانگے جانے کا عباس جان نِثار نے سوچا نہیں تھا تبھی اندر تک ساکن ہوا۔

"کہہ سکتی ہیں۔" توقف کے بعد تحمل سے جواب آیا۔

"اور آپ مُجھے۔۔۔" وہ الفاظ سوچنے لگی۔ آخر کیا پُکارنے کو کہے۔

"مِس رحمت؟" پھر سے تصدیق کے لیئے نیم رُخ اُسکی جانب کیا جبکہ میزاب رحمت کتنی دیر تک اُس شخص کے نیم رُخ کو دیکھے گئی۔ وہ دیکھتے رہنے کا سبب سامنے کھڑے شخص کی وجاہت اور کشش نہیں تھی۔ میزاب رحمت کو اُس سوال مانگتے تخاطب نے گنگ کیا تھا۔ اِس نام سے پُکارنے والا شخص صرف اُسکے مرحوم باپ تھے۔

"کہہ سکتے ہیں!" اُس انداز میں مُختصر کہہ دیا۔ تبھی لفٹ کُھلی اور باہر نکلنے کے بعد بجائے اُس نے قدرے پیچھے کو ہو کر میزاب رحمت کو راستہ دیا۔

"جذاک اللہ!" اُسکے برابر سے گُزرتے ہوئے میزاب نے نرمی سے کہا جبکہ اُس لہجے کی نرمی کا عباس جان نِثار نے خاص اثر نہیں لیا۔

"آپ اِس آفس میں ٹھہریں گے۔" اپنے آفس کے سامنے موجود نفیس سے شیشے کے آفس کی جانب اِشارہ سے بتانے پر عباس نے اُس جانب دیکھ کر اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"میرا بالکل سامنے ہے۔" اُسکے اپنے آفس کی شیشے کی دیوار سامنے واضح تھی مگر اُس پر وہ ہمہ وقت بلائینڈز گرائے رکھتی تھی مگر جب سے اُس نے اپنے لیئے باڈی گارڈ رکھنے چھوڑے تھے تب سے ہٹا رہتا تھا۔ عباس کی نگاہ دیوار پر لگی خوبصورت سی تختی تک گئی جس پر **'میزابِ رحمت'** لکھا تھا۔ چہرہ پھیر کر اُس نے میزابِ رحمت کو دیکھا جو اپنے آفس جانے کے بجائے وہیں جم کر کھڑی تھی۔

"آپ کو کچھ اور بتانا ہے؟" اُسکو یوں شش وپنج میں خاموش کھڑا دیکھ کر اُسکو پوچھنا پڑا جبکہ میزاب نے چونک کر اُسکو دیکھا۔

"نہیں! میں تو آپ کے آفس جانے کا ویٹ کر رہی ہوں۔" اُس نے سنبھل کر جس طرح بات بنائی اُس پر عباس جان نثار نے ہلکا سا سَر کو خم کیا اور پھر سائیڈ شیشے کا دروازہ کھول کر اندر کی جانب بڑھ گیا۔ اُسے پہلے ہی ہاشم بزنجو نے ہدایت کی تھی کہ تمام سیکورٹی سٹاف کے ساتھ کنٹرول روم کے بجائے اُسے میزابِ رحمت کے آفس کے پاس اور اُسکے ساتھ رہنا ہے گو کہ اُسکے تجربات اور قابلیت کو دیکھ کر اُسے **'الرحمت'** مالز کی سیکورٹی کا چیف بنایا گیا تھا مگر اُسکی پہلی فوقیت میزابِ رحمت کو سیکورٹی فراہم کرنا تھا۔ اپنے آفس میں آکر کرسی پر بیٹھتے ہوئے میزاب نے بے چینی سے گردن سہلا کر ایک ترچھی نظر برابر کی شیشے والے آفس کو دیکھا جہاں کائنات اُسکا پیک بیگ اُسے دے کر جا رہی تھی اور اُسکے جاتے ہی اُس نے بیگ سے لیپ ٹاپ نکال کر ٹیبل پر رکھا اور اِدھر اُدھر دیکھے بغیر کام میں مصروف ہو گیا۔ میزاب نے کچھ چونک کر سَر جھٹکا پھر پورا گھنٹے وقفے وقفے سے اُس نے جب بھی ساتھ والے

آفس میں نظر ڈالی وہاں بیٹھے شخص نے ایک بار بھی نظر اُٹھا کر ہٹے بلائینڈز والی کھڑکی کی جانب نگاہ اُٹھا کر نہ دیکھا۔ ایک گھنٹے بعد کہیں جا کر سُکھ کا سانس لیتے ہوئے اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

"کم اِن!" کائنات کے دروازہ بجانے پر اُس نے مصروفیت سے اجازت دی۔

"میم! آپکی کمال اِنٹیریئر کے ساتھ میٹنگ کا وقت ہونے والا ہے۔" کائنات کے بتائے جانے پر اُس نے چونک کو سَر اُٹھا کر دیوار گیر گھڑی کو حیرانگی سے دیکھا۔ دو گھنٹے کیسے گُزرے معلوم ہی نہیں ہو سکا۔

"جزاکِ اللہ، مِس کائنات!" فائلز تیزی سے بند کرتے ساتھ اُس نے اپنا پیک بیگ ہاتھ میں لیا اور اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اُسکے آفس سے نکلنے سے قبل ہی دوسرے آفس کا دروازہ کھول کا عباس پہلے ہی نِکل آیا۔

"تم نے اُنکو میرا شیڈول دے دیا ہے؟" میزاب ابھی دروازے کے قریب ہی پُہنچی تھی تبھی اُسکو باہر کھڑے دیکھ کر ٹھٹک کر ٹھہر کے کائنات سے پوچھا۔

"نہیں ابھی نہیں دیا۔ جیسے ہی آپ لوگ میٹنگ سے آتے ہیں، میں کر دیتی ہوں میل۔" کائنات کے کہے جانے پر میزاب اثبات میں سَر ہلا کر باہر نِکلی۔

"میم کی کمال اِنٹیریئر کے ساتھ میٹنگ ہے۔ یہ اُنکا ایڈریس ہے۔" کائنات نے کہہ کر ایک کارڈ عباس کی جانب بڑھایا جسے اُس نے ہاتھ میں لے کر ایک بار پڑھ کر سیاہ پینٹ کی جیب میں ڈالا اور آگے بڑھنے کے بجائے میزاب کو اِشارے سے آگے جانے کا کہا۔ کائنات واپس اپنے برابر والے آفس میں چلی گئی جبکہ میزاب تیز قدم اُٹھا کر راہداری سے ہوتے ہوئے لفٹ کے قریب پُہنچی اور قبل اِسکے آگے ہو کر عادتاً لفٹ کا بٹن دباتی، سائیڈ پر کھڑا

شخص پہلے ہی دبا چکا تھا۔ چونکے بغیر سیدھا ہو کر کھلی لفٹ میں داخل ہوئی اور تبھی بند ہوتی لفٹ کے دروازے کے خلا میں تیزی سے اندر ہاتھ رکھ کر داخل ہوتے ذکی کو دیکھ کر اُس نے گہرا سانس لیا۔

"کہاں بھاگی جا رہی ہو؟" ذکی نے ایک نظر سنجیدہ اور آہنی سے اُسکے باڈی گارڈ کو دیکھ کر چہرہ پھیر کر دیوار سے ٹیک لگائی۔

"تم آفس میں ہوتے تو ضرور معلوم ہوتا۔" میزاب کے ٹھنڈے ٹھار جواب پر وہ تلملا کر رہ گیا۔

"تم۔۔۔۔"

"شہلا کو تم نے دوبارہ تنگ کیا تو میں تمہارا ہر گز لحاظ نہیں کروں گی۔" اُسکی سخت تنبیہہ پر آگے کھڑے عباس نے چہرہ پھیر کر ایک نظر بَل کھاتے ذکی نامی شخص کو دیکھا۔

"تمہاری تو۔۔۔" وہ تیزی سے ہاتھ ہوا میں لہرا کر اُسکو مارنے کے اِرادے سے جیسے ہی آگے بڑھنے لگا بروقت اُسکی کلائی ایک فولادی گرفت میں آئی۔ کراہ کر اُس نے چہرہ پھیر کر خود کو سختی سے دیکھتی آنکھوں کو دیکھا۔

"تم۔۔۔ تمہاری اِتنی۔۔۔ آہ۔۔۔ آہ۔۔۔" اُسکا ہاتھ پوری قوت سے جھٹک کر عباس نے پیچھے دھکیلا جبکہ چونک اُٹھتی میزاب کے کھنچتے اعصاب یک دَم پُر سکون ہو گئے۔

"اِسکو کہو۔۔۔ آہ۔۔۔ میرا ہاتھ تو چھوڑے۔" ذکی کی کراہتی آواز نے میزاب کو تسکین سے کھینچ کر باہر نِکالا۔

"چھوڑ دیں اِسے، جان نِثار۔ یہ گُفتار کا غازی ہے۔" اُسکے ٹھنڈے لہجے پر جہاں ذکی نے دانت پیسے وہیں عباس اُسکا ہاتھ چھوڑ کر اپنی جگہ پر واپس کھڑا ہو گیا۔

"ت۔۔۔۔ تمہ۔۔۔ تمہیں تو میں دیکھ لوں گا۔" لفٹ کے کُھلتے ہی اپنی کلائی سہلا کر اُس نے کینہ توز نظر سپاٹ تاثرات سے کھڑے باڈی گارڈ پر ڈالی اور تیزی سے باہر نِکل گیا۔ پیچھے ہو کر اُس نے میزاب کو باہر جانے کا راستہ دیا اور پھر اُسکے پیچھے مگر ایک سائیڈ پر ہو کے دو قدم کا فاصلہ رکھ کر اُسکے پیچھے چلنے لگا۔ گاڑی کے پاس پُہنچ کر اُس نے وہی بروقت عمل دُہرایا۔ عجیب سا محسوس کرتی میزاب اندر بیٹھ گئی۔ گاڑی میں پہلے کی طرح خاموشی ہی طاری رہی۔ وہ اِتنی جلدی نہ کسی سے گُھلنے مِلنے والی تھی، نہ بھروسہ کرنے والی۔ اُسکے اندر ابھی بھی وہی خوف اور تحفظات کُنڈلی مارے بیٹھے تھے جسے چاہ کر بھی زُبان نہیں دے سکتی تھی۔ چہرہ اُٹھا کر اُس نے اُوپر دیکھا تو نگاہ نیچے کیئے گئے بیک ویو مِرر سے ٹکرائی۔ سَر جھٹک کر بیگ پر گرفت مضبوط کرتے ہوئے اُس نے گہرا سانس لیا۔ کمال اِنٹیریئر کی بلڈنگ زیادہ دُور نہیں تھی تبھی ایک گاڑی کے تیزی سے راستہ کاٹ کے آگے آنے پر عباس نے بروقت بریک لگا کر تیزی سے پیچھے دیکھا۔

"آپ ٹھیک ہیں؟" جھٹکا کھا کر پیچھے ہوتی میزاب نے ایک نظر اُسکو دیکھ کر سامنے کی گاڑی میں سے نکلتے افراد کو دیکھا۔ اُن پھیلتی سُرمائی آنکھوں کے تعاقب میں عباس نے چہرہ پھیرا اور پھر سیدھا ہوا کر دروازہ کھولا۔

"آپ نے باہر نہیں نِکلنا۔" نرمی سے کہتے ہوئے اُتر کر گاڑی لاک کرتے ہوئے اُن آدمیوں کی جانب بڑھا۔ میزاب نے پریشان ہو کر ایک نگاہ اطراف میں ڈالی جہاں ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھی۔ ابھی پیک آورز گُزرے تھے۔ آفس ورکرز لانچ وغیرہ کر کے جا چُکے تھے تبھی اُس سڑک پر رش کم تھا جو کہ ایک فوڈ سٹریٹ تھی۔

"یہ کونسا طریقہ ہے گاڑی روکنے کا؟" اُن تینوں لوگوں کو گاڑی سے اُترتے دیکھ کر اُسکے سنجیدہ سوال پر وہ ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنس دیئے۔

"ہمارا تم سے کوئی لینا دینا نہیں۔ اِسی لیئے چلتے بنو۔" اِشارے سے سائیڈ پر ہونے کا اِشارہ کر کے ایک اُسکی جانب بڑھا۔

"کافی عرصے بعد اِس نے کوئی گارڈ رکھا ہے خیر! یہ لو پکڑو اور سائیڈ پر ہو۔" اُسکو یونہی جما دیکھ کر اُن میں سے ایک آگے بڑھا جو یقیناً اُنکا سرغنہ تھا۔ میزاب نے تیزی سے آگے ہو کر ایک آدمی کو اپنے والٹ سے موٹی تازی رقم نکالتے دیکھا۔ عباس نے سختی سے اُسکو دیکھ کر پاس سے گُزر کر آگے بڑھنے والے کو شانے سے جکڑ کر اپنے مُقابل کیا۔

"معاملہ کیا ہے؟" اُسکے لیئے یہ جاننا زیادہ اہم تھا۔

"تُو کیوں بیچ میں کود رہا ہے؟ پیسے لے اور نِکل۔" اُس آہنی گرفت پر چونکتے ہوئے اُس آدمی نے اپنا کندھا چُھڑوانا چاہا مگر مقابل کی گرفت مضبوط تھی۔

"ہم جلدی میں ہیں تو اگر اِس بے وقوفی کا مطلب واضح ہو جائے تو زیادہ مُناسب رہے گا۔" پیسے مزید نکالتے شخص کو دیکھ کر اُس نے جس تُندہی سے کہا اُن تینوں نے ایک دوسرے کو ٹھٹک کر دیکھا۔

"اُس ناجائز زمین پر قبضہ کرنے کے بعد اَب یہ لڑکی اُسکی مالکن ہے۔ ہمیں اپنی زمین واپس چاہیئے۔" سارے پیسے والٹ سے نکال کر اُسکی جانب بڑھا کر عباس کو چونکا دیا۔ اُسکے چونکنے پر پیسے لہراتا آدمی تمسخرانہ مُسکرا دیا۔

"قانونی طریقہ زیادہ بہتر نہیں رہے گا؟" وہ اُن لوگوں کے اِرادے جاننا چاہ رہا تھا تبھی پیسے نظر انداز کر اطمینان سے سوال کیا۔

"یہ ہمارا وقت ضائع کر رہا ہے، اُستاد۔" پیچھے کھڑے شخص نے ناگواری سے لقمہ دیا۔

"قانونی طریقے میں اَب ہماری ناکامی ہی ہوگی کیونکہ زمین ہاشم بزنجو کچھ دِن پہلے اپنے پوتی کے نام کر چُکا ہے۔ تم نئے ہو گے اور نہیں جانتے ہو گے کہ ہاشم بزنجو نے اپنے ہر سیاہ سفید کا مالک اُس عورت کو بنا رکھا ہے۔" حقارت سے ایک ایک لفظ پر گرفت مضبوط کرتے ہوئے اُس شخص نے پیسے والا ہاتھ نیچے کر کے گاڑی کی سمت اِشارہ کیا۔ عباس نے اُس اِشارہ کے تعاقب میں پلٹ کر پچھلی سیٹ سے جھانکتے، متفکر چہرے کو دیکھ کر اُس آدمی کو دیکھا۔

"مَرد کے بجائے عورت سے مُقابلہ کرنے کی سوچ ہی ناکام شخص کی ہوتی ہے۔" برابر کھڑے شخص کو کندھے سے واپس کھینچ کر سہولت سے جواب دیا۔

"اے لڑکے! تمہیں سب بتانے کا مقصد یہ نہیں کہ ہم ہر آئے گئے کو مقصد تھما دیتے ہیں بلکہ اِسی طریقے سے ہم نے اُس عورت کے ہر باڈی گارڈ کو خرید خرید کر اُسے اکیلا کیا ہے۔" اُس آدمی کی اگلی طنزیہ بات پر عباس جان نثار کی آنکھوں کے قریب موجود سیاہ گھنی بھنویں اکٹھی ہوئیں۔

"اِن پیسوں سے ہم تمہیں خرید رہے ہیں۔" ایک بار پھر وہ پیسے اُسکے آگے لہرائے گئے۔

"تم ابھی جانتے نہیں ہو ہم کِس کے آدمی ہیں۔" پیچھے کھڑے آدمی نے اُس پتھر جیسے تاثرات پر اُسے خُوف دِلانا چاہا۔

"مُجھے جاننے میں دلچسپی بھی نہیں اور شرافت سے راستہ صاف کرو۔" ہاتھ سے پَرے ہونے کا اِشارہ کر کے عباس جیسے ہی پلٹا اُنکے سرغنہ نے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ٹھہرنے پر مجبور کر دیا۔ سنجیدگی سے پلٹ کر اُسکا ہاتھ شانے سے پکڑ کے مروڑتے ہوئے دوسرے ہاتھ میں موجود پیسوں کی گڈی اُس آدمی کے مُنہ میں زبردستی ٹھونس کر اُسے کھانسنے پر مجبور کر دیا۔ باقی تو ہڑبڑا کر ہک دَق پیچھے ہوئے جبکہ اُنکو یونہی چھوڑ کر عباس پلٹ کر گاڑی کی جانب بڑھا۔

ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھا اور پھر گاڑی ریورس کر کے سائیڈ سے گُزار لے گیا۔ چند پَل کی خاموشی کافی تھی میزابِ رحمت کو اپنے چٹختے اعصاب سنبھالنے کے لیئے۔

"کون لوگ تھے وہ؟" اُسکے مدہم سوال پر عباس نہیں چونکا۔

"خریدار!" مگر اُسکے لفظی جواب پر میزاب ضرور چونک گئی۔

"کِس چیز کے خریدار؟" اُسکے سوالیہ لہجے میں تعجب صاف محسوس کیا جا سکتا تھا۔

"آپکے باڈی گارڈ کے۔" میزابِ رحمت کو اُس شخص سے اِتنی صاف گوئی کی اُمید نہیں تھی۔ ناسمجھی سے اُس شخص کی پُشت کو دیکھا۔ دِل میں اِسی خوف کو لے کر پنپتے جذبے بے یقینی کے بادل گھیرے کرنے لگے۔ اُسے وہ وقت یاد آنے لگا جب اُسکے اپنے باڈی گارڈ نے دُشمنوں کے ہاتھ بِک کر میزابِ رحمت کو ناقابلِ معافی نقصان پُہنچایا تھا۔ اِیسا نقصان جِس کی بَھرپائی ناممکن تھی تبھی تو اُس غدار کے بعد میزاب نے کبھی بھی گارڈ نہیں رکھے تھے۔ رکھ نہیں سکتی تھی۔ جو دھوکہ وہاں سے مِلا تھا وہ بہت کربناک اور خطرناک تھا۔

"تو خرید لیا؟" اُسکی سنسناتی آواز سرگوشی سے زیادہ نہیں تھی۔ عباس جان نثار اُس کانپ اُٹھتے لہجے کے خدشات پر اپنی ہستی سمیت سُن رہ گیا۔ بے اِختیار چہرہ اُٹھا کر اُس نے اُوپر دیکھا۔ گاڑی ریورس کرنے کو اُوپر کیئے گے بیک ویو مِرر سے جھانکتی شہد رنگ آنکھیں، خوف سے لرزتی سُرمائی آنکھوں سے ٹکرائیں۔ اُن آنکھوں میں تیرتا خوف اعصاب ہلا دینے والا تھا۔

"خرید لیتے اگر کوئی اور ہوتا۔" جب وہ بولا تو میزاب کے دِل نے چند دَھڑکنیں مدغم کیں۔

"مگر عباس جانثار کو خریدا نہیں جاسکتا۔" اُس اگلی حتمی بات پر میزابِ رحمت سانس نہیں لے سکی۔ وہ جو بد عنوانی اور خوف کی فضا گاڑی میں تیزی سے پھیل رہی تھی اُس نے دَم توڑ دیا۔ سُرمائی آنکھیں بے یقینی سے لرزیں اور پھر اُس لرزاہٹ پر شہد آنکھیں جُھک کر بھاگتی سڑک کی جانب متوجہ ہو گئیں۔ کبھی کسی منزل پر ختم ہو جانے والا باقی ماندہ سفر گہری خاموشی سے طے ہونے لگا۔

✓ اَب اُس کی مرضی مُسافر کہے یا گردِپا

میں اُس کے ساتھ مُسلسل سفر میں رہتا ہوں۔۔۔

(حسیب الحسن)

****

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔۔۔

آلسلامُ علیکُم احباب۔۔۔۔"

"ناولز کی دنیا" کے ناولز میں خوش آمدید۔۔۔۔

ناولز کی دنیا (NKD) کی جانب سے ناولز کو بغیر کسی غلطی کے آپ تک پہچانے کی کوشش کی گئی۔ اگر کوئی غلطی اس میں ملتی ہے تو اسے محض اتفاق سمجھا جائے۔ کیونکہ ناول کو پورا پروف ریڈ کرکے ہی پبلش کیا جاتا ہے چُوک ہونا محض اتفاق ہوگا۔۔

نئے اور مختلف لکھنے والوں کے لیے "ناولز کی دنیا" ویب سائیٹ / گروپ / پیج / یوٹیوب چینل دے رہا ہے تمام لکھاریوں کو ایک ایسا پلیٹ فارم جہاں آپ اپنی خدا داد صلاحیتوں کو اپنے قلم سے تحریر کر کے اپنا اور اپنے ملک کا نام روشن کرسکتے ہیں ۔۔۔ اگر آپ کو بھی اللہ کی طرف سے یہ صلاحیت دی گئی ہے تو اسے اجاگر ضرور کریں ۔۔۔ ہمیں آپ جیسے ہی لکھاریوں کی تلاش اور ضرورت ہے۔۔۔

اگر آپ ہمارے بلاگز پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، آرٹیکل یا شاعری پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو ہم سے رابطہ کریں ۔۔ اپنی تحریر اردو میں ٹائپ کر کے ہمیں بھیجیں۔ جتنا جلدی ہوسکا آپکی تحریر پوسٹ ہوجائے گی ۔۔۔

مزید تفصیلات یا کسی بھی طرح کی مدد کے لیئے ہم سے گروپ یا پیج انباکس میں رابطہ کریں یا ای میل پر ہم سے رابطہ کرسکتے ہیں۔۔

Email address :- Novelskiduniya77@gmail.com

Facebook page :- Novels ki duniya

(user name @zoyatalib77)

Facebook group :- Novels ki duniya

Instagram Page:- Nkd (ZT) (UserName: Novelskiduniya77)

Youtube Channel: Novels Ki Dunya (NKD) Official

(پر خیال رہے کہ یہ گروپ زویا طالب کا ہی ہو) اور باقی کے رابطے کے لیئے ہر پیج کے نیچے **Blue** الفاظ میں لکھے لفظ میں آپکو لنکس مل جائے گے شکریہ-----

"میں نے آپکو پہلے بھی بتایا تھا کہ ہمیں صرف اِنٹیریئر کی ٹیم چاہیئے۔"کچھ دیر پہلے ہی وہ کمال اِنٹیریئر پُہنچی تھی اور اَب آفس میں بیٹھ کر اُسکا ضبط کبھی بھی رُخصت ہو سکتا تھا۔

"کمال صاحب!میرے ساتھ بزنس تبھی ہو سکتا ہے جب غیر جانبدار رہ کر کام کیا جائے۔"اُس کمینے کی کمینی مُسکراہٹ کو نظر انداز کر کے اُس نے آخری بار اپنی وہی بات رکھی۔

"میری بھی ٹرمز واضح ہیں میزاب۔اگر ہم بزنس کے ساتھ لائف پارٹنر بھی۔۔۔"اُسکی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی میزاب تمکنت سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"الرحمت کو آپ کے ساتھ بزنس کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔یہ ڈیل کبھی نہیں ہو گی۔"اپنا بیگ اُٹھا کر وہ تیز قدموں سے دروازے تک آئی تبھی مُسکراتا ازرق کمال بھی اُسکے پیچھے ہی آیا۔

"آپ بزنس ڈیل کو لے کر اِتنا جذباتی ہو جائیں گی مُجھے نہیں معلوم تھا۔آخر اِس ڈیل سے بزنجو اور کمال فیملی کے بہت مفاد جُڑے ہیں۔"وہ میزاب کی بے بسی سے بے حد محظوظ ہو رہا تھا۔پلٹ کر کوئی جواب دیئے بغیر میزاب نے

ایک جھٹکے سے دروازہ کھولا۔ دروازے سے چند قدم دُور کھڑے عباس نے چہرہ پھیر کر دیکھا اور پھر ٹھٹک کر اُس تک آیا جِسکا چہرہ شدید طیش سے تمتمارہا تھا۔

"سب ٹھیک ہے، مِس رحمت؟" دروازہ بند کر کے وہ جیسے ہی آگے بڑھی اُسکے پیچھے آتے عباس نے آہستگی سے پوچھا۔ میزاب اُسکا جواب کیا دیتی بے چینی سے ہاتھ مَسل کر آگے چلنے لگی۔ اِس ڈیل کے حق میں ہاشم بزنجو دو مہینوں سے تھے اور اُس نے دو مِنٹ میں ختم کر دی تھی۔ اُسے گھر میں ہونے والے تماشے کی پرواہ نہیں تھی مگر ہاشم بزنجو کو مایوس وہ ناگزیر حالات میں بھی کرنا نہیں چاہتی تھی۔ اُسکی خاموشی پر عباس نے مزید کچھ پوچھے بغیر آگے بڑھ کر لفٹ کا دروازہ کھولا اور پھر اندر آتی میزاب نے جِس طرح بے دم ہو کر لفٹ کی ریلنگ کو تھاما، عباس نے چونک کر بغور اُسکے سپید پڑتے چہرے کو دیکھ کر رُخ دروازے کی جانب پھیر لیا۔ لفٹ بند ہوئی اور میزاب یونہی خالی دماغ لیئے سوچنے لگی۔ اُسے پروفیشنل لوگوں کو ڈیل کرنے کے ہزار طریقے آتے تھے مگر اِیسے گھٹیا اور اپنی پٹڑی سے اُتر آنے والوں لوگوں کے وہ کبھی مُنہ لگنا پسند نہیں کرتی تھی تبھی اُس نے اپنے بزنس سرکل اور ورک پلیس میں یہ تاثر اور سوچ عام کر رکھی تھی اور تبھی کسی میں جُرات نہیں ہوتی تھی میزابِ رحمت سے بزنس کے علاوہ کوئی اور بات کرنے کی مگر کچھ لوگ بزنس میں آکر بھی نہیں سُدھرتے۔ لفٹ کا دروازہ کُھلنے پر عباس نے سائیڈ پہ ہو کے اُسکو راستہ دیا اور پارکنگ لاٹ میں آکر اُسکے لیئے دروازہ کھولتے ہی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر گاڑی ریورس کی اور **'کمال اِنٹیریئر'** کی بلڈنگ سے نکال لے گیا۔ سیاہ گاڑی تیزی سے مین شاہراہ پر دوڑ رہی تھی۔ آفس لے جانے کے بجائے گاڑی کم رش والی سڑک پر موڑ کر چلاتے ہوئے پچھلی سائیڈ کا شیشہ تھوڑا سا کھول کر اُس نے میزاب کو چونکا دیا۔ اپنی سوچوں کو جھٹک کر میزاب نے باہر اُترے خوبصورت موسم کو دیکھا اور پھر چہرے پر پڑتی ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوا پر آنکھیں مُوند کر گہرا سانس لیا۔ دُھوپ کے ساتھ ٹھنڈی ہوا تھکتے اعصاب کو پُرسکون کر کے

رگ وپے میں طمانیت بھر رہی تھی تبھی آدھے گھنٹے بعد سوچوں کو یکجا کر کے سنبھل کر بیٹھی۔ گاڑی کو یونہی بے مقصد دوڑتے دیکھ کر اُس نے ایک نظر عباس کی پُشت کو دیکھا۔

"گھر ڈراپ کر دیں مجھے۔" اُسے ابھی آفس میں ضروری کام تھا مگر جانتی تھی کہ زرق کمال نے ذکی کو کال کر کے قصرِ بزنجو پہ قیامت ڈھادی ہو گی۔ آمینہ کاشف اور رفعت شیرازاُسکی خُون کی پیاسی ہوں گی مگر اُسے دادا کا بلیڈ پریشر کنٹرول میں رکھنا تھا۔ عباس نے گاڑی کا رُخ قصرِ بزنجو کی جانب کر دیا اور کچھ دیر بعد وہ قصر سامنے تھا جہاں عباس جان نِثار کے دُشمنوں کی رہائش تھی۔ سب منفی سوچوں کو لگام ڈال کر اُس نے ہارن دیا۔ دروازے وَا ہونے پر گاڑی اندر لا کر کھڑی کرتے ہوئے اُسکو بھی اندر ہی آنا تھا کیونکہ اُسکی رہائش بھی سیکورٹی چیف کے کمرے میں مُنتقل ہو گئی تھی۔ دروازہ کُھلتے ہی میزاب نے باہر قدم رکھ کر طوفان سے پہلی والی خاموشی کو دیکھا اور پھر اندر کی جانب قدم بڑھائے۔ عباس جان نِثار اُس سے دو قدم سائیڈ پر چل رہا تھا تبھی بھاری شیشے کا مرتبان سائیڈ ہال سے لہراتا ہوا آیا اور اُس سے پہلے کہ میزاب کے سَر کے چیتھڑے اُڑتے، عباس نے بروقت میزاب کو دونوں شانوں سے تھام کر تیزی سے اپنی جانب کھینچ لیا۔ اپنے شانے سے آلگتی عورت کے ٹھیک ہونے کا تعین کر کے اُس نے سائیڈ پر دیکھا جبکہ اِتنی زور سے مرتبان کے پاش پاش ہونے پر بھی میزاب کا نہ دِل دہلا، نہ لرزا۔

"یہ۔۔" رفعت شیراز کو دیکھ کر اُس نے بامُشکل اپنے طیش پہ قابو پایا۔ سامنے کھڑی کینہ توز نظروں سے دیکھتی اِسی عورت کا ہاتھ عباس نے ہسپتال میں اپنے گریبان تک پُہنچنے سے پہلے ناگواری سے جھٹک دیا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں، جان نِثار۔" میزاب کے نرمی سے اُسکی جانب نیم رُخ کر کے کہنے پر عباس آہستگی سے اُسکے شانے چھوڑ کر چند قدم پیچھے ہوا۔

"کیا کر رہی ہیں، آپا؟" آمینہ کاشف اُس زوردار آواز پر تیز قدموں سے باہر بھاگ کر آئیں۔

"میں آج اِسکا قتل کر دوں گی۔" اُنکے تیز لہجے پر عباس نے ایک نظر میزاب کے سپاٹ تاثرات کو دیکھا۔

"بابا جان گھر پر ہیں، آپا۔" آمینہ کاشف نے اُنکو سمجھانا چاہا مگر رفعت شیراز کو کون روک سکتا تھا۔

"تو بابا کو بھی معلوم ہونا چاہئیے کہ کِس سانپ کو آستین میں پال رہے ہیں۔" اُنکی چیخ پہلے سے بھی زیادہ بلند تھی۔ اپنے کمرے سے تقی اور زوبیہ بھی اُس شور پر باہر نِکل آئے۔

"پھُوپھُو!" ہال میں کام کرتے مُلازمین کو دیکھ کر زوبیہ تیزی سے اُن تک آئی مگر اُنہوں نے زوبیہ کے ہاتھ جھٹک دیئے۔ یہاں کام کرنے والوں کے لیئے کونسا کوئی نئی اور ڈھکی چُھپی بات تھی۔

"تم مُجھے روکنے کے بجائے اِس کم بخت سے پوچھو کیا چاہتی ہے یہ۔" اُنکے پھِر سے چِلانے پر میزاب نے ناگواری سے چہرہ پھیر کر اُنکو دیکھا۔

"چِلانے کی ضرورت نہیں ہے، رفعت پھُوپھُو۔ میں آپ سے زیادہ اُونچا چِلا سکتی ہوں۔" اُسکی ٹھنڈی ٹھار آواز میں مُقابل کو جلا کر بھسم کر دینے والا اطمینان تھا۔ عباس نے چونک کر اُسکو دیکھا تبھی آمینہ کاشف کو آگے بڑھنا پڑا۔ ظاہر ہے رفعت شیراز اُنکے بیٹے کے لیئے لڑ رہی تھیں۔

"تم۔۔۔ بابا کو کہہ کر تمہارے تو میں پَر کٹواتی ہوں۔" مُٹھیاں بھینچ کر کھڑیں رفعت بیگم کا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ میزاب کا مُنہ نوچ لیتیں تبھی آمینہ کاشف نے کہہ کر اُنکو مُسکرانے پر مجبور کر دیا۔

"میری تراش خراش کے بجائے اپنے بیٹے کو لگام ڈالیں جو ہر گھٹیا شخص سے کاروباری مراسم بڑھاتا ہے۔" اِس گھر میں رہ کر اُس نے سب کچھ سیکھ لیا تھا۔ نہیں سیکھا تھا تو دَب جانا۔ تذلیل پر جواب نہ دینا۔ چھوٹی موٹی باتوں پر میزاب خاموش رہتی تھی مگر اُنکے تذلیل بھَرے لہجے پر وہ کسی صورت سمجھوتہ نہیں کر سکتی تھی۔ اُس جواب پر

جہاں زوبیہ نے اپنا ماتھا پیٹ کر ماں کے سُرخ ہوتے چہرے کو دیکھا وہیں عباس جان نِثار اُبھرنے کو بے تاب مُسکراہٹ دبا کر سائیڈ راہداری کی جانب بڑھ گیا جہاں سیکورٹی چیف کی رہائش تھی۔ اُسے اِس نجی مسئلے میں نہیں کھڑا ہونا تھا۔ وہ عورت مضبوط تھی اور سب اکیلے ہینڈل کر سکتی تھی یہاں تک کے خاندانی سیاست بھی۔ اِن لفاظی جنگوں میں اُسے تحفظ درکار نہیں تھا۔

"تمہاری شادی تو میں نے زرق کمال سے نہ کروائی تو میرا نام بدل دینا۔" رفعت شیراز کے اِنتقامی انداز کم اَز کم میزاب خاطر میں نہیں لا سکتی تھی۔

"کیوں آپ لوگ سب کے سامنے تماشا لگائے رکھتی ہیں۔" تقی بے زاری سے کہہ کر اپنے کمرے میں واپس چلا گیا اور اُسکے پیچھے زوبیہ بھی۔ اُن دونوں کے جاتے ہی میزاب خاموشی سے اُنکے عین سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"پھِر دیکھتے ہیں کیسے ہوتی ہے زرق کمال سے شادی۔" اُسکا انداز اُکساتا ہوا تھا۔ جانتی جو تھی زرق کمال جِس قماش کا ہے ہاشم بزنجو کبھی بھی اُس آدمی کو بزنجو خاندان کے لیئے نہیں سوچیں گے۔ رفعت شیراز نے نفرت سے اُسکو دیکھا جو اُنکو ہمیشہ کی طرح شعلوں کی زَد میں دھکیل کر ہاشم بزنجو کے کمرے کی جانب بڑھ گئی تھی۔

"آپا! اِس لڑکی کا کچھ تو کرنا پڑے گا۔" آمینہ کاشف کی سوچتی آواز پر رفعت شیراز نے کسی مصمم اِرادے سے اثبات میں سَر ہلایا۔

"اِسکو اِسکی ماں کی طرح اُوقات یاد دِلانی ہی پڑے گی۔" اُنکے حوصلے پست نہیں ہونے والے تھے۔ نفرت کا سب کچھ تباہ کر دینے کا جو جذبہ اُنکے اندر نہ جانے کب سے موجزن تھا، اُسکو جلد ہی رہائی کا راستہ مِلنے والا تھا۔ میزاب رحمت سے اُنکی نفرت کوئی ڈھکی چُھپی نہیں تھی۔ اُسکی تذلیل، سُبکی اور بے عزتی کا عظیم موقع وہ دونوں کبھی ہاتھ

سے جانے نہیں دیتی تھیں مگر یہ بھی تلخ حقیقت تھی کہ میزاب رحمت اپنے پَروں پر پانی تک نہیں پڑنے دیتی تھی مگر آخر کب تک۔۔۔

✓ میرے اپنے مجھے لوٹ کر نکلے ہیں ابھی

میرے دُشمن! تُجھے اِس بار بھی تاخیر ہوئی ہے۔۔۔

"میں نے تمہیں کتنی بار سمجھایا ہے سب سے بنا کر رکھو کرو، زیبی۔" ہاشم بزنجو کی اُسی ہدایت پر اُس نے سَر جھٹکا۔

"میں تب تک ہی جُھک کر عزت احترام دے سکتی ہوں جب تک میری عزتِ نفس مجروع نہ ہو، دادا جان۔" اُسکے لہجے کی اُٹھان نظر انداز کیئے جانے کے قابل نہیں تھی۔

"تو یعنی تم اپنے دادا کی بات نہیں مانو گی۔" اُنکے مایوس کُن لہجے پر میزاب نے گہرا سانس لیا۔

"آپ کی ہر ماننے والی بات میرے لیئے حکم کا درجہ رکھتی ہے لیکن اگر وہ مجھے ذلیل کرتی رہیں گی تو مجھے معاف کر دیں میں چُپ نہیں رہ سکتی۔" اُسکے انداز میں قطعیت تھی۔

"آپ جانتے ہیں میں اُنکی ہمیشہ عزت کرتی آئی ہوں مگر وہ دونوں ہمیشہ مُجھ پر رکیک جُملے اُچھال کر میری تذلیل کرتی ہیں۔" اُسکی بات بالکل دُرست تھی مگر گھر کا امن بحال کرنے کے لیئے ہاشم بزنجو نے کسی ایک کو تو سَر نگوں کرنا ہی تھا۔

"بیٹے! وہ بڑی ہیں۔ کڑوی ہیں مگر دِل کی بہت اچھی ہیں۔" اُنہوں نے بات سنبھالنی چاہی۔

"داداجان! دِل کی، اللہ پاک کے سوا کِس کو خبر ہے۔ اِنسان زُبان سے ہی دوسرے اِنسان کو پرکھتا ہے۔ اگر زُبان نرم تو اِنسان کا اندر نرم اگر وہ کڑوی تو اندر سب کڑوا اور سخت۔" میزابِ رحمت کی بات وزن دار تھی۔ اُسکو گفتگو میں دبایا نہیں جا سکتا تھا۔

"مُجھے غلط جگہ جُھکنے کو مت کہیں۔ اِسکی اِجازت میرا رب بھی نہیں دیتا۔ جہاں میں غلط ہوں گی، ہزار بار جُھکوں گی مگر جہاں نہیں ہوں وہاں مَر کر بھی نہیں جُھک سکتی۔" نرمی سے اُنکا ہاتھ تھپکتے ہوئے کہہ کر اُس نے ہاشم بزنجو کو مُسکرانے پر مجبور کر دیا۔

"تم بالکل اصفہان کی طرح ہو۔ وہ بھی نہیں جُھکتا تھا۔ اُسے میں نے بہت جُھکانے کی کوشش کی اور ہر بار ناکام رہا۔" اپنے کسی خیال میں غرق اُنہوں نے میزاب کو چونکا دیا۔ وہ اُسکے سامنے اپنے بیٹے کا ذکر بہت کم کرتے تھے۔ بس کبھی کبھار اور یہ وقت بھی اِیسا ہی تھا۔

"مُجھے بھی بے فیض لوگوں کے سامنے مت جُھکائیں۔" وہ آگے کہہ نہیں سکی کہ ناکام ہو جائیں گے مگر ہاشم بزنجو کو اِس بات کی خبر تھی۔

"زرق کمال کی ڈیل کیوں رَد کر دی؟" اُنہوں نے موضوع بدل کر سوال کیا۔

"آپ کو معلوم ہے زرق کمال کِس قدر بد فطرت اور خائن شخص ہے۔ ایک بار ہمیں کروڑوں کا نقصان کروا چُکا ہے وہی کافی ہے۔" اُسکے فیصلے جذباتیت پر مبنی نہیں ہوتے تھے اور یہی بات اُسکی ہاشم بزنجو کو سب سے زیادہ پسند تھی۔

"ذکی تو تمہارا جینا حرام کرنے والا ہے۔" اُنکا انداز ہلکا پُھلکا سا تھا تبھی میزاب مُسکرا دی۔

"اُسکو میں دیکھ لوں گی مگر کمال اِنٹیریئر سے ہماری ڈیل نہیں ہو گی۔ مومن ایک سوراخ سے دوبارہ نہیں ڈسا جاتا، دادا جان۔" اُسکے انداز میں اِیسی قطعیت ہوتی تھی کہ ماننے بغیر کوئی چارہ نہیں بچتا تھا۔

"چلو اِس معاملے کو بعد میں دیکھتے ہیں۔ یہ بتاؤ! تمہارا نیا باڈی گارڈ کیسا ہے؟" اُنکے موضوع تبدیل کرنے پر میزاب جو مُسکرانے لگی تھی اگلے سوال پر مُسکرا نہیں سکی۔

"آپ جانتے ہیں میں اِتنی جلدی بھروسہ اور رائے قائم کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ ابھی کچھ بھی کہنا قبل اَز وقت ہے۔" وہ واقعی سچ کہہ رہی تھی۔ ہاشم بزنجو نے اثبات میں سَر ہلایا۔

"چلو تم آرام کرو پھر۔" اُنہوں نے اُسکا ہاتھ نرمی سے تھپکا جبکہ میزاب کلائی پہ بندھی گھڑی پر وقت دیکھ کر تیزی سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"آرام کہاں سے۔ بہت ضروری کام ہیں۔" اُنکو آرام کرنے کی ہدایت کر کے باہر نِکلی۔ تبھی اُسے یاد آیا کہ اُسکا باڈی گارڈ تو جا چُکا تھا۔ خیر! سَر جھٹک کر تیزی سے باہر آئی۔ گاڑی کے پاس پُہنچنے سے قبل اُسکی پورچ کے ساتھ والے پچھلے دالان کو جاتی گیلری تک نگاہ گئی۔ ناسمجھی سے چند قدم اُٹھا کر وہاں گئی اور پھِر اُدھر عباس جان نِثار کو فون پر بات کرتے دیکھ کر واپس پلٹی۔

"میرے ساتھ بکواس نہیں جواد۔ تمہیں اچھی طرح سب معلوم ہے پھِر بھی اِتنی کمینی بات کیسے کر سکتے ہو؟" اُس لہجے کا طیش خُون مُنجمند کر دینے والا تھا۔ میزاب تیزی سے جانے لگی مگر سَرد، بھینچے لہجے پہ ٹھہر کر پلٹی۔ شاید کچھ مزید کہا گیا تبھی عباس جان نِثار نے دائیں ہاتھ کا مُکہ بنا کر ساتھ کُھردری دیوار پر مارا۔

"وہ جو کر رہے ہیں اُنکو کرنے دو۔ تم تو وہی بکواس نہ کرو۔ میرا مقصد واضح ہے۔ یقین دِلا کر آیا ہوں پھر بھی جاسوس بھیج دیتے ہیں میرے پیچھے۔" اُسکا خُون کھول رہا تھا۔ بس نہیں چل رہا تھا ورنہ کریم بخش سنجرانی کو ضرور سمجھا کر آتا۔ ناسمجھی سے میزاب سَر جھٹک کر گاڑی کی جانب بڑھی۔ گو کہ اُن آخری الفاظ نے اُسکے پہلے سے چوکنا اعصاب کو مزید چونکا دیا تھا۔ گہرا سانس لے کر اُس نے ریموٹ سے گاڑی اَن لاک کی۔ گاڑی کی آواز پر سیل فون کان سے لگائے عباس گیلری سے نکلا اور پھر جواد کو الوداعی کلمات کہے بغیر سیل فون جیب میں ڈال کے تیز قدموں سے اُس تک آیا جو ڈرائیونگ سیٹ سنبھالنے لگی تھی۔

"مِس رحمت!" اُسکی پُکار پر میزاب نے ٹھٹک کر پیچھے دیکھا۔

"آپ کو مجھے اِنفارم کر کے جانا چاہیئے۔" اُسکی سنجیدگی پر میزاب نے بغور اُس شخص کو دیکھا جو قابلِ اعتبار لگتا تھا مگر۔۔۔ اُسے اعتبار نہیں کرنا تھا کم اَز کم بہت جلدی تو نہیں۔ ویسے بھی اِس شخص کی کال والی بات میزاب کو کھٹکا گئی تھی۔

"مُجھے آپ کو ڈسٹرب کرنا مُناسب نہیں لگا۔" اُس نرمی پر عباس نے آگے آکر اپنا دائیاں ہاتھ اُسکے سامنے پھیلایا۔

"جی؟ "

"ریموٹ!" اُسکے کہے جانے پر میزاب نے سوچے بغیر ریموٹ اُسکے ہاتھ میں رکھ دیا۔

"آپ آئیندہ کہیں بھی میرے بغیر نہیں جائیں گی۔" اُسکا لہجہ اِتنا پروفیشنل تھا کہ حد نہیں۔ وہ جو کچھ کہنے والی تھی، کہہ نہیں سکی۔ عباس نے اپنے کوٹ کی جیب سے سیل فون نکال کر اُس کی جانب بڑھایا۔

"اپنا نمبر سیو کریں۔" اُسکی بات پر چونکے بغیر میزاب نے اُسکے ہاتھ سے سیل فون لے کر آنکھوں کے سامنے کیا۔ وہ ابھی یہی کہنے والی تھی۔ اپنا نمبر لکھ کر نمبر سیو کیئے بغیر سیل فون اُسکی جانب بڑھایا جبکہ عباس نے ایک نظر نمبر کو دیکھ کر ذہن نشین کر کے کال مِلائی۔ اُسی وقت میزاب کے بیگ میں موجود سیل فون بَج اُٹھا۔ ایک نظر اپنی جانب متوجہ جان نثِار کو دیکھ کر اُس نے تیزی سے سیل فون نکال کے آنکھوں کے سامنے کرتے ہوئے اُسکو دیکھاِ جس نے کال مُنقطع کر دی تھی۔

"سیو کر لیں اور آئیندہ کہیں بھی جانے سے پہلے صرف ایک مِس بیل اِس نمبر پر۔" ہاشم بزنجو نے اِیسے ہی اُسکا اِنتخاب نہیں کیا تھا۔ وہ اُسکے تمام پچھلے باڈی گارڈز میں سب سے زیادہ سنجیدہ، پروفیشنل اور بے تاثر تھا۔ اُسکے چہرے اور تاثرات سے باقی کی نسبت نہ پرکھا جاسکتا تھا، نہ سمجھا۔ عباس اُسکو نمبر سیو کرتے دیکھ کر آگے بڑھ کے دروازہ کھول کر پیچھے ہوا۔ سیل فون یونہی ہاتھ میں تھامے میزاب سَر کو ہلکا سا خم دے کر اندر بیٹھ گئی۔ عباس نے دروازہ بند کرتے ہی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر معمول کی طرح گاڑی سٹارٹ کی۔ گاڑی کے سٹارٹ ہوتے ہی پیچھے مین دروازہ کُھلا اور گاڑی گولی کی رفتار سے نِکل کر اپنی منزل کی جانب دوڑنے لگی۔

"آفس جانا ہے؟" گاڑی کی خاموشی کو عباس کی آواز نے توڑا۔

"ایک سیکنڈ!" سیل فون پر تیزی سے اُنگلیاں چلا کر اُس نے گہرا سانس لیا۔

"پی-سی ہوٹل میں اگلی میٹنگ ہے۔" اُسکے بتائے جانے پر عباس نے گاڑی کا جی-پی-اِیس سیٹ کر کے **'الرحمت'** مال کے بجائے گاڑی **'پَرل کونٹینینٹل'** کی جانب موڑ دی۔

"میں آپ کو 'تم' کہہ سکتی ہوں؟" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد جس بات کی اِجازت چاہی گئی اُس پر عباس نے بروقت بریک لگا کر اپنی تحیر پر قابو پایا۔ میزاب نے خجالت سے اپنے ہاتھ مَسلے۔ اندر تمام بزنس سرکل کا سیمنار تھا۔ یہاں ہر طرح کے لوگ ہونے تھے اور تقریباً سب ہی جانتے تھے کہ میزابِ رحمت تنہا ہو گی۔ اُسکے باڈی گارڈز خریدے جاتے رہے ہیں۔ وہ کسی پر بھروسہ نہیں کرتی تھی مگر یہاں اُسے اِس تاثر کو غلط ثابت کرنا تھا۔

"کہہ سکتی ہیں آپ۔" اُسکے لیئے یہ معمولی بات ہونی چاہیئے۔ آخر وہ عباس جان نِثار کی کلائنٹ تھی۔ اُسکا آپر ہینڈ تھا۔

"جذاک اللہ!" گہرا تشکر بھرا سانس لے کر اُس نے اپنے اعصاب یکجا کیئے اور پھر تیز قدموں سے اندر کی جانب بڑھی۔ اندر اِتنی چہل پہل تھی کہ کوئی حد نہیں۔ کائنات آفس کے کاموں کی وجہ سے نہیں آئی تھی مگر اُسکا آنا ضروری تھا۔ درمیان والے ٹیبل پر بیٹھنے سے قبل اُس نے اپنے شناسا عورتوں اور مَردوں کو سلام کیا جبکہ عباس چند قدم دُور کھڑکی کے پاس کھڑا ہو گیا جہاں اور بھی باڈی گارڈ کھڑے تھے۔ اُسکی نگاہیں تکلف سے مُسکراتی میزابِ رحمت پر ہی تھیں۔ ویٹر نے آکر جوس سب کو پیش کیا مگر اُس نے معذرت کر لی۔

"تمہارے اور زی-فوڈز کے بڑے چرچے ہو رہے ہیں ہر جانب۔" مہرین نے مُسکرا کر کہتے ہوئے میزاب کو چونکا دیا۔

"اِنویسٹرز اور پارٹنرز چُوز کرنے میں آپ کو کوئی نہیں ہرا سکتا۔" کامران ربانی کی بات پر میزاب نے صرف مُسکرانے پر اِکتفا کیا۔

"سچ کہہ رہے ہیں آپ۔ اِنکے ساتھ جِتنا پروفیشنل اور ہیلتھی ورک اِنوئیرمنٹ مِلتا ہے وہ اور کہیں نہیں مِل سکتا۔" شہلا کے مزید ٹکڑا لگانے پر اُس نے ساتھ بیٹھی شہلا کو مُسکرا کر دیکھا۔

"پروفیشنل لوگوں کے ساتھ کام کرنے کا ہی تو اصل لُطف ہے۔" اُس نے نرمی سے کہا اور سب کو اُسکی بات سے اتفاق بھی تھا۔ میزاب رحمت کے کاروباری لحاظ سے کبھی کوئی عناد، جھگڑا اور چپقلش منظرِ عام پر نہیں آئی تھی۔ وہ اپنے مسئلوں کو بڑا ہونے سے پہلے ہی ڈیل کر کے ختم کر دینے کا ہنر رکھتی تھی۔ بزنس کی باتوں کی ہوتی شروعات کے بعد میزاب ٹیبل پر پڑے لاتعداد پمفلٹس میں سے ایک اُٹھا کر پڑھتے ہوئے سب کی باتوں میں ٹکڑا لگا دیتی۔ ایک گھنٹے بعد ہی کھانا سرو ہونے لگا۔ میزاب نے ایک نظر آٹھ بجاتی گھڑی کو دیکھ کر کھانے لگاتے ویٹرز کو بے چینی سے دیکھا۔ اُسکو دیکھتا عباس کچھ چونک کر آگے ہوا۔ میزاب رحمت چہرے سے اُسے مُضطرب اور بے چین لگ رہی تھی۔

"پلیز! میں اِتنا سب نہیں کھا سکتی۔ آپ بس سٹیک رہنے دیں اور باقی لے جائیں۔" ویٹر کو کہہ کر اُس نے باقی سب کو چونکا دیا۔

"یار! کبھی تو تم سب کے ساتھ پراپر لنچ کیا کرو۔" مہرین کے شکوے پر اُس نے محض مُسکرا کر سَر ہلایا۔ ویٹر تیزی سے سب کچھ اُٹھا کر ٹرالی میں رکھنے لگا۔

"اور وہاں جو باڈی گارڈز کھڑے ہیں اُنکے کھانے کا بھی سامنے بڑے ٹیبل پر اِرینجمنٹ کر دیں۔" میزاب کی اگلی بات پر ویٹر ٹھہرا اور پھر سَر اثبات میں ہلا کر چلا گیا۔ اُنہیں ویسے بھی باڈی گارڈز کو سَرو کرنا ہوتا تھا مگر بعد میں مگر چلو ابھی سہی۔

لمبی طویل ٹیبل پر کھانا سرو کرتے ویٹرز میں سے ایک ویٹر شیشے کی دیوار کے پاس کھڑے گارڈز تک گیا اور اُنکے لاونج کی جانب متوجہ کیا۔ عباس نے ایک نظر میزاب کو دیکھا جس نے ہلکا سا سَر کو خم دے کر اُسے جانے کی اِجازت دے دی۔

"شہلا بتا رہی تھی تم نے کافی سال بعد نیا باڈی گارڈر کھا ہے۔" مہریں نے کھانے سے انصاف کرتے ہوئے آہستگی سے کہا۔ وہ ساری بزنس کلاس تھی۔ سب کے اندر حد سے زیادہ نزاکت تھی جو کافی زیادہ غیر ضروری بھی تھا مگر اِس کلاس میں چلنے کے لیئے اِیسے حرکتیں کرنی پڑتیں ہیں جو میزاب کو سخت ناپسند تھی۔ اُس نے شہلا کو مُسکرا کر سٹیک کھاتے دیکھا۔

"جی!" اُسکے مُختصر جواب پر اُویس نے پیچھے پلٹ کر اُس طویل میز کو دیکھا جہاں سیاہ سوٹ میں ملبوس کافی سارے ڈیل ڈول والے باڈی گارڈ باتوں میں مصروف تھے۔ صرف ایک تھا جو خاموشی سے گاہے بگاہے اطراف میں نظریں ڈال رہا تھا۔

"وہ ہے جو کافی مُحتاط لگ رہا ہے؟" اُویس کے سوال پر اُس نے چہرہ اُٹھا کر وہاں دیکھا اور اُسی لمحے عباس نے بھی۔ وہ بے ساختہ دھیرے سے مُسکرا دی۔

"وہی، مُحتاط سا۔۔۔" اُسکے یوں مُسکرا اُٹھنے پر اُن سب نے تعجب سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ وہ سب میزاب کو جامعہ کے زمانے سے جانتے تھے۔ سب ہی شہر کے جانے مانے بزنس مین فیملیز سے تعلق رکھتے تھے مگر بزنس میں آنے کے بعد سب کا آمنا سامنا زیادہ ہونے لگا تو اِیسی بزنس گیدرنگ میں مِکس ٹیبل پر یہی ایک ساتھ عموماً بیٹھتے تھے۔ اِس گروپ میں **میزابِ رحمت**: شاپنگ مالز اُونر، **شہلا عارف**: کلاتھنگ برینڈ، **مہرین سلیم**: ایلیٹ بیوٹی سیلون، **اُویس قیصر**: کنسٹرکشن، **کامران ربانی**: الیکٹرونکس تھے۔ اُس ہال میں پانچ افراد کے لیئے کرسیاں ہر جانب گول

دائرے کی صورت ایک ٹیبل کے گرد رکھی گئی تھیں اور سب کرسیوں کا رُخ اُس سٹیج کی جانب تھا جہاں سکرین پر آج کے سیمنار کی جھلکیاں چل رہی تھیں۔

"نظر رکھنا کڑی۔ کوئی بھروسہ نہیں ہوتا آج کل گارڈز کا بھی۔" مہرین نے نخوت سے اُسے خبردار کیا۔

"شیور، جذاک اللہ۔" سٹیک کی چند بائیٹس لے کر وہ اُنکو کچھ دیر میں جوائن کرنے کا کہہ کر ریسٹ روم جانے کے لیئے اُٹھ گئی۔ ایک نظر عباس پر ڈالی جو سیل فون پر بات کر رہا تھا اور جس طرح کرسی چھوڑ کر شیشے کے پاس جا کر کی جا رہی تھی وہ سمجھ گئی کہ ضروری بات ہے اور ویسے بھی اُسے ہر بات میں باڈی گارڈز کو اِنولو کرنا نہیں پسند تھا۔

جب وہ واش روم سے نکل کر سائیڈ پر بنے لاتعداد سینک کے پاس آئی تو بڑے سے خوبصورت روشنیوں والے شیشے میں اُسکا نُچڑا چہرہ واضح ہوا۔ کچھ دیر پہلے والے صحت مند چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی۔ جُھک کر نَل اُوپر کی جانب کر کے کھولتے ہوئے وہ دھیرے دھیرے ٹھنڈا پانی چہرے پر مارنے لگی۔ اعصاب تقویت پانے لگے تو نَل بند کر کے سائیڈ سے ٹشو نکال کر چہرے کو تھپتھپا کر سامنے شیشے میں خود کو دیکھا۔ شیشے میں پہلے جیسا شاداب چہرہ واضح ہونے میں کچھ لمحے لگے اور پھر گہرا سانس لے کر باہر نِکلی۔ راہداری میں کھڑے ہو کر اُس نے اوپن بالکونی میں آکر ٹھنڈی ریلنگ پر ہاتھ رکھے۔ اندر کی نسبت باہر سَرد ہوا چل رہی تھی اور وہ اپنا لونگ کوٹ کرسی کی بیک پر ہی چھوڑ آئی تھی۔ ٹھنڈک محسوس کرنے کے باوجود چہرہ اُٹھائے، آنکھیں مُوند کر وہ وہیں کھڑی رہی۔

ایک۔۔۔ دو۔۔۔ اور بس پانچ مِنٹ۔ سُرمئی آنکھیں کھول دی گئیں۔ میزابِ رحمت کو خود کو یکجا کرنے کے لیئے، اپنے لیئے اِتنا ہی وقت مِل سکتا تھا۔ ایک آخری نظر روشنیوں میں نہائے اسلام آباد پر ڈال کر جیسے ہی پلٹی بھاگ کر تیز قدموں سے گُزرتے عباس کو اُس نے ناسمجھی سے دیکھا۔

"جان نِثار!" بالکونی سے ہٹتے ہوئے دروازے پر آ کر اُس نے حیرانگی سے پُکارا اور عباس جان نِثار کے قدم تھم گئے۔ تیزی سے پلٹ کر خود کی جانب نا سمجھی بھری حیرت سے دیکھتی میزاب کی جانب بڑھا۔

"آپ۔۔۔ کہاں تھیں؟" اُس سوال پر میزاب نے اُسکے چہرے کے گھبرائے تاثرات کو بغور دیکھا۔ پہلی بار میزاب نے اِس چہرے پر کوئی تاثر دیکھا تھا۔

"میں ریسٹ روم تک۔۔۔"

"آپ کو مُجھے بتا کر جانا چاہیئے تھا۔" اُسکے ایک دَم اُسکی بات قطع کر کے کہتے پا کر میزاب ایک پَل کو تحیر سے اُسے دیکھا۔

"تم۔۔۔ میرے بے-بی سِٹر نہیں ہو، جان نِثار۔" اُس کے ناگواری سے کہے جانے پر عباس نے گہرا سانس لے کر اعصاب یکجا کیئے۔ وہ واقعی زندگی میں پہلی بار کسی اور کے لیئے پریشان ہوا تھا۔

"مُجھے معلوم ہے لیکن آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ جو زمین آپکے نام کی گئی ہے اُسکے بعد آپ محفوظ نہیں ہیں۔" اُسکے سَرد لہجے میں کچھ اِیسا باور کرواتا ہوا تھا کہ میزاب ٹھٹک گئی۔ کیا وہ اُسکی غیر موجودگی کو لے کر پریشان ہوا تھا اور اُسے ڈھونڈتا رہا تھا؟ یہ بات اُسے ہاشم بزنجو نے باڈی گارڈ رکھتے وقت چیدہ چیدہ لفظوں میں بتائی تھی۔

"تم۔۔۔ مُجھے ڈھونڈ رہے تھے؟" زمین والی بات نظر انداز کر کے آہستگی سے سوال کیا۔

"ظاہر ہے، مِس۔ میں آپکا باڈی گارڈ ہوں۔ آپکی حفاظت میری پہلی ترجیح ہے۔" اُس اگلی وضاحت پر میزابِ رحمت کے اِردگرد بڑھتی مُنجمد کرتی سردی معدوم ہوگئی۔ اُس خلوص بھرے لہجے کی حدت نے اُسے لمحے بھر کے لیئے سُن کر دیا تھا۔ اُن آنکھوں کا تحیر عباس جان نِثار کی سمجھ سے باہر تھا۔

"جذاک اللہ!" نرمی سے مُختصراً کہہ کے وہ واپس دروازے سے ہو کر خالی بالکونی تک گئی۔ عباس نے چونک کر آگے بڑھتے ہوئے بالکونی میں جھانکا کہ شاید وہاں کوئی میزاب کی جان پہچان کا ہو مگر بالکونی خالی تھی اِسی لیئے دروازے سے ہٹ کر کھڑے ہونے کے بجائے پیچھے آیا۔

چند لمحے یونہی خاموشی کے سرکنے لگے اور تبھی میزاب کو اپنے شانے پر حدت کا اِحساس ہوا۔ چونک کر اُس نے چہرہ پھیرا۔ عباس اپنا سیاہ لانگ کوٹ اُس کے شانوں پر ڈال کر پیچھے ہو رہا تھا۔ میزاب چند پَل اُسکو نیم رُخ سے دیکھتی رہی۔

"تم جانتے ہو میں تم پر بھروسہ نہیں کرتی۔" اُسکے اِتنے صاف گوئی سے کہے جانے کی عباس کو اُمید تو نہیں تھی مگر وہ حیران نہیں ہوا۔

"تین، چار دِن میں کسی پر بھروسہ کر لینا بے وقوفی ہوتی ہے۔" اُس نے جیسے بہت کچھ اُسے باور کروایا۔

"تو بعد میں تم پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے؟" سوال پوچھنے سے قبل اُس نے چہرہ مکمل پھیر لیا۔ عباس نے کچھ نا سمجھی سے اُسکو دیکھا۔ نہ جانے کیوں عباس کو یہ عورت چند دِن کی مُلاقات میں ہی عجیب گورکھ دَھندہ سی لگتی تھی۔ وہ جو ہر بات کی تہہ تک پُہنچ کر جان لینے کا حریص تھا، اِس عورت کو جاننے کی کوئی خواہش نہیں رکھتا تھا مگر کچھ تھا خیر! وہ دُشمنوں کی عورت تھی۔ اُسکے سائے تک کا تعاقب کرتے رہنا فلحال عباس جان نِثار کی مجبوری تھی۔

"نہیں! اپنے اِرد گرد کسی پر بھی بھروسہ مت کریں۔ اِنسان کے اِرادوں کی رَب کے علاوہ کسی کو خبر نہیں ہوتی۔" وہ جو بہت کم گو تھا اِس عورت کو تفصیلی جواب دینے کا پابند تھا۔ میزاب نے سمجھ کر سَر ہلایا۔

"یعنی تم پر بھی بھروسہ نہیں کرنا چاہیئے۔" آہستگی سے اپنے شانوں سے کوٹ اُتار کر وہ اُسکی جانب پلٹ کر نرمی سے بولی۔ عباس نے اُسکے دیکھتے ہی آنکھیں جُھکا کر سَر کو خم کیا اور اُسکے بڑھے ہاتھ سے کوٹ لے کر سائیڈ پر ہوتے ہوئے اُسے جانے کا راستہ دیا۔ وہ جیسے ہی اُسکے پاس سے گُزرنے لگی، میزاب نے اپنا رومال اُسکے ہاتھ کی بند مُٹھی پر رکھا جس کے بازو پر اُس نے کوٹ اُٹھا رکھا تھا۔ چونک کر عباس نے چہرہ جُھکایا اور پھر اُسکو دیکھا جو تیز قدموں سے آگے بڑھ رہی تھی۔ رُومال بے ربطی سے اُنگلیوں پر یونہی لپیٹ کر تیز قدموں سے وہ اُسکے پیچھے لپکا۔ واپس جا کے سب سے مِلنے کے بعد میزاب اُن سے معذرت کر کے اپنا کوٹ اُٹھا کر واپس اپنی جانب مؤدب ہو کر متوجہ عباس تک آئی۔ ایک نظر اُسکے ہاتھ کو دیکھا اور باہر نِکل آئی۔ پارکنگ لاٹ کی جانب بڑھتے ہوئے کچھ سوچ کر وہ ٹھہری اور پھر کندھے پر لٹکا رکھے زنجیر والے کلچ سے کچھ نِکال کر گاڑی کے پاس آکر ٹھہرتے ہوئے پلٹی۔ عباس جو جُھک کر دروازہ کھولنے لگا تھا، بروقت پیچھے ہوا۔

"ہاتھ سامنے کرو۔" اُس نرم حکم پر عباس نے نا سمجھی سے اُسکو دیکھا اور پھر کوٹ بائیں بازو میں اُٹھا کر رومال والے ہاتھ کی پُشت سامنے کی۔ میزاب نے تاسف سے اُسکو دیکھ کر رومال اُتار کر واپس اپنے کلچ میں ڈالا اور ہاتھ میں تھام رکھی بینڈیج کو کھول کر اُسکی تین اُنگلیوں کے ہاتھ سے مِلنے والے کناروں پر لگانے لگی۔ عباس نے بے اِختیار جُھکا رکھی آنکھیں اُٹھا کر اُسے دیکھا جو پوری توجہ سے بینڈیج لگا رہی تھی۔

"میرے باڈی گارڈ بن کے رہنے کا صرف ایک اُصول ہے، جان نِثار۔" بینڈیج لگا کر سُرمائی آنکھیں اُٹھ کر خاموش شہد رنگ آنکھوں کو دیکھ کر کہنے لگیں۔

"کیا؟" وہ یہ سوال نہیں کر سکا۔

"کہ میری حفاظت تب تک کرنی ہے جب تک باڈی گارڈ کی جان کو خطرہ لاحق نہ ہو۔" اُس چہرے کی سنجیدگی کو عباس نے بہت غور سے پڑھنا چاہا مگر اُسکے سامنے کھڑی عورت واحد اِنسان تھی جِسے عباس جان نِثار پڑھ نہیں پا رہا تھا یا شاید پڑھنا نہیں چاہتا تھا۔ ورنہ وہ ایک سرسری نظر میں اِنسان کا شجرہ کھنگال لیتا تھا۔ اِتنا ہی ٹرینڈ تھا وہ اپنی فیلڈ میں مگر۔۔۔

"اگر لاحق ہوا تو؟" یہ سوال کرنے سے عباس جان نِثار رُک نہیں سکا۔

"تو پہلے باڈی گارڈ کو خود کی جان بچانی ہے۔ کلائنٹ مِلتے رہیں گے مگر جان دوبارہ نہیں مِلے گی۔" آخر میں جو تحکم اُسکے لہجے میں دَر آیا تھا اُس پر قبل اِس کے عباس چونکتا، وہ خود ہی دروازہ کھول کے اندر بیٹھ گئی جبکہ عباس نے چہرہ جُھکا کر اپنے ہاتھ کو دیکھا۔

✓ ہر چند سُبک دَست ہوئے بُت شِکنی میں

ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہے سنگِ گراں اور۔۔۔

\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-

"میم! سب کو آپکے وزٹ کا اِنفارم کر دیا ہے۔" کائنات کے اطلاع دینے پر وہ آخری فائل پر دستخط کر کے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ مہینے میں ایک دو بار وہ سارے مالز کا چکر ضرور لگاتی تھی اور تمام سٹورز مالکان سے خود براہِ راست رابطے میں رہتی تھی تاکہ کوئی بھی مسئلہ ہو بروقت بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اُس تک پُہنچے اور عین وقت پر صدِباب ہو سکے شاید یہی وجہ تھی کہ عام مالز کی نسبت **'الرحمت'** کا اپنا الگ ایک نام اور مقام تھا۔ عباس جان نِثار کو کائنات نے

میزابِ رحمت کا سارے اُن کاموں کا بتا دیا تھا جہاں عباس جان نِثار کی موجودگی بھی لازم و ملزوم تھی۔ اُسکے آفس سے باہر نکلتے ہی اُس نے ایک نظر دوسرے آفس کی جانب دیکھا۔

"سیکورٹی چیف مال کی سیکورٹی دیکھنے گئے ہیں۔" کائنات کی اطلاع پر وہ اثبات میں سَر ہلاتے ہوئے راہداری میں آئی۔ ہال میں بیٹھے تمام ورکرز سے سلام دُعا کر کے لفٹ کہ جانب بڑھی تبھی کائنات نے سیکورٹی کو کال کی۔

"وی۔ آئی۔ پی آرہی ہیں راؤنڈ پر۔" اطلاع کے بعد کال مُنقطع کر دی گئی۔ لفٹ کا دروازہ کُھلا اور سامنے مؤدب کھڑے عباس کو دیکھ کر وہ ایک پَل کو ٹھہری اور پِھر باہر نِکل آئی۔ کائنات کے نکلتے ہی لفٹ پِھر سے بند ہو گئی۔ میزاب قدرے آہستہ آگے بڑھ رہی تھی کیونکہ پیک آورز تھے۔ رش بھی بہت تھا اور وہ اپنی آمد کی وجہ سے کبھی بھی ایمپلائیز اور سٹاف کو ہوشیار، خبردار رہنے کا نہیں کہتی تھی۔ ابھی بھی اُسکے گُزرنے پر تمام سٹور کے ورکز اپنا کام کرتے رہے کیونکہ سب کے لیئے میزابِ رحمت کا اِس طرح کا وزٹ معمول کی بات تھی۔ اُسے پروٹوکول، لوگوں کا قیمتی وقت ضائع کر کے خوامخواہ کی توجہ بالکل نہیں پسند تھی۔ تبھی جہاں سے گُزرتی تمام ورکز سَر کو احترام سے ہلکا سا خم دے کر اپنے کام میں مصروف رہتے۔ پرفیوم کے سٹور کے پاس پُہنچ کے ایک نظر سیمپلز پرفیومز کو دیکھ کر ٹھہری۔ ریک کے پاس آکے اُس نے پرفیوم کی بوتل اُٹھا کر بائیں ہاتھ کی دو انگلیوں پر سپرے کر کے چہرے کے قریب کیا۔ خُوشبو بھینی بھینی سی تھی۔ اعصاب مُعطر کر دینے والی۔

"مِس میزاب!" قبل اِسکے میزاب وہ پرفیوم خریدنے کا اِرادہ باندھتی، سائیڈ سے آتی پُکار پر اُس نے چہرہ پھیر کر دیکھا جہاں سے مُسکراکر ضوریز سکندر آرہا تھا۔

"اسلام و علیکم!" اُسکو اپنی جانب بڑھتے دیکھ کر میزاب نے تکلف سے کہا۔

"وعلیکم اسلام! میں بس یہاں سے گُزر رہا تھا سوچا اپنے فوڈ کورٹ کا وزٹ کرتا جاؤں۔" اُسکی اطلاع پر میزاب نے اثبات میں سَر ہلایا۔

"اچھا کیا آپ نے، آئیں۔ ہم وہیں جا رہے ہیں۔" **'میں'** کے بجائے **'ہم'** کہتے ہوئے اُس نے نہ صرف ضوریز کو چونکایا بلکہ اپنے سے ایک قدم سائیڈ پر چلتے عباس کو بھی۔

"مِس کائنات سے تو میں مِل چُکا ہوں۔ یہ آپکے نئے باڈی گارڈ ہیں؟" ضوریز کے سوال پر میزاب نے چہرہ پھیر کر عباس کو دیکھ کر اثبات میں سَر ہلایا۔

"کیسے ہیں آپ؟ اَب تو مِس میزاب کی وجہ سے آپ سے بھی مِلنا جُلنا لگا رہے گا۔" ضوریز سکندر نے اُس سنجیدہ چہرے، دراز قامت کو خوش مزاجی سے کہا جبکہ عباس نے مُسکرائے بغیر **'شکریہ'** کہہ کر سَر کو خم کیا۔

"مِس میزاب! آپکو معلوم ہے وہ بندہ پکڑا گیا ہے جِس نے ہماری پارٹنر شِپ کے دوران توڑ پھوڑ کی تھی۔" ضوریز کی اگلی بات پر میزاب کے بڑھتے قدم تھمے۔ عباس نے اُسکے چہرے کے بدلتے تاثرات بہت تفصیل سے دیکھے۔

"اُو! کیسے؟" اُسکا سوال بہت آہستہ آیا۔

"منظر سے تو اُس دِن غائب ہو گیا مگر کسی نے ٹِپ دے دی اُسکے بارے میں۔" ضوریز کی اگلی بات پر میزاب کا ماتھا ٹھنکا۔ اُسے ذکی کے ساتھ ہوئی دو ہفتے پہلے کو گھر کی راہداری میں ہوئی مُنہ ماری یاد آئی اور میزاب رحمت خود کو کوس کر رہ گئی۔

"ہمم! تو کہاں ہے وہ شخص؟" اُسکا انداز بے حد سرسری سا تھا۔

"تھانے میں بند ہے۔ مجھے یقین ہے سب اُس نے خود پلان کیا تھا۔ ایک بار مُنہ کھول کر اعتراف کر لے تو جیل جائے گا۔" ضوریز اپنی دُھن میں مگن میزاب کے سنجیدہ تر ہوتے تاثرات نہیں دیکھ سکا۔

"مجھے وہ ایک غریب اور بے بس اِنسان لگ رہا تھا۔ ناممکن ہے کہ اُسکے اقدام کے پیچھے کوئی ماسٹر مائینڈ نہ ہو۔" وہ بہت سنجیدگی اور تحمل کے باوجود خود کو کہنے سے روک نہیں سکی۔

"ہو بھی تو کیا فرق پڑتا ہے۔ یہ کام پولیس کے کرنے کا ہے۔ دو دِن حوالات میں رہے گا تو خود ہی عقل ٹھکانے آ جائے گی۔" ضوریز سکندر کی اگلی بات پر میزاب نے ناگواری سے اُسکو دیکھا۔

"مجھے آپ جیسے باشعور اِنسان سے اِیسی بات کی توقع نہیں تھی۔" ناپسندیدگی دبائے بغیر اُس نے سنجیدگی سے کہا جبکہ ضوریز نے حیرانگی سے اُسکو دیکھا۔

"مجھے ضروری کام ہیں۔ آپ اپنے فوڈ کورٹ کو ضرور وزٹ کیجیئے گا۔" کہہ کر وہ ضوریز سکندر کو یونہی ہک دَک چھوڑ کر آگے بڑھ گئی۔ عباس اور کائنات بھی آگے بڑھ گئے۔

"مِس کائنات! میرا باقی وزٹ کینسل کر دیں۔ مجھے ضروری کام سے جانا ہے۔" نیچے کو جاتے ایکسلیریٹر پہ پاؤں رکھ کر کہا جبکہ کائنات اثبات میں سَر ہلا کر وہیں سے پلٹ گئی۔ اُس نے مزید میٹنگز کی کوئی بات نہیں کی کیونکہ وہ کسی حد تک میزابِ رحمت کو جانتی تھی۔ عباس خاموشی سے اُسکے پیچھے چلتے ہوئے اُس عورت کے اِرادے اخذ کرنا چاہ رہا تھا۔

"کہاں جانا ہے، مِس رحمت؟" اُسکو اپنے کسی خیال میں غرق دیکھ کر دروازہ کھولتے ہوئے عباس نے اِتنی آہستگی سے سوال پوچھا کہ وہ چونک نہ جائے مگر پِھر بھی میزاب نے بے طرح چونک کر چہرہ پھیرا۔

"پولیس اسٹیشن۔" کُھلے دروازے سے اندر بیٹھنے سے قبل آہستگی سے کہا گیا جبکہ ٹھہر جاتے عباس نے دروازہ بند کر کے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر گاڑی ریورس کی اور پِھر گاڑی اسلام آباد پولیس سٹیشن کے تھانے کی جانب موڑ دی۔ سارا راستہ گاڑی میں مکمل خاموشی طاری رہی۔ تھانے کے آگے گاڑی رُکتے ہی وہ جِس عُجلت سے باہر نِکلی، عباس نے نا سمجھی سے چہرہ پھیر کر اُسکو دیکھا اور گاڑی سہی پارک کیئے بغیر باہر نِکل آیا۔

"سب خیریت ہے؟" اُس عورت کے چہرے کے تاثرات عباس اِن دو ہفتوں میں پہلی بار مُضطرب دیکھ رہا تھا۔

"ہمم!" سَر جھٹک کر میزاب تیز قدموں سے اندر کی جانب بڑھی۔

دوپہر کا وقت ہونے کی وجہ سے اندر بے اِنتہا رش تھا۔ وہ رش کو چیرتے ہوئے بہت بے چینی سے آگے بڑھ رہی تھی تبھی جواد کی نظر عباس تک گئی۔

"عباس! تم یہاں۔۔۔" قریب آنے پر اُسکی چونک کر رُکتی عباس کے مُقابل کھڑی بزنجو خاندان کی عورت تک نگاہ گئی۔ وہی عورت جو بزنس ویمن تھی اور آئے روز اپنی ذہانت اور مشہوری کی وجہ سے شہہ سُرخیاں میں رہتی تھی۔

"اسلام علیکم!" آگے بڑھ کر اُس نے اُن دونوں سے سلام کیا۔

"وعلیکم اسلام! آئی-جی صاحب آفس میں ہیں۔" اُسکی وردی دیکھ کر میزاب نے سوال کیا۔

"نہیں! وہ آدھے گھنٹے پہلے ہی میٹنگ کے لیئے نِکلے ہیں۔" ڈی-ایس-پی جواد کی اطلاع پر اُس نے گہرا سانس لیا۔

"آپ مُجھے بتا سکتی ہیں۔ اُمید ہے سب خیریت ہو گی، عباس۔" اُسے کہتے ہوئے اُس نے ایک تیز نظر خاموش کھڑے عباس پر ڈال کر ہٹالی۔

"آپ جان نِثار کو جانتے ہیں؟" چونک کر میزاب نے عباس کو دیکھا جسکے چہرے کے تاثرات اُسکو متوجہ دیکھ کر سنبھلے۔

"ہم دونوں اکیڈمی فرینڈز ہیں۔" عباس کے کہے جانے پر میزاب نے سمجھ کر سَر ہلایا۔

"یہاں کسی آدمی کو لایا گیا ہے جِس نے زی-فوڈز میں توڑ پھوڑ کی تھی۔ میں اُس سے مِلنا چاہتی ہوں۔" میزاب کے کہے جانے پر عباس اور جواد کی نظروں کا آپس میں تبادلہ ہوا۔ ایک کی آنکھوں میں سوال تھا تو دوسرے کی آنکھوں میں لاعلمی۔

"مُجھے معلوم ہوا تھا کہ اُس آدمی نے آپ پر بھی حملہ کیا ہے۔" جواد کے کہے جانے پر میزاب کو مزید اندر سے پریشانی گھیرنے لگی۔ اُس نے یہ تو نہیں چاہا تھا۔

"نہیں! میں اِسی وضاحت کے لیئے یہاں آئی ہوں۔" اُسکی اگلی بات پر جواد چونکا سو چونکا۔ عباس اُسے دیکھ کر رہ گیا۔ اُسکے سامنے کی بات نہ ہوتی تو شاید وہ اِتنا حیران نہ ہوتا۔

"ضوریز صاحب تو آپ کی وجہ سے اُس بچارے کو مرنے مارنے پر تُلے ہوئے ہیں۔" جواد کے طنزیہ اضافہ میں کچھ اِیسا تھا کہ میزاب کے چہرے پر ناگواری چھائی۔

"تمیز سے، ڈی-ایس-پی صاحب۔" اُس ناگواری کے بَرملا اِظہار سے میزاب چُوک نہیں سکی۔ جواد کی عباس کے سامنے اِس عزت افزائی پر آنکھوں کے آگے تارے ناچ گئے جبکہ اُسکی حالت پر عباس نے چہرہ جُھکا کر مُسکراہٹ ضبط کی۔

"ایم سوری! آئیں آپکی مُلاقات کروادیں۔" جواد کو اپنی زُبان قابو میں رکھنی پڑی۔ سامنے کھڑی عورت جیسی خبروں اور اخباروں میں دیکھتی تھی اصل میں بھی ویسی ہی تھی۔ سنجیدگی سے میزاب اُسکے پیچھے چلنے لگی تبھی ایک کمرے کے باہر جواد رُک گیا۔

"اِس میٹنگ روم میں وہ بندہ ہے اور کھانا کھارہا ہے۔" اُس کی اطلاع پر میزاب نے اثبات میں سَر ہلایا اور دروازہ دھکیل کر اندر آئی۔ اُسکے اندر قدم رکھتے ہی کرسی پر بیٹھ کر کھانے سے انصاف کرتے شخص نے چہرہ اُٹھا کر اُسے دیکھا اور جیسے ہی جُھکنے لگا، کسی خیال کے ساتھ ایک جھٹکے سے اُسے دیکھا جو آنکھوں میں نرمی لیئے اُسکی جانب ہی آ رہی تھی۔

"اسلام علیکم!" میزاب کے آہستگی سے کہے جانے پر عباس نے ٹیبل کے پاس رکھی کرسی گھسیٹ کر پیچھے کی۔ میزاب کے بیٹھتے ہی اُس نے ایک تفصیلی نگاہ کمرے پر ڈالی۔

"تم۔۔۔ آپ۔۔۔" کھانا بھول کر اُس نے حیرت سے سامنے وقار سے بیٹھی عورت کو دیکھا۔

"لگتا ہے آپ نے مجھے پہچان لیا۔" نرمی سے کہہ کر وہ دھیرے سے مُسکرائی۔ اُس آدمی نے آنکھیں پھاڑ کر اُس عورت کو دیکھا جو تب اُسے تھوڑی پاگل لگی تھی مگر اَب وہ سمجھنے سے قاصر تھا۔ میزاب نے ایک نظر اُسکے تازہ، بھاپ اُڑاتے کھانے کو دیکھا۔ اُسے شاید ابھی کھانا دیا گیا تھا اور اُس نے بامُشکل دو لقمے لیئے تھے۔

"میں نے آپ سے تب بھی کہا تھا کہ قانون مظلوم اور بے بس کا ساتھ نہیں دیتا لیکن شاید آپ میری بات سمجھے نہیں۔" اُس تفکرانہ انداز پر عباس نے چونک کر میزاب کو دیکھا جِسکی عباس کی جانب پُشت تھی۔

"میں۔۔۔میں نے سب اکیلے۔۔۔" اُس نے اپنی وکالت میں کچھ کہنا چاہا مگر الفاظ نہیں مِل سکے۔

"مُجھے معلوم ہے۔ آپ اپنی فیملی کے لیئے مجبور ہوگئے ہوں گے۔ اِنسان فیملی کے لیئے سب کچھ کرنے پر مجبور ہو سکتا ہے۔" اُس اگلی بات میں کچھ اِیسا حزن تھا کہ اُس کمرے کی ساری فضا بوجھل ہوگئ تبھی میزاب کو کچھ محسوس ہوا۔ کچھ عجیب سا۔ یہ کیفیت اُس پر ہر روز حاوی ہوتی تھی۔ اُس نے کھڑے ہو کر ایک جھٹکے سے اُس آدمی کے سامنے پڑی کھانے کی ٹرے ٹیبل سے دھکیل کر نیچے پھینک دی۔ کمرہ ساونڈ پروف تھا اِسی لیئے کوئی اندر نہیں آیا مگر عباس ضرور تیزی سے اُس تک آیا جو لَپک کر اُس شخص تک گئ۔

" کھانا باہر نکالو۔" اُسکی گُھٹتی ہدایت پر اُس شخص نے رنگ بدلتے، نا سمجھ چہرے سے اُس عورت کو دیکھا جو لٹھے کی مانند سفید پڑ رہی تھی۔

"مِس رحمت! آپ ٹھیک ہیں؟" عباس نے نا سمجھی سے اُسکو دیکھ کر پوچھا مگر میزاب کو اُسکی آواز نہیں آئی۔

"حلق میں ہاتھ ڈال کر کھانا نکالو باہر۔" اَب کے وہ تیزی سے چیخ اُٹھی۔ دِل میں بڑھتی گھٹن اُس آدمی کے چہرے سے ظاہر ہونے لگی تبھی خود بھی کچھ عجیب سا محسوس کر کے اُس نے حلق میں ہاتھ ڈال کر قے کر دی۔ میزاب جِس نے اُسکی پیٹھ زور سی تھپکی تھی اُس اُلٹی سے اپنا کوٹ نہیں بچا سکی۔ سامنے آتے عباس نے بغور میزاب کے سپید پڑتے چہرے کو دیکھا۔ اُسے جیسے اپنی پرواہ نہیں تھی۔

"ڈی-ایس-پی جواد کو بُلاؤ۔" عباس کو بازو سے دروازے کی جانب دھکیل کر ہذیانی انداز میں کہتے ہوئے اُس آدمی کی پیٹھ تھپکنے لگی۔

"آپ کے کپڑے۔۔۔" نیلے پڑتے چہرے کے باوجود جو ندامت اُس آدمی کے چہرے پر اُسکے قیمتی لباس کو دیکھ کر دَر آئی تھی اُس پر میزاب کا دِل چکنا چُور ہونے لگا۔

"جواد۔۔۔" آگے بڑھتا عباس وہیں ٹھہر گیا۔

"آپ کی جان زیادہ قیمتی ہے۔ کپڑے مِل جائیں گے مگر آپ اپنے گھر والوں کو کبھی واپس نہ ملتے۔" نرمی سے پیٹھ تھپک کر اُس آدمی کو زمین سے اُٹھا کر اُس نے کرسی پر بٹھایا تبھی جواد دروازے سے بھاگ کر اندر آیا۔

"یہ۔۔۔" اُس نے حیرانگی سے زمین پر بکھرے کھانے کے برتن دیکھ کر عباس کو ناسمجھی سے دیکھا۔

"اِنکو فوراً ہاسپٹل لے جا کر اِنکا معدہ واش کروائیں۔" اُسکی سنجیدہ ہدایت پر عباس نے چہرہ پھیر کر کھانے کے برتنوں کو دیکھا۔

"اِن کے کھانے میں کسی نے سلو پوائزن ڈالا ہے لیکن آپ کو اگر دوسرے معاملات میں دلچسپی سے فرصت مِلتی تو آپ اِنکا کھانا چیک کرواتے۔" اُس کی جھاڑ پر جواد کا چہرہ سُرخ ہوا اور تبھی کُھلے دروازے سے دو اہلکار اندر داخل ہوئے اور کرسی پر نڈھال سے بیٹھے شخص تک گئے۔

"رُکیں، ایک سیکنڈ!" اُسکی پُکار پر اہلکاروں نے رُک کر اُسے دیکھا جس کی سنجیدگی بُت شکن تھی۔

"اگر راستے میں اِس شخص کو کچھ بھی ہوا تو اُس کے ذمہ دار میں آپ لوگوں کو ٹھہراؤں گی۔ اِسی لیئے حفاظت سے لے کر ہاسپٹل جائیں اور وہاں بھی سیکورٹی بڑھائیں۔" اُسکی ہدایت پر اہلکاروں نے ناسمجھی سے اپنے ڈی-ایس-پی کو دیکھا جس نے چونکنے کے باوجود اثبات میں سَر ہلایا۔ میزاب گھوم کر پھر اُس شخص تک آئی۔

"آپ آرام سے ہاسپٹل جائیں اور اپنے گھر والوں کے لیئے پریشان نہیں ہونا۔" اُسکی مہربان آواز پر اُس آدمی نے اپنے نڈھال ہوتے وجود اور پانی بہاتی آنکھوں سے اُس عورت کو دیکھا جس نے کچھ دیر پہلے ہی اُسے ایک بار پھر بچا لیا تھا جیسے اُس دِن بچایا تھا۔ ممنونیت سے اُس سے سَر بھی نہیں جُھکایا گیا۔ میزاب نے اُسکی حالت سمجھ کر اُسکا گیلا ہاتھ اپنے دوپٹے سے صاف کر کے ہاتھ تھپتھپایا۔ عباس جان نثار اُس عورت کی ایک ایک جُنبش پر نگاہ رکھے ہوئے تھا۔

"احتیاط سے لے کر جائیں۔ یہ مُجرم نہیں، مُلزم ہے۔" اُن اہلکاروں کو باور کروا کر اُس نے ایک کڑی نظر جواد پر ڈالی۔ اہلکار تیزی سے اُسکو سنبھالے باہر لے گئے۔

"آپکے تھانے میں کھانا لانے کی ذمہ داری جِسکی بھی ہے اُسے اندر کریں۔" میزاب کی اگلی بات پہ جواد نے گہرا سانس لیا۔

"تفتیش کرنا ہمارا کام ہے، ہم کر لیں گے۔" اُسکی سنجیدگی بھی دیکھنے لائق تھی۔

"جی! آپ لوگوں کے کام تو میں دیکھ ہی چکی ہوں۔ کل میرا وکیل آئے گا اِس آدمی کا کیس لڑنے کے لیئے۔" اُسکے طنز کا جواب دینے کو تیار، جواد آخری انہونی بات پر ٹھہرا۔ اُس نے اگر ریسٹورنٹ کی فوٹیج نہ دیکھی ہوتی تو شاید اِس عورت کو سمجھتا بھی مگر وہ عورت۔۔۔ ابھی اُسکی سمجھ سے باہر تھی۔

"مُہروں کے بجائے اُنکو چلانے والے سرغنہ کو ڈھونڈ کر اُسکا سَر کچلیں۔" اُسکی حتمی بات میں کچھ اِیسا تھا کہ عباس اور جواد کی نظروں کا ایک بار پھِر تبادلہ ہوا۔ جواد کچھ کہے بغیر تیز قدموں سے باہر نِکل گیا جبکہ میزاب نے اُس کرسی سے اپنا بیگ اُٹھایا جہاں بیٹھی تھی۔ اُسکے پلٹتے ہی عباس کی نگاہ اُسکے بُری طرح خراب ہو چُکے گہرے سبز رنگ کے سٹولر اور لونگ کوٹ تک گئی۔ وہ بیش قیمت تھے مگر اُسکے خراب ہونے کا غم اُس عورت کے چہرے سے ذرا واضح نہیں تھا۔ اُس اُلٹی کی بدبو، کراہئیت، کوئی تحقیر آمیز ہلکا سا تاثر بھی نہیں۔

"آپ کا کوٹ خراب ہو گیا ہے، مِس رحمت۔" باہر نکلنے کو تیار، میزاب اُسکی اطلاع پر چونک کر ٹھہری۔

"کوئی بات نہیں۔" نرمی سے کہہ کر بیگ کندھے پر لٹکائے وہ کُھلے دروازے سے باہر نِکلی اور سَر جھٹک کر عباس کو بھی اُسکی تقلید کرنی پڑی۔ گاڑی جیسے ہی آفس کی عمارت کی جانب بڑھنے لگی، میزاب نے کلائی پر بندھی گھڑی پر وقت دیکھا۔ اُسکی آدھے گھنٹے بعد میٹنگ تھی۔

"قریب کوئی شاپنگ مال آئے تو وہاں روک دینا گاڑی۔" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد کہتے ہوئے اُس نے عباس کو چونکا دیا۔ اُس نے یہ نہیں کہا کہ اپنے مال کیوں نہیں کیونکہ جانتا تھا اُسے لباس تبدیل کرنا ہے میٹنگ کے لیئے۔ خاموشی سے گاڑی کا رُخ قریبی مال کی جانب موڑ دیا گیا۔

صوفے پر بیٹھے اُسے دس منٹ ہی ہوئے ہوں گے کہ اُسکا سیل فون بَج اُٹھا۔ سکرین پر چمکتے جواد کے نام کو دیکھ کر اُس نے کال اُٹھا کر سیل فون کان سے لگایا۔

"اُس بندے کا معدہ واش ہو چُکا ہے اور سیکورٹی میں اُسکو واپس لا کر الگ رکھا جائے گا۔" جواد کی معلومات پر اُس نے اثبات میں سَر ہلایا۔

"میں سو فیصد یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ خاندانی لڑائی کا مُہرہ ہے تبھی تو مُحترمہ ہمارے سامنے اِتنی مہربان بننے کا ناٹک کر رہی تھیں۔" جواد کے تمسخرانہ لہجے پر عباس کے کچھ سوچتے چہرے کی سنجیدگی گہری ہونے لگی۔

"ماشاءاللہ! یہ تو آپ کے لیئے ہی بنا ہے۔" سائیڈ سے آتی ورکر کی آواز پر عباس نے چہرہ اُٹھایا اور سامنے سیاہ ٹخنوں تک آتے فراک میں کھڑی عورت کو دیکھ کر ایک پَل کو اُسکی نظر ٹھہری اور دوسرے ہی پَل جُھک گئی۔

"جزاک اللہ! میں یہی لوں گی۔" شیشے کے آگے حجاب سیٹ کرتی وہ مصرف، نرم سی آواز بھی جواد کی باتوں کے ساتھ اُسکی سماعت میں جا رہی تھی۔

"ہے یہ پورا خاندان ایک جیسا۔ بس دوسروں کے سامنے پاکباز بنتے ہیں۔" جواد کی بات پر نظر اُٹھائے بغیر وہ صوفے سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

"میم! یہ ڈریس پھینکنا ہو گا آپ نے۔" ورکر بڑے یقین سے کہہ کر وہ شاپنگ بیگ اُسکے سامنے لائی جِس میں اُسکا گندہ ہو چُکا لباس اور کوٹ تھا۔

"نہیں! ڈرائی کلین ہو جائے گا۔" نرمی سے کہہ کر اُسکے ہاتھ سے شاپنگ بیگ لیتے ہوئے کاونٹر کی جانب بڑھ کر وہ پیمنٹ کرنے لگی۔

"میری بکواس سُنائی دے رہی ہے؟" دوسری جانب ہنوز خاموشی پر جواد نے جَل کر اُسے پُکارا۔

"ہمم! یعنی تمہیں بھی معلوم ہے کہ تم بکواس کر رہے ہو، ویری گڈ!" اُسکے تپنے کو چھوڑ کر اطمینان سے کال بند کر کے سیل فون پینٹ کی جیب میں ڈال کر اُس نے آگے بڑھ کر جُھکتے ہوئے اُسکے ہاتھ سے شاپر لے لیا۔ چونکتی میزاب

نے پلٹ کر پیچھے دیکھا اور دھیرے سے مُسکرائی۔ وہ مُسکراہٹ اِیسی تھی کہ اُسکو دیکھ کر ٹھہرا جا سکتا تھا مگر اُسکے مقابل کوئی اِیسا مرد نہیں تھا جو ٹھہر جاتا۔

میزاب کے پلٹ کر نکلتے ہی وہ بھی تیز قدموں سے اُسکی تقلید کرنے لگا۔ پارکنگ میں آکر میزاب کے بیٹھتے ہی عباس نے گاڑی سٹارٹ کرنے سے قبل شاپنگ بیگ پسنجر سیٹ پر رکھتے ساتھ گاڑی سٹارٹ کرکے شاپنگ مال سے باہر نِکال لی۔ چند لمحے سفر اُسی خاموشی سے طے ہوتا رہا۔

"آپ کو میٹنگ کے لیئے ڈراپ کرکے یہ ڈرائی کلین کے لیئے بھجوانا ہے؟" موڑ کاٹتے ہوئے جو سوال آیا اُس پر میزاب آگے ہوئی اور تیزی سے شاپر اُٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا۔ عباس نے کسی قدر نا سمجھی سے چہرہ ترچھا کرکے اُسکو دیکھا۔

"یہ ڈرائی کلین نہیں کروانا۔" اُسکے مدھم لہجے پر عباس کی سماعتوں میں جواد کے الفاظ گونجے تو ایک تمسخرانہ مُسکراہٹ اُسکے ہونٹوں کو چھو گئی۔

"اِسے میں اِیسے ہی سنبھال کر رکھوں گی۔" بیک ویو مِرر اُوپر کرتے عباس جان نِثار کی تمسخر سے اُٹھی مُسکراہٹ بیک ویو مِرر میں دیکھتے ہی سِمٹی۔ وہ اُس بدبودار بیگ کو بے حد حفاظت سے یوں اُٹھائے ہوئے تھی جیسے کوئی قیمتی شے ہو۔

"سوری!" عباس کو پہلی بار لگا جیسے سُننے میں مُغالطہ ہوا ہے۔

"یہ میرے لیئے ایک اعزاز ہے، ایک میڈل!" اُس چہرے پر اِیسے مُلائم تاثرات تھے کہ عباس نے تیزی سے نظریں جُھکا کر روڈ پر ٹِکا لیں۔

"میں۔۔۔ سمجھا نہیں!" عباس جان نِثار واقعی سمجھا نہیں تھا۔

"یہ اعزاز مُجھے عُمر بھر یاد دِلاتا رہے گا کہ میں نے کسی کو بے خبر موت سے بچا لیا تھا۔ میں ناکام نہیں ہوئی۔" چہرہ جُھکا کر اُس نے شاد ہوتے دِل سے نرم ہاتھوں کے ساتھ اُس شاپنگ بیگ کو چُھوا۔ عباس نے مزید کچھ نہیں کہا، مزید کچھ نہیں کہہ سکا کیونکہ سامنے **'الرحمت'** شاپنگ مال آ گیا تھا۔

"آپ اِسکو ڈرائی کلین کروا کر اپنے پاس رکھیں گی تو زیادہ عرصے تک آپکے ساتھ رہے گا۔" گاڑی سے نکلنے سے قبل کہی جانے والی بات پر میزاب نے چہرہ اُٹھا کر اُسکو دیکھا جو گاڑی سے باہر نِکل کر اُسکی جانب کا دروازہ کھول رہا تھا۔ باہر نکلتے ہوئے اُس نے ایک نظر پیچھے کو ہوتے عباس کو دیکھا اور پھِر وہ شاپنگ بیگ اُسکی سمت بڑھایا۔ گہری شہد رنگ آنکھیں تیزی سے اُوپر کو اُٹھیں۔

"اِسے ڈرائی کلین کروا کر مُجھے دے دینا۔" آہستگی سے کہہ کر اُس نے شاپر مزید اُسکی جانب کیا۔ عباس نے بغیر کچھ کہے اُسکے ہاتھ سے شاپر لے کے سَر کو ہلکا سا خم کرتے ساتھ گاڑی کا دروازہ بند کر دیا۔

"تم۔۔۔ کسی اچھے وکیل کو جانتے ہو، جان نثار؟" آگے بڑھتے ہوئے اُس کا سوال سرگوشی سے زیادہ نہیں تھا۔ عباس اَب کی بار واضح ٹھٹکا۔

"جی!" حیرت کے باوجود لفظی جواب آیا۔

"تو تم مُجھے ایک فیور دے سکتے ہو؟" لفٹ کے کُھلتے ہی اندر داخل ہونے کے بعد لفٹ کے اُوپر کو جاتے نمبرز کو دیکھ کر سوال کیا۔

"حکم کریں!" اُس غیر اِرادی لفظ پر میزاب کی نظر لفٹ کی شفاف دیوار تک گئی جہاں اپنے آگے کھڑے شخص کا مضبوط عکس نمایاں تھا۔ وہ ابھی تک اعتبار کی سَرحد پار نہیں کر سکا تھا مگر پھر بھی۔

"مجھے اُس آدمی کے لیئے بہت اچھے وکیل کی ضرورت ہے مگر میں چاہتی ہوں کہ میرا نام نہیں آئے۔" وہ بات بہت دِقت سے کی گئی۔ اگر عباس جان نِثار اُسکے دُشمنوں کا مُہرہ ہوا تو میزابِ رحمت کو مات سے کوئی نہیں بچا سکتا تھا۔

"ٹھیک ہے!" اُس نے بغیر وقفے کے کہہ کر میزاب کو چونکا دیا مگر لفٹ کے کُھلتے ہی وہ تیز قدموں سے باہر نِکل گئی۔ اُسکے قدم آفس روم کے بجائے کانفرنس روم کی جانب تھے۔

"آج پھر ناشتے کے بغیر نکلنے کی تیاری ہے؟" وہ جو تیز قدموں سے باہر نکلنے لگی تھی، ہال سے آتی ہاشم بزنجو کی آواز پر پہلے ٹھہری اور پھر خوشگواریت سے پلٹی۔ اُنکے ہاتھ کا کاسٹ اُتر چُکا تھا اور وہ بالکل صحت مند، ہشاش بشاش طویل ڈائننگ ٹیبل کی اپنی مخصوص کرسی سنبھالے ہوئے تھے۔

"اسلام علیکم، داداجان!" اُنکی جانب تیزی سے بڑھ کر اُس نے مُسکراتے ہوئے سَر جُھکایا جبکہ ہاشم بزنجو نے شفقت سے اُسکے سَر پر ہاتھ پھیرا۔

"دیر ہو بھی رہی ہے تب بھی ناشتہ کرو پہلے۔ بزنس کے ساتھ اپنی صحت کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔" اُنکے مہربان لہجے پر اُس نے مُسکرا کر اُنکے برابر کرسی دھکیلی۔

"میں آفس سے ناشتہ کرلوں گی لیکن آپ نے اَب اپنا مکمل دھیان رکھنا ہے۔" اُسکی ہدایت پر رفعت شیراز اور آمینہ کاشف کے درمیان متنفر نظروں کا تبادلہ ہوا۔

"یاد سے کرنا اور مُدثر مجھے بتا رہا تھا کہ تمہارے نئے بزنس پارٹنر کے ریسٹورنٹ میں کوئی ہنگامہ ہوا ہے۔" اُنکے اِستفسار پر میزاب نے سامنے بیٹھے مُدثر کو سنجیدگی سے دیکھا جِس نے آنکھیں بند کر کے تیزی سے کھول کر اُسے خاموش تسلی بھرا اِشارہ دیا۔

"آپ کو معلوم تو ہے میڈیا رائی کا پہاڑ بناتا ہے۔" وہ جانتی تھی کہ اُنکو خبر کہاں سے مِلی ہے۔

"پھر بھی کسی اور کی حرکت تو نہیں؟" ہاشم بزنجو کے سوال پر میزاب نے ایک تیز نظر ذکی پر ڈالی جو اُسکی نظروں پر ڈھیٹ بنا ناشتے سے انصاف کرتا رہا۔

"بے فکر رہیں! اِس معاملے کو فاش کیئے بغیر میں چین سے بیٹھنے والی نہیں۔" اُسکے لہجے میں کچھ اِیسا تھا کہ سب کے ساتھ ہاشم بزنجو نے بھی چونک کر اُسکو دیکھا۔

"تمہیں کسی پر شک ہے؟" مُدثر نے کسی خدشے کے تحت سوال پوچھا۔

"شک تو نہیں یقین ہے مگر خیر میں اِس معاملے کو دیکھ لوں گی۔" مُدثر کو دیکھے بغیر اُس نے ہاشم بزنجو کو کہہ کر اُنکے ہاتھ کی پُشت تھپتھپائی۔

"تم تھوڑا سا ناشتہ کر لو۔ یہ کھاؤ۔" ہاشم بزنجو نے بے حد محبت بھرے اصرار کے ساتھ اُسکے سامنے ناشتے کے لوازمات رکھے۔ میزاب نے ایک نظر تمام چیزوں کو دیکھا۔

"یہ میرے پسندیدہ ہیں۔ نائمہ بوا کے ہاتھ کے۔" اُنکی سرگوشی پر میزاب نے مُسکرا کر شیشے کی ٹرے سے خستہ، بُھوک تازہ کرتے 'croissant' میں سے ایک اُٹھا کر تھوڑی سی بائیٹ لی۔ رس گھولتا ذائقہ حلق تک گیا اور پھر بیگ اُٹھا کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"مُجھے دیر ہو رہی ہے، دادا جان۔ جزاک اللہ! اِسکے لیئے۔" ہلکا سا ہاتھ ہوا میں لہرا کر وہ تیز قدموں ہال کے کُھلے دروازے سے باہر نِکل گئی۔

"اللہ جانے کیا مسئلہ ہے اِسے ہمارے ساتھ ٹِک کر بیٹھ کے کھانے میں؟" رفعت شیراز کی ناگوار آواز پر سب نے ہی اُنکے پیچ و تاب کھاتے چہرے کو دیکھا۔

"تم زیبی سے اپنا دھیان ہٹا کر کسی اور کام کی طرف لگاؤ۔" ہاشم بزنجو کی سنجیدہ تنبیہہ پر رفعت شیراز کا چہرہ سُرخ ہوا۔ اُن لوگوں کے معمول کے جھگڑے سے بے نیاز میزاب تیز قدموں سے پاتھ وے اُتر کر سائیڈ گیلری سے ہوتے ہوئے پچھلے دالان کی طرف بھاگ کر گئی اور پھر سائیڈ پر بنے نلکے کے پاس تیزی سے بیٹھتے ہوئے جُھکی۔ دو نوالے جو اُس نے لیئے تھے وہ بھی قے کی نظر ہو گئے۔ کھانس کر سُرخ ہوتے چہرے کے ساتھ اُس نے جیسے ہی چہرہ اُٹھائے بغیر نلکا کھولا۔ اُس سے پانی نہ نکلتے پا کر وہ مزید جُھکتے ہوئے کھانسی۔

کلائی پر گھڑی دُرست کر کے اندر کی سمت جاتے عباس جان نِثار کے اُس تکلیف سے کھانستی آواز پر قدم تھمے۔ بے اِختیار تیز قدموں سے وہ پیچھے گیلری کی جانب آیا اور وہاں میزابِ رحمت کو جُھک کر بیٹھے دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ کُھلتے نلکے سے پانی نہ نکلنے پر وہ مدغم مگر تیز قدموں سے گاڑی تک گیا اور اُس میں سے رات کو رکھی گئی منرل واٹر کی بوتل نکال کر اُس تک آیا جسے یقیناً وامیٹنگ ہو رہی تھی۔ جُھک کر بوتل اُسکے سامنے کی۔ ٹشو سے چہرہ تھپتھپاتی میزاب کا سانس رُکا، کرنٹ کھا کر چہرہ اُٹھایا مگر سامنے جُھک کر کھڑے شخص کو دیکھ کر سُرخ چہرے اور نمکین آنکھوں والی عورت نے گہرا تشکرانہ سانس لینے کو آنکھیں مُوندیں تو دو نمکین پانی کے قطرے رُخساروں پر پھسلتے چلے گئے۔ عباس جان نِثار یونہی ناسمجھی سے جُھکا کھڑا اُس چہرے کی تکلیف، خوف اور طمانیت کو دیکھے گیا۔ اُس عورت کا ہر تاثر صرف اُسی ایک لمحے عباس جان نِثار پر واضح ہوا تھا۔

"آپ ٹھیک ہیں؟" آہستگی سے سوال کیئے جانے والے شخص سے کھولی گئی پانی کی بوتل لے کر اُس نے اثبات میں سَر ہلا کر واپس پھیر کے چہرہ صاف کر کے نیچے پھینکا اور پھر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ عباس نے ہاتھ آگے بڑھا کر اُس سے بوتل لے لی۔ میزاب نے ایک نظر اِرد گرد طائرانہ ڈال کر ہاتھ میں تھام رکھا 'croissant' دیوار پہ رکھ دیا اور پھر کچھ دیر بعد ہی وہاں کبوتر اُترنے لگے۔ دالان کا یہ حصّہ اُسکے تیسرے فلور پر موجود کمرے کی جانب کا تھا۔ اُن کبوتروں کو اُترتے دیکھ کر عباس نے ایک نظر اُسکو دیکھا جسکے چہرے کے تاثرات اُن پرندوں کو دیکھ کر بحال ہونے لگے۔

"جذاک اللہ!" نرمی سے اُن کبوتروں کو دیکھ کر کہتے ہوئے اُس نے اپنا بیگ کندھے پر ڈالا اور عباس پر ایک نظر ڈال کر گیلری کی جانب بڑھی۔ دیوار پر بیٹھتے کبوتروں سے نظریں پھیر کر وہ تیز قدموں سے میزابِ رحمت کے پیچھے ہولیا۔

"تم۔۔۔" دروازہ کھولتا عباس اُسکی جھجھکتی پُکار پر ٹھہرا۔ چہرہ پھیر کر اُسکو حیرانگی سے دیکھا۔

"تم۔۔۔ کسی کو بتانا مت۔" اُسکی سرگوشی پر سیاہ گھنی بھنویں تعجب اور نا سمجھی سے اکھٹی ہوئیں۔

"سوری!" وہ واقعی سمجھا نہیں تھا یا بَن رہا تھا، میزابِ رحمت جیسی کامیاب بزنس مین یہ فیصلہ نہیں کر سکی۔

"سب پریشان ہو جائیں گے۔" اُسکے مدہم لہجے کے بجائے وہ اُسکی نظروں کے تعاقب میں پچھلے دالان کو جاتی گیلری کو دیکھ کر چونکا۔ شہد رنگین آنکھوں نے بہت تفصیل سے اُس پُر اعتماد عورت کو نظریں چُراتے دیکھا۔ ظاہر ہے عباس نے اپنی آنکھوں سے اُس دِن گھر والوں کی اُسکے لیئے فکر دیکھی تھی۔

"مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔"عباس نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے دروازہ کھولا جبکہ میزاب نے حیرانگی سے اُسکے چہرے کو دیکھ کر سر جھٹکا اور اندر بیٹھ گئی۔ گاڑی کے چلنے سے لے کر مال پُہنچنے تک ہر بار والی گاڑی میں خاموشی طاری رہی۔ میزاب باہر بھاگتے دوڑتے مناظر کو تھکتی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی تبھی **'الرحمت'** کی بلند عمارت نظر آنے پر اُس نے گہرا سانس لیا۔ نہ جانے اور کتنی جنگیں تھیں جو اِس عمارت کو بچانے کے لیئے اُسے لڑنی تھیں؟ نہ جانے اور کتنے تیر تھے جو اُس نے پُشت پہ کھانے تھے؟

لفٹ کا دروازہ جیسے ہی بند ہوا اُس نے ٹیک لگا کر لمحے بھر آنکھیں بند کیں مگر ٹاپ فلور پر ہمیشہ کی طرح رُکنے کے بجائے لفٹ تیسرے فلور پر رُک کر کُھلی اور اندر آتی عورت کو دیکھ کر میزاب نے تھکتے اعصاب بامُشکل یکجا کیئے۔

"پلیز، ربِ کعبہ! ابھی نہیں۔"اُسکا ابھی اِس عورت سے بحث کا کوئی دِل نہیں تھا۔ یہاں وہ ذلیل نہیں ہونا چاہتی تھی۔

"تم جان بوجھ کر میری کالز نظر انداز کر رہی ہو نہ؟"اُسکو یونہی اطمینان سے کھڑے دیکھ کر وہ عورت انگاروں پر لوٹنے لگی۔ عباس نے چونک کر چہرہ پھیر کے اُس عورت کو دیکھا جسے اُس نے کوئی عام عورت سمجھ کر نظر انداز کیا تھا۔

"جب معلوم ہے تو کیوں پوچھ رہی ہیں۔"میزاب کے اطمینان میں کوئی فرق نہیں آیا۔

"تم۔۔۔ بالکل اپنے باپ پر گئی ہو۔ کب ختم کرو گی یہ گھٹیاپن؟"اُس کڑکڑاتے سوال پر میزاب کی آنکھیں سُرخ ہوئیں۔ ٹیک چھوڑ کر اُنکو تنفر سے دیکھا۔

"گھور کیا رہی ہو اِیسے۔ سب کے سامنے تمہارا پول کھول سکتی ہوں میں۔" اُن اندر تک اُترتی نظروں پر گڑبڑائے بغیر اُس عورت نے جم کر کہا مگر میزاب نے کوئی جواب نہیں دیا۔ عباس جان نِثار کی سماعتیں نہ چاہتے ہوئے بھی متوجہ ہو گئیں۔

" آج میں جواب لیئے بغیر یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گی۔" اُسکو خاموش دیکھ کر دانت پیس کر وہ عورت اُس تک آئی۔

"میرا جواب ہمیشہ کی طرح اِنکار۔۔۔" اُسکا جملہ پورا نہیں ہو سکا۔ اُس عورت نے چیل کی طرح جَھپٹ کر اُسکے چہرے پر زناٹے دار تھپڑ مارا۔ عباس ایک جھٹکے سے پیچھے ہوا اور بجلی کی سی تیزی سے اُس عورت کا ہوا میں معلق ہاتھ مروڑ کر پیچھے کو دھکا دے کر اُس عورت کو چیخنے پر مجبور کر دیا۔

"کون ہے یہ، کمینہ؟ کوئی نیا یار؟؟" کراہ کر اپنا کندھا تھام کر اُس نے میزاب کا سُرخ ہوتا چہرہ دیکھ کر مزید زہر اُگلا جبکہ میزابِ رحمت نے بامُشکل مُٹھیاں بھینچ کر اپنے اِشتعال پر قابو پایا۔

"ہر کسی کو اپنے جیسا سمجھ رکھا ہے آپ نے۔" آگے بڑھ کر اُن سُرمائی آنکھوں میں، اپنی سُرمائی آنکھیں گاڑھ کر چبا چبا کر کہتے ہوئے اُس عورت کا میک اَپ کی تہوں میں چُھپا طرحدار مگر خوبصورت چہرہ سُرخ کر دیا۔

"تم۔۔۔۔ تم تو چھوڑو میرا ہاتھ۔۔۔" اُس پر چلانا چھوڑ کر اُس نے ایک نظر سرد، لہو جما دیتی نظروں والے شخص کو گھور کر دیکھا۔

"اگر اِس ڈائن کے خواب دیکھ رہے ہو تم تو جاگ جاؤ۔ اِس کا سودا کہیں اور کر رکھا ہے میں نے۔" اُس عورت کی اگلی گھٹیا بات اِتنی عامیانہ تھی کہ عباس جان نِثار کے کان سُرخ ہوئے۔ شہد رنگ آنکھوں میں لہو دوڑا اور ہاتھ بے ساختہ ہوا میں اُٹھا۔

"جان نِثار، نہیں!" تیزی سے آگے آکر میزاب نے اُسکو بازو سے پکڑ کر پیچھے کیا۔ عباس کو میزابِ رحمت جیسی عورت کا اُس بازاری گفتگو پر خاموش رہنے کی اُمید نہیں تھی۔

"ہونہہ، جان نِثار! بہت تم جیسے آئے اور گئے۔" بازو جھٹک کر اُس عورت کا کروفر عباس جان نِثار کا ضبط آزما رہا تھا۔

"اپنی بکواس بند کریں، مُحترمہ! ورنہ زُبان کھینچ لینے میں مُجھے لمحہ نہیں لگے گا۔" میزاب کو اپنا سَر تھام کر خاموش کھڑے دیکھ کر اُس نے بامُشکل دانت پر دانت جما کر ضبط سے کہا۔ ایک پَل کو وہ عورت اُس آہنی لہجے، لہو جماتی نظروں پر ٹھٹکی۔ یہ لہجہ پہلے جیسے مَردوں جیسا نہیں تھا۔ چونک کر سَر تا پا تولتی نظروں سے اُس وجیہہ، دراز قامت مَرد کو دیکھا۔ سامنے کھڑے سیاہ بلیک فارمل پینٹ کوٹ میں کھڑا مَرد نظر لگ جانے کی حد تک خوبصورت تھا۔

"آپ یہ تماشا گھر آکر بھی لگا سکتی تھیں۔" میزاب کی سنجیدہ آواز اِس قدر سپاٹ اور بے تاثر تھی کہ عباس کو چہرہ پھیر کر اُسکو دیکھنا پڑا۔ وہ یوں بے سُدھ کھڑی تھی جیسے یہ بازاری اور عامیانہ گفتگو اُسکے لیئے ہرگز معنی نہ رکھتی ہو۔

"ٹھیک کرتی ہوں تمہارے دادا کو بھی۔ بہت سَر پر چڑھا رکھا ہے تمہیں اور تم۔۔۔ بُھول جانا کہ اپنی بیٹی میں تمہیں دوں گی۔" میزاب کو کٹیلی نظروں سے دیکھ کر کہتے ساتھ خود کو قتل کر دیتی نظروں سے دیکھتے اُس وجیہہ مَرد پر نظر جمالی۔ اُن الفاظ کے سماعت میں جاتے ہی عباس جان نِثار **'اپنی بیٹی'** لفظ پر ساکن ہوا۔ تو کیا اُسکے سامنے کھڑی عورت میزابِ رحمت کی ماں، اَصفہان بزنجو کی بیوہ، ثریا اَصفہان تھی؟

"آپ جا رہی ہیں یا سیکورٹی کے دھکے کھانے ہیں؟" سپاٹ چہرے کے ساتھ آگے ہو کر لفٹ کا بٹن دبا کر اُس نے اِتنے کاٹ دار لہجے میں کہا کہ عباس جان نِثار کو پیچھے ہونا پڑا۔ یہ اِنتہائی ذاتی نوعیت کا معاملہ تھا مگر کہیں اندر تک اُس عورت کی عامیانہ گفتگو نے اُس جیسے مضبوط مَرد تک کو ہلا کر رکھ دیا تھا تو پھر؟

لفٹ کے کُھلتے ہی وہ عورت پیر پٹخ کر باہر نِکل گئی جبکہ لفٹ بند ہوتے ہی عباس نے جُھک کر ٹاپ فلور کا بٹن دبا کر سیدھ میں دیکھا۔ وہ نیم رُخ سے پلٹ کر مضبوطی سے کھڑی، سپاٹ تاثرات والی عورت کو نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔

"ایم سوری! ثریا اَصفہان جانتی نہیں ہیں کہ تم میرے باڈی گارڈ ہو۔" کچھ دیر کے بعد اُسکے عقب سے بے تاثر، مدہم لہجہ گونجا۔ عباس نے چونک کر بھی پلٹ کے پیچھے نہیں دیکھا۔

"میں سمجھ سکتا ہوں۔" اُسکا لہجہ بھی اُتنا ہی مدہم اور بے تاثر تھا۔ میزاب کے تھکتے اعصاب سے مانوں کوئی منوں بوجھ اُترنے لگا۔ یہ بے تاثر، سَرد لہجہ اُسے پہلی بار اچھا لگا۔ اِس لہجے میں کوئی تجسس، کوئی تمسخر یا بدلاؤ نہیں تھا۔

"جذاک اللہ!" میزاب خود کو یہ کہنے سے روک نہیں سکی اور اَب کی بار چہرہ جُھکا رکھے شخص نے آہستگی سے چہرہ اُٹھا کر اُوپر لفٹ کے صاف شفاف دروازے میں اپنے عقب سے نمایاں ہوتے عکس کو دیکھا۔ وہ عکس جو دُھندلا سا تھا اور پھر لفٹ کے دونوں دروازے مخصوص آواز کے ساتھ وَا ہوئے اور دُھندلا عکس بے نیاز ہوتی شہد رنگ آنکھوں کی بے خبری سے تحلیل ہو گیا۔

✓ بنامِ بے خودی ہر ایک ہنگامہ ہم ہی سے ہے

ہم آنکھیں پھیر لیں تو رنگِ میخانہ بدل جائے۔۔۔

"ثریا تائی گھر آئی ہوئی ہیں۔" کام میں بُری طرح مُنہمک میزاب کو آج وقت گُزرنے کا بھی احساس نہیں ہوا۔ سیل فون بجنے پر اُس نے شام کے چھ بجتے دیکھ کے گہرا سانس لیا مگر جانتی تھی کہ کال کِس سبب سے کی جا رہی ہو گی تبھی نہیں اُٹھائی۔ لمحے کی دیر بعد مُدثر کے میسج کو ایک نظر اُوپر سے ہی دیکھ کے اُس نے سیل فون سائیڈ پر رکھا اور نماز پڑھنے کے لیئے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ آفس سے ملحقہ کمرے میں نماز پڑھتے ہوئے وہ اِرد گرد سے غافل متواتر بجتے سیل فون کو بھی نہیں سُن رہی تھی تبھی پانچ مِنٹ بعد اُسکے آفس کا دروازہ کُھلا اور عباس اندر آیا۔

"میں آپکی بات کرواتا ہوں۔" آہستگی سے کہہ کر مُلحقہ کمرے میں آیا مگر میزابِ رحمت کو سجدے میں جاتے دیکھ کر ایک پَل کو ٹھہرا اور دوسرے ہی لمحے پَلٹ کر آفس سے باہر نِکل آیا۔

"میٹنگ میں ہیں، باس۔ میں اُنکو اِنفارم کر دوں گا۔" مُدثر کو کہہ کے اُس نے کال مُنقطع کر کے کائنات کے خالی آفس کو دیکھا۔ اُسکا آف دس بجے ہوتا تھا مگر آج ضروری کام کی وجہ سے گھر جلدی چلی گئی تھی۔ اُسکو وہیں کھڑے دس مِنٹ ہی گُزرے تھے کہ میزاب باہر نِکلی کیونکہ اُسکو اپنے دوسرے مال کے وزٹ پر جانا تھا۔

"آپ کے گھر سے کال آئی تھی۔" عباس کی اطلاع پر میزاب نے چونک کر اُسکو دیکھا اور بغیر کچھ کہے اثبات میں سَر ہلا کر آگے بڑھ گئی۔ کچھ ہی دیر بعد سیاہ گاڑی تیز رفتاری سے الرحمت کے دوسرے مال کی جانب بڑھ رہی تھی۔

تبھی باہر نکلتے ہی عباس کو سڑک کنارے ایک بزرگ اِنسان دکھائی دیئے۔ اُسکا اِرادہ تھا کہ گاڑی پارک کرتے ہی اُس جانب جائے گا مگر میزاب پہلے ہی دروازہ کھول کر بزرگ آدمی کے پاس جا چکی تھی۔ بیک ویو مِرر سے اُس بزرگ اِنسان کے پاس گُھٹنوں کے بل نیچے بیٹھتی عورت کو دیکھا کر اُس نے سَر جھٹکتے ہوئے گاڑی ریورس کر کے پارک کی جب تک وہ پارک کر کے باہر نِکلا، میزاب اُن بزرگ کو پیسے اور اپنا کارڈ دے کر اُٹھ کھڑی ہوئی تبھی

بزرگ اِنسان نے کچھ کہا اور میزاب رحمت کا چہرہ یک دَم شاداب ہو کر مُسکرانے لگا۔ جُھک کر بزرگ کا ہاتھ اپنے سَر پر رکھتی عورت نے عباس جان نِثار کے قدم بس ایک پَل کو ساکن کیئے۔

"چلو!" آگے بڑھ کر وہ اُسکے پاس سے خزاں رسیدہ کرتے جھونکے کی مانند گُزر کر آگے بڑھی مگر اپنے پیچھے ایک مہینے سے آتے قدموں کو نہ محسوس کرتے ہوئے رُک کر پلٹی۔ عباس نے چونکے بغیر اُسکو دیکھا اور تیز قدموں سے اُس تک آیا۔ اُسکے چلتے ہی میزاب بھی آگے بڑھی۔ مال کے اندر آکر عباس نے بغور اِرد گرد بڑھتے رش میں جانچتی نگاہ دوڑائی۔ سردی کے باوجود رات کے وقت پاکستانیوں کو تفریح اور خریداری سے کوئی مائی کا لعل نہیں روک سکتا تھا۔ اُنہیں ساتویں فلور پر جانا تھا۔ لفٹ کے کُھلتے ہی عباس نے اُسے آگے جانے کا راستہ دیا۔ باہر نکلتے ہوئے میزاب کے سیل فون کی میسج ٹون بجی۔ کچھ چونک کر اُس نے سیل فون بیگ سے نکالتے ہی آنکھوں کے سامنے کیا۔ ایک پَل کو اُسکی آنکھیں پھیلیں دوسرے ہی پَل اپنے پیچھے آتے قدموں پر اُس نے سیل فون فولڈ کر کے اپنی مُٹھی میں بھینچ لیا مگر مُسلسل ہوتی وائبریشن یہ بتانے کو کافی تھی کہ اَب میسج کے بجائے کال آرہی ہے۔

"میں ایک سیکنڈ ریسٹ روم سے ہو کر آتی ہوں۔ تم یہیں رہنا۔" نرمی سے اُسے دیکھے بغیر کہہ کر تیز قدموں سے آگے بڑھ گئی۔ کچھ کہنے کا اِرادہ ترک کر کے عباس نے اُسکی عُجلت دیکھی تبھی کچھ عجیب سا محسوس ہوا۔ بغیر سوچے سمجھے عباس تیز قدموں سے اُسکے پیچھے لپکا مگر تب تک میزاب نہ جانے لوگوں کے جم غفیر میں کہاں گُم ہو گئی۔ اگلے آدھے گھنٹے تک وہ اِدھر سے اُدھر ہر ریسٹ روم کے ساتھ راہداریوں اور بند دروازوں کو کھول کر دیکھتا رہا۔

"یا اللہ۔۔!" پہلی بار، زندگی میں بہت پہلی بار عباس جان نِثار کے قدموں سے زمین کھینچی گئی۔ ساری ذہانت، بہادری، الرٹ ریفلیکسز، پَرکھتی، سب بھانپ لیتی حِسیں اُس پَل مُنہ چڑھانے لگیں۔ پُھولتی سانس کے ساتھ ابھی نچلے فلور کی طرف بڑھنے ہی لگا تھا کہ پورا مال لاتعداد فائر الارمز سے بَج اُٹھا۔ عباس نے چونک کر اُوپر پورشن کی

جانب دیکھا جہاں سے ہلکے ہلکے دُھویں کے مرغولے اُٹھ رہے تھے۔ بس ایک پَل میں اُسکے دماغ میں جمع تفریق چلی اور پھر بھاگتا ہوا سب کو سائیڈ پہ کر کے آگے بڑھا۔ سارے مال میں بھگ دڑ مچ گئی تھی۔ سب اپنی جان بچانے کو باہر بھاگ رہے اور اُن سب میں وہ واحد شخص تھا جو باہر نکلنے کے بجائے واپس اُس جگہ بھاگ کر جا رہا تھا جہاں سے دُھواں بادلوں کی صورت اُٹھ رہا تھا۔ آٹھویں فلور پر پُہنچ کر اُس نے ریسٹ روم کے لوہے کے بند دروازے کو کھولنا چاہا جو یقیناً اندر سے مُقفل تھا۔ تیزی سے کوٹ اُتار کے ہاتھ کا مکہ بنا کر اُسکے گرد لپیٹتے ہوئے اُس نے ہینڈل کے پاس لگے چکور صورت میں موجود شیشے پر پوری قوت سے مارتے ہوئے چکنا چور کر دیا۔ ہاتھ ڈال کر اُس نے لاک کھولنا چاہا مگر اندر سے بھی کسی نے جام کیا ہوا تھا۔ پوری قوت سے ہینڈل گُھمانے کے ساتھ دھکیلتے ہوئے اُسکے ہاتھ اندر سے آتی بلند سسکیوں پر تھمے۔ وہ سِسکیاں اِتنی گھٹی گھٹی اور مدھم تھیں کہ عباس جان نِثار کے چہرے کا رنگ ماند ہوا اور پھر پوری قوت سے اُس نے دروازے کا ہینڈل توڑ دیا۔ اندر کافی بڑا سا ریسٹ روم تھا۔ جگہ جگہ صوفے اور کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ جگہ یقیناً سٹاف کے لیئے مختص تھی۔ آگے بڑھتے ہوئے راہداری میں اُسکی نگاہ اور قدم ٹھہرے شہد رنگ آنکھیں اپنی حجم سے پھیل کر سامنے دیکھنے لگیں۔ جِس عورت کی حفاظت پر اُس نے خود کو مامور کیا تھا وہ کسی زخمی عورت کے پاس بیٹھی اُسکے سَر اور پاؤں سے نکلتے خُون کو روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اِدھر اُدھر سے کپڑوں کو کھینچ کر اُس زخمی عورت کے پاؤں پر باندھ کر اُسکی نگاہ جیسے ہی فرش کو رنگین کرتے سَر اور بازو تک گئی ایک پَل کو میزاب رحمت کا دِل حلق میں آگیا۔ سپید پڑتے چہرے اور یک دَم آتی اَبکائی کو بامُشکل روک کر اُس نے آخری کپڑا گیلا کر کے اُس عورت کی ناک پر لپیٹ کر خود کھانستے ہوئے کپڑے کی تلاش میں اِرد گرد دیکھا۔ اُسکو یوں اِدھر اُدھر کپڑوں کو ڈھونڈتے پا کر عباس نے تھکتا گہرا سانس لیا اور آگے بڑھنے کو قدم اُٹھائے مگر اُسکے دیکھتے ہی میزاب رحمت نے اپنے سَر پر نفاست سے کر رکھا حجاب ایک جھٹکے سے اُتارا۔ سیاہ رنگ کے گھنے بال جِن کے

درمیان میں اخروٹی رنگ کی دھاریاں تھیں، کھینچے جانے پر سرک کر کندھوں سے پھسل کر آبشار کی مانند زمین پر گر گئے۔ بڑھتے باڈی گارڈ کے قدم زنجیر ہوئے، دھڑکنیں مدغم ہوئیں۔ عباس جان نِثار کو دُشمنوں کی اُس عورت سے کسی کی جان بچانے کے لیئے خود کو یوں بے حجاب کر دینے کی اُمید نہیں تھی تبھی شاید اُسکا دِل پہلی بار دھڑکنا بُھول گیا تھا۔ چہرے پر گرتے بالوں سے بے پرواہ وہ جُھک کر حجاب کو پھاڑ کے دو حصّوں میں تقسیم کرنے کے بعد اُس عورت کے بازو اور سَر پر کچھ اِیسی صفائی سے باندھ رہی تھی جیسے اُسے فرسٹ ایڈ کی نالج ہو۔ سَر سے خون روکنے کا جو اہم طریقہ تھا اُسے نہایت خوش اسلوبی سے بروئے کار لایا گیا۔ رُکتی سانس کے ساتھ عباس جان نِثار نے نگاہ کو جُھکا کر اُسکی جانب پیش قدمی کی جِس نے قدموں کی آہٹ پر چونک کر اُوپر دیکھا۔

"جان نِثار!" اُس لہجے کی خوشی اور مسرت اُس نگاہ جُھکائے شخص سے چُھپی نہیں رہ سکی۔

"پلیز! اِس عورت کو اُٹھانے میں میری مدد کرو۔ باہر کا دروازہ بند تھا اور میں۔۔۔" تیزی سے پریشان لہجے میں کہتے ہوئے وہ کھانسی اور تبھی عباس نے ہاتھ میں تھام رکھا کوٹ جھاڑ کر اُسکے شانوں پر پھیلا دیا۔ یَک دَم چونکتی میزاب نے اُن مُسلسل جُھکی نظروں کو دیکھا مگر فلحال سب سوچنے کا وقت نہیں تھا۔ عباس نے جُھک کر اُس زخمی عورت کو شانوں پر ڈالا اور میزاب اُس عورت کا سامان سمیٹ کر اُٹھ کھڑے ہوتے ہوئے تیز قدموں سے باہر جاتے عباس کے پیچھے بھاگی۔ ریسٹ روم سے نِکل کر ہی اُن کو پیرامیڈیکل کی ٹیم مِل گئی۔ میزاب اِس سے قبل آگے بڑھ کر کچھ بتاتی۔ اُس عورت کو سٹریچر پر لٹا کر عباس نے تیزی سے اُسکی کلائی تھام کر اپنے عقب میں کر لیا۔

"اِن کا خون بہت بہہ چُکا ہے۔ جلد ایمرجنسی میں لے جائیں۔" پیرامیڈیکل سٹاف اُس مَرد کے مضبوط شانوں کے پیچھے موجود عورت کو مکمل نہیں دیکھ سکے تبھی شکریہ ادا کر کے تیزی سے سیڑھیوں کی جانب بھاگے۔

"یہ سامان!" ناسمجھی سے اُسکے عقب سے نکلنا چاہا مگر عباس نے چہرہ پھیر کر اُس کو جن سنجیدہ نظروں سے دیکھا، وہ ٹھہر گئی۔ کلائی چھڑواتی مزاحمت معدوم ہوئی۔

"کہاں تھیں آپ؟" اُسے سامنے کر کے ایک بار پھر نظر جھکاتے ہوئے کڑے لہجے میں اِستفسار آیا۔

"میں یہیں تھی کہ آگ۔۔۔" کہہ کر اُسے ایک دَم دھوئیں کی کمی کا احساس ہوا۔

"کسی نے ڈسٹ بِن کے کچرے کو جلا کر سینسرز کے نیچے رکھ دیا تھا۔" اُسکو حیرانگی سے اِدھر اُدھر دیکھتے پا کر عباس نے آہستگی سے کہا۔ اُوپر آتے ہوئے اُس نے آٹھویں فلور کے ریسٹ روم کے باہر راہداری میں جلتے ہوئے ڈسٹ بن کو دیکھ کر فائر اِکسٹینگویشر کی مدد سے اُسے بُجھا دیا تھا مگر آگ اِرد گرد رکھے گتے کے ڈبوں پر لگنے کی وجہ سے اِس فلور کے ریسٹ روم اور پاس کی کھڑکیوں سے زیادہ دُھواں باہر نِکل رہا تھا اور اَب اُس جگہ سے دُور آتے ہی بس مدہم سے جلنے کی بُو واضح تھی۔

"آپ کو۔۔۔" وہ جو کچھ کہنے والا تھا، سیڑھیوں سے آتے قدموں پر میزاب کا بازو تیزی سے تھام کر اُسے ایک کُھلے آوٹ لیٹ میں لے گیا۔ چند پَل اِرد گرد دیکھ کے اُس نے سیاہ رنگ کی پی۔ کیپ سٹینڈ سے اُٹھا کر اطراف میں ناسمجھی سے دیکھتی میزابِ رحمت کے سَر پر رکھ دی۔ سُرمئی آنکھیں پلٹ کے شہد رنگ آنکھوں تک آئیں اور اَب اُن جُھکی آنکھوں کو اُٹھا دیکھ کر میزابِ رحمت کے دِل کے کسی کونے نے نامحسوس انداز میں کروٹ بدلی۔ اُس چہرے کی آگہی پر عباس جان نِثار نے اُسکا بازو نرمی سے چھوڑ دیا جبکہ میزاب نے شہد رنگ آنکھوں کے نگاہ نہ اُٹھا کر دیکھنے کا سبب دِل میں سمجھتے ہی سَر پر رکھی پی۔ کیپ کو مضبوطی سے لرزتے ہاتھوں کے ساتھ جما کر کوٹ اپنے شانوں پر دُرست کیا۔

اناؤسمنٹ کی آواز پر میزاب نے پِھر سے لوگوں کے ہوتے رش کو دیکھ کر گہرا سانس لیا اور پِھر عباس کو کاونٹر پر پیسے رکھ کر باہر نکلتے دیکھ کے اُسکے پیچھے گئی۔ اُس نے یقیناً پیسے اُس پی۔ کیپ کے رکھے تھے۔

"آگے آئیں۔" رُک کر بازو پھیلا کر اُسے آگے چلنے کا اِشارہ کیا مگر جیسے ہی وہ اُسکے آگے آئی، عباس کی نگاہ کوٹ کے نیچے سے جھانکتے بالوں تک گئی۔ اُن گھنے، لانبے بالوں کو اُسکا فارمل کوٹ ڈھکنے میں ناکافی ثابت ہو رہا تھا۔ دو قدم کا فاصلہ بھی سمیٹ کر اُس تک یوں آیا کہ میزاب کو محسوس تک نہ ہو سکے۔ گاڑی میں اُسکے بیٹھنے تک عباس اُسکے عین عقب میں رہا تھا۔ گاڑی کے سٹارٹ ہوتے ہی میزاب کا سیل فون بج اُٹھا۔ انجان نمبر پر ایک پَل کو اُسکا دِل سُکڑ کر پھیلا مگر دوسرے ہی پَل ہر منفی سوچ کو جھٹک کر میزاب نے سیل فون کان سے لگا لیا۔

"اسلام علیکم! جی بات کر رہی ہوں۔" دوسری جانب جو کہا گیا اُس پر میزاب کے ذہن میں جھماکہ ہوا۔ ایک پَل کو اُس نے کچھ سوچا۔

"میں ابھی آ رہی ہوں۔" کہہ کر اُس نے کال مُنقطع کر کے گاڑی توجہ سے چلاتے جان نِثار کو دیکھا۔

"مُجھے پولیس سٹیشن جانا ہے، جان نِثار!" اُسکے کہے جانے پر عباس چونکا ضرور مگر گاڑی یوٹرن کر کے پولیس سٹیشن کے راستے پر ڈال دی۔ اُسے معلوم تھا کہ کچھ دیر پہلے جِس عورت کی جان بچائی تھی اُس کے لیئے یقیناً بیان ریکارڈ کروانا ہو گا۔

سامنے سے آتا جواد اُن دونوں کو پِھر سے آتے دیکھ کر گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ میزاب کے آگے بڑھتے ہی جواد نے عباس کا ہاتھ پکڑ کر سائیڈ ہال میں اُسے کھینچ لیا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" جواد نے آنکھیں نکال کر عباس کی بے نیازی دیکھی۔

"باس نے بیان ریکارڈ کروانا ہے۔" اُسکے سکون میں کوئی کمی نہیں آئی۔

"تم۔۔۔بُھول تو نہیں رہے کہ اِس عورت کا تعلق بزنجو خاندان سے ہے؟" جواد کے کڑے سوال پر اُسکے چہرے کے بدلتے تاثرات جواد کی زیرک نگاہوں سے مُخفی نہیں رہ سکے۔

"بُھول سکتا ہوں؟" جواب کے بجائے سنجیدگی سے سوال آیا، جواد اُسے دیکھ کر رہ گیا۔

"جِس حساب سے تم اُسکے لیئے کام کر رہے ہو نہ چاغی تک اطلاع گئی تو خیر نہیں ہے تمہاری۔" جواد کی فکر عباس سمجھ سکتا تھا۔

"میں اُس عورت کا باڈی گارڈ ہوں جواد۔ یہ میری ڈیوٹی کا حصّہ ہے۔" جواد کے لہجے میں کچھ اِیسا تھا کہ اُسے جبڑے بھینچ کر وضاحت کرنی پڑی۔

"اور جِس حساب سے اِن مُحترمہ کے یہاں تھانے کے چکر لگ رہے ہیں کہیں یہاں رہنے نہ آجائیں۔" جواد اُسے بیان رکارڈ کرنے والے کمرے میں جاتے دیکھ کر پھر سے تمسخرانہ ہنسا۔

"تمیز سے جواد!" عباس نے فوراً ناگواری سے اُسے ٹوک کر ٹھٹکا دیا۔

"تمیز سے تم رہو! اپنی ہمدردی اور اخلاق یہاں ضائع کیا تو میں بھی تمہارا لحاظ نہیں کروں گا۔" جواد نے بھی تڑخ کر جواب دیتے ہوئے عباس کو سَر جھٹکنے پر مجبور کر دیا۔

"تمہارے دماغ میں جو بھی فضول باتیں چل رہی ہیں خبردار جو اُنکو زُبان دی۔" عباس کی تنبیہہ پر اُس نے بغور عباس کے پتھر تاثرات کو سَر تا پا دیکھا۔

"عباس! تم میرے بہترین دوست ہو۔ اِس عورت سے مُقابلہ تم جیسے مَرد کے بس کی بات نہیں ہے جو عورت کو زور سے پُھول لگتے بھی نہیں دیکھ سکتا۔" جواد نے کچھ دیر کی خاموشی کے بعد کہتے ہوئے عباس کو چونکا دیا۔

"تم سے کِس نے کہا کہ میرا مُقابلہ ایک عورت سے ہے؟ عباس جان نِثار عورت سے جنگ نہیں کرتا۔ عورت سے دُشمنی اور بدلے کا سلسلہ نہیں رکھتا۔" جواد کا شانہ تھپتھپا کر طمانیت سے کہتے ہوئے جواد کو یونہی بھونچکا چھوڑ کر اُس دروازے کی جانب بڑھ گیا جس سے میزاب اندر گئی تھی۔ دروازہ دھکیل کے اندر آتے شخص کو دیکھ کر اندر بیٹھے اِنسپکٹر نے تیزی سے سلیوٹ مارا جبکہ میزاب نے چونک کر چہرہ پھیر کر پیچھے دیکھا اور عباس کو دیکھتے ہی اُس کے پچھلے پانچ مِنٹ سے کھچے ہوئے اعصاب غیر محسوس طریقے سے اعتدال پر آنے لگے۔ عباس کے ہلکے سے اِشارے پر اِنسپکٹر تیزی سے کرسی سنبھال کر لیپ ٹاپ کھینچتے ہوئے پھِر سے بیان ریکارڈ کرنے لگا۔

"تو آپ نے اپنا کوٹ اُس عورت کو دے دیا کیونکہ وہ آپکو بیمار لگ رہی تھی؟" انسپکٹر کے تصدیقی سوال پر عباس کچھ چونک کر آگے آیا۔

"جی! وہ عورت جیسے ہی واش روم سے نکل کر ریسٹ روم میں آئی تو مُجھے اُس کے چیخنے کی آواز آئی۔ میں ہاتھ دھو کر تیزی سے باہر نکلی اور تبھی میں نے ایک آدمی کو چاقو سے اُس عورت کو زخمی کرتے دیکھا۔ مُجھے دیکھتے ہی وہ اُس عورت کو دھکا دے کر باہر بھاگ گیا تبھی وہ کانچ کے ٹیبل سے ٹکرا کر گِری اور باقی سب آپکو معلوم ہے۔" دونوں ہاتھ مضبوطی سے آپس میں مِلا کر میزاب بہت سوچ سمجھ کر کہہ رہی تھی۔

"آپ نے اُس آدمی کا چہرہ دیکھا؟" اُس اگلے سوال پر عباس نے آگے آکر میزاب کے برابر رکھی کرسی کی پُشت پر ہاتھ رکھا۔

"نہیں! اُس نے کالے کپڑے کا ماسک پہنا ہوا تھا۔" اُس کی اگلی بات پر انسپکٹر نے سمجھ کر سر ہلایا۔ عباس بڑے ضبط اور خاموشی سے بیان رکارڈ ہوتے دیکھتا رہا اور پھر میزاب کے اُٹھتے ہی تیز قدموں سے اُسکے پیچھے لپکا۔

"باس!" پارکنگ میں اُسکی پُکار پر میزاب نے پلٹ کے سوالیہ نظروں سے اُسکو دیکھا۔

"آپ مُجھ سے کچھ چُھپا رہی ہیں؟" اُسکے اگلے سوال کی میزاب کو اُمید نہیں تھی تبھی سُرمائی آنکھوں کا تحیر دیکھنے لائق تھا۔

"اِیسا نہیں ہے، جان نِثار!" اُن اندر تک اُترنے کو تیار آنکھوں سے تیزی سے نگاہ چُرا کر اُس نے آہستگی سے کہا

"سہی! تو پھر مجھے اپنا اندازہ لگانے دیں۔" اُسکی سنجیدگی اُن سُرمائی آنکھوں کی کپکپاہٹ پر بڑھنے لگی۔

"اُس عورت کی اِتنی بُری حالت اِس وجہ سے ہوئی کیونکہ حملہ آور کو آپکے کوٹ سے لگا کہ آپ ہیں۔" اُس سنجیدہ انکشاف پر میزاب نے بے یقینی سے اُسکو دیکھا۔ اِسے کیسے معلوم ہوا؟

"اور پھر آپ کو سہی سلامت نکلتے دیکھ کر گھبرا کر بھاگ گیا۔" بات جاری رکھے شہد رنگ آنکھیں بہت تفصیل سے اُس عورت کے قدرے مُضطرب تاثرات دیکھ رہی تھیں جسے ایک مہینے سے اُس نے کبھی متزلزل ہوتے نہیں دیکھا تھا۔

"آپ شاید بُھول رہی ہیں میرے پروفیشن کو۔" اُسکا اِشارہ یقیناً اپنے ماضی اور حال کی جاب سے تھا۔

"تمہیں غلط لگا ہے۔ یہ کام پولیس کا ہے تو اُنھیں کرنے دیتے ہیں اور تمہیں یاد ہے نہ میرے ساتھ کام کرنے کا واحد اُصول؟" تیزی سے اُسکی بات قطع کر کے آخر میں جِس طرح لہجہ کڑا ہوا، عباس جان نِثار کے چہرے کے سنجیدہ تاثرات تبدیل ہوئے۔

"یاد ہے!" نظریں پھیر کر آہستگی سے کہتے ہوئے دو قدم پیچھے ہوا اور پھر اُسکے لیئے گاڑی کا دروازہ کھولا۔ اُسکو معلوم تھا کہ اَب اُسے کیا کرنا ہے۔

✓سب کا تو مداوا کر ڈالا، اپنا ہی مداوا کر نہ سکے

سب کے تو گریباں سی ڈالے، اپنا ہی گریباں بھول گئے۔۔۔

"آپ کی اگلی میٹنگ چار گھنٹے بعد ہے؟" آفس کا دروازہ کھٹکھٹا کر اندر آتے عباس کے سوال پر اُس نے چونک کر سَر اُٹھا کر دیوار گیر گھڑی کو دیکھا۔

"مُجھے ایک ضروری کام سے دو گھنٹے کے لیئے جانا ہے۔" میزاب کے اثبات میں سَر ہلانے پر اُس نے پوچھے جانے کا سبب بھائی کے یونیورسٹی کا کوئی فیسٹیول بتایا۔

"اُوہو! آج کا آف لے لیتے تم۔" نرمی سے میزاب نے کہتے ہوئے فائلز سائیڈ پر کرتے ہوئے تفکر سے کہا۔

"نہیں! بس دو، تین گھنٹے کا کام ہے۔" سنجیدگی سے کہہ کر اجازت مِلنے پہ تیز قدموں سے آفس سے باہر نِکل گیا اور پیچھے میزاب دوبارہ سے اپنے ڈھیروں اہم فائلز کی جانب متوجہ ہوگئی۔ پارکنگ میں کسی ایمرجنسی میں کھڑی کر رکھی ہیوی بائیک نکال کر عباس **'الرحمت'** کے دوسرے مال کی جانب تیز رفتاری سے رواں تھا۔ وہاں پُہنچتے ہی وہ سیدھا سیکورٹی روم میں جا کر سی۔سی۔ٹی۔وی والے سیکشن میں داخل ہوا۔

"اسلام علیکم، چیف!" اُسکو داخل ہوتے دیکھ کر دیوا گیر سکرینوں کے آگے جمے تین سیکورٹی اہلکار نے اُسے سلام کیا۔

"بیٹھے رہو! میں کل کی فوٹیج چیک کرنے آیا ہوں۔" وہ سب اُسکی آمد کا مقصد جانتے ہی تھے کیونکہ ظاہر ہے وہ **'الرحمت'** کی تمام سیکورٹی کا انچارج تھا اور کل کا واقعہ نظر انداز کیئے جانے والا تو نہیں تھا۔

"جی، سر! ہم نے باقی فوٹیج پولیس کو ہینڈ آور تو کر دی ہے مگر ہمارے پاس کاپی رکھی ہے۔" تیزی سے کی بورڈ پر اُنگلیاں چلاتے ہوئے اُس نے سکرین پر کل کی فوٹیج چلتے ہی عباس کو دیکھا جو سنجیدہ نظروں سے ٹیبل پر دونوں ہاتھ رکھ کر جُھک کے بہت توجہ سے تمام سکرینز کو دیکھ رہا تھا۔ اُس سکرین پر مال کے تمام فلورز کی فوٹیجز چل رہی تھی تبھی عباس کی نگاہ تیسرے فلور میں کھڑے شخص تک گئی جو سیاہ لباس میں خود کو چُھپانے کے بجائے نمایاں ہو رہا تھا۔

"اُس پر زوم کرو۔" اِشارے سے دُور کھڑے سیل فون کان سے لگاتے شخص کے بارے میں کہہ کر سیدھا ہوا اور پھر سیل فون جیب سے نکال کر اُس فوٹیج کی چند تصاویر لیں تبھی چونک کر مزید آگے ہوا۔ اُس سیاہ لبادے والے شخص سے کافی قدم آگے میزاب اور عباس چل رہے تھے اور تبھی اُس نے میزاب کا سیل فون بجتے دیکھا۔ میزاب کے چہرے کے تاثرات پر شہد رنگ آنکھیں سُکڑ کر بغور سکرین پر چلتی ایک ایک جنبش دیکھنے لگیں۔ میزاب کے کال کاٹتے ہی اُس آدمی نے بھی سیل فون کان سے ہٹا کر جیب میں رکھا شک کی کوئی گُنجائش باقی رہی ہی نہیں۔

"آگے چلاؤ! آٹھ فلور تک۔ اِسی آدمی کو فوکس رکھ کر۔" وہ فاسٹ فارورڈ کروا کر اُس آدمی کے نقشِ قدم کی تصاویر لیتا جا رہا تھا۔ راہداری سے گُزرتی میزاب نے رُک کر کسی لڑکی کو نڈھال دیکھتے ہوئے اپنا کوٹ اُتار کر اُسکے شانوں پر ڈالا اور اُسکو کچھ کہہ کر اپنے ساتھ بازو کا سہارا دے کر سٹاف ریسٹ ایریا کی جانب بڑھی۔ ہمم! یعنی عباس جان نِثار سہی تھا۔ سٹاف ریسٹ ایریا میں اُس عورت کی موجودگی کی تصدیق ہو گئی تھی۔ اُس کالے لباس والے شخص کو پچھلے دروازے سے نکلتے دیکھ کر عباس نے گہرا سانس لیا۔

"تھینک یو! تم اپنا کام کر سکتے ہو۔" اُسکا شانہ تھپتھپا کر عباس تیز قدموں سے واپس پلٹا۔ پارکنگ لاٹ میں آکر سیاہ ہیلمٹ پہنتے ہی اُس نے پھر سے بائیک کا رُخ پولیس سٹیشن کی جانب کر دیا۔ اُسکا جواد سے مِلنا بہت ضروری تھا۔

"یہ تمہیں میں کچھ زیادہ ہی یاد نہیں آنے لگا۔" اُسکو اپنے آفس میں داخل ہوتے دیکھ کر جواد مُسکرا کر اپنی کرسی سے کھڑا ہوا۔

"اِیسا ہی سمجھ لو اور بتاؤ کہ کیس میں کہاں تک پُہنچے؟" اُسکے یوں سیدھا مُدعے کی بات پہ آنے پر جواد نے ناک چِڑھا کر اُسکی سنجیدگی دیکھا جو بڑے سکون سے کرسی پر بیٹھ چُکا تھا۔

"کونسا کیس؟" جواد کا انداز تپانے والا تھا۔

"زیادہ بنو مت۔" عباس نے اُسے گھور کر دیکھا۔

"تم مُجھے یہ بتاؤ شجاع کو کہاں ٹھکانے لگایا ہے تم نے؟" جواد کا انداز مشکوک ہوا جِس پر ہر دَم سنجیدہ رہنے والے چہرے کو بڑی خوبصورت سی مُسکراہٹ چُھو گئی۔

"تمہاری طرح فضول باتوں میں وقت ضائع کر رہا تھا میرا تو اُسکا نمل یونیورسٹی میں داخلہ کروا دیا ایم۔ فِل میں۔" اُسکے انداز میں طمانیت کا جہاں آباد تھا۔ شجاعت علی جب سے اپنے جامعہ کے کاموں میں مصروف ہوا تھا عباس جان نِثار کے کان ٹھنڈے تھے مگر جواد کو ٹھکانے نہیں لگایا جا سکتا تھا۔

"بے کار کی بات کر کے میرا وقت ضائع کرنے کے بجائے اِس بندے کے بارے میں جلد سے جلد معلوم کر کے مُجھے اِنفارم کرو۔" جواد کو مُنہ کھولتے دیکھ کر اُس نے تیزی سے اُسکے سامنے اپنا سیل فون آن کر کے رکھا۔ جواد نے ایک تپتی نظر اُس پر ڈال کر سکرین کو دیکھا اور پِھر عباس کو۔

"واہ! اور اِس تصویر سے میں کیسے معلوم کرواؤں گا؟ تم عقل سے پیدل کیوں ہو رہے ہو، عباس؟" اُس کے آخری طنز کو عباس نے کوئی بھاؤ نہیں دیا۔ جانتا تھا کیوں بھرا بیٹھا ہے۔

"کچھ ویڈیوز اور تصاویر بھیجیں ہیں تمہیں۔ دیکھ کر مجھے ایک، دو دِن میں بتاؤ، جواد۔ اِٹس آ ریکوئسٹ۔" نرمی سے اُسکا بازو تھپتھپا کر وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

"یہ یقیناً تم دُشمنوں کے لیئے کر رہے ہو؟" جواد کی بات پر کرسی پیچھے کرتا عباس ٹھٹک کر ٹھہرا۔

"تم اگر میرے دوست ہو تو دوبارہ یہ بات نہیں کرو گے، جواد۔" بغیر کوئی اور وضاحت کیئے تیز لہجے میں تنبیہہ کر کے کلائی پر بندھی گھڑی پر وقت دیکھ کے اُس نے ٹیبل پر رکھی بائیک کی چابی اُٹھائی۔

"جیسے ہی کچھ معلوم ہو مجھے فوراً اِنفارم کرنا۔ کل تمہارے گھر پر ملیں گے۔" چابی اُٹھاتے ہوئے اُس نے ہلکے پھلکے لہجے میں اُسکا اِشتعال کم کرنا چاہا۔ جواد کی آنکھیں اُسکی آخری بات پر پوری کھلیں۔ چونک کر اُسکو دیکھا اور پھر مُسکراتے چہرے کے ساتھ خود بھی اُٹھ کھڑا ہوا۔

"خادم حاضر ہے آپ کا۔" اُسکو پُرانی جون میں لوٹنے میں کونسی دیر لگنی تھی۔ جواد دراصل تمام دوستوں کے ساتھ رکھی گئی دعوت پر عباس کے نہ آنے کی وجہ سے ناراض تھا اور عباس اُن آتے جاتے بھگو بھگو کر مارے گئے طنز کے سارے مطلب سمجھتا تھا تبھی کوئی بھاؤ نہیں دے رہا تھا مگر جواد جیسے بہترین دوست کو زیادہ دیر تک ناراض رکھنا بہت گھاٹے کا سودا تھا۔

"مِس رحمت کہاں ہیں؟" آفس خالی دیکھ کر وہ تیز قدموں سے باہر مین میٹنگ روم میں موجود کائنات سے پوچھا۔

"وہ نیچے زرق کمال سے ملنے۔۔۔" اُسکی بات بیچ میں ہی رہ گئی کیونکہ پہلے ہی شیشے کا دروازہ دھکیل کر عباس جان نثار ہال سے باہر نکل گیا۔ لفٹ کے کُھلتے ہی تیز قدموں سے آگے بڑھتے ہوئے وہ تفصیل سے اِرد گرد دیکھ رہا تھا۔

"چیف! میم تھرڈ فلور پر ہیں۔" سیکورٹی ٹیم کی اطلاع پر اُس نے کان میں لگا رکھے ٹرانسپیرنٹ آلے کو اُنگلی سے چھو کر خاموش کروا دیا۔ تبھی اُسکو میزاب رحمت چہرے پر جہاں بھر کی سنجیدگی سمیٹے زرق کمال کو کچھ سخت سا کہتی دِکھائی دی۔ وہ دُور سے بھی غیر آرام دہ ماحول کے تناؤ کو صاف محسوس کر گیا حالانکہ زرق کمال کے چہرے پر مُسلسل مُسکراہٹ کا ڈیرا تھا۔

"گھر والے تو بضد ہیں، مِس میزاب۔ کب تک بھاگ سکتے ہیں ہم دونوں۔" جِس بے چارگی سے کندھے اُچکا کر اُس نے کہا میزاب کا جی چاہا اُسکا منحوسیت سے مُسکراتا چہرہ نوچ لے۔

"جتنے والدین کے آپ وفادار ہیں اُسکی سب کو خبر ہے، زرق صاحب۔ میں آخری بار اِنتہائی تہذیب سے کہہ رہی ہوں کہ بزنس کرنا ہے تو پروفیشنل رہیں۔" میزاب کا تحمل زرق کمال کو بے حد محظوظ کر رہا تھا۔ وہ عورت غصّے اور سنجیدگی میں مزید حسین لگتی تھی۔

"جب سے ڈیڈ نے آپکے ساتھ بزنس کرنے کی بات کی ہے یقین جانیں اُنکا مُرید ہو گیا ہوں۔" زرق کمال کہیں سے بھی سنجیدہ ہونے کو تیار نہیں تھا۔

"مُجھے ضروری میٹنگ سے۔۔۔" اِس سے پہلے کلائی پر موجود گھڑی پر وقت دیکھتے ہوئے وہ جملہ مکمل کرتی، زرق کمال سارا فاصلہ طے کر کے اُسکے عین سامنے آ کھڑا ہوا کہ۔ اور قبل اِسکے کہ وہ جُھک کر اُسکی سماعتوں میں کوئی شوخ سی سرگوشی کرتا، سائیڈ سے آ کر کسی آہنی گرفت نے اُسکو شانے سے پکڑ کر پیچھے دھکیل دیا۔ لڑکھڑا کر پیچھے ہوتے

ہوئے اُس نے تلملا کر سائیڈ پر کھڑے پتھر جیسے تاثرات والے باڈی گارڈ کو دیکھا جبکہ میزاب نے چہرہ قدرے سائیڈ پر جُھکا کر حیرانگی سے عباس کی سنجیدگی دیکھی۔ یہ تو یہاں نہیں تھا۔ کب آیا؟ نامحسوس ڈھارس نے دِل کو اپنی لپیٹ میں لے لیا مگر میزابِ رحمت کو اِدراک نہیں ہو سکا۔

"فاصلے اور تمیز سے بات کرنی ہے آئیندہ!" مُختصر دو ٹوک بہت کچھ باور کرواتا ہوا لہجہ زرق کمال کو اندر تک بدمزہ کر گیا۔

"فاصلے اور تمیز سے باڈی گارڈ ہی بات کرتا ہوا اچھا لگتا ہے۔" زرق نے اُسکی سنجیدگی کو چٹکی میں اُڑا کر تمسخرانہ کہا جبکہ عباس سنجیدگی سے چند قدم کا فاصلہ بھی سمیٹ کر اُس تک آیا۔ شہد رنگ آنکھوں نے پتھر کر دیتے، لہو جما دیتی نظروں سے اُسے دیکھ کر گڑبڑانے پر مجبور کر دیا۔

"ایزی، برو!" میزاب جو عباس کو روکنے لگی تھی زرق کو بوکھلا کے پیچھے ہوتے دیکھ کر حیرت سے عباس کی مضبوط پُشت کو دیکھے گئی۔

"پھِر مُلاقات ہوتی ہے۔" اُس باڈی گارڈ کی پُشت کے پیچھے چُھپ چکی عورت کو دیکھنے کے لیئے اُس نے چہرہ بائیں جانب جُھکا کے کہا اور پھر اُن اندر تک اُترتی نظروں پر سر جھٹک کر واپسی کے راستے کو ہو لیا۔ عباس چند پل وہیں دیکھتا رہا اور پھِر چہرہ پھیر کر دیکھا۔ سُرمائی آنکھوں کا شہد رنگین، راز کی مانند گہری آنکھوں سے تصادم ہوا۔

"آپ ٹھیک ہیں؟" نرم لہجے کے سوال پر سُرمائی آنکھوں نے پہلے نگاہ چُھڑائی اور پھِر اثبات میں سر ہلایا گیا۔

"کِس قماش کا اِنسان ہے یہ؟" عباس سے اُسکو اِس سوال کی اُمید نہیں تھی تبھی چونک کر دوبارہ اُس سنجیدہ چہرے کو دیکھا۔ عباس کو رُخ اُسکی جانب مکمل کرنا پڑا۔

"اِس کے مُنہ نہ لگنا دوبارہ کبھی بھی۔ اُلٹے دماغ کا آدمی ہے۔" میزاب نے بے پرواہی سے کہہ کر بات رفع دفع کرنی چاہی۔

"اِیسے اُلٹے دماغ بہت دُرست کیئے ہیں۔" پلٹنے سے قبل اُس مدہم، سنجیدہ بڑبڑاہٹ پر میزاب نے تحیر سے اُسکو جو پلٹ چُکا تھا اور پھر اُسکو بازو سے پکڑ کر ایک جھٹکے سے اُسکا رُخ اپنے سامنے کیا۔ عباس کو میزابِ رحمت سے اِیسے رویئے کی اُمید نہیں تھی تبھی ٹھٹک کر اُس نے بے یقینی سے اُن سُرمائی آنکھوں میں جھانکا۔

"خبردار جو تم فضول کے معاملات میں پڑے۔ میرے ساتھ کام کرنے کا ایک ہی اُصول ہے اگر اُس پر نہیں چل سکتے تو کہیں اور جاب کرلو۔" سنجیدگی سے دوٹوک کہتے ہوئے وہ عباس کو یونہی تحیر زدہ چھوڑ کر تیز قدموں سے لفٹ کی جانب جارہی تھی۔ عباس نے سَر جھٹک کے اُسکی تقلید کی۔

✓اے چارہ ساز! حالتِ دردِ نہاں نہ پوچھ

اِک راز ہے جو کہہ نہیں سکتے زُباں سے ہم۔۔۔

(جگر مُرادآباد)

"اُس آدمی کا کچھ سُراغ اُن فوٹیجز کی مدد سے لگالیا ہے۔" صُبح سویرے آتی جواد کی کال نے اُسکی ساری بےزاری اُڑا دی۔ بستر سے اُتر کر اُس نے گہرا سانس لیا۔ آج ایک مہینے کے بعد اُسکی باس نے پہلی چُھٹی کی تھی جِسکی وجہ سے یقیناً عباس کا بھی آف تھا تبھی اُسکی آنکھ فجر کی اذان کے ساتھ نہیں کُھل سکی۔

"شکر ہے! تم نے مجھے جگا دیا۔" اُٹھ کر بکھرے سیاہ بالوں کے ساتھ اُس نے کمبل نفاست سے تہہ کر کے بستر کی چادر دُرست کی۔ وہ فطرتاً بے حد صفائی پسند تھا۔ جواد سے بات کرنے کے بعد دھیان شجاع کی جانب گیا جس نے نہ جانے گھر کا کیا حال کر دیا ہو گا۔ گو کہ اُسکا جانا پچھلے ہفتے ہوا تھا مگر جانتا تھا کہ شجاع صاحب کو اکیلا بغیر سرپرستی کے زیادہ دِن چھوڑنا مُناسب نہیں ہوتا۔

سیل فون پر جواد کی بھیجی گئی معلومات پڑھتے پڑھتے تیزی سے تیار ہو کر اُس نے روٹین کی جاگنگ کرنی تھی اور پھر اِس بندے کے پیچھے جانا تھا۔

سیاہ ٹریک سوٹ پہن کر وہ قصرِ بزنجو سے باہر نِکل کر پچھلی جانب بنے پبلک پارک میں آ کر جوگنگ کرنے لگا تبھی اُسکے قدموں سے اورنج رنگ کی باسکٹ بال ٹکرائی۔ ٹھہر کے جُھکتے ہوئے اُس نے بال کو دونوں ہاتھوں میں اُٹھا کر پلٹ کے وہاں دیکھا جہاں کچھ ٹین-ایجر زلڑکے کھڑے تھے۔ یہ باسکٹ بال سے اُنکی مُحبت ہی تھی جو صُبح سویرے جاگ کر کھیل رہے تھے۔ عباس نے وہیں سے باسکٹ بال پوری قوت سے یوں پھینکی کے سیدھا جا کر باسکٹ میں جا کر گری۔ لڑکوں کی جُوش سے چیخ بُلند ہونے پر اپنے کمرے سے مُلحق ٹیرس میں واک کرنے کے ساتھ کبوتروں کو دانہ ڈالتی میزاب چونک کر آگے بڑھی۔ گھر کے عقبی حصّے میں سے وہ پبلک پارک صاف نظر آتا تھا۔ میزاب جو پلٹنے لگی تھی، شناسا چہرے پر ٹھہر کر پلٹی اور پھر بے ساختہ مُسکراہٹ اُسکے چہرے کو چُھو گئی۔ سامنے عباس جان نِثار سیاہ ٹریک سوٹ میں، عام سوٹڈ بوٹڈ حُلیئے سے یکسر مُختلف رَف سے حُلیے میں اپنی عُمر سے کہیں چھوٹے کالج کے لڑکوں کے ساتھ باسکٹ بال کھیل رہا تھا۔ اُسکا بال گُھماتے ہوئے آگے بڑھنا اور عین باسکٹ میں پھینکنا یہ ثابت کرنے کو کافی تھا کہ عباس جان نِثار باسکٹ بال میں ماہر ہے۔ کتاب سائیڈ پر رکھ کر وہیں کھڑکی پر بیٹھتے ہوئے میزاب فرصت سے اُس پارک میں ہوتے دلچسپ باسکٹ بال کے میچ کو دلچسپی سے دیکھ رہی تھی جیسے پہلے کبھی نہیں دیکھا

تھا۔ عموماً اُس کا سارا دھیان دوسری سائیڈ پر موجود سُنسان برج والی سڑک پر بیٹھتے لاتعداد کبوتر ہوتے تھے۔ سارے کبوتر اُس عورت کی دلچسپی کہیں اور محسوس کیئے کھانا پینا ترک کر کے اُسکو ٹکر ٹکر دیکھ رہے تھے۔ ماحول میں کچھ دیر پہلے جاری اُنکے پَروں کی پھڑ پھڑاہٹ اَب معدوم ہو گئی۔

"واہ!" عباس جان نِثار کو متواتر فیلڈ گول کرتے دیکھ کر میزابِ رحمت سرائے بغیر نہیں رہ سکی۔ مدہم تالیوں کے سنگ مُسکراتے ہوئے اُس نے بے اِرادہ پلٹتے عباس جان نِثار کو ساکن کر دیا۔ سیاہ گھنی بھنوؤں میں سُکڑنے کے سبب آنگ والی لکیر مُقابل کے تحیر اور توجہ کی عکاسی کر رہی تھی۔ لڑکوں کا شور شرابے نے کبوتروں کی پَھر پھڑاہٹ مانند اپنے پَر سمیٹ لیئے۔ سنجیدہ شہد رنگ آنکھوں کا سُرمائی آنکھوں سے ملاپ ہوتے ہی رنگ کچھ اور گہرا ہوا تو دوسری طرف مُسکراہٹ۔ اُسکی توجہ اپنی جانب پا کر میزاب نے ہاتھ قدرے بُلند کر کے بے آواز تالی بجاتے ہوئے اُسکو جیسے ستائش سے سراہا۔ وقت کے پُھونکے گئے سحر کی کسی کو خبر نہیں ہو سکی تھی۔ سَر کو ہلکا سا خم دے کر سراہے جانا وصول کرتے ہوئے وہ لڑکوں سے معذرت اور پھر آنے کا کہہ کر پارک سے نِکل گیا۔ میزاب کی مُسکراہٹ معدوم ہوئی۔ آگے جُھک کر اُسکو دیکھا جو برج سے بھاگ کر آگے بڑھتا ہوا جاگنگ میں مصروف ہو کر اُسکی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ گہرا سانس لیتے ہوئے میزاب نے خاموش، سَر اُٹھائے، گردن ہلا ہلا کر دیکھتے کبوتروں کو دیکھا اور بے ساختہ ہنس دی۔

"کیا! اچھا معذرت۔" کبوتروں کی جیلسی پر وہ دِل کھول کر ہنس دی۔ بے ساختہ اُسے اُن پر پیار آنے لگا تبھی ریلنگ پر جُھکتے ہوئے اُس نے فضا میں اپنا ہاتھ پھیلا کر شہادت کی اُنگلی کھولی۔ تیز پھڑ پھڑاہٹ پر چکر لگا کر آتے عباس کے قدم جھکڑے گئے۔ چہرہ اُٹھا کر وہاں دیکھے گیا جہاں میزابِ رحمت جُھک کر ہاتھ پھیلائے کھڑی تھی۔ عباس کے دیکھتے ہی ایک سفید رنگ کا کبوتر اُڑ کر اُوپر آیا اور اُس پھیلے ہاتھ کی شہادت کی اُنگلی پر بڑے ہی ناز سے بیٹھ گیا۔ باقی

اُنگلیاں یونہی بند رکھے اُس نے شہادت کی اُنگلی خود سے قریب کر کے اُس کبوتر کو دیکھا جو اُسکا ہمنوا تھا۔ میزاب نے اُسکی ننھی سی گردن سہلا کر سَر پر ہاتھ پھیرا اور پھِر ہاتھ اُونچا کر کے اُسے آزاد فضا کے سُپرد کر دیا۔ دھیرے سے نکلتے مدہم سورج کی روشنی میں نہاجاتی میزاب کی سُرمائی آنکھیں نگینے کی مانند چمکنے لگیں۔ فضا میں اُوپر کو اُٹھ کر پھڑ پھڑاتا کبوتر، وہ مُسکراتی حسین عورت، صُبح صادق کا وقت اور نیچے پُل پر سَر اُٹھائے ناسمجھی بھرے شوق سے دیکھتا مَرد اور اُسکا برسوں سے خاموشی کی بُکل اوڑھے گم صُم پڑا دِل کچھ بھی نظر انداز کیئے جانے کے قابل نہیں تھا۔ کوئی ماورائی منظر اِس زمین پر ہو سکتا تھا تو یہی تھا۔ فُسوں پھونکے جانے والی بات میں سچائی تھی، تو اِسی لمحے میں تھی۔ دِل کے اچانک سے دَھڑک اُٹھنے کا متعین وقت تھا، تو یہی تھا۔

✓ دِل اِیسے رَبط کے حق میں دلیل دیتا ہے

جو کھینچتا ہے نہ رسی کو ڈھیل دیتا ہے

میاں! یہ دَشتِ مُحبت ہے اِتنا دھیان رہے

کسی کو پیاس، کسی کو سَبیل دیتا ہے

یہ دیکھنا ہے اذیت کے خارزاروں میں

کسی کا ساتھ کوئی کتنے میل دیتا ہے

ضمیر! عشق سُنا ہے جو ایک طرفہ ہو

خُدا بہت اُسے عُمرِ طویل دیتا ہے۔۔۔

(ضمیر قیس)

"عباس کو اندر بھیجنا ذرا!" ناشتے کے بعد سٹڈی میں داخل ہوتی میزاب کے کانوں میں ہاشم بزنجو کے الفاظ پُہنچے تو دروازہ دھکیل کر اندر آئی۔

"اسلام وعلیکم، دادا جان!" اُسکے سلام پر فائلز کی روگردانی کرتے ہاشم بزنجو نے عینک کے اُوپر سے اُسکو دیکھا اور مُسکرا دیئے۔

"وعلیکم اسلام! گھر پر ہی تھیں تو ناشتہ کرنے نیچے آجاتیں۔" اُنکے مصنوعی خفا شکوے پر میزاب مُسکرا کر آگے بڑھی۔ مُلازم ٹیبل پر بکھری فائلز عُجلت میں سمیٹ کے جِس تیزی سے باہر گیا میزاب نے چونک کر چہرہ پھیر کر دروازے کو دیکھا۔

"کیا ہوا؟" اُسکو یوں گُم صُم دیکھ کر ہاشم بزنجو نے عینک اُتار کر سائیڈ پر رکھتے ہوئے اُسے اپنی جانب متوجہ کیا۔

"کچھ نہیں! آپ کی طبیعت اَب کیسی ہے؟ اور پولیس نے کچھ سُراغ لگایا اُن لوگوں کا جنہوں نے گولی چلائی تھی؟" مہینے سے اُوپر ہونے کے باوجود ہاشم بزنجو پر گولی چلانے والوں کا پولیس کو کوئی سُراغ نہیں مِل رہا تھا۔ یہ بات میزابِ رحمت کے لیئے بے حد تشویشناک تھی۔

"میں ٹھیک ہوں، اللہ کا شُکر اور بس تفتیش چل رہی ہے ابھی۔" اُنکا انداز معاملہ رفع دفع کرنے والا تھا۔

"اگر آپ کچھ جانتے ہیں تو مُجھے بھی غافل نہ سمجھیں۔" اُسکی سنجیدگی پر ہاشم بزنجو نے مُسکرا کر اُسکو دیکھا۔ وہ اُس سے کچھ نہیں چُھپا سکتے تھے۔

"عباس کہاں ہے؟" اُنہوں نے مُلازم کو بُلانے کا کہا تھا تو یقیناً ابھی تک نہ آنے پر اُسکے حیران ہو رہے تھے۔

"میں آپکو بتانا بُھول گئی کہ میں نے اُسکو آج کا آف دیا ہے۔ جب سے میرے ساتھ ہے ایک دِن کا بھی آف نہیں لیا، جان نِثار نے۔" اُسکے نرم لہجے پر ہاشم بزنجو نے کچھ چونک کر اُسکو دیکھا۔

"سب کی طرح تمہیں بھی اُسکو عباس کہنا چاہیئے۔" اُنکے یَک دَم سنجیدگی پر میزاب مُسکرادی۔

"جان نِثار کہنے سے لگتا ہے میں اُس پر بھروسہ کر سکتی ہوں۔" کھڑکی کے ہلتے پردوں کو دیکھ کر اُس نے گہرا سانس لے کر جِس طرح کہا وہ ہاشم بزنجو کو بہت کچھ یاد دِلانے پر قادر تھا۔

"بے فکر رہیں میں اپنے سائے پر بھی بھروسہ نہیں کرتی۔" اُنکی گہری نظروں پر اُس نے جِس طرح برجستہ کہہ کر اُنکی تشویش رَد کرنی چاہی، وہ سوگواری سے ہنس دیئے۔

"جو کچھ بھی ہوا اُس میں تمہارا کوئی حصّہ نہیں تھا۔ خود کو اِلزام دینا بند کر دو، زیبی!" یَک دَم لہجہ بدل کے اُنہوں نے بات کو اُسی جانب موڑ دیا جِس جانب میزاب رحمت کا دِل گُھٹتا تھا، سانس اُکھڑتی تھی۔

"میں جانتی ہوں۔" ٹیبل کے نیچے گود میں دَھرے ہاتھوں کو باہم مِلا کر جکڑتے ہوئے اُس نے چہرہ جُھکا کر کہا۔

" آج شام کو زُوبی کے سُسرال والوں کی دعوت ہے، یاد ہے نہ تمہیں؟" اُسکو یوں چہرہ جُھکا کر بیٹھے دیکھتے رہنے کے بعد بات کا رُخ کسی اور سمت موڑ دیا گیا۔

"جی، یاد ہے۔" زوبیہ نے پچھلے ہفتے سے اُسکا اِتنا دماغ کھار کھا تھا کہ اُسے آج کی دعوت کا دِن حفظ ہو چُکا تھا۔

"تو یعنی تم موجود ہو گی۔ میں تمہیں بہت سے لوگوں سے مِلوانا چاہتا ہوں خصوصاً باسم ربانی کی فیملی سے۔" اُنکی اگلی پُرجوش بات پر میزاب کا ماتھا ٹھنکا۔

"باسم ربانی کون؟" اُسکی لاعلمی پر ہاشم بزنجو اُسے دیکھ کر رہ گئے۔

"رضا ربانی کا بیٹا۔ تمہارے کلاس فیلو کامران ربانی کا بھائی۔" اُنکی وضاحت پر میزاب کا جی چاہا اپنا ماتھا پیٹ لے۔

" آپ جو کچھ بھی سوچ رہے ہیں فوراً ترک کر دیں۔ میرا ایسا کوئی اِرادہ نہیں ہے۔" اُسکے قطعی انداز پر وہ اُسے دیکھ کر رہ گئے۔

"کیوں اِس معاملے میں اِتنی سخت ہو تم؟" اُنہوں نے جیسے تھک ہار کر پوچھنا چاہا۔

"بس مُجھے اِس بارے میں ابھی بالکل نہیں سوچنا اور آزمائے ہوئے لوگوں کو تو ہر گز نہیں آزمانا۔" سختی سے کہہ کر وہ تیزی سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ ہاشم بزنجو نے چہرہ اُٹھا کر اُسکے ہر وقت نرم اور بے رِیا چہرے کو دیکھا جو اِس وقت گہری سنجیدگی اور سَرد پَن کی دبیز تہوں میں پوشیدہ ہو گیا تھا۔ اُسکو پلٹ کر تیز قدموں سے جاتے دیکھ کر وہ نفی میں سَر ہلا کر رہ گئے۔ وہ نہ خود پر بھروسہ کرنے کو آمادہ تھی، نہ اپنوں پر۔

✓میرے احباب مُجھ سے مُخلص ہیں

مُجھ کو یُوسُف (ع) کے بھائیوں کی قسم۔۔۔

صُبح سے دوپہر اور پھِر شام ہو گئی مگر میزاب پھِر اپنے کمرے سے نہیں نِکلی۔ ہاشم بزنجو سے ہوئی کچھ باتوں نے اُسکی بڑی مُشکلوں سے مضبوط کی گئی ہستی کو پھِر سے مُنہدم کر دیا تھا اور وہ باہر نِکل کر کسی کو باتیں بنانے کا موقع فراہم نہیں کرنا چاہتی تھی تب جب کہ مہمانوں کی دعوت کا اِنتظام اپنے زوروں پر تھا۔ مغرب کی نماز کے بعد یونہی بے مقصد صوفے پر بیٹھتے ہوئے کھڑکی سے اُترتی رات کو دیکھ رہی تھی تبھی دروازہ آہستگی سے بجا۔

"آجائیں!" اُسکو لگا حلیمہ بوا ہوں گی مگر دروازہ کھول کر جب کوئی اندر نہ آیا تو کچھ چونک کر اُس نے چہرہ پھیرا اور پھر اُٹھتے ہوئے دروازے تک آئی۔ کھول کر اُس نے جیسے ہی پیچھے کیا۔ دروازے کی جانب پُشت کیئے کھڑے شخص کو دیکھ کر ٹھہر گئی۔ وہ عباس جان نِثار تھا جو اِس ایک مہینے اور دو ہفتوں میں پہلی بار گھر کے اندر یا اُسکے کمرے کے باہر تک آیا تھا۔

"جان نِثار!" خاموش قدموں سے لوگوں کی موجودگی بھانپ لینے والا، دروازہ کُھلنے کی واضح آواز کے باوجود پُکار پر ہی پلٹا۔

"آپ کو ہاشم صاحب باہر بُلا رہے ہیں۔" اُسکی اطلاع پر میزاب نے بے اِختیار ماتھے پر ہاتھ مارا اور پھر باہر نکلنے لگی۔

"ارے تم! خبردار جو سر جھاڑ مُنہ پھاڑ باہر نِکلی تو۔" سائیڈ سے بھاگ کر آتی زوبیہ نے اُسکو تلملانے پر مجبور کر دیا۔

"تنگ مت کرو، زُوبی! مُجھے کاروباری لوگوں سے۔۔۔" اُسکی بات قطع کر کے زوبیہ تیزی سے اُسے واپس کمرے میں دھکیل کر لے گئی۔

"آپ یہیں کھڑے رہیں، عباس۔" زوبیہ اُسے جمے رہنے کا کہا۔

"اور تم آگے لگو۔ بزنس ویمن ہو کر اِتنی اہم دعوت میں روزانہ کے حُلیئے میں جا رہی ہو۔ اپنی نہیں تو کچھ میری ہی عزت کا خیال کر لو۔" اُسکی تیز تیز بے تُکی باتوں پر میزاب اُسے دیکھ کر رہ گئی۔

"ٹھیک ہے! میں خود مینج کر لوں گی۔ تمہارا خاص دِن ہے۔ جا کر اچھی طرح تیار ہو۔" خفگی سے اُسکو گھُور کر دروازے کی جانب دھکیلا جبکہ زوبیہ مُسکرا کر اُسے آنکھ مارتے ہوئے باہر چلی گئی۔

"اپنی باس کو یہاں سے لے کر ہی آنا ہے آپ نے۔" باہر قدرے سائیڈ پہ ہو کر کھڑے عباس کو دیکھ کے وہ اپنے کمرے کی جانب بھاگ کھڑی ہوئی۔ ٹھیک دس منٹ بعد میزاب رحمت نے کمرے سے باہر قدم رکھا۔

"دادا جان کہاں ہیں؟" اُسکی آواز پر عباس نے پلٹ کر پیچھے دیکھا۔ وہ عورت واقعی اِتنی ہی حسین تھی جتنی وہ باہر لوگوں سے سُن کر آرہا تھا بلکہ اُن تمام باتوں سے بھی زیادہ۔ سے سے بالاتر۔ جالی دار سیاہ لباس پر ہم رنگ حجاب اوڑھے اِس قدر پاکیزہ لگ رہی تھی کہ عباس جان نِثار زیادہ دیر تک اُس چہرے کو نہیں دیکھ سکا۔

"باہر دالان میں ہیں۔" عباس نے چہرہ پھیر کر کہا۔ میزاب کے آگے چلنے پر وہ اُسکے پیچھے چلنے لگا۔

"آپ نے بُلوایا، دادا جان؟" اُسکی پُکار پر ہاشم بزنجو کے اِرد گرد کھڑے کئی چہرے پلٹ کر اُسکو دیکھنے لگے۔

"یہ میری پوتی ہے، میزاب۔" ہاشم بزنجو نے اُسکو بازو سے پکڑ کر مجمعے میں کھینچ لی۔ بوکھلا کر آگے ہوتے ہوئے اُس نے پلٹ کر پیچھے دیکھا جہاں عباس اُسے وہیں چھوڑ کر روشنیوں اور رش سے دُور جا رہا تھا۔

"ہیلو! کیسی ہیں آپ؟" قریب سے آتی پُرشوق آواز پر اُس نے چونک کر چہرہ پھیرا۔ اُسکی سائیڈ پر کامران کا بڑا بھائی باسم کھڑا مُسکراتے ہوئے اُسکی ہی جانب متوجہ تھا۔

"اسلام علیکم! کیسے ہیں آپ سب؟" اُسکو ایک سرسری نگاہ دیکھ کر اُس نے باقی آدمیوں کو دیکھ کر تکلف بھری خوش دلی سے کہا۔

"وعلیکم اسلام! ہم سب تو ٹھیک ہیں لیکن آپ عید کا چاند ہو گئیں ہیں بیٹا۔" کامران کی امی کے شکوے پر وہ آہستگی سے مُسکرا دی۔ اِس کامران کو تو بعد میں دیکھے گی۔

"تم تو بہت خُوش قسمت ہو ہاشم! جو اِتنی ذہین، فرض شناس اور بزنس مائینڈیڈ پوتی مِلی ہے۔" اُس تعریف پر ہاشم بزنجو اِیسے فخر سے مُسکرا رہے تھے جیسے سب کچھ اُنکے لیئے کہا جا رہا ہو۔

"بس اِسی کی وجہ سے تو میری گردن ہر وقت اُٹھی رہتی ہے۔" میزاب کو بازو کے حلقے میں لے کر اُنہوں نے جِس اپنائیت سے کہا میزاب چہرہ پھیر کر اُنکو دیکھتے رہنے پر مجبور ہو گئی۔

"کامران سے آپ کی بہت تعریفیں سُنی ہیں اور بزنس کمیونٹی تو آپ سے شروع کر آپ پر ہی ختم ہوتی ہے۔" باسم کے ٹکڑا لگائے جانے پر وہ طمانیت سے مُسکرائی۔

"جذاک اللہ! یہ تو سب میرے ساتھ کام کرنے والوں لوگوں کا خلوص اور محنت ہے۔" اُسکی انکساری مُتاثر کر دینے والی تھی تبھی باسم نے دلچسپی سے اُس خوبصورت مگر چونکا دینے والی عورت کو دیکھا۔ آج تک جتنی عورتوں سے وہ مِلا تھا، مراسم رکھے تھے، دیکھتا آرہا تھا اُن سب سے ہٹ کر یکسر مُختلف۔

"آپ لوگ باتیں کریں۔" باسم کی تفتیشی نظریں محسوس کر کے اُسکا وہاں مزید کھڑے ہونے کا کوئی اِرادہ نہیں تھا۔ اِس سے پہلے کہ پلٹتی اُسکا سیل فون بج اُٹھا۔ چونک کر اُٹھاتے ہوئے وہ سب سے معذرت کر کے پچھلے دالان میں چلی آئی۔

"اسلام علیکم!" دوسری جانب خاموشی پر اُسکو پہل کرنی پڑی۔

"کون بات کر رہا ہے؟" ہنوز خاموشی پر اُسکے قدم ٹھہرے۔ چہرے پر سنجیدگی چھانے لگی۔

"تمہاری موت!" سرسراتی، لہو جماتی آواز پر اُس نے گہرا سانس لیا۔

"تو سامنے آؤ یوں بزدلی دیکھا کر مجھے یہ سوچنے پر مجبور نہ کرو کہ میرے سائے سے موت بھی بھاگتی ہے۔" اُس طنزیہ لہجے کی شاید فون کے دوسری جانب موجود شخص کو اُمید نہیں تھی۔ قبل اِسکے کچھ اور کہتی پیچھے سے قدموں کی آہٹ پر پلٹ کر دیکھا۔ یقیناً اُس کی جانب تیز قدموں سے بڑھتے عباس نے سب سُن لیا تھا تبھی آگے بڑھ کر سیل فون اُسکے ہاتھ سے لے کر ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کے اُسے خاموش رہنے کا اِشارہ کیا۔

"موت سے پہلے سب اِیسے ہی شیر ہوتے ہیں لیکن جب وہ سامنے آتی ہے تو ساری بہادری ناک کے رستے باہر نِکل جاتی ہے۔" اُس بھاری آواز سے صاف ظاہر تھا کہ کالر وائس چینجنگ سوفٹ وئیر اِستعمال کر رہا ہے۔

"تم جتنی بھی خود مختار اور کامیاب ہو جاؤ آخر ہو تو ایک عورت نہ۔ کب تک دفاع کرتی رہو گی اپنا؟" اُس ترحم پر عباس نے مُٹھیاں بھینچ کر سنجیدگی سے میزاب کو دیکھا جِس نے نظریں چُرا کر یک دَم سیل فون اُسکے ہاتھوں سے لے کر کال مُنقطع کر دی۔

"کون ہے؟" عباس کا سوال بے حد واضح اور سنجیدہ تھا۔

"مُجھے کیا معلوم۔ ابھی ہی کال آئی اور تم نے فون کھینچ لیا۔" اُسکے کڑے جواب پر عباس نے گہرا سانس لیں۔

"باس! میں آپکا باڈی گارڈ ہوں۔ آپ ہر طرح کی تھریٹ اور مُشکل مجھ پر چھوڑنے کی پابند ہیں۔" اُسکی سنجیدگی دیکھنے لائق تھی۔ میزاب نے ٹھہر کر اُسکا کرا مگر خالص انداز دیکھا۔ دِل کو کہیں اِس پُروفیشنل فکر نے بھی عجیب سی تقویت سے دوچار کر دیا۔

"مُجھے واقعی نہیں معلوم۔" وہ کاروباری عورت تھی۔ لوگوں کو باتوں میں لگا کر اصل معاملے سے ہٹانا اُسکے بائیں ہاتھ کا کام تھا۔

"یہ تم نے مُجھے مِس رحمت کے بجائے باس بولنا کیوں شروع کر دیا ہے؟" دھیان مزید سنجیدہ مسئلے کی طرف دِلایا گیا۔

"کیونکہ آپ میری باس ہیں۔" شہد رنگ آنکھوں کی سنجیدگی میں ذرا تبدیلی نہیں آئی تبھی میزاب مزید کچھ نہیں کہہ سکی۔ یہاں کھڑے ہونے کا مزید کوئی مقصد باقی نہیں بچا تھا۔ اُسکے پاس سے جیسے ہی گُزرنے لگی سارے پچھلے دالان کی روشنیاں ایک جھماکے سے بند ہو گئیں۔ عباس نے چونک کر چہرہ اُٹھایا اور پھر بغیر سوچے سمجھے بازو بڑھا کر میزاب کو شانے سے تھام کر اپنے برابر کیا۔ یہ سب اِتنا اچانک ہوا کہ میزاب سنبھل نہیں سکی اور اُسکی پُشت اُس آہنی شانے سے جالگی۔

"شش!" قبل اِسکے وہ مزاحمت کر کے کچھ پوچھتی، عباس نے اُسکے کان میں سرگوشی کرنے کے ساتھ دوسرا ہاتھ اُسکے ہونٹوں پر جمایا تبھی کسی بھاگتے شخص کا دھکا لگا اور بروقت میزاب کو جھٹکے سے بچا کر اُس نے قدموں کا تعین کر کے پیر آگے کرتے ہوئے بھاگتے شخص کو مُنہ کے بَل گِرا دیا۔

"آپ ٹھیک ہیں؟" آہستگی سے ہاتھ ہٹا کر پوچھتے ہوئے میزاب کا بازو بھی چھوڑ کے وہ اُس کراہتے شخص تک پہنچا اور اُسکے دونوں ہاتھ سختی سے جکڑ کر پُشت سے لگاتے ہوئے اُسکو چیخنے پر مجبور کر دیا۔ ساری بتیاں جیسے بند ہوئیں تھیں اُسی تیزی سے روشن ہوئیں۔ یہاں اِس وقت کوئی نہیں آیا کیونکہ سب اگلے دالان میں ہوتی دعوت میں مصروف تھے۔ میزاب آنکھیں پھیلائے اُس باورچی کو دیکھ کر آگے بڑھی۔

"جان نِثار، ایک سکینڈ!" جُھک کے زمین پر بیٹھتے ہوئے اُس نے عباس کا بازو تھپتھپا کر اُس آدمی کو جیسے چھوڑنے کا اِشارہ کیا۔

"شریف تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" میزاب کے سوال پر عباس نے اُس آدمی کو کندھے سے پکڑ کر سیدھا کیا اور پھر پہچان کے مشکوک نظروں سے سَر تا پا دیکھا۔

"وہ بی بی جی! پیچھے سٹور میں سامان رکھنے آیا تھا تبھی لائٹ جانے پر مجھے لگا کوئی دیوار کود کر اندر آیا ہے تبھی بھاگ کر۔۔۔" اپنے بازو سہلاتے ہوئے اُس نے شرمندگی سے بات اَدھوری چھوڑ دی۔

"آپ اُٹھیں!" کہتے ساتھ عباس کو اِشارے سے اُسے اُٹھنے میں مدد کا کہا کیونکہ ظاہر ہے اِتنے زور سے گرانے والا بھی وہی تھی۔ عباس نے نفی میں سَر ہلاتے ہوئے اُسکو بازو سے پکڑ کر ایک جھٹکے سے کھڑا کیا۔

"کونسا سامان رکھنے آئے تھے؟" عباس کے مشکوک سوال اور اندر تک اُترتی نظروں پر شریف نے اپنے خراش زدہ بازو تکلیف سے سہلا کر ندامت سے سَر جُھکایا۔

"کیٹرنگ کا سامان!" پیچھے سٹور کی جانب اِشارہ کر کے تصدیق دی گئی۔

"تم۔۔۔" عباس قبل اِسکے مزید کوئی کڑا سوال پوچھتا۔ میزاب تیزی سے آگے آئی۔

"آپ جائیں اور اپنے زخموں پر دوائی لگا کے آرام کریں۔ نبیل باقی کام دیکھ لے گا۔" نرمی سے کہہ کر اُس نے شریف کو ممنونیت سے سَر ہلاتے دیکھا جو یقیناً عباس کی چُبھتی نظروں پر خائف نظر آ رہا تھا جبکہ عباس اُسکے لہجے کی حلاوت اور نرمی پر اُسے دیکھ کر رہ گیا۔ شریف تیز قدموں سے واپس دالان سے نکل کر کچن کے پچھلے دروازے کی جانب بھاگا۔

"کیا کر رہی ہیں آپ؟" عباس سنجیدہ اِستفسار سے خود کو روک نہیں سکا تبھی اُسکی جانب سنجیدگی سے پلٹا۔

"ہر کسی پر شک نہیں کرتے۔" اُسکا انداز بے حد بے پرواہ تھا۔

"اور ہر کسی پر بھروسہ بھی نہیں کرتے۔" عباس کا انداز بہت کچھ جتاتا ہوا تھا۔

"ہر کسی پر نہ سہی مگر زخمی اور مجبور اِنسان پر نرم ہونے میں کوئی بُرائی نہیں چاہے آپکا دُشمن ہی کیوں نہ ہو۔" اَب کی سنجیدگی سے اپنا مُدعا باور کروایا گیا۔

"اِن ہی سُنہری اُصولوں پر چلتے ہوئے آپ نے کافی دُشمن بنا رکھے ہوں گے۔" اُسکی تنبیہہ پر میزاب نے چہرہ پھیر کر اُسے دیکھا۔ سُرمائی آنکھوں کی روشنیاں سارے دالان کو مزید منور کرنے کے درپے تھیں۔

"تم ہو نہ میری حفاظت کے لیئے۔" میزاب نے برجستہ کہا پھر خود ہی اُن رنگین آنکھوں کے چونکتے تاثر پہ کھنکھار کر چہرہ پھیرا۔

"لیکن ہر کسی کو شک کی نظر سے مت دیکھو۔ میرے اِتنے بھی دُشمن نہیں ہیں۔" نرمی سے اُسے ہر وقت چوکنا رہنے سے منع کر کے وہ آگے بڑھی جبکہ عباس اُس عجیب معمہ عورت کو دیکھ کر رہ گیا جسے وہ ہر بار بے مقصد، بے موقع، ہر آن، ہر کسی پر مہربان ہوتے دیکھ رہا تھا۔

✓ اپنی اَنا کی آہنی زنجیر توڑ کر

دُشمن نے بھی اگر مدد کے لیئے پُکارا تو میں گیا۔۔۔

پھر خود ہی تمام سوچیں جَھٹک دی گئیں۔ عباس جان نثار اِس عورت کو سمجھنے کے لیئے یہاں نہیں آیا تھا۔ میسج کی رنگ ٹون بجی اور تبھی اُس نے چہرہ جُھکا کر چلتے ہوئے سیل فون نکال کر سامنے کیا۔

"**دُشمنوں کے گھر قدم مضبوطی سے جما لیئے؟**" احتساب سنجرانی کا میسج پڑھ کر وہ ٹھہرا۔

"آپ کو اِس معاملے سے دُور رہنا ہے۔" عباس جان نِثار اُنکی دُشمنی اور اِنتقام کو لے کر نفرت اور فطرت کو جانتا تھا تبھی سنجیدگی سے میسج ٹائپ کیا۔

"جلد اطلاع کرو ورنہ تم ہمیں اِس معاملے سے دُور نہیں رکھ سکو گے۔" اُنکا اگلا پیغام یہ بتانے کو تھا کہ وہ کِس قدر طیش میں ہیں۔

"میں نے جب کہا ہے سب دیکھ لوں گا تو سکون سے رہیں۔" اُسکا میسج ہوا کے دوش پر لہراتا ہوا بلوچستان کے ضلع چاغی کے عالی شان گھر میں داخل ہوا۔ اُسکے میسج کو پڑھتے ہی احتساب سنجرانی نے مُٹھیاں بھینچ لیں۔

"ہم تمہارے بڑے ہیں۔ تمہیں ہمارا بڑا بننے کی ضرورت نہیں۔ دو دِن کے اندر کوئی پیش رفت لاؤ نہیں تو ہمیں خود کچھ کرنا پڑے گا۔" اُنکے دھمکی آمیز پیغام کو پڑھ کر عباس نے چہرہ اُٹھا کر اُوپر دیکھتے ہوئے گہرا سانس لیا کیونکہ جانتا تھا کہ اُنکی دھمکی محض دھمکی نہیں ہو سکتی۔ وہ ضرور کچھ نہ کچھ کر گُزریں گے اگر عباس نے کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ اُسکی محنت سی بچھائی گئی بِساط کو پَل بھر میں برباد کرنے کی حیثیت رکھتے تھے احتساب سنجرانی۔

"جان نِثار!" قبل اِسکے کوئی مُناسب سا جواب لکھتا، پُکارے جانے پر چونک کر سامنے دیکھا جہاں دالان کی گیلری میں میزابِ رحمت کھڑی اُسکو ممنون نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"ہاشم بزنجو کی جان جِس طوطی میں قید ہے اُسکو اپنی مُٹھی میں کر چکے ہو تو پلان پر عمل کرو۔ بُھول جاؤ کے تمہارے مقابل عورت ہے۔" ایک اور پیغام سکرین پر لہرایا۔ شہد رنگ آنکھوں نے سکرین سے نظر اُٹھا کر اُس عورت کو دیکھا جِس میں ہاشم بزنجو کی جان قید تھی اور پھر ایک نئے عظم، کسی مُختلف سوچ کے ساتھ دُشمنوں کی ریاست کی ملکہ کی جانب تیز دَھار تلوار ہاتھ میں لیئے قدم بڑھا دیئے۔

شہرِ دِل، شہرِ وفا، شہرِ تمنا بھی نہیں

محو ہو کر دیکھتا، اِیسا تماشا بھی نہیں

وہ وفاؤں کا سمندر، میں جفاؤں کا فلک

اور فلک کی ہے خصوصیت، جُھکتا بھی نہیں

دردِ غم بھی، ضبطِ غم بھی ہائے کیسی کشمکش

بَھر چُکا ساغر کا اور چَھلکتا بھی نہیں

تشنگی میں دوستو! آتا ہے اِک اِیسا مقام

خواہشِ دریا ہے لیکن دِل پیاسا بھی نہیں

"سب خیریت ہے؟" خود پر جمی عباس کی نظروں پر اُس نے ریلنگ سے ہاتھ ہٹا کر اُسکو دیکھا جو ٹیرس تک اُسکے پیچھے آیا تھا۔ کھانا لگنے میں بہت دیر تھی اور اِس دیر تک میز ابِ رحمت کھلی فضا میں سانس لینا چاہتی تھی۔

"آپ کو جو لوگ کالز آ رہی تھیں، میں نے اُنکو ٹریس کروایا ہے۔" نظریں پھیر کر اُس نے آہستگی سے کہا۔ یہاں اُونچائی سے وہ برج زیادہ بہتر نظر آ رہا تھا جس پر اُس نے پرسوں ساکن و جامد خود کو بے بس کھڑے پایا تھا۔ اُس منظر کی تابنا کی شہد رنگ آنکھوں میں اَب تک سما کر اُسے اُلجھائے ہوئے تھیں مگر زیرِ توجہ اور بہت سے معاملات تھے۔

"تو پھر کون تھا؟" وہ چونکی نہیں۔

"کال کرنے والے کی آپ سے کوئی دُشمنی نہیں، ہاں! کال، کروانے والے کی ضرور ہے۔" اُسکی مُبہم بات پر میزاب نے چہرہ پھیرا۔

"کیا مطلب؟ "

"مطلب منظور کرامت ہے اُن کالز کے پیچھے۔" اُسکی اطلاع پر میزاب نے گہرا سانس لیا۔ جانتی جو تھی۔

"ہاتھ سے جانے والی زمین اُسے چین سے بیٹھنے نہیں دے رہی ہوگی۔" میزاب کی سنجیدگی میں کوئی فرق نہیں آیا۔

" آپ کو وہ زمین آگے کسی اور کو بیچ دینی چاہیئے۔" عباس نے متوقع حالات کے سبب پُر خلوص مشورہ دیا۔

" نہیں! داداجان اُس زمین کو جانے نہیں دے سکتے۔" اُس عجیب بات پر عباس نے چونک کر اُسکے نیم رُخ کو دیکھا۔

"تو گھر کے کسی مَرد کے نام کر دیں۔" اُسکا مشورہ سیدھا سا تھا۔ میزاب دھیرے سے مُسکرادی اور وہ مُسکراہٹ اِتنی مضمحل تھی کہ عباس جان نِثار نگاہ نہیں ہٹا سکا۔

"اَصفہان بزنجو کے بعد اِس خاندان میں کوئی مَرد نہیں بچا، جان نِثار۔ داداجان بوڑھے ہو چُکے ہیں۔ دُشمنوں کے حملے وہ اپنے وجود پر نہیں سہہ سکتے۔" اُس بہت کچھ سمجھتے، سمجھاتے انداز پر عباس جان نِثار نے چہرہ پھیر لیا۔ تاثرات مُضطرب ہونے لگے۔

"ہر وہ زمین اور معاملہ جو داداجان کے لیئے اعزاز کی طرح اہم ہے اُسکے میڈل اور تمغے میرے نام ہی کیئے جا سکتے ہیں۔" وہ جیسے اپنے اِرد گرد بڑھتے دُشمنوں کی موجودگی سے بخوبی واقف تھی۔

"مُدثر بھی تو ہے!" عباس کے اگلے اِصرار پر میزاب نے بے اِختیار اُسکو دیکھا۔

"وہ داداجان کی بیٹی کا بیٹا ہے، جان نِثار۔ صرف حضور پاک (ص) کی نسل اُنکی بیٹی سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا سے چلی ہے۔ باقی مَرد اِس بات کو تسلیم نہیں کر سکتے۔" اُسکے انداز میں کچھ تھا، کچھ چونکا دینے والا۔

"بہت کم ظرف مَرد ہیں پِھر تو۔" عباس کے ناگوار لہجے پر میزاب ٹھٹکی۔ تیسری بار اُسے عباس کے لہجے میں ناپسندیدگی اور ناگواری محسوس ہوئی تھی۔ دو بار تب ہوئی تھی جب وہ میزاب کا باڈی گارڈ نہیں بنا تھا۔

"یہاں سب کے پاس جو کچھ ہے اُسی میں مَست ہیں۔" اُسکے کمزور دفاع پر عباس نے نفی میں سَر ہلایا۔

"آئیندہ کوئی بھی انجان نمبر سے کال آئے، آپ ریسیو نہیں کریں گی۔" موضوع بدل کر اُس نے وہی بات کہی جو کہنا لازم تھی۔

"اور اگر ضروری کال ہوئی؟" وہ واقعی عباس کے پروفیشنل اِزم سے متاثر ہو رہی تھی۔

"تو میں موجود ہوں گا۔ آپ مُجھے دیں گی۔" اُس باور کرواتی بات پر میزاب نے چہرہ جُھکا کر اُبھرتی مُسکراہٹ روک لی جو عباس سے چُھپی نہیں رہ سکی۔

"اور میرے وکیل دوست نے اُس آدمی کو رہا کروادیا ہے۔" اُس اگلی اطلاع پر میزاب تیزی سے اُسکی جانب گھومی۔ سُرمائی آنکھیں جِس طرح جُوش سے چمک کر پھیلیں، عباس کو آہستگی سے پیچھے ہونا پڑا۔

"واقعی میں؟ یارب کعبہ!" بے اِختیار گہرا سانس لیتے ہوئے اُس نے آنکھیں مُوند کر سُکھ کا سانس لیا۔

"پولیس اُس آدمی کا سُراغ لگا رہی ہے جِس نے پیسے دیئے تھے توڑ پھوڑ کے۔ ظاہر ہے بہت رازداری سے کام کروایا گیا ہے۔" اُس شاداب ہوتے چہرے سے نگاہ ہٹا کر جُھکاتے ہوئے اُسی بے تاثر لہجے میں بات مکمل کی گئی۔

"اِتنا آسان نہیں ہو گا۔" ساری خوشی کافور ہو گئی۔ عباس نے چہرہ اُٹھا کر اُن سُرمائی آنکھوں کی بُجھتی جوت کو بے حد توجہ سے دیکھا۔

"آپ مُہرے چلانے والے کو جانتی ہیں نہ؟" ریلنگ پر آگے کو جُھک کر دیکھتی عورت کی ایک ایک جُنبش پر نگاہ رکھے اُس نے ایک قدم آگے آ کر کہا۔

"ہمم! جانتی ہوں۔" نیچے جاری دعوت میں موجود لوگوں پر نگاہ جمائے اُس نے مدہم سا کہا۔ عباس نے بھی چہرہ جُھکا کر اُن نگاہوں کے تعاقب میں روشنیوں میں نہائے دالان کو دیکھا تبھی دوستوں سے باتوں میں محو مُدثر کی نگاہ اُوپر ٹیرس پہ قدرے نیم اندھیرے میں کھڑی میزاب سے ٹکرائی۔ اپنے دوستوں سے معذرت کر کے وہ تیز قدموں سے اندر کی جانب بڑھا اور پھِر سیڑھیاں طے کرتے ہوئے اُوپر پُہنچا۔

"زیب!" پیچھے سے آتی پُکار پر میزاب سے بھی پہلے عباس نے پلٹ کر مُدثر کو دیکھا۔

"مُجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔" مُدثر کہہ کر تیز قدموں سے اُس تک آیا۔

"ہاں، کہیں! سب ٹھیک ہے؟" اُسکے چہرے کی بے چینی پر میزاب نے نرمی سے کہا۔

"ہاں! سب ٹھیک ہے۔ بس اکیلے میں تم سے بات کرنی ہے۔" ایک نظر ساتھ سنجیدہ کھڑے عباس پر ڈال کر اُس نے جِس انداز سے کہا میزاب چونک گئی۔

"جان نِثار کے سامنے بات کر سکتے ہو۔" پلٹتا عباس اُس آواز پر ٹھہر کر پلٹا۔ میزاب نے اثبات میں سَر ہلا کر اُسے جیسے یہیں کھڑے رہنے کا خاموش اِشارہ کیا اور وہ اپنی جگہ سے ایک قدم نہیں ہل سکا۔

"کہو مُدثر!" مُدثر کے چہرے کی ناپسندیدگی نظر انداز کر کے اُسی نرمی سے کہا۔

"تم جانتی ہو زیبی گھر میں کیا چل رہا ہے؟" مُدثر کے قدرے مُختلف سوال پر میزاب اور عباس ایک ساتھ ٹھٹکے۔

"تمہارے چہرے کی بے خبری بتا رہی ہے کہ تمہیں کچھ نہیں معلوم۔" مُدثر کے یقین پر عباس نے ناگواری سے نظروں کا زاویہ بدل لیا۔

"اہم بات ہے کوئی؟" اُسکو سوال کرنا پڑا۔

"ہمم! نانا جان تمہارے لیئے باسم ربانی کو کنسیڈر کر رہے ہیں۔" اُسکے کچھ آشکار کرتے لہجے پر عباس کی بھنویں سُکڑیں۔

"ایز آ بزنس پارٹنر؟" میزاب کے تو اُوپر سے اُسکی بات گُزر گئی تھی۔

"نہیں! ایز آ لائف پارٹنر۔" اُسکی اگلی اطلاع، دھماکہ تھی۔ میزاب نے پھیلتی آنکھوں سے بے یقینی کے ساتھ پلٹ کر نیچے دیکھا جہاں ہاشم بزنجو باسم ربانی کے کندھے پر ہاتھ رکھے بے فکری سے کوئی بات کہہ کر ہلکے ہنس رہے تھے۔ اُس نے آج ہی اُنکو اچھی طرح باور کروایا بھی تھا۔

"تو تم نہیں جانتی؟" اُسکی خاموشی پر مُدثر نے گہرا سانس لیا جبکہ عباس نے بغور اُسکو دیکھا جِسکا انداز لگائی بُجھائی کرنے والوں جیسا تھا۔

"بتانے کے لیئے جذاک اللہ۔ میں دادا جان سے پوچھ لوں گی۔" چہرہ پھیر کر اپنے تاثرات بحال کر کے اُس نے اِیسے لہجے میں کہا جیسے اُسے کوئی فرق نہ پڑا ہو۔

"لیکن تمہیں چاہیئے کہ تم اِنکار کر دو۔" مُدثر کے اضطراب سے کہنے پر عباس نے پلکیں سُکیڑ کر اُسکی بے چینی کا جائزہ لیا۔

"میں اِس بات کو دیکھ لوں گی، مُدثر۔" نرمی سے کہہ کر اُس نے بات ختم کرنے کا اِشارہ کیا۔ اُسکے سنجیدہ ہوتے تاثرات اور سائیڈ پر کھڑے شخص کی اندر تک اُترتی، جُھلساتی نظروں پر وہ جو کچھ اور بھی کہنے لگا تھا۔ اِرادہ ترک کر کے سَر اثبات میں ہلا کر پلٹا اور واپس اندر چلا گیا۔

"اِس کو کیوں تکلیف ہو رہی ہے؟" چند لمحے کی خاموشی کے بعد عباس کے سَرد سوال پر میزاب نے تحیر سے پلٹ کر اُسکو دیکھا جو ریلنگ پر دونوں ہاتھ رکھے، نیچے ہاشم بزنجو کے ساتھ مُسکراتے باسم ربانی کو دیکھ رہا تھا۔

"ہاں!" اُس بے یقین اِستفسار پر عباس نے چہرہ پھیر کر مُتعجب پھیلی سُرمائی آنکھوں کو دیکھا۔

"زرق کمال سے بہتر رضا ربانی لگ رہا ہے۔" اندر تک خود کو جھٹک کر اُس نے سرسری سا کہا۔ میزاب نے نا سمجھی سے اُسکو دیکھا اور پِھر اُس موازنے نے اُن سُرمائی آنکھوں کو بُجھا دیا، نہ جانے کیوں؟

"کہہ تو تم سہی رہے ہو۔" مغلوب کرتی کیفیت سے خود کو نکال کر اُس نے آہستگی سے کہتے ہوئے اپنے عین برابر کھڑے عباس کو چونکا دیا مگر جان نہیں سکی۔

"کھانا لگ گیا ہے، میزاب بی بی۔" اُنکی خاموشی طویل ہونے کو مُلازمہ کی آواز نے توڑا۔ میزاب نے چہرہ پھیر کر اُنکو دیکھا۔

"ہم آتے ہیں، نائمہ بوا۔" اُس نے یہ نہیں کہا **'میں'** وہ جب بھی عباس کے ساتھ ہوتی تھی **'ہم'** کا صیغہ اِستعمال کر کے اُس بے نیاز رہتے باڈی گارڈ کو ٹھٹکا دیتی تھی۔ ابھی بھی سب ترک کر کے عباس جان نِثار نے اُسکے پیچھے قدم بڑھا دیئے۔ وہ اُسکی باس تھی اور عباس جان نِثار اُسکا باڈی گارڈ اور اِس بات کا اِدراک اُسکو بہت اچھے سے تھا۔ بہت اچھے سے ہونے لگا تھا۔

✓ بڑے لوگوں سے ملنے میں ہمیشہ فاصلہ رکھنا

جہاں دریا سمندر سے مِلا، دریا نہیں رہتا۔۔۔

"کچھ پیش رفت ہوئی؟" احتساب سنجرانی کو کسی گہری سوچ میں غرق دیکھ کر کریم بخش سنجرانی اُنکے برابر صوفے پر بیٹھتے ہوئے بول کر اُنکو چونکا گئے۔

"بس دو دِن کا اِنتظار اور پھر مُجھے خود ہی کرنا پڑے گا کچھ۔" داڑھی کُھجاتے ہوئے اُنکا لہجہ سخت تھا۔

"دَاجی کو معلوم ہو گیا تو بہت ناراض ہوں گے۔" وہ جانتے تھے کہ احتساب سنجرانی کو جلدبازی ہر معاملے میں رہتی تھی۔

"میں دیکھ لوں گا دَاجی کو۔" وہ جیسے پوری طرح سوچ چُکے تھے۔

"تم تھوڑا مزید صبر کر لو۔ مت بُھولو کہ وہ عباس ہے۔ جِس کام کا اِرادہ باندھ لے اُسے کیئے بغیر پیچھے نہیں ہٹتا۔" اُنکو دوسرے رُخ سے یاد کروانا چاہتے تھے مگر احتساب سنجرانی نے سَر جھٹکا۔

"وہ عورتوں پر جتنا مہربان ہے، یہ پورا قبیلہ جانتا ہے اور ہمارا مقابلہ ہاشم بزنجو اور اُسکے کُل کی وارث عورت سے ہے۔" اُنکے خدشات جائز تھے۔ کریم بخش نے سمجھ کر سَر ہلایا۔

"وہ کچھ اِیسا کرے گا کہ بزنجو خاندان کی بُنیادیں بھی ہل جائیں اور کسی عورت کے کندھے پر بندوق بھی نہ رکھنی پڑے۔" تبھی کلیم بخش سنجرانی نے بیٹھک میں داخل ہوتے ہوئے کہہ کر اُن دونوں کو چونکا دیا۔

"تم بے صبری کر کے اُسکی بچھائی بِساط کو اُلٹنے کی غلطی مت کرنا۔ دو مہینے لگا کر اُس نے اعتبار جیتا ہے بزنجو خاندان کا، اپنی بے صبری سے خاک مت کرو۔" وہ اُن بھائیوں میں سب سے بڑے تھے تبھی سنجیدگی سے کہا جبکہ احتساب سنجرانی نے جبڑے سختی سے بھینچ لیئے۔ بڑے بھائی کے سامنے اُنکی کچھ کہنے کی ہمت نہیں تھی خصوصاً تب جب وہ غلط ہوں۔

"عباس سے تمہاری بات ہوئی تو کیا کہہ رہا تھا؟" احتساب کو خاموش ہوتا دیکھ کے اُنکے دائیں جانب بیٹھ کر پشت تھپکتے ہوئے سوال کیا۔

" آپ کا تو چہیتا ہے تو آپ کی زُبان ہی بولے گا۔" اُنکے خفا انداز پر دونوں بھائیوں کے ہونٹوں کو مُسکراہٹ چُھو گئی۔

"پِھر بھی کچھ بتاؤ تو سہی۔" کریم سنجرانی نے مُسکراہٹ دبا کر کہا۔

"شکار کو ٹھنڈا کر کے کھاتے ہیں، چچا۔ گرم شکار مُنہ جلا دیتا ہے۔" نخوت سے اُسکی نقل کرتے ہوئے اُنہوں نے کلیم بخش سنجرانی کو قہقہہ لگانے پر مجبور کر دیا۔ اُنہیں بے ساختہ اپنے چہیتے کی ذہانت، اُسکی حاضر دماغی پر فخر محسوس ہوا۔ عباس جان نِثار کی وجہ سے اُنکا سَر ہمیشہ قبائل میں اُونچا رہا تھا۔ اُسکی بہادری، غیرت، اخلاق اور عزت نے سنجرانی خاندان کو ایک الگ وقار اور مان عطا کر رکھا تھا۔

"ٹھیک تو کہہ رہا ہے۔" کریم بخش سنجرانی نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے احتساب سنجرانی کو تپا کر رکھ دیا۔

"ہنس لیں آپ دونوں پہلے اچھی طرح۔" اُنکے یوں تپنے پر اُن دونوں بھائیوں سے ہنسی روکنا محال ہو گئی۔

"ابھی تو ہمارے ہنسنے کے دِن آئے ہیں، احتساب۔ دُشمنوں کا بُرا وقت آنے والا ہے تو تم ٹھنڈے رہو اور عباس کا اِنتقام دیکھو۔ اُس سے زیادہ اِس اِنتقام کے لیئے کوئی حریص نہیں ہو سکتا۔" اُنکی اگلی سنجیدہ بات بہت کچھ باور کرواتی ہوئی تھی۔

"اِس دُشمنی نے اُس سے اُسکے ماں، باپ چھینے ہیں۔ بدلے کا سب سے زیادہ حقدار وہی ہے۔" کریم سنجرانی نے بھی احتساب کو سمجھا کر ہلکا کرنا چاہا۔ وہ بات سے مان جانے والے اِنسان تھے۔

"آپ لوگ سہی کہہ رہے ہیں۔ میں کچھ زیادہ ہی اُتاوَلا ہوا جا رہا ہوں۔ مُجھے عباس کا سوچنا چاہیے کہ کیسے دُشمنوں کے ساتھ اپنے شب و روز گُزار رہا ہو گا۔" احتساب سنجرانی کا چہرہ مُضمحل ہونے لگا۔ عباس سے اُنکو بھی سب کی طرح بے حد مُحبت تھی مگر وہ اُسکی بے حد نرم اور مہربان طبیعت سے بہت خائف رہتے تھے۔ وہ پہاڑوں کا بیٹا تھا، اُسے یہاں کا سردار بننا تھا۔ اِنتقام لے کر اُنکے کلیجے ٹھنڈے کرنے تھے مگر سب کی طرح وہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ عباس کسی مُشکل میں گرفتار ہو۔

"سہی کہہ رہے ہو۔ بس دُعا کرو کے اُسے کوئی مُشکل نہ گھیرے اِس اِنتقام کے سفر میں۔" کلیم سنجرانی نے گہرا تھکتا سانس لیا۔ جب سے عباس گیا تھا حویلی میں عجیب سی خاموشی طاری رہنے لگی تھی حالانکہ سب لڑکے اور لڑکیاں شور شرابہ مچا کر اپنی مُسلم موجودگی سے گھر کی رونق بڑھائے رکھتے تھے مگر سب کو ہی بہت خدشات اور تحفظات لاحق تھے۔ اپنے ولی عہد کو دُشمنوں کے نرغے میں بھیج کر سنجرانی خاندان چین لے بھی کیسے سکتا تھا۔

\-----------------

"مُجھے اطلاع ملی ہے کہ سارا مال ناقص ہے۔" جواد کی کال پر دی گئی اطلاع پر اُس نے پیشانی سہلا کر چہرہ اُٹھا کر سامنے دیکھا جہاں کام میں مُنہمک میزاب رحمت نظر آرہی تھی اور پھر چہرہ جُھکا کر ٹیب میں نظر آتی معلومات کو۔

"اگر اُس مَال سے فلائی اُوور بَن گیا تو بہت جانی نقصان ہو گا، جواد۔" اُسکی سنجیدگی پر جواد نے سَر اثبات میں ہلایا۔

"کیا کرنا ہے آگے؟" اُسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ عباس اِس معاملے سے حاصل کیا کرنا چاہ رہا ہے۔

"مُجھے آج رات کا وقت دو پھِر میں تمہیں بتاؤں گا کہ میرا کیا اِرادہ ہے۔" کچھ سوچ کر کہتے ہوئے اُس نے کال مُنقطع کر کے کلائی پر بندھی گھڑی پر وقت دیکھا۔ آج میزابِ رحمت کی باہر کوئی میٹنگ نہیں تھی اور رات کو ہی اُس نے آفس کے لیئے نکلنا تھا۔ ذہن میں اگلا لائحہ عمل ترتیب دیتے ہوئے وہ اپنے آفس سے نکل کر دروازہ کھٹکھٹا کر میزاب کے آفس میں داخل ہوا۔

"وکیل صادق خان سے مِلنا چاہتا ہے۔" عباس کی اطلاع پر میزاب نے چہرہ اُٹھا کر نا سمجھی سے اُسکو دیکھا۔

"صادق خان کون؟" اُسکی لاعلمی پر عباس اُسے دیکھ کر رہ گیا۔

"وہی بندہ جِس نے ضوریز سکندر کے ریسٹورنٹ میں توڑ پھوڑ کی تھی۔" اُسکی یاد دہانی پر میزاب کے ہاتھ سے آہستگی سے پین پھِسل کر فائل پر گِرا۔

"مُجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے تو میں وکیل کو صادق خان کے پاس لے کر جانا چاہتا ہوں۔" اُسکی تفصیل پر میزاب نے چند لمحے کو کچھ سوچا اور پھِر سائیڈ پر رکھے کلچ سے اے۔ٹی۔ایم کارڈ نکال کر اُسکی جانب بڑھایا۔

"وکیل کا کام بس ضمانت کروانا تھا۔ میں مزید اِس معاملے کو بڑھنے نہیں دینا چاہتی۔" عباس کی سیاہ بھنویں تعجب سے اکھٹی ہوئیں۔

"میری ضوریز سکندر سے بات ہوئی ہے۔ اُس نے کیس واپس لے لیا ہے۔" یونہی کارڈ بڑھائے اُس نے مزید وضاحت کی۔

"ٹھیک ہے!" سمجھ کر عباس نے آہستگی سے سَر ہلایا۔

"صادق خان کے کسی باہر مُلک سیٹل کرنے میں تم میری مدد کرسکتے ہو؟" اُس اگلے سوال پر عباس نے بغور اُن مُضطرب تاثرات کو دیکھا۔ وہ ایک انجان، غیر ضروری شخص کے لیئے کیوں آوٹ آف داوے جاکر تحفظ کا اہتمام کررہی تھی۔

"جو بھی خرچہ آئے گا، میں اُٹھاؤں گی مگر صادق خان کے یہاں سے باہر جانے کی کسی کو خبر نہیں ہونی چاہیئے۔" میزاب کی اگلی بات پر عباس نے کچھ بھی پوچھنے کا اِرادہ ترک کرکے ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے اُسکا کارڈ لے لیا۔

"جیسا آپ کہیں۔" نرمی سے کہتے ساتھ وہ واپس پلٹ کر آفس کا دروازہ پار کرگیا۔ میزاب چند لمحے یونہی بند دروازے کو دیکھتی رہی۔ اُس نے عباس کے چہرے پر نا سمجھی بھَرے سوال پڑھ لیئے تھے اور وہ اُنکے جواب کے لیئے بھی تیار تھی تو پھِر اُس نے اُن سوالوں کو زُبان کیوں نہیں دی؟

خیر! کچھ کچھ عباس کی فطرت کو اَب میزاب رحمت سمجھنے لگی تھی۔ جِس معاملے سے اُسکا اور اُسکے پروفیشن کا کوئی لینا دینا نہیں ہوتا تھا، اُس بارے میں یقیناً سوال کرنا اُسے مُناسب نہیں لگتا ہوگا۔ گہرا سانس لے کر اُٹھ کھڑے ہوتے ہوئے وہ قد آدم کھلی کھڑکی تک آئی اور بے اِرادہ نیچے جھانکا۔ عقبی ویران پارکنگ میں سیاہ ہیوی بائیک پر بیٹھتے عباس کو دیکھ کر چونکتے ہوئے اُس نے چہرہ جُھکا کر جیسے تصدیق چاہی۔ میزاب کے دیکھتے ہی وہ سیاہ ہیلمٹ پہن کر ہیوی بائیک گولی کی سپیڈ سے سُنسان پڑی پارکنگ لاٹ سے باہر نِکال لے گیا۔ یہ پارکنگ کوئی اِستعمال نہیں کرتا

تھا۔ تمام سٹاف اور کسٹمرز مال کے سامنے والی اور بیسمنٹ والی طویل پارکنگ اِستعمال کرتے تھے اور بہت سے سٹاف کے لوگوں کو تو یہ تک معلوم نہیں تھا کہ پیچھے کوئی الگ تھلگ پارکنگ بھی ہے۔

"مُجھے غلط لگا ہو گا۔" سَر جھٹک کر واپس وہ ورکنگ ڈیسک تک گئی۔ بہت سا کام اُسکی توجہ مانگ رہا تھا۔

اگر ہم اُس آفس سے نکل کر بہت ساری منزلیں طے کر کے نیچے آ کر اُس سنسان پارکنگ لاٹ سے نکلے بائیک کا پیچھا کریں تو ہمیں بائیک گولی کی رفتار سے آبادی سے ہٹ کر اِنڈسٹریئل ایئریا میں جاتی نظر آئے گی۔ ہیلمٹ اُتار کر رائیڈر نے بائیک کے سینے پر رکھا اور ایک جُست میں اُتار آیا۔ وہ ابھی بھی فارمل ڈریس پینٹ کوٹ میں ملبوس تھا جو کہ اکثر ممالک میں باڈی گارڈز پہنتے ہیں۔ ایک پَل کو کچھ سوچتے ہوئے اُس نے ہیلمٹ دوبارہ سے اچھی طرح پہن کر اُسکا سیاہ شیڈ نیچے گِرایا اور پِھر تیز قدموں سے سائیڈ پر کھڑی، کئی ایکٹر پر پھیلی فیکٹری کی جانب بڑھا جہاں لوگوں کا جم غفیر کام کر رہا تھا۔ یہ فیکٹری مُلک کے جانے مانے اِنڈسٹرلسٹ گھرانے کی تھی اور کِس کی تھی، یہ آپ سمجھ چکے ہوں گے۔ آگے کے رش اور جاں فشانی سے ہوتے ورکرز کو نظر انداز کر کے وہ تیز قدموں سے فیکٹری کی بیک سائیڈ پر گیا جہاں اُسے اَدھ کُھلا دروازہ نظر آیا۔ ایک پَل کو سوچ کر اُس نے اِرد گرد نگاہ دوڑائی تبھی اُسکو ایک فوڈ ڈیلوری والا آتا نظر آیا۔ اُسکو روک کر والٹ سے اچھی خاصی رقم تھما کر آڈر لیتے ہوئے اُسکو جانے کا اِشارہ کیا اور لڑکا تو اِس مہربان افتاد پر حیرت اور خُوشی سے واپس بائیک بھگا لے گیا۔ کوٹ اور سیاہ ٹائی اُتار کر سائیڈ ڈرم میں ڈال کے اُس نے گریبان کے بٹن کھول کر رَف سے تاثر دیا۔ اَب وہ سیاہ شرٹ اور سیاہ ڈریس پینٹ میں ملبوس تھا۔ اِدھر اُدھر دیکھ کر تھوڑی سی مٹی ہاتھوں پر لگا کر سیاہ پینٹ پر لگاتے ہوئے اُس نے سُرخ دروازہ مکمل کھولا اور اندر قدم رکھا۔ اندر طویل راہداری میں نیم اندھیرا تھا مگر آخر میں نظر آتی روشنی پر تیز قدموں سے آگے بڑھ کر جیسے ہی سامنے سے آتے ورکرز کو دیکھ کر سائیڈ پر ہونے لگا پیچھے کمرے سے نکلتا آدمی اُسکو دیکھ کر چونکا۔

"اُوئے! کون ہو تم؟" اُس اُونچی آواز پر دو آدمی اور وہاں نا سمجھی سے آئے۔

"آپ کا آڈر سَر۔ باہر کوئی آڈر لینے کال کے باوجود نہیں آیا۔" ہاتھ میں تھام رکھا بیگ سامنے کر کے اُس نے اُن بندوں کو پُرسکون کر دیا۔

"احمر سَر کو کہو کہ کھانا آگیا ہے۔" جِس نے اُسے روک کر سوال کیا تھا اُس نے عقب میں کھڑے بندے کو اِشارے سے جانے کو کہا۔

"یہ یہاں ترتیب سے رکھ دو۔" سائیڈ کمرے کا دروازہ کھول کر اُسکو اندر طویل میز پر کھانے سَرو کرنے کو کہتے ہوئے اُس نے والٹ سے پیسے نکال کر اُسکی جانب بڑھائے جسے تیزی سے تھام لیا گیا۔

"اُوکے سَر!" جلدی سے کہہ کر اُس آرڈر کو کھول کر وہ سب کچھ بڑی ترتیب سے ہر کرسی کے سامنے ٹیبل پر رکھنے لگا۔ ایک مُحتاط نظر دروازے پر کھڑے بندے پر ڈال کر اُس نے پتلا، بے حد باریک سیاہ رنگ کا بگ نکال کر سیاہ ڈسپوزیبل باول کے ہینڈل کے اندرونی حصّے میں لگا دیا۔

"ہو گیا!" آہستگی سے کہہ کر پلٹتے ہوئے وہ جِن قدموں سے گیا تھا اُنہی قدموں سے واپس آگیا۔ کوٹ کو یونہی جھاڑ کر پہنتے ہوئے اُس نے ٹائی کوٹ کی جیب میں ڈالی اور پھر تیز قدموں سے بائیک کی جانب آیا۔ فیکٹری کے عقب میں جنگل تھا۔ اُسے اُس فیکٹری کے مدار میں ہی رہ کر وہاں کی گفتگو سُننی تھی تبھی بائیک بھگا کر جنگل میں کھڑا کر کے ایئر پوڈز لگا کے سیل فون آنکھوں کے سامنے کیا جہاں ریکارڈنگ چل رہی تھی۔

"آج یہ دعوت کِس خوشی میں ہے؟" اندر بہت سے مردوں کے بولنے کی آوازیں آرہی تھیں تبھی کسی ایک نے قدرے اُونچی آواز میں پوچھا۔

"یہ تو احمر سَر ہی بتا سکتے ہیں۔" مُسکراتی آواز اُسی شخص کی تھی جس نے اُسکو آرڈر کے پیسے دیئے تھے۔

"نیا پروجیکٹ جو شروع ہوگا اُس پر ہمیں ڈبل پیمنٹ ملنے والی ہے تو جب تک یہ مکمل نہیں ہو جاتا کسی نے بھاپ بھی نہیں نکالنی مُنہ سے۔" وہ شخص یقیناً احمر تھا۔ اُس مُسکراتے لہجے پر ہیلمٹ پہنے شخص نے شیڈ اُوپر کیا۔ اَب کے سنجیدہ، شہد رنگ آنکھیں بہت نمایاں تھیں۔

"سَر! یہ سب اِتنی راز داری سے کیوں ہو رہا ہے؟ میڈیا تک اِس بار نہیں جانتا اِس پروجیکٹ کے بارے میں؟" کھانا کھاتے ہوئے ایک شخص نے سر سری سا سوال اُٹھایا۔

"مُدثر صاحب نہیں چاہتے کہ میڈیا انولو ہو کیونکہ یہ پروجیکٹ وہ خاص لوگوں کے لیئے بنا رہے ہیں تو نہیں چاہتے کہ اُنکی نیکی منظر پر آئے۔" اُس احمر نامی شخص کی بات پر اُن سنجیدہ آنکھوں میں تمسخرانہ لہر دوڑی۔

"مال اِس بار مین فیکٹری سے بھی نہیں جا رہا تو کہاں سے جا رہا ہے؟" وہ سوال کیا گیا جس کے لیئے وہ شخص یہاں آیا تھا اور پھر اُس احمر نامی بندے نے جو کچھ مُسکراتی آواز میں کہا اُس پر ہیلمٹ میں سے جھانکتی گہری دلکش آنکھوں میں طیش اُٹھنے لگا۔ ائیر پوڈز کان سے نکال کر اُس نے بائیک کو کِک ماری اور ایک بار پھر اُسکی بائیک ہواؤں سے باتیں کرتی آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ راستے میں فوڈ ڈلیوری کے پیسے اُس نے کسی بزرگ کو دے دیئے اور کچھ دیر بعد ہی وہ دوبارہ سے **'الرحمت مال'** کی پچھلی پارکنگ میں اپنا بائیک کھڑا کر کے سیڑھیاں چڑھتا ہوا اُوپر جا رہا تھا۔ ہر سوچتا قدم کسی گہری سوچ کی عکاسی کر رہا تھا۔ کوئی لائحہ عمل ترتیب دیتے ہوئے اُس کے قدم جیسے ہی آخری سیڑھی کے پاس بنے ریسٹ روم تک پُہنچے، اُسکی گہری سوچ میں دراڑ آئی۔ چہرہ پھیر کر آواز کی سمت وہاں دیکھا جہاں میزاب رحمت کھڑی سیل فون پر کوئی ضروری بات کر رہی تھی۔

اِس سے پہلے کہ وہ بغیر چاپ کے آگے بڑھتا، اُس پُکار پر چہرہ پھیر کے دوبارہ اُسکو دیکھا جو اُسکو نہ جانے کیوں تعجب اور تفکر سے دیکھتے ہوئے قریب آ رہی تھی۔

"تم ٹھیک ہو؟" اُس سوال پر سیاہ بھنویں ناسمجھی سے اُٹھیں۔

"تم۔۔ تمہیں کہیں چوٹ تو نہیں آئی۔" مزید فاصلہ طے کر کے قبل اِسکے وہ پریشانی سے اُسکا بازو تھامتی، عباس دو قدم تیزی سے پیچھے ہوا۔

"جی! میں ٹھیک ہوں۔" اُسکا ذہن کچھ اور سوچ نہ رہا ہوتا تو ضرور اُس پریشانی کی وجہ بھانپ لیتا۔

"تو پِھر یہ کیا حال کیا ہوا ہے؟" تحیر سے کہتے ہوئے اُس نے عباس کو چونکا دیا۔ چہرہ جُھکا کر اُس نے اپنے کپڑے دیکھ کر بے اِختیار آنکھیں بند کیں۔

"کچھ نہیں! بس اِیسے ہی۔" کوئی بروقت جملہ وہ گھڑ نہیں سکا تبھی چہرہ اُٹھائے بغیر ہاتھ سے کپڑے جھاڑ کر سیدھا ہوا۔ چہرہ جیسے ہی اُٹھا اپنی جانب متوجہ اُن سُرمائی آنکھوں پر ٹھہرا۔ وہ آنکھیں اندر گہرائی میں اُتر کے جان لینے کے درپے تھیں۔

"سچ سچ بتاؤ! کوئی پریشانی تو نہیں ہے۔ تم۔۔۔ مُجھے بتا سکتے ہو۔" آخر میں وہ لہجہ جِس طرح مدھم ہوا، عباس اُسے دیکھ کر رہ گیا۔

"اگر کسی مُشکل میں ہو تو مُجھے بتاؤ۔ میں تمہاری مدد کروں گی۔" اُس مہربان آفر پر عباس کی اُٹھی نگاہ بے اِختیار جُھکی۔ اُن سُرمائی آنکھوں کی شفافیت کا مُقابلہ کرنا آسان نہیں تھا۔

"دیکھو! میرے باڈی گارڈ کی حیثیت سے کوئی بھی پریشر ہو تم پر تو تم پہلے اپنا سوچنا۔ میں پھر سے دُہرا رہی ہوں۔" دوبارہ سے وہی بات بتائی گئی جو نہ جانے کتنی بار اُسکو سُنائی جا چکی تھی۔

"اِیسا کچھ بھی نہیں ہے جیسا آپ سوچ رہی ہیں۔" وہ سمجھ گیا کہ میزاب کو کیا لگ رہا ہے۔ کچھ کہے بغیر عباس نے پینٹ کی جیب سے والٹ نکال کر اُسکا اے۔ٹی۔ایم واپس اُسکی طرف بڑھایا۔

"اِسکی ضرورت نہیں پڑی اور کام ہو گیا۔" اُن سوال مانگتے تاثرات پر اُس نے اپنے سے دھیان ہٹانے کو مطلع کیا۔

"کیسے ہوا؟" اُسکی ناسمجھی جائز تھی۔

"جواد نے اُسکی ہیلپ کی ہے۔ اُسکے کوئی رشتے دار باہر رہتے ہیں تو وہیں اِنتظام کیا ہے۔" اُس وضاحت پر میزاب نے بے اِختیار سُکھ کا سانس لیا۔

"ویسے اُس شخص کو مُلک سے بھیجنا اِتنا ضروری نہیں تھا۔" وہ وجہ جانتا تھا مگر جاننا چاہتا تھا کہ سامنے کھڑی عورت اُس پر اَب کتنا بھروسہ کرتی ہے۔

"ضروری تھا، جان نِثار۔ اقتدار کی جنگ میں ہمیشہ کمزور ہی ظُلم کا شکار ہوتا ہے۔ صادق خان کو اِستعمال کرنے والا شخص اپنی روش سے پیچھے نہیں ہٹے گا تو کیوں ایک مجبور آدمی کو پسنے دیا جائے اِس سب میں۔" اُس تفصیلی جواب پر عباس نے بغور اُن تھکتے تاثرات کو دیکھا۔

"آپ جانتی ہیں کہ صادق خان کو کِس نے اِستعمال کیا؟" اگلے مدہم سوال پر میزاب اپنے کسی خیال سے چونکی۔

"نہیں اور تمہیں بھی اِس معاملے میں کودنے کی کوئی ضرورت نہیں۔" وہ اُسکی تجسس والی فطرت کو سمجھنے لگی تھی تبھی ڈپٹ کر سیڑھیوں کے پاس موجود دروازے کی جانب بڑھ کر دروازہ کھولا۔

"آنا نہیں؟" اُن قدموں کو نہ محسوس کر کے دروازے سے اندر جاتے ہوئے اُس نے پلٹ کر وہیں کھڑے عباس کو دیکھا۔

"مُجھے ایک کال کرنی ہے۔ آپ جائیں۔" نگاہ جُھکا کر نرمی سے کہتے ہوئے اُس نے سیل فون جیب سے نکالا جبکہ میزاب اثبات میں سَر ہلا کر دروازہ بند کر کے چلی گئی۔ وہ وہیں بند دروازے کو دیکھتا رہتا اگر جو کال دوسری جانب سے اُٹھا نہ لی جاتی۔

"میں نے ریکارڈنگ سُن لی۔" جواد کی آواز پر اُس نے نگاہیں پھیر کر دیوار گیر کھڑکی سے باہر دیکھا۔

"اُس آڈیو میں کوئی اِیسی بات نہیں جو اُنکے خلاف اِستعمال ہو سکے۔" جواد کی بات پر عباس نے گہرا سانس لیا۔

"تمہیں ڈی-ایس-پی کِس نے بنایا ہے؟" اُس سنجیدہ سوال پر دوسری جانب جواد ہونق ہوا اور پھر دانت پیس لیئے۔

"تو پھر کیا حکمت ہے اُس آڈیو میں آپ جیسا دانش ور شخص بتانا پسند کرے گا؟" دنت کچکچا کر سوال کیا گیا۔

"ابھی نہیں! آج رات اپارٹمنٹ میں مُلاقات ہوتی ہے۔" کہہ کر اُس نے کال کاٹ کر جواد کو تلملانے پر مجبور کر دیا۔ وہ جانتا تھا اُسکی حالت تبھی مطمئن چہرے کے ساتھ دروازہ کھول کر آفس کی جانب بڑھ گیا۔ اُسے آج رات اپنے گھر جانے کی اِجازت بھی لینی تھی میزابِ رحمت سے کیونکہ مزید وہ دیر نہیں کر سکتا تھا۔ اَب جو بھی ہو دیکھا جائے گا۔

"آج کیسے دو ہفتے بعد اِس غریب خانے کو رونق بخش دی آپ نے؟" کمرے سے باہر نکلتے شجاع کی صوفے پر بیٹھے عباس تک نظر گئی تو مُسکراہٹ دبا کر کہتے ہوئے اُس تک آیا۔ جس نے چہرہ پھیر کے اُسے گھورا۔

"یہ تم ہی ہو نہ جو میرے خلاف احتساب چچا کے کان بَھر رہے ہو۔" اُسکے سوال کے بجائے یقین پر شجاعت تیزی سے اُس تک آیا۔

"کیا مطلب؟ احتساب ماموں نے کچھ کہا آپکو؟" اُسکے چہرے کے تفکر پر عباس نے نفی میں سَر ہلا کر اُسکا شانہ تھپتھپایا۔

"بس ویسے ہی۔ جانتے ہو نہ تم کتنے جلد باز ہیں۔" اُسکی بے پرواہی شجاعت کے لیئے یکسر نئی تھی۔ ٹھیک ہے وہ اُنکے خاندان میں واحد اِیسا شخص تھا جسے کوئی کچھ بھی کہہ کر دبا نہیں سکتا تھا مگر وہ اِیسے بے پرواہی نہیں دِکھاتا تھا۔

"کچھ پلان کر لیا ہے کیا آپ نے؟" اُسکے مطمئن انداز شجاع کو بتانے کو کافی تھے کہ عباس جان نِثار دُشمن پر پہلی مُہلک ضرب لگانے کے لیئے بالکل تیار تھا۔ قبل اُسکو عباس جواب دیتا، باہر قریبی دروازے سے پاس ورڈ کھولے جانے کی آواز آئی اور پِھر جواد اندر آیا۔

"اسلام علیکم!" شجاعت تیزی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

"وعلیکم اسلام، کیسے ہو شجاع؟" جواد نے آگے آکر اُسکا کندھا تھپکا۔

"میں بالکل ٹھیک۔ یہ آپ دونوں کا آج یہاں ٹپک پڑنا اِتفاق نہیں ہو سکتا۔" اُسکے مشکوک انداز پر اُن دونوں نے ایک ساتھ اثبات میں سَر ہلایا۔

"میں نے سُنا ہے کہ عباس تمہیں کُھڈے لائن لگا چُکا ہے۔" جواد کہاں دوپہر والا بدلا بُھول سکتا تھا جبکہ شجاعت کا مُنہ بنا تیزی سے کُھلا۔ عباس نے اُسکے کندھے پر تھپڑ مارا۔

"لگائی بُجھائی کے بعد بجائے کمرے میں آجانا۔" اُٹھ کر عباس اپنے کمرے کی جانب بڑھا جبکہ شجاعت نے دانت پیسے۔ ظاہر ہے وہ اُسکے سامنے کوئی بھی پلان بنا کر اُسے شامِل نہیں کر سکتا تھا۔ چھوٹا ہونا بھی بڑی مُصیبت تھی۔ یہی جانتے بوجھتے دَاجی نے اُسے یہاں بھیجا تھا۔

سٹڈی کا دروازہ بند کر کے جواد اُسکی جانب بڑھا جو سفید بورڈ پر سُرخ مارکر سے جُھک کر کچھ لکھ رہا تھا۔ وہ سٹڈی بالکل خالی تھی۔ صوفے، کرسیوں اور ٹیبل کے علاوہ وہاں سٹڈی کے نام پر ایک کتاب بھی نہیں تھی۔ یہ اُسکی بلوچستان والے گھر سے یکسر مُختلف سٹڈی تھیں۔ یہاں کتابوں کے بجائے ایک دیوار پر جگہ جگہ اخبار کے تراشے اور مُختلف کاغذات چسپاں تھے جِن میں بہت اہم معلومات درج تھیں جبکہ سٹینڈ کے اُوپر سفید بورڈ پر آگے کے لائحہ عمل کے بارے میں نہ جانے کیا کچھ لکھا ہوا تھا اور اِس سب سے ایک بات صاف ظاہر تھی کہ عباس جان نِثار کا دُشمن پر چڑھائی کرنے کا ایک ایک عمل پہلے سے طے شُدہ ہے۔ ہر چال اُسکے ذہن میں پہلے سے ترتیب پا چکی تھی۔

"تو یعنی ہمیں اُس ناقص میٹیریل والی فیکٹری پر چھاپا مارنا ہے؟" جواد نے اُسکے ساتھ آکر کھڑے ہوتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھا۔

"صرف چھاپا مارنے سے کچھ نہیں ہو گا۔ بات دے دِلا کر ختم ہو جائے گی۔ ہمیں میڈیا کو اِنولو کرنا ہے۔ کاشف اور مُدثر بزنجو جس طرح ایڑھی چوٹی کا زور لگا کر میڈیا کو بھنک نہیں پڑنے دینا چاہتے تو لگتا ہے معاملہ کافی سنجیدہ ہے۔ یہ اُنکے لیئے بہت بڑی بات لگ رہی ہے۔" عباس کے سوچتے انداز پر جواد نے بھی چونک کر سَر ہلایا۔

"تو تم اُنکی تباہی سے پہلے جگ ہنسائی چاہتے ہو۔" جواد کے مُسکراتے اِستفسار پر عباس نے کندھے اُچکائے۔

"کام اِیسے کرنے ہی نہیں چاہیئے جو ذلت اور جگ ہنسائی کا موجب بنیں۔" اُسکی پہلو تہی کمال تھی۔

"اور اِس سب میں تمہاری باس کا کیا ردِ عمل ہو گا؟" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد جواد نے کہتے ہوئے اُسکو چونکا دیا۔

"میں نے کہا نہ میرے اِنتقام میں عورت شامِل نہیں۔ اُنکا مُدثر اور کاشف بزنجو کے کاروبار سے کوئی واسطہ نہیں۔" اُسکے مدلل جواب پر جواد نے چونک کر اُسکے سنجیدہ ہوتے چہرے کو دیکھا۔

"فیملی بزنس ہے یہ بزنجو خاندان کا۔ یہ تو میزابِ رحمت نے اپنے باپ کی کرسی سنبھالی ہے ورنہ ہاشم بزنجو کی پاور آف اٹرنی اُسی کے پاس ہے۔ مت بُھولو کہ وہ بزنجو خاندان کا حصّہ ہے۔" جواد بہت کچھ باور کروانا چاہتا تھا تبھی عباس نے چہرہ پھیر کر اُسے دیکھا۔

"مُجھے تم میرے مقصد پر فوکس کرنے دو گے؟" اُسکی باتوں کو نظر انداز کر کے جِس طرح عباس نے تپ کر کہا جواد نے ٹھٹک کر اُسے بغور دیکھا۔

"میزابِ رحمت کا ذکر تمہیں تمہارے مقصد پہ فوکس کیوں نہیں کرنے دے رہا؟" جواد کے اگلے مشکوک سوال پر عباس نے کرنٹ کھا کر تحیر سے اُسکو دیکھا۔

"تمہارا دماغ تو دُرست ہے؟" جِس طرح بِدک کر اُسکا لہجہ سخت اور تیز ہوا جواد تیزی سے اُسکی پُہنچ سے دُور ہو گیا۔ جانتا تھا عباس اُسکا گلا بھی دبا سکتا ہے۔

"فضول باتوں کے بجائے کام پر دھیان دو۔" سختی سے اُسے جھٹک کر وہ جُھکتے ہوئے سفید بورڈ پر پھر سے کچھ لکھنے لگا۔

"دے لیتے ہیں۔" ڈھٹائی سے دانتوں کی نمائش کرواکر وہ ٹیبل پر پڑی فائلوں کی جانب بڑھا جن میں بزنجو خاندان کے ہر سیاہ اور سفید کا دفن کیا گیا حساب تھا۔

"تم کل ہمارے ساتھ ہو گے؟" فائل سے نظر اُٹھا کر جواد نے کل کی ریڈ کے بارے میں جاننا چاہا۔

"تمہیں پولیس والا کس نے بنایا ہے؟" پلٹے بغیر بڑی ہی سنجیدگی سے ہر بار کا پوچھا جانے والا سوال آیا۔

"سی-ایس-ایس کیا ہے میں نے۔" جواد نے رعب جھاڑنا چاہا۔

"جی اور میرے ساتھ ہی کیا تھا پھر بھی یہ حالات ہیں۔ اِتنا بے تُکا سوال، سیریئسلی!" اَب کے پلٹ کر جواد کو تلملانے پر مجبور کر دیا۔

"تم دوست ہو تو دُشمن کی کیا ضرورت ہے۔" دانت کچکچا کر اُس نے عباس کو مُسکرانے پر مجبور کر دیا۔

"جان کر خُوشی ہوئی۔" چہرہ واپس پھیر کر بہت مُشکل سے عباس نے مسکراہٹ ضبط کی۔ جواد نے اِردگرد دیکھ کر پاس پڑا کُشن اُٹھا کر پوری قوت سے اُسکی جانب پھینکا جِسے پلٹے بغیر ہاتھ فضا میں بلند کر کے نہایت سہولت سے کیچ کر لیا گیا۔

"نشانہ بھی کچا ہے۔" سائیڈ صوفے پر کُشن رکھ کر اُس نے جواد کو ہنسنے پر مجبور کر دیا۔

"تُجھ سے کوئی نہیں جیت سکتا۔" اُسکو ہار تسلیم کرنی پڑی۔ اُسکے سامنے عباس جانِ نثار تھا۔ جواد کو سارا فول پُروف پلان پھر سے اچھی طرح باور کروا کر وہ رات گہری ہونے سے پہلے اپنے اپارٹمنٹ سے واپس قصرِ بزنجو چلا گیا تھا۔

کانفرنس روم میں وہ اہم میٹنگ میں تھی جب تیزی سے دروازہ کھول کر کائنات اندر آئی۔ اُسکے چہرے پر جو بدحواسی اور ہوائیاں اُڑی ہوئی تھیں اُس پر میزاب نے چونک کر اُسکو دیکھا اور لیپ ٹاپ سے نظریں ہٹا کر ڈائس کے پاس سے اُس تک آئی۔

"کیا ہوا، مِس کائنات؟" اُسکو اضطراب سے باقی سٹاف کو دیکھتا پر کر میزاب شیشے کا دروازہ کھول کر باہر راہداری میں لے آئی۔

"میم! آپ کو خبریں دیکھنی چاہیئے۔" کائنات کی پریشان بات پر اُس نے کوٹ کی جیب سے سیل فون نکال کر آنکھوں کے سامنے کیا اور چونک گئی۔ فون میٹنگ میں ہونے کی وجہ سے بند تھا اور اَب اُس پر آتی ہاشم بزنجو، مُدثر اور کاشف بزنجو اور اِتنے سارے میڈیا پرسنز کی لاتعداد مِس کالز آتے دیکھ کر ٹھٹکی۔ اُسکا بہت سے میجر میڈیا آوٹ لیٹ سے رابطہ تھا۔ کئی پروگرامز میں وہ چیف گیسٹ جا چکی تھی۔ بہت سے اکنامک فورمز پر اُسکی میڈیا سے بات چیت ہوتی تھی تبھی اُسکو بہت سوں کے ساتھ رابطے میں رہنا پڑتا تھا۔ سب کو نظرانداز کر کے اُس نے ہاشم بزنجو کو کال مِلائی جو پہلی بیل پر ہی اُٹھالی گئی۔

"اسلام علیکم! میں میٹنگ میں م۔۔۔" پھر سے اِیسا ہوا کہ اُسکے سلام کا جواب دیئے بغیر، اُسکی مُنقطع کر کے ہاشم بزنجو اپنی کہنے لگے۔

"تمہیں کب سے سب کالز کر رہے ہیں۔ لاپرواہی کی حد ہوتی ہے، میزاب۔" اُنکے سخت لہجے پر ایک پَل کو وہ ٹھٹکی۔ اِیسا نہیں تھا کہ اُنہوں نے اُس سے کبھی سختی سے بات نہیں کی تھی۔ جب بھی شدید پریشانی یا مُشکل ہوتی تھی، وہ اِسی سخت لہجے میں اُس سے مُخاطب ہوتے تھے۔

"سب خیریت؟" تکرار ترک کر کے اُس نے آہستگی سے کہا۔

"مُدثر کے آفس پر پروسیکیوشن کی ریڈ ہوئی ہے۔" اُنکی اگلی بات پر میزاب نے پیشانی سہلائی۔

"اُنکے پاس اُسکے خلاف وارنٹ تھا؟" اُسکی اگلے سوال پر ہاشم بزنجو جو کچھ کہنے لگے تھے، خاموش ہو گئے۔

"تھا مگر کیا یہ اہم ہے؟ جلدی سے پروسیکیوشن آفس جاؤ۔ میڈیا نے اِتنا ہنگامہ مچا رکھا ہے کہ میں اور کاشف سامنے نہیں آسکتے۔" اُنکی اگلی بات پر میزاب نے گہرا سانس لیا۔

"ریزن کیا ہے ریڈ کا؟" اُسے اہم سوال کرنے ہی تھے کیونکہ ظاہر ہے اِس معاملے کو بھی اُسی نے سنبھالنا تھا۔

"فلائی اُوور کے لیئے ناقص مال کا اِستعمال کرنے کے اِلزام پر۔" اُنکی وضاحت پر میزاب کائنات کو اندر کانفرنس روم میں جانے کا اِشارہ کر کے خود چلتی ہوئی راہداری کے آخری سِرے تک آئی اور بے اِرادہ کھڑکی سے نیچے جھانکا۔ نیچے پارکنگ کے پاس اور مال کی مین اِنٹرنس کے سامنے میڈیا کے لوگوں کے جمِ غفیر کو دیکھ کر اُسے معاملے کی سنگینی کا بہت اچھے سے اندازہ ہو گیا۔ کچھ سوچ کر اُس نے تیزی سے اپنے وکیل کو کال کر کے اُسے ساری صورتحال سے آگاہ کر کے پہلے مُدثر سے مِلنے کا کہہ کر کال مُنقطع کی تبھی کاشف بزنجو کی کال آنے لگی۔

"میں نے سُن لیا ہے، دادا جان سے۔" پیچھے سے آتا عباس اُس آواز پر ٹھہر کر اُس تک آیا۔

"تو پھر تم نے ابھی تک کچھ کیا کیوں نہیں؟" دوسری طرح کاشف بزنجو کا اضطراب وہ سمجھ سکتی تھی۔

"میں میٹنگ میں تھی اور مجھے ابھی اطلاع ملی ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں میں نے اپنا وکیل بھیجا ہے مُدثر کی طرف اور میں۔۔۔" وہ جو اپنی بات مکمل کرنے لگی تھی، کاشف بزنجو کے یک دَم چیخ اُٹھنے پر بے اِختیار سیل فون کان سے پرے کیا۔

"تماشا دیکھنے کے بجائے کوئی عملی کردار ادا کرو۔ اپنے کنیکشن کام میں لاؤ۔ میڈیا جو ہر جگہ بھونک رہا ہے اُسکو کوئی ہڈی دے کر خاموش کرواؤ۔" اُنکے تیزی سے کہے جانے پر میزاب کی سنجیدگی بڑھنے لگی۔

"مُجھے ابھی اطلاع ملی ہے، چاچو اور جو کچھ میرے بس میں ہوگا ہمیشہ کی طرح میں کروں گی مگر مُجھ پر چلانے کے بجائے آپ بھی ہاتھ پیر ماریں۔" سختی سے کہہ کر اُس نے کال مُنقطع کر دی۔ یہ اُسکے لیئے غیر معمولی نہیں تھا مگر کرائیسز کے وقت میں بزنجو خاندان تحمل اور پھونک پھونک کر قدم اُٹھانے کے بجائے یونہی میزاب پر چڑھائی کرتے تھے کیونکہ اُسی کے اِختیار میں سب کچھ تھا۔ وہی ہر چھوٹی بڑی باریکی کو جانتی تھی اور وہی واحد تھی جو کرائیسز میں عقل اور سمجھ بوجھ کو بیدار کیئے رکھتی تھی۔ ابھی بھی اُسے ہی کچھ کرنا تھا۔ کچھ سوچ کر جیسے ہی وہ پلٹی، پیچھے کھڑے عباس کو دیکھ کر اُسکی ہلکی سی چیخ بے ساختہ تھی۔

"ایم سوری!" بوکھلا کر پیچھے ہوتے عباس کو اِس کی توقع نہیں تھی۔

"اِٹس اُوکے!" چہرے پر دائیاں ہاتھ رکھ کر وہ اُسکے برابر سے گُزر کر اپنے آفس میں آئی اور تیزی سے بیگ اُٹھا کر واپس لفٹ کی طرف تیز قدموں سے بھاگی۔ اُسکی عُجلت عباس جان نِثار کی سمجھ سے باہر تھی پھر بھی وہ تیز قدموں سے اُسکے پیچھے ہولیا۔

"نیچے میڈیا ہے، باس!" میزاب کو بیسمنٹ پارکنگ کا بٹن دباتے دیکھ کر آہستگی سے اطلاع کی۔

"میں جانتی ہوں۔" نرمی سے کہا گیا۔ وہ جانتی تھی سب مین اینٹرنس اور باہر کی پارکنگ میں ہوں گے لیکن زیادہ تر میڈیا پرسنز جِن کا کام ہی کھوج میں رہنا ہوتا تھا وہ بیسمنٹ پارکنگ لاٹ تک بھی پُہنچ جاتے تھے۔ ابھی بھی لفٹ کے کُھلنے کی آواز پر دس بارہ رپوٹرز ہاتھوں میں کیمرے، سٹینڈ لیئے تیزی سے بھاگ کر اُس تک آئے۔ عباس نے آگے

آ کر اُن سب کو ہاتھ سے فاصلے پر ہونے کا اِشارہ کیا۔ میزاب کے آگے بڑھنے کے باوجود اُس پر سوالوں کی بوچھاڑ ہونے لگی مگر اُس نے کسی کو جواب نہیں دیا۔ جانتی تھی باہر اِس سے بڑا جمِ غفیر ہے وہیں سب کو ایک ساتھ بتا کر جائے گی۔ اُسکے باہر نکلتے ہی سب میڈیا والوں نے دھاوا بول دیا۔ سیکورٹی نے عباس کی ہدایت پر پہلے ہی گُزرنے کا راستہ بنا کر اُسکے گِرد ایک قطار بنالی تھی مگر پھر بھی میڈیا والے بہت زیادہ تھے۔

"میم! آپ اِس بارے میں کیا کہنا چاہیں گی؟" ہر طرف سے سوالوں کی برسات ہونے لگی مگر وہ تیز قدموں سے آگے بڑھتی گئی۔

"ناقص مال کے اِستعمال کی آپکو خبر تھی؟" ایک اور سوال پر میزاب کے قدم ٹھہرے۔ سب چونک کر سیدھے ہوئے یعنی وہ جواب دینے کے لیئے تیار تھی۔

"آپ اور مُدثر صاحب کا اِس غبن میں برابر کا حصّہ تو نہیں؟" مزید سوال آتے گئے۔

"آپ کے پاس پاور آف اٹرنی ہے ہاشم بزنجو کی تو یہ ممکن نہیں کہ آپکے عِلم کے بغیر کچھ بھی ہو۔" مزید سوال آنے لگا اور وہ رُک کر تحمل سے سُنتی گئی۔

"مُجھے بھی آپ لوگوں کی طرح آج ہی معلوم ہوا ہے۔ میں ابھی پراسیکیوشن آفس ہی جارہی ہوں اور اصل حقائق وہیں جا کر معلوم ہوں گے۔" نرمی سے کہہ کر وہ آگے بڑھی۔

"آپ کو کیا لگتا ہے اِس معاملے کو بزنجو اِنڈسٹریز دبا سکتی ہے۔ سب کچھ تو میڈیا کے سامنے آگیا ہے۔ لائیو ناقص مال کی شپمنٹ دِکھائی گئی ہے۔" اگلے رپورٹر کی بات بہت وزنی تھی۔ میزاب نے چہرہ پھیر کر سائیڈ پر کھڑے آدمی کو دیکھا۔ یہ وہی شخص تھا جو ہمیشہ میزابِ رحمت کے بارے میں منفی خبروں کو ہائی لائٹ کرنے میں پیش پیش رہتا تھا۔

"میں یہی جاننے کے لیئے جا رہی ہوں کہ اُس لائیو ریڈ میں کتنی سچائی ہے۔ اگر یہ سچ ہوا تو اِسکی مکمل ذمہ داری لی جائے گی۔ یہ کوئی چھوٹا معاملہ نہیں ہے کہ اِسے پیسے سے دبا دیا جائے۔ یہ اِنسانی جانوں کا معاملہ ہے۔ اگر یہ ریڈ نہ ہوتی اور فلائی اُوور ناقص مال سے بن جاتا تب بزنجو اِنڈسٹریز کا دیوالیہ نکل جاتا تو آپکو نہیں لگتا کہ رپورٹرز کو پہلے فیکٹس پر کام کرنا چاہیئے۔" اُسکے مدلل جواب پر بھانت بھانت کی بولیاں یَک دَم بند ہوئیں۔ ٹی-وی کے آگے جَم کر بیٹھے ہاشم بزنجو کے چہرے پر بڑی گہری، فاتحانہ مُسکراہٹ دوڑ گئی جبکہ اُسکے آگے، قدرے سائیڈ پر کھڑے باڈی گارڈ کی سنجیدگی میں اضافہ ہونے لگا۔ میزاب کے آگے بڑھنے پر اُس نے پارکنگ میں کھڑی گاڑی کا دروازہ کھولا۔ میزاب کے اندر بیٹھتے ہی سیاہ گاڑی گولی کی رفتار سے سے **'الرحمت مال'** کی بلند و بالا عمارت سے نکل گئی۔

صُبح سے شام اور شام سے رات ہو گئی اُسے بغیر کچھ کھائے، پیئے، ٹِک کر بیٹھے پروسیکیوشن، میڈیا اور پولیس سے مغز ماری کرتے ہوئے۔ پولیس کے پاس مُدثر شیراز کے خلاف پکے ثبوت تھے۔ لے دے کر شاید بات دَب جاتی اگر جو میڈیا اِنولو نہ ہوتا۔

"آپ کو چاہیئے کہ جو میڈیا کو ٹِپ میں ریکاڈنگ ملی ہے اُسکو ٹریس کریں۔" وکلاء کو ہدایات دے کر وہ پولیس سٹیشن کے کامن روم میں بیٹھ کر پولیس اہلکاروں سے بات کرتے ہوئے جواد کو چونکا گئی۔ جواد نے چہرہ پھیر کر برابر سنجیدہ بیٹھے عباس کو دیکھا جسکے چہرے سے کچھ بھی سمجھنا ناممکن تھا۔

"آپ کہنا کیا چاہ رہی ہیں؟" اِنسپکٹر کی بات پر اُس نے مُسلسل بجتا فون سائیڈ پر رکھ کر فائلز بند کیں۔

"ساری بات ریکارڈنگ سے شروع ہوئی ہے۔ کیا یہ جاننا پولیس کا کام نہیں کہ وہ کیسے حاصل کی گئی۔ کیونکہ غیر قانونی طریقے سے حاصل کیئے گئے ثبوت کی عدالت میں کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔" اُسکے مدلل لہجے پر عباس نے پہلو بدلا۔ اُسے نہیں معلوم تھا کہ اِس معاملے میں بزنجو خاندان کے مَردوں کے بجائے میزابِ رحمت یوں آگے آگے ہو گی۔

"اِس بارے میں ہم معلوم کروا چکے ہیں۔" عباس کے کہنی مارے جانے پر اُس نے پلان کی ہوئی بات تیزی سے دُہرائی۔

"تو کیا معلوم ہوا؟

"یہی کہ رپورٹرز نے اپنے ریسورس سے اُس آڈیو تک رسائی حاصل کی اور ریڈ میں شامل ہوئے۔" جواد کے جواب پر میزاب نے سامنے پڑی فائل پر آہستگی سے ہاتھ پھیرا۔

"رپورٹرز کے ریسورس کو تو چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔" خاموش بیٹھے عباس کے ٹکڑا لگانے پر میزاب نے چونکے بغیر اثبات میں سَر ہلایا اور کلائی پر بندی گھڑی دیکھ کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں چلتی ہوں۔" اُسکے کھڑے ہونے پر عباس بھی اپنی کرسی چھوڑ کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ اُسے لگا اَب گھر ہی میزابِ رحمت کو جانا ہو گا تبھی گاڑی میں بیٹھنے سے قبل تصدیق چاہی گئی۔

"نہیں! فیکٹری جانا ہے پہلے۔" اندر بیٹھنے سے قبل کہا گیا اور کچھ دیر بعد گاڑی اُسی اِنڈسٹریئل ایریا کے باہر کھڑی تھی جِس کے قریب ہم نے ایک موٹر سائیکل سوار کو دیکھا تھا۔ وہی سوار جِس نے ریکارڈنگ میڈیا کو لیک کی تھی۔

میزاب گہرا سانس لے کر باہر نکلی۔ جانتی تھی ابھی سُپروائیزر کے علاوہ سب جا چکے ہوں گے۔ سیل فون بجنے پر اُس نے کر کان سے لگایا اور میں اینٹرنس کی جانب بڑھی۔

"میں ویئر ہاؤس میں جانا چاہتی ہوں۔" اُسکی بات پر پیچھے چلتے عباس کا چونکنا فطری تھی۔

"اور یہ بات سٹاف میں سے کسی کو معلوم نہیں ہو گی۔ آپ گھر جا سکتے ہیں۔" نرمی سے کہہ کر اُس نے کال مُنقطع کی اور دُور، کئی ایکٹر پر پھیلے ہوئے ویئر ہاوسز کی جانب بڑھنے لگی جہاں سُپروائزر چابیاں رکھ کر گیا تھا۔

"آپ یہاں کیا کرنے آئی ہیں؟" وہ زیادہ دیر بے تعلق نہیں رہ سکا۔ ٹیبل سے چابیوں کا گچھا اُٹھاتی میزاب نے نشان زدہ چابی لوہے کے دروازے کے لاک میں لگا کر گُھمائی۔ مخصوص آواز سے تالا کُھلنے پر بڑے دونوں دروازے پکڑ کر ایک دوسرے سے پرے، مُخالف سمتوں میں دھکیل کر اُس نے عباس کو دیکھا جسکی نگاہ اُس پر ہی تھی۔

"کل میڈیا بریفنگ دینی ہے تو سب اپنی آنکھوں سے دیکھنا بہت ضروری ہے تاکہ معلوم ہو سکے جو کہنا ہے وہ دُرست ہے بھی یا نہیں۔" اُسی مخصوص حلاوت سے اپنی کہہ کر وہ اندر چلی گئی جبکہ عباس چند لمحے تک آگے نہیں بڑھ سکا۔ میزاب اندر بڑھ کر ویئر ہاوس میں پڑے سارے مال کو ایک ایک کر کے ہاتھ لگا کر دیکھتی رہی۔ اِتنے بڑے ویئر ہاوس کا اُس نے کوئی ایک کونہ نہیں چھوڑا۔ سائیڈ سے ایک شاپر اُٹھا کر اُس میں تھوڑا سا اُس میں ڈال کر کندھے پر لٹکا رکھے بیگ میں رکھ کر واپسی کے لیئے بڑھی۔ عباس اُس عورت کی ہمت پر حیران ہو رہا تھا۔ صُبح سے اُس نے ایک پَل کے لیئے بھی سکون کا سانس نہیں لیا تھا اور اَب بھی وہ اُتنی ہی شاداب تھی۔ ماتھے پر کوئی بے زاری اور شِکن تک نہیں۔

"تم تھک گئے ہو گئے۔ اپنے گھر جا کر آرام کرو۔" گاڑی کے پاس پُہنچ کر کہتے ہوئے اُس نے عباس کو گہرا سانس لینے پر مجبور کر دیا۔

"کیوں آپ نے پِھر کہیں جانا ہے؟" چابی کے لیئے پھیلائے گئے ہاتھ کو نظر انداز کر کے سنجیدگی سے سوال آیا۔

"ہاں! جدھر ریڈ ہوئی ہے وہاں۔" کہہ کر اُس نے اپنا ہاتھ اُوپر نیچے کیا۔

"بیٹھیں!" دروازہ کھول کر پیچھے ہوتے عباس کو میزاب نے بہت توجہ سے دیکھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح اندر بیٹھنے والے خلا کے اُوپری سِرے پر ہاتھ رکھے ہوئے تھا تاکہ انجانے میں اُوپر ہونے پہ میزاب کا سَر نہ لگے۔ کچھ کہے بغیر وہ اندر بیٹھ گئی۔ پِھر سے اُس سیاہ گاڑی کا خاموش سفر شروع ہو گیا تھا۔ آدھے گھنٹے بعد وہ گاڑی اُس سُنسان اور بند پڑی فیکٹری میں داخل ہوئے جو کسی زمانے میں خوب کماتی ہو گی اور اَب زخمی ہو کر اپنی آخری سانسیں لے رہی تھی۔ عباس نے وہ زنگ آلود، سختی سے جما دروازہ پیچھے دھکیل کر اُسکے اندر داخل ہونے سے پہلے اندر جاتے ہوئے اُسکو حیران کر دیا۔

"آپ یہیں کھڑی رہیں۔ میں اندر سے دیکھ کر آتا ہوں پہلے۔" پلٹے بغیر کہہ کر وہ جیب سے سیل فون نکال کر لائیٹ آن کر کے آگے بڑھ گیا۔ میزاب چند پَل وہیں کھڑی رہی۔ تھوڑی دیر بعد ہی عباس کو واپس آتے دیکھ کر وہ جو پریشان ہونے والی تھی، تشکر کا گہرا سانس لے کر آگے بڑھی۔

"یہاں ریڈ ہو چکی ہے تو احتیاط لازم ہے۔" اُسکی وضاحت پر میزاب نے اثبات میں سَر ہلایا۔ وہ آگے تھی اور عباس اُسکے پیچھے راستے کو روشن کیئے ہوئے تھا۔ اندر وئیر ہاؤس میں آ کر اُس کی نگاہ ٹیبل کے کنارے پر نیچے گِرے سیمنٹ اور بجری کے چھوٹے سے ڈھیر سے ہوتے ہوئے تھوڑے سے سریوں کے بہت چھوٹے ٹکڑوں تک گئی جو یقیناً ریڈ

کے دوران نیچے گر گئے تھے۔ جھک کر اُٹھاتے ہوئے اُس نے سب کچھ ایک اور الگ شاپر میں ڈال کر بیگ میں رکھا اور اُٹھ کھڑی ہوئی تبھی عباس کو کوئی کھٹکا ہوا۔ تیزی سے پلٹ کر دبے قدموں کے ساتھ دروازے سے اندر آکر حملہ ہوتے شخص کو دیکھا اور بروقت پیچھے کو ہو کر زوردار لات گُھما کر اُسکے سینے پر مارتے ہوئے دُور اُچھال کر لکڑی کے ڈھیر پر پھینک دیا۔ لکڑیاں گرنے کی بلند آواز پر کھڑی ہوتی میزاب بوکھلا کر پلٹی۔

"ک۔۔۔ کیا ہوا؟" اِدھر اُدھر اندھیرے میں محتاط نظروں سے دیکھتے عباس سے اُس نے آہستگی سے پوچھا۔

"ہمیں یہاں سے نکلنا ہو گا۔" عباس نے مدہم سا کہہ کر پلٹے بغیر میزاب کی کلائی تھام کر اپنے برابر کیا۔ پھیلتی سُرمئی آنکھوں اور دھڑک اُٹھتے دِل سے اُس نے چہرہ جُھکا کر اُس نرم مگر مضبوط گرفت کو دیکھا اور تبھی اُس فیکٹری کے زنگ آلود بڑے گیٹ نے پوری قوت سے بند ہوتے ہوئے میزاب کو لرز کر اُچھلنے پر مجبور کر دیا۔ لرز کر وہ بے اِختیار عباس کے مزید پیچھے ہوئی۔

"یہ پکڑیں!" اُسکا دھیان ہٹانے کو عباس نے سیل فون اُسکے ہاتھ میں تھما کے کوٹ پیچھے کر کے پینٹ کے ہُک میں اڑاس رکھے سیلنسر لگے پستول کو نکال کر لوڈ کرتے ہوئے میزاب کو رونگھٹے کھڑے کر دیئے۔

"ایک سکینڈ!" عباس نے پلٹ کر اُس لکڑیوں کے ڈھیر سے کراہ کے اُٹھتے شخص کی گردن پر پستول کا بٹ مارتے ہوئے بے ہوش کر دیا۔

"یہ۔۔۔ یہ کہاں سے آیا؟" لہرا کے بے سُدھ ہو کر نیچے گرتے شخص کو اُس نے تعجب سے دیکھا۔

"دروازے سے۔" اُسکے جواب پر میزاب اُسے دیکھ کر رہ گئی۔ ظاہر ہے دروازے سے ہی آیا ہو گا۔ اُس فیکٹری میں کوئی اِیسی کھڑکی تو تھی نہیں جِس سے کود کر اندر آیا جا سکے۔ ایک تنگ سی کھڑکی تھی جو اِتنی تنگ تھی کہ اُس میں

سے با مُشکل کوئی نِکل سکے۔ دروازے کی جانب بڑھتے ہوئے عباس نے خلا میں سے جھانک کر باہر دیکھا جہاں سے کوئی شخص فیکٹری کے اِرد گرد مٹی کا تیل ڈالتا ہوا نظر آرہا تھا اور وہ کیا کرنے والا تھا اِسکی عباس کو خبر تھی۔ اُس آدمی نے عباس کے دیکھتے ہی سر پر پہن رکھی پی۔کیپ اُتاری اور عباس مُٹھیاں بھینچ کر رہ گیا۔ یہ وہی شخص تھا جِسکو اُس نے جواد سے کہہ کر وانٹڈ لِسٹ پر ڈالا تھا۔ شاپنگ مال میں آگ لگانے والا، منظور کرامت کا آدمی۔

"یہ۔۔۔ یہ۔۔۔" وہ فیکٹری پُرانی تھی تبھی میزاب کو کمزور دروازے کی کُنڈیوں کے درمیان لگا رکھا تالا اور زنجیر نظر آئی مگر اُس آدمی تک جیسے ہی نظر گئی، اُسکا دِل ٹھہر گیا کیونکہ وہ آدمی مٹی کے تیل کا خالی ڈبا سائیڈ پر پھینک کر لائیٹر نکال رکھا تھا۔ میزاب نے عباس کا تھام رکھے فون کو دیکھا۔

"جواد کو کال مِلائیں۔" اُس آدمی کے جانے سے قبل عباس اِس دروازے پر زور آزمائی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ نہ جانے باہر اور کتنے لوگ اِنتظار میں ہوں۔ وہ اکیلا ہوتا تو بات کچھ اور ہوتی۔ میزاب نے تیزی سے کانٹیکٹ میں جانے کے بجائے کال لاگ کھولا اور سب سے اُوپر ہی اُسے اُردو میں جواد نام لکھا ہوا نظر آیا۔ وہ جو کال مِلانے لگی تھی اپنا نمبر دیکھ کر ٹھہر گئی۔ اُسکا بھی اُردو میں **'باس لیڈی'** سے سیو تھا۔ کہیں اندر دھڑکن مدغم ہوئی مگر خود کو ڈپٹ کر اُس نے تیزی سے کال مِلا کے سیل فون کان سے لگایا۔

"ہاں بھئی۔۔۔" جواد کی بات کو بیچ میں ہی مُنقطع کر دیا گیا۔

"میں میزاب رحمت بات کر رہی ہوں۔ آپ اُس فیکٹری میں آجائیں جہاں ریڈ کیا تھا آپ لوگوں نے۔" اُس سنجیدہ آواز پر تھانے میں بیٹھا جواد تیزی سے اُٹھا۔ اُسے عباس کے فون سے اِس عورت کی آواز کی اُمید نہیں تھی۔ مسئلہ گھمبیر ہو گا ورنہ عباس اپنی چیزوں کے معاملے میں بہت ریزرو تھا۔

"جی! میں آرہا ہوں۔" کہہ کر کال مُنقطع کرتے ہوئے وہ تیزی سے باہر کو بھاگا۔ کال مُنقطع کر کے میزاب کھانس کر پیچھے ہوتے ہوئے سیل فون کلچ میں ڈالا۔ باہر یقیناً لائٹر سے آگ لگائی جاچکی تھی۔ دَھڑا دَھڑ جلتی لکڑیوں کے شور پر عباس نے میزاب کو مزید پیچھے کو ہونے کا کہہ کر دروازے کا نشانہ باندھ کر پے در پے فائر کر دیئے۔ نتیجہ حسبِ مَنشاء نِکلا۔ اُس دروازے کے ہینڈل کمزور ہونے کی وجہ سے ٹوٹ کر ایک دوسرے سے جُدا ہو گئے۔ پوری قوت سے لات مار کر سخت دروازہ مُخالف سمتوں میں دھکیل کر میزاب کا ہاتھ پکڑ کے اُسے لے کر باہر نکلنے لگا مگر میزاب کی مزاحمت پر اُسکو دیکھا جو پلٹ کر پیچھے دیکھ رہی تھی۔

"وہ۔۔۔وہ آدمی۔" اُس کی مدھم آواز پر عباس نے گہرا سانس لے کر باہر جھانکا۔

"ہمیں یہاں سے نکلنا ہے، باس۔ باہر نہ جانے کتنے لوگ ہوں اِیسے میں آپکو۔۔۔" اُسکی بات بیچ میں ہی رہ گئی کیونکہ میزاب نے اُسکا ہاتھ ایک جھٹکے سے جھٹک کر عباس کو تحیرزدہ کر دیا۔ اُسکو کچھ نا سمجھنے کا موقعہ دیئے بغیر تیزی سے اُن لکڑیوں کے ڈھیر کی جانب اندازے سے بھاگی۔ اندھیرے میں پاؤں رپٹنے پر وہ پورے قد سے جیسے ہی زمین بوس ہوئی، عباس تیزی سے اُسکی جانب لپکا جو سریوں کے چھوٹے ٹکڑوں کے ڈھیر پر گِرنے کے باوجود اُٹھ کر اُس بے ہوش پڑے آدمی تک گئی اور قبل اِسکے اُسکو بازو سے پکڑ کر اُٹھاتی۔ عباس نے آگے بڑھ کر اُسے بازو سے کہنی سے تھام کر کھڑا کیا۔

"آہ!" اُسکے کراہنے پر عباس نے چونک کر اپنے ہاتھ پر کچھ گیلا محسوس کر کے اُسکا ہاتھ تیزی سے چھوڑ دیا۔ یقیناً اُسے چوٹ آئی تھی۔

"سائیڈ پہ ہوں!" جھک کر اُس آدمی کو پیچھے سے پُشت پر ڈال کر اُس نے دوسرا ہاتھ میزاب کے سامنے پھیلایا۔ کُھلے دروازے سے تیزی سے بھڑکتے آگ کے شعلوں کی روشنی میں میزاب نے چہرہ جُھکا کر اُس مضبوط پھیلے ہاتھ کو

دھڑک اُٹھتے دِل سے دیکھا۔ ابھی، اِس وقت دھڑک اُٹھتے دِل کا تذکرہ بے تکی اور تعجب انگیز بات تھی۔ اُسکو یونہی اپنے پھیلے ہاتھ کو تحیر سے دیکھتے پا کر عباس نے خود ہی جُھک کر اُسکا ہاتھ تھام لیا۔ یہ پہلی بار تھا کہ اُسکے ہاتھ میں میزاب رحمت کا ہاتھ آگیا۔ پوری کائنات کی گردش تھم گئی۔ وہ ہمیشہ اُسکو بازو، کلائی، کہنی یا پھر شانوں سے تھام کر بچاتا، اپنے روبرو کرتا آیا تھا۔ باہر آکر اُس نے مُحتاط نظر اطراف میں ڈال کر دُور کھڑی گاڑی کو دیکھا اور تبھی فضا میں پولیس سائرن کی آواز گونجی۔ عباس نے تیزی سے اُس آدمی کو نیچے اُتار کر میزاب کا ہاتھ چھوڑا۔ کالر سے ٹائی کھینچ کر اُس بے ہوش پڑتے آدمی کے بازو اُسکی پُشت پر باندھ کر جھاڑیوں کی اُوٹ سے نظر آتی جیپ کی جانب بھاگا۔ اُسے وہاں وہی آدمی کھڑا نظر آگیا تھا جو سائرن کی آواز سُن کر دوسری جانب دیکھنے گیا تھا۔

"جان نِثار!" میزاب نے اُسکو آہستگی سے پُکارا مگر وہ اَن سُنی کیئے بغیر جُھکتے ہوئے اُس جیپ کے پاس گیا اور دوسری جانب سے گُھوم کر جیسے ہی سامنے آیا۔ پلٹ کر جیپ کا دروازہ کھولتا شخص، عباس کو دیکھ کر ٹھٹکا اور پھر تیزی سے اندر بیٹھنے لگا۔ عباس نے آگے بڑھ کر دروازہ پیچھے کر کے مارا۔ بُری طرح بازو لگنے پر کراہتے ہوئے وہ اندر نہیں بیٹھ سکا۔ گردن سے پکڑ کر عباس نے اُسکا سر پوری قوت سے سٹئیرنگ وہیل پر دے مارا اور پھر اُسکی چیخ وپُکار کو نظر انداز کر کے متواتر مارتا گیا۔ اُسکے بے سُدھ ہونے پر سیٹ پر دھکیل کے اُسکے جیبیں ٹٹول کر سیل فون نکالا۔ جیپ کا شیشہ بند کرتے ساتھ اُس نے اگنشن سے چابی نکال کر ہاتھ میں لیتے ہوئے دروازہ بند کرتے ہی لاک لگا دیا۔ اُسکے واپس آنے تک پولیس کی گاڑیاں پُہنچ چکی تھی۔ اُسے آتے دیکھ کر جواد تیزی سے اُس تک آیا۔

"یہ سب کیا ہے؟" اُسکے سنجیدہ اِشارے کو عباس اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ اُنکے پلان میں رات کے وقت یہاں آنا نہیں تھا۔

"وہاں جیپ میں وہی آدمی ہے جِس نے مال میں آگ لگائی تھی۔" عباس کی اطلاع پر جواد نے چونک کر کچھ دُور کھڑی جیپ کو دیکھ کر اہلکاروں کو بُلایا جو اُس بے ہوش پڑے آدمی کو پولیس وین میں ڈال رہے تھے۔

"تم کیا کرتے پھِر رہے ہو؟" جواد کے سوال پر اُسے دیکھتے عباس کی نگاہ عقب میں گاڑی کے پاس کھڑی میزاب تک گئی جِس کے چہرے پر تکلیف کے آثار تھے۔ جواد نے اُن ٹھہرتی نظروں کے تعاقب میں پلٹ کر پیچھے دیکھا اور اُسی تیزی سے عباس کو جِسکی سُنہری آنکھوں میں جلتی آگ کی روشنی کے باعث کچھ بھڑکتے دیکھ کر جواد آگے آیا۔

"کیا دیکھ رہے ہو؟" جواد کا لہجہ آہستہ ہوا۔ وہ کچھ جاننا چاہ رہا تھا۔

"یہ عورت بہت عجیب ہے، جواد۔ میں نے اِیسی عورت اپنی پینتیس سالہ زندگی میں کبھی نہیں دیکھی جسے اپنے علاوہ ہر ایک کی پرواہ ہو۔" اُسکے مدہم لہجے میں کچھ چونکا دینے والا تھا۔

"تو؟" اُس نے مزید اُکساتا سوال کیا اور عباس جیسے کسی خواب سے بیدار ہوا۔ ٹھٹک کر اُسکو تادیبی نظروں سے دیکھ کر تیز قدموں سے میزابِ رحمت کی جانب بڑھا۔ جواد بھی اُسکے پیچھے آیا۔

"آپ ٹھیک ہیں؟" عباس کے سوال پر وہ جو چہرہ پھیر کر پولیس اہلکاروں کے ساتھ آتے اُس بُری طرح زخمی آدمی کو دیکھ رہی تھی، چونک گئی۔

"مُجھے کیا ہونا ہے۔ محنت تو ساری تم نے کی ہے۔ جزاک اللہ، خصوصاً آج کے دِن کے لیئے۔" اپنے ساتھ تھک کر، پورا دِن قربان کرتے شخص کو وہ اِتنا تو کہہ ہی سکتی تھی۔ عباس نے پیشانی سہلا کر نگاہ اُس چہرے سے پھیر لی جو اُلجھانے لگا تھا۔

"آپ مُجھے ٹھیک نہیں لگ رہیں۔" اُسکی بات پر میزاب نے بغور اُسکو دیکھا جو اُسکی جانب متوجہ نہیں تھا۔

"تھوڑا سا سَر میں دَرد ہے۔" اُسکے یونہی بے پرواہ لہجے پر عباس نے بغیر کچھ کہے گاڑی کا دروازہ کھول کر اُسے اندر بیٹھنے کا اِشارہ کیا۔

"جواد! کل مُلاقات ہوتی ہے۔" پیچھے کھڑا جواد جو سنجیدگی سے عباس کو دیکھ اور سُن رہا تھا۔ سَر ہلا کر اُس سیاہ گاڑی کو وہاں سے نکلتے دیکھنے لگا۔

"آپ لوگ ہاتھ پر ہاتھ دَھرے کیوں بیٹھے ہوئے ہیں؟" رات کے دس بجتے ہی رفعت شیر ازی کی بے چینی بھی سوا نیزے پر پُہنچنے لگی۔

"ہم ابھی کیا کر سکتے ہیں، رفعت؟" کاشف بزنجو کے سوال پر اُنہوں نے تھم کر اپنے باپ کو دیکھا۔

"دیکھ رہے ہیں آپ اِن لوگوں کا اطمینان۔ جب اِنکی اپنی اولاد گرفتار ہوئی تھی تو کیسے چیخ چِلا کر آسمان سَر پر اُٹھالیا تھا اِنہوں نے۔" رفعت شیر ازی بات پر کاشف بزنجو کا چہرہ سُرخ ہوا۔ ذکی مُسکراہٹ دبا کر سب کی سنجیدگی کو دیکھنے لگا۔ شُکر ہے سب کی توپوں کا رُخ کئی ہفتوں تک اُسکی طرف نہیں ہونے والا تھا۔

"آرام سے بیٹھ جاؤ، رفعت۔ زیب سب دیکھ رہی ہے۔ کل صُبح ہوتے ہی عدالت سے ضمانت کروالے گی۔" اُنکے مدلل جواب پر رفت شیر از نے پاؤں پٹخا۔

"اُس لڑکی پر آپکا اِتنا بھروسہ اور اعتبار میری تو سمجھ سے باہر ہے۔ ایک دِن جب وہی آپکے سَر پر خاک ڈلوائے گی تو مُجھے مت کوسنا۔" بیٹے کے غم میں وہ کسی کا لحاظ کرنے کو تیار نہیں تھیں۔ آمینہ کاشف نے ہاشم بزنجو کا مزید سنجیدہ ہوتا چہرہ بہت غور سے دیکھا۔

"کبھی کبھار تو مُجھے آپ سے زیادہ مطلبی کوئی نہیں لگتا، بابا۔" اُنکی اگلی چٹختی بات پر ہاشم بزنجو نے ناگواری سے اُنکو دیکھا۔ تقی اور ذکی کے درمیان خاموش نظروں کا تبادلہ ہوا کیونکہ سب ہی جانتے تھے کہ رفعت شیراز کے علاوہ کسی میں ہاشم بزنجو سے اِیسے الفاظ اور لہجے میں بات کرنی کی جُرات نہیں تھی۔

"اَب تم اپنی زُبان پر قابو رکھو رفعت اور تحمل سے میری بات سُنو۔ زیب کل میڈیا بریفنگ میں سب کلئیر کرے گی تبھی تمہارے بیٹے کی ضمانت ہو گی اِسی لیئے تھم کر رہو ابھی۔" اُنکے سخت لہجے پر وہ جوزوبیہ، ذکی اور تقی کی موجودگی کا لحاظ کیئے بغیر مزید زہر اُگلنے والی تھیں، ٹھہر گئیں۔ اپنے باپ کی سخت، تنبیہہ والی نظریں اُنکو بھی ہولا کر رکھ دیتی تھیں۔

"مُجھے زیب پر پورا یقین ہے۔ کل تمہارا بیٹا باعزت بَری کروا کر لائے گی۔" اُنکے یقین پر ذکی نے بُرے بُرے مُنہ بنا کر چہرہ پھیر لیا۔ ایک تو یہ منحوس عورت ہر جگہ ہیروئین بن جاتی تھی۔

"ہم خود بھی ویسے نکلوا سکتے تھے۔" ذکی کی دبی دبی آواز پر ہاشم بزنجو نے تپتی نظروں سے اُسکو دیکھا۔

"تو جاؤ! نکلوا کر لاؤ۔ میں زیب کو منع کر دیتا ہوں۔" اُنکے فوراً سے کہے جانے پر کاشف بزنجو تیزی سے سیدھے ہوئے۔

"یہ بکواس کر رہا ہے، بابا۔ کچھ نہیں جانتا اور نہ ہی معاملے کی نزاکت سے واقف ہے۔" ذکی کو سختی سے گھور کر اپنے باپ کو تحمل دِلانا چاہا۔

"تم نہیں لا سکتے کیونکہ نہ تمہارے پاس میزابِ رحمت جتنی ذہانت، عقل اور کنیکشنز ہیں اور نہ ہی تمہیں اُسکی طرح قیامت سَر پر ہوتے ہوئے بھی اپنے اعصاب قابو میں رکھنے کا ہنر آتا ہے۔ کوئی ایک بات بھی ہوتی تم لوگوں میں تو

مُجھے زیب کو کبھی آگے نہ کرنا پڑتا۔" اُنکے سرد لہجے میں بہت کچھ اِیسا باور کرواتا ہوا تھا کہ سب ایک دوسرے سے نظریں چُرانے پر مجبور ہو گئے۔ وہ بالکل ٹھیک کہہ رہے تھے۔ اُنکے کسی ایک لفظ سے کوئی بھی اختلاف کر ہی نہیں سکتا تھا۔ میزابِ رحمت ہی اَزل سے بزنجو خاندان کا سارا بار اپنے کندھوں پر اُٹھاتی آئی تھی۔ ہنگامی صورتحال میں سب کے ہاتھ پیر چھوڑ دینے پر بھی صرف وہی پورے قد سے کھڑے ہو کر سارے معاملے کو ہوشیاری اور چابُک دَستی سے سنبھالتی آرہی تھی۔ بزنجو خاندان کو کڑے وقت میں ہمیشہ عزت سے بچانے میں جو کردار میزابِ رحمت کا تھا اُسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ قصرِ بزنجو کی ایک ایک اینٹ کو میزابِ رحمت نے اپنا لہو پیش کر کے سینچا تھا۔ اِس قصر کی بُنیادوں کو مضبوطی سے اِستوار رکھنے کے لیئے اُس نے کتنی اَن تھک راتوں میں اپنی نیند قربان کر کے پسینہ بہایا تھا۔ اِسکا اندازہ کوئی نہیں لگا سکتا تھا۔

✓ ہمارا خُون بھی شامِل ہے تزئینِ گُلستاں میں

ہمیں بھی یاد رکھنا تم، چمن میں جب بہار آئے۔۔۔

اَب دیکھنا یہ تھا کہ بہار کے آنے کے بعد لہو سے اُس چمن کی آبیاری کرنے والوں ہاتھوں کو پزیرائی مِلتی بھی تھی یا نہیں۔

"ہمیں پر اسکیوشن۔۔۔" اُسکو گاڑی سڑیٹ فوڈ میں روکتے دیکھ کر میزاب نے کچھ کہنا چاہا مگر عباس اُسکی اَن سُنی کر کے گاڑی سے باہر نِکلا اور اُسکی جانب کا دروازہ کھولا۔

"ہم یہاں کیوں آئے ہیں؟" اِرد گرد موجود فوڈ سٹالز کو دیکھ کر جس معصومیت سے پوچھا گیا عباس کے چہرے کو اِتنی کثافت اور تکان کے باوجود مُسکراہٹ چھُو گئی۔ باہر نِکلتی میزاب وہیں تھم گئی۔ ساکن ہوتے وجود سے وہ اُس شخص کو پہلی بار مُسکراتے دیکھ رہی تھی۔ اُسے اکثر لگتا تھا کہ اِس شخص کو مُسکرانا نہیں آتا۔ اُس مُسکراہٹ سے ناواقف شخص کو مُسکراتے دیکھنا دِل کو جھکڑ لینے والا تجربہ تھا۔

"لوگ فوڈ سٹالز پر کیوں آتے ہیں؟" جواب کے بدلے مُسکراہٹ دبا کر سوال کیا گیا۔

"ریسٹورنٹس میں لوگ آپکو پہچان جائیں گے اور ابھی آپکا میڈیا سے دُور رہنا ہی بہتر ہے۔" وہ اُسکی وضاحت نہیں سُن رہی تھی۔

"تم۔۔۔ مُسکراتے بھی ہو؟" اُس مُختلف، یکسر موضوع سے ہٹ کر کیئے جانے والے سوال پر عباس جان نِثار کی مُسکراہٹ سِمٹی۔ چہرہ جُھکا کر اُسکو دیکھا جو چہرہ اُٹھائے چمکتی سُرمائی آنکھوں سے مُسکراتے، معصوم چہرے کے ساتھ اُسے دیکھتے ہوئے عجیب سے احساسات سے دوچار کر گئی۔ اُن سُرمائی آنکھوں میں سارے فوڈ سٹریٹ کی روشنیوں جگمگا کر سامنے گردن جُھکائے کھڑے شخص کو اَسیر کرنے کے درپے تھیں۔

"اِیسے کیا آپ سب کو دیکھتی ہیں؟" اِنتہائی سنجیدگی سے بے حد گھمبیر سوال کیا گیا۔

"ہاں!" سُرمائی آنکھیں ناسمجھی سے چھوٹی ہوئیں اور عباس جان نِثار نے نگاہیں پھیر لیں۔

"آپ کو کچھ کھانا چاہیئے تاکہ سَر کا دَرد ٹھیک ہو۔" نرمی سے کہہ کر عباس تیزی سے پلٹ گیا۔ اُسکے چہرے کے وہ ہر دَم سنجیدہ رہنے والے تاثرات غائب ہو چُکے تھے۔

قدرے کم رش والے سٹال کے سامنے رک کر عباس نے پلٹ کے اُسکو دیکھا۔

"کیا کھائیں گی؟" وہاں سائیڈ پر مدہم روشنیوں میں بیٹھ کر کھانے والوں کے لیئے کرسیاں بھی لگائی گئی تھیں۔ عباس نے کرسی پیچھے کرتے ہوئے اُسے بیٹھنے کا کہتے ہوئے سوال پوچھا۔

"کچھ بھی۔" سب کچھ بُھلا کر اُن مزے دار سی آتی خوشبوؤں کے سبب چمک اُٹھتی بُھوک کے ساتھ کہا ایک خوف، ایک جھجھک سے کہا گیا۔ عباس اُس پھیکے پڑتے چہرے کو نہیں دیکھ رہا تھا، دیکھ لیتا تو ساکت وجاتا مگر ابھی وہ دیکھے بغیر جا کر آڈر لکھوا کر وہیں کھڑے ہو کر اِنتظار کرنے لگا۔ باری آنے پر سیاہ ٹرے تھام کر ٹیبل کی جانب آیا۔ میزاب نے لرزتی نظروں سے اُس بَھری ٹرے کو دیکھا۔

"بسم اللہ کریں!" اُس ٹرے میں پیزہ، برگر، سینڈوچ اور نہ جانے کیا کچھ تھا۔ یوں جیسے وہ سارا مینیو ہی بنوا لایا ہو۔ میزاب نے چہرہ اُٹھا کر اُسے آہستگی سے دیکھا۔

"یہ سب کون کھائے گا؟" اُسکے سوال پر عین سامنے کرسی سنبھالتے عباس نے ٹرے اُسکی جانب دھکیلی۔

"آپ!" اُسکی بات پر میزاب کا رنگ کچھ اور ماند ہوا۔

"تم بھی ساتھ دو۔ میں اِتنا کچھ نہیں کھا سکتی۔" سنبھل کر دی گئی دُہائی پر عباس نے ایک نظر اُسکو دیکھا اور پھر اثبات میں سَر ہلایا۔ وہ صُبح سے کچھ کھائے پیئے بغیر خوار ہو رہی تھی۔ اِیسے میں اُسکا ساتھ دینا بنتا تھا۔

"میں ایک سکینڈ آیا۔" کچھ سوچ کر وہ تیزی سے اُٹھ کر گیا۔ میزاب نے چہرہ پھیر کر اُسکو دیکھا جو فوڈ کارٹ کے بجائے مُخالف سِمت بھاگ کر جا رہا تھا۔ یونہی چہرہ پھیرے وہ تب تک وہاں دیکھتی رہی جب تک عباس جان نِثار اُسی طرح بھاگتے ہوئے واپس آتا نظر نہیں آ گیا۔ سُرمائی آنکھوں نے مُسکرا کر اُس شخص کو اپنی جانب بھاگ کر آتے دیکھا۔ سارے پھیکے پڑتے تاثرات معدوم ہو گئے۔

"کہاں گئے تھے؟" قریب آکر اُسکے برابر والی کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے عباس نے چہرہ اُٹھائے بغیر ہاتھ میں تھام رکھا شاپر ٹیبل پر رکھا جِس میں فارمیسی کا سامان تھا۔

"یہ سب کیا ہے؟" اُسکو شاپر میں سے زخموں پر مرہم رکھنے والے سامان کو نکالتے دیکھ کر جو پوچھا گیا اُس پر عباس نے سنجیدگی سے چہرہ اُٹھایا۔

"اپنے ہاتھ آگے کریں۔" اُسکی بات پر میزاب نے ٹھٹک کر اُسکو دیکھا۔

"میں ٹھیک ہوں، جان نِثار!" اُس نرم، تسلی کرواتے لہجے پر بھی عباس اُسی سنجیدگی سے دیکھتا رہا تو میزاب کو اپنے ہاتھ آگے کرنے پڑے۔ عباس نے گہرا سانس لے کر اُن چھلنی ہتھیلیوں کو دیکھ کر روئی پر ڈیٹول لگا کے زخم صاف کرتے ہوئے دونوں ہاتھوں پر بینڈیج لگائی۔

"آستین پیچھے کریں۔" اُسکی اگلی ہدایت پر میزاب کے چہرے کا رنگ اُڑا۔

"میں ٹھیک۔۔۔"

"آستین پیچھے کریں۔" اُسکی بات قطع کر کے قطعیت سے کہا گیا۔ میزاب نے چہرہ پھیر کر اِرد گرد دیکھا۔ وہ اِسی لیئے اُسکو اِتنے کم رش والی جگہ پر لایا تھا۔

"میں اِنتظار کر رہا ہوں، باس۔" اُسکی جھجھک عباس سمجھ سکتا تھا مگر جانتا تھا کہ ہاتھوں سے زیادہ اُسے بازو پر چوٹ آئی ہے تبھی اِسرار کرنے سے خود کو نہیں روک سکا۔ میزاب نے سیاہ سوئیٹر کی آستین آہستگی سے پیچھے کی اور عباس نے بے ساختہ پیشانی مَسلی۔

"دوسروں کے بجائے آپکو خود پر دھیان دینا چاہیئے۔" نرم ہاتھوں کے ساتھ اُس گہرے کٹ سے خون صاف کر ڈِس اِنفیکٹ کرتے ہوئے جو نصیحت کی گئی اُس پر میزاب اُسے دیکھتے رہنے پر مجبور ہوگئی۔ اُسے اِیسا پہلی بار کسی نے ایسے تفکر سے کہا تھا۔

"آپ خود پر بالکل مہربان نہیں ہیں۔" بینڈیج کھولتے ہوئے مزید مدھم لہجے میں اُسے جِس لہجے میں باور کروایا گیا اُس پر سُرمائی آنکھوں میں پانی اکٹھا ہونے لگا۔

"خود کو سب سے پہلے رکھا کریں۔" آہستگی سے بینڈیج لگا کر نرمی سے تھپتھپائی گئی اور تبھی عباس کے ہاتھ پر پانی کے قطرے گِرے۔ بے طرح چونک کر اُس نے چہرہ اُٹھا کر اُوپر دیکھا اور اُسے لگا وہ سانس نہیں لے سکے گا۔ اُسکے دیکھتے ہی بھیگتی آنکھوں کے ساتھ مُسکرا اُٹھتی دلکش عورت نے عباس جان نِثار کے دِل کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔

"تم اچھی نصیحت کر لیتے ہو۔" اُن نظروں کے اِرتکاز پر میزاب نے پلکیں جھپکتے ہوئے مُسکرا کر کہا جبکہ عباس سنبھل کے پیچھے ہوا۔

"نصیحت نہیں، درخواست ہے۔" اُس مدھم اِستدعا پر میزاب اُس جُھکے چہرے سے نظر نہیں ہٹا سکی۔

"کھانا ٹھنڈا ہو جائے گا۔" اُسکا دھیان کھانے کی طرف دِلایا گیا مگر ہاتھ بڑھانے کے بجائے وہ خاموشی سے ٹرے میں سجے خُوشبو لُٹاتے کھانے کو دیکھتی رہی۔ پہلی والی دِل کی کیفیت سِمٹنے لگی۔

"کیا ہوا؟" عباس کے سوال پر اُس نے بامُشکل مُسکرا کر سینڈوچ اُٹھاتے ہوئے باقی کی ٹرے اُسکی جانب دھکیلی۔

"تم بھی میرے ساتھ برابر خوار ہوئے ہو۔" اُسکی بات پر عباس اِنکار نہیں کر سکا جبکہ میزاب جِس طرح دھیرے دھیرے کھا رہی تھی وہ عباس کی نظروں سے مخفی نہیں تھا۔

"زیادہ مرچیں ہیں؟" اُس شاداب چہرے کو ایک دَم پھیکا پڑتے دیکھ کر عباس کو پوچھنا پڑا۔

"ن۔۔۔ نہیں۔" کھانس کر اُس نے مِنرل واٹر کی بند بوتل کو پکڑنا چاہا۔ عباس نے آگے کو ہو کے تیزی سے بوتل کھول کر اُسکے ہاتھ میں تھمائی اور پھر میزاب کو چہرہ سائیڈ پہ کر کے پانی غٹا غٹ چڑھاتے دیکھ کے چونک کے آگے ہوا۔

"آپ ٹھیک ہیں؟" اُس متفکر آواز پر میزاب نے بوتل بند کر کے آہستہ سے سَر ہلایا۔

"تم کھانا کھاؤ، پلیز!" وہ اپنے ساتھ صُبح سے خوار ہوتے شخص کو بھوکا نہیں دیکھ سکتی تھی تبھی ضبط کر کے چھوٹے چھوٹے نوالے لیتی گئی۔ عباس برگر آہستگی سے کھاتے ہوئے میزاب کے پھیکے پڑتے نیم رُخ کو بہت توجہ سے دیکھ رہا تھا۔ تبھی میزاب کا ضبط رُخصت ہوا۔ مُنہ پر ہاتھ رکھ کر وہ اُٹھ کر تیزی سے سٹال کے دائیاں جانب سُنسان جگہ کی جانب بھاگی۔ ہَک دَق رہ جاتے عباس کو لمحہ لگا اور پھر نا سمجھی بھرے تفکر سے اُٹھ کے اُسکے پیچھے آیا جو جُھک کر زمین پر بیٹھتے ہوئے بُری طرح کھانستے ہوئے قے کر رہی تھی۔ اُسکے عقب میں کھڑے عباس کے چہرے کی تشویش اور اِضطراب نیم اندھیرے میں بھی صاف ظاہر تھا۔

"آپ۔۔۔ ٹھیک ہیں؟" اُسکو کھانس کر بے حال ہوتا وہ مزید دیکھ نہیں سکا تو جُھک کر قدرے سائیڈ پہ پنجوں کے بل بیٹھ کر اُسکی پُشت نرمی سے تھپکنے لگا۔ میزاب کے ہاتھ آگے بڑھانے پر عباس نے اُس کانپتے ہاتھ پر پانی کی بوتل رکھ دی۔ چہرہ دھو کر چند پَل وہ اندھیرے میں یونہی چہرہ اُٹھائے گہرے سانس لیتی رہی اور پھر بامُشکل اپنے پاؤں پہ زور دے کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"ایم سوری!" اُسکو دیکھے بغیر کہتے ہوئے وہ اُسکے پاس سے گُزری جبکہ عباس بہت کچھ پوچھنے کی چاہ کے باوجود خاموشی سے اُسکے پیچھے آنے لگا۔ موسم میں ٹھنڈک کا اِحساس بڑھتا محسوس کر کے اُس نے اپنا کوٹ اُتار کے میزاب کے شانے پر پھیلا دیا۔ میزاب اِس بار نہیں ٹھٹکی۔ فوڈ سٹال پہ آ کر ٹیبل پر پڑے سارے کھانے کو تاسف سے دیکھتے ہوئے اُس نے اِرد گرد نگاہ دوڑائی تبھی سڑک کنارے غبارے بیچتے بچے تک اُسکی نگاہ گئی۔

"یہ سارا کھانا اور مزید اور بھی پیک کروا کر اُس بچے کو دے سکتے ہو؟" اُس نے کلچ سے پیسے نکال کر عباس کی جانب بڑھاتے ہوئے جِس انداز سے پوچھا، عباس نے ایک نظر اُس لرزتے ہاتھ کو دیکھا اور دوسری نگاہ اُس بچے پر ڈال کر وہ ٹرے اُٹھائے مزید آڈر بنوانے اور پیک کروانے بڑھ گیا۔ پیسوں والا ہاتھ بے دم ہو کر پہلو میں آ گرا۔ وہ وہیں نمکین ہوتی آنکھوں سے اُسے مزید کھانا ڈبوں میں پیک کروا کر اُس بچے کی جانب لے جاتے دیکھنے لگی۔ اُس بچے کی چمک اُٹھتی آنکھوں نے دُور سے بھی میزاب کی پوری ہستی کو روشن کر دیا۔ بے اِختیار مُسکراتے ہوئے اُس نے گہرا سانس لیا۔ عباس اُس بچے کو اپنے والٹ سے پیسے دے کر واپس اُس تک آ رہا تھا۔ میزاب رحمت مہربان نظروں سے اُسکو تب تک دیکھتی رہی جب تک عباس جان نِثار اُسکے رُوبرُو نہیں آ کھڑا ہوا۔

"کیا کھائیں گی؟" اب کے سوال بہت سنجیدہ اور اِتنا مدہم تھا کہ میزاب کو نگاہ چُرانی پڑی۔

"پیکیجڈ فوڈ میں کچھ بھی۔" اُسکے کہے جانے پر عباس نے اندر تک ٹھٹکنے کے باوجود اثبات میں سَر ہلایا۔

"آپ گاڑی میں بیٹھیں۔ سردی بڑھ رہی ہے۔" اُسکو گاڑی میں بٹھا کر وہ تیز قدموں سے سائیڈ پر بنے مارٹس کی جانب بڑھ گیا۔ میزاب نے چہرہ کھڑکی کی جانب ہی کیا ہوا تھا تبھی اُسکا سیل فون بَج اُٹھا۔

"جی، معیز صاحب!" اُسے اِس کال کو اُٹھانی ہی تھی۔ وہ نیوز رپوٹر تھا جسے کل کی رپورٹنگ کرنی تھی۔ صُبح سے وہ اِتنے میڈیا والوں کو بُھگتا چکی تھی، ایک اور سہی۔

"کل صُبح نو بجے بریفنگ ہو گی، اِنشاءاللہ۔" اُسکے بتائے جانے پر معیز تیزی سے سیدھا ہوا۔

"یعنی آپ تیار ہیں؟" وہ میزاب کے تحقیق کر کے میڈیا بریفنگ دینے کی عادت کے بارے میں واقف تھا۔

"جی! بس آپ سے ہمیشہ کی طرح غیر جانبدار رپورٹنگ کی اُمید ہے۔" اُسی نرمی سے یاد دہانی کروانی گئی جو اُسکا خاصا تھی۔

"کیوں نہیں! آپ بھی آج تک غیر جانبداری سے بزنجو ایمپائر کو چلاتی آئی ہیں تو رپورٹنگ ہم پر چھوڑ دیں۔" میزاب جانتی تھی وہ اُسکی بہت عزت کرتا ہے اِسی لیئے مُسکرا کر الوداعی کلمات کہتے ہی کال مُنقطع کر دی تبھی کھڑکی بجی، میزاب نے چونک کر چہرہ پھیرا اور پھر تیزی سے شیشہ نیچے کر کے اُسکے ہاتھ سے شاپر لے لیا۔ عباس کو ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے دیکھ کر اُس نے شاپر میں جھانکا اور پھر اُسکے چہرے کو مدہم مُسکراہٹ چُھو گئی۔ بیک ویو مِرر نیچے کرتا، عباس کا ہاتھ ساکن کو ا اور پھر سَر جھٹک کر شیشہ نیچے کر دیا۔ گاڑی سٹارٹ ہو کر سٹریٹ فوڈ سے نکل کر مین شاہراہ پر پھر سے دوڑ رہی تھی۔

"مُجھے آفس ڈراپ کر کے تم گھر چلے جانا۔" عباس کو کہہ کر چونکا دیا گیا۔ اِس عورت نے اَب بھی گھر نہیں جانا تھا تو کیا وہ آج پوری رات گھر نہیں جائے گی؟ قبل اِسکے وہ کچھ کہتا، میزاب کا سیل فون بَج اُٹھا۔

"اسلام علیکم، زینت!" مُسکرا کر کال اُٹھاتے لہجے کی بشاشت عباس سے مُخفی نہیں رہ سکی۔ اُسکے ایک جھماکے سے یاد آیا کہ جب وہ ایک پھول کی دُکان پر گیا تھا، وہیں اِس نام کی عورت کے ساتھ میزاب باتیں کر رہی تھی۔ شاید وہ دونوں دوستیں ہوں گی۔ تب بھی گفتگو سے اُس نے یہی اخذ کیا تھا۔

"مُبارک ہو تمہیں عُمرے کی۔" اُسے مُبارک باد دیتے ہوئے شاپر سے سینڈوچ نکال کر اُسکا شاپر نکالا۔

"مُبارک تو گھر آ کر ہی قبول ہو گی۔ یہ بتاؤ! کر کیا رہی ہو اِتنی رات گئے باہر؟" ظاہر ہے وہ اُسکی بہترین دوست تھی، اُسے جانتی تھی۔ خبروں میں سب سُن بھی چکی تھی اِسی لیئے میزاب کو اُسکے سوال پر تعجب نہیں ہوا۔

"کھانا کھا رہی ہوں۔" سینڈوچ کھول کر اُس نے آگے ہوتے عباس کا شانہ تھپک کر اُسے متوجہ کیا۔ چونکتے عباس نے چہرہ پھیر کر اُسے دیکھا اور اُسکے بڑھے ہوئے سینڈوچ کو وہ جو اِنکار کرنے والا تھا، اُن سُرمائی آنکھوں کو دیکھ کر نہیں کر سکا۔ سَر کو خم دے کے خاموش شکریہ ادا کر کے لیتے ہوئے اُس نے چہرہ پھیر لیا۔

"کیا؟ تم پِھر کھا رہی ہو۔ میزاب کی بچی۔۔۔۔" وہ اتنا زور کا چیخی کہ میزاب کو تیزی سے سیل فون کان سے پرے کرنا پڑا۔ اُسکی وہ چیخ خاموش گاڑی میں عباس کی سماعتوں تک بھی گئی مگر وہ یونہی اثر لیئے بغیر ایک ہاتھ سے ڈرائیونگ کرتے ہوئے سینڈوچ کھا رہا تھا۔

"بد تمیز! پیکیجڈ کھا رہی ہوں۔" کان سہلا کر خفگی سے اُسکی تشفی کروائی گئی۔ اَب کی بار عباس جان نِثار کی بے نیازی میں دَراڑ ماتھے پر ظاہر ہوتی شِکن سے واضح ہوئی۔

"کل کا دِن سخت ہو گا۔ دُعا کرنا۔" چند لمحے زینت کی سُنتے رہنے کے بعد اُس نے مدہم سا کہا اور پِھر الوداعی کلمات کہہ کر انگ کی یقین دہانی کرواتے ساتھ اُس نے کال مُنقطع کر دی۔ گاڑی میں ایک بار پِھر خاموشی طاری ہو گئی مگر

اَب کی یہ خاموشی ہر بار کی طرح والی نہیں تھا۔ کچھ الگ، کچھ مُنفرد سا تھا اُس خاموشی میں جسے ہم ابھی نام دینے سے قاصر ہیں۔ گاہے بگاہے شاپر کی آواز آتی اور میزاب آگے کو جُھک کر اُس شخص کا شانہ تھپتھپا کر اُسے دقتعاً فوقتاً کچھ نہ کچھ تھما کے اُس جمود کو توڑ کر پاش پاش کر دیتی۔ وقت کی قریب آ لگتی آہٹیں دبی سرگوشی میں آنے والے وقت کے بارے کسی کو خبر دار کرنا چاہ رہی تھیں۔ کیا پِھر کوئی نئی کہانی پنپنے کو تیار تھی؟ سنجرانی اور بزنجو خاندان کے بیچ مزید نفرت کی دیوار اُٹھنے والی تھی؟ کیا پھر سے ایک جانب سے خیر اور دوسری جانب سے شر کی شروعات ہونے کو تھی؟؟

✓وہ جس جگہ مارے گئے اَجداد ہمارے

ہم بھی اُسی دَریا کے کنارے ہیں کم و بیش۔۔۔

* * * * * * *

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔۔۔

اَلسَلامُ عَلَیکُم احباب۔۔۔۔"

"ناولز کی دنیا" کے ناولز میں خوش آمدید ----

ناولز کی دنیا (NKD) کی جانب سے ناولز کو بغیر کسی غلطی کے آپ تک پہچانے کی کوشش کی گئ۔ اگر کوئی غلطی اس میں ملتی ہے تو اسے محض اتفاق سمجھا جائے۔ کیونکہ ناول کو پورا پروف ریڈ کرکے ہی پبلش کیا جاتا ہے چُوک ہونا محض اتفاق ہوگا۔۔

نئے اور مختلف لکھنے والوں کے لیے "ناولز کی دنیا" ویب سائٹ / گروپ / پیج / یوٹیوب چینل دے رہا ہے تمام لکھاریوں کو ایک ایسا پلیٹ فارم جہاں آپ اپنی خدا داد صلاحیتوں کو اپنے قلم سے تحریر کر کے اپنا اور اپنے ملک کا نام روشن کرسکتے ہیں --- اگر آپ کو بھی اللہ کی طرف سے یہ صلاحیت دی گئی ہے تو اسے اجاگر ضرور کریں --- ہمیں آپ جیسے ہی لکھاریوں کی تلاش اور ضرورت ہے---

اگر آپ ہمارے بلاگز پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، آرٹیکل یا شاعری پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو ہم سے رابطہ کریں -- اپنی تحریر اردو میں ٹائیپ کر کے ہمیں بھیجیں۔ جتنا جلدی ہوسکا آپکی تحریر پوسٹ ہوجائے گی ---

مزید تفصیلات یا کسی بھی طرح کی مدد کے لیئے ہم سے گروپ یا پیج انباکس میں رابطہ کریں یا ای میل پر ہم سے رابطہ کرسکتے ہیں--

Email address :- Novelskiduniya77@gmail.com

Facebook page :- Novels ki duniya

(user name @zoyatalib77)

Facebook group :- Novels ki duniya

Instagram Page:- Nkd (ZT) (UserName: Novelskiduniya77)

Youtube Channel: Novels Ki Dunya (NKD) Official

(پر خیال رہے کہ یہ گروپ زویا طالب کا ہی ہو) اور باقی کے رابطے کے لیئے ہر پیج کے نیچے Blue الفاظ میں لکھے لفظ میں آپکو لنکس مل جائے گے شکریہ-----

لاتعداد کیمروں کی چہرے پہ پڑتی فلیش میں وہ کرسی پر اعتماد سے بیٹھی میڈیا کے سوالات سُن رہی تھی۔ اُسکے عین سامنے بہت سے میڈیا والے اپنا لیپ ٹاپ کھولے تیزی سے اُنگلیاں چلاتے ہوئے لکھ رہے تھے۔ میزاب نے آگے کو ہو کے مائیک سیدھے کیئے۔ وہ جواب دینے کے لیئے بالکل تیار تھی۔

"اسلام علیکم! میں میزابِ رحمت ہوں اور یہاں آج آپ لوگوں کو کل کے ہونے والے افسوس ناک معاملے کے بارے میں آگاہ کرنے آئی ہوں۔" اُسکی پُر سکون، مُلائم آواز جیسے ہی گونجی، ہال میں ساری سرگوشیاں اور بِھنبھناہٹ تھم گئی۔

"میں بغیر تحقیق کے یہاں نہیں آئی اور آپ سب کو میری سیکٹری نے جو بھجوایا اُمید ہے آپ لوگوں نے اُسے دیکھ لیا ہو گا۔ وہ سیمپلز ہماری فیکٹری میں اِستعمال ہونے والے اور ریڈ سے مِلنے والے مٹیریل کا ہے اور آپ لوگوں کو اُس میں واضح فرق نظر آگیا ہو گا۔" وہ بہت ٹھہر ٹھہر کے کہہ رہی تھی۔ چند قدم دُور، دائیں دیوار کے قریب

کھڑے عباس نے چہرہ پھیر کر اُسکو دیکھا جِسکا اعتماد دیکھنے لائق تھا۔ اُسکے کان میں لگے ٹریسر کے دوسری جانب جواد موجود تھا۔

"دیکھ لینا یہ اِیسا بیان بدل کر دامن جھاڑے گی کہ تمہاری عقل ٹھکانے آجائے گی۔" جواد کی تپاتی آواز پر عباس نے چہرہ جُھکا کر کان پہ آہستگی سے ہاتھ مار کر اُسے خاموش کروادیا۔ اَب اُسکے کان پُر سکون تھے۔

"اِس واضح فرق کی کوئی وضاحت نہیں۔ یہ کوتاہی ہماری جانب سے ہوئی ہے۔ سب سے بڑی شیئر ہولڈر، ہاشم بزنجو کی پاور آف اٹارنی اور چیئر ویمن ہونے کے ناطے اِس سب کی ذمہ داری مُجھے لینی ہے۔" اُس اگلی بات پر تھمی ہوئی خاموشی بھانت بھانت کی گفتگو میں تبدیل ہوگئی۔ عباس نے بے طرح چونک کر چہرہ اُٹھایا اور ششدر ہو کے اُس عورت کو دیکھے گیا جِس کا اعتماد متزلزل کرنا ناممکن تھا۔ اپنی سٹڈی کے شاہانہ صوفے کی پُشت پر ہاتھ پھیلا کر بیٹھے ہاشم بزنجو کے چہرے کو بڑی فاتحانہ مُسکراہٹ چُھوگئی۔ اُن کی آنکھوں میں اپنے فیصلے کو لے کر جو فخریہ چمک تھی اُس پَل وہ بے حد واضح تھی۔

"پندرہ کروڑ کا ہرجانہ ادا کرنے سے میں نہیں پیچھے ہٹوں گی کیونکہ یہ غیر ذمہ داری مُجھ سے ہوئی ہے۔ اِس میں میرے لیئے کام کرنے والے لوگوں کا کوئی ہاتھ نہیں۔ مُجھے اِیز آ چیئر ویمن اپنے فرائض خوش اسلوبی سے نبھانے چاہیئے تھے۔" اُٹھی گردن مگر مدہم لہجے میں کہتے ہوئے وہ اپنی کرسی چھوڑ کر اُٹھ کھڑی ہوئی اور سب کیمرہ مینز کے سامنے سَر کو خم کیا۔ پانچ منٹ تک اُس نے چہرہ نہیں اُٹھایا یا شاید وہ چہرہ اُٹھا نہیں سکی۔ اِس بات کا فیصلہ چند قدم دُور بے یقینی سے کھڑا عباس جان نِثار کر نہیں سکا۔ اُسکے مضبوط اعصاب کو زندگی کے پینتیس سالوں میں پہلی بار بُری طرح دھکا لگا تھا۔ پہلی بار اُسکے پلان اور فیصلوں کے بیچ بُری طرح دراڑ پڑی۔ اُسکا وجود آج سے پہلے کبھی زلزلوں کی زَد میں یوں نہیں آیا تھا۔ اِس بے یقینی کا کوئی اَنت نہیں تھا۔

"تو یعنی آپ تسلیم کر رہی ہیں کہ آپ سے اِیسی غفلت اور لاپرواہی ہوئی ہے جو لاکھوں لوگوں کی جان لے سکتی تھی؟" اُسی نیوز رپورٹر کی بات پر میزابِ رحمت کی جُھکی پلکوں میں لرزاہٹ اُتری جو دُور سے بھی عباس جان نِثار کی ساکن آنکھوں سے مُخفی نہیں رہ سکی۔

"جی! مجھے تسلیم ہے اِسی لیئے پولیس، پروسیکیوشن اور میڈیا کے ساتھ میں ہر ممکن تعاون کروں گی۔" سَر اُٹھا کر سیدھا ہوتے ہوئے اُس نے شائستگی سے کہا۔ سب لوگ اُسکی زُبان کی پُختگی، ثابت قدمی اور فرض شناسی جانتے تھے۔ گواہ تھے کہ کیسے سامنے کھڑی عورت ہمیشہ حق کا ساتھ دیتے ہوئے، اُصولوں کے ساتھ کام کر رہی تھی تبھی سب نے مزید بحث نہیں کی۔ اُسکے اُصول، زُبان اور کام نے سب کو پابند کر دیا تھا۔

"آپ۔۔۔ سہی کہہ رہے تھے، بابا۔" سامنے صوفے پر بیٹھے کاشف بزنجو نے معنی خیز مُسکراہٹ سے کہتے ہوئے ہاشم بزنجو کو قہقہ لگانے پر مجبور کر دیا۔

"ہم کبھی غلط نہیں ہوسکتے، برخوردار۔" اُنکے لہجے کا زعم اور تفاخر دیکھنے لائق تھا۔ اپنے آفس میں اطمینان سے بیٹھ کر سب دیکھتا جوادایک جھٹکے سے کرسی چھوڑ کے کھڑا ہوا۔ احتساب سنجرانی نے دانت پیس کر مَردانے میں بیٹھے سب سنجیدہ ہوتے مَردوں کو دیکھا۔ رحمان بخش سنجرانی کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔ کچھ بھی اخذ کرنا ناممکن تھا۔ وہ بے تاثر آنکھوں سے سائیڈ کیمرے سے نظر آتے سٹاف میں سب سے مُنفرد، سب سے نمایاں سیاہ سوٹڈ بوٹڈ شخص کی ششدر سُنہری آنکھیں دیکھ رہے تھے۔ اُن آنکھوں کا محور، تحیر اور بے یقینی نے اُنکو مُٹھیاں بھینچنے پر مجبور کر دیا۔

"میں کہہ رہا تھا نہ آپ سب سے؟" اُس قیامت خیز خاموشی کو احتساب سنجرانی کی متنفر آواز نے توڑا۔

"احتساب!" تنبیہ کرنے والے کریم بخش سنجرانی تھے۔

"میں اَب مزید چُپ نہیں رہوں گا۔ اِس ذراسی عورت نے عباس کے اِنتقام کی بُنیاد ہِلا دی ہے۔" اُنکا بَس نہیں چل رہا تھا ورنہ سکرین پر نظر آتی پُرکشش سی عورت کا چہرہ نوچ لیتے۔

"میں نے یاد دِلایا تھا نہ تمہیں کہ اِس اِنتقام کا سب سے زیادہ حقدار عباس ہے۔" کریم بخش سنجرانی کا لہجہ بُلند ہونے پر اکبر اور اصغر کے درمیان متفکر نظروں کا تبادلہ ہوا۔

"لیتا رہے وہ اُس خاندان سے اِنتقام مگر میں اِس عورت کو کبھی نہیں بخشوں گا۔" اُنگلی اُٹھا کر سکرین پہ نظر آتی عورت کو قتل کر دیتی نظروں سے دیکھا کر سب کو باور کرایا گیا۔ وہ عورت اُن نفرت آنگیز، شرربار نظروں سے غافِل اپنی نشست چھوڑ کر اُٹھ رہی تھی اور تبھی سٹیج سے اُترتے ہوئے اُس کا پاؤں رَپٹا اور قبل اِسکے مُنہ کے بَل گِر کر سنجرانی خاندان کے کلیجے ٹھنڈے کرتی، دو مضبوط ہاتھوں نے بروقت آگے بڑھ کے اُسے بازوؤں سے تھام کر سہارا دیتے ہوئے اُسکے تھکے، مُضطرب چہرے کو مُسکرانے پر مجبور کر دیا۔ اَب سکرین میں وہ سنجیدہ، وجیہہ باڈی گارڈ واضح نظر آ رہا تھا۔ مردانے میں موجود سارے مَرد اپنی نشست چھوڑ کر تیزی سے آگے ہوئے۔ اُس وقت سُوئی بھی وہاں گِرتی تو حشر بپا کر دیتی۔ سب پھَٹتی آنکھوں سے وہ بے یقین منظر دیکھ رہے تھے جِس میں اُنکے خاندان کا ولی عہد، اُنکے اِنتقام کا عَلم بُلند کرنے والا غیور عباس جان نِثار اُس دُشمن عورت کے سامنے گھُٹنوں کے بَل جُھک کر بیٹھ رہا تھا۔ کیمروں کی پڑتی لاتعداد فلش پر لرز اُٹھتی دَھڑکنوں کے ساتھ میزابِ رحمت نے چہرہ جُھکا کر پاوں پیچھے کرنا چاہا مگر عباس نے آہستگی سے اُسکا پاؤں تھام کر آگے کرتے ہوئے سینڈل کا کُھلتا سٹرپ بند کیا۔ شہد رنگ نگاہ بے اِرادہ بھٹک کر سٹرپ کی نوک سے زخمی ہوتے ٹخنے تک گئی اور پھر وہ اپنے سامنے کھڑی دُشمنوں کی عورت اور اپنے خاندان پر ڈھائی گئی قیامت سے غافل اُٹھ کھڑا ہوا۔ پریس کانفرنس ختم ہو گئی۔ اشتہار کے بعد،

خبریں چلنا شروع ہو گئیں مگر قصرِ سنجرانی کے مَردانے میں دَر آئی موت کی سی خاموشی نہیں ٹوٹ سکی۔ رحمان بخش سنجرانی کی پتھروں جیسی سنجیدگی محسوس کر کے کوئی جُراَت نہیں کر سکا۔ جہاں **'بزنجو خاندان'** میں اُس فتح پر جشن کا سماں تھا وہیں **'سنجرانی'** خاندان کی دَر و دیوار سے کئی سال پہلی والے سوگ لَپٹنے لگا تھا۔ ایک بار پھر سنجرانی خاندان کو مات ہو گئی تھی۔ ایک بارِ پھر وہ اپنے خیر کی وجہ سے شر کے آگے ناکام ہو گئے تھے۔ ایک طرف قہقے اور ٹھٹھے لگ رہے تھے تو دوسری طرف موت کا سناٹا طاری ہو چُکا تھا۔ رحمان بخش کے پُرانے زخم جو بھرے نہیں تھے، پھر سے اُدھڑنے لگے۔ ایک اور بھیانک وقت کی چاپ اُنکی بوڑھی سماعتوں میں پھر سے گونجنے لگی۔ اُن بوڑھی آنکھوں میں جمع ہوتے پانی میں اپنے محبوب، لاڈلے پوتے عباس جان نِثار کی نگاہوں کا محور، اِرتکاز، وہ تاثرات ثبت ہو کر رہ گئے تھے اور دِل میں بہت سے مَر چکے اپنوں کی یاد کروٹ بدل کر پھر سے سانس لینے لگی تھی۔ اُس کمزور، نحیف وجود کی تکلیف سے پَرے شہرِ اقتدار، اسلام آباد کی سلونی فضا میں کوئی نئی مُحبت کی داستاں رقم ہونے کو بالکل تیار تھی۔ آسمان میں اُڑتے لاتعداد کبوتروں کی اُڑان میں وہ اُٹھان باقی نہیں رہی تھی۔ اُنکو عدم کیئے جانے کا وقت قریب آ لگا تھا۔

✓ رفتگاں کو پیاروں کی یاد جب ستاتی ہے

مقبروں سے خاک اُڑ کر بستیوں میں آتی ہے

چار، چھ تماشائی قہقے لگاتے ہیں

زندگی اَسیروں کی بیڑیاں ہلاتی ہے

روشنی مُسافر کے ساتھ چل نہیں سکتی

روشنی مُسافر کو راستہ دِکھاتی ہے

پُوچھتا ہوں صحرا سے، 'کیا میرا حبیب آیا؟'

دوستی کے خیمے پر ڈھول جمتی جاتی ہے

ہر گھڑی کے کونے پر، خاک اِیسے ہونے پر

دیکھ ساعتِ وجود، حاشیے لگاتی ہے

آسماں کو تکنے سے اِک اُڑان کی خواہش

اور چہچہاتی ہے، اور پھڑ پھڑاتی ہے

دُور جانے والوں کی کچھ خبر نہیں آتی

دُور جانے والوں کی یاد آئے جاتی ہے۔۔۔

(کمال حسن)

وہ اپنے آفس کے ریسٹ روم میں صوفے پر بے دَم سی بیٹھی، دُکھتا سَر آہستگی سے دبا رہی تھی تبھی سیل فون کی بجتی آواز پر چونک کر سیدھی ہوئی۔ یہ آواز تو عباس کے سیل فون کی تھی اور اُسکو ہاشم بزنجو نے کال کر کے مُدثر کو لانے کا کہا تھا۔ کچھ چونک کر اُس نے اپنے بیگ کو دیکھا اور یاد آتے ساتھ ہی گہرا سانس لے کر ٹیبل سے جُھک کر بیگ اُٹھایا۔ کل وئیر ہاؤس میں اُس نے لائیٹ بند کرنے کے بعد عباس کا سیل فون بے دھیانی میں اپنے بیگ میں ڈال دیا تھا۔ سیل نکال کے اُس نے آنکھوں کے سامنے کیا۔ جَلتی سکرین پر 'داجی' لکھا آرہا تھا۔ فون یونہی ہاتھ میں لیئے وہ تیزی سے ریسٹ روم اور آفس سے ہوتے باہر آئی۔

"جان نِثار واپس آ گیا؟" اُسکا آفس خالی دیکھ کر اُس نے کائنات کے آفس کا دروازہ کھٹکھٹا کر پوچھا۔

"نہیں میم! ایک گھنٹہ تو لگ ہی جائے گا۔ مُدثر صاحب کی ضمانت تو منظور ہو گئی ہے لیکن آپکو تو معلوم ہے میڈیا ہو گا تو۔۔۔" کائنات نے بات اَدھوری چھوڑ دی۔ میزاب آگے زیادہ بہتر جانتی تھی تبھی اثبات میں سَر ہلا کر واپس آفس میں آ گئی۔ مُسلسل بجتے سیل فون کو پریشانی سے دیکھ کے ٹیبل پر رکھ دیا۔ کوئی ضروری کال ہو تب بھی وہ کال اُٹھانے کو اچھا نہیں سمجھ رہی تھی۔ فون بَج بَج کر تھک گیا تبھی اُس نے سکرین پر جگمگاتا میسج دیکھا۔

"کہاں ہیں آپ؟" نازنین نامی لڑکی کے میسج کو ایک نظر دیکھ کر میزابِ رحمت پیچھے ہو کے بیٹھ گئی۔

"نازنین!" بے ساختہ آہستگی سے اُس کے ہونٹوں سے پِھسلا اور پِھر بے اِرادہ نگاہ اپنے پاؤں تک گئی جہاں لگا بینڈ تیج پِھر سے دَھڑکنیں مُنتشر کرنے لگا۔ کتنے لمحے یونہی دبے پاؤں گُزر گئے اُسے نہیں معلوم تھا۔ وہ چونکی تب بھی نہیں جب عباس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ اُسکو جُھک کر پاؤں کی جانب دیکھتے پا کر عباس جان نِثار کے چہرے کا رنگ بدلا، گلے میں گلٹی سی ڈوب کر اُبھری اور پِھر بھاری قدم اندر رکھے گئے۔

"آپ نے گھر کب جانا ہے؟" اُسے معلوم ہو گیا تھا کہ آج اُسکے دُشمنوں کے ہاں جشن کا سماں ہو گا۔ بڑے پیمانے پہ دعوت رکھی جانے والی تھی اِیسے میں اُن کے کلیجے ٹھنڈے کرنے والی عورت کا وہاں ہونا لازم و ملزوم ہونا چاہیئے۔ میزاب نے بے طرح چونک کر چہرہ اُٹھایا۔

"ہاں!" اُسکی غائب دماغی پر عباس خاموش سے اُسے دیکھنے لگا۔

"آج آپکے گھر دعوت ہے۔ آخر آپ نے اِتنی بڑی خوشی سے اُن سب کو نوازا ہے۔" اُس لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ کچھ دیر پہلے اپنے پاؤں کو دیکھ کر دِل میں سِمٹتی کیفیت کو دَھکا لگا۔ وہ جو کچھ کہنے لگی تھی، کہہ نہیں سکی۔ خاموشی سے آگے کو ہو کر ٹیبل سے سیل فون اُٹھا کر اُسکی جانب بڑھایا۔

"بہت معذرت! تمہارا فون میرے پاس رہ گیا تھا۔" اُسکی مُختلف بات پر عباس نے مزید کچھ کہے بغیر اُسکے ہاتھ سے جیسے ہی سیل فون لیا، اُسی وقت "**نازنین کالنگ**" لکھا آنے لگا۔

"اسلام علیکم، نازو!" سیل فون عُجلت میں کان سے لگا کر وہ تیز قدموں سے آفس سے باہر نِکل گیا۔ پیچھے میزاب شیشے کی دیوار سے اُسکو اِدھر سے اُدھر ٹہل کر بات کرتے دیکھنے لگی۔ وہ اُسکے ہر انداز سے شدید اِضطراب اور بے چینی محسوس کر سکتی تھی۔ پیشانی سہلاتا ہاتھ گہرے تفکر کی غمازی کر رہا تھا۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ وہ کیا بات کر رہا ہے مگر اِتنا ضرور معلوم تھا کہ اُسکو مُشکل لاحق ہے۔ اگر ہم شیشے کا دروازہ کھول کر باہر آئیں تو ہماری سماعتوں میں عباس جان نِثار کی سنجیدہ مگر اُٹھان سے بَھرپور آواز با آسانی گونجے گی۔ اُسکے چہرے کا مُضطرب تاثر، لہجے سے ظاہر نہیں تھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے تمہارا بھائی پہلے ہے حملے میں ناکام ہو سکتا ہے۔" وہ سوال نہیں تھا۔ اِس کی نازنین مُحتسب کو خبر تھی تبھی اُسکے اُٹھے کندھے ڈھیلے ہوئے۔ چہرے کا تفکر جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

"مُجھے معلوم تھا آپ کو اِتنی آسانی سے نہیں ہرایا جا سکتا۔" نازنین کے لہجے کے فخر پر عباس کے چہرے کو مُسکراہٹ چُھو گئی۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اُسکی مُسکراہٹ نے کسی کو کتنی تقویت پُہنچائی ہے۔ میزاب اُٹھ کے اپنی پاور چیئر پہ بیٹھ کر باقی ماندہ کام کرنے لگی۔

"لیکن آبی بھائی! احتساب چچا بہت غصّے میں ہیں۔ اُنکا بَس نہیں چل رہا ورنہ وہ کسی میزاب نامی عورت کا قتل کر بیٹھیں۔" اُسکی اگلی بات پر عباس کے چلتے قدم ٹھہر گئے۔ بے داغ ماتھے پر شکنیں نمایاں ہوئیں۔

"وہ دَاجی سے بہت اُونچی آواز میں آپکے اور میزاب نامی عورت کے بارے میں کچھ کہہ رہے تھے۔" اُس بات پر حقیقتاً عباس جان نِثار کا سانس تھم گیا۔ چہرے کا رنگ مَاند ہوا مگر اُسکو کچھ خبر نہیں تھی۔

"اُنکی باتوں پر دھیان نہ دو۔ ابھی جب نتیجہ اُنکے حسبِ مَنشاء آئے گا تو خود ہی ٹھنڈے ہو جائیں گے۔" اُسکا انداز ڈھارس پُہنچانے والا تھا۔ نازنین سے زیادہ خود کو باور کروایا گیا۔

"مگر آبی بھائی! یہ میزاب کون ہے؟" نازنین کا سوال دِل و نگاہ کو اُلجھا دینے والا تھا تبھی خاموشی کا وقفہ آ گیا۔

"تم نے جان کر کیا کرنا ہے؟" خاموشی کے طویل وقفے کے بعد اِنتہائی سنجید گی سے سوال آیا۔

"احتساب چاچو کہہ رہے تھے اگر عباس بُھولا کہ میزاب دُشمنوں کی عورت ہے تو آپ دونوں کو زندہ در گور کرنے سے نہیں چُوکیں گے۔" نازنین کے لہجے کی لرزش اور اُن بھاری الفاظ پر عباس کا اندر جُھنجُھنا اُٹھا۔

"احتساب چچا کا اِنتقام نے دماغ اُلٹ دیا ہے۔" عباس نے اُس مغلوب کرتی کیفیت سے خود کو بڑی مُشکل سے بچا کر سَر جھٹکا۔

"آپ کا تو نہیں اُلٹا نہ، بھائی؟" نازنین کے خدشے نے اگلی پچھلی ساری کسر نکال کر رکھ دی۔ پیشانی مَسلتا ہاتھ، بے دَم ہو کر پہلو میں آ گِرا۔

"آپ۔۔۔آپ واپس آجائیں نہ۔ دفع کریں اِس اِنتقام کو، آبی بھائی۔ میں مما، بابا کے بعد آپکو نہیں کھونا چاہتی۔" نمناک ہوتی آواز کے تحفظات اور خوف جائز تھے۔ وہ کم عمری میں ماں اور باپ دونوں کا دُکھ دیکھ چکی تھی اور مزید ایک اور پیارے کا نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔

"مُجھے کچھ نہیں ہو گا، نازو۔ تم اپنا خیال رکھو اور خوش آئیند اور مثبت سوچا کرو۔" نرم تنبیہہ کرتے ہوئے اُس نے الوادی کلمات کہہ کر کال مُنقطع کر دی۔ اَب اُسکے تاثرات پہلے جیسے نرم نہیں رہے تھے۔ نازنین کا لفظ لفظ سماعتوں میں گونج کر خُون کی گردش تیز کر رہا تھا۔ اپنے آفس میں جانے سے قبل اُس نے ایک نظر، بے حد سرسری سے ایک نظر لاتعداد فائلوں میں جُھکی اُس عورت کی جانب ڈالی جسکے بارے میں اُسکے احتساب چچا کھٹک چُکے تھے اور عباس سے زیادہ کون اُنکی فطرت کو جانتا تھا۔ ساری کیفیات پَرے دھکیل کے وہ اپنے آفس کا دروازہ دھکیلتا ہوا اندر چلا آیا اور پھِر ٹیبل پر رکھا لیپ ٹاپ کھول کر بیٹھتے ہوئے دو حرفی پیغام بھیجا۔

"**شرافت دیکھادو!**" اور پھِر پیغام بھیج کر اُن سُنہری آنکھوں میں روشن کر دینے والی مُسکراہٹ دوڑ گئی۔ ایک بار پھِر اُسکا سیل فون بجا اور اَب کی بار '**جواد کالنگ**' والے نمبر کو مُسکراتے ہوئے اُٹھایا گیا۔

"تو تیار ہو تم؟" اُسکی مُسکراتی آواز پر دوسری جانب جواد کا چھت پھاڑ قہقہہ بے ساختہ تھا اور اُس قہقہے کو سُنتے ساتھ وہ خود بھی ہر فکر سے آزاد ہو کر بے ساختہ گردن پیچھے کو پھینکے ہنستا چلا گیا۔ میزاب کا آفس اِتنا دُور نہیں تھا کہ آواز وہاں تک نہ پُہنچتی۔ اُس قہقہے پر میزاب نے بے طرح حیرت سے چہرہ پھیر کر سائیڈ شیشے سے نظر آتے دوسرے آفس میں بیٹھے عباس کو دیکھا اور سُرمائی آنکھیں لرز کر ساکن سی اُس مَرد کو پہلی باریوں قہقے لگاتے دیکھنے لگیں۔ اُس نے اپنی زندگی میں آج سے پہلے کبھی کسی کو اِتنا خوبصورت ہنستے نہیں دیکھا تھا۔ وہ اگر مُسکراتا نہیں تھا تو ٹھیک ہی کرتا تھا۔ اُسکی مُسکراہٹ بڑی منفرد اور دلکش تھی۔ تھا تو یہ خالص زنانہ سا تبصرہ مگر میزابِ رحمت خود ہی اِس

تبصرے پر دِل ہی دِل میں مُسکرانے لگی۔ وہ یونہی مُسکراتی رہتی اگر جو سیل فون پر آتے ثریا اَصفہان کے میسج کو نہ پڑھتی۔ اُس پیغام نے وہ بے رِیا، حسین مُسکراہٹ اُس چہرے سے نوچ کر دُور پھینک دی۔

✓ آگہی فرطِ مُسرت کو نگل جاتی ہے

تم نے آسان سمجھ رکھا ہے دانا ہونا۔۔۔

(مُرشد صدیقی)

"آخر تم پھر سے ایک بار بچ نکلے۔" اُسکے برابر دَھپ سے بیٹھتے دوست کی بات پر مُدثر نے مُسکرا کر اُسکو دیکھا۔

"میں اِیسے کام نہیں کرتا جِس سے میرے خاندان کی بدنامی ہو۔" اُسکا فخر دیکھنے لائق تھا۔

"یہ تو تم نے بالکل سہی کہا۔" اُسکے برابر بیٹھتے ذکی نے اپنے دوست کے ہاتھ سے اُم الخبائث کی بوتل لیتے ہوئے اُسکی جانب بڑھ کر کہا۔ اُسکے قدم اِدھر اُدھر ڈگمگا رہے تھے۔ صاف ظاہر تھا کہ نشے کی زیادتی سے اُسکا دماغ ٹھکانے پر نہیں۔ مُدثر کی جیسے ہی اُس تک نظر گئی۔ تیزی سے اپنی جگہ چھوڑ کر اُس تک آیا اور ایک محتاط نظر اِرد گرد دوڑا کر اُسکے ہاتھ سے بوتل لینی چاہی مگر ذکی بروقت پیچھے ہو گیا۔

"ذکی! مہمانوں کے سامنے میں کوئی تماشا نہیں چاہتا۔" آگے کو ہو کر اُس نے ذکی کو دبی آواز میں تنبیہہ کی مگر ذکی اُسکو کندھے سے دھکا دے کر آگے بڑھا جہاں مُدثر کے سرکل کی فی۔ میل فرینڈز بیٹھی تھیں۔

"انجوائے کرو، برو۔ آج کا جشن تمہارے نام۔" پلٹ کر اُس نے سنجیدگی سے خود کو دیکھتے مُدثر کو آنکھ ماری اور ایک لڑکی کے برابر بیٹھ گیا۔ وہ جیسے ہی اُٹھنے لگی، ذکی نے اُسکو کلائی سے پکڑ کر ایک جھٹکے سے اپنے برابر بٹھا لیا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟" وہ کوئی دبوسی لڑکی تو تھی نہیں جو چُپ چاپ دُبک کر بیٹھ جاتی۔

"بدتمیزی تو ابھی میں نے کی ہی نہیں۔" خباثت سے مُسکرا کر جو کہا گیا اُس پر سب کے درمیان معنی خیز نظروں کا تبادلہ ہوا۔

"ذکی!" مُدثر نے دانت پیس کر اُسے دیکھا جو وہاں چوڑا ہو کر بیٹھ چُکا تھا۔ باہر مین ہال میں سارے مہمان جمع تھے اور وہ مزید کوئی تماشا نہیں چاہتا تھا۔

"یار! انجوائے کر بیٹھ کے۔" مُدثر کے دوست اُسکو کھینچ کر اپنے ساتھ اُس کمرے سے مُلحق کمرے میں لے گئے۔ جانے سے قبل وہ ذکی کو تنبیہی نظروں سے دیکھنا نہیں بھولا تھا۔

"اُس بچارے کو کبھی اکیلا بھی چھوڑ دیا کرو۔" مُدثر کے دوست نے اُسکو زبردستی دوستوں کی محفل میں گھسیٹتے ہوئے پُرمزاح کہا۔

"تم اُسکو ابھی جانتے نہیں ہو۔ اُسکو کوئی بھروسہ نہیں وہ کہیں بھی بلاسٹ۔۔۔" مُدثر کا جملہ کانچ کے ٹوٹنے اور ایک دَرد بھری اُونچی چیخ نے مکمل نہیں ہونے دی۔ سب لڑکے بھاگ کر دوسرے کمرے کی جانب بڑھے اور اُن سب میں آگے بدحواس سا مُدثر تھا۔ دوسرے کمرے کا دروازہ کھولتے ہی باقی لڑکوں کی جہاں چیخیں نکلیں وہیں مُدثر لرز کر اپنے قدموں پر ساکن ہوا۔ کانچ کا ٹیبل ٹوٹ کر کرچی کرچی ہو چُکا تھا اور یقیناً یہ اُس لڑکی کے سبب تھا جو اوندھے مُنہ زمین پر گری خُون میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اُسکے گِرد خُون تیزی سے پھیلتا جا رہا تھا۔

"کمینی! مُجھے اِنکار کرتی ہے۔" ذکی پر خُون سوار تھا۔ لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ اُس کانچ کی بھاری بوتل اُس لڑکی کے سر پر پوری قوت سے دے ماری۔ ساری لڑکیاں چیختے چلاتے اپنی جگہ سے اُٹھ کر سہمتے ہوئے ایک دوسرے سے آلگیں جبکہ اُنکی چیخیں پر ذکی وہ ٹوٹی بوتل لہراتا ہوا اُن تک آیا تبھی مُدثر کو ہوش آیا۔

"ذکی!" اُس نے زندگی میں پہلی بار اِتنا خُون دیکھا تھا تبھی قدم لرز کر رہ گئے۔ ذکی نے پلٹ کر کینہ توز نظروں سے اُسکو دیکھا۔

"لوجی! ہیرو صاحب آ گئے۔" اُسکے دانت کچکچاتے انداز پر مُدثر نے پیلے پڑتے چہرے کے ساتھ کمرے میں موجود تمام لڑکیوں اور لڑکوں کے خوفزدہ چہرے کو دیکھا۔

"کوئی کیمرہ نہیں کھولے گا۔" کسی لڑکی کو سیل فون نکالتے دیکھ کر مُدثر شیراز کو ہوش کی دُنیا میں آنا پڑا۔

"میں ایمبولینس کو کال کرنے۔۔۔" لڑکی نے ہکلا کر کہنا چاہا مگر مُدثر نے آگے بڑھ کر اُسکا سیل فون لیتے ہوئے پوری قوت سے زمین پر پٹخ دیا۔

"اگر یہ بات باہر گئی تو تم سب کا بھی یہی حال ہو گا۔" اَب کے اُسکے لہجے میں ذکی کی آنکھوں سے زیادہ تُندہی تھی۔ سب نے گھبرا کر اپنے سیل فون چھوڑ دیئے کیونکہ وہ مُدثر شیراز کو بہت اچھی طرح جانتے تھے۔

"تم۔۔۔! یہاں سے ہلنا مت۔" اُنگلی اُٹھا کر ذکی کو تنبیہہ کرتے ہوئے وہ تیز قدموں سے دروازے تک گیا اور کھول کر باہر نکلا۔ راہداری سُنسان تھی مگر اُسکے ساتھ ہی مُلحق ہال میں ہاشم بزنجو کی تمام کاروباری، سیاسی اور سماجی شخصیات بیٹھیں تھیں۔ ایک نظر دروازے پر ڈال کے وہ جیسے ہی آگے بڑھا سامنے سے آتی میزاب کو دیکھ کر جس طرح بوکھلا کے تیزی سے پیچھے ہوا، میزاب نے ٹھٹک کر اُسے بغور دیکھا۔

"سب ٹھیک ہے، مُدثر؟" اُسکے نرم اِستفسار پر مُدثر نے گہرا سانس لیا۔ کوئی بوجھ تھا جو اعصاب سے سرکتا محسوس ہوا۔ اُسکے سامنے میزاب رحمت تھی۔ تمام مسئلوں کو منٹوں میں حل کر لینے والی۔

"ایک چھوٹا سا مسئلہ ہو گیا ہے، زیب۔" ماتھا سہلا کر وہ تیزی سے اُس تک آیا جبکہ عُجلت میں میزاب کے پیچھے کھڑے عباس کو نظر انداز کر گیا جو آنکھوں میں عجیب سی سختی لیئے اُسکو دیکھ رہا تھا۔

"اندر ذکی نے نشے کی حالت میں ایک لڑکی۔۔۔" اُسکا جملہ بھی مکمل نہیں ہو سکا اور میزاب نے اُسکو پوری قوت سے سائیڈ پر دھکا دے کر دروازہ ایک جھٹکے سے کھولا۔ اندر کا منظر رُوح سلب کرنے والا، قیامت خیز تھا۔ لمحے بھر کو میزاب رحمت کے چہرے کا رنگ نُچڑ گیا۔ قدم بے جان ہونے پر جیسے ہی لڑکھڑائی پیچھے موجود عباس نے بروقت آگے آکر اُسکو بازو سے تھام کر سنبھال لیا۔ بھیگتی آنکھیں لرز کر پلٹتے ہوئے سُنہری آنکھوں سے ٹکرائیں اور عباس جان نِثار کا دِل پوری قوت سے سُکڑ کر پھیلا۔ اُسکا چہرہ برف کی مانند سفید ہو رہا تھا۔

"جان نِثار! ایمبولینس کو کال کرو۔" اِس سے پہلے کہ عباس اُسکے ٹھیک ہونے کی یقین دہانی لیتا اُس نے بامُشکل خود کو سنبھال کر مُدثر کو چونکا دیا۔

"تم۔۔۔ کیا کر رہی ہو؟ باہر سارے۔۔۔" وہ جانتا تھا کہ میزاب کو سارے مسئلے سنبھالنے آتے ہیں مگر وہ یہ کرے گی، اِسکا اندازہ نہیں تھا۔

"شٹ آپ!" عباس کا بازو آہستگی سے چھوڑ کر اُس نے یک دَم غُرا کر کہتے ہوئے سب کو دُبکا دیا۔ میزاب آہستہ قدموں سے اُس لڑکی تک آئی جِسکا خُون فرش کو تیزی سے رنگین کرتا جا رہا تھا۔ لَب بھینچ کر اُس نے پلٹتے ہوئے ذکی کو دیکھا اور وہ نظریں اِیسی تھیں کہ ذکی کا سارا نشہ ہرن ہو گیا۔ ساری مستی کافور ہو گئی۔

"ایمبولینس آرہی ہے۔" عباس کی اطلاع پر میزاب نے اپنا کوٹ اُتار کے اُس لڑکی کے اُوپر ڈالنے کو جُھکی۔

"باہر بہت اہم شخصیات بیٹھی ہیں، میزاب۔ یہ بات باہر۔۔۔" مُدثر نے پریشانی سے لَب کُچلتے ہوئے کچھ کہنا چاہا مگر میزاب ایک جھٹکے سے کھڑی ہو کر اُسکی جانب پلٹی۔

"کیا بکواس کر رہے تھے تم؟ چھوٹا سا مسئلہ؟ یہ چھوٹا سا مسئلہ ہے۔ یہ وقعت ہے اِنسانی جان کی تمہاری نظر میں؟ شرم نہیں آئی یہ بکواس کرتے ہوئے۔" وہ چیخ نہیں رہی تھی مگر اُسکے مدھم لہجے نے مُدثر شیراز کا سارا لہو خُشک کر دیا۔ عباس بے حد توجہ سے اُن شعلے اُگلتی سُرمائی آنکھوں کو دیکھنے لگا تھا۔

"تم یا تمہارا یہ گھٹیا بھائی یہاں مرے پڑے ہوتے نہ تب یہ بکواس کرنی تھی۔" اُسکا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ مُدثر کا چہرہ تھپڑوں سے لال کر دیتی۔

"اُسکو کچھ مت کہو، میری۔۔۔" ذکی جیسے ہی قریب آیا میزاب نے پوری قوت سے سیدھا ہاتھ گُھما کر اُسکے گال پر تھپڑ جھڑ کر اُسکو لڑکھڑا کر زمین بوس ہونے پر مجبور کر دیا۔

"دُعا کرو کہ اِس لڑکی کو کچھ نہ ہو۔" اُسکا ایک ایک لفظ لہو جما دینے والا تھا۔ ذکی وہیں قالین پر گِر کر کانپنے لگا۔ سارا نشہ اُس ایک تھپڑ کی وجہ سے نو دو گیارہ ہو چُکا تھا۔ ایمبولینس کے ہارن پر عباس تیز قدموں سے باہر بھاگا اور لمحہ نہیں گُزرا ہو گا جب پیرامیڈیکل سٹریچر لے کر اندر داخل ہوئے۔ اندر کا ماحول اُنکے لیئے نیا نہیں تھا تبھی چونکے بغیر اُس لڑکی کو اُنہوں نے احتیاط سے سٹریچر پر لِٹایا۔

"میں ہاسپٹل جا رہی ہوں اور تم۔۔۔ میڈیا کو کنٹرول کرو۔ اگر اِس لڑکی کا چہرہ، نام یا کچھ بھی باہر گیا تو کسی کی خیر نہیں۔" مُدثر کو تنبیہی نظروں سے کہہ کر وہ تیز قدموں سے پیرامیڈیکل سٹاف کے پیچھے بھاگی۔ ہال میں چہ مگوئیاں

ہونے لگیں مگر اُسکو معلوم تھا کہ ہاشم بزنجو سب سنبھال لیں گے تبھی ایمبولینس میں بیٹھنے سے پہلے اُس نے ایک میسج اُنکے نمبر پر کر کے اُنکو حالات سے خبر دار کر دیا تھا۔ دروازہ بند کر کے جِس وقت عباس بھی اُسکے برابر بیٹھا، میزاب نے چونک کر اُسکو دیکھا۔

"تم۔۔۔گھر جاؤ، جان نِثار۔ میں سب مینیج کرلوں گی۔" اُن انکھوں اور نرم لہجے کی حلاوت پر عباس نے چہرہ جُھکا کر اُسکے گود میں دَھرے لرزتے ہاتھوں کو دیکھا اور پھر ایمبولینس کی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

"میں جانتا ہوں آپ سب مینیج کر سکتی ہیں مگر اِس کارِ خیر میں مجھے بھی حصّہ لینے دیں۔" ایمبولینس سٹارٹ ہو کر گولی کی رفتار سے قصرِ بزنجو کو پیچھے، بہت پیچھے چھوڑتے ہوئے **'الشافی ہاسپٹل'** کی جانب بڑھ رہی تھی۔ وہی ہاسپٹل جِس کی بُنیاد بزنجو خاندان نے رکھی تھی۔ میزاب صرف چند پَل کو عباس کے حوصلہ دیتے الفاظ پر چونکی دوسرے ہی پَل سیل فون بیگ سے نکال کر اپنے فیملی ڈاکٹر کو کال کرنے لگی۔

"ڈاکٹر رضا! آپ ڈیوٹی پر ہیں؟" اُسکے سوال پر گھر جانے کو تیار رضا نے ٹھٹک کر اپنے ہاتھ میں پہنی گھڑی دیکھی جو رات کے دس: تیس بجا رہی تھی۔

"ہاں! سب خیریت ہے، میزاب؟" وہ اُنکے فیملی ڈاکٹر کا بیٹا اور میزاب کا بہت اچھا جاننے والا تھا۔ اِیسے میں وہ مختلف فیورز اُس سے ہی لیتی تھی۔

"میں آپ کے ہاسپٹل آرہی ہوں ایک مریض کے ساتھ۔ اُسکی حالت بہت نازک ہے اور خُون بہت زیادہ بہہ چُکا ہے۔" اُسکی مزید معلومات پر رضا نے اپنے آفس ٹیبل پر موجود بٹن دبا کر ہاسپٹل میں ایمرجنسی کا الارم بجا دیا۔

"ہم بس پانچ منٹ میں پُہنچنے والے ہیں۔" کال بند کر کے اُسکے اعصاب سے کوئی بوجھ سرکنے لگا مگر ابھی بہت مُشکل مراحل باقی تھے۔ اُس نے اپنے ہاسپٹل کا اِنتخاب اِسی لیئے کیا تھا کہ میڈیا اور پولیس کی مُداخلت سے ہٹ کر صرف علاج یہیں مُمکن تھا۔ لڑکی کی جان بچانا اُسکی پہلی ترجیح تھی۔ اِسکے بعد جو بھی ہونا تھا وہ دیکھا جا سکتا تھا۔ ایمبولینس ایک جھٹکے سے ہاسپٹل کی ایمرجنسی کے داخلی دروازے کے سامنے رُکی۔ کئی ڈاکٹر بھاگتے ہوئے باہر آئے جن میں سب سے آگے ڈاکٹر رضا تھا اور پھر عباس دروازہ پیچھے کھول کر خود اُترا اور ہاتھ میزاب کی جانب بڑھایا۔ قریب آتا رضا صرف ایک پَل میزاب کو اُس اجنبی شخص کا ہاتھ تھام کر اُترتے دیکھ کے ٹھٹکا اور دوسرے پَل باقی سب کی مدد سے سٹریچر کھینچ کر نیچے اُتارنے لگا۔

"رضا!" وہ جیسے ہی سب کے ساتھ سٹریچر اندر لے جانے لگا، میزاب کی پُکار پر ٹھہرا۔ باقی سب کو فوری اندر لے جا کر ٹریمنٹ سٹارٹ کرنے کا کہہ کر وہ اُس تک آیا۔

"اقدامِ قتل کا کیس ہے، رضا۔ میں باقی سب سنبھال لوں گی۔ آپ بس اُس لڑکی کو بچا لیں۔" عباس کو یہاں پر بھی لگا اُسکے برابر کھڑی عورت اِس دُنیا کی نہیں ہے۔ گداز ہوتے دِل سے وہ اُس سحر زدہ کرتی عورت کے چہرے کے غمگین تاثرات کو دیکھ کر نئے سِرے سے مُضطرب ہو رہا تھا۔ دِل کی دُنیا میں اُٹھتا کہرام گھبراہٹ میں مُبتلا کر دینے والا تھا۔

"میں سمجھ سکتا ہوں۔" رضا توقف کے بعد کچھ کہنے کے قابل ہوا۔

"تم فکر نہ کرو۔ وی وِل ٹرائے آور ویری بیسٹ۔" اُسکے ڈھارس دیتے الفاظ بھی میزاب کے اندر کی کثافت اور گھٹن کو کم نہیں کر سکے۔ رضا نرمی سے مُسکرا کر اندر ایمرجنسی دروازے سے بھاگ کر اندر چلا گیا۔ میزاب چند پَل

یونہی چہرہ گھما کر رات کی پھیلتی تاریکی کو خالی ہوتی آنکھوں سے دیکھتی رہی۔ دِل میں اِتنا حزن تھا کہ اُسکی تکلیف اُس معصوم چہرے تک سے نمایاں تھی۔

"آپ۔۔۔ ٹھیک ہیں؟" نہ جانے کیوں عباس جان نِثار خود کو روک نہیں سکا۔ میزاب نے گہرا، تھکتا سانس فضا کے گرد سُپرد کیا۔

"نہیں، جان نِثار!" عباس نے تحیر سے آنکھیں پھیلا کر اُسکو دیکھا۔ یہ اِن چند مہینوں میں پہلی بار تھا کہ میزاب نے اِتنا مایوس کُن اور سوگوار جواب دیا تھا ورنہ وہ تو ہر دَم عباس تک کے سامنے سب ٹھیک ہے کا ورد کرتی رہتی تھی۔

"ابھی مجھے اُس لڑکی کے گھر والوں کو بھی بُلانا ہے۔" چہرہ جُھکا کر گھٹتی آواز میں اُس نے بے حد دِقت سے کہا۔ عباس اُس عجیب دُھوپ، چھاؤں جیسی عورت کو دیکھ کر رہ گیا۔ وہ جِتنا اُسکے قریب ہو کر اُسے جاننے کی کوشش کر رہا تھا میزابِ رحمت اُتنا ہی اِسرار میں لپٹتی جا رہی تھی، اُسکے دِل کا تجسس بڑھا رہی تھی مگر خود یقیناً غافِل تھی۔

"میں کال کر دیتا ہوں۔" اُس نے میزاب کا بوجھ بانٹ لینا چاہا۔

"نہیں جان نِثار! اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى۔" اُسکی اگلی بات پر جان نِثار نمک کے مُجسمے میں تبدیل ہو گیا۔ دِل اگر دھڑکتا بھی تھا تو فلحال نہیں۔ شوق کی بیداری کا کوئی وقت متعین تھا، تو یہی تھا۔

"یہ میرا بوجھ ہے، جان نِثار۔ تمہارے کندھے پر میں کبھی بندوق نہیں رکھ سکتی۔" اُسی نرم لہجے میں باور کروایا گیا جو اُسکا خاصا تھا مگر آج وہ کچھ عجیب طرح سے عباس جانِ نثار سنجرانی کے دِل پر اثرانداز ہوا تھا۔ اپنے الفاظ کے اثر سے غافل وہ آگے بڑھ گئی مگر عباس وہیں کھڑا رہا۔

"جان نِثار!" اپنے ہمقدم قدموں کو نہ محسوس کر کے اُس نے پلٹ کر پُکار کر عباس جان نِثار کو کسی ماورائی خواب سے بیدار کر دیا۔

وہ کسی خاص، کوئی نئی کیفیت کے زیرِ اثر اُس عورت کے نقشِ قدم پر چلا پڑا اگر کہیں پیچھے اُسکا دھڑک اُٹھتا ہیولا ابھی تک وہیں ساکن تھا۔

✓ پیروں کو پوچھیئے تو وہیں پر جمے ہوئے

آنکھوں میں جھانکیئے تو کہیں جارہاہوں میں۔۔۔

(ادریس باہر)

وہ ہاسپٹل کی یخ کوریڈور میں دیوار سے ٹیک لگا کر نہ جانے کب سے کھڑی تھی۔ اندر آپریشن ہو رہا تھا اور اُسے ایک لمحے کے لیئے بھی یہاں سے نہیں ہلنا تھا۔ جب تک ڈاکٹر رضا کچھ مثبت جواب نہیں دیتے وہ اُس لڑکی کے گھر میں اطلاع کرنے کی ہمت خود میں نہیں لاسکتی تھی۔ عباس بلڈ بینک سے خُون کی بوتلیں لے کر واپس آرہا تھا تبھی اُسکی نگاہ دیوار سے ٹیک لگا کر ابھی تک کھڑی میزاب تک گئی۔ دونوں ہاتھ دُعائیہ اپنے ہونٹوں سے لگا کر، آنکھیں مُوندیں وہ گہری ریاضت میں مصروف تھی۔ نرسوں کے حوالے خُون کی بوتلیں کر کے عباس خاموش قدموں سے اُس تک آیا جسے اُس نے کبھی سُکھ سے نہیں دیکھا تھا۔ ہر وقت بھاگ دوڑ، دوسروں کے مسئلے سُلجھانا، سارا بار اپنے کندھوں پر اُٹھائے اِدھر اُدھر بھاگتے رہنا۔ اُسکا دِل بے اِختیار اُس عورت کے لیئے پسیجنے لگا جِس کو سارے زمانے کی فکر تھی۔ جو عباس کے لیئے **'سارے جہاں کا دَرد ہمارے جگر میں ہے'** کی جیتی جاگتی مثال تھی۔ اُس دُشمن،

نفرت انگیز، بے حس، سخت سے خاندان میں رہنے کے باوجود کِس قدر نرم، کتنی بے ریا اور معصوم تھی۔ اُن لرزتی پلکوں کی جُنبش دیکھتے ہوئے دھڑکنوں کے ساتھ عباس جان نِثار کی سوچیں بھی بے اِختیار ہو چکی تھیں۔ یہ مغلوب کرتی کیفیت جِن میں وہ نہ جانے کب سے مُبتلا محسوس کر رہا تھا خود کو اُسے اعصابی طور پر تھکانے لگی تھی۔ نہیں بُھولنا چاہتا تھا کہ وہ دُشمنوں کی عورت ہے جِس کی سمت جا کر اُسکی نظر ٹھہر جاتی ہے، دَھڑکن بے ترتیب ہو جاتی ہے مگر عباس جان نِثار بُھولنے لگا تھا۔ اِس بُھول کا کیا اَنجام ہونے والا تھا اِس سے وہ بے خبر تو نہیں تھا مگر مسئلہ یہ تھا کہ بات اُسکے اِختیار سے باہر ہونے لگی تھی۔ کیا وہ خود کے بچاؤ کے لیئے کوئی تدبیر کر سکتا ہے؟

✓طبیعت کی کشاکش نے ہمیں آخر ڈبونا تھا

کبھی دریا لگا اچھا، کبھی ساحل پسند آیا

متاعِ سوختہ دِل سے لگائے پھرتا رہتا ہوں

کہ شہرِ آرزو جیسا بھی تھا، حاصل پسند آیا

عَجب رَنگ آ گیا ہے دِل کے خُوں ہونے سے آنکھوں میں

ہمیں بھی اَب کے گِریہ میں لہو شامل پسند آیا

نہ تھا یوں بھی کہ جِس کو دیکھتے، ہم اُسکے ہو جاتے

کہ تُو بھی تو ہمیں جاناں! بصد مُشکل پسند آیا

فراز اپنی اَدا کا ایک دیوانہ ہے کیا کیجیئے

اُسے سارے مسیحاؤں میں اِک قاتل پسند آیا۔۔۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔" ایک نظر اُن لرزتے ہاتھوں کو دیکھ کر نگاہیں سامنے سفید دیوار پر جماتے ہوئے اُس نے آہستگی سے کہتے ہوئے میزاب کو چونکا دیا۔ آنکھیں کھول کر ہاتھ پہلو میں گراتے ہوئے اُس نے چہرہ پھیر کر اپنے برابر کھڑے شخص کو دیکھا جو اُسے بہت کم دیکھتا تھا مگر اُسکے باوجود میزاب کو وہ ہر وقت چوکنا اور متوجہ محسوس ہوتا تھا۔ جو ہر مُشکل میں اُسکے ساتھ کسی گھنے، سایہ دار شجر کی مانند اِیستادہ تھا۔ دِل کی تماثیل پر لرزا اُٹھتی آنکھیں بے اِختیار جُھک گئیں۔

"اِنشاءاللہ!" اُس نے جیسے سب سے زیادہ خود کو تسلی دی۔ دونوں کے درمیان موجود خاموشی پِھر گہری ہونے لگی تبھی اُس نے کچھ سوچ کر ایک نمبر مِلایا۔

" تقی! مُجھے اُس لڑکی کے گھر والوں کی معلومات بتادو۔" اُسکی بات پر صرف ایک بار تقی چونکا اور پِھر اُسکو سب بتانے لگا۔

"اُسکی ایک بڑی بہن ہے بس۔ پیرنٹس کی ڈیتھ ہو چُکی ہے۔ ثمرہ نام ہے اُس لڑکی کا۔ میں تمہیں اُسکی بہن اشمارہ کا نمبر بھیجتا ہوں۔" تقی کے بتائے جانے پر اُسکے دِل پر مزید بوجھ گِرنے لگے۔

"جذاک اللہ، تقی!" نرمی سے کہہ کر اُس نے کال مُنقطع کر دی۔ چند پَل بعد سکرین پر نمبر نمودار ہوا۔ وہ یونہی بغیر پَلک جھپکے اُس نمبر کو دیکھتی رہی۔ کسی کو غم کی اطلاع دینے کی ہمت کہاں سے خود میں لاتی۔ لرزتے ہاتھوں سے اُس نے نمبر مِلا کر سیل فون کان سے لگایا۔ بیل جا رہی تھی اور پِھر مصروف سا سلام کی آواز سُنائی دی۔

"وعلیکم السلام! میں میزاب بات کر رہی ہوں ثمرہ کی دوست۔ آپ ثمرہ کی بہن ہیں نہ؟" اُسکے سوال ہر دوسری جانب اثمارہ چونک کر سیدھی ہوئی۔

"جی! سب خیریت ہے؟" دوسری جانب کی خاموشی کی وجہ سے لمحہ لگا اُسے کچھ بھانپنے میں۔

"آپ کی بہن ہاسپٹل میں ہے۔ آپ اسلام آباد الشافی ہاسپٹل آسکتی ہیں؟" آنکھیں بند کر کے چہرہ جُھکا یا گیا۔

"اللہ! کیا ہوا ثمرہ کو؟ م۔۔۔ میں تو۔۔۔ کراچی ہوں۔ مُجھے پُہنچنے میں دیر لگ سکتی ہے۔ وہ ٹھیک تو ہے نہ؟" دوسری جانب اُسکی بہن کے ہاتھ پیر پُھول گئے۔

"آپ آرام سے آجائیں میں یہاں ثمرہ کے پاس ہوں۔ اِنشاء اللہ وہ بالکل ٹھیک ہو گی جب تک آپ یہاں آئیں گی۔" اُسکے لہجے کے یقین پر عباس نے چہرہ پھیر کر اُس چہرے کو دیکھا۔

"اگر آپ کو مُشکل ہے تو میں آپکے آنے کا بندوست کرواسکتی ہوں۔" اُسکی جھجھکتی آواز پر اُٹھتی اثمارہ کے قدم تھمے۔

"میں آپ کی کراچی سے اسلام آباد کی فلائیٹ بُک کروادیتی ہوں۔ آپ اپنے پاسپورٹ اور باقی معلومات مُجھے اِسی نمبر پر بھیج دیں۔" اُس لہجے میں کچھ اِیسا تھا کہ اِتنی شدید پریشانی میں اثمارہ کے اعصاب سنبھلنے لگے۔

"آپ۔۔۔ اِیسا کر سکتی ہیں؟" اُسکی آواز میں خدشے تھے۔

"بالکل بے فکر ہو کر آپ اپنی تیاری کریں۔ میں آپکو ٹکیٹس کی تصاویر بھجواتی ہوں۔" مزید تسلی آمیز باتیں کہہ کر اُس نے تیزی سے کال مُنقطع کی۔ جانتی تھی کہ جب اُسکی بہن آئی گی تو سب سے پہلا اُسکا چہرہ ہی تھپڑوں سے لال ہو گا مگر اُسے اپنے اِختیار میں ہر کام کرنا تھا۔ اگلے دس منٹوں میں کائنات کو کال مِلا کر اُس نے اثمارہ کی بھیجی گئی تمام

اہم معلومات کائنات کو فارورڈ کر کے گہرا سانس لیا۔ اُسے اَب ٹکیٹس کا اِنتظار کرنا تھا۔ پندرہ منٹ گُزرتے ہی کائنات کے میسج نے اُسکا چہرہ کِھلا دیا۔

"آپ کی ٹکیٹس بُک ہو گئیں۔ آپ صُبح چار بجے کی فلائیٹ سے آسلام آباد پُہنچ جائیں گی۔" اثمارہ کو تسلی دِلا کر کال بند کرتے ہوئے اُس نے متفکر نظر سے آپریشن ہونے کی نشان دہی کرتی سُرخ بتی کو دیکھا۔ اُسکے دیکھتے ہی دیکھتے بتی بُجھی اور میزاب کا دِل دَھڑک کر ٹھہر گیا۔ سرجیکل گاؤن میں ملبوس ڈاکٹر رضا اُس تک آیا۔

"آپریشن کریٹیکل تھا مگر کامیاب رہا۔ اگلے پانچ گھنٹے پیشنٹ کے لیئے بہت اہم ہیں۔ وائیٹلز سٹیبل ہیں مگر حتمی بات تبھی ہو گی جب مریض ہوش میں آجائے گا۔" اُسکی وہ اطلاع نہیں، میزاب رحمت کے لیئے نئ زندگی کی نوید تھی۔

"جذاک اللہ، ڈاکٹر۔ آپ کی کوشش اور محنت کا احسان میں زندگی بَھر یاد رکھوں گی۔" اُسکی ممنونیت نے تھکان کے باوجود رضا کو مُسکرانے پر مجبور کر دیا۔

"احسان یاد رکھنے کے بجائے مُجھ غریب کے ساتھ ڈنر کیسا رہے گا؟" رضا کی اگلی بات پر پیچھے کھڑے عباس کی آنکھوں میں ناگواری تیرنے لگی۔ اُسے یہ عجیب سا ڈاکٹر بالکل پسند نہیں آیا تھا۔

"ضرور! کسی دِن اِنشاءاللہ!" نرمی سے میزاب کو کہنا پڑا۔ اُسکو فیورز کے بعد اِیسے فارملز لانچ اور ڈنر کی عادت تھی تبھی رَد نہیں کر سکی۔

"پھر مِلتے ہیں اگلے سنڈے۔" رضا مُسکرا کر آئی-سی-یو کی جانب بڑھ گیا۔ میزاب جیسے ہی پلٹی عباس کی ناگوار نظروں کے تعاقب میں رضا کو جاتے دیکھ کر بے طرح حیرت سے عباس کو دیکھا۔ اُسکے لیئے عباس کے چہرے کی ناگواری یکسر نئی تھی۔

"تمھیں کیا ہوا؟" وہ یہ سوال واقعی کرنا چاہتی تھی۔ عباس نے نگاہوں کا زاویہ بدل کر اُن حیران، مُنتظر آنکھوں کو دیکھا۔

"تمھیں ڈاکٹر رضا اچھے نہیں لگے؟" اُس روشن پیشانی پر موجود شِکنیں اور آنکھوں کے قریب تناؤ کی وجہ سے اکھٹی ہوئی بھنوں کو دیکھ کر اُس نے ناسمجھی سے سوال کیا۔

"کچھ عجیب چِپکو سا لگا۔ خوامخواہ کمبل ہو رہا تھا۔" وہ اپنی ناگواری مزید مُخفی نہیں رکھ سکا اور میزاب تھکتے اور نڈھال اعصاب کے باوجود کھکھلا کر ہنستی چلی گئی۔ اُسکے دِل کو معلوم تھا کہ اُسے ہنسنا نہیں چاہیئے۔ یہ سب بُھول کر ہنسنے کا مقام نہیں ہے مگر۔۔۔ وہ پِھر بھی ہنس پڑی تھی اور یہ بالکل پہلی بار تھا جب عباس سامنے کھڑی عورت کو یوں بے اِختیار کِھلکھلا کر ہنستے دیکھ رہا تھا۔

"یا اللہ!" اُس کانوں میں رَس گھولتی ہنسی کا دورانیہ گو کہ بے حد مُختصر مگر بہت پُر اثر تھا۔ دِل و رُوح پر ثبت ہو کر ہمیشہ کے لیئے نقش ہو جانے والا۔

"تم۔۔۔ تم۔۔۔ جیلس ہو رہے ہو؟" یونہی بے موقع اُسکے ہونٹوں سے نِکل گیا۔ نِکلنا نہیں چاہیئے تھا۔ عباس کے چہرے کا رَنگ اُڑا۔ نظریں چُرا کر پِھر سے اُس سُرخ قندھاری ہوتے چہرہ پر جمائیں جِن کی سُرمائی آنکھوں میں

زمانے کی تھکن کے باوجود پوری قوت سے اپنی جانب عجیب کھینچ لینے والا سحر پُوشیدہ تھا۔ وہ بھی خود کو گرفتار ہونے سے محفوظ نہیں رکھ سکا۔

"لاحول ولا قوۃ!" خود کو سرزنش کر کے بے اِختیار مدہم سا بڑبڑاتے ہوئے اُس نے میزاب کے چہرے کی مُسکراہٹ معدوم کر دی۔

"رضا بہت اچھا اِنسان ہے۔ تمہیں اُسکے بارے میں مشکوک نہیں ہونا چاہیئے۔" نرمی سے کہہ کر اُس نے پھِر سے راہداری کی دیوار سے ٹیک لگالی۔

"آپ نے گھر نہیں جانا؟" اُسکی وضاحت نے مزید عباس کو اُس رضا نامی چیکو سے متنفر کر دیا تبھی نظر انداز کر کے پوچھا۔

"جب تک ثمرہ کو ہوش نہیں آتا مُجھے یہاں ہونا چاہیئے۔" اُسکی وضاحت پر عباس نے گہرا سانس لیا۔ وہ یقین سے کہہ سکتا تھا کہ بزنجو خاندان کے سارے لوگ بارہ بجتے ہی خوابِ خرگوش کے مزے لاٹ رہے ہوں گے۔ ہاشم بزنجو کو معاملہ دبانا آتا تھا۔ سب کی خاموشی کو یقینی بنا کر دعوت جاری رہی ہو گی اور سب کے جاتے ہی بے فکر ہو کر سب اِیسے ہو گئے ہوں گے جیسے کچھ ہوا ہی نہ مگر یہ عورت!

"یہاں بینچ پہ بیٹھ جائیں میں آپکے لیئے کچھ کھانے کو لاتا ہوں۔" اُسکی سنجیدگی پر میزاب نے ناسمجھی سے اُسکو دیکھا جسکے لہجے کی قطعیت پر اُس نے خُود کو بغیر چُوں چَراں کے بیٹھتا پایا۔ اُسکو بیٹھتے دیکھ کر عباس تیز قدموں سے ہاسپٹل کے کیفیٹیریا کی جانب بڑھ گیا۔ وہ چہرہ پھیر کر چند پَل بھاری ہوتے اعصاب سے وہاں آئی-سی-یو کے شیشے کے دروازے کو دیکھتی رہی۔ نہ جانے صُبح کا سورج اُسکے لیئے کیا لے کر آئے گا۔ کچھ چونک کر اُس نے اپنا سیل فون

آنکھوں کے سامنے کیا مگر گھر سے اُسکو کوئی کال یا میسج نہیں آیا ہوا تھا۔ یہ اُسکے لیئے نیا ہوتا تو ضرور پریشان یا اُداس ہو جاتی مگر یہ اُسکے لیئے نئی بات نہیں تھی۔ وہ جانتی تھی دعوت اُس کہرام کے جانے کے بعد بھی جاری رہی ہو گی۔ اپنی سوچوں میں گُم اُسے اپنے بالکل برابر عباس کے بیٹھنے کا احساس نہیں ہو سکا۔

"بسم اللہ کریں!" اُسکے سامنے سینڈوچ کرتے ہوئے عباس نے اُسکی سوچوں پر لگام ڈال دی۔ میزاب نے ٹھٹکے بغیر اُسکے ہاتھ سے سینڈوچ لے کر عباس کو دیکھا جو کھانے کی باقی اشیاء کا شاپر گود میں رکھے سامنے دیکھ رہا تھا۔

"تم بھی کھاؤ۔" اُسکی ہدایت یقینی تھی۔ عباس جانتا تھا اُسے اکیلے کھانا نہیں پسند تبھی خود بھی سینڈوچ نکال کر آہستگی سے یونہی سامنے دیکھ کر کھانے لگا۔ اُس مدھم روشنیوں میں نہائی راہداری میں دبیز خاموشی کا احساس شدید تر ہونے لگا۔ دس منٹ بعد اُس نے ایک نظر میزاب کے ہاتھوں میں موجود خالی ریپر کو دیکھا اور قبل اِسکے جھک کر لیتا، میزاب کا سَر اُسکے شانے سے آ لگا۔ ساکن ہوتے عباس نے بے اِختیار چہرہ پھیر کے اُسے دیکھا جو اِرد گرد سے غافل ساری تھکاوٹ کے ہاتھوں مجبور ہو کر گہری نیند کی وادی میں اُتر گئی تھی۔ اُس نے سانس لینے کی کوشش کی مگر لے نہیں سکا۔ سیدھا چہرہ کر کے اُس نے جِس پَل سامنے دیکھا عباس کا کچھ دیر پہلے والا سپاٹ اور بے تاثر چہرہ کہیں بھی نہیں تھا۔ وہ عباس جان نِثار کی زندگی کی پہلی رات تھی جِس میں اُس نے سانس نہیں لیا، آنکھ نہیں جَھپکی بس دَھڑکنوں کو بے تحاشہ دَھڑکتے رہنے کے لیئے کُھلا چھوڑ دیا اور وہ بھی ہر قید سے آزاد دِل کے میدان میں سَرپٹ، بے لگام ہو کر دوڑ رہی تھیں مگر اُس سب سے غافِل دُشمنوں کی عورت جِسکی جانب سے عباس اپنا دِل سخت پتھر کر لینا چاہتا تھا، اُسکے شانے پر سَر رکھے چین کی نیند سوتی رہی۔ وہ اُس عورت کو جھٹک نہیں سکا۔ سنجرانی خاندان کا ولی عہد جو دُشمنوں سے جنگ کا عَلم بند کیئے بلوچستان کے پہاڑوں سے اسلام آباد کی سَرزمین پر اُتر آیا تھا اُسکو کسی اور شے نے اپنے شکنجے میں بُری طرح جکڑ لیا تھا۔ عباس جان نِثار کو اَب کہیں اَمان نہیں مِلنے والی تھی۔

✓خُوشبُو کو ترک کر کے نہ لائے چمن میں رنگ

اِتنی تو سوجھ بُوجھ میرے باغباں میں ہے

لشکر کی آنکھ مالِ غنیمت پہ ہے لگی

سالارِ فوج اور کسی اِمتحاں میں ہے

ہر جاں نِثار یاد دہانی میں ہے مُنہمک

نیکی کا ہر حساب دلِ دوستاں میں ہے

حیرت سے دیکھتا ہے سمندر میری طرف

کشتی میں کوئی بات ہے کہ بادباں میں ہے۔۔۔

(پروین شاکر)

وہ رات پہلی تھی جِس میں میزابِ رحمت بھرپور نیند لے کر سوئی تھی۔ اِتنی پریشانی، گلٹ اور خوف میں اِیسی تحفظ بھری نیند آنا کسی نعمت سے کم نہیں تھا۔ اپنا سَر اُٹھائے بغیر اُس نے خود کو بہت تازہ دَم محسوس کیا۔ قریب سے آتی وہ مخصوص معطر کرتی خُوشبو جِس نے ہمیشہ اُسکو اپنی تحفظ بھَرے حصار میں لیا تھا اَب بھی اُسکی قوتِ شامہ سے ٹکرائی۔ کئی دَھڑکنیں مدغم ہوئیں اور پھر اُس نے سَر اُٹھائے بغیر چُور نظروں سے آہستگی سے چہرہ پھیرا۔ سُرمائی آنکھوں کا سُنہری آنکھوں سے دَھڑکنوں کی تال اُلٹ کر رکھ دینے والا ٹکراؤ ہوا۔

"تم۔۔۔نے مجھے جگایا کیوں نہیں؟" یونہی اُن آنکھوں میں دیکھتے میزاب کا لہجہ مدہم تھا۔

"آپ پُر سکون نیند میں تھیں۔ مجھے اچھا نہیں لگا۔" مُناسب کے بجائے **'اچھا'** کا اِستعمال دِل کی مرضی پر کیا گیا۔ میزاب کی پلکیں لرز کر جُھکیں اور پِھر وہ خود سے گھبرا کر تیزی سے پیچھے ہوئی۔

"میں نے تمہیں تھکا دیا ہو گا۔" ندامت میں اُس سے نظریں نہیں مِلائی گئیں۔ اپنی کندھے میں ہوتا کھچاؤ نظر انداز کر کے سُنہری آنکھیں شوق سے دھمکنے لگیں۔

"تھکا تو واقعی دیا ہے۔" اُس مُضمحل خود کلامی پر میزاب نے ناسمجھی سے اُسے دیکھا یوں جیسے سُننے میں مُغالطہ ہوا ہو۔

"ہاں!" اُسکے اِستفسار پر عباس نے نظروں کا زاویہ بدل کا اپنا شانہ سہلایا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔ سارا فُسوں چودھویں رات کے جاتے ہی جا چُکا تھا۔

قبل اِسکے میزاب اندر جانے کا اِرادہ کرتی، راہداری سے بھاگ کر آتی عورت کو دیکھ کر اُسکا سانس تھم گیا۔ اُسکے پھیکے پڑتے چہرے اور پھیلتی آنکھوں کے تعاقب میں عباس نے چہرہ پھیرا اور پِھر اُس تک آیا جو کسی بھی لمحے ڈھے سکتی تھی۔ وہ جانتا تھا اُسے عباس کی تسلی اور تشفی کی کوئی ضرورت نہیں۔

"آپ۔۔۔ آپ ہیں میزاب؟" قریب آتی اُس ثمرین نامی عورت نے پریشانی سے بوکھلا کر پوچھا۔ میزاب کی آنکھیں، چہرہ اور گردن ایک ساتھ نیچے جُھکتے چلے گئے۔ وہ اِس عورت کو نگاہ اُٹھا کر نہیں دیکھ سکتی تھی۔

"ایم سوری!" اُسکی مدھم مُختلف بات پر ثمرین نے ٹھٹک کر اُسے دیکھا۔

"میری بہن کو کیا ہوا ہے؟" اُس ندامت اور شرمندگی سے جُھکے چہرے کو دیکھ کر اُسے کوئی خوفناک خدشہ لاحق ہوا۔

"آئی-سی یو میں ہیں۔ اُنکا آپریشن کامیاب ہوا ہے لیکن ہوش میں آنے کے بعد ہی کچھ بھی حتمی کہا جا سکتا ہے۔" عباس نے میزاب کی مُشکل کم کرنا چاہی۔ ثمرین کی آنکھیں حیرت اور صدمے سے پھیلیں۔

"میری بہن کو کیا ہوا ہے؟" اُسکے حلق سے الفاظ بامُشکل رُندھے لہجے میں نکلے۔ میزاب کا چہرہ کچھ اور جُھک گیا۔

"میرے بھائی کی وجہ سے آپکی بہن۔۔۔ شدید زخمی ہوئی ہے۔" لرزتے، کانپتے لہجے میں جو بتایا گیا اُس پر ثمرین کے کلیجے پر ہاتھ پڑا۔ عباس جان نِثار کے چہرے کا ہر تاثر بدلا۔ چند لمحے ثمرین یونہی بے یقینی سے میزاب کے جُھکے چہرے کو دیکھتی رہی اور پھر فضا تھپڑ سے گونج اُٹھی۔ عباس ایک جھٹکے سے آگے آنے لگا مگر میزاب نے خود کو بامُشکل سنبھال کر اُسکو بازو سے پکڑ کر روک دیا۔ سُنہری آنکھوں میں سُرخی دوڑنے لگی، جبڑے بھینچ گئے۔

"میں معذرت چاہتی ہوں۔" دِل پر اُترتی قیامت کے مُقابلے جَل اُٹھتے گال، پھٹتے ہونٹ کا دَرد کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ اذیت جو سامنے کھڑی عورت محسوس کر رہی تھی اُسکے مقابل میزاب کی تکلیف، اُسکی ندامت اور شرمندگی بہت ہیچ تھی۔

"وہ میری اکلوتی بہن، واحد رشتہ ہے۔ اگر اُسے کچھ بھی ہوا میں آپکو کبھی معاف نہیں کروں گی۔" چھلکتی آنکھوں کا غم بڑا جاں گُسل تھا۔

"میں آپکا غم سمجھ سکتی ہوں۔" نمناک آنکھوں کو بامُشکل خُشک رکھے اُس نے آہستگی سے کہا۔

"آپ۔۔۔ آپ جیسی عورت کو کیا غم ہوگا جو سمجھ سکیں گی۔" وہ چیخ نہیں رہی تھی مگر چیخ رہی تھی۔ اُسکا ہر لفظ میزاب کے پہلے سے چھلنی دِل پر کاری ضرب تھا۔

"آپ اپنی بہن سے مِل سکتی ہیں۔" بامُشکل خود کو باور کروائے عباس نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے اُس عورت کو ٹھٹکا دیا۔ اُس برابر کھڑے مَرد کی سنجیدگی آہنی تھی۔ وہ کسی وقت بھی ضبط کھو کر اُسے ایک لگا سکتا تھا۔

"آپ کو گھر چلنا چاہیئے۔ آپ کل سے یہاں کھائے، پیئے بغیر ہیں۔" عباس نے نرمی سے میزاب کا شانہ تھتپھا کر اُسے سَر اُٹھانے پر مجبور کر دیا۔

"میں یہاں رُکنا۔۔۔" اُس نے کہنا چاہا مگر عباس نے اُسکو جِن نظروں سے دیکھا وہ خاموش ہو گئ۔

"اَب اُنکی گارڈین آگئی ہیں۔ یہاں آپکو پھُولوں کے ہار کوئی نہیں پہنائے گا۔" اُس نے سب کچھ شروع سے نہ دیکھ رکھا ہوتا تو لَب سیئے رکھتا مگر وہ خود کو یہ سخت بات کہنے سے باز نہیں رکھ سکا۔ ثمرین نے ناسمجھی سے سامنے کھڑے مَرد کو دیکھا اور تبھی میزاب نے اثبات میں سَر ہلایا۔

"آپ اپنی بہن سے مِل لیں۔ میں پھر چکر لگاؤں گی۔" اُسے یہاں واقعی ابھی نہیں ٹھہرنا چاہیئے تھا۔ اُن دونوں کے جاتے ہی ثمرین بھاگ کر آئی۔سی۔یو کی جانب بڑھ گئ۔

"قسم سے بابا میں تو ہنس ہنس کر پاگل ہو رہی تھی رقیہ آپا کی بات پر۔" صُبح گیارہ بجے کے قریب جِس وقت میزاب نے گھر کے اندر قدم رکھا، ناشتے کی ٹیبل پر موجود تمام افراد کے زندگی سے بھرپور قہقے کی آوازوں پر ٹھہر گئ۔ سب سے اُونچا قہقہ ذکی کا تھا۔ عباس نے کینہ توز نظروں سے اُس ہال کو دیکھا اور جی چاہا سب کچھ نیست و نابود کر آئے۔ کیسے گھٹیا اور بے حس لوگ تھے۔ لگ ہی نہیں رہا تھا رات یہاں اِتنا المناک واقعہ ہوا ہے۔ ہاتھوں کی مُٹھیاں بھینچ کر وہ تیز قدموں سے آگے بڑھی۔ عباس کو بھی یہیں سے گُزر کر اپنے کمرے کی جانب جانا تھا تبھی اُسکے پیچھے تھا۔

"اور مُدثر خوامخواہ ڈر گیا تھا۔" آمینہ کاشف نے ہنسی ضبط کر کے مُدثر کو بیچ میں گھسیٹ لیا۔

"اَب یہ غلط ہے، مامی!" اُسکی دہائی نے ایک بار پھر ہنسی کا طوفان برپا کر دیا۔ قدموں کی آہٹ پر ہاشم بزنجو نے قہقہ سمیٹ کر سائیڈ پر دیکھا جہاں سے میزاب گُزر کر سیڑھیوں کی جانب بڑھنے لگی تھی۔

"زیبی بیٹا؟" اُنکی پُکار پر بڑے ضبط سے پلٹی۔

"جان نِثار تم جا کر آرام کرو۔ میں کچھ گھنٹے بعد آفس کے لیئے نِکلوں گی۔" اُنکی پُکار کو نظر انداز کر کے عباس کو کہتے ہوئے ہاشم بزنجو کو ششدر کر دیا۔

"میزاب!" اُنکو اپنی بات نظر انداز کیا جانا بہت ناگوار گُزرا تھا تبھی سب نے محسوس کر کے اپنی ہنسی مزاق کے سیشن میں وقفہ دے دیا۔

"یہاں آؤ۔ اِتنی رونق لگی ہے۔" اُن کے لہجے کی بشاشت پر میزاب کا حلق کڑوا ہونے لگا۔ پلٹ کر وہ تیزی سے ہال کے داخلی دروازے تک آئی۔

"مُجھے آپ اِس رونق سے معاف ہی رکھیں۔" اُسکی آواز کے سَرد پَن پر سب کو سانپ سُونگھ گیا۔ سب نے حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"یہ کِس طرح بات کر رہی ہو تم دادا سے؟" ذکی کی باز پُرس پر وہ مزید خود پر قابو نہیں رکھ سکی۔

"تم اپنی بکواس بند رکھو نہیں تو زُبان کھینچ لوں گی تمہاری۔" وہ اِس قدر زور سے چیخی کہ اپنے کمرے کی جانب جانے کو عباس ساکن ہو گیا۔ سب نے آنکھیں پھاڑ کر ششدر ہو کے اُسے دیکھا جِس کی آنکھوں سے نکلتے شعلے ذکی کو کسی بھی لمحے بھسم کر سکتے تھے۔

"یہ کِس انداز میں بات کر رہی ہو تم؟" اپنے باپ کی خاموشی پر کاشف بزنجو ایک جھٹکے سے کھڑے ہوئے۔

"میں نے کہا نہ مجھے اِس رونق سے معاف رکھیں۔" پلٹ کر اُس نے شل سے ہاشم بزنجو کی آنکھوں میں دیکھ کر بے حد ٹھہر ٹھہر کر کہا۔

"زیبی؟ تمہیں کیا ہوا ہے؟ کیا اُس لڑکی نے ہمارے بارے میں کچھ کہا ہے؟" مُدثر نے نرمی سے کہنا چاہا مگر جِس طرح میزاب نے اُسکو دیکھا وہ نظریں یکسر مُختلف تھیں۔

"وہ زندگی اور موت کی جنگ لڑتی لڑکی تم جیسے بزدل اور احمق شخص کے بارے میں کیا کہہ سکتی ہے؟" اُسکا جواب کے بجائے سوال مُدثر کو تھپڑ کی طرح جا لگا۔

"دیکھ رہے ہیں اِس بدتمیز، بے غیرت لڑکی کی زُبان کے جوہر، بابا۔ کہتی تھی نہ یہ لڑکی خاک ڈلوائے گی ہمارے سَر پر۔" رفعت شیراز کا لہجہ اِتنا زہر آلود تھا کہ عباس کی آنکھوں میں لہو اُترنے لگا۔ زُوبیہ اور ذکی نے پریشانی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"آپ جیسا بے حس اور سفاک ہونے سے کہیں زیادہ بہتر میرا بے غیرت ہونا ہے۔" اُسکے لہجے کی اُٹھان اور نفرت میں کچھ بہت دہلا دینے وال ہاشم بزنجو نے محسوس کیا۔

"یہ تم اُس دو ٹکے کی لڑکی کے لیئے سب کو ذلیل کر رہی ہو؟" ذکی کے تمسخرانہ انداز پر وہ قدم قدم چلتی ذکی تک آئی اور اُس اطمینان سے بیٹھے، تمسخرانہ مُسکراتے شخص کو گریبان سے پکڑ کر ایک جھٹکے سے اپنے سامنے اُٹھا کھڑے کرتے ہوئے سب کی چیخیں بلند کر دیں۔ عباس تیز قدموں سے ہال کے دروازے تک آیا اور گھُٹتے دِل سے اُسے دیکھنے لگا جِس کی تکلیف اُسکے دِل کو بھی زخمار ہی تھی۔

"وہ مجبور، بے بس اور یتیم لڑکی اگر دو ٹکے کی ہے تو تم رئیس ماں، باپ کی بگڑی، بے غیرت اولاد کی کیا اُوقات ہے یاد دِلاؤں تمہیں۔" اُس نے بوکھلائے ذکی کو جھنجھوڑ کر اُسکی ساری تیزی طراری نکال کر رکھ دی۔

"میزاب!" ہاشم بزنجو پوری قوت سے چیخ اُٹھے مگر میزاب کو اُنکی آواز نہیں آرہی تھی۔

"یہاں بیٹھ کر ہنسی اور قہقہے لگانے کے بجائے تمہیں اور تمہارے گھر والوں کو چاہیئے تھا کہ اُس لڑکی کی صحت یابی کے لیئے دُعا کرتے کیونکہ اگر اُس لڑکی کو کچھ بھی ہوا نہ ذکی کاشف بزنجو تو تمہیں موت کی سزا میں خود دِلواؤں گی۔" ایک ایک لفظ اِتنا سخت، اٹل اور لہو جما دینے والا تھا کہ سب کی ریڑھ کی ہڈی سنسنا اُٹھی۔ ہاشم بزنجو نے پھیکے پڑتے چہرے سے میزاب کو دیکھا جس نے پوری قوت سے ذکی کو واپس صوفے پر دھکیل دیا اور ایک نگاہِ غلط تک باقی سب پر ڈالے تیز تیز قدموں سے عباس جان نِثار کے پاس سے دِل و رُوح کو معطر کرتے، اَسیر کر کے مُبتلا کرتے خُوشبو دار جھونکے کی مانند گُزر گئی۔ وہ عورت عباس جان نِثار کے دِل میں خیمہ زَن ہو چکی تھی اور اِس بار وہ غافِل نہیں تھا۔ بے ساختہ پلٹ کر اُس نے میزاب کے لرزتے ہاتھوں کو دیکھا اور خود کو بے بسی سے اُسے پیچھے جاتا محسوس کیا۔ میزاب نے جیسے ہی پہلی سیڑھی پر قدم رکھا، وہ لڑکھڑا کر گِرنے کو تھی تبھی عباس اُسکو تھام لینے کے لیئے آگے بڑھا مگر پھر ٹھہر گیا۔ وہ اپنی موجودگی اِس غمگین وقت پر اُس پہ آشکار نہیں کرنا چاہتا تھا جبکہ اُسکی موجودگی سے اچھی طرح آگاہ میزاب نے ریلنگ کو مضبوطی سے تھام کر خود کو بچا لیا۔ وہ عباس جان نِثار کے سامنے مزید خود کو گِرانا نہیں چاہتی تھی۔ بامُشکل خود کو سنبھال کر وہ نیم تاریک سیڑھیوں سے آہستہ قدموں اُوپر جا رہی تھی اور عباس جانِ نثار چہرہ اُٹھا کر اُسے جاتے دیکھ رہا تھا جو اُسکے دِل سے کہیں نہیں جانے والی تھی۔ یہ اعتراف حسین مگر لمحے بوجھل کر دینے والا تھا۔

✓اے زیست! وضاحت نہیں دَاد دے کہ میں نے

نکتہ جو اُٹھایا ہے وہ باریک تو ہے نہ

چھونے کی تمنا تھی مگر باز رہا میں

دی دِل کو تسلی کہ وہ نزدیک تو ہے نہ

تُجھ سہمے ہوئے چاند کو چھوڑ آؤں میں گھر تک؟

کچھ اور نہ ہو راستہ تاریک تو ہے نہ۔۔۔

(افضل خان)

اُسکی بے چین نیند کو بجتے سیل فون نے توڑا۔ بھاری ہوتے سَر اور دُھکتی آنکھوں کے ساتھ اُس نے بامُشکل آنکھیں کھول کر کروٹ بدلتے ہوئے سائیڈ ٹیبل پر پڑے، مُسلسل سَر پر ہتھوڑے کی طرح بجتے سیل فون کو اُٹھا کر دیکھے بغیر کان سے لگایا۔

"زیبی! تم ٹھیک ہو نہ؟" زینت کی آواز پر اُس نے سُستی سے اُٹھ کر جمائی روکی۔

"ہمم! مُجھے کیا ہونا ہے؟" اُسکی آواز کی بے خبری پر زینت کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔

"میری بہن! تمہارے خاندان کی سوشل میڈیا پر دھجیاں اُڑ رہی ہیں۔" زینت کی بات میں کچھ اِیسا تھا کہ میزاب ایک جھٹکے سے سیدھی ہوئی۔ ساری نیند اور بے آرامی بھک سے اُڑ گئی۔

"کیا کہہ رہی ہو؟" اُسکے حواس کو جگہ پہ آنے کے لیئے لمحہ لگا تھا۔

"تمہارے کزن نے جو کسی کو قتل کرنے کی کوشش کی ہے اُسکی ویڈیو اِنٹرنیٹ پر گردش کر رہی ہے۔" زینت کی اگلی اطلاع پر ڈوبتے دِل کے ساتھ بستر سے نیچے اُتری اور بھاگ کے کمرے کا بند دروازہ کھول کر باہر نِکلی۔ اُسکو قالین کی دبیز گرمائش سے سَرد زمین کی ٹھٹھراتی سردی پر قدم رکھنے کا احساس تک نہیں ہوا۔ سَر پر اُوڑھ رکھا دوپٹہ اُسکے طویل راہداری میں بھاگنے کے باعث سَر سے کسی بھی لمحے اُترنے کو تیار تھا۔

"یا اللہ! وہ کیوں سوئی رہی؟" زینت کی کال کاٹ کر یونہی چہرہ جُھکائے آگے بھاگتے ہوئے اُس نے سیل فون پر نظر ڈالی اور تبھی سیڑھیوں کی ابتداء پہ پُہنچ کر اُسکا پاؤں سِلپ ہوا۔ بغیر کسی چیخ کے وہ جھٹکا کھا کر آگے کو گرنے لگی۔

"دھیان سے!" شناسا آواز نے بوکھلا کر اُسکی پُشت پر بازو پھیلا کر اپنی جانب کرتے ہوئے اُسے بروقت گرنے سے بچا لیا۔ جھٹکا کھا کر سَر سے پھسلتے دوپٹے کے ساتھ اُس نے چہرہ جیسے ہی پھیرا، عباس ساکن رہ گیا اور پِھر لرز اُٹھتے دِل سے اپنے بازو کو چُھوکے پِھسلتے دوپٹے کو پکڑ کر اُسکے چہرے پر یوں تیزی سے ڈالا کہ خود کو دیکھتی پھیلی سُرمئی آنکھیں تک چُھپ گئیں۔ پُشت پر سے تحفظ دیتا حصار عُجلت میں جِس طرح ہٹایا گیا، آنکھوں پر دوپٹہ آنے کے باعث میزاب لڑکھڑا کر پیچھے ہوئی۔

"احتیاط سے!" وہ پِھر سے اُسے تھامنے کو آگے بڑھا مگر تب تک میزاب سنبھل چُکی تھی۔ دوپٹہ سَر پر اچھی طرح جماتے ہوئے یاد آنے پر سیڑھیاں بھاگ کر اُترتے ہوئے عباس کو حیران کر گئی۔ ناسمجھی بَھری بے چینی سے وہ اُسکو ریلنگ سے جُھک کر ٹھنڈے یَخ فرش پر بھاگتے دیکھ کر گہرا سانس لیتا ہوا خود بھی تیزی سے نیچے اُتر کر ہال میں آیا جہاں ناشتے کا اِنتظام ہونے والا تھا۔

"ذکی کہاں ہے؟" سب افراد پر ایک طائرانہ نظر ڈال کر میزاب نے سوال کیا اُس پر سب اپنی مصروفیات ترک کر کے اُسکو دیکھنے لگے جو یقیناً نیند سے اُٹھ کر یونہی بھاگتی ہوئی نیچے آ گئی تھی۔

"کیوں رات کی کوئی کسر باقی رہ گئی ہے؟" آمینہ بیگم نے تڑخ کر پوچھا۔

"یہ انگارے چبانے کا وقت نہیں ہے، آمینہ چچی۔ آپ کے بیٹے کو گرفتار کرنے کے لیئے پولیس آرہی ہے۔" اُس نے بے حد سنجیدگی سے اُن سب پر دھماکہ کر دیا۔ اطمینان سے بیٹھے ہاشم اور کاشف بزنجو اپنی نشست چھوڑ کر ایک جھٹکے سے کھڑے ہوئے۔

"یہ۔۔۔ یہ تمہاری حرکت ہے۔ تم ڈسنے سے باز نہیں آسکتی نہ؟" کرسی دھکیل کر رفعت شیرازاُس تک آئیں مگر بروقت آگے آتے عباس نے اُن کی کوشش پھِر سے ناکام بنادی۔ میزاب نے اُس مضبوط پُشت کو دیکھا جس نے اُسکو اپنے عقب میں چُھپالیا تھا۔

"یہ سب کیا ہے، میزاب؟" ہاشم بزنجو کے برف جیسے سَرد سوال پر میزاب نے چونک کر چہرہ پھیرا۔

"کاش اِس میں میرا عمل دخل ہوتا مگر افسوس ذکی اور مُدثر کے کسی واقف کار نے وہاں موجود ویڈیو بنا کر سوشل میڈیا پر اپلوڈ کر دی ہے راتوں رات۔" وہ اپنے اعصاب سنبھال چُکی تھی۔ سامنے کھڑے عباس کی آنکھیں جُھکیں اور پھِر میزاب کی جانب پلٹتے ہوئے اُس نے اپنے پاؤں سے سلیپرز اُتار کر میزاب کے سامنے کیئے۔

"فرش ٹھنڈا ہے۔" اُسکے اِصرار پر میزاب سب بُھول کر اُسکا چہرہ دیکھنے لگی۔ اُن حیران آنکھوں سے بچنے کو عباس نے اُسکے سامنے جُھک کر جوتے اُسکے پاؤں میں پہنا دیئے۔ گرم پُر حدت ہاتھ، برف ہوتے پاؤں سے ٹکراتے ہی میزاب کو ہوش کی دُنیا میں لے آئے۔ اُسکے دِل کی حالت سے غافل عباس اُٹھ کر واپس جا رہا تھا۔ اُسکا اِس نجی معاملے سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

"کیا بکواس کر رہی ہو تم؟" کاشف بزنجو کے بلند، ضبط کھوتے لہجے پر دروازے کو پار کرتا عباس ٹھہر کر پلٹا۔

"اگر میری بات بکواس ہے نہ تو ایک بار خبریں دیکھ لیں۔" اُس نے بڑے ضبط سے اُنکا توہین آمیز لہجہ برداشت کیا۔ ہاشم بزنجو سامنے تھے۔ وہ اُنکو مزید ذہنی دھچکا نہیں دینا چاہتی تھی۔ تقی نے بوکھلا کر سب سے پہلے شاک سے نکل کے ٹیبل ریموٹ سے کنٹرول اُٹھا کر بڑی سی ایل-ای-ڈی روشن کر دی۔

"ناظرین! کل رات سے گردش کرتی، تہلکہ مچاتی ویڈیو کی تصدیق ہو گئی ہے۔ ویڈیو بالکل اصلی ہے اور تا حال بزنجو خاندان کی جانب سے کوئی بیان سامنے نہیں آیا جبکہ پولیس نے معاملے کی سنگینی کو دیکھتے ہوئے ذکی کاشف بزنجو کی گرفتاری کو بغیر وارنٹ کے حتمی بنا دیا ہے۔" آمینہ کاشف نے لڑکھڑا کر صوفے کا سہارا لینا چاہا۔

"امی!" زوبیہ نے آگے بڑھ کر بامُشکل اُنکو سنبھال کر صوفے پر بٹھایا۔

"اِس ویڈیو میں یہ دیکھنے کو مِلا ہے کہ کیسے میزاب رحمت بزنجو نے معاملہ دبا کر اپنے خاندان کو بچانے کی کوشش کی ہے۔ اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُنکا بھی معاملے میں برابر کا حصّہ ہے۔" عباس کی آنکھوں میں یک دَم سُرخی بڑھی۔ چہرہ جُھکائے بغیر اُس نے سیل فون جیب سے نکال کر اپنی آنکھوں کے سامنے کیا جہاں جواد کا فخریہ پیغام جگمگا رہا تھا۔

"پھر کیسا دیا دُشمنوں کو؟ چھکے چُھڑا دیئے نہ؟؟ "

"ذکی کو بُلا کر لاؤ تقی۔" میزاب کی آواز پر اُس نے بے اِختیار چہرہ اُٹھا کر اُوپر دیکھا۔ خبروں میں اینکر اَب گلا پھاڑ کر میزابِ رحمت کے بارے میں جو منفی بات کہہ سکتی تھی، کہہ رہی تھی۔ یوں لگتا ہے جیسے وہ سب کسی اِیسے ہی موقعے کی تلاش میں ہوں۔

"ذکی گھر نہیں ہے۔" پریشان سا تقی بھاگتا ہوا آیا اور اُس نے جو اطلاع دی اُس پر میزاب نے گہرا سانس لیا۔

"مُدثر کہاں ہے؟" اُسکا اگلا کڑا سوال اندر آتے مُدثر نے واضح سُنا۔

"مُجھے نہیں معلوم ذکی کہاں ہے۔" میزاب اور ہاشم بزنجو کو دیکھ کر اُس نے اُسی لاعلمی، پریشانی اور گھبراہٹ سے کہا جو اِس وقت میزاب اور عباس کے علاوہ ہر چہرے پر رقم تھی۔

"تم سے صرف ایک کام کرنے کو کہا تھا میں نے اور وہ بھی نہیں کر سکے تم۔" میزاب کا لہجہ بہت مدہم مگر افسوس بَھرا تھا۔

"اَب۔۔۔ میرا بیٹا؟ کہاں ہے؟ اُسکے ساتھ کیا ہو گا؟؟" آمینہ کاشف کی ساری تیزی طراری ہوا ہو چُکی تھی۔

"آپ پریشان نہ ہوں۔ میں سب سنبھال لوں گی۔" اُسکے نرم لہجے میں کچھ اِیسا تھا کہ ہال کمرے میں موجود سب لوگوں کو سانپ سونگھ گیا۔ سب جانتے تھے جب وہ یہ کہہ دے تو سب واقعی سنبھال لیتی تھی۔

"م۔۔۔ میرے بیٹے کو بچالو، زیبی۔ وہ۔۔۔ اُس سے غلطی ہو گئی ہے۔" آمینہ کاشف صوفے سے اُٹھ کر بھیگتی آنکھوں سے اُس تک آئیں۔ میزاب کتنی دیر تک اُنکے چہرے سے نگاہ نہیں ہٹا سکی۔ سامنے کھڑی عورت جتنی مرضی ظالم، سفاک، زُبان دراز، بے حس اور مطلبی ہو جائے آخر تھی تو ایک ماں ہی۔ کیسے اپنی اولاد کو کھو دینے کے خوف نے اُنہیں جھنجھوڑ رکھ دیا تھا۔

"آپ کے بیٹے سے غلطی نہیں گناہ ہوا ہے، چچی مگر فکر نہ کریں۔ ہر گناہ کے لیئے توبہ، تلافی اور کفارہ موجود ہے۔" اُس نے اپنا ہاتھ اُٹھا کر اُنکے شانے پر رکھتے ہوئے آہستگی سے تھپتھپایا۔ عباس نے مُٹھی بھینچ کر چہرے کا رُخ جونہی پھیرا اُسکی نگاہ مدہم سا مُسکراتے ہاشم بزنجو کے چہرے تک جا کر ٹھہر گئی۔ وہ آنکھوں میں عجیب سا فخر اور زعم لیئے میزاب رحمت کو دیکھ رہے تھے۔

"ہمیں پولیس کے ساتھ ہر ممکن تعاون کرنا ہو گا۔ آپ لوگوں نے ذکی کی گرفتاری پر بھی بہت تحمل کا مظاہرہ کرنا ہے۔ میں باقی سب دیکھ لوں گی۔" وہ پہلے سے ہی اُنہیں خبردار کر رہی تھی تاکہ کوئی تماشا نہ لگے۔ ذکی کو گرفتاری سے کوئی نہیں بچا سکتا تھا۔

"چاچو! ذکی کا معلوم کریں۔ آپ جانتے ہیں نہ اُس نے گرفتاری نہ دی تو میں کچھ نہیں کر سکوں گی۔" میزاب نے کاشف بزنجو کو بہت سنجیدگی سے باور کروایا۔ سر اثبات میں ہلا کر اُنہوں نے سیل فون اپنی جیب سے نِکالا کر تیزی سے کسی کا نمبر ڈائل کیا۔ ایک شخص تھا جسے معلوم ہو گا کہ ذکی کہاں ہے۔ وہی شخص جسے اُنہوں نے ذکی پر چوبیس گھنٹے نظر رکھنے کو رکھا ہوا تھا۔ اُنکے خاندان کا بھروسہ مند مُلازم، شریف۔

"شریف! جلدی سے مجھے ذکی کی لوکیشن بھیجو۔" دوسری طرف شریف جیسے پہلے ہی اُنکے حکم کے لیئے تیار تھا۔

"زیبی سب سنبھال لے گی۔ چلو! سب ناشتہ کرو۔" ہاشم بزنجو کی بات پر سب سر جھٹکتے ہوئے ڈائیننگ ٹیبل کی جانب بڑھے سوائے میزاب کے۔ وہ تیز قدموں سے عباس کے پاس سے ہو کر باہر نِکل گئی۔ اُسکے جانے سے پہلے عباس نے پلٹ کر اُن سب کو دیکھا جو سب بُھول کر ناشتے میں مگن ہو چکے تھے۔ اُنکو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ اُنکے لیئے سب کچھ کرتی، ہلکان ہوتی عورت نے نہ سہی سے رات کو کچھ کھایا تھا اور نہ اَب صُبح کا ناشتہ۔ افسوس سے سر جھٹک کر وہ میزاب کے پیچھے ہو لیا۔ اپنے کمرے کی جانب بڑھتے ہوئے اُس نے وہاں سے اپنا سیاہ اوور کوٹ اُٹھایا اور پِھر تقریباً بھاگ کر اُس تک آیا جو گاڑی کھول کر بیٹھنے لگی تھی۔ آگے بڑھتے ہوئے اپنا کوٹ اُسکے شانوں پر پھیلا کر دروازہ کھولتے ہوئے پیچھے ہوا۔ میزاب نے ٹھٹکے بغیر چہرہ پھیر کر اُسکو دیکھا۔ جانتی تھی کون ہو گا اور وہی تھا۔ اُسکے پاس رات کا یہ سفید لمبا سا فراک بدلنے کا بھی وقت نہیں تھا۔ میزاب کی نگاہ غیر اِرادتاً اُس کے پیروں تک گئی۔ وہ صُبح خیزی کا عادی تھا۔ مکمل تیار اُسکے سامنے کھڑا وہ میزاب رحمت کو ایک بار پِھر عجیب سے احساسات سے دوچار کر

گیا۔ اُس نے اَب سیاہ شوز پہن رکھے تھے اور میزاب نے ابھی بھی اُسکے سلیپرز۔ وہ سفید فراک اِتنا لمبا تھا کہ اُسکے پاؤں چُھپ گئے تھے نہ بھی چُھپتے تب بھی اُسکے پاس وقت نہیں تھا۔ اُسکے اندر بیٹھتے ہی عباس نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور سیاہ گاڑی ایک بار پھِر ایف-آئی-اے کے آفس کی جانب دوڑ رہی تھی۔

"آپ پھِر یہاں آگئی ہیں، میڈم۔" دروازے سے اندر آتی میزاب کو دیکھ کر انسپکٹر نے کھڑے ہو کے مُسکراتے ہوئے کہا مگر اُسکے پیچھے سے آتے سنجیدہ، پتھر جیسے تاثرات والے مَرد کو دیکھ کر مسکراہٹ سِمٹی۔

"ڈی-ایس-پی، جواد موجود ہیں؟" میزاب نے اُسکی بات نظر انداز کر کے اِرد گرد دیکھا جہاں اُسکے آنے سے سارے سٹیشن میں ہلچل مچ گئی تھی۔ بات ڈھکی چُھپی تو رہی نہیں تھی۔

"جی! وہ عدالت گئے ہیں۔" اُسکی اطلاع پر میزاب نے اثبات میں سَر ہلایا اور تیزی سے پلٹی۔ وارنٹ کے آنے سے پہلے پہلے اُسے ذکی کی گرفتاری کروانی تھی۔ سیل فون نکال کر اُس نے تیزی سے مُدثر کو کال مِلا کر سیل فون کان سے لگایا۔

"دس مِنٹ کے اندر ذکی کو پولیس سٹیشن لے کر پہنچو اور اُسکے دماغ میں یہ بات بٹھا کر لانا کہ وہ گرفتاری دینے آیا ہے۔" ایک ایک لفظ چبا کر کہتے ہوئے اُس نے مُدثر کو جہاں خاموش کروایا وہیں عباس کو چونکا دیا۔

"تم ایف-آئی-اے کے دفتر ہو؟" قبل اِسکے مُدثر کے سوال کا جواب دیتی، کائنات کی آتی کال پر مُدثر کو دوبارہ کال کرنے کا کہہ کر کائنات کی کال اُٹھائی۔

"اسلام علیکم، مِس کائنات!" وہ تیار تھی ایک اور بڑے دھچکے کے لیئے۔ اُسکے گاڑی میں بیٹھتے ہی گاڑی ایف-آئی-اے کے دفتر سے نکل کر اَب مین شاہراہ پر دوڑ رہی تھی۔

"بوڈ آف ڈائریکٹرز نے قیامت برپا کر رکھی ہے، میم!" کائنات کی پریشان آواز پر اُس نے گہرا سانس لیا۔

"میں سنبھال لوں گی، مِس کائنات۔ آپ آدھے گھنٹے بعد کی میری بورڈ آف ڈائریکٹرز سے میٹنگ رکھیں۔ میں بس آفس آرہی ہوں۔" اُسکی اطلاع پر کائنات نے بوکھلاہٹ سے عینک ناک پر دُرست کی۔

"صرف یہی نہیں بزنجو اِنڈسٹریز کے بورڈ آف ڈائریکٹرز بھی۔ کیا میں ہاشم صاحب کو کال کروں؟" کائنات جانتی تھی میزاب ایک دِن میں سب مینج کر سکتی ہے مگر وہ اُسکا ورک لوڈ کام کرنا چاہتی تھی۔

"نہیں! دادا کو نہیں کہنا۔ میں مینج کرلوں گی۔ آپ اِیسے کریں کے ڈیڑھ گھنٹے کے وقفے سے دونوں میٹنگز رکھوا دیں۔ میں بس پُہنچنے والی ہوں۔" اُسکے تیزی سے کہے جانے پر عباس نے نگاہ اُٹھا کر بیک ویو مِرر میں دیکھا حالانکہ جانتا تھا کہ شیشہ ہمیشہ نیچے کے رُخ رہتا ہے۔

"جان نِثار! ہم آفس جائیں گے۔" کال مُنقطع کر کے اُس نے نرمی سے کہا جبکہ عباس نے بغیر کچھ کہے اثبات میں سَر ہلا دیا۔ میزاب اَب سیل فون پر کائنات کے میٹنگ سے مطابقت رکھنے والی اہم معلومات کو پڑھ رہی تھی۔ وقت کم تھا اور اُسے ابھی بہت کچھ دیکھنا تھا۔

"آگیا آفس؟" گاڑی کے رُکنے پر اُس نے چہرہ اُٹھائے بغیر سوال کیا۔

"نہیں! بس پانچ مِنٹ۔" تیزی سے کہہ کر عباس گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نِکلا۔ میزاب نے ناسمجھی سے چہرہ پھیر کر اُسے دیکھا جو بھاگتے ہوئے روڈ کراس کر کے کسی بلڈنگ میں داخل ہو رہا تھا۔

"کوئی اہم کام ہو گا، میزاب۔ اپنے کام سے کام رکھو۔" خود کو سَرزنش کر کے اُس نے سیل فون کی جَلتی سکرین پر نگاہ جمائی۔ اُس نے پِھر سے نگاہ بچا کر سائیڈ پر دیکھنا چاہا مگر مُدثر کی آتی کال نے اُسے اُس بے اِختیاری سے بچالیا۔

"ذکی! اپنے دوست کے گھر تھا۔ میں اُسے لے کر نِکل رہا ہوں۔" مُدثر کی اطلاع پر میزاب نے تشکر سے آنکھیں موند کر کھولیں۔

"اُسکو سمجھا کر لے کے آنا، مُدثر۔ میری میٹنگز ہیں بہت ضروری۔ اِسکے بعد میں ہاسپٹل جاؤں گی۔" متوجہ نہ ہونے کے باوجود بھی اُسے عباس کے گاڑی میں بیٹھنے کی خبر ہو گئی تھی اور اِردگرد سے اپنا اِس قدر باخبر رہنے پر اُسکے دِل نے بے بس سی خود کو ڈپٹا۔

"کیا مطلب ہے ہسپتال کیوں؟ تم سب کا دماغ ابھی تک جگہ پر نہیں آیا؟" مُدثر کے اگلے سوال پر دِل پہ طاری ہوتی وہ کیفیت بھک سے اُڑی۔

"تمہیں یہ سوال مُجھ سے پوچھنے سے پہلے کچھ شرم کرنی چاہیئے تھی، مُدثر۔" تاسف سے کہہ کے اُس نے کال مُنقطع کر کے سیل فون بے دلی سے سائیڈ پر پٹخا۔ عباس نے اُسے متوجہ کیئے بغیر اُسکی جانب کا شیشہ تھوڑا سا اِتنا نیچے کیا کہ اندر تازہ ہوا نے داخل ہو کر اُسکے کھچتے اعصاب کو طمانیت زدہ کر دیا۔

"جزاک اللہ، جان نِثار!" اُسکی نرم آواز پر شہد رنگ آنکھیں لرز کر جُھکیں۔ بامُشکل گاڑی کی سپیڈ کم کر کے قریب آ چُکے مال کی اندرونی پارکنگ لاٹ میں روک کر باہر نکل کر اُس نے میزاب کے لیئے دروازہ کھولا۔

"باس!" وہ جو آگے بڑھ گئی تھی، عباس کی پُکار پر اُسکا پورا وجود سماعت بَن گیا۔ چونک کر وہ ساختہ پلٹی۔ عباس نے بغیر کچھ کہے سیاہ رنگ کے کاغذ کا شاپنگ بیگ اُسکی جانب بڑھایا۔

"ہمم!" کچھ چونک کے اُس نے شاپر تھام کر اندر جھانکا۔ وہ اُسکا ڈرائی کلین کروانے والا کوٹ کب کا واپس کر چُکا تھا تو یہ۔۔۔

"آپ کی میٹنگز ہیں ابھی اور اِیسے وقت میں آپکو اچھا دِکھنا چاہیئے۔" یہ اُسکی میزاب سے دو تین دِن بعد کی جانے والی پہلی طویل بات تھی۔ اندر نظر آتے کپڑوں کو دیکھ کر میزاب دھیرے سے مُسکرادی۔

"تمہارا خرچہ کروادیا میں نے۔" اُس مدہم مُسکراہٹ نے عباس جان نِثار کو سحر زدہ کر دیا۔ اِتنی مضمحل، نڈھال مگر دِل کھینچ لینے والی مُسکراہٹ کسی کی کیسے ہو سکتی ہے؟

✓وہ مُسکرا کر دیکھتا ہے ہمیں اور ہم

جو ہو چکے ہیں وہ خسارے بُھول جاتے ہیں۔۔۔

وہ آگے لفٹ کی جانب بڑھ گئی تھی۔ لفٹ میں وہ خود بھی داخل ہو کے ہر وقت کی طرح آگے کھڑا تھا۔ لفٹ تیزی سے اُوپر جارہی تھی مگر عباس جان نِثار کے دِل کو کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔ جو جذبے اُسکے دِل میں سر اُٹھا چکے تھے، منفی نہیں تھے مگر پھر بھی اُسکے لیئے منفی اور مُضر تھے۔ لفٹ کھلی، میزاب اُسکے پاس سے ہو کر باہر نِکل گئی اور وہ اپنی تمام سوچوں سے وہیں کھڑا نبرد آزما ہوتا رہا۔

"جان نِثار!" دُور سے آتی دِل کو کھینچ لینے والی آواز پر عباس نے جُھکا چہرہ اُٹھایا۔ وہ لفٹ کا دروازہ کھولے اُسکو تشویش سے دیکھ رہی تھی۔

"تم ٹھیک ہو؟" اُسکی غائب دماغی میزاب ایک نظر میں محسوس ہو گئی تھی۔ عباس بغیر چونکے سر اثبات میں ہلا کر باہر نِکلا اور پیچھے لفٹ بند ہو گئی۔

"کیا ہوا تمہیں؟" میزاب کے تفکرانہ، کھوجتے سوال پر اُس نے نگاہوں کا زاویہ تیزی سے بدلا۔

"آپ چلیں، میٹنگ کے لیئے دیر ہو جائے گی۔" اُس سنجیدہ لہجے پر وہ چند پَل اُسکو دیکھتی رہی اور پھر پلٹ کر اپنے آفس کی جانب بڑھ گئی۔

آفس سے ملحقہ ریسٹ روم میں آکر اُس نے ہاتھ میں تھام رکھا شاپر کو چہرہ جُھکا کر دیکھا اور آہستگی سے مُسکرا دی۔ یہ اُسکی وہ مُسکراہٹ تھی جِسے آج سے پہلے کسی نے بھی نہیں دیکھا تھا۔ میزاب کی جانب آنکھیں پھاڑ کر دیکھتے آئینے تک نے نہیں۔

اُس مُسکراہٹ سے باخبر وہ کپڑے بدلنے کے لیئے گئی اور ٹھیک دس منٹ بعد باہر نکل کر دیوار گیر شیشے کے سامنے آئی۔ سیاہ رنگ کا ٹخنوں سے تھوڑا سا اوپر تک آتے فراک میں اُس نے خود کو گھوم کر دیکھا اور بے ساختہ ہنس دی۔ اِس اعصاب تھکاتے وقت میں دوسری بار اُسکے چہرے پر مُسکراہٹ آئی تھی۔ یونہی مُسکراتے چہرے کے ساتھ اُس نے آفس سے باقی ضروری سامان اُٹھایا اور پھر باہر نِکل کر عباس کے آفس کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ دراز سے جُھک کر کچھ نکالتے عباس نے چہرہ اُٹھائے بغیر یونہی سرسری سی نگاہ اُٹھا کر اُوپر دیکھا مگر اُسکی نگاہ واپس نہیں پلٹ سکی۔ جُھکے چہرے مگر اُٹھی شہد رنگ آنکھیں ساکن ہو کر اندر آتی میزابِ رحمت کو دیکھ رہی تھیں۔

"جذاک اللہ، جان نِثار! میں نے اِتنا آرام دہ لباس کبھی نہیں پہنا۔" وہ یقیناً اُسکا دِل رکھنے کو یہ بات کہہ رہی ہو گی مگر اِس بات نے اُسکے سُکڑ کر پھیلتے دِل کے شوق کو چونکا دیا۔

"آپ کی میٹنگ شروع ہونے والی ہے۔" عباس دراز سے یو-ایس-بی نکال کر کرسی دھکیل کر اُٹھ کھڑا ہوا جبکہ میزابِ رحمت کی آنکھوں کی جُوت بُجھی، مُسکراہٹ سِمٹ گئی۔

"ہاں۔۔۔!" گھبرا کر تیزی سے پلٹ کر آفس سے باہر نِکل گئی جبکہ عباس گہرا سانس لے کر دروازہ کھول کر اُس کے پیچھے گیا جو تیز قدموں سے لفٹ کی جانب بڑھ رہی تھی۔ اُن کے اندر جاتے ہی آفس کے چھ اور افراد داخل ہوئے اور عباس کو بروقت پیچھے ہونا پڑا۔

"تم سب نے سُنا ہے مِس میزاب کے بارے میں؟" وہ لوگ یقیناً میزابِ رحمت کو عباس کے پیچھے ہونے کی وجہ سے نہیں دیکھ سکے تھے۔

"کیا؟" میزاب نے جہاں چہرہ جُھکایا وہیں عباس نے چونک کر چہرہ اُٹھایا۔

"اُنہوں نے قتل کو کور آپ کیا ہے۔ کین یو بیلواِٹ۔" لڑکی کی آواز میں بے یقینی کے ساتھ تاسف بھی تھا۔

"مُجھے وہ اِیسی نہیں لگتی تھیں۔" دوسری لڑکی نے مایوسی سے کہا۔

"امیر لوگ اپنے خاندان کے لیئے اِیسے ہی ہوتے ہیں۔" اُس مَرد کے تبصرے پر عباس کے ماتھے کی نس اُبھرنے لگے۔

"وہ تو اِتنی مہربان اور اچھی سی بنتی تھیں۔" اگلی بات نے میزاب کا چہرہ سپید کر دیا۔ وہ لوگوں کی نظر میں کیا ایک ہی رات میں اِتنا گر گئی تھی۔

"فیس سیونگ کا نام نہیں سُنا تم نے کبھی۔" مایوس لہجے والی لڑکی بے یقینی سے نِکل چکی تھی۔

"تو کیا جو ہم سب کے ساتھ اُنکا رویہ تھا وہ۔۔۔" دوسری لڑکی کی صدمے سے آواز حلق میں ہی دَم توڑ گئی۔

"امیر لوگوں کے ڈھکوسلے۔" نخوت سے سَر جھٹک کر اُسی آدمی سے کہتے ہوئے عباس کو لَب بھینچنے پر مجبور کر دیا۔ لفٹ مخصوص آواز سے کھلی اور سب باہر نہیں نِکلے کیونکہ ظاہر ہے اُنکو بیسمنٹ فلور میں نہیں اُترنا تھا۔

"راستہ دیں!" عقب سے آتی جانی پہچانی بھاری، سنجیدہ آواز پر اُن سب کی تیزی سے چلتی زُبانیں ساکت ہوئیں، چہرے کا رنگ ماند پڑا۔ عباس نے سائیڈ پہ ہو کر میزاب کو راستہ دیا جو بغیر کسی کو دیکھے لفٹ سے نِکل گئی۔ اُن سب نے رُکتی سانس سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ اُنکے صدمے سے بے پرواہ میزاب خاموشی اور اُسی وقار سے چلتے ہوئے پارکنگ میں کھڑی گاڑی کی جانب بڑھ رہی تھی۔ اُسکی پہلے **'بزنجو انڈسٹریز'** کے شیئر ہولڈرز سے میٹنگ تھی کیونکہ سب سے زیادہ وہی شور مچا رہے تھے۔

میزاب رحمت جہاں جہاں سے گُزرتی گئی لوگوں کی نظریں، نشتر جیسی باتیں اُسکی سماعتوں کے پار ہوتی گئیں۔ تیز قدموں سے سب کی باتیں سُن کر وہ آگے بڑھتی جا رہی تھی مگر اُس سے ایک قدم کے فاصلے پر چلتے عباس جان نِثار کے چہرے کی سنجیدگی خطرناک حد تک بڑھ چکی تھی۔ اُسکے چہرے پہ اِیسے تاثرات آج سے پہلے کبھی نہیں آئے تھے۔ دونوں ہاتھوں کی مُٹھیاں سختی سے بھینچے راہداری سے گُزرتے ہوئے سب الفاظ سُن رہا تھا جو چہرہ سُرخ کر دیں، طیش سے دماغ گُھما دیں۔ لوگ کیسے اُس عورت پر کیچڑ اُچھال سکتے تھے جسے اِن بامُشکل چار، پانچ ماہ میں عباس جان نِثار کی آنکھ نے پَرکھ لیا تھا۔ اُسکے دِل میں ہوتی تکلیف چہرے سے نمایاں تھی۔ اُسے خبر تھی کہ سنجرانی خاندان میں آج جشن کا سماں ہو گا اور بزنجو خاندان میں سوگ کا عالم مگر اُسکا دِل یوں کیوں دَھڑا دَھڑ جَل رہا تھا؟ وہ کیوں اپنوں کی خُوشی میں اِس بار شریک نہیں ہونے پر خود کو آمادہ پا رہا تھا۔ اِنہی گُھائل کرتی سوچوں کے ساتھ اُس نے آگے بڑھ کر میٹنگ روم کا اُسکے لیئے دروازہ کھولنے سے قبل ایک بے اِختیار ہوتی نگاہ اُس چہرے پر بھی ڈال دی جس کے لیئے عباس جان نِثار بے چین تھا مگر وہاں اِتنا سکون اور ٹھہراؤ تھا کہ اُسکی رُوح چھلنی ہونے لگی۔ دِل میں اُٹھتی اِتنی تکلیف کسی غیر کے مصائب کے لیئے اُسکی سمجھ سے باہر تھی۔

ہمیشہ کی طرح اُسکے احترام میں کھڑے ہونے والے بورڈ آف ڈائریکٹرز آج نہیں کھڑے ہوئے۔

"اسلام علیکم!" میزاب اُسی خوشدلی سے کہہ کر پاور چیئر تک آئی اور سلام کر کے بیٹھ گئی۔ اُسکے دائیاں جانب عباس جان نِثار کھڑا تھا۔ آج میزاب نے اُسے کہیں جانے کو نہیں کہا تھا۔

"سب سے پہلے تو میں آپ سب سے معذرت چاہوں گی کہ آپ لوگوں کو میرے خاندان کی وجہ سے مُشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔" اُٹھی گردن مگر مدہم لہجے میں جو معذرت کی گئی اُس پر سب لوگوں نے تمسخرانہ نظروں گُھمائیں جیسے یہ معافی اُنکے لیئے کوئی معنی نہ رکھتی ہو اور میزاب جانتی تھی کہ کوئی معنی نہیں رکھتی۔ لوگ یونہی لمحوں میں آپ کی محنت، خلوص اور ریا کو بُھلا دیتے ہیں۔ عباس نے خاموش نظروں سے اُس طویل ترین ٹیبل کو دیکھا جہاں اِتنے اِنویسٹرز اور شیئر ہولڈرز بیٹھے تھے کہ حد نہیں مگر چند کرسیوں ابھی بھی خالی تھیں۔ اُن بہت سارے لوگوں میں میزاب رِحمت کے علاوہ بزنجو خاندان کا کوئی فرد موجود نہیں تھا حالانکہ اُنکو یہاں ہونا چاہیئے تھا۔ وہ بڑے شیئر ہولڈرز تھے۔

"آپ لوگوں کی مایوسی، غصّہ اور عُجلت سب کو میں سمجھ سکتی ہوں۔" سنجیدہ آواز نے یک دَم وہاں ہوتی بھنبھناہٹ کو معدوم کر دیا۔ سب لوگوں نے ٹھٹھک کر ایک دوسرے کو دیکھا۔

"آپ نے ہمارے گرتی ہوئی سٹاک کی حالت دیکھی ہے؟ آپکو لگتا ہے یہ باتوں کا وقت ہے؟" عینک میں موجود ایک شخص نے کھنکھار کر گہرا طنز کیا۔

"اپنے خاندان کو اگر آپ سنبھال نہیں سکتی تھیں تو بزنس میں نہیں آنا چاہیئے تھا۔" ایک اور آواز اُٹھ کھڑی ہوئی۔ میزاب پہلے اُن سب کو کہنے کا موقع دینا چاہتی تھی۔ اُسے معلوم کرنا تھا کہ نقصان کِس حد تک ہوا ہے۔

"قتل کرنے کی کوشش کرے آپکا لڑکا اور کروڑوں کا نقصان ہم بھریں۔ یہ نا اِنصافی ہے، میڈم۔" سُرمائی بالوں والے شخص کے لہجے میں خفگی واضح تھی۔

"ابھی ہم پچھلی ایف، بی۔ آر کی ریڈ کے اثر سے ہی باہر نہیں نکلے تھے کہ یہ نیا ناٹک۔" مزید کاٹ دار جملے گردش کرنے لگے۔ میزاب نے ایک نظر کلائی پر بندھی گھڑی کو دیکھا۔ اُسکے پاس وقت کم تھا۔ دونوں ہاتھ ٹیبل پر مار کر وہ کرسی چھوڑ کے ایک جھٹکے سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔۔

سب نے دہل کر اُسکو دیکھا۔

" آپ سب لوگ یقیناً بُھول گئے ہیں کہ میں وہی میزابِ رحمت ہوں جِس نے اِس سے زیادہ مُشکل اور خطرناک حالات میں بزنجو ایمپائر کو سنبھالے رکھا ہے۔ میں نے تب بھی اِس سب کو اُٹھایا تھا جب اسٹرائیکس کی وجہ آپ سب بھاگے بھاگے منظور کرامت کے قدموں میں جا گرے تھے۔" اُسکی سنجیدہ بات پر جہاں اُن سب کے رنگ اُڑے، عباس کے چہرے پر چھائی سنجیدگی نرمی میں ڈھلی۔

"نہیں! اَب آپ میری سُنیں۔" اُنہی سُرمائی بالوں والے سینیئر ممبر نے کچھ کہنا چاہا تبھی میزاب نے بات قطع کر کے اُنکو پہلو بدلنے پر مجبور کر دیا۔

"جہاں تک بات ہے میرے خاندان کی تو اُنکے مسئلے سنبھالنا میرا فرض ہے۔ میرا اللہ شاہد ہے کہ میں نے آج تک کسی بے ایمانی، غبن اور ناجائز کام میں اپنے خاندان کا ساتھ نہیں دیا اور آگے بھی نہیں دوں گی۔ میں اقربا پروری کو ہرگز پسند نہیں کرتی اور یہ میں آپ سب کو آخری بات بتا رہی ہوں۔ اگر آپ لوگوں کو لگتا ہے اِس معاملے کی وجہ سے میں ہر شے سے دستبردار ہو کر آپ سب کو سب برباد کرنے کی کُھلی چُھٹی دے دوں گی تو مُجھے بہت عزت سے

کہنے دیں، جاگ جائیں۔ میں جب تک چیئر ویمن ہوں کوئی بے ایمانی اور دھوکے بازی برداشت نہیں کروں گی۔"

اُسکے انداز میں کچھ اِیسا تھا کہ سب کو سانپ سُونگھ گیا۔ وہ دو سُرمئی آنکھیں جیسے اُن سب کو اندر تک سکین کر رہی تھیں تبھی سب نگاہیں بچا کر خاموشی سے دُبک گئے۔ پلٹتے ہوئے اُسکی نگاہ بے اِرادہ اپنی جانب بغیر پلک جھپکتے دیکھتے عبس جان نِثار سے ٹکرائی۔ نظریں مِلنے کے باوجود عباس نے ہمیشہ کی طرح نظریں نہیں پھیریں۔ کچھ اُلجھ کے رُکتی دَھڑکن سے میز اب نگاہیں بدل کر سب کو پھر سے یقین دِلانے لگی۔ ماحول میں پہلے والی غیر آرام دہ، سازش کی بُو کے بجائے اَب مرعوبیت پھیل گئی تھی۔ اُسکی شخصیات کے سِحر کا کہیں توڑ نہیں تھا۔ دو سُنہری آنکھیں زمانے سے بے پرواہ ہو کر ابھی تک اُسی جانفشانی سے اُس عورت کو دیکھ رہی تھیں جو اُسکے دُشمن خاندان سے تعلق رکھتی تھی مگر کیا اَب یہ معنی رکھتا تھا؟

✓اُس آنکھ میں اِک رنگ ہے اور رنگِ ندامت

یہ ہار ہے اور ماننے والے کے لیئے ہے۔۔۔

"دَاجی کے کلیجے میں ٹھنڈ پڑ گئی؟" جواد نے شجاعت کے برابر دَھپ سے بیٹھتے ہوئے مُسکرا کر پوچھا جبکہ شجاعت کا قہقہ بے ساختہ تھا۔

"آپ کو تو معلوم ہے دَاجی کا اِتنی آسانی سے خُوش نہیں ہوتے۔" شجاعت نے مُنہ بنا کر کہتے ہوئے جواد کو ہنسنے پر مجبور کر دیا۔

"کوئی نہیں۔ اُنکے خُوش ہونے کے دِن بھی جلد آئیں گے۔" جواد نے کہہ کر اطمینان سے ٹیک لگائی۔

"عباس کب تک آتا ہے؟ کب سے کال کر رہا ہوں ریسیو ہی نہیں کر رہا۔" جواد کے اگلے سوال پر شجاعت نے حیرانگی سے اُسے دیکھا۔

"عباس بھائی آپکی کال کبھی ریسیو نہ کریں، یہ ناممکن ہے۔ آپ ہمارے علاقے میں اُن کی بیگم کے نام سے مشہور ہیں۔" شجاعت کی شرارت پر جواد نے مسکراہٹ دبائی۔ کچھ اِیسی ہی بہترین دوستی تھی اُن دونوں کے درمیان کالج کے دِنوں سے۔ رات کے بارہ بَج چُکے تھے۔ پلان کے مُطابق عباس کو رات دس بجے گھر آنا تھا تاکہ جیت کی خُوشی منانے کے ساتھ اگلا پلان تیار ہو سکے۔

"مصروف ہوں گے۔ کوئی کم نقصان تو ہوا نہیں ہے اُن لوگوں کا۔" شجاعت نے جواد کی فکر کر رفع کرنا چاہا۔

"اُمید ہے اِیسا ہی ہو۔" وہ کسی اور وجہ سے پریشان لگ رہا تھا مگر شجاعت پر ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"میرا کل پیپر ہے۔ میں سونے جارہا ہوں۔" شجاعت اُسے کہہ کر اپنی جگہ سے اُٹھ کے کمرے کی جانب بڑھ گیا جبکہ جواد وہیں صوفے سے ٹیک لگائے عباس کا اِنتظار کرنے لگا۔ جانتا تھا کہ چاہے جتنی بھی دیر ہو جائے، وہ ضرور آئے گا اور یہی ہوا جیسے ہی گھڑی نے بارہ: تیس کا ہندسہ پار کیا، دروازہ کُھلنے کی آواز پر جواد مُسکراہٹ دبا کر سیدھا ہو کے کھڑا ہوا۔ مین گیٹ کی ایک چابی اُسکے پاس تھی تبھی لکڑی کا دروازہ کُھلا اور عباس آہستہ قدموں سے اندر آیا۔ ہال کی جلتی روشنی پر چونک کر اُس سائیڈ آیا اور جواد کو دیکھ کر اُسکے چہرے پر جو سنجیدہ تاثرات چھائے، اُس پر جواد کے گرم جوشی سے اُسے گلے لگا رکھنے کو تیار بازو بے دم ہو کر پہلو میں آ گِرے۔

"اِتنی دیر سے کیوں آیا ہے؟" اُسکی خاموشی کو نظر انداز کر کے جواد نے پہل کی جبکہ عباس بغیر جواب دیئے اُسکے پاس سے گُزر کر اُوپن کچن کی جانب بڑھا۔ فریج کا دروازہ کھول کے اُس نے بوتل نکلی اور جواد کے دیکھتے ہی وہ ٹھنڈی بوتل اِس سردی میں غٹاغٹ پی گیا۔

"مُجھے تو لگا تو خُوشی سے بھاگتا ہوا آئے گا اور میرے گلے لگ جائے گا۔" اُس کو بوتل ڈسٹ بن میں پھینکتے دیکھ کر جواد نے پھر سے کہا جبکہ عباس نے چہرہ پھیر کر اُسکو خاموش نظروں سے دیکھ کے ساکن کر دیا۔

"اُوئے! ہوا کیا ہے؟" وہ مزید ضبط نہیں کر سکا تو تیزی سے اُسکے سامنے آیا۔

"میں اِس وقت کسی کا بھی قتل کر سکتا ہوں، جواد۔ مُجھے مت اُکسا۔" اُسکے ٹھنڈے ٹھار لہجے میں کچھ اِیسا تھا کہ جواد کا سارا وجود سَرد ہو گیا۔ وہ حیرت سے عباس کے چہرے کے پتھر تاثرات کو دیکھنے لگا۔

"تُجھے کیا اِتنا بُرا لگا ہے، عباس جِس کے لیئے تُجھ جیسا شخص اِتنی بڑی بات کہہ گیا ہے۔" جواد اُسکے سارے مزاج کے موسموں سے واقف تھا۔ وہ اِتنی بڑی بات شدید ترین غصے میں بھی نہیں کہہ سکتا تھا۔

"فلحال مُجھے مت۔۔۔" اُسکی بات بیچ میں ہی رہ گئی اور جواد نے اُسکو بازو سے پکڑ کر اپنے سامنے کیا۔

"اِدھر میری طرف دیکھ کر تڑیاں لگا۔ تُجھے مُجھ پر اِتنا غصہ آرہا ہے لیکن کِس لیئے؟" جواد یہ بات سمجھنے سے قاصر تھا۔ وہ دونوں دوست ایک دوسرے پر جان چھڑکتے تھے تو یہ کیسے ممکن تھا بَھلا۔

"میرا دماغ پہلے ہی بہت خراب ہے، جواد۔" اُس نے آہستگی سے اُسکا ہاتھ اپنے شانہ سے ہٹا کر جواد کو ششدر کر دیا۔

"تو کِس بات نے اِتنا دماغ خراب کر رکھا ہے تیرا؟" جواد کے کھوجتے لہجے پر اُسکا سارا طیش جھاگ کی طرح بیٹھنے لگا۔ سُکڑ کر پھیلتے دِل سے اُس نے جِس طرح جواد سے نظریں پھیریں، جواد کے کانوں میں خطرے کا الارم بج اُٹھا۔

"بتا تو سہی؟" جواد کی پھر سے اُسی رَٹ پر عباس کا دماغ اُلٹ گیا۔

"تُجھے میں نے بکواس کی تھی نہ کہ اُس عورت کو کسی معاملے میں مت گھسیٹنا مگر تُجھے میری بات سمجھ نہیں آئی۔" اُس کے سخت لہجے پر جواد اُسکو اُنہی کھوجتی نظروں سے دیکھتا رہا۔

"میں نے کیا کر دیا ہے؟" جواد کو واقعی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

"تُو نے اُس ویڈیو میں۔۔۔ کیوں آنے دیا۔ صرف اُس خبیث کی کرنی تھی۔" کہتے کہتے اُس نے جِس طرح لَب بھینچ کر کہا جوار کا ماتھا ٹھنکا۔

"تُو اِس وجہ سے اِتنا ہتھے سے اُکھڑ رہا ہے، عباس؟ وہ لوگ تیرے اور تیرے خاندان کے دُشمن ہیں۔" جواد کی بات نے اُسکا چہرہ سُرخ کر دیا۔

"وہ پورا خاندان میرا دُشمن ہے۔ اُن میں سے کسی ایک کو نہیں چھوڑوں گا مگر اُس عورت کو اگر اِس سب میں کسی نے گھسیٹا، جواد۔ میرے رب کی قسم! میں کسی کو نہیں بخشوں گا۔" وہ بولا نہیں، جواد پر غُرایا تھا۔ جواد ہک دَق اُسکے مرنے مارنے والے انداز دیکھے گیا۔

"کِس عورت کی بات کر رہا ہے تُو؟" جواد کا سوال خدشات سے پُر تھا۔ وہ جانتا تھا مگر جاننا چاہتا تھا۔

"میری وجہ سے آج وہ ہر جگہ ذلیل ہو رہی ہے۔ میری آنکھوں کے سامنے اُسکے آگے ہر وقت سر جُھکائے رکھنے والے لوگ تک اُس پر گھٹیا باتیں اُچھالتے رہے ہیں۔" اُسکا لہجہ اِتنا اُونچا تھا کہ اندر کمرے سے شجاعت گھبرا کر باہر نِکل کر اُن دونوں کو حیرانگی اور ناسمجھی سے دیکھنے لگا تھا۔

"عباس بھائی۔۔۔ کیا ہوا؟" شجاعت کے بوکھلائے ہوئے سوال کو اُس نے جیسے سُنا تک نہیں۔

"شریف کو کہو شرافت سے پوری ویڈیو، آڈیو کے ساتھ آگے کرے نہیں تو اُسکی چمڑی اُدھیڑ دوں گا میں۔" اُسکی سماعتوں سے ابھی تک وہ گھٹیا جملوں کی بازگشت جانے کا نام نہیں لے رہی تھی جنہیں میزابِ رحمت نے خندہ پیشانی سے سُنا تھا۔ وہ کیسے کسی کو بھی پلٹ کر جواب دیئے بغیر ایک وقار سے اپنے گھر واپس گئی تھی اور وہاں سب کتنے سکون اور عزت سے تھے۔ وہ لوگ اُن ساری رذیل اور گھٹیا باتوں سے بے خبر صرف ذکی کی گرفتاری پر بدحواس تھے۔ وہاں کسی کو میزابِ رحمت نظر نہیں آ رہی تھی۔ عباس ایک جھٹکے سے پَلٹ کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا جبکہ جواد نے بامُشکل اپنے ششدر اعصاب سنبھال کے بوکھلائے ہوئے شجاعت کی جانب آیا۔

"تم جا کر سو جاؤ۔ تمہارے بھائی کا دماغ خراب ہو چُکا ہے۔" شجاعت کا کندھا تھپک کر وہ تیز قدموں سے عباس کے کمرے کی جانب بڑھا۔ اندر آتے جواد نے اُس کو اپنا سیاہ کوٹ اُٹھا کر پوری قوت سے بیڈ پر مارتے دیکھا۔

"تُجھے نہیں بُھولنا چاہیئے کہ میزابِ رحمت بھی اُس خاندان کا حصّہ ہے۔" جواد کی آواز پر اُس نے چونک کر پلٹ کے دیکھا اور اُسکے چہرے کا رنگ جِس طرح بدلا، جواد گہرا سانس لے کر رہ گیا۔

"میرے لیئے وہ اُس خاندان کا حصّہ نہیں ہے۔ وہ اُن سب لوگوں جیسی نہیں ہے۔ میں۔۔۔ میں اُسکا دُشمن نہیں ہوں۔" اُسے نہ جانے کیوں میزابِ رحمت سے دُشمنی کا حوالہ تازیانے کی طرح لگنے لگا تھا۔

"یہ تم خود کو کِس مصیبت میں گرفتار کر رہے ہو، عباس؟" ساری خفگی اور حیرانگی بُھلا کر جواد نے تفکر سے آگے بڑھ کر کہا۔ اُسکے لہجے میں کچھ اِیسا تھا کہ عباس نے نگاہیں پھیر لیں۔

"تم شریف کو کہو کچھ کرے، جواد ورنہ اگر کل بھی کچھ اِیسا ہی ہوا تو میں اپنا ضبط کھو دوں گا۔" خود پر دھیان ہٹانے کو بھی بات وہیں لے کر گیا جہاں سے نگاہیں چُرا رہا تھا۔ جواد چند پَل خاموشی سے اُسکو ضبط سے سُرخ پڑتے چہرے کو دیکھتا رہا۔

"عباس! تمہارے خاندان کو معلوم ہوا نہ تو تم نہیں بچو گے۔" جواد کی آواز میں فکر کے ساتھ سرزنش بول رہی تھی۔ عباس نے بامُشکل چہرہ بے تاثر رکھا اور اُسکی جانب پلٹا۔

"میری کوئی غلط نیت نہیں ہے جواد۔ میں اپنا بدلہ لے کر رہوں گا مگر اُس عورت کا اِس دُشمنی اور اِنتقام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اُسکی بے خبری اور بے ریائی نے مُجھ سے وہ جُرات چھین لی ہے جِس سے میں اُسکو بھی اِس سب میں گھسیٹنے کا سوچوں۔" اَب کے انداز مَدلل تھا۔

"تم اُس عورت کو خسارے سے نہیں بچا سکتے، عباس۔ اُسکا گھر جلے گا تو آگ کے شعلے کی لپیٹیں اُس تک بھی آئیں گی۔" جواد نے اُسکو سمجھانا چاہا مگر کیا اَب عباس جان نِثار کو سمجھایا جا سکتا تھا؟

"میں اِنتقام کی آگ اُس تک نہیں پُہنچنے دوں گا۔" اُس نے ٹھہر ٹھہر کر کہتے ہوئے جواد کو حیران کر دیا۔ اُن شہد رنگ آنکھوں کی مُصمم سنجیدگی اَٹل تھی۔

"میرا کام تھا تمہیں خبردار کرنا۔" سَر جھٹک کر جواد نے اُسکا شانہ تھپکا اور پِھر جانے کے لیئے اُسکے کمرے سے باہر نِکل گیا پیچھے عباس جان نِثار اپنی مُضمحل کرتی سوچوں کے ساتھ تنہا رہ گیا۔ وہ اپنا مقصد نہیں بُھولا تھا۔ اُسے معلوم

تھا کہ اُس نے اِنتقام فرض سمجھ کر پورا کرنا تھا مگر۔۔۔بات اِسی مگر پر آ کر تھم رہی تھی۔اُسکا دِل بدل گیا تھا۔وہ نہ پہلے اپنے اِنتقام کے چکر میں کسی عورت کو شامل کرنے کا خواہاں تھا نہ اَب لیکن کیا اِنتقام کی آگ میزابِ رحمت کے دامن تک نہیں پُہنچے گی؟آج بھی تو اِیسا ہی ہوا تھا۔عباس جان نِثار،میزاب کو اُس ذلت سے نہیں بچا سکا تھا جو اُسکا مُقدر نہیں تھی کیونکہ وہ بزنجو خاندان کا خاص اور اہم حصّہ تھی۔اُسکے ہر بدلے کے عمل کی سب سے گہری چوٹ میزابِ رحمت کو ہی پُہنچنی تھی کیونکہ قصرِ بزنجو کا ستون جس نے اُس عمارت کو ڈھانے سے بچانے کے لیئے اپنے کندھوں پر سارا بوجھ اُٹھا رکھا،وہ میزابِ رحمت ہی تھی۔اُسکا دِل کہیں اور مائل بہ کرم ہو چُکا تھا مگر اُسکی سماعتوں میں اپنے خاندان کی آہ و بُکا کی چیخ و پُکار ابھی تک تازہ تھی۔اپنے ماں،باپ کی خُون سے لت پت لاشیں اُسکی آنکھوں کے سامنے سے ایک لمحے کو نہیں گئی تھیں تو پھِر کہاں بُھول چُوک ہوئی تھی؟کِس سِمت سے راستہ خالی پا کر وہ ہر بندش،رکاوٹ،باڑ اور کانٹوں کو پار کر کے اُسکے اندر براجمان ہو بیٹھی تھی؟کیسے اور کیوں؟کیا اِتنا جلدی کوئی کسی کے اعصاب پر مُسلط ہو سکتا ہے؟اِتنی ہی جلدی ہو تا ہے؟؟؟

✓ ہچکیوں نے کسی دیوار میں دَر رکھا تھا

میرے آباء نے جب اِس خاک پہ سَر رکھا تھا

گھر سے نِکلے تھے تو اِک دشتِ فنا کی صورت

راہ میں صرف سَفر،صرف سَفر رکھا تھا

دِل تھا مَتروک مَکانات کی صُورت خالی

اور اَسباب میں بِچھڑا ہوا گھر رکھا تھا

جسم اَجداد کی قبروں سے نِکلتے ہی نہ تھے

نَسل دَر نَسل اِسی خاک میں زَرر رکھا تھا

رُوح پر نَقش تھے وہ نَقش ابھی تک جِن میں

رَنگ بچپن کی کسی یاد نے بَھر رکھا تھا

دِل میں سَر سَبز تھے اُس پیڑ کے پتّے جس پر

دستِ قدرت نے ابھی پہلا ثمر رکھا تھا

کٹتے دیکھے تھے وہ بَرگد بھی جنھوں نے خود کو

مُدتوں دُھوپ کی بَستی میں شَجر رکھا تھا

جَلتے دیکھے تھے وہ خود سوز مُحلّے جِن میں

جانے کب سے کوئی خوابیدہ شَرر رکھا تھا

چوڑیاں ٹوٹ کے بکھری تھیں ہر اِک آنگن میں

اِک کنواں تھا کہ تمنّاؤں سے بَھر رکھا تھا

راہ تھی سُرخ گلابوں کے لہو سے روشن

پاؤں رکھا نہیں جاتا تھا مگر رکھا تھا

قافلے ایک ہی سَرحد کی طرف جاتے تھے

خواب کے پار کوئی خوابِ دِگر رکھا تھا

تیرگی چیر کے آتے ہوئے رَستوں کے لیئے

ایک مہتاب سرِرَاہ گُزرر کھا تھا

اِک حسیں چاند تھا، اِک سَبز زمیں پر روشن

اِک ستارے کو بھی آغوش میں بھَر رکھا تھا

یوں تو اِظہار میں حائل تھیں فصیلیں لیکن

رکھنے والے نے خموشی میں اثر رکھا تھا۔۔۔

(سعود عثمانی)

رات کی اعصابی جنگ نے اُسکو اندر باہر سے تھکا کر رکھ دیا تھا۔ سَر میں درد اور تھکاوٹ کے باوجود اُسے بستر چھوڑنا ہی تھا۔ نہا کر سفید شرٹ پر سیاہ کوٹ پہنتے ہوئے، جِس وقت وہ کلائی پر گھڑی باندھ رہا تھا، دروازہ کھٹکھٹا کر شجاعت اندر آیا۔

"عباس بھائی! آپ ٹھیک ہیں؟" اُسکے سوال پر گھڑی باندھ چکے عباس نے چہرہ پھیر کر شجاعت کو دیکھا۔

"تم نے جامعہ نہیں جانا؟" اُسکو گھر کے حُلیے میں ابھی تک دیکھتے ہوئے اُسکا سوال نظر انداز کر کے پوچھا۔

"میرا پیپر ہے آج ایک بجے۔" شجاع نے مُنہ بنایا۔ جانتا جو تھا وہ سیدھی بات نہیں بتائے گا۔

"سارا دھیان اپنی پڑھائی پر رکھو۔ اِسی لیئے تمہیں دَاجی نے یہاں بھیجا ہے۔" اُسکی ہدایت پر شجاعت نے بغور اُسکو دیکھا جو پستول میں گولیاں چیک کر کے پینٹ کے ہُک میں ڈال رہا تھا۔

"ایک مشورہ دوں آپ کو؟" اُسکے سنجیدہ سوال پر عباس نے چہرہ پھیرا۔ وہ کم ہی سنجیدہ ہوتا تھا۔

"ہاں!" اُسکے مُختصر کہے جانے پر شجاعت آگے بڑھا۔

"آپ یہ باڈی گارڈ ہونا چھوڑ دیں اور کسی اور طرح اُن سے بدلہ لینے کا سوچیں۔" اُسکے مشورے پر عباس جان نثار کا دِل صِرف لمحے بھَر کو سُکڑ کر پھیلا۔

"اِس سے کیا ہو گا؟" بہت توجہ سے گھنے سیاہ بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے سر سری سا پوچھا۔

"اِیسے آپکی مُشکل ختم ہو جائے گی۔" شجاعت اِتنا بھی غافل اور بے پرواہ نہیں تھا۔ سیل فون اور بائیک کی چابی اُٹھا کر عباس اُسکی جانب پلٹا۔

"میری فکر نہ کرو۔ وہ خاندان میرے ہاتھوں سے نہیں بچنے والا۔ تم بس اپنی پڑھائی پر دھیان دو۔" نرمی سے اُسکا گال تھپک کر کہتے ہوئے وہ تیزی سے اُسکے برابر سے ہو کر نِکل گیا۔ پورچ میں آ کے ہیلمٹ پہننے سے قبل اُس نے ٹرانسپیرنٹ آلے کو کان میں لگا کر سیاہ ہیلمٹ پہنتے ہوئے ہیوی بائیک پر بیٹھ کر سٹارٹ کیا۔ کُھلے دروازے سے اُسکا بائیک گولی کی رفتار سے باہر نِکل گیا۔ پیچھے موجود صُبح کی ڈیوٹی والے گارڈ نے گھر کا دروازہ بند کر دیا تھا۔

"شریف! مجُھے آج ہر حال میں وہی ویڈیو مکمل آڈیو کے ساتھ کل کی طرح وائرل چاہیئے۔" اُسکی سنجیدہ آواز پر دوسری جانب شریف نے اثبات میں سَر ہلایا۔ اُسے جواد کی جانب سے پیغام مِل چُکا تھا اور وہ اِسی پر کام کر رہا تھا۔ آڈیو کے ریلیز ہونے سے اُس خاندان کی زیادہ سُبکی ہونی تھی مگر خیر اُسکا کیا۔ اُسے تو پیسے مِل رہے تھے۔ عباس جانتا تھا آج اُسے پہلی بار دیر ہوئی ہے اور میزابِ رحمت آفس جا چکی ہو گی اِس لیئے اُس عقوبت خانے میں جانے کے بجائے عباس جان نِثار کے بائیک نے **'الرحمت'** کی اُسی پچھلی، سُنسان پارکنگ لاٹ میں تھم کر دَم لیا۔ اُتر کے ہیلمٹ رکھتے ہوئے اُس نے بالوں میں بے پرواہی سے ہاتھ پھیرا اور تیز قدموں سے پلٹ کر سیڑھیوں کی جانب

بڑھا۔ اُسے فارمل کوٹ کے بٹن بند نہ کرنے کی عادت تھی تبھی اُسکے آگے بڑھنے کی وجہ سے کوٹ ہوا کی مدد سے پیچھے کو اُڑ رہا تھا۔

جِس وقت اُس نے آفس آئیریا کی راہداری میں قدم رکھا لوگوں کی تیز باتوں کی آوازوں کو نظر انداز کر کے سیدھا آفس آیا۔ ایک بے ساختہ نظر میزاب کے آفس تک گئی۔ وہ اِرد گرد سے غافِل پوری طرح فائلز میں مُنہمک تھی۔ عباس چند پَل وہیں کھڑا رہا۔ دِل کے کسی کونے کو تقویت مِل رہی تھی۔ اچھا خاصا فاصلہ ہونے کے باوجود اُسکی آنکھوں میں میزابِ رحمت کی ایک ایک جُنبش بہت واضح تھی۔ سیاہ رنگ کے حجاب میں سارے جہاں کی معصومیت اور بے خبری لیئے اُسکے دِل کے تار چھیڑ رہی تھی اور بے خبر تھی۔ نظروں کی تپش تھی یا کچھ اور میزابِ رحمت نے یونہی چہرہ اُٹھایا اور عباس جان نِثار کا دِل ٹھہر گیا۔ وہ رُکتی دَھڑکن سے میزابِ رحمت کو کرسی سے اُٹھ کر آفس سے نکلتے ہوئے اپنی جانب بڑھتے دیکھ رہا تھا۔ کیا اُسکا یوں ساکن ہو جانا سہی تھا؟ کیا وہ اِس عورت کو دھوکا نہیں دے رہا تھا جو بے ریائی اور خلوص سے اُسکی جانب دیکھتے ہوئے بڑھتی تھی؟؟

"اسلام علیکم! تمہاری طبیعت ٹھیک ہے، جان نِثار؟" اُسکے چہرے کو دیکھ کر وہ متفکر نظر آ رہی تھی۔ عباس نے نظریں اُس چہرے سے پھیر لیں جو اِرادے متزلزل کر کے رکھ دیتا تھا۔

"وعلیکم اسلام! مِس کائنات بتا رہی تھیں کہ آپکی کہیں اور میٹنگ ہے۔" طبیعت کا سوال پھر سے نظر انداز کر دیا گیا۔ میزاب خفت سے پیچھے ہوئی۔ عباس کو شاید اُسکا طبیعت کے بارے میں پوچھنا اچھا نہیں لگا تھا۔

"میٹنگ نہیں ہے۔ فارمل لنچ ہے۔ ڈاکٹر رضا کے ساتھ۔" اُسکی اگلی بات پر عباس کی بھنویں سُکڑیں۔ آنکھوں کے سامنے وہ شوخا ہوتا ڈاکٹر لہرایا۔

"یعنی آپ خود جائیں گی؟" اگلے سوال پر میزاب نے ٹھٹک کر اُسکو دیکھا۔

" نہیں! تمہارے ساتھ۔" اُسکے برجستہ کہے جانے پر عباس جان نِثار کے ماتھے کی شکنیں معدوم ہوئیں۔

" میرا بس تھوڑا سا کام رہ گیا ہے پھر ہسپتال جانا ہے۔" اُسکی اگلی بات پر عباس نے اثبات میں سَر ہلایا جبکہ میزاب پلٹ کر واپس آفس میں چلی گئی۔ اُس نے آج بھی وہی لباس پہن رکھا تھا جو کل اُسے عباس نے لا کر دیا تھا۔ عباس جانتا تھا کہ جب تک وہ لڑکی سہی سلامت اپنے گھر نہیں چلی جائے گئی، میزابِ رحمت اُسکی بہن کی ساری، تلخیوں اور نفرت انگیز باتوں کے باوجود وہاں جاتی رہے گی جیسے کل رات گئی تھی اور بدلے میں اُس ویڈیو کے منظر پر آنے کے بعد اُسے سخت نشتر سُننے کو مِلے تھے۔

اگلے آدھے گھنٹے میں اپنا سارا کام عُجلت میں نپٹا کر عباس کے ہمقدم ایک بار پھر ہسپتال میں تھی۔ جانتی تھی کل کا قصہ اِتنا پُرانا نہیں ہوا کہ لوگ اُسکو دیکھ کر باتیں کرنا چھوڑ دیں گے۔ ذکی پولیس کسٹڈی میں تھا۔ ڈاکٹرز کے مُطابق ثمرہ کو مکمل صحت یاب ہونے کے لیئے آٹھ ہفتے لگنے تھے۔

" اسلام علیکم!" کمرے سے باہر نکلتے ہی ثمرہ کی بہن سامنے سے آتی میزاب کو دیکھ کر ٹھٹکی اور کل کی نسبت اُسکے چہرے پر جو شرمندگی چھائی اُس نے میزاب کو چونکا دیا۔

" وعلیکم اسلام!" میزاب جو کہنے والی تھی اُسکے لیئے اُس سے نظر نہیں اُٹھائی گئی۔

" کیسی طبیعت ہے اَب ثمرہ کی؟ اگر۔۔۔ آپ اِجازت دیں تو میں اُس سے مِلنا چاہتی ہوں۔" میزاب ہی جانتی تھی کہ یہ اُس نے کِس دِقت سے کہا ہے۔ عباس نے چہرہ پھیر کر اُسکو دیکھا جو سَر جُھکائے مزید سخت سُننے کے لیئے تیار تھی۔

"آپ۔۔۔مِل سکتی ہیں۔" ثمرہ کی بہن اثمارہ نے آہستگی سے کہتے ہوئے میزاب کو ششدر کر دیا۔ تیزی سے چہرہ اُٹھا کے پھیلتی آنکھوں سے اُسکو دیکھا جو میزاب کی حیرت پر مزید شرمندہ ہونے لگی۔

"جذاک اللہ! میں صرف بس ایک نظر۔۔۔" نرمی سے کہہ کر وہ تیزی سے دروازہ کھول کے اندر گئی جہاں پٹیوں میں جھکڑی ثمرہ بستر پر لیٹی تھی۔ ہاتھوں میں نہ جانے کون کونسی سوئیاں لگی تھیں۔ آہستگی سے میزاب اُس تک آئی اور اُسکا قدرے کم، زخمی اور نیلا ہاتھ دیکھ کر اپنا ہاتھ بڑھا کے اُسکو تھامنا چاہا مگر رُک گئی۔ دروازہ بند کر کے اندر آتے عباس نے اُسکو دیکھا جو خاموشی سے چہرہ جُھکائے اُس ہاتھ کو دیکھ رہی تھی جو اپنے دفاع میں زخمی ہوا تھا۔ کسی کی موجودگی کا اِحساس کر کے نیم غنودگی میں موجود ثمرہ نے چہرہ پھیرا۔ اُس عورت کو دیکھتے ہی آنکھوں سے دُھند چھٹنے لگی۔ یہ عورت تھی جِس نے اُسے بے موت مرنے سے بچایا تھا۔ یہی تھی جِس نے آگے بڑھ کر اُس کے زخمی وجود پر اپنا کوٹ ڈالتے ہوئے ایمبولینس کو کال کرنے کا کہنے کے بعد ذکی کا چہرہ تھپڑ سے سُرخ کیا تھا۔

"آ۔۔۔آپ۔۔۔!" اُس لڑکھڑاتی آواز پر میزاب نے چونک کر چہرہ اُٹھایا اور اُسے بولنے کی کوشش کرتے دیکھ کر تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے اُسکے پاس جُھکی۔

"مُج۔۔۔مُجھے بچ۔۔۔بچانے کے۔۔۔لیئے۔۔۔ش۔۔۔شکریہ۔۔۔م۔۔۔میری ب۔۔۔بہن کو لانے ک۔۔۔" اُس نے مزید کچھ اور بھی کہنا چاہا مگر میزاب نے اُسکا شانہ نرمی سے تھپتھپا کر اُسے بولنے کی تکلیف سے بچا لیا۔

"جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ، ثمرہ۔ مُجھے تم سے معافی بھی مانگنی ہے۔" میزاب کے نرم لہجے پر ثمرہ کی آنکھ کے کنارے سے آنسو پھسلا اور قبل اِسکے کنپٹی میں جذب ہوتا، میزاب نے شہادت کی اُنگلی سے سمیٹ لیا۔

"اللہ پاک تمہیں صحت یاب کرے تاکہ تم ظالم کا ہاتھ توڑ سکو۔" اُسکا بازو تھپک کر کہتے ہوئے اُس نے ثمرہ کی آنکھوں کو چمکدار کر دیا۔ میزاب نے اثبات میں سَر ہلا کے اُسے خاموش تسلی دی جو عباس کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہ سکی۔ وہ اُس سے ظالم کو سزا دِلانے کا وعدہ کر رہی تھی۔ عباس نے بغور اُسکو دیکھا جو اُسے ہر بار، نئے سِرے سے حیران کر دیتی تھی۔ پلٹ کے کمرے سے باہر نکلنے کے بعد قبل اِسکے وہاں سے جاتی، ثمرہ کی بہن نے اُسے پُکارتے ہوئے ساکن کر دیا۔ پھیکے پڑتے چہرے سے میزاب آہستگی سے پلٹی۔

"میں۔۔۔ آپ سے معافی مانگنا چاہتی ہوں۔" اُسکی ندامت میں ڈوبی آواز پر میزاب کا دِل دَھک سے رہ گیا۔

"کیسی بات کر رہی ہیں آپ؟ کیسی معافی؟" اُسے واقعی سمجھ نہیں آئی۔

"میں نے آپکو غلط سمجھا۔۔۔ آپ پر ہاتھ۔۔۔" مارے خفت سے بات بھی مکمل نہیں ہوئی۔ میزاب تیزی سے اُسکے قریب آئی اور اُسکے لرزتے دونوں ہاتھ تھام لیئے۔

"آپ۔۔۔ کیوں مُجھ سے معافی مانگیں گی۔ آپ کو ہاتھ اُٹھانے کا حق تھا۔ آپ کی بہن تکلیف میں ہے۔ میں پہلے ہی آپکے سامنے نظر نہیں اُٹھا سکتی، مُجھے شرمندہ نہ کریں۔" میزاب کے لرزتے لہجے پر اشمارہ نے بے طرح چونک کے اُس عورت کو دیکھا۔

"میں۔۔۔ نے آج۔۔۔ آج والی ویڈیو پوری سُنی اور دیکھی ہے۔ آپ نے ہمارے لیئے اِتنا کچھ کیا اور میں نے۔۔۔ آپ سارا خرچہ اُٹھا۔۔۔" میزاب کو اُسکی پہلی بات سمجھ نہیں آئی مگر اُسے یہی لگا کہ وہ اپنی نرم دلی کے ہاتھوں مجبور ہو گئی ہے تبھی اُسکے باقی الفاظ روک دیئے۔

"آپ مُجھے شرمندہ کر رہی ہیں۔ یہ سب آپ کا حق اور میرا فرض ہے۔ اِیسا نہیں ہے کہ میں اپنے خاندان کو بچانے کے لیئے آپ کے لیئے کچھ بھی کر رہی ہوں۔ میں ذکی کو سزا دِلوانے میں آپ کی پوری مدد کروں گی۔" اُسکی یقین دہانی میں کہیں کوئی جُھوٹ اور فریب نہیں تھا۔ وہ آئینے کی طرح صاف تھی۔ عباس نے اُسے دیکھ کر نگاہ جُھکا لی کیونکہ نگاہ واپس کا راستہ بُھولنے لگی تھی۔

"یہ آپ۔۔۔ کا بڑا پن ہو گا۔" اثمارہ نے ہچکچا کر کہا۔

"کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ؟ یہ آپ کا ظرف ہے جو مُجھے دھکے دے کر نکالنے کے بجائے آپ نے ثمرہ سے مِلنے دیا۔" میزاب کا لہجہ حلاوت سے پُر تھا۔ کچھ دیر مزید باتیں کرنے کے بعد وہ اِجازت لے کر واپس جا رہی تھی۔ اُسکو کسی گہری سوچ میں غرق دیکھ کر عباس اُسکے برابر آیا۔

"کیا سوچ رہی ہیں آپ؟" اُسکے سوال نے میزاب کو چونکا دیا۔

"بس اِیسے ہی۔" وہ اپنی حیرت کو زُبان نہیں دے سکی۔ عباس نے مزید کچھ پوچھے بغیر سیل فون جیب سے نِکال کے کچھ لگاتے ہوئے اُسکی جانب بڑھایا۔ میزاب نے چونک کر سیل فون کو دیکھا اور پھر ٹھہرتے ہوئے عباس کے ہاتھ سے لیا۔ کل کے دِن ہر سُو پھیلنے والی، اُسکو ہر جگہ ذلیل و خوار کروانے والی ویڈیو پھر سے سامنے تھی مگر اِس بار مکمل اور آواز کے ساتھ۔ وہ مُدثر پر برس کر ذکی کو تھپڑ مار رہی تھی۔ تبصروں میں لوگ اُسکی مدح سرائی کر رہے تھے۔ یہ وہی لوگ تھے جو کل اُس پر کیچڑ اُچھال رہے تھے۔ میزاب نے ویڈیو مکمل ہونے سے پہلے بند کر کے فون عباس کو واپس کیا۔

"آپ کو خوشی نہیں ہوئی؟" اُسکا بے تاثر چہرہ دیکھ کے وہ خود کو پوچھنے سے روک نہیں سکا۔ میزاب پھر سے چلنے لگی تھی اور وہ اُسکے ہمقدم تھا۔

"میں پہلے کون سا دُکھی تھی، جان نِثار جو اَب خُوش ہو جاؤں گی۔ لوگوں کی رائے یونہی بدلتی رہتی ہے۔ اِس پر کیسا غم اور افسوس۔" اُسکی بات میں بہت سکنیت تھی۔

"میرے لیئے کبھی لوگوں کی باتیں اہم نہیں رہیں۔ جو ہمیں جانتے ہیں وہ ہمیں ہر حال میں مانتے ہیں اور جو نہیں جانتے وہ کسی صورت نہیں مانتے۔" پارکنگ لاٹ میں آکر رُکتے ہوئے اُسکی جانب پلٹ کر بڑی متانت سے کہا گیا۔ عباس نے چہرہ جھکا کر اثبات میں سَر ہلایا۔ اُسکی بات جُھٹلانا آسان تھا، نہ ہی جُھٹلائی جا سکتی تھی۔

"البتہ میں تم سے معافی مانگنا چاہتی ہوں۔" ٹھہر کر جو پھر کہا گیا اُس پر دروازہ کھولتا ہاتھ ساکن ہوا۔ چہرہ پھیر کر اُسے دیکھا جو نرمی سے عباس کو ہی دیکھ رہی تھی۔

"تم نے کبھی ایسی باتیں نہیں سُنی ہوں گی۔ جب سے آئے ہو نہ جانے کیا کچھ دیکھ، سُن اور برداشت کر رہے ہو۔ کیا کچھ نہیں کرنا پڑ رہا تمہیں۔" اگلی مَلال میں ڈوبی بات اِیسی تھی کہ عباس جان نِثار کے چہرے کا رنگ واضح ماند پڑا۔

"تم۔۔۔ خرچ ہو رہے ہو میرے ساتھ، ہے نہ؟" اُن شہد رنگ مُضمحل آنکھوں میں دیکھ کر بہت یقین سے سوال پوچھا گیا اور عباس جان نِثار کا دِل دَھک سے رہ گیا۔ سُرمائی آنکھیں اپنائیت سے اُسکے تھکان میں مُبتلا ہونے کو سمجھ رہی تھیں۔

"اِیسا نہیں ہے۔" اُس کو نگاہ پھیر لینی پڑی۔ آنکھیں راز عیاں کر سکتی تھیں۔

"اِیسا ہی ہے۔" میزاب کے اِصرار پر عباس نے چونک کر اُن سرمائی، متوجہ آنکھوں میں جھانکا۔

"اگر اِیسا ہے بھی تو میں اپنی رضا سے خرچ ہو رہا ہوں۔" بہت مدہم لہجے میں جو کہا گیا اُس پر سُرمائی آنکھیں چونک کر لرزنے لگیں۔ اُس شخص کی سُنہری آنکھیں جو ہر بار پلٹ جاتی تھیں اِس بار جُھک کر راہِ فرار نہیں اِختیار کر سکیں اور میزابِ رحمت کا دِل سُکڑ کر پوری قوت سے پھیلا۔ وہ دونوں اِرد گرد کا اِدراک کیئے بغیر ایک دوسرے کی اِسرار میں لِپٹی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے۔ میزاب کے کلچ میں موجود سیل فون بجا اور اُن دو سے چار ہوتی آنکھوں کے فُسوں نے اپنے پَر سمیٹ لیئے۔ عباس نے جُھک کر دروازہ کھولا جبکہ میزاب کانوں میں سُنائی دیتی دَھڑکنوں کے ساتھ تیزی سے اندر بیٹھ گئی۔ دروازہ بند ہونے پر اُس نے سیل فون نکال کر آنکھوں کے سامنے کیا جہاں وکیل کی کال آ رہی تھی۔

"اسلام علیکم، شوکت انکل! میں الحمدللہ، آپ بتائیں۔" اندر بیٹھتے عباس نے اُس ہشاش بشاش آواز پر سَر جھٹکتے ہوئے گاڑی سٹارٹ کی۔

"انکل! میں اِس معاملے میں بالکل غیر جانبدار نہیں رہ سکتی۔ یہ اِنسانی جان کا معاملہ ہے تو اگر ثمرہ کی فیملی نے ذکی کے خلاف کیس فائل کیا تو سب سے پہلی عینی شاہد اُنکی طرف سے میں ہوں گی۔ میں اِس ظُلم کو جانے نہیں دے سکتی۔" اُسکا لہجہ یَک دَم سنجیدہ ہوا۔ شاید دوسری طرف سے اُسکو سمجھایا جا رہا تھا۔

"میں دادا جان کو سنبھال لوں گی۔ اُنکو معلوم ہے کہ میں ظُلم پر آنکھ نہیں بند کر سکتی۔" اُسکی سختی پر دوسری جانب اُنکے خاندانی ایڈووکیٹ شوکت نے گہرا سانس لے کر شکست تسلیم کر لی۔ میزابِ رحمت سے وہ نہیں جیت سکتے تھے۔

"اچھا! تم جیت گئی۔ میں ہاشم صاحب سے بات کرتا ہوں۔" اُنکی اگلی بات پر میزاب سوگواری سے مُسکرائی۔

"بات جیت اور شکست کی ہے ہی نہیں، انکل۔ میں اپنے اللہ کے ساتھ بے ایمانی نہیں کر سکتی۔ مُجھے میرے نبی(ص)اور اِمام(ع) نے یہ نہیں سکھایا۔"اُسکا موقف واضح تھا۔ اُسکا اٹل لہجہ ایڈوکیٹ شوکت کے ساتھ عباس جان نِثار سنجرانی کی سماعتوں کو بھی مُستفید کر رہے تھے۔

"جذاک اللہ! پھر گھر پر مُلاقات ہوتی ہے آپ سے۔"الوادعی کلمات کہہ کر اُس نے کال مُنقطع کر دی۔ گاڑی میں ایک بار پھر خاموشی طاری ہو گئی۔

"آپ واقعی ذکی کو جیل کروائیں گی؟"اُس خاموشی کو عباس کے سوال نے توڑا۔ کافی عرصے سے خاموشی کو توڑنے کی پہل اُسکی جانب سے ہی کی جارہی تھی۔

"اگر میں اُسے اپنا اصل بھائی اور خاندان سمجھتی ہوں تو مُجھے اِیسا ہی کرنا چاہیئے۔ غلطیوں کی پردہ پوشی ہے جان نِثار، ظُلم کی نہیں۔ میں ہر صورت یہی کروں گی کیونکہ اِمام علی(ع) نے فرمایا ہے سچ کہو چاہے وہ سچ تمہاری اپنی ذات کے لیئے کیوں نہ نقصان دہ ہو۔"وہ اُسے لاجواب کر دیتی تھی۔ اُس نے ایک بار پھر عباس کو لاجواب کر دیا۔

"آپ اِسی زمانے کی ہیں نہ؟"گاڑی ہوٹل کی پارکنگ میں روکنے سے قبل اُس نے جِس طرح تصدیق چاہی، بیگ سے فون نکالتی میزاب نے ٹھٹک کر چہرہ اُٹھایا۔

"ہاں، کیوں؟ نہیں لگتی؟"اُس نے مُسکرا کر جاننا چاہا مگر فلحال عباس اُسے یہ جواب دے نہیں سکتا تھا تبھی گاڑی سے باہر نِکل کر اُسکے لیئے دروازہ کھولا۔ میزاب نے باہر نِکل کر سیل فون کی سکرین کو دیکھا۔ جانتی تھی کہ جتنا مُشکل وقت چل رہا تھا اُس میں اچھی جگہ لنچ کرنے کا وقت نہیں تھا مگر رضا کا اُس پر احسان تھا تبھی صُبح اُسکو اِنکار نہیں کر سکی۔ اندر آتے ہوئے اُس نے اطراف کا جائزہ لیا۔

"میزاب!" سائیڈ سے آتی پُرجوش سی آواز پر عباس اور میزاب نے بے ساختہ پلٹ کر دیکھا۔ چند قدم دُور ہی رضا بیٹھا تھا۔ اُس شخص کی تیاری اور مُسکراہٹ دیکھ کر عباس کی آنکھوں میں ناگواری چھانے لگی۔

"آپ جب فارغ ہوں تو مجھے کال کر دیجیئے گا۔" پلٹ کے اُس نے آہستگی سے کہا اور میزاب کو مزید کچھ کہنے کا موقعہ دیئے بغیر تیز قدموں سے دیوار گیر شیشے کی سائیڈ والی ٹیبل کی جانب بڑھ گیا۔ میزاب کا اُٹھا ہاتھ، پہلو میں گر گیا۔ آہستہ قدموں سے پلٹ کر وہ رضا کی ٹیبل تک آئی اور سلام کرتے ہوئے کرسی گھسیٹ کر بیٹھی۔

"وعلیکم اسلام، کیسی ہو تم؟" رضا نے واپس کرسی سنبھال کر بشاشت سے پوچھا مگر اُسکے چہرے کو دیکھ کر چونک گیا۔

"تم کچھ دیر پہلے تک تو کِھل رہی تھی۔ ایک دَم کیوں بُجھ گئی؟" رضا سے اُسکے خاندان کے پُرانے مراسم تھے تبھی اُس سے بے تکلف تھا مگر میزاب پھر بھی ہم عُمر ہونے کے باوجود ایک فاصلے سے بات کرتی تھی۔ اُسکے سوالیہ اِستفسار نے میزاب کو بالکل گُم صُم کر دیا۔

"کیا ہوا؟ کیا میرے ساتھ لنچ کرنے کا خیال اِتنا بُرا ہے؟" رضا نے دانستہ لہجہ پُرمزاح رکھا۔

"اِیسا نہیں ہے رضا۔ میں بس۔۔۔" قبل اِسکے وہ کچھ کہتی ویٹر نے آکر کھانا سرو کرنا شروع کر دیا۔ میزاب نے ایک مُحتاط نگاہ کھانے پر ڈالی۔

"مُجھے جلدی آفس جانا ہے رضا۔ تم جانتے ہو نہ ذکی اور آفس کے معاملات کی وجہ سے تو میں اِتنا نہیں کھا سکتی۔" اُس نے پہلے ہی نرمی سے اُسے منع کرنا ضروری سمجھا۔ اُسکے آگے سٹیک کی پلیٹ رکھتے ہوئے رضا مُسکرا دیا۔

"جانتا ہوں۔ تبھی زیادہ اصرار نہیں کروں گا مگر پلیز تھوڑا سا۔" اُس نے پلیٹ مزید میزاب کی جانب کھسکائی۔ وہ چند پَل یونہی بیٹھی رہی اور پھر بسم اللہ پڑھ کر چھوٹے چھوٹے نوالے لینے لگی۔ دِل بھاری ہونے لگا مگر وہ خاموشی

سے رضا کو مُسکرا کر باتیں کرتے سُنتی رہی۔ ابھی اُسے نہیں اُٹھنا تھا۔ اُس نے میزاب کو بہت بڑی فیور دی تھی اُس پولیس کیس کو ہینڈل کر کے۔ اچانک سے اُسکا دَم گُھٹنے لگا، آنکھوں کے آگے نمکین پانی جمع ہونے لگا اور پھر وہ سیل فون اُٹھا کر تیزی سے کرسی دھکیل کے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ رضا نے جہاں چونک کر اُسکو دیکھا وہیں زور سے کرسی دھکیلے جانے کی آواز پر کئی لوگوں نے پلٹ کر دیکھا اُن ہی میں عباس جان نِثار بھی تھا۔ قبل اِسکے وہ کچھ سمجھتا، میزاب کو تیز قدموں سے باہر جاتے دیکھ کر خود بھی اُسکے پیچھے بھاگا۔ باہر آ کر اُس نے پارکنگ میں گاڑی کے پاس آ کے دیکھا مگر میزاب وہاں نہیں تھی۔ پریشانی سے وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ پاگلوں کی طرح اُسکو ڈھونڈ رہا تھا۔ اندر جا کر ڈاکٹر رضا سے پوچھنا تک یاد نہیں رہا۔ ہوٹل کی پچھلے حصے میں تیزی سے بھاگتے اُسکے قدم کھانسنے کی آواز پر تھمے۔ پُھولتی سانس اور تیز دَھڑکنوں کے ساتھ وہ قدرے اُونچی جگہ درخت کے پاس آیا جہاں میزاب ِرحمت جُھک کر بیٹھی مُسلسل کھانستے ہوئے قے کر رہی تھی۔ اُسکو شاید پھر متلی ہو رہی تھی۔ آنکھیں موند کر چہرہ اُوپر اُٹھا کے عباس نے گہرا سانس لیا اور پھر اُنہی قدموں سے بھاگ کر واپس گیا۔ اَب کی بار واپسی میں اُسکے ہاتھ میں منرل واٹر کی بوتل تھی۔

"یہ لیں!" بوتل کھول کر میزاب کی جانب بڑھا کے اُس نے میزاب کو چونکا دیا۔ وہ چہرہ پھیرنے کی ہمت نہیں کر سکی۔ اُسکے ہاتھ سے پانی کی بوتل لے کے اُس نے قُلی کر کے چہرہ دھو کر پانی کے چند گُھونٹ پیئے اور اُٹھ کھڑی ہوئی۔ قبل اِسکے میزاب پلٹتی عباس نے اُسکے آگے اپنا بازو پھیلایا۔ میزاب کی نگاہ بے ساختہ اُس تک گئی جو اُسکی جانب سے رُخ پھیرے سائیڈ پہ دیکھ رہا تھا۔ دِل نے حوصلے کی سمت ہاتھ بڑھایا۔ لرزتا ہاتھ کچھ جھجک کے اُس نے عباس کے بازو پر رکھا اور درخت کے پاس سے ہٹ کر اُس تک آئی۔ وہ اگر عباس کے بازو کا سہارا نہ لیتی تو یہیں کچے، پتھریلے راستے پر زمین بوس ہو جاتی۔ عباس نے جیب سے سیاہ اور سُنہری رنگ کی دھاریوں والا رومال نکال کر

اُسکی جانب بڑھایا جسے بغیر دِقت کے لیتے ہوئے اُس نے چہرہ تھپتھپایا اور پِھر رومال مُٹھی میں دبائے عباس کے ساتھ آہستہ قدموں سے چلتے ہوئے اُوپر آئی۔ وہ ریسٹورنٹ پہاڑیوں کے قریب واقع تھا تبھی راستہ سارا اُونچا نیچا تھا۔ یہ اُس ریسٹورنٹ کے یقیناً پیچھے کا حصّہ تھا جہاں بہت کم لوگ موسم اور نظارے سے لُطف اندوز ہو رہے تھے۔ عباس اُسے ایک بینچ تک لیا۔

"کچھ دیر یہاں بیٹھ جائیں۔" وہ اُس لرزتے ہاتھ کو کچھ دیر سکون دینا چاہتا تھا۔ میزاب اُسکا بازو چھوڑ کر بے دم ہو کر بینچ پر بیٹھی۔

"آپ۔۔۔ ٹھیک ہیں؟" عباس نے چہرہ جُھکا کے اُسکو دیکھا جس نے چہرہ گرایا ہوا تھا۔

"میں۔۔۔ ٹھیک ہوں۔۔" اُس لہجے کی لرزش پر عباس کی نگاہ اُسکے پاؤں تک گئی اور پِھر نفی میں سَر ہلا کے اُسکے سامنے گُھٹنوں کے بَل جُھک کر بیٹھا۔ چونکتی میزاب کو پاؤں سمیٹنے کا موقع نہیں مِل سکا۔ وہ چہرہ جُھکائے فرصت سے اُسکی سینڈل کی کھلی سٹریپ باندھ رہا تھا۔ وہ ساری گھٹتی کیفیت بُھول کر آنکھیں پھیلائے اُسکو دیکھنے لگی۔

"تم پوچھو گے نہیں میرے ساتھ کیا مسئلہ ہے؟" وہ سٹریپ بند کرنے کے باوجود جب اُسکے قدموں سے نہیں اُٹھا تو میزاب نے گود میں رکھے ہاتھوں کو مضبوطی سے جھکڑ کر آہستگی سے سوال کیا۔ عباس جو اُن قدموں کو دیکھ رہا تھا، اُسکی نظر بے ساختہ اُوپر کو اُٹھتے ہوئے اُن لرزتے ہاتھوں تک گئی جِن کو اِتنی سختی سے جھکڑا گیا تھا کہ یوں معلوم ہو رہا تھا گویا اُن میں خُون کا ایک قطرہ تک نہ ہو۔ اُس کی نظر ٹھہر گئی۔

"میں آپ کو اپنی موجودگی اور سوالوں سے غیر آرام دہ نہیں کرنا چاہتا۔" اُسکی بات لمحے روک دینے والی تھی۔

"تم وہ واحد ہو، جان نثار جس کی موجودگی اور باتوں سے میں غیر آرام دہ نہیں ہو سکتی۔" وہ آگہی اور اعتراف کا لمحہ تھا۔ اُس نے بہت آہستگی سے عباس سے زیادہ خود سے اعتراف کیا۔ ہاتھوں تک ٹھہری نظر بے ساختہ چہرے تک گئی۔ وہ چہرہ اُٹھائے اُن شفاف، سُرمائی آنکھوں میں اپنا لرزتا، روشن عکس دیکھ رہا تھا۔

✓ ارے غضب، ارے ستم! وہ اِک نگاہ سحر فن

جھکے اگر تو بُت کدہ، اُٹھے اگر تو بُت شکن۔۔۔

میزابِ رحمت اُن شہد رنگ آنکھوں میں زیادہ دیر نہیں دیکھ سکی۔

"میں۔۔۔ کسی اور کے ہاتھوں سے بنے کھانے نہیں کھا سکتی۔" چہرہ جُھکائے اُس نے بڑی دِقت سے کہا۔ وہ کہنا جو کبھی کسی سے نہیں کہا تھا، بہت مُشکل تھا۔

"پھر چاہے وہ گھر کا کھانا ہو یا ریسٹورینٹس کا۔" اُسکی آواز حلق میں ہی گُھٹنے لگی۔ عباس کے چہرے کے تاثرات بدلے۔ سُنہری آنکھیں نا سمجھی سے سُکڑیں۔

"میرے بابا کو کھانے میں زہر مِلا کر دیا گیا تھا۔ جِس کی وجہ سے اُنکی وفات ہوئی۔" کہتے ساتھ اُس نے ہاتھوں پر مزید گرفت مضبوط کی۔ عباس کی آنکھیں بے یقینی سے پھیلیں۔

"وہ میری آنکھوں کے سامنے خُون تھوکتے ہوئے دَم توڑ گئے اور میں۔۔۔ کچھ نہیں کر سکی۔" اُسکا لہجہ کانپنے لگا۔ یہ ذکر آسان نہیں تھا مگر وہ اِس شخص سے اپنے غم کا بوجھ بانٹنا چاہتی تھی۔

"اُس مُہلک زہر نے اُنکے سارے اندر کو چھیل کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔" وہ یوں بول رہی تھی گویا سارا منظر اُسکی آنکھوں کے سامنے چل رہا ہو۔

"میں چیخنا چاہتی تھی۔ سب کو بتانا چاہتی تھی۔ خود کو گھسیٹ گھسیٹ کر دروازے تک پُہنچ کے سب کو خبردار کرنا چاہتی تھی مگر۔۔۔ مگر میری آنکھیں بند ہو رہی تھیں، دَم گُھٹ رہا تھا۔ میرا سارا اندر کرچیوں میں تقسیم ہو رہا تھا۔" اُسکی اگلی لرزتی بات پر عباس کے دِل کی رفتار کسی انہونی، کسی خدشے سے تیز ہوئی۔

"اُس زہر کا ذائقہ، وہ اذیت آج تک میری زُبان پر تازہ ہے۔ مُجھے اپنے اندر اَب بھی کرچیاں محسوس ہوتی ہیں۔" ہاتھوں پر گرفت مزید مضبوط ہوتی گئی۔ عباس جان نِثار کی سیاہ گھنی بھنویں اذیت اور بے یقینی سے سُکڑنے لگیں۔

"سب کہتے ہیں اُسی زہر کی وجہ سے بابا فوت ہو گئے مگر مُجھے تو کچھ نہیں ہوا۔ میں نے بھی تو وہ کھانا کھایا تھا۔" اِس سے پہلے کہ گرفت مزید مضبوط ہوتی اور ناخن اُنگلیوں میں پیوست ہوتے، عباس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر نرمی سے اُسکی بند مُٹھی تھپتھپائی، گرفت ڈھیلی ہوئی اور تبھی ایک آنسو سُرمائی آنکھوں سے پِھسل کر عباس کے ہاتھ کی پُشت پر جا گرا۔ چونک کر عباس نے اُسے دیکھا اور ششدر رہ گیا۔ وہ جو کسی مضبوط چٹان کی طرح سب کے سامنے اِیستادہ رہتی تھی، کسی ریت کی بُھربُھری دیوار کی مانند ڈھے گئی۔ ہچکیوں کے ساتھ روتے ہوئے اُس نے عباس کو ساکن کر دیا۔ چند لمحے لگے عباس جان نِثار کو اپنے ششدر اعصاب کو سنبھالنے میں اور پھر وہ نرمی سے اُسکی ایک دوسرے میں پیوست مُٹھیاں تھپکنے لگا۔ اُس عورت کا غم اَسیر دِل کو مزید اپنی لپیٹ میں لینے لگا۔ اُسکے دِل کی سَرزمین بھی اُس تکلیف اور انکشاف سے نم ہونے لگی۔

✓ اے خُدا، اے ماورائے مَرگ، اے نازک مِزاج

ہو سکے تو بندگی کی مَات پر آنسو بہا۔۔۔

کئی گھنٹے اُن دونوں کو محو جان کر اُنکے پاس سے دبے پاؤں گُزرنے لگے۔

"ایم سوری! تم۔۔۔ تم بھی کیا سوچتے ہو گئے۔" اُسکے رومال سے ہی آنسو پونچھتے ہوئے اُس نے اِتنی ندامت سے کہا کہ عباس کے چہرے کو مُسکراہٹ چُھو گئی۔

"یہی کہ میری باس کتنی مضبوط اور بہادر عورت ہیں۔ زمین کے سینے پر وقت کے تھپیڑے سہتے باوقار پہاڑ کی طرح۔" اُس لہجے میں جو ستائش اور فخر تھا اُس نے میزاب کے چہرے کو گُلابی کر دیا۔ عباس جو اُٹھنے لگا تھا، اِرادہ ترک کرکے اُس بہار ہوتے چہرے کو دیکھنے لگا۔

"ریزہ ریزہ پہاڑ ہوتا پہلی بار دیکھا ہو گا تم نے۔" اُن پُرشوق نظروں پر اُس نے خفت سے کہتے ہوئے عباس کو گردن پیچھے کو پھینکتے ہوئے قہقہ لگانے پر مجبور کر دیا۔ میزاب نے چونکے کے آنکھیں پھیلا کے اُسے دیکھا جو ہنسے جا رہا تھا۔

"اچھا چلیں یہ بتائیں مجھے دیکھ کر آپ کو کِس کا خیال آئے گا؟ جیسے مُجھے آپکو دیکھ کر پہاڑ کا آیا؟" بامُشکل ہنسی ترک کرکے اُس نے دلچسپی سے سوال پوچھا۔ میزاب سب بُھول کر اُسکے انداز دیکھ کے کچھ سوچتے ہوئے عباس کے اِشتیاق کو بڑھانے لگی۔

"سمندر!" اُسکے لفظی جواب پر آنکھیں ایک بار پھر دو سے چار ہوئیں۔ دِل کی دھڑکنیں مُنتشر ہو کے اِدھر سے اُدھر ہونے لگیں۔ گہرا سانس لے کر اُٹھتے ہوئے عباس بینچ پر اُس سے کافی فاصلہ رکھ کے بیٹھ گیا۔

"اِس دُنیا میں ہر کسی کے پاس غم ہوتا ہے، باس۔ کوئی اِیسا نہیں جو کسی اِمتحان، تکلیف، سزا یا دُکھ سے نہ گُزرا ہو مگر دیکھنا یہ ہے کہ سب اِس کو ڈیل کیسے کرتے ہیں۔ کون اِن پر حاوی ہو کے اِنہیں قابو کر لیتا ہے اور کون اِن سے شکست کھا کر فنا ہو جاتا ہے۔" وہ ٹھہرے پانیوں کی طرح بولتے ہوئے میزاب کے اعصاب کو پُرسکون کر گیا۔

"تو تم اُن پر حاوی ہوئے ہو یا شکست کھا کر فنا؟" اِتنا برجستہ سوال آیا کہ عباس بے اِختیار چہرہ پھیر کے اُسے دیکھتے ہوئے پھر سے ہنس پڑا۔ وہ اپنی زندگی میں اِتنا کبھی نہیں ہنسا ہو گا جِتنا اِس عورت کے سامنے ہنستا تھا۔

"آپ نے مُجھے سمندر سے مِلا دیا ہے، باس لیڈی تو میں شکست کھا کر فنا ہونے کے بجائے قطرہ قطرہ دریا ہو جاؤں گا۔" اُسکا لہجہ اچانک سے اِتنا مدہم اور پُر فُسوں ہو گیا کہ دِل دھڑک کر ٹھہر جائے۔ اُسے دیکھتی سُرمائی آنکھیں تحیر سے پھیل کر چمکیں اور پھر لرزنے لگیں۔ چہرہ پھر سے گلاب رنگ ہو گیا۔ فضا میں اُس دِل لُبھاتی بات اور ردِ عمل سے یک دَم جلترنگ سے بجنے لگے۔

✓ یہ دریاؤں کی سازش ہے یقیناً

سمندر قطرہ قطرہ ہو رہا ہے۔۔۔

وہ دونوں اِس سے بے نیاز تھے کہ کوئی اُن پر نِگاہ رکھے ہوئے ہے۔ پہاڑ ریزہ ریزہ اور سمندر قطرہ قطرہ ہونے کو تھا مگر وقت کی آہٹیں اُس حسین لمحے کے آگے معدوم پڑ گئی تھیں۔

******

"آپ کو میں نے ہمیشہ بہادر دیکھا ہے۔ مصائب کو حل کر کے اُن سے جیسے آپ نِکلتی ہیں اِیسے ہر کوئی نہیں نِکل سکتا۔ یہ کامیابی کی علامت ہے۔" اُسکے الفاظ ڈھارس دینے والے تھے مگر میزاب کا دِل اُداس ہونے لگا۔ کوئی آگہی کا دَر وَا ہوا تھا اُس پر جِس نے اُسکے کندھے جُھکانا شروع کر دیئے تھے۔

"تم نے ٹالسٹائی کا وہ قول نہیں سُنا، جان نِثار؟ مصائب کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ آپ کامیاب ہو جائیں گے۔ آپ تکلیف اُٹھا کر مَر بھی سکتے ہیں۔" اُسکی بات نے عباس جان نِثار کے اندر کو ویران کر دیا۔ اُس نے نگاہیں پھیر کے اُس

مضمحل چہرے کو دیکھا جو دِل کو بہت اچھا لگنے لگا تھا۔ جِس کی جانب عباس جان نِثار کا دِل پوری قوت سے کھچا جانے لگا تھا۔

"پھر بھی تم میرے لیئے دُعا کیا کرو۔" عباس کی خاموشی بھانپ کر اُس نے مُسکراتے ہوئے کہا جبکہ عباس اُسکو دیکھ کر رہ گیا۔

"میری دُعا سے آپ کے مسئلے حل ہو جائیں گے؟ آپ مَرنے کی بات دوبارہ نہیں کریں گی؟" اُسکے سنجیدہ سوال پر میزاب نے چونک کے اُسکی سنجیدگی دیکھی۔

"ہاں! دُعا دے کر دیکھ لو۔" سُرمائی آنکھیں یک دم شرارت سے چمکنے لگیں۔

"جب تک جی میں آئے جیتی رہیں۔" اُس برجستہ دُعا پر میزاب کا دِل دھڑکنا بُھول گیا۔ اِیسی دُعا اُس کو آج سے پہلے کبھی کسی نے نہیں دی تھی۔ اِس سے قبل وہ کچھ کہتی میزاب کے سیل فون پر کال آنے لگی۔ سیل فون بیگ سے نکال کر اُس نے سامنے کیا۔ **'داداجان'** جگمگاتا دیکھ کر عباس کے تاثرات بدلے۔ پتھر ہوتے تاثرات سے اُس نے چہرہ پھیر لیا۔

"جی! میں ذکی سے مِل کر آؤں گی۔ آپ فکر نہ کریں۔ کچھ ماہ جیل میں رہنے دیں تبھی اُسکو بھی آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو گا۔" میزاب کی بات پر ہاشم بزنجو نے پیشانی مَسلی۔

"میں نہیں چاہتا کہ وہ جیل جائے، زیب بیٹا۔ وہ تمہارا بھائی اور میرا پوتا ہے۔ اُس نے اِیسی زندگی نہیں گُزاری کہ جیل میں رہ سکے۔" ہاشم بزنجو کے اِضطراب پر میزاب نے گہرا سانس لیا۔

"یہ بات آپ کو بھی معلوم ہے اور مُجھے بھی لیکن کتنا اچھا ہوتا جو ذکی یہ بات یاد رکھتا اور اِتنی گھٹیا حرکت نہ کرتا۔ بات کاروبار کو ملنے والے خسارے کی نہیں ہے، دادا جان۔ بات اِنسانی جان کی ہے۔ جِسکی وقعت نہ ذکی کی نظر میں ہے، نہ مُدثر کی۔" اُسکا اَٹل انداز ہاشم بزنجو کو ٹھٹھکا رہا تھا۔ جانتے تھے وہ اپنے باپ کی طرح ہے۔ کسی بات پر ڈٹ جائے تو سمجھانا اور بہلانا مُشکل ہو جاتا ہے۔

"ہم گھر میں بات کرتے ہیں۔" نرمی سے کہہ کے اُس نے کال مُنقطع کر دی۔ کاشف صاحب بے چینی سے آگے ہوئے۔

"کیا کہہ رہی ہے، میزاب؟" اُنکی پریشانی دیکھنے لائق تھی۔ آخر اولاد کی بات جو تھی۔

"اُس کے انداز اَٹل ہیں، کاشف۔ وہ چاہتی ہے ذکی کچھ ماہ جیل رہے۔" اُنکی اگلی سوچتی بات پر کاشف بزنجو ہتھے سے اُکھڑ گئے۔

"اُسکی اِتنی ہمت، اِتنی اوقات۔۔۔ یہ سب آپ کی بلاوجہ شے کا نتیجہ ہے، بابا جان۔" اُن کا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ وہ کچھ بھی کر گُزرتے۔

"حوصلے سے کام لو، کاشف۔ تم وہ نہیں دیکھ رہے جو میں دیکھ سکتا ہوں۔ کچھ عرصہ اِنتظار کرو۔ ہم ذکی کو پیرول پر نکلوا لیں گے۔" اُنکی بات پر کاشف بزنجو نے بے یقینی سے اپنے باپ کو دیکھا۔

"یعنی آپ اُس چھٹانک بھر کی لڑکی سے اِتفاق کرتے ہوئے میرے بیٹے کو سڑنے دیں گے؟" کاشف بزنجو کی بے یقینی بہت زیادہ تھی۔

"میں نے کہا نہ تم وہ نہیں دیکھ رہے جو مُجھے نظر آرہا ہے۔ تمہارے بیٹے کو کچھ نہیں ہو گا۔" ہاشم بزنجو کے یقین نے اُنکو ٹھٹکا دیا۔ چند پل اپنے باپ کی پُر سوچ خاموشی کو دیکھتے رہے اور پھر مزید بحث کرنے سے گُریز کیا۔ وہ جانتے تھے ہاشم بزنجو کو سو طریقے آتے ہیں اپنا کام نکلوانے کے۔

"پہلی ضرب نے ہی اُنکی بُنیادیں ہلا دی ہیں۔" کلیم سنجرانی کی مُسکراہٹ گہری تھی۔ وہ سب اِس وقت مردانے میں بیٹھے تھے۔ چار دِن سے خبروں میں بتائے جاتے بزنجو ایمپائر کے مالی نقصانات کی بابت سُنتے ہوئے سنجرانی حویلی میں خُوشی اور جشن کا سماں نہ ہونے کے باوجود ایک طمانیت کی فضا تھی۔ وہ دُشمن جِس نے ہمیشہ اُنکی جڑیں کاٹنے کی کوشش میں اُنکو ناقابلِ تلافی نقصان پُہنچایا تھا کیسے اَب اُنکی اُلٹی گنتی شروع ہو گئی تھی مگر اِس سب کے باوجود رحمان بخش سنجرانی اِتنے مطمئن نہیں تھے۔

"آپ کیوں خُوش نظر نہیں آرہے؟" کریم بخش کے سوال پر رحمان بخش سنجرانی نے اپنے خیال سے چونک کر اُن سب کو دیکھا جو تشویش سے متوجہ تھے۔

"میں مطمئن ہوں کہ عباس کا حملہ ناکام نہیں گیا مگر یہ کچھ بھی نہیں ہے۔" اُنکی بات پر سب نے سنجیدگی سے اثبات میں سَر ہلایا۔

"عباس بھائی گھر کا چکر کب لگائیں گے؟" اصغر کے سوال پر سب نے پھر سے رحمان بخش سنجرانی کو دیکھا۔ عباس کے آنے جانے کا اِختیار اُن کے ہاتھ میں تھا۔ اُنہوں نے جانے کا کہا تو عباس چلا گیا۔ اَب وہی آنے کا کہیں تو عباس آئے گا۔ یہ بات طے تھی۔

"کچھ ماہ تک اُسکا نہ آنا ہی بہتر ہے۔ میں کسی کاری ضرب کے اِنتظار میں ہوں۔" اُنکے لہجے میں بلا کی سختی تھی۔ سب جیسے اُنکی بات کو سمجھ رہے تھے مگر اِتفاق صرف احتساب سنجرانی کو تھا۔ پہلے ہی اُنہوں نے بڑی مُشکل سے اپنے طیش کو دبا رکھا تھا۔ یہاں عباس کی ایک غلطی اور سارا کچھ اُنہوں نے اپنے ہاتھ میں لے لینا تھا۔

"شجاع سے بات ہوئی تمہاری؟" کریم بخش سنجرانی نے یاد آنے پر اکبر کو مُخاطب کیا۔

"جی! بتا رہا تھا کہ اُسکے پیپر ہو رہے ہیں۔" اُسکے بتائے جانے پر رحمان بخش سنجرانی نے گہرا سانس لیا۔ چار مہینے سے اُوپر ہو گئے تھے عباس اور شجاعت کو گئے۔ ہر وقت دَھڑکا سا ہی سب کو لگا رہتا تھا کہ نہ جانے کب کیا ہو جائے۔ قصرِ سنجرانی کی بُنیادیں اَب کمزور ہو چکی تھی اور مزید کسی صدمے اور غم کو سہنے کی اُن میں سکت باقی نہیں رہی تھی۔ تیز ہوا کا جھونکا بھی سب کچھ اپنے ساتھ اُڑا کر لے جا سکتا تھا تبھی سب کی اُمیدوں کا واحد مرکز عباس جان نِثار تھا۔ جسے سب سنبھالنا آتا تھا۔ جِس نے اُس حویلی کی بُنیادوں کو اپنے پیروں پر مضبوطی سے جما رکھا تھا۔ اُسکی وجہ سے ہی سب ابھی تک مُتحد، اکھٹے کھڑے تھے اور عباس نے اُن سب ذمہ داریوں پر کبھی ایک حرف بھی اُف کا اپنی زُبان سے نہیں نکالا تھا۔ اُس نے ہمیشہ خاموش رہ کر سب کچھ خندہ پیشانی سے قبول کیا تھا۔

✓جو جہاں عُذر گھڑے، لوگ نہیں بولتے ہیں

جیسے فریموں میں جڑے لوگ نہیں بولتے ہیں

اِتنی آسانی سے جھگڑے نہیں سُلجھا کرتے

دیکھ! آپس میں لڑے لوگ نہیں بولتے ہیں

اِس قدر زُعم نہیں اچھا ہے ہارے ہوئے شخص!

یوں خسارے میں پڑے لوگ نہیں بولتے ہیں

عشق کے بارے میں سب حسبِ عقیدت بولے

ہم مگر ضد پہ اڑے لوگ نہیں بولتے ہیں

اِیسے دِل گستا ہے آوازیں میری حالت پر

جیسے رَستے میں کھڑے لوگ نہیں بولتے ہیں؟

خاندانوں کی یہ رَسمیں ہیں صَلیبوں جیسی

ہم رواجوں میں گڑے لوگ نہیں بولتے ہیں

خالی برتن ہو تو آواز بہت دیتا ہے

جتنی رنجش ہو بڑے لوگ نہیں بولتے ہیں۔۔۔

"مُجھے اطلاع مِلی ہے کہ منظور کرامت اور کاشف بزنجو کی اندرونِ خانہ بڑے روابط ہیں۔" جواد کی اطلاع پر اُس نے فائلوں سے سَر اُٹھا کے اُسے دیکھا۔

"جانتا ہوں۔ دونوں مِل کر غیر قانونی طریقے سے خراب مال بیچنے کے ساتھ اسلحہ سمگل کرتے ہیں۔" عباس کے مزید اضافے پر جواد جو اطمینان سے صوفے پہ بیٹھا تھا، چونک کر سیدھا ہوا۔

"اور تم یہ اِتنی حساس اور اہم معلومات مُجھے اَب دے رہے ہو؟" جواد کے دانت کچکچانے پر اُس نے بغیر کوئی وضاحت کیئے ایک فائل اُسکی جانب دھکیلی۔

"کیا ہے اِس میں؟" اُس کے سوال پر عباس نے دوسری فائل کھول کر آنکھوں کے سامنے کی۔

"پڑھنا آتا ہے نہ تمہیں؟" وہ سوال نہ ہو کر بھی سوال ہی تھا۔ جواد نے خفگی سے فائل اُٹھا کر آنکھوں کے سامنے کرتے ہوئے جیسے ہی کھولی، اُسکی آنکھیں پھیل گئیں۔ اُس فائل میں منظور کرامت اور کاشف بزنجو کے درمیان ہونے والی پیسوں کی ٹرانزیکشنز کی تمام معلومات درج تھی۔ تاریخ، رقم، دِن، وجہ۔۔۔

"یہ تمہیں کہاں سے مِلی؟" اِیسی حساس اور نجی معلومات اپنے تمام ریسورس لگا کر بھی حاصل کرنا ناممکن تھا۔

"بُوجھو تو جانیں۔" اُسکے انداز میں طمانیت ہی طمانیت تھی۔ جب سے شریف نے مکمل ویڈیو نشر کی تھی اُسکا سارا جلال معدوم ہو گیا تھا۔

"یار! شرافت سے، بتانا؟ ریسورس کا معلوم ہونا ضروری ہے۔" جواد کم ہی سنجیدہ ہوتا تھا۔ ابھی بھی سنجیدہ نہ ہوتا اگر جو وہ معلومات معمولی ہوتی۔

"کاشف بزنجو کے خفیہ لاکر سے اُڑائی ہے۔" مزے سے بتاتے ہوئے اُس نے جواد کا مُنہ حیرت سے کھول دیا۔

"تم۔۔۔ تم نے اُس گھر میں۔۔۔ نقب لگائی؟" بے یقینی سے جِس طرح پوچھا گیا، عباس کے چہرے کے تاثرات بدلے۔ کانوں میں کاشف بزنجو کے میزابِ رحمت کے لیئے کہے جانے والے الفاظ پھِر سے گونج کر خُون کھولانے لگے۔

"اَب وقت آگیا ہے کہ اُن کو کاری ضرب دے کر اصل کھیل شروع کیا جائے۔" اُسکے اَٹل انداز پر جواد نے بغور اُسکو دیکھا۔

"جانتا ہے نہ اگر یہ معلومات نیب کے ہاتھ لگ گئی تو بَھٹہ بیٹھ جائے گا بزنجوز کا؟" جواد کے سوال پر عباس نے سَر جھٹکا۔

"میں یہی تو چاہتا ہوں کہ اُنکا بَھٹہ بیٹھ جائے۔" اُسکے شرربار لہجے پر جواد کے کان کھڑے ہوئے۔

"کیا بات ہے؟ تمہارے تو تیور پہلے سے بھی زیادہ خطرناک ہو رہے ہیں۔" جواد کی بات پر اُس نے کوئی جواب دیئے بغیر اُسکے ہاتھ سے فائل لے کر تصاویر بنائیں۔

"اگر یہ فائل نائب کے ہاتھ لگی تو وہ سمجھ نہیں جائیں گے کہ تم نے دی ہے۔" جواد نے اُس سے جاننا چاہا۔

"نہیں معلوم ہو گا کیونکہ اصل فائل وہیں پڑی ہوئی ہے اور میرے پر شک جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ میں کبھی اُن سب کے کمروں تک نہیں گیا۔" اُسکی وضاحت پر جواد نے گہرا سانس لیا۔

"تو یعنی تم نے رات کو سب کے سو جانے کے بعد اُڑائی ہے یہ معلومات۔" جواد کا انداز پُریقین تھا مگر عباس نے نہ تصدیق کی نہ ہی تردید۔ وہ اُسی جانفشانی سے فائل پر درج معلومات پڑھتا رہا۔

"اِن کی پیپر کمپنیوں کا بھانڈا ابھی پھٹ جائے گا تو آپس میں پھوٹ پڑ جائے گی۔" جواد نے جیسے اُسکی معلومات میں اِضافہ کرنا چاہا۔

"تبھی تو اصل مزہ آئے گا۔ جب دُنیا کے سامنے دُشمن بنے ہوئے ہیں تو اصل میں بننے میں کیا حرج ہے۔ ناقابلِ تلافی نقصان زیادہ دیرپا ہوتے ہیں۔" وہ جیسے سب کچھ سوچ چُکا تھا۔

"تمہاری میزابِ رحمت کو اِس سے کوئی نقصان نہیں پُہنچے گا؟" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد جواد کی زُبان پر پھِر سے خارش ہوئی۔

"میں ایسا کچھ نہیں کرنے والا جس سے میزابِ رحمت کو نقصان ہو۔ وہ واقعی میں کاشف بزنجو اور منظور کرامت کے تعلقات سے بے خبر ہیں۔" عباس کے سنجیدہ لہجے پر جواد اُسے دیکھ کر رہ گیا۔ اُس نے لفظ **'تمہاری میزابِ رحمت'** سُننے کے باوجود کوئی شدید ردِ عمل نہیں دیا تھا۔ وہ جو کسی عورت کو خود سے منصوب کیئے جانے پر سب تلپٹ کر سکتا تھا۔

"اگر میزابِ رحمت کو معلوم ہوا؟" جواد کا سوال اُکساتا ہوا تھا۔ عباس نے اُس سوال پر چہرہ اُٹھا کے جواد کو دیکھا جو اُسکی توجہ پاتے ہی میسنوں کی طرح مُسکرا رہا تھا۔

"تو جو چور کی سزا وہ میری۔" آہستگی سے کہہ کر اُس نے جواد کو ساکن کر دیا۔ اُسکے لہجے کے یقین نے جواد کی ہستی کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

اگلا دِن قصرِ بزنجو پر ایک اور قیامت لے کر اُترا۔ سوتی ہوئی میزابِ رحمت کی نیند مُسلسل بجتے سیل نے ایک بار پھر توڑ دی۔ آنکھیں مَسل کر دیکھا تو **'ایڈوکیٹ شوکت انکل کالنگ'** لکھ دیکھ کر سیدھی ہوئی۔

"اسلام علیکم، انکل!" دوسری جانب سے اُنہوں نے کچھ ایسا کہا جہاں پہلے اُسکے چہرے پر بے یقینی چھائی وہیں اگلی خبر نے اُسکے قدموں کے نیچے سے زمین کھینچ لی۔ بستر سے اُتر کر وہ سیدھا چینجنگ روم میں گئی اور اُسکی واپسی ڈارک اورنج اور سُرخ رنگ کے مِلے جُلے اِمتزاج کے کپڑوں کے ساتھ ہوئی۔ اپنا بیگ اور ضروری سامان اُٹھا کر اُس نے گھڑی پر وقت دیکھا جہاں صُبح کے **تین: تیس** ہو رہے تھے۔ وہ جانتی تھی کہ سب سو رہے ہوں گے مگر اُسکا جانا ضروری تھا۔ تیز قدموں سے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے اُس نے راہداری سے ایک نظر چیف سیکورٹی کے کمرے کی جانب دیکھا مگر دوسرے ہی پَل آگے بڑھ کر لکڑی کا آبنوسی دروازہ پار کر گئی۔

باہر آکر اُس نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور کچھ دیر بعد اُسکی گاڑی قصرِ بزنجو سے نِکل کر ہسپتال کی جانب دوڑ رہی تھی۔ گو کہ دوسری خبر زیادہ توجہ طلب اور خطرناک تھی مگر پہلی خبر پر اُسکا ہسپتال جانا واجب تھا۔ تیز قدموں سے وہ ثمرین سے مِل کر وہاں بامُشکل آدھا گھنٹہ رُکی اور پھر وہیں سے نیب کے آفس کی طرف روانہ ہو گئی۔ آفس کا وقت شروع ہونے میں ابھی بہت دیر تھی مگر اُسکو نیب کے ڈائریکٹر سے مِل کر اصل بات تک پُہنچنا تھا۔ اُنکو اپنے آنے کی اطلاع وہ پہلے ہی کر چکی تھی تبھی اُنھوں نے اُسے اپنے آفس آنے کا کہا تھا۔

"اسلام علیکم !" نیب کے ڈائریکٹر کے آفس کا دروازہ کھول کر جیسے ہی اندر آئی، اندر بیٹھے لگ بھگ پچاس کے قریب گریس فُل سے آدمی اپنی کرسی چھوڑ کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ میزابِ رحمت کی طبیعت سے مرعوب معلوم ہو رہے تھے اور اُن دونوں کی باتوں میں پروفیشنلزم کے ساتھ ایک اپنائیت بھی تھی جیسے دونوں ایک دوسرے کے پُرانے واقف کار ہوں۔

"جو مجھے اطلاع مِلی ہے سَر، وہ دُرست ہے ؟" سنجیدگی کے ساتھ جو پوچھا گیا اُس پر اُنہوں نے اپنے ٹیبل پر موجود فائل اُٹھا کر اُسکی جانب دھکیلی۔ فائل کھولتے ہی جِس طرح میزاب کے چہرے کا رنگ بدلا، وہ گہرا سانس لے کر رہ گئے۔ جانتے تھے کہ میزابِ رحمت اِس سب سے بے خبر ہو گئی۔

"تم سب کے سامنے اور غیر موجودگی میں مجھے انکل کہا کرو کیونکہ اَصفہان میرے بڑے بھائیوں جیسا تھا۔" اُنہوں نے جِس نرمی سے اُسے باور کروایا، اِتنی شدید حیرت اور شاک کے باوجود وہ مُسکرا دی۔ اپنے باپ کا ذکر اُسکو ناگزیر حالات میں بھی پُرسکون رکھتا تھا تبھی ڈائریکٹر ندیم بیگ کی بات پر مُسکرا دی۔

"جانتی ہوں انکل تبھی تو صُبح ہوئے بغیر آپکے آفس بے دَھڑک آ گئی۔ مُجھے بتائیں انکل کیا یہ سچ ہے ؟" وہ جو اُسکے **'انکل'** کہنے پر مُسکرائے تھے اگلے سوال پر اُنکی مُسکراہٹ سِمٹ گئی۔ وہ اُسکا صدمہ سمجھ سکتے تھے۔ کون نہیں تھا اِس

شہر میں جو ہاشم بزنجو اور منظور کرامت کی دُشمنی سے آگاہ نہ ہو۔ اُنکا پانی تک ایک دوسرے پر حرام تھا۔ کم اَز کم میزابِ رحمت کو یہی معلوم تھا مگر فائل پر درج معلومات کچھ اور ہی داستان چیخ چیخ کر سُنا رہی تھی۔

"چاچو اِیسا کیسے کر سکتے ہیں؟" اُسکی بڑبڑاہٹ پر ندیم بیگ نے گہرا سانس لیا۔

"بیٹا! یہ سارا مفاد کا کھیل ہے۔" اُنھوں نے نرمی سے بڑی پتے کی بات کہی مگر میزاب کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ اُسکے باپ کے ساتھ شدید نفرت کرنے والے، اُن پر بہتان تراشنے والے شخص کے ساتھ کاشف بزنجو کیسے کاروباری لین دین رکھ سکتے تھے، وہ بھی غیر قانونی۔ وہ تو سب سے زیادہ منظور کرامت کے خُون کے پیاسے ہوئے پھرتے تھے۔

"اَب کیا ہو گا، انکل؟" وہ جانتی تھی مگر مزید جاننا چاہتی تھی۔

"تم اچھی طرح جانتی ہو قانون کو۔ امیر بچ جاتے ہیں۔ نیب بلواتی رہے گی، یہ آتے رہیں گے۔ اثاثے کچھ عرصے تک فریز ہوں گے اور آخر میں بات کروڑوں کے جرمانے پر جا کر ختم ہو جائے گی۔" اُنکی بات تلخ مگر سچی تھی۔ میزاب چہرہ جُھکائے فائل کو چند پَل دیکھتی رہی بزنس کی ساکھ کو ہونے والا نقصان اور ہاشم بزنجو کو پُہنچنے والے صدمے کو سوچ سوچ کر اُسے ہول اُٹھ رہے تھے۔ آئے روز کچھ نہ کچھ ہو رہا تھا۔ سٹاک اور سیلز کو مِلنے والا دھچکا ابھی اِتنا پُرانا تو نہیں ہوا تھا۔

"انکل! یہ خبر میڈیا تک مت پُہنچنے دیں۔ میں آپکو یقین دلاتی ہوں کہ مکمل تعاون ہو گا۔" اُسکی بات پر اُنہوں نے گہرا سانس لے کر اثبات میں سَر ہلایا۔

"ہماری طرف سے یہی کوشش ہو گی بیٹا، لیکن آپ میڈیا اور لوگوں کو جانتی ہو۔ سب اِیسی ہی باتوں کی تاک میں رہتے ہیں۔" وہ جانتی تھی مگر فلحال اُسکے لیئے اُنکی یہ تسلی ہی کافی تھی۔

"جذاک اللہ، انکل۔ میں چلتی ہوں۔ آپ اپنا فرض ایمانداری سے نبھائیں گے مُجھے معلوم ہے۔" نرمی سے کہہ کر وہ صوفے سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ الوادعی کلمات کر کے جِس وقت اُن سے مِل کر نِکلی تھی، باہر صُبح کی مدہم مدہم روشنی نکلنے والی تھی۔ قریبی مسجد میں نماز ادا کر کے گھر کے اندر اُسکی گاڑی رُکی، مین ہال میں بیٹھے تمام افراد نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"یہ اِتنی صُبح کون آیا ہے؟" کاشف بزنجو نے تعجب سے سوال کیا۔ عباس جو مکمل تیار ہاشم بزنجو کی بات سُن رہا تھا، اندر آتی میزاب کو دیکھ کر ٹھٹکا اور پھر ہاشم بزنجو کو یونہی بولتا چھوڑ کر تیزی سے میزاب کی جانب بڑھا۔ ہاشم بزنجو نے چونک کر عباس کو جاتے دیکھا۔

"باس! آپ کہاں سے آرہی ہیں؟" اُسکے سوال پر میزاب نے ٹھہر کے اُسکو دیکھا۔

"تم نے ناشتہ کرلیا ہے؟" اُسکے سوال پر عباس نے ناسمجھی سے اثبات میں سَر ہلایا۔

"تو پھر چلو، ہمیں آفس جانا ہے۔" اُسکی ہدایت پر عباس نے اپنی کلائی جھٹک کر سامنے کرتے ہوئے وقت دیکھا۔

"اِتنی جلدی؟" وہ سوال سے خود کو روک نہیں سکا حالانکہ اُسکے پہلے سوال کا جواب نہیں آیا تھا۔

"بہت کام ہیں، جان نِثار۔ میں ذرا دادا سے مِل آؤں۔" نرمی سے کہہ کر عباس کے پاس سے مضمحل جھونکے کی طرح گُزری۔ عباس نے بے اِختیار چہرہ پھیر کے اُسے دیکھا جسکے قدموں میں ہمیشہ والی مضبوطی نہیں تھی۔ وہ خود کو اُسکی جانب بڑھنے سے روک نہیں سکا۔

"تم کہاں سے آرہی ہو؟" کاشف بزنجو کے سوال پر میزاب نے تادیبی نظروں سے اُنکو دیکھ کر ٹھٹکا دیا۔

"آپ کو آپکے بیٹے کی رہائی کی خوشخبری دینے آئی ہوں۔ ثمرہ اور اُسکی بہن نے آپکے بیٹے کو معاف کر دیا ہے لیکن میں نے اپنا فرض سمجھتے ہوئے پانچ کروڑ کی رقم دی ہے۔ فکر نہ کریں اپنے پلے سے دیا ہے۔" اُسکی اطلاع پر جہاں سب خُوشی سے چہکنے لگے تھے وہیں اگلی بات پر سب نے اُسکو دیکھا جِسکی سنجیدگی اور لہجے کی سختی بہت واضح تھی۔

"لگتا ہے تمہیں اپنے بھائی کی رہائی کی خوشی نہیں ہو رہی؟" اِیسے موقعے پر رفعت شیراز خاموش رہیں، یہ ناممکن تھا۔

"وہ میرا بھائی ہے، پُھوپُھو لیکن گناہ گار شخص خواہ میرا کتنا ہی قریبی کیوں نہ ہو میرے ہاتھ اُسکے گریبان تک پُہنچنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔" اُسکا انداز، دوٹوک اور باور کرواتا ہوا تھا جہاں عباس نے بغور اُسکو نگاہ بَھر کر دیکھا وہیں اُسکی نگاہیں کاشف بزنجو پر محسوس کرلیں۔

"سب ٹھیک ہے نہ، زیبی؟" ہاشم بزنجو کو ہی بیچ میں مُداخلت کرنی پڑی۔

"کچھ دیر تک سب پِھر سے خبروں میں آجائے گا، داداجان۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ آپ اپنے مفاد اور پیسوں کی لالچ میں اِس حد تک جاسکتے ہیں۔" ہاشم بزنجو کو کہہ کر اُس نے براہِ راست کاشف بزنجو کو کہہ کر اُنکو چوکنا کردیا۔

"کیا بات آنی ہے خبروں میں؟" ہاشم بزنجو کے گِرد خطرے کی گھنٹی بجنے لگی۔ میزاب یونہی اِیسی بات نہیں کہہ سکتی تھی۔

"یہ آپ اِن سے کیوں نہیں پوچھتے جنہوں نے قسم کھا رکھی ہے ہمیں جہنم میں دھکیلنے کی۔" اُسکا لہجہ اِتنا کڑا تھا کہ کاشف بزنجو اور رفعت شیراز طیش سے اپنی کرسی چھوڑ کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"تمیز سے بات کرو، لڑکی۔" رفعت شیراز قبل اِسکے آگے بڑھتیں عباس نے اُنکی کوشش ناکام بنادی۔

"اَب کیا ہوا ہے، زیب؟" تقی کے سوال پر اُس نے گہرا سانس لے کر ہاشم بزنجو کو دیکھا۔

"آپ نہیں جانتے نہ؟" اُس نے جِس آس سے ہاشم بزنجو کی جانب بڑھتے ہوئے پوچھا، عباس جان نِثار کے چہرے کا رنگ پہلی بار اِس طرح ماند ہوا کہ دیکھنے والا ٹھٹک جائے مگر مقامِ تشکر تھا کہ فلحال اُسکی جانب کوئی متوجہ نہیں تھا۔

"کیا بیٹا؟" اُنکو معلوم نہیں تھا کہ بات کِس بارے میں ہو رہی ہے۔

"یہی کہ آپکے یہ بیٹے اُس منظور کرامت کے ساتھ غیر قانونی کاموں میں ملوث ہیں جِس کے ساتھ دُشمنی کا بانگِ دہل اعلان کرتے رہے ہیں۔" اُسکی اگلی بات پر کاشف بزنجو نے سِٹپٹا کر اپنے باپ کو دیکھا جنہوں نے چونک کر کڑی نظروں سے اپنے بیٹے کو گھورا۔

"تم۔۔۔ تمہیں کِس نے کہا اِیسا؟" کاشف بزنجو کے سہی معنوں میں ہاتھ کے طوطے کبوتر اُڑنے لگے۔

"نیب کے پاس آپکے کالے کارناموں کا ثبوت موجود ہے۔ ابھی اُنہی کے دفتر سے آرہی ہوں میں۔" اُسکے نڈھال لہجے کو سوائے عباس کے کوئی نہیں پَرکھ سکتا تھا۔

"تم سے میں نے کہا تھا کہ رازداری سے کام کرنا۔ یہ رازداری سے کام کیا ہے تم نے؟" ہاشم بزنجو جِس طرح سُرخ چہرے سے دَھاڑے سب دُبک کر بیٹھ گئے، سوائے میزاب کے۔ وہ ششدر چہرے سے اُنکو دیکھے گئ۔

"آپ کو معلوم تھا؟" یہ سوال ہونٹوں پر ہونے کے باوجود پوچھ نہیں سکی۔

"اَب وہ کمینہ تمہارے سَر سب ڈال کر ہاتھ جھاڑ کے سائیڈ پر ہو جائے گا۔" وہ اُسی تُندہی سے کہتے رہے۔ عباس نے چہرہ پھیر کر میزاب کو دیکھا جو بے یقینی سے اُنکو بولتے سُن رہی تھی۔

"آپ۔۔۔۔جانتے تھے؟"اُسکی بے یقین آواز پر تیز تیز بولتے ہاشم بزنجو ٹھہر گئے۔ چہرہ پھیر کر اُسے دیکھا اور وہ بُھول تو نہیں سکتے تھے کہ اُنکے سامنے اَصفہان بزنجو کی بیٹی کھڑی سوال مانگ رہی ہے۔

"میں صرف کاروباری لین دین کے بارے میں جانتا تھا۔"ہاشم بزنجو نے اُسے یقین سے کہا۔

"بابا جان!"کاشف بزنجو تو اُنہیں دیکھ کر رہ گئے۔ میزاب نے گہرا سانس لے کر اپنے ششدر اعصاب یکجا کیئے۔ یہ سوال/جواب کا وقت نہیں تھا۔

"میری ندیم انکل سے مُلاقات ہوئی ہے۔ اُنہوں نے کہا ہے یا تو اِس کاروباری شراکت کے غیر قانونی اثاثے منجمند ہوں گے یا پھر کاشف بزنجو کی بزنجو اِنڈسٹریز سے معزولی۔"اُسکی بے تاثر اطلاع پر سب کے پیروں کے نیچے سے زمین نِکل گئی۔

"اور مُجھے پہلا آپشن زیادہ بہتر لگ رہا ہے۔"اُسکی تائید دھماکہ تھی۔

"تمہار دماغ خراب ہو گیا ہے۔ کھربوں کے اثاثے میں حکومت کے حوالے کرنے والا بے وقوف نظر آتا ہوں تمہیں۔"اُنکے چیخ اُٹھنے پر عباس نے سَرد نظروں سے اُنکو دیکھا۔ اَب آیا نہ اُونٹ پہاڑ کے نیچے۔ بڑی اُونچی اُڑان اُڑ رہے تھے یہ صاحب جبکہ رفعت اور آمینہ نے پریشانی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ ذکی کی رہائی کی خوشی کہیں پسِ منظر میں رہ گئی تھی۔

"تو پھر کرسی چھوڑنی ہے اپنی؟"اُسکا سوال کڑا تھا۔

"کیوں چھوڑوں گا میں؟"سوال مزید چیختا ہوا آیا۔

"کسی ایک چیز سے تو آپ کو دستبردار ہونا ہی پڑے گا۔ بہتر یہی ہے کہ اثاثوں کو جانے دیں اُس سے آپکی اور ہم سب کی تھوڑی بہت عزت بھی بچی رہے گی۔" اُسکی بات میں دَم تھا مگر کاشف بزنجو کیسے اپنے کھربوں روپے جانے دیتے۔

"نیب تک یہ معلومات پُہنچائی کِس نے؟" ہاشم بزنجو کے پُرسوچ سوال پر یک دَم ہال میں خاموشی چھاگئی۔ سب نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا جبکہ میزاب نے پیشانی سہلائی۔ اصل مسئلے کی طرف کوئی دھیان دینے کو تیار نہیں تھا۔

"کیا یہ اہم ہے؟ اہم یہ ہونا چاہیئے کہ آپ لوگوں کے پاس آخر کِس چیز کی کمی تھی جو اِیسے غیر قانونی کام اور اُس گھٹیا شخص کے ساتھ ملوث ہونا پڑا۔ آپ لوگوں کو اِیسا کام ہی نہیں کرنا چاہیئے تھا کہ کوئی آپکے گھر پر نقب لگائے۔" اُسکے چٹختے لہجے پر سب کے چہرے سُرخ ہوئے۔ عباس نے چہرہ پھیر کر کلائی پہ بندھی گھڑی کو دیکھا۔

"میں اُس کمینے اور گھٹیا شخص کو نہیں چھوڑوں گا اگر اُسے لگتا ہے وہ اِس سب سے بری الزمہ ہو جائے گا تو یہ اُسکی خوش فہمی ہو گی۔" کاشف بزنجو کا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ منظور کرامت کی گردن دبا دیتے۔

"تمہیں لگتا ہے یہ منظور کی حرکت ہے؟" ہاشم بزنجو کے سوال پر میزاب گہرا سانس لے کر پلٹی۔

"میں سو فیصد پُریقین ہوں۔ میں جانتا تھا کہ ایک دِن وہ پیٹھ میں خنجر گھونپے گا مگر مُجھے ابھی جانتا نہیں ہے۔" پیچھے کاشف بزنجو مغلفات بکنے لگے تھا۔ اُنکی باتوں پر ہاشم بزنجو کا سُرخ ہوتا چہرہ دیکھ کر عباس تمسخرانہ نظروں سے اُن سب کو دیکھ کر ہال سے باہر نکلتی میزاب کے پیچھے ہو لیا۔ بات اُسی سمت جا چکی تھی جہاں عباس لے جانا چاہتا تھا۔ دو دوست نما دُشمن لڑنے کو بالکل تیار تھے۔ وہ حساس معلومات حاصل ہونے والا مُدعا کسی کو یاد نہیں رہا تھا اور عباس

جان نِثار کا یہی تو مقصد تھا۔ فتح کے احساس سے سرشار عباس سر اُٹھائے اُس میزابِ رحمت کے پیچھے جا رہا تھا جس کا سر اور کندھے جُھکے ہوئے تھے۔ جسکے چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی مگر فلحال عباس اپنے مقصد کی کامیابی کی خُوشی میں مَست تھا۔ دَاجی کے کلیجے میں ٹھنڈ پڑنے کی سوچ اُسے ہواؤں میں لیئے اُڑ رہی تھی۔ اُنکی نظروں میں سُرخرُو ہونا سب سے اہم تھا مگر کیا یہ اہم تھا؟

اُسکی جیت کے احساس سے بے خبر میزاب اپنی ہار، اپنے زیاں کو سوچ رہی تھی۔ یہ چوٹ جو اُسے لگی تھی، بے حد گہری تھی۔ اِیسا وہ اپنے کسی اِنتہائی ڈراؤنے خواب تک میں تصور نہیں کر سکتی تھی کہ اُسکے اپنے یوں کریں گے اُسکے ساتھ۔ اُسکی تھکان اور صدمے کی اُس لمحے خُدا کے علاوہ کسی کو خبر نہیں تھی۔

✓اِس سے جان گیا کہ بخت ڈھلنے لگے

میں تھک کے چھاؤں میں بیٹھا تو پیڑ چلنے لگے

میں دے رہا تھا سہارے تو اِک ہجوم میں تھا

جو گر پڑا تو سبھی راستہ بدلنے لگے

نہ مارتے ہیں مُجھے اور نہ جینے دیتے ہیں

یہ کیسے سانپ میری آستین میں پلنے لگے

وہ یوں شریک ہوئے میری پیاس کے دُکھ میں

لبِ فُرات کھڑے ہاتھ ملنے لگے

کسی کے ہاتھ میں جاں، کسی کے ہاتھ میں دِل

بھلا یہاں پہ کوئی کِس طرح سنبھلنے لگے

بُھگت لیا وہیں خمیازہ تنگ نظری کا

بدن بچانے لگے تھے کہ شہر جلنے لگے۔۔۔

(فرحت عباس شاہ)

اُنکی گاڑی بہت تیزی سے **'الرحمت'** کی جانب بڑھ رہی تھی تبھی خاموشی محسوس کر کے عباس نے پہلی بار جُرات کر کے بیک ویو مِرر نیچے کیا۔ سوچ میں ڈوبے، زرد چہرے، جُھکی گردن اور ڈھلکے شانے والی میزابِ رحمت کو دیکھ کر اُسکے دِل کو دھکا لگا۔ فتح کی خوشی نے یک دَم اُسے اپنے شانوں سے بے دَردی سے جھٹک کر زمین پر پٹخ دیا۔

"آپ ٹھیک ہیں؟" لہجے کی جھجھک پہلی بار سامنے آئی مگر اپنے خیال میں محو، باہر کے بھاگتے دوڑتے مناظر دیکھتی میزاب محسوس نہیں کر سکی۔

"کچھ سوچ رہی ہوں، جان نِثار۔" اُس نے چہرہ پھیرے بغیر یونہی باہر دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا مَنظور کرامت اِتنا بے وقوف ہو سکتا ہے کہ اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی مارے؟" اُسکے سوال پر عباس نے ہاتھ بڑھا کر بیک ویو مِرر نیچے جُھکا دیا۔

"مُجھے لگ رہا ہے یہ سب کوئی اور کروا رہا ہے۔ کوئی اِیسا جسے میں نہیں جانتی مگر وہ مُجھے جانتا ہے۔ میں نفرت اور دُشمنی کی ایک نئی بُو سونگھ رہی ہوں۔" اُسکی اگلی بات پر عباس کی گرفت سٹئیرنگ وہیل پر مضبوط ہو گئی۔ مزید وہ کچھ کہہ نہیں سکا۔ گاڑی کی خاموش آواز کو عباس کے بجتے سیل فون کی آواز نے اُسے توڑا۔ عباس نے سیل کوٹ کی

جیب سے نکال کر **'داجی کالنگ'** لکھا دیکھ کر گہرا سانس لیتے ہوئے کال مُنقطع کر دی۔ فلحال اُنکی کال نہیں اُٹھا سکتا تھا۔ فون پھر سے بجنے لگا تو عباس نے سائلنٹ کر کے جیب میں واپس رکھ دیا اور تبھی گاڑی کو ایک جھٹکا لگا اور انجن سے اُٹھتے دُھویں کو دیکھ کر عباس نے تیزی سے گاڑی سائیڈ پر روک دی۔

"کیا ہوا، جان نِثار؟" جھٹکا لگنے پر میزاب نے اُسے سیٹ بیلٹ نکال کر اُتارتے دیکھ کر پوچھا۔

"کچھ نہیں! بس گاڑی میں مسئلہ ہو گیا ہے۔" نرمی سے کہہ کر دروازہ کھول کے باہر نِکل کر گاڑی کے بونٹ کی جانب بڑھا۔ میزاب سب بُھول کے آگے ہو کر اُسے دیکھنے لگی جو سیاہ کوٹ اُتار کر دوبارہ ڈرائیونگ سیٹ تک آیا اور کُھلے دروازے پر کوٹ رکھ کر واپس پلٹ گیا۔ میزاب اُسکو گویا پہلی بار دیکھ رہی تھی۔ سفید شرٹ، سیاہ ٹائی ڈھیلی کیئے، دونوں بازو کہنیوں تک فولڈ کیئے میزاب کی محویت کو وہ دوچند کر گیا۔ کوئی اِتنے مُشکل اور پریشان کن حالات میں بھی آنکھوں کو کیسے بَھلا لگ سکتا ہے؟ عباس جان نِثار بہت وجیہہ تھا مگر میزابِ رحمت کو وہ اِس وقت بَلا کا دلکش لگا۔ دِل میں کی گئی تعریف پر بے ساختہ مُسکراہٹ اُسکے چہرے پر دوڑ گئی۔ کچھ سوچ کر سَر جھٹکتے ہوئے گاڑی کا دروازہ کھول کے باہر نِکلی۔

"سب ٹھیک ہے، جان نِثار؟" اُسکے سوال پر عباس نے چونک کر چہرہ سائیڈ پہ کرتے ہوئے اُسکو دیکھا۔

"بس پانچ منٹ۔" اُسکے کہے جانے پر میزاب اثبات میں سَر ہلا کر گاڑی سے ٹیک لگاتے ہوئے سڑک کے کنارے بنے جنگلات کو دیکھنے لگی جو بارش کے بعد نِکھر کر آنکھوں کو بڑا بَھلا سا تاثر پیش کر رہے تھے۔ ماحول میں کل کی بارش کے باوجود گرمی تھی کیونکہ سردیاں اسلام آباد کی سَرزمین پر اَب چند دِن کی ہی مہمان تھیں۔

"یہ جگہ کتنی خوبصورت ہے۔" میزاب کی خود کلامی پر عباس نے مصروفیت ترک کرتے ہوئے سرسری سا سائیڈ پر دیکھا اور وہیں اُسکی نظر ٹھہر گئی۔ شہد رنگ آنکھیں اُلجھنے سے چھوٹی ہوئیں اور پھر بونٹ تیزی سے گرا کر وہ میزاب کی جانب بھاگ کر درمیان کا فاصلہ مِٹاتے ہوئے اُسکے اور خوبصورت نظارے کے درمیان آ گیا۔ سُرمئی آنکھیں لرز کر پھیلتے ہوئے اُس چہرے کو دیکھنے لگی جو پلکوں سے ذرا سا ہی دُور تھا۔ وہی چہرہ جسے کچھ دیر پہلے سُرمئی آنکھیں بڑے شوق اور دلجمعی سے سراہ رہی تھیں۔

"میری طرف دیکھیں۔" وہ جو لرز کر سائیڈ پہ ہونے لگی تھی عباس اُسکو کہنی سے تھام کر پھر سے اپنے روبرو لے آیا۔ قبل اِس کے دَھڑکتے دِل کے ساتھ میزاب اُس سے کچھ پوچھتی، کانوں کے پردے پھاڑتی تیز آواز کے ساتھ دو گولیاں سَنساتی ہوئیں آئی اور عباس کی پُشت اور بازو میں آکر پیوست ہو گئیں۔ اُس دِل کو مائل کرتے چہرے کو یوں قریب سے دیکھتے ہوئے کراہ اُسکے اندر ہی معدوم ہو گئی۔ البتہ جھٹکا لگنے کے سبب اُس نے بامُشکل میزاب کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر خود کو گرنے سے بچایا۔

"جان نِثار!" میزاب کی گُھٹی پُکار پر عباس نے چہرہ پھیر کر عقب میں دیکھا جہاں سے گولی چلائی گئی تھی اور پھر تیزی سے گاڑی کا دروازہ کھول کر شیشہ بند کیا۔ میزاب کو سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر اندر بٹھا کر دروازہ بند کر دیا اور بازو پیچھے لے جا کر پستول نکالتے ہوئے اُس نے دُور سُنسان پڑی عمارت سے سَر نکال کر کھڑے نقاب پوش کے سر کا نشانہ بنا کر یکے بعد دیگرے فائر کر کے اُسکی کھوپڑی اُڑا دی۔ تبھی اُس نے گاڑیوں کی آواز پر لب بھینچ کر سائیڈ پر دیکھا اور ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کے گاڑی سٹارٹ کی۔

"آپ ٹھیک ہیں، باس؟" میزاب جو کانوں پر ہاتھ رکھے بیٹھی تھی، لرز کر چونکی۔

"تم۔۔۔ تم۔۔۔ ٹھیک ہو؟" گاڑی کو آندھی طوفان کی طرح بھاگتے دیکھ کر اُس نے بامُشکل لرزتی آواز میں پوچھا۔

"آپ سَر مت اُٹھائیے گا۔" اُسکا سوال نظر انداز کر کے کہتے ہوئے اُس نے گاڑی کے شیشے سے ہاتھ نکال کر تکلیف سے ہونٹ بھینچتے ہوئے پیچھے آنے والی گاڑیوں کے ٹائروں کا نشانہ باندھتے ہوئے اُنکی پیچھا کرنے کی کوشش ناکام بنادی۔ اَب اُنکا پیچھا نہیں کیا جارہا تھا۔ گاڑی اُنکو بہت پیچھے کہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گئی تھی۔ مین شاہراہ پر گاڑی کے پُہنچتے ہی میزاب بے چینی سے آگے ہوئی۔ عباس کی سفید شرٹ پُشت اور دائیں بازو سے خون میں نہاچکی تھی مگر وہ پھر بھی پسینے سے تر چہرے اور پوری قوت سے گاڑی بھگا رہا تھا۔

"جان نِثار! گاڑی روکو!" اُسکی آواز پر عباس نے پریشانی سے سائیڈ پر دیکھا۔

"آپ ٹھیک ہیں؟" اُسکی تان پھر سے وہیں آکر ٹوٹ رہی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں۔۔۔ تم ٹھیک نہیں ہو۔۔ گاڑی روکو۔" اَب کے اُسکی آواز بلند ہونے پر عباس نے بریکس لگائیں۔ میزاب جلدی سے دروازہ کھول کر باہر نکلی اور فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولا۔

"میں ٹھیک ہوں، باس۔" اُسکے پھیکے پڑتے، گھبرائے اور پریشان چہرے کو دیکھ کر اُس نے بہت ہمت سے کہتے ہوئے میزاب کی آنکھوں میں پانی جمع کر دیا۔

"اُترو تم!" بھرائے لہجے میں کہتے ساتھ اُس نے اِنکار کرنے والے عباس کی ایک نہ سُنتے ہوئے بائیں ہاتھ سے پکڑ کر پسنجر سیٹ پہ بِٹھاتے ہوئے خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

"میں۔۔۔۔"

"چُپ کر کے بیٹھو تم۔" عباس کے پِھر سے کچھ کہنے کو میزاب نے جِس طرح جھڑکا، عباس نے اِتنی تکلیف کے باوجود بے یقینی سے چہرہ پھیر کر اُسے دیکھا جو اُس سے بھی زیادہ تیزی سے گاڑی بھگا رہی تھی اور پِھر اُس نے ہاسپٹل کی پارکنگ لاٹ میں گاڑی روک کر ڈاکٹر رضا کو کال کی۔ میزاب نے عباس کی جانب کا دروازہ نہیں کھولا، خود نِکل کے اُسکی جانب کا دروازہ کھول کر اُسکی جانب ہاتھ بڑھایا۔ عباس کی نگاہ سب بُھول کر اُس ہاتھ سے ہوتے ہوئے چہرے کی جانب گئی جو تفکر اور اِضطراب سے اُسکی جانب ہی متوجہ تھا۔

"میں چل سکتا ہوں۔" اُسکا ہاتھ نظر انداز کر وہ خود ہی لَب بھینچ کے باہر نِکلا جبکہ میزاب تیزی سے پیچھے ہوئی۔

"تم۔۔۔ تم ٹھیک ہو، میزاب؟" ڈاکٹر رضا دوڑتا ہوا آیا اور میزاب کے سامنے دَم لیا۔ عباس نے سنجیدگی سے اُسکو دیکھا جو تفکر سے میزاب کو سَر تا پاد یکھ رہا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں۔ جان نِثار کو گولی لگی ہے۔" میزاب کی مُضطرب بات پر رضا کی نگاہ اپنی جانب سَرد، سنجیدہ نظروں سے دیکھتے شخص تک گئی۔ اگر تو اُسکی شرٹ پر خون لگا نظر نہ آرہا ہوتا تو اُسکے تاثرات سے معلوم نہیں ہوتا کہ اُسکو گولی لگی ہے۔

"آپ ٹھیک ہیں؟" رضا کے سوال پر اُس نے بامُشکل اپنی ناگواری دبا کر اثبات میں سَر ہلایا۔ اللہ جانے اُسے رضا اِتنا کیوں ناپسند تھا۔ اندر جا کر اُسکو آپریشن تھیٹر میں لے جایا گیا کیونکہ ایک گولی بازو میں پیوست ہوئی تو دوسرے کندھے سے ذرا نیچے، پُشت پر بازو کے قریب۔ میزاب دیوار سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے محوِ دُعا تھی۔ آنکھوں کے سامنے بار بار وہی منظر آکر نئے سِرے سے رُوح چھلنی کر دیتا۔ اُسے عباس پر شدید غصّہ بھی تھا۔ وہ کیوں اُسکو بچانے کے لیئے اُس تک آیا؟ مُسلسل بجتے سیل فون پر اُس نے کوفت سے سیل فون پرس سے نکال کر آنکھوں کے سامنے کیا۔

"اسلام علیکم، داداجان!" اُسکی مضمحل آواز پر ہاشم بزنجو کرسی چھوڑ کر فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"شوکت بتارہاہے تم پر قاتلانہ حملہ ہواہے۔ میڈیا پر خبریں چل رہی ہیں۔" اُنکی پریشانی میں ڈوبی آواز پر میزاب نے گہرا سانس لے کر پیشانی سہلائی۔

"جی! سہی بتایاہے شوکت اَنکل نے۔" اُس نے آہستگی سے کہا۔

"تم۔۔۔ تم ٹھیک توہونہ، بیٹا؟ کہاں ہو؟؟؟ کیسی ہو؟؟" اُنکے حقیقی معنوں میں ہاتھ پیر پھُول گئے۔ ابھی توذکی کے آنے کی خوشی مناکر دُشمن کو چاروں شانے چِت کرنے کاوقت تھااور ابھی۔

"میں ٹھیک ہوں، داداجان۔ آپ لوگ ذکی کو لینے جائیں۔ اُسکی رہائی ہو گئی ہے۔" نرمی سے کہہ کر اُس نے ہاشم بزنجو کو مزید متفکر کر دیا۔

"تمہیں کچھ ہواتو نہیں نہ، میرے بچے؟" اُنکے مہربان اِستفسار پر میزاب بے ساختہ مُسکرادی۔

"مجھے ایک خراش تک نہیں آئی مگر جان نِثار۔۔۔۔ داداجان! اُسکو گولیاں۔۔۔ لگی ہیں۔" کہتے کہتے اُسکی آواز میں جو لرزش اُتری وہ ہاشم بزنجو کی سماعتوں سے مُخفی نہیں رہ سکی۔

"اُو! کیساہے عباس؟ کہاں ہے؟" جانتے تھے میزاب اِس باڈی گارڈ کی بہت عزت اور قدر کرتی ہے تبھی سمجھ سکتے تھے۔

"ابھی آپریشن تھیٹر میں ہے۔ آپ پلیز دُعاکریں، دادا۔" لاکھ کوشش کے بھی اُسکی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔ اِس سے پہلے کہ ہاشم بزنجو کو اِسکا اِدراک ہوتا، اُس نے فوراً کال مُنقطع کر دی۔ چہرہ لرزتے ہاتھوں میں لے کر وہ بے ساختہ زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔ ساری ہمت اور توانائی بس ایک پل میں خرچ ہو گئی تھی۔ وہ عباس جان نِثار

تھا۔ اُسکا مُحافظ اور مددگار۔ میزابِ رحمت کے لیئے سب سے خاص۔ کب ہوا، کیوں ہوا؟ اِسکی کچھ خبر نہیں تھی مگر میزاب کے لیئے خود کو ڈھال بنانے والا شخص نہ جانے کب سے اُسکے دِل میں براجمان ہوا بیٹھا تھا۔ گُزرتے لمحوں کی منحوس آہٹ نے ابھی ابھی خوف سے تاریک پڑتے دِل میں موجزن مکین کی نشاندہی کی تھی۔ وہ یونہی زمین پر بیٹھی رہی۔ اپنی جانب بھاگ کر آتے قدموں کی دھمک بھی اُسے سُنائی نہیں دی۔

"عباس کہاں ہے؟" سنجیدہ، سخت آواز پر میزاب نے بامُشکل چہرہ اُٹھایا تو کئی آنسو اُسکے چہرے پر لڑھکتے چلے گئے۔ بے چینی سے کھڑے جواد اور شجاعت نے حیرانگی سے اُس عورت کو دیکھا جسکے چہرے سے یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے خُون کا آخری قطرہ تک نچوڑ لیا گیا ہو۔

"عباس بھائی! کہاں ہیں؟" شجاعت نے تفکر سے پھر پوچھا۔ میزاب کے سُن دماغ نے بامُشکل بات پروسیس کی اور پھر دیوار کا سہارا لے کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"اندر آپریشن روم میں۔" وہ جب بولی تو اُسکی آواز بیٹھی ہوئی، کُھردری سی تھی۔ جواد نے بہت غور سے اُس عورت کے مضمحل تاثرات اور خوفزدہ آنکھوں کو دیکھا جہاں کسی کی تکلیف اور کھو دینے کا خدشہ بڑا واضح ٹھہرا ہوا تھا۔

"وہ کیسے ہیں؟ عباس بھائی ٹھیک ہیں نہ؟" شجاعت نے ساری نفرت بُھلا کر بے صبری سے سوال کیا۔

"وہ بالکل ٹھیک ہے۔ ابھی ڈاکٹر آتے ہیں۔" اُس نے اُس لڑکے سے زیادہ خود کو تسلی دی تھی۔

"عباس کو واقعی گولی لگی ہے؟" جواد کے کڑے سوال میں اِیسی تُندہی اور کاٹ تھی کہ میزاب کے آنسو ٹھٹھر گئے۔ اُس نے چونک کر جواد کے سنجیدہ چہرے کو دیکھا۔

"جی!" اُن آنکھوں میں اِیسا غصّہ تھا کہ میزاب کو نظر جُھکانی پڑی۔

"یہ سلوک ہوتا ہے آپ لوگوں کے ہاں وفادار لوگوں کے ساتھ؟" جواد کے کڑے اِستفسار پر میزاب کا چہرہ مزید جُھک گیا۔

"وہ آپکے لیئے نہ جانے کیا کچھ کرتا پھِر رہا ہے اور آپ کی وجہ سے ہی اُسے گولی لگی ہے۔" جواد کی اگلی بات پہلے سے سہمے، پشیمان دِل کو مزید گھائل کر دینے والی تھی۔

"میں آپ۔۔۔ آپ سے معذرت چاہتی ہوں۔" اُسکی لرزتی آواز پر شجاع نے نا سمجھی سے چہرہ جُھکا کر اُسکو دیکھا جو بس ندامت اور پریشانی سے زمین میں گڑنے کو تیار تھی۔

"آپ کی معذرت کا کیا کریں ہم۔ ناجائز کام کرے آپ کا خاندان اور بُھگتے میرا دوست۔ اِتنا ارزاں اور فالتو نہیں ہے عباس۔" اُسکی اگلی بات پر میزاب کا چہرہ مزید پھیکا پڑا۔

"آئی ایم سوری۔" وہ جانتی تھی اُس پر حملہ کرنے والا منظور کرامت ہی ہو گا۔ اُس تک نیب کی پیشی کی اطلاع پُہنچ چُکی ہو گی۔ تبھی آپریشن تھیٹر کی لائیٹ بند ہوئی اور رضا باہر نِکلا۔ سامنے نڈھال، چہرہ جُھکائے کھڑی میزاب کو دیکھ کے اُسکی جانب بڑھا۔

"تم ٹھیک ہو میزاب؟" اُسکی بے چینی جواد کی آنکھوں سے چُھپی نہیں رہ سکی۔

"عباس کیسا ہے؟" جواد کے کڑے سوال پر رضا نے ٹھٹک کر اُسے دیکھ کے ماسک نیچے کیا۔

"اُنکو دو گولیاں بازو اور پُشت پر لگی ہیں مگر بروقت پُہنچائے جانے کی وجہ سے زیادہ نقصان نہیں ہوا۔" رضا کی بات پر میزاب کے قدم بے جان ہوئے۔ بے ساختہ خود کو گرنے سے بچانے کے لیئے دیوار کا سہارا لے کر بیٹھتی چلی گئی۔

"میزاب!" رضا اُسکی پریشانی اور تکلیف سمجھ سکتا تھا تبھی اُسکے لیئے پریشان تھا۔ میزاب نے چہرہ جُھکائے ہاتھ اُٹھا کر اُسے آگے بڑھنے سے روک دیا۔

"اِن لوگوں کو عباس سے مِلوا دیں، ڈاکٹر رضا۔" اُسکی ہدایت پر رضا نے تذبذب سے اُسکے جُھکے چہرے کو دیکھا اور پھر واپس آپریشن تھیٹر والے دروازے کی جانب بڑھا۔ وہیں آگے راہداری میں اِنتہائی نگہداشت کے کمرے تھے جہاں عباس کو شفٹ کیا گیا تھا۔ جواد اور شجاعت تیز قدموں سے رضا کے پیچھے ہو لیئے۔ میزاب نے سر دونوں ہاتھوں میں لے کر تشکر بھرا سانس لیا اور اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اُسے یہاں نہیں رُکنا تھا۔ وہ ڈی-ایس-پی جواد کے اُن جملوں کے بعد جان نِثار کا سامنا نہیں کر سکتی تھی تبھی تیز مگر تھکے ماندے قدموں سے ہاسپٹل سے باہر نِکل آئی۔ پارکنگ لاٹ میں گاڑی میں بیٹھتے ہی اُس کی نگاہ پسنجر سیٹ سے ٹکرائی جہاں تازہ خون لگا ہوا تھا۔ وہ خُون کتنا قیمتی تھا کوئی میزابِ رحمت سے پوچھتا۔ ایک اِیسے بے لوث اور وفادار شخص کا خُون، جِس نے اُسکے حصے کی گولی کھائی تھی۔ وہ جو سب کے وار، اپنوں سے دھوکہ اور فریب سہتی آ رہی تھی اِس مہربان شخص کی نیاز مند ہونے لگی۔ دِل کے دغا کی تو کب، کِس کو خبر ہو سکی ہے۔ اپنے پرس سے رومال نکال کر اُس نے آہستگی سے خُون صاف کر کے رومال اچھی طرح تہہ کرتے ہوئے واپس بیگ میں ڈال کے گاڑی سٹارٹ کرتے ہوئے پارکنگ سے نِکالی۔ فلحال وہ واپس گھر نہیں جانا چاہتی تھی۔ وہاں ذکی کے لیئے رکھا گیا جشن اُس سے نہ دیکھا جانا تھا، نہ برداشت ہونا تھا۔

آفس آ کر پاور کرسی پر کام کرتے ہوئے اُس نے کچھ سوچا اور پھر لیپ ٹاپ کھول کے تیزی سے ٹائپ کر کے پرینٹر سے نکالتے ہوئے آنکھوں کے سامنے کیا۔ دراز سے سیاہ رنگ کا لفافہ نکالا اور اُس میں کاغذ تہہ کر کے کائنات کو اندر آنے کا پیغام بھیجا۔

"جی میم؟" سب آفس والے پہلے ہی ہاتھ لگا لگا کر سب پوچھ چکے تھے اِس لیئے کائنات نے اُسکی سنجیدگی اور پریشانی دیکھ کر پوچھنے کی کوشش نہیں کی اور ایک طرح سے سہی ہی کیا تھا۔ میڈیا جیسے اُس پر ہونے والے حملے کو اُچھل اُچھل کر ہائی لائیٹ کر رہی تھی، میزاب جانتی تھی کہ یہ ہاشم بزنجو کا کام ہے۔ وہ کاشف بزنجو اور منظور کرامت والے معاملے کو دبانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ نیب کے سمن کی کوئی شہہ سُرخی نہیں چلائی گئی تھی۔

"یہ جان نِثار صاحب کو بھجوا دیجیئے گا۔" اُسکی بات پر کائنات نے چونکتے ہوئے لفافہ اُسکے ہاتھ سے لیا اور آفس سے باہر چلی گئی۔ پیچھے میزاب اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

رات دس بجتے ہی ہاشم بزنجو نے فون پر فون کرتے ہوئے اُسے آفس سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ ذکی گھر آ چُکا تھا اور ساتھ ہی مہمانوں، مُبارک سلامت دینے والوں کا بھی یقیناً تانتا بندھ گیا ہو گا۔ رونق محفل لگا کر رکھنا تو بزنجو خاندان کا پُرانا شوق تھا۔ اُسے طوعاً و کرہاً وہاں جانا ہی تھا مگر اِس سے پہلے ہسپتال جا کر ثمرہ اور عباس کی خبر لینا چاہتی تھی۔ ثمرہ سے مِل کر، جان نِثار سے مِلے بغیر اُسکے ٹھیک ہونے کا، مکمل ہوش میں آنے کی یقین دہانی کر کے سیدھا گھر چلی گئی اور گھر آتے ہی سب سے پہلے اُسکا سامنا زرق کمال سے ہوا۔ وہ اِتنی تھکی ہوئی تھی کہ بس سیدھا جا کر سو جانا چاہتی تھی مگر فلحال یہ مُمکن نہیں تھا۔

"کیسی ہیں آپ؟ میں نے سُنا آپ کے اوپر ہونے والے حملے کے بارے میں، تو رہ نہیں سکا۔" اُسکی تفکر پر میزاب نے بامُشکل اپنے تاثرات قابو میں رکھے۔

"جذاک اللہ! میں بالکل ٹھیک ہوں۔ میں ذرا دادا جان سے مِل لوں۔" قبل اِس کے مزید پھیلتا میزاب کہہ کر آگے بڑھ گئی۔ اگر تو اِس کمینے کے خاندان سے ہاشم بزنجو کے کاروباری اور دوستانہ تعلقات نہ ہوتے تو دیکھ لیتی اِس کم بخت کو۔

"اسلام علیکم، دادا جان!" اُسکی مدہم پُکار پر ہاشم بزنجو چونک کر پلٹے اور اُنکے ساتھ کھڑے ضوریز سکندر کو صرف ایک بار دیکھ کر چونکی۔ اُس سے ہاشم بزنجو کی مُلاقات ہونا کوئی ناممکن بات نہیں تھی۔ میزاب اور باقی سب کے کاروبار کی تمام معلومات سے وہ پوری طرح باخبر تھے۔

"وعلیکم اسلام، کیسی ہو تم؟ ٹھیک ہو نہ؟" اُسکو دونوں بازوؤں سے تھام کر اُنہوں نے اِیسی پریشانی سے کہا کہ میزاب کو اپنے چہرے کی آزردگی اور تھکان چُھپانی پڑی۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔ بس جان نِثار۔۔۔" آہستگی سے کہہ کر چہرہ جُھکاتے ہوئے اُس نے ضوریز سکندر کو چونکا دیا۔

"کیسی ہیں آپ، مِس میزاب؟ حادثے کا سُنا تو فوراً چلا آیا۔ ساتھ ہی آپکے بھائی کی رہائی اور صُلح پر مُبارک باد بھی قبول کریں۔" مُسکرا کر کہتے ہوئے اُس نے مُختلف رنگوں کا بُکے اُسکی جانب بڑھایا۔ دالان میں کرسیوں پر بیٹھے لوگوں نے گردنیں پھیر کر دلچسپی سے اُن دونوں کو دیکھا۔

"یہ ذکی کو دینا چاہیئے۔" ہاتھ بڑھائے بغیر اُس نے نرمی سے لمبی میز کی کرسی پر اپنی ماں سے ناز اُٹھواتے ذکی کی جانب اِشارہ کیا۔ ایک پَل کو ضوریز سکندر کے چہرے کی مُسکراہٹ سِمٹی۔

"مائے بیڈ!" دوبارہ سے اُسی خوشدلی سے مُسکراتے ہوئے اُس نے بُکے ذکی کی جانب بڑھایا جسے اُس نے دانتوں کی نمائش کرواکر تھام لیا۔

"زیبی، بیٹا! بیٹھو نہ یہاں۔" آمینہ چچی کا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ اُسکے واری صدقے جاتیں۔ معلوم تھا کہ ذکی اُسکی کوششوں سے ہی باہر ہے حالانکہ جانتی نہیں تھی میزاب کا بس چلتا تو پانچ، چھ سال کے لیئے اندر کروا دیتی مگر خیر! ہم یہاں بدمزگی نہیں پھیلاتے۔

"عباس کی طبیعت کیسی ہے؟" ہاشم بزنجو نے اُسکے برابر آکر پریشانی سے پوچھا۔ وہ اُنکے لیئے کئی بار اپنی وفاداری ثابت کر چکا تھا اور دوسری بار جان کی پرواہ کرتے ہوئے اُنکا اور اُنکے خاندان کا تحفظ کیا تھا۔ وہ اُسکے مشکور اور ممنون تھے۔

"ہوش آگیا تھا۔ آپریشن اللہ کا شُکر وقت پر ہو گیا۔" اُسکی بات پر اُنہوں نے اثبات میں سَر ہلاتے ہوئے جیب سے سیل فون نکالا۔ سامنے میڈیا والے بھی مدعو تھے اور اِس خوشی کے موقعے پر اپنے وفادار مُلازم کو نظر انداز کر کے سب کو باتیں کرنے کا موقع نہیں دے سکتے تھے۔ ہاشم بزنجو نے کچی گولیاں نہیں کھیلی تھیں۔

"چلو! کاشف ہم عباس کی عیادت کر آئیں۔" اُنکی آواز اِتنی اُونچی ضرور تھی کہ سب کی سماعتوں تک پُہنچی اور میڈیا تو بُلوایا ہی اِسی مقصد کے لیئے گیا تھا۔ جو ساکھ اِن چند دِنوں میں برباد ہوئی تھی اُسکو ٹھیک بھی تو کرنا تھا اُسی میڈیا کے ذریعے جِسکا اِس خرابی میں ہاتھ تھا۔

"میزاب تم بھی چل رہی ہو نہ؟" مُدثر نے اُسکے برابر آتے ہوئے سوال کیا۔

"نہیں! آپ سب کو جانا چاہیئے۔" نرمی سے نفی کرتے ہوئے اُس نے ہاشم بزنجو کو ٹھٹکا دیا۔ وہ جانتے تھے میزاب کو دھچکا لگا ہے۔ پہلے بھی جب اُسکے پُرانے باڈی گارڈ پر حملہ ہوا اور پھر موت ہوئی تھی تو میزاب نے اُس حادثے کو کتنا خود پر حاوی رکھا تھا حالانکہ وہ منظور کرامت کا خریدا ہوا مُخبر تھا اور اپنے گھر جاتے ہوئے کار کریش میں اُسکی وفات

ہوئی تھی مگر میزاب اُس وفات کو حادثہ سمجھنے پر تیار نہیں تھی۔ اُسکو یقین تھا کہ اُسکے مشکوک ہوتے ہی منظور کرامت نے اُسے راستے سے ہٹا دیا تھا تب سے اُس نے باڈی گارڈ نہیں رکھے۔ اُسکے پچھلے چار گارڈ متواتر بکتے رہے تھے۔ کوئی زخمی ہوتا تب بھی وہ خود کو اِس سب کا الزام دیتی۔

"تم کیوں نہیں جا رہی؟" رفعت شیراز کے تنکتے سوال پر اُس نے یونہی کلائی پر وقت دیکھا۔

"میں ہی جان نِثار کو ہسپتال لے کر گئی تھی اور میں ہی اُسکی دو گھنٹے کے آپریشن اور بے ہوشی کے دوران وہاں تھی۔" اُنکے چُبھتے سوال کا جواب بڑے تحمل سے آیا۔

"تم کب سے خوار ہو رہی ہو۔ آرام کر لو۔" مُدثر کے کہے جانے پر بغیر کچھ کہے ہاشم بزنجو سے معذرت کر کے وہ اندر کی جانب بڑھ گئی۔ عباس پر حملے نے اُسکے اعصاب کو اندر سے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ یکے بعد دیگرے ہونے والے اِن واقعات نے اُسکو چوکنا کر کے تشویش میں پہلے ہی مُبتلا کر رکھا تھا۔ کوئی تھا جو اُسکے خاندان اور اُسکو نقصان پُہنچا کر ذلیل و رسوا کرنا چاہتا تھا مگر کون؟ یہ جتنے بھی واقعات ہوئے تھے یہ عام کاروباری لڑائی یا منظور کرامت جیسے کسی دُشمن کے بس کی بات نہیں تھی۔ اُسکے گِرد گھیرا تنگ کیا جا رہا تھا مگر کون تھا اِتنا عیار، ذہین، پُھونک پُھونک کر قدم رکھنے والا دُشمن؟ کوئی اُسکی جڑیں کاٹ کر اُسکو پورے قد سے گِرانے کے لیئے سر دَھڑ کی بازی لگا رہا تھا۔

✓ میں سازشوں میں گھرا ایک یتیم شہزادہ

کوئی چھپا ہوا خنجر میری تلاش میں ہے۔۔۔

\---------------

"داجی اور باقی سب گھر والوں نے کال کر کر کے ہمیں ہلا رکھا ہے۔" اُسکو خاموشی سے کھڑکی سے باہر دیکھتے پا کر جواد نے پھِر سے آتی رحمان بخش سنجرانی کی کال دیکھ کے سیل فون کی جلتی سکرین اُسکی جانب لہرائی۔ عباس نے چہرہ پھیر کر بے زاری سے اُسے دیکھا۔

"یا اُٹھا لے، یا کاٹ دے۔ میرا مغز مت کھانا۔" اُسکے جُھنجھُلاہٹ پر جواد جو کال اُٹھانے لگا تھا، ٹھٹک گیا۔

"کیا ہوا؟ طبیعت ٹھیک نہیں؟ زیادہ درد ہو رہا ہے؟؟" وہ یہی سمجھا۔ ظاہر ہے آپریشن کو ہوئے ابھی گھنٹے ہی کتنے ہوئے تھے۔

"کیا ٹائم ہو رہا ہے؟" اُسکی بات نظر انداز کر کے سوال کیا گیا۔

"گیارہ بج چکے ہیں۔ شجاع کو اِتنی مُشکل سے میں نے گھر بھیجا ہے۔" جواد کی بات پر اُس نے پریشانی سے چہرہ واپس پھیر لیا۔ اُسے ہوش میں آئے کئی گھنٹے گُزر چکے تھے اور اُس نے ایک بار بھی میزاب کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ اُسکی عیادت کے لیئے ابھی تک آئی کیوں نہیں؟

"آپ ابھی کمفرٹیبل ہیں تو آپکے مہمان آئے ہیں اُنکو بھیج دوں؟" یہ سرکاری ہسپتال نہیں تھا کہ مریض سے ملنے کا مخصوص وقت ہو۔ یہ انٹرنیشنل ہاسپٹل تھا۔ وی-آئی-پی وارڈ میں مریض سے پوچھ کر مِلنے والے لوگوں کو اندر آنے دیا جاتا تھا۔

"اِس وقت۔۔۔" جواد نے چونک کر عباس کو دیکھا اور بات بیچ میں رہ گئی۔ وہ جِس طرح اُٹھ رہا تھا، جواد گہرا سانس لے کر آگے آیا۔ چہرے سے شدید تکلیف ظاہر ہونے کے باوجود پورا زور لگا کر اُٹھنے کی کوشش کرتے عباس نے اُسے دانت پیسنے پر مجبور کر دیا۔

"تمہارا دماغ خراب ہو چُکا ہے۔" جواد نے آگے بڑھ کر تکیئے اُسکی کمر کے پیچھے احتیاط سے رکھتے ہوئے اُسے ٹیک لگا کر بیٹھنے میں مدد دی تبھی دروازہ کُھلا اور اندر آتے ہاشم، کاشف بزنجو اور مُدثر شیراز کو دیکھ کر جہاں جواد کا حلق تک کڑوا ہوا وہیں عباس نے بامُشکل اپنے چہرے کے ناگوار تاثرات سنبھالے۔

"کیسے ہو بیٹا؟" ہاشم بزنجو نے آگے بڑھ کر اُسکا جیسے ہی کندھا تھاما، عباس نے لَب بھینچ کر بڑی دِقت سے سَر ہلایا۔ اِس تکلیف دہ وقت میں کم اَز کم عباس جان نِثار اِن لوگوں کی شکل تک نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ اِن لوگوں کا مُنتظر نہیں تھا۔ اِنکی وجہ سے تو نہیں سُکڑ کر پھیلتے دِل کے ساتھ اِتنی تکلیف سے بیٹھا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں؟ آپ کو زحمت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" اُسکی ضبط بَھری، سخت آواز اور کسی نے محسوس کی ہو یا نہ ہو جواد نے کرلی تھی اور سُن رہ گیا۔ اُس نے پہلی بار عباس جان نِثار کو اُن دشمنوں کے سامنے دیکھا جِن کے ہاتھ اُسکے والدین کے خون سے رنگے ہوئے تھے۔ وہ اُسکے خاندان کی دُشمنی میں ہر حد پار کر چُکے تھے۔ اُسے خود پر بے حد ندامت ہوئی، وہ عباس کو کیا کچھ نہیں میزاب کے ضمن میں کہتا رہا۔ کیا عباس جان نِثار سے زیادہ مُشکل، دُکھ، نفرت، تکلیف اور اذیت میں کوئی ہو سکتا تھا؟ جو دُشمنوں کے گڑھ میں رہتے ہوئے دِن رات اُنکی شکلیں دیکھتے رہنے پر مجبور تھا۔ اِنتقام کا چکر اُسکے ضبط اور صبر کا کتنا شدید امتحان لے رہا تھا۔ جواد کیوں نہیں جان سکا۔۔۔

"زحمت کیسی؟ تم نے ہمارے ساتھ ہر بار کی طرح وفاداری دِکھائی ہے۔ ہماری بیٹی کو بچایا ہے۔ تمہارا ہم پر احسان ہے۔" اُنکے ممنون لہجے پر عباس نے بہت دِقت سے مُسکرانے کی کوشش کی مگر وہ نہیں مُسکرا سکا۔

"آپ مُجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔ باس کی حفاظت کرنا میرا فرض، میری ڈیوٹی ہے۔" ہاتھ سے ہو کر گردن تک جاتے سیاہ سِلینگ کے باوجود اُسکے لہجے میں کوئی تکلیف نہیں تھی۔ کچھ دیر پہلے اُٹھنے کی کوشش میں تکلیف سے ہلکان ہوتا چہرہ کہیں بھی نہیں تھا۔

"تم نہیں جانتے کہ تم نے ہم پر کتنا بڑا احسان کیا ہے۔" ہاشم بزنجو کی بات میں کچھ اِیسا تھا کہ عباس نے جہاں چہرہ پھیر کے بغور اُنکو دیکھا، جواد ٹھٹک گیا۔

"تم بِکے نہیں ہو۔ تم نے وفاداری ثابت کی ہے تو بتاؤ، تمہیں کیا چاہیئے؟" اُنکی اگلی بات پر عباس کا چہرہ سُرخ ہوا۔ اِس آدمی سے تمغے لینے کے لیئے اگر اُس نے کچھ بھی کیا ہوتا تو ابھی خود کو زمین میں دفن کر لیتا۔

"مُجھے کچھ چاہیئے ہوا تو میرے بازوؤں میں اِتنی طاقت ہے ہاشم صاحب کے خود حاصل کر سکوں مگر مُجھے فلحال کچھ نہیں چاہیئے۔" اُسکے دوٹوک جواب پر لمحے بھر کو بزنجو خاندان کے وہ تینوں افراد دنگ ہوئے۔ مُدثر اور کاشف بزنجو نے ایک دوسرے کو دیکھ کر ہاشم بزنجو کو دیکھا جو چونکتے ہوئے بغور عباس کے سنجیدہ چہرے کو دیکھ رہے تھے۔

"تم وفادار ہونے کے ساتھ ساتھ غیرت مند بھی ہو۔" اُنکی ستائش پر عباس نے کچھ کہا نہیں البتہ جواد بغور اُسکی بے زاری اور کوفت کو دیکھ رہا تھا۔

"ہم حملہ کرنے والے کو چھوڑیں گے نہیں۔" کاشف بزنجو کے بات میں حصّہ لینے پر اُس اثبات میں سَر ہلایا۔

"لیکن اِس سے آپکے کاروباری معاملات خراب ہو جائیں گے۔" اُس نے کاشف بزنجو کو کہتے ہوئے چوکنا کر دیا۔

"کیوں؟ کِس نے حملہ کیا تھا؟" سوال ہاشم بزنجو کی جانب سے آیا۔

"اِنکے کاروباری شراکت دار، منظور کرامت۔" عباس کی بات پر کاشف بزنجو کا جہاں طیش سے چہرہ سُرخ ہوا وہیں ہاشم بزنجو نے سنجیدگی سے چہرہ پھیر کر برابر کھڑے بیٹے کو دیکھا جنہوں نے نظریں پھیر لیں تھیں۔

"تم جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ۔ زیبی بہت پریشان ہے تمہارے لیئے۔" مُدثر کی بات پر اُس کے چہرے کے سارے سخت اور کھچے تاثرات جِس طرح نرم مُلائم ہوئے، جواد نے تھکتا سانس لیا۔ اُسکا دوست کا اَب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔

"ہم نے زیبی کو کہا آنے کے لیئے مگر اُس نے کہا میں ہی وہاں تھی عباس کے ہوش میں آنے تک۔ اَب آپ لوگ جائیں۔" مُدثر نے تاک کر اُسکے نرم تاثرات پر حملہ کیا اور اُسکے عین مُطابق عباس کا چہرہ فوراً سنجید گی میں ڈھل گیا۔

"اُنکا اکیلے گھر سے باہر کہیں بھی نکلنا مُناسب نہیں ہے۔ میں کل تک اِنشاء اللہ ڈسچارج ہو جاؤں گا۔" مُدثر کے بجائے اُس نے ہاشم بزنجو کو کہتے ہوئے حیران کر دیا۔ اُنہوں نے بغور اُسکے زرد چہرے کو دیکھا۔ بازو اور گردن میں موجود **'آرم سلِینگ شولڈر'** لگا اِس بات کی طرف اِشارہ تھا کہ وہ چند مہینے تک اپنا ہاتھ نہیں ہلا سکتا۔

"تمہیں ڈاکٹر نے چار سے چھ ہفتے کا ریسٹ کہا ہے۔" جواد اِس سے زیادہ خاموش نہیں رہ سکتا تھا۔ اُس سنجیدہ، تپتی آواز پر اُن تینوں مَردوں نے چہرہ پھیر کر دیکھا جہاں ایف-آئی-اے کی وردی میں پولیس اہلکار کھڑا تھا۔

"ارے ڈی-ایس-پی صاحب! آپ یہاں؟" مُدثر نے سب سے پہلے اُسے پہچانا۔

"یہ میرا بہترین دوست ہے، جواد ارمغان۔" عباس کے تعارف پر ہاشم بزنجو نے اُسکی جانب ہاتھ بڑھایا جسے بڑے تکلف سے جواد نے تھاما۔

"نانا جان! جب آپکو گولی لگی تھی اِنہوں نے ہی بیان لیا تھا اور حملہ آور کو جیل کروائی تھی۔" مُدثر کی مزید وضاحت پر کاشف بزنجو بھی اُسکی جانب بڑھے۔

"تمہارا بہت بہت شکریہ۔" اُنکا بڑھا ہاتھ بھی اُسی تکلف سے تھاما گیا۔

"یہ میرا فرض تھا۔" اُنکا ہاتھ چھوڑ کر اُس نے وہی لگا بندھا جملہ کہا۔

"اَب ہمیں اِجازت دو اور تم ایک مہینے کا آف لے رہے ہو۔" ہاشم بزنجو نے اُسے اطلاع نہیں دی، اپنا حکم سُنایا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں اور اَب بھی باس کی حفاظت کر سکتا ہوں۔" اُسکی سنجیدگی پر مُدثر نے چونک کر اُس شخص کو دیکھا جس پر میزابِ رحمت ضرورت سے زیادہ مہربان رہتی تھی۔

"تم تو کر سکتے ہو مگر میزاب کبھی نہیں مانے گی۔" ہاشم بزنجو کی مدہم بات پر عباس نے پہلی بار اُنکو فرصت سے دیکھا۔

"میں اُن سے بات کر لوں گا۔ میرا ایک جاننے والا، ریٹائرڈ کمانڈو ہے دو، تین دِن میں باس کے لیئے اُسکو بھیجنا چاہتا ہوں۔ وہ میرے بھروسے کا آدمی ہے۔" اُسکی اگلی بات پر ہاشم بزنجو نے اثبات میں سَر ہلایا۔ جانتے تھے کہ پہلے عباس بھی اُسی اِدارے سے مُنسلک تھا۔

"ٹھیک ہے! اُسکی فائل بھجوا دینا اُسی کے ہاتھوں۔" اُسکا کندھا تھپ کر کہتے ہوئے وہ پلٹے اور اُنکے ساتھ ہی کاشف اور مُدثر بھی اُسے الوادعی کلمات کہہ کر کمرے سے باہر نِکل گئے۔ اُنکے جاتے ہی جواد نے گہرا سانس لے کر کھڑکیاں کھول دیں۔

"کیسے سانس لے رہے ہو تم اِس زہر آلود فضا میں؟" چہرہ پھیر کر جواد نے اُس سے سوال کیا جو بے دلی سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔

"اُس زہر آلود فضا میں رہنا اِنتہائی مُشکل تھا، جواد لیکن پھر مُجھ پر اچانک کوئی خوشبودار رَوزَن کُھل گیا۔ اَب سانس لینا بہت آسان ہے میرے لیئے۔" اُسکی گہری بات بہت سے معنی لیئے ہوئے تھی۔

"کہیں تم اُسی رَوزَن کی بات تو نہیں کر رہے جِس کے لیئے زخمی ہوئے ہو اور ابھی تکلیف کے باوجود مُشقت کر کے اُٹھ رہے تھے؟" جواد کا لہجہ پِھر سے طنزیہ ہو گیا جبکہ عباس نے جِس طرح اُسکی جانب سے چہرہ پھیرا، وہ بھونچکا رہ گیا۔

"تمہیں معلوم ہے نہ تم کِس سمت جا رہے ہو؟" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد جواد کے سوال پر اُس نے سَر تکیئے پر رکھ کر آنکھیں مُوند لیں۔

"تم گھر جاؤ۔ مجھے نیند آ رہی ہے۔" تصدیق یا نفی کے بغیر کہتے ہوئے اُس نے جواد کو پیر پٹخنے پر مجبور کر دیا۔ بغیر کچھ کہے وہ تپ کر باہر نکل گیا۔ دروازہ بند ہونے کی آواز پر عباس نے آہستگی سے آنکھیں کھول کر سائیڈ ٹیبل سے سیل فون اُٹھا کر آنکھوں کے سامنے کیا جہاں گھر سے بہت سی کالز آئی ہوئی تھیں۔ اُن سب سے اُسکا اِرادہ اَب صُبح بات کرنے کا ہی تھا لیکن سکرین پر وہ نام نہ کال لاگ میں اُبھرا، نہ واٹس ایپ پر جِس کے لیئے اُس نے سیل فون اُٹھایا تھا۔ بے دلی سے سیل واپس رکھ کے اُس نے ٹیک لگا لی۔ بازو میں تکلیف تھی مگر اُسکی سوچیں کہیں اور بھٹک رہی تھیں۔ اُن بھٹکتی سوچوں کا محور میزاب رحمت تھی۔

وہ اُسے فرصت سے سوچ رہا تھا۔ گولی لگنے سے پہلے اُسکا چہرہ عباس جان نِثار کی آنکھوں کے کِس قدر قریب تھا کہ اَب بھی آنکھیں بند کرتے ہی اُسکا بے رِیا، دلکش چہرہ کیسے حق سے اُسکی سوچوں، اُسکے دِل تک رسائی حاصل کر کے اپنا تسلُط جمانے لگا۔

"یاد رکھنا! دُشمن کی عورت دُشمن کی ہی رہے گی۔" خُوش کن کیفیت، دلکش خوابوں نے رحمان بخش سنجرانی کی بہت کچھ باور کرواتی سنجیدہ آواز پر اپنے پَر سمیٹ لیئے۔ تب اُس نے کیسے زُعم سے نظریں پھیریں تھیں اور اَب۔۔۔؟ وہ اِتنی آسانی سے کیسے زیر ہو کر چاروں شانے چِت ہو گیا؟ جو خود کو بہت نا قابلِ رسائی سمجھتا تھا کیسے

ایک نگاہ نے اُسکے سارے اندازوں اور اِرادوں پر پانی پھیر دیا تھا تبھی پھر سے سیل فون کی بجتی بیل پر اُس نے سکرین دیکھے بغیر تیزی سے اُٹھالیا۔

"باس! آپ ٹھیک ہیں؟" اُسکی آواز کی بے چینی دوسری جانب موجود رحمان بخش سنجرانی سے چُھپی نہیں رہ سکی۔ وہ اُنکے ہاتھوں کا پلا بچہ تھا۔

"کیسے نہیں ٹھیک ہو گی۔ اُسکے حصّے کی گولیاں تو تم نے کھائی ہیں۔" چند پَل کی خاموشی کے بعد جو دوسری جانب سے کہا گیا اُس پر عباس کا چہرہ پھیکا پڑا۔

"اِس لیئے ہمیں نظر انداز کر رہے ہو کہ ہم کہیں تم سے باز پُرس نہ کریں۔ تم سے جواب نہ مانگ لیں؟" اُنکے سوالات خود سے نظریں چُرا لینے پر مجبور کر دینے والے تھے۔

"میں جانتا ہوں تم یہاں سے روانگی کے وقت کہی جانے والی میری بات نہیں بھولے ہو مگر مُجھے تم سے یہ اُمید نہیں تھی، عباس۔ تم۔۔۔ بڑے مقاصد کے لیئے پَل کر جوان ہوئے تھے۔" وہ غصّے میں نہیں تھے مگر اُنکی آواز میں بہت اُداسی تھی جو عباس کے دِل کو جھکڑ رہی تھی۔

"میں جِس مقصد کے لیئے پَل کر جوان ہوا ہوں اُسے پورا کیئے بغیر اگر واپس آیا تو میرے مُنہ پر تھوک دیجیئے گا۔" وہ جب بولا تو لہجہ وہی عَظم لیئے ہوئے تھا جو روانگی کے وقت اُنہوں نے محسوس کر کے طمانیت کی سانس لی تھی۔

"تم فریب میں مُبتلا ہو چُکے ہو، عباس۔ مُحبت سے بڑا فریب اِس دُنیا میں کوئی نہیں ہے۔" اُنکی اگلی بات پر عباس جان نِثار کے گلے میں گلٹی اُبھر کر معدوم ہوئی۔ دِل کی دَھڑکنیں کہیں اندر مدغم ہو گئیں۔ مُحبت کا ذکر اُسکے سامنے، اُسکی ذات کے ساتھ پہلی بار آیا تھا۔

"آ۔۔۔ آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔" کمزور احتجاج پر دوسری جانب ہال کی مخصوص سربراہی نشست پر بیٹھے رحمان بخش سنجرانی ہنس دیئے۔

"تمہارا لہجہ تو کوئی اور ہی کہانی سُنا رہا ہے۔" اُنکی بات پر عباس نے بے چینی سے چہرہ پھیرا۔

"بڑا عیار اور چال باز ہے بزنجو خاندان۔ اِس بار پھر بڑا گہرا اور مُہلک وار کر دیا ہے۔ کیا قسمت پائی ہے کہ بے خبری میں بھی نشانہ خطا نہیں ہوتا۔" اُس بات پر عباس کا چہرہ سُرخ ہوا۔ وہ بات کو غلط سمت لے کر جا رہے تھے۔

"آپ اِتنی جلدی رائے قائم کرنے میں مت لگائیں۔" اُس نے بامُشکل لہجہ سنبھال کر رکھا۔

"کیسے نہ لگاؤں۔ میری فوج کا سالار زخمی ہو گیا ہے، عباس۔ میں نے تمہارے مزاج کو جانتے ہوئے بھی تمہیں جنگ پر بھیج کے اچھا نہیں کیا۔" وہ اپنے فیصلے پر پشیمان عباس کو عجیب سے احساسات سے دوچار کر گئے۔ یہ پہلی بار تھا جو رحمان بخش سنجرانی اُس سے مایوس نظر آ رہے تھے۔

"میں ہمیشہ تمہاری نرم دِلی، عزت دینے اور جان قربان کر دینے کے عَظم سے ڈرتا تھا اور دیکھو اُس ڈر نے آج کیسا دِن دِکھایا ہے ہمیں۔" اُنکے دِل کا دُکھ عباس کے علاوہ کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا تبھی اُسی سے کُھل کر کہہ رہے تھے جو اُنہیں سمجھتا تھا۔

"آپ مُجھے بُزدل، کم ہمت اور کمزور سمجھ رہے ہیں نہ؟" اُسکے سوال میں بچوں جیسی خفگی تھی۔ رحمان بخش سنجرانی تکلیف کے باوجود مُسکرا دیئے۔

"عزت، احترام کرنے والا اور مُحبت میں گرفتار ہو جانے والا شخص کمزور نہیں ہوتا عباس۔ میں یہ جُرات کیسے کر سکتا ہوں۔" اُس اگلی بات پر عباس کا دِل یوں دَھڑک اُٹھا گویا پسلیاں توڑ کر باہر نِکل آئے گا۔ اُسے یوں محسوس ہونے لگا رحمان بخش سنجرانی نے اُسکے سامنے صاف شفاف آئینہ رکھ دیا تھا۔

✓بڑوں پر منکشف تھی سہل انگاری ہماری

ہمیں اَجداد کہتے تھے تمہارا کیا بنے گا۔۔۔

اور جب رحمان بخش سنجرانی نے رابطہ مُنقطع کیا، عباس جان نِثار کے دِل پر منوں بوجھ آ گرا کیونکہ اعتراف ہو چُکا تھا کہ عباس جان نِثار کو دُشمنوں کی بیٹی، میزابِ رحمت سے مُحبت ہو چکی ہے۔ اُسے معلوم تھا کہ دَاجی اُس سے شدید ناراض ہو چکے ہیں کیونکہ ایک وہی تھے جنھوں نے اُسے بہت پہلے ہی انجام سے خبردار کیا تھا۔ اُنکی ناراضگی کا بوجھ اُس اعتراف کی مُشقت سے بھی کہیں بھاری اور جان لیوا تھا۔

✓بہشت چھین کر ہمیں سکھایا گیا

منع کیئے گئے پیڑوں کے پھل نہیں کھاتے۔۔۔

اگلے دِن وہ حسبِ معمول تیار سی آفس جانے کے لیئے جیسے ہی نکلنے لگی، ہاشم بزنجو نے اُسکو نئے گارڈ کا بتاتے ہوئے سنجیدہ کر دیا۔

"مجھے کسی گارڈ کی ضرورت نہیں۔" نرمی سے کہہ کر وہ باہر نکل گئی۔ اُسکو بہت سے کام تھے جن میں صفِ اول الرحمت کے اخراجات کی رپورٹ تیار کرنی تھی۔ اِس کام میں اُسے کئی گھنٹے لگ گئے کچھ ہی دیر بعد کائنات تیزی سے دروازہ کھٹکھٹا کر اندر آئی۔

"میم! ایمرجنسی۔" اُس نے کائنات کو منع کیا تھا کہ فلحال کسی کو اندر نہ آنے دیا جائے جب تک خود نہ کہے تبھی چونک کر سیدھی ہوئی۔ کائنات اپنا ہاتھ میں تھام رکھا آئی-پیڈ لے کر تیزی سے اُس تک آئی۔ میزاب نے لے کر اپنے سامنے کیا جہاں خبریں چل رہی تھیں۔

"کاروباری حلقے میں ایک اور سنسنی خیز خبر دیتے چلیں آپ کو کہ کاشف بزنجو کو آج نیب کی جانب سے سمن بھجوایا گیا ہے۔ جی ہاں، ناظرین! ہمیں ابھی ابھی اطلاع ملی ہے کہ یہ سمن اُنکی منظور کرامت کے ساتھ کروڑوں کے غیر قانونی پیسوں اور غبن کا معاملے کے ساتھ اسلحے کی سمگلنگ کا ہے۔" اینکر کی چنگھاڑتی بات پر میزاب نے آئی-پیڈ ٹیبل پر رکھ کر اپنا سَر ہاتھوں میں گرا لیا۔ اینکر کی آواز ابھی بھی آفس کی خاموش ماحول کو توڑ رہی تھی۔

"آپ کو بتاتے چلیں کے منظور کرامت اور بزنجو خاندان کے درمیان کی دُشمنی بزنس سرکل میں کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں جبکہ اِس کاروباری غیر قانونی تعاون اور شراکت پر بہت سے منفی اثرات دیکھنے کو مِل رہے ہیں۔ بزنجو انڈسٹریز کے باہر کارکنوں کا احتجاج زور پکڑنے لگا ہے توقع ہے کہ جلد ہڑتال ہو جائے گی۔" میزاب ٹیبل پر ہاتھ مار کے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"مُدثر شیراز اور ذکی کاشف بزنجو کا معاملہ ابھی کوئی اِتنا پُرانا یقیناً نہیں ہوا۔ چیئر ویمن میزابِ رحمت کی تاحال خاموشی اور جانبداری معاملے کی سنگینی میں اضافہ کر سکتی ہے۔" چلتی سکرین کو چُھو کر ساکن کرتے ہوئے اُس نے آئی-پیڈ کائنات کو پکڑا کر جانے کا کہہ کے سیل فون سے ایڈووکیٹ شوکت کو کال مِلائی۔

"آپ چاچو کی قبل اَز گرفتاری ضمانت جلد سے جلد کروائیں میں ہڑتال اور احتجاج کو سنبھال لوں گی۔" شوکت صاحب جو دوسری طرف خود پریشان ہاشم بزنجو کے سامنے بیٹھے تھے، چونک کر سیدھے ہوئے۔

"میں کرواتا ہوں۔" کہہ کر اُنہوں نے کال مُنقطع کر دی جبکہ میزاب نے گھڑی پر وقت دیکھا جہاں دوپہر کے تین بَج رہے تھے تبھی دھیان کے دھارے کہیں اور بہنے لگے تو سَر جھٹک کر بیگ اُٹھاتے ہوئے آفس سے باہر نکل گئی اور سیل فون نکال کر کائنات کو میسج کیا:

"**کل والا اِنولیپ عباس جان نِثار کو فوروڈ کر دیں۔**" میسج بھیج کے وہ لفٹ میں داخل ہو گئی۔ جِس وقت میزاب نے فیکٹری میں قدم رکھا اُسی وقت کائنات اُس ہسپتال میں داخل ہوئی جہاں عباس ایڈمٹ تھا۔ تمام آفس ورکرز اور سیکورٹی اسٹاف، چیف کی عیادت کر چکے تھے صرف کائنات ہی رہتی تھی۔ نرس نے عباس کو جیسے ہی اطلاع دی اُس نے اپنا ہاتھ جواد کی جانب بڑھایا۔ دانت کچکچا کر جواد نے اُسکو دیکھا جو صُبح سے ہزاروں لوگوں سے مِلتے ہوئے بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلا تھا اور اَب سہی سے اُٹھ کر بیٹھنا چاہتا تھا۔

"میری شرٹ کے بٹن بھی بند کر دے۔" تکیئے کے سہارے سہی سے بیٹھتے ہوئے اُس نے ماتھے پر آئے بال بامُشکل پیچھے کر کے جواد کو نئی ہدایت دی۔

"تمہاری بیوی نہیں ہوں میں۔" جواد نے اُسکے گریبان کے بٹن بند کرتے ہوئے تلملا کر کہا۔

"میرا اِتنا بُرا اِنتخاب نہیں ہو سکتا۔" عباس بھی اُسے تپانے سے پیچھے نہیں رہا جبکہ جواد اُسکے چہرے کی لوٹ آتی رونق اور تازگی کو دیکھ کر رہ گیا۔ کل سے اَب تک عجیب مضمحل اور بے دِل نظر آتے دوست کی آنکھوں میں یک دَم روشنیاں سی اُتر آئی تھیں۔ جواد گہرا سانس لے کر کھڑکی کے پاس پڑے صوفے پر بیٹھ گیا تبھی دروازہ کُھلا اور

کائنات اندر داخل ہوئی۔ اُسکو دیکھ کر جہاں عباس کا چہرہ پھیکا پڑا وہیں جواد نفی میں سَر ہلا کر سیل فون کی جانب متوجہ ہو گیا۔

"اسلام علیکم، سَر! کیسے ہیں اَب آپ؟" کائنات مُسکرا کر آگے آئی اور بُکے اُسکی جانب بڑھانے کے بجائے پاؤں کے پاس رکھے ٹیبل پر موجود لاتعداد پھولوں کے گلدستوں کے پاس رکھ دیا۔ یقیناً اُسکو کل سے لاتعداد لوگ مِلنے آ چُکے تھے تبھی پورا کمرہ پھولوں اور فروٹس کی باسکٹ سے بھَرا پڑا تھا۔

"وعلیکم اسلام! اللہ کا شُکر۔" اُسکا انداز وہی تکلف بھَرا تھا۔

"آپ کب تک ڈسچارج ہوں گے؟" کائنات کے اگلے سوال پر عباس نے چونک کر اُسے دیکھا۔

"اِنشاء اللہ کچھ دِن میں۔ باس کیسی ہیں؟" وہ اِس سوال سے خود کو مزید نہیں روک سکتا تھا۔

"وہ ابھی ابھی فیکٹری کے لیئے نِکلی ہیں پھِر سے اُن پر عذاب اُتر آیا ہے۔ چین تو اُنہیں کوئی لینے ہی نہیں دیتا۔" کائنات تو پہلے ہی بھَری بیٹھی تھی۔ عباس فوراً ٹیک چھوڑ کر آگے ہوا۔ اِیسا کرنے میں کندھے میں درد کی لہر اُٹھی۔

"سب خیریت ہے؟" وہ اپنے چہرے کا اضطراب بامُشکل دبائے ہوئے تھا۔

"جی! اُنکے چچا کو نیب کا سَمن آیا ہے۔ بڑے حالات خراب ہو گئے ہیں فیکٹری کے۔" اُسکی مزید معلومات پر جواد اور عباس نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"آپ کو یہ سب کِس نے بتایا؟" جواد کے سوال پر کائنات نے چونک کر آواز کی سمت دیکھا۔ اُسے معلوم ہی نہیں تھا کہ وہاں کوئی اور بھی بیٹھا ہوا ہے۔

"آپ خبریں نہیں دیکھتے؟" اُسکے جواب کے بجائے تڑختے سوال پر جواد ناگواری سے اُسے نظر انداز کر کے پھر سے سیل فون کی جانب متوجہ ہو گیا۔

"وہ بہت مصروف ہیں۔ فیکٹری میں ہڑتال اور احتجاج کی وجہ سے۔ یہ اُنہوں نے کہا تھا کہ آپ کو دے دوں۔" کائنات نے بیگ سے سفید رنگ کا لفافہ نکال کر عباس کی جانب بڑھایا جسے اُس نے ٹھٹک کے تیزی سے تھام لیا۔

"اللہ پاک آپ کو شفا دے۔ میں چلتی ہوں۔" کائنات کی بات پر اُس نے ہرگز دھیان نہیں دیا۔ وہ پوری توجہ سے لفافہ ہاتھ میں لیئے کھول رہا تھا۔ اُس لڑکی کے جاتے ہی طاری ہوتی خاموشی کا وقفہ طویل ہوتا محسوس کر کے جواد نے ناسمجھی سے سَر اُٹھایا اور عباس کے چہرے پر جو تاثرات تھے اُس نے جواد اَرمغان کو صوفے سے اُٹھ کر اُس تک آنے پر مجبور کر دیا۔

"کیا ہوا، عباس؟" اُسکی آواز عباس تک نہیں گئی۔ وہ یونہی تحیر اور بے یقینی سے سفید کاغذ پر لکھے الفاظ دیکھ رہا تھا۔

"عباس! تم ٹھیک ہے؟" وہ تاثر اِیسا تھا کہ جواد کو کسی گڑبڑ کا احساس ہوا۔ عباس کو اپنے جذبات اور اُنکی عکاسی پر مکمل اِختیار حاصل تھا مگر اِس وقت اُسکے چہرے کے اُڑتے رنگ، بے یقینی اور صدمہ کوئی اور ہی کہانی سُنا رہے تھے۔

"کیا ہے اِس میں؟" جواد نے تیزی سے اُسکے ہاتھ سے کاغذ لیا مگر عباس نے کوئی مذمت نہیں کی جیسے ہی جواد نے وہ لیٹر پڑھا اُس نے بے یقین سے عباس کو دیکھا اور پھر اُسکا چھت پھاڑ قہقہ پورے کمرے میں گونج اُٹھا۔

"تمہیں تمہاری باس نے نوکری سے نکال دیا ہے۔" جواد کے خطرناک قہقے پر عباس نے چونکے بغیر سَر اُٹھا کر اُسے جِن نظروں سے دیکھا، اُسکا قہقہ تھما۔ کاغذ بستر پر رکھ کے تیزی سے چند قدم پیچھے ہوا۔

"مطلب سیر ئیسلی! تمہاری باس نے تمہیں ٹرمینیٹ کر دیا حالانکہ تمہیں تو بہادری کے تمغے پہنانے چاہیئے تھے۔" جواد کا مسخرہ پَن اُسکے پہلے سے ششدر دِل کو بھالے کی طرح لگا۔ تبھی وہ ایک ہاتھ سے کمبل پرے پھینک کر بستر سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

"اے عباس! مزاق کر رہا تھا، یار۔" اُسکو جوتے پہنتے دیکھ کر جواد تیزی سے اُس تک آیا۔

"چابی پکڑ اور میرے ساتھ چل۔" عباس کی اگلی بات پر جواد نے اُسکی نظروں کے تعاقب میں گاڑی کی چابیوں کو دیکھا۔

"کہاں جانا ہے؟" اُسکا لہجہ مدہم ہوا۔ ساری شوخی اور شرارت عباس کی آنکھوں کی سنجیدگی نے بھک سے اُڑا دی۔

"بزنجو انڈسٹریز!" اُسکی اگلی بات پر جواد نے اُسے اِیسے دیکھا جیسے اُسکی دماغی حالت پر شبہ ہو۔

"تمہارا دماغ تو دُرست ہے؟ تم اگلے پورے ہفتے۔۔۔" جواد کی بات بیچ میں ہی رہ گئی کیونکہ وہ بائیں ہاتھ سے چابی اُٹھا کر تیزی سے دروازے کی جانب بڑھا۔

"عباس!" وہ دروازہ کھول کر باہر نکلا تب جواد صدمے سے باہر بھاگا۔

"کہاں جا رہا ہے؟"

"یار! رُک تو سہی۔" اُسکی پُکار کو نظر انداز کر کے عباس وی-آئی-پی وارڈ سے نکل کر شیشے کے ایگزیکٹ گیٹ کی جانب بڑھ رہا تھا۔

"اُوئے میرے بھائی! رُک، میں لے چلتا ہوں۔" اُسکی بات پر عباس نے ٹھہرے بغیر پلٹ کر چابی اُسکی جانب اُچھالی جسے ہونق ہوتے جواد نے بروقت کیچ کر لی۔

"مجھے تو لگا تھا کل دَا جی کی کال کے بعد تیرا دماغ کسی حد تک ٹھیک ہو چکا ہو گا۔" گاڑی ڈرائیو کرتے جواد نے چہرہ پھیر کر عباس کے بے چین تاثرات دیکھ کر کہا۔

"پلیز، جواد! ابھی نہیں۔" اُسکے التجائیہ لہجے میں کچھ اِیسا تھا کہ جواد ساکن ہو گیا اور پھِر باقی کا سفر خاموشی میں طے ہوا۔ کچھ دیر بعد سامنے نظر آتے بزنجو انڈسٹریل ایریا کو دیکھ کر دونوں کے چہروں پر پتھروں جیسی سنجیدگی چھاگئی۔ پھاٹک کے پاس گاڑی رُکتے ہی عباس نے شیشہ نیچے کیا۔

"اسلام علیکم، ذاکر بھائی! باس یہاں آئی ہیں؟" دُور دُور کوئی رش نہ دیکھ کر اُس نے کیبن میں کھڑے گارڈ کو مُخاطب کیا جو اُسے دیکھ کر فوراً کھڑکی تک آیا۔

"ارے عباس بھائی! نہیں۔ میڈم دوسری فیکٹری میں ہوں گی۔" وہ جو عباس سے اُسکی خیریت پوچھنے لگا تھا اُسکی بے چینی اور عُجلت محسوس کر کے اِرادہ ترک کر دیا۔

"بہت جذاک اللہ!" نرمی سے کہہ کر اُس نے جواد کو گاڑی ریورس کرنے کا کہا اور پھِر دوسری فیکٹری کیا، تیسری اور چوتھی تک میں معلوم کر لیا۔

"وہ تو جی مین روڈ پر احتجاج ہو رہا ہے، کئی گھنٹوں سے وہیں ہیں۔" ایک ورکر کی اطلاع پر عباس گاڑی سے اُتر کر پیدل ہی تیز قدموں سے دُور آخری فیکٹری کے قریب موجود مین سڑک کی جانب بڑھ رہا تھا۔ جواد نے گاڑی میں بیٹھے بیٹھے گہرا سانس لیا۔ اُسے یہیں رہ کر عباس کا اِنتظار کرنا تھا۔ وہ اُسے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا کیونکہ ابھی اُسکو سمجھانا ناممکن تھا۔ ویسے بھی جواد جانتا تھا کہ اُنکی جتنی ٹف ٹرینگ اور روٹین ہے اُس میں دو گولیاں عباس کے لیئے کوئی

معنی نہیں رکھتیں۔ وہ اِس سے ابتر حالت میں سروائیو کر چُکا تھا مگر پھر بھی جواد اَرمغان کو لمحہ بہ لمحہ اپنی نظروں سے دُور بہت دُور ہوتے عباس کی بہت فکر تھی۔

اُسکی فکر سے باخبر عباس نے مین روڈ پر آ کر پریشانی سے اِردگرد دیکھا جہاں لوگوں کا جم غفیر، بھاگ دوڑ، شور شرابے نے قیامت برپا کر رکھی تھی۔ احتجاج کرنے والے سُرخ پٹیاں سَر پر باندھے مائیکروفون کی مدد سے احتجاج کر رہے تھے اِسی لیئے کان پڑی آواز سُنائی نہیں دے رہی تھی تبھی سیاہ رنگ کی گاڑیوں کے سائرن سُنائی دیئے۔ احتجاج روک کر سب نے وہاں دیکھا جہاں سے سیاہ وردی میں ملبوس اہلکار ہاتھوں میں شیلنگ والی گنز لیئے اُتر رہے تھے۔ وہ یقیناً ہجوم کو مُنتشر کرنے کو بھیجے گئے تھے۔ عباس نے بے چینی سے آگے بڑھ کر دیکھا مگر اُسکو وہ چہرہ نظر نہیں آیا جسکو تلاش رہا تھا اُسی لمحے ہجوم شیلنگ اور حملے سے مُنتشر ہوا۔ کئی لوگ زخمی ہونے لگے۔ مٹی اور شیلنگ کے دُھویں سے کچھ دِکھائی، سُجھائی نہیں دے رہا تھا تبھی دو لوگ اُسکی نظروں کے سامنے سے ہٹے اور عباس کو ایک اُدھیڑ عمر، زخمی شخص کو بیٹھنے میں مدد دے کر اُسکی مرہم پٹی کرتی ہوئی میزاب رحمت نظر آئی۔ وہی جسکی عباس جان نِثار کی آنکھوں کو تلاش تھی۔ جستجو تمام ہو گئی۔ بزرگ شخص کو اندر فیکٹری میں ورکر کے ساتھ جانے کا کہہ کر وہ باقی زخمی لوگوں کو سہارا دیتے ہوئے بھاگم بھاگ اندر لے جانے لگی۔ عباس وہیں جم کر ساکن کھڑا اُسے دیکھے گیا جسے اپنے اِردگرد برپا ہوتی قیامت کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔ جو خود سے غافل دوسروں کی فکر کرتی ہوئی یہاں سے وہاں مدد کو بھاگ رہی تھی۔ وہ یونہی ٹھہرا رہتا اگر جو ایک نقاب پوش کو کسی شخص کو دھکا دیتا نہ دیکھ لیتا۔ میزاب تیزی سے اُس نقاب پوش کو پرے دھکیل کر اُس نوجوان لڑکے کے سامنے آئی تو عباس جان نِثار کو اپنی تکلیف بُھلا کے اُس جانب بھاگ کر جانا پڑا۔ قبل اِس کے وہ آدمی ہاتھ میں تھام رکھا لوہے کا بیس بال میزاب کے سَر پر دے مارتا، عباس نے بائیں بازو سے بیس بال ایک جھٹکے سے لے کر پوری قوت سے گُھما کے اُسکی ٹانگوں پر مارتے

ہوئے اُسے چیخنے، چلانے پر مجبور کر دیا۔ بوکھلاتی میزاب تیزی سے پیچھے ہوئی۔ وہ لڑکا اپنی جان بچانے کو کب کا بھاگ چُکا تھا۔ اُس نقاب پوش کے گرتے ہی اُسکے سامنے کھڑا شخص پلٹا اور اُس میدانِ جنگ بنے مٹی اور دُھویں سے اَٹی زمین پر ساری بھاگ دوڑ، چیخ وپُکار، شیلنگ کی بُو، اُڑتی دُھول سب کچھ معدوم ہو کر اپنی حیثیت کھو بیٹھے۔ یوں لگا میدانِ جنگ میں کسی نے جنگ بندی کا تبل بجا دیا ہو۔ سفید کبوتر فضا میں اُڑ کر اَمن قائم ہونے کی نوید دینے لگے۔ ساکت، جامد، ششدر پھیلی سُرمائی آنکھوں نے لرزتے دِل سے سامنے کھڑے شخص کو اپنی جانب ہر فاصلہ مِٹا کر بڑھتے دیکھا۔ وہی شخص جِسکے گردن سے دائیں بازو تک سیاہ رنگ کی سِلینگ لگی ہوئی تھی اور سفید قمیض کی دھاریوں سے پھیلتا خُون یہ اعلان کر رہا تھا کہ جنگ بندی زخمی سالار کی وجہ سے ہوئی ہے۔

"آپ۔۔۔ ٹھیک ہیں؟" قریب پُہنچ کر عباس اُسکے اور تپش پھیلاتے سورج کے بیچ میں آگیا۔ سُرمائی آنکھوں کی پلکیں سُکیڑ کر دیکھنے والی تکلیف تمام ہو گئی۔

"ت۔۔۔ تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" صرف ایک پَل کو زُبان لڑکھڑائی اور دوسرے ہی پَل دلکش چہرے اور مائل کرتی آنکھوں میں سارے زمانے کی خفگی اور طیش سِمٹ آیا۔ سورج کا عباس جان نِثار کی پُشت جُھلسانا تو کچھ بھی نہیں تھا۔

"میں آپکی حفاظت کے لیئے آیا ہوں۔" خفا آنکھوں میں کچھ پِھر سے یاد آنے پر شعلے بڑھک اُٹھے۔

"تمہیں ٹرمینیشن لیٹر نہیں مِلا؟" میزاب کے کڑے سوال پر عباس نے فرصت سے اُس چہرے کو نگاہ بھر کر دیکھا۔ پیچھے ہوتی مار دھاڑ سے بے نیاز اِس چہرے کو دیکھتے رہنا بہت پُر سکون تجربہ تھا۔ شور شرابے میں اُسکا ہونا مقدس خاموشی کی مانند تھا۔ سامنے سورج کا راستہ روکے کھڑا دِل پسند مَرد واقعتاً آفتوں کے سامنا ڈھال بن کر کھڑا تھا۔ عباس نے جیب سے نکال کر بائیں ہاتھ کی مدد سے ٹرمینیشن لیٹر اُسکے سامنے لہرا کر چھوڑ دیا۔ تیز ہوا اُسے اُچک کر

تیزی سے کہیں دُور اُڑا لے گئی۔ سُرمائی آنکھوں نے طیش سے پھیل کر سُنہری شوق مند آنکھوں میں دیکھا مگر نگاہ ٹھہرنے کے بجائے لرز کر جُھک گئی۔

"تم نے مُجھ سے کیا گیا معاہدہ توڑا ہے۔ اَب تم میرے باڈی گارڈ نہیں رہے۔" میزاب کی لرزتی آواز میں کچھ اِیسا تھا کہ عباس کا چہرہ ماند ہوا۔ کیا وہ اُسے دُور دھکیل دے گی؟ کیا عباس جان نِثار اِس چہرے کو دیکھنے کے لیئے ترس جائے گا؟؟ سوال بڑے ہی جان لیوا تھے اِسکا اِدراک عباس جان نِثار کو ابھی، اِسی لمحے ہوا۔

"میں نے تمہیں خبردار کر دیا تھا کہ معاہدہ کِس صورت ختم ہو گا تو اَب کیوں آئے ہو؟" اُسکی بات کا اِشارہ عباس اچھی طرح جان گیا تھا۔ اُس نے ہر موقعے پر جو کانٹریکٹ کی شِق اُسکے دل و دماغ میں بٹھانے کی کوشش کی تھی وہی عباس نے بھک سے اُڑا دی تھی۔

"میں آپ کو کچھ ہونے نہیں دے سکتا۔ آپکو محفوظ رکھنا اُس کانٹریکٹ سے زیادہ اہم ہے۔" اُس نرم حلاوت بھرے لہجے پر میزاب رحمت سانس نہیں لی سکی۔

"تم میری نفی کر رہے ہو؟" لرزتے لہجے کا سوال بڑا دِل شکن تھا۔

"میں آپ کی نفی کر سکتا ہوں؟" سوال کے بدلے سوال کیا گیا مگر کیا وہ سوال تھا۔ اُس زخم زخم شخص کو دیکھتی پلکیں لرزنے لگیں۔ وہ آنکھوں کے رستے دِل میں اُتر جانے پر بضد تھا۔

"تم جاؤ یہاں سے۔ تم نے میری بات نہیں مانی۔" وہ ہنوز اپنے موقف پر ڈٹی ہوئی تھی۔ قبل اِسکے عباس کے سامنے سے گُزرتی، وہ تیزی سے اُسکے عین سامنے آیا اگر میزاب بروقت نہ رُکتی تو اُسکے زخمی بازو سے ٹکرا جاتی۔ خفگی سے خفا آنکھیں سوالیہ اُٹھیں۔

"آپ اِس تپتی دُھوپ میں سب پر سایہ کرتے کرتے تھک گئی ہوں گی۔ اَب مُجھے شجر بننے دیں۔" اُسکے اِصرار میں سارے زمانے کی نرمی اور اپنائیت تھی۔ میزاب کو لگا وہ اگر یہیں کھڑی رہی تو ہمیشہ کھڑی رہ جائے گی۔ اُسے آگے بڑھنا تھا، یہاں نہیں ٹھہرنا تھا مگر تبھی اُسکی نگاہ عباس کے بازو تک گئی۔

"تم۔۔۔ تمہارا خُون نِکل رہا ہے۔" اُسکی لرزتی آواز پر عباس نے رُخ پھیر لیا جانتا تھا میزاب پھر اُسکو دُور دھکیل دے گی اور یہی ہوا۔

"ڈی-ایس-پی صاحب! اپنے دوست کو لے جائیں۔" قریب آتے جواد کو دیکھ کر اُس نے اِتنی سنجیدگی سے کہا کہ عباس شَل رہ گیا۔ دوسری نگاہ اُس پر ڈالے بغیر وہ اُسکے برابر سے ہو کر اندر فیکٹری کی جانب بڑھ گئی۔ عباس نے چہرہ پھیر کر اُسے جاتے دیکھا۔ وہ اُسے نظر انداز کر کے جا چُکی تھی اور عباس کو ابھی، اِسی پَل معلوم ہوا کہ مُحبت میں نظر انداز ہونا نصف موت ہے۔ تپتی دُھوپ اور مٹی میں اُسے جُھلس کر جاتے دیکھنا تکلیف دہ تھا۔ عباس اُسکے ساتھ ہوتا تو آگے بڑھ کر اُسے سایہ فراہم کرتا مگر وہ تو اُسے جھٹک کر جا چُکی تھی۔

✓ صد حیف! تُجھے دُھوپ میں جلتے ہوئے دیکھا

افسوس! کہ ہم سایہ دیوار نہیں تھے۔۔۔

عباس نے پھر ہر ممکن کوشش کی کے میزابِ رحمت اُسکی بات سُن لے مگر اُس کو نہ جانے کیا ہوا تھا جو بس ایک ذرا سے حملے اور کنٹریکٹ کی عجیب سی شِک کو جواز بنا کر اُس سے برگشتہ ہو چُکی تھی۔ ہاشم بزنجو نے بھی میزاب کو سمجھانے کی کوشش کی مگر اُس نے سب سے آنکھیں ماتھے پر رکھ لی تھیں۔ وہ جو آسانی سے سب کی باتیں مان جاتی

تھی اَب کسی صورت بات تک سُننے کو تیار نہیں تھی۔ عباس کو ہاشم بزنجو نے چار ہفتوں کا آف دے دیا تھا اور وہ اُنکے قصر میں مزید نہیں رہ سکتا تھا خاص کر تب جب میزاب رحمت اُسے دیکھنے، سُننے تک کی روادار نہیں تھی۔ عباس بھی پھر اُسے بتائے بغیر اپنے گھر واپس آ گیا۔ اُسکے زخم کُھل جانے کی وجہ سے ڈاکٹر کی سخت ہدایت تھی کہ اٹھائیس دِن تک مکمل آرام کیا جائے ورنہ ہمیشہ کے لیئے بازو کے جوڑ میں مسئلہ رہے گا تبھی جواد اور شجاع اُسکا ہر ممکن خیال رکھ رہے تھے مگر دو ہفتوں میں وہ اِس قدر چڑچڑا ہو چُکا تھا کہ جواد اور شجاعت کبھی کبھار دنگ رہ جاتے۔ شجاعت کچھ نہیں جانتا تھا مگر جواد، اُنکا ہمنوا تھا۔ جانتا تھا کہ کِس بات نے اُسے اِتنا چڑچڑا، بے چین اور اُکتایا ہوا کر رکھا تھا۔ دو ہفتے پہلے بزنجو انڈسٹریل ایریا کے سامنے ہونے والے احتجاج کا سارے واقعے کا جواد عینی شاہد تھا۔ اُس نے عباس کے چہرے کے وہ تاثرات دیکھے تھے جو میزاب رحمت کو خود سے دُور جاتے دیکھ کر ہو گئے تھے۔ عباس جان نِثار سب کے ہاتھوں سے نِکل چُکا تھا یہاں تک کے اپنے بھی ہاتھوں سے تبھی تو جب اُس نے جواد کو کہہ کر میزاب کی پسِ پردہ رہ کر کسی قابل بندے سے حفاظت کا کہا تھا تو جواد کیسے سر پیٹ کر رہ گیا۔ بے شک جانتا تھا کہ عباس جان نِثار، میزاب رحمت کے معاملے میں خطرناک حد تک سنجیدہ ہو چُکا ہے مگر پھر بھی اُسے لگتا تھا کہ میزاب رحمت کی دو ہفتے کی مکمل نظر اندازی اُسکا اور اُسکے دِل کا دماغ ٹھکانے لگانے کو کافی تھی مگر یہ جواد ارمغان کی غلط فہمی تھی۔

عباس جہاں پوری قوت سے بزنجو خاندان کی جڑیں کاٹنے میں اُنکو آئے روز کسی نہ کسی مُصیبت میں گھسیٹنے لگا تھا وہیں اُسکا دِل شدت سے میزاب رحمت کی جانب مائل ہو چُکا تھا۔ اِس بے اِختیار سفر سے کوئی واپسی نہیں تھی۔ کاشف بزنجو کے روزانہ ہونے والے نیب کے سَمن پر اُنکے اثاثے منجمند کر دیئے گئے تھے مزید مُدثر صاحب کے بھی پُول نہ جانے کیسے اور کیوں میڈیا پر آنے لے تھے۔ اِن سارے معاملات کو سنبھال کر میزاب تھک نہیں رہی تھی۔ کوئی نہ کوئی خبر، دھچکا اور ذلت وہ بڑے وقار اور صبر سے ہینڈل کرتی کیونکہ جانتی تھی کہ یہ اُسکے اپنے اور

اُسکے خاندان کے اعمال ہیں۔ اِن سے بھاگا نہیں جاسکتا۔ اِن کو عوام کی نظروں سے غائب نہیں کیا جاسکتا تھا بلکہ گریس سے برداشت کرنا تھا۔ الرحمت کے ساتھ کاشف بزنجو کی معزولی کے بعد فیکٹریاں بھی وہ جانفشانی سے سنبھال رہی تھی گویا بزنجو خاندان کا سارا بار اُسکے کندھوں پر تھا گو کہ تقی اور مُدثر اُسکی مدد کر رہے تھے مگر مُدثر کے اثاثوں کی چھان بین کی وجہ سے سٹاک میں بہت خرابی ہوگئی تھی جِس کے بعد ہاشم بزنجو نے اُسکی آمدورفت محدود کر دی تھی۔ فیکٹری کے کام سے تھک ہار کر جِس وقت وہ آفس میں آئی، ایک بے اِختیار نظر اُس آفس کی جانب چلی گئی جو باڈی گارڈ کا تھا۔ یہ بے اِختیار نظر پچھلے اٹھائیس دِنوں سے میزابِ رحمت کا معمول تھی۔ چوبیس گھنٹوں میں سے ایک لمحہ دِل کو چُرانے کے لیئے یہی مِلتا تھا۔

"وہ ٹھیک ہو چُکا ہوگا۔ اُسکے زخم مندمل ہو چُکے ہوں گے۔" ٹیبل پر موجود کیلنڈر پر تاریخ دیکھتے ہوئے اُس نے گہرا سانس لیا۔ عباس جان نِثار کو نکالے، اُسکو دیکھے میزابِ رحمت کو آج پورے اٹھائیس دِن ہو چُکے تھے۔ وقت گُزرا نہیں تھا، گزارا گیا تھا۔ اَب بھی اُسکی سوچوں کا محور وہی شخص تھا جو اُسکی زندگی میں آنے والا پہلا مہربان اور مُخلص شخص تھا جو پوری بے رِیائی سے اُسکی جانب بڑھا تھا۔ بیگ سے سیاہ اور سُنہری رنگ کی دھاریوں والا نفیس سا رومال نکال کے ہاتھ میں لیئے میزابِ رحمت اُسی شخص کو تصور کیئے بیٹھی تھی جِسکو دِل کے موسموں کا اِختیار سونپ دیا گیا تھا مکمل رضامندی سے۔ سیل فون کی بجتی بیل نے اُسے خوش کن خیالات سے باہر لا پٹخا۔ ایک تو یہ منحوس فون کالز!

"اسلام علیکم!" دوسری جانب ہاشم بزنجو تھے۔

"وعلیکم اسلام! یاد ہے نہ بیٹے آج کاشف کے ساتھ عدالت جانا ہے تم نے۔" وہ جانتے تھے کہ اُسے یاد ہے مگر مقصد یقین دہانی کرنا تھا۔

"جی! میں بس نکلنے لگی ہوں۔" اُنکو تسلی کروا کر بیگ اُٹھاتے ہوئے وہ باہر نِکل آئی۔

"آپ کام کریں۔ مجھے آج دیر ہو جائے گی۔" نرمی سے کائنات کو بتا کر میزاب تیز قدموں سے لفٹ کی جانب بڑھ گئی۔ اُسکی گاڑی جِس پَل الرحمت سے نکلی، دُور درخت کے پاس کھڑی گاڑی نے کسی کو سیل فون پر میسج بھیجا۔

"میم! گھر کے لیئے نِکل چکی ہیں۔" میسج بھیج کر سیاہ پی-کیپ میں ملبوس شخص خود بھی گاڑی سٹارٹ کر کے ایک مُناسب، محسوس نہ کیئے جانے والے فاصلے سے سیاہ گاڑی کے پیچھے ہو لیا۔ سُنسان شاہراہ سے گُزرتے ہوئے میزاب کی گاڑی جھٹکا کھا کر رُکی اور پھر بند ہو گئی۔

"کیا مُصیبت ہے؟" سیٹ بیلٹ کھول کر باہر نکلتے ہوئے اُس نے بونٹ کھول کر اندر جھانکا۔ گاڑی شاید گرم ہو گئی تھی۔ اُسے جلد از جلد عدالت پُہنچنا تھا۔ پانی چیک کرنے کے بعد مزید ڈال کر وہ گاڑی کے کُھلے دروازے پر ہاتھ رکھ کر اندر کی جانب بٹن سٹارٹ کرنے کو جُھکی اور گاڑی کا انجن بیدار ہو گیا۔

"ہاہ شُکر اللہ!" کہہ کر پیچھے ہوتے ہوئے قبل اِسکے وہ سیدھی ہوتی کسی نے پیچھے سے آ کر پوری قوت سے اُسکے مُنہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے اُسکی ناک پر رومال جما دیا۔ خود کو چُھڑانے کی ہر کوشش دماغ کے دُھندلاتے ہی معدوم ہو گئی اور پھر کوئی اُسکے چہرے پر کپڑا ڈال کر بازوؤں سے گھسیٹ کر درختوں کے پاس کھڑی سیاہ ویگن میں ڈال کر بھگا لے گیا۔ یہ سب اِتنا جلدی اور رازداری سے ہوا تھا کہ دُور کھڑی گاڑی میں کسی سے فون پہ بات کرتے شخص کو خبر بھی نہیں ہو سکی۔ پندرہ منٹ بعد سیاہ گاڑی کو یونہی کھڑے دیکھ کے کچھ سوچتے ہوئے وہ بندہ گاڑی سے نِکل کر اُس سیاہ گاڑی کی جانب بڑھا اور پھر خالی دیکھ کر بھاگتا ہوا آیا۔ جھانک کر اندر، سائیڈ پر، پیچھے ہر طرف یہاں تک کہ نیچے بھی پریشانی سے جھانک لیا مگر وہ عورت وہاں کہیں بھی نہیں تھی وہی عورت جِسکی حفاظت کے لیئے اُسے رکھا گیا تھا۔

اُس عورت کو زمین نگل گئی تھی یا آسمان؟ یک دم ذہن میں جھماکہ ہوا اور پھر سیل فون جیب سے نکال کر ڈی۔ ایس۔پی جواد ارمغان کو کال مِلائی۔

"سَر! ایک بُری خبر ہے۔ مُجھے لگتا ہے مِس میزاب کو اغواء کر لیا گیا ہے۔" اُس اطلاع پر آفس میں بیٹھا جواد بے یقینی کے ساتھ ایک جھٹکے سے اُٹھا۔ ذہن سب سے پہلے عباس جان نِثار کی جانب گیا جِس نے یقیناً زمین آسمان ایک کر دینے تھے۔

****

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔۔۔

السّلامُ علیکُم احباب۔۔۔۔"

"ناولز کی دنیا" کے ناولز میں خوش آمدید ۔۔۔۔

ناولز کی دنیا (NKD) کی جانب سے ناولز کو بغیر کسی غلطی کے آپ تک پہچانے کی کوشش کی گئ۔ اگر کوئ غلطی اس میں ملتی ہے تو اسے محض اتفاق سمجھا جائے۔ کیونکہ ناول کو پورا پروف ریڈ کر کے ہی پبلش کیا جاتا ہے چُوک ہونا محض اتفاق ہوگا۔۔

نئے اور مختلف لکھنے والوں کے لیے "ناولز کی دنیا" ویب سائیٹ / گروپ / پیج / یوٹیوب چینل دے رہا ہے تمام لکھاریوں کو ایک ایسا پلیٹ فارم جہاں آپ اپنی خدا داد صلاحیتوں کو اپنے قلم سے تحریر کر کے اپنا اور اپنے ملک کا نام روشن کرسکتے ہیں ۔۔۔ اگر آپ کو بھی اللہ کی طرف سے یہ صلاحیت دی گئی ہے تو اسے اجاگر ضرور کریں ۔۔۔ ہمیں آپ جیسے ہی لکھاریوں کی تلاش اور ضرورت ہے۔۔۔

اگر آپ ہمارے بلاگز پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، آرٹیکل یا شاعری پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو ہم سے رابطہ کریں ۔۔ اپنی تحریر اردو میں ٹائیپ کرکے ہمیں بھیجیں۔ جتنا جلدی ہوسکا آپکی تحریر پوسٹ ہوجائے گی ۔۔۔

مزید تفصیلات یا کسی بھی طرح کی مدد کے لیئے ہم سے گروپ یا پیج انباکس میں رابطہ کریں یا ای میل پر ہم سے رابطہ کرسکتے ہیں۔۔

Email address :- Novelskiduniya77@gmail.com

Facebook page :- Novels ki duniya

(user name @zoyatalib77)

Facebook group :- Novels ki duniya

Instagram Page:- Nkd (ZT) (UserName: Novelskiduniya77)

Youtube Channel: Novels Ki Dunya (NKD) Official

(پر خیال رہے کہ یہ گروپ زویا طالب کا ہی ہو) اور باقی کے رابطے کے لیئے ہر پیج کے نیچے Blue الفاظ میں لکھے لفظ میں آپکو لنکس مل جائے گے شکریہ-----

عباس کو میزابِ رحمت کے آفس سے نکلنے کی اطلاع مِل چکی تھی تو یقیناً اُسکو گھر ہی آنا تھا۔عباس جان نِثار کو میزاب کا سارا شیڈول حفظ تھا تبھی وہ قصرِ بزنجو کی پچھلی سائیڈ کی سڑک پر بنے پُل پر فرصت سے ٹیک لگائے کھڑا محوِ اِنتظار تھا۔اُسکے زخم مَندمِل ہو چُکے تھے۔چہرے کی اصل رنگت بھی دوبارہ لوٹ آئی تھی مگر اٹھائیس دِنوں کے باوجود اُسکے چہرے پر پہلے والی تازگی اور رونق نہیں تھی۔

کبوتروں کے پَروں کی پھڑ پھڑاہٹ پر اُس نے چہرہ پھیر کر وہاں دیکھا اور بے ساختہ اپنا ہاتھ اُسی انداز میں آگے بڑھایا جِس طرح اُس نے ایک دِن میزابِ رحمت کو بڑھاتے دیکھا تھا۔جُھنڈ کے سارے کبوتر اُس قصر کی بالکونی کی کھڑکی کے پاس جاکر دانہ چُگنے لگے سوائے اُسی مخصوص کبوتر کے جو اُڑ کر آیا اور حق سے اُس پھیلے ہاتھ کی پُشت پر بیٹھ گیا۔عباس نے ایک ٹرانس میں دُور کر رکھے بازو کو خود سے قریب کیا۔کبوتر سَر ہلا ہلا کر اُس چہرے اور آنکھوں کو دیکھ رہا تھا جو یقیناً اُسکے لیئے نئے تھے مگر وہ خود اُس ہاتھ کی جانب کھنچے چلے آنے پر چونکا ہوا سا تھا۔

✓اِک سہما ہوا پرندہ آ بیٹھا میرے ہاتھ پر

مُجھ پر واجب تھا اُسکے لیئے شجر بَن جانا۔۔۔

"تو تم پر مہربانی ہوتی ہے۔"اِس سارے میں وہ پہلی بار کبوتر کی گردن نرمی سے سہلاتے ہوئے مُسکرایا اور یونہی مُسکراتے ہوئے اُس نے چہرہ اُٹھا کر اُوپر دیکھا جہاں بالکونی کی وہ جگہ بالکل خاموش تھی جہاں اُس نے میزاب کو

دیکھتے ہوئے اپنا دِل کھو دیا تھا۔ سَر جھٹک کر اُس نے جیب میں تھرکتے سیل فون کو نکال کر آنکھوں کے سامنے کیا جِس پر جواد کالنگ لکھا نظر آ رہا تھا۔

"اسلام علیکم! ہاں، کہو۔" جواد کی خاموشی پر اُس نے ہاتھ اُوپر کرتے ہوئے کبوتر کو اُڑنے کے لیئے ہوا میں اُچھال دیا۔

"عباس! تم نے بہت تحمل سے میری بات سُننی ہے۔" کبوتر پرواز بھر کر اُس سُنسان بالکونی کی مُنڈیر پہ جا بیٹھا۔ عباس کی نگاہ اُسی کبوتر پر جمی رہی۔

"سب خیریت ہے؟" اُسکو نہ جانے کیوں اپنی آواز اجنبی لگی۔

"میزاب رحمت اغوا ہو گئی ہے۔" جواد کی اطلاع نہیں، عباس کے اعصاب پر دھماکہ تھا۔ ریلنگ پر رکھے بائیں ہاتھ کی گرفت مضبوط ہوئی۔

"ک۔۔۔ کیسے؟ کِس نے؟" اُسکے سوال اِتنے مدھم تھے کہ جواد بامُشکل سُن سکا۔

"میں ٹریس کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ شہباز کے مُطابق اُسکی گاڑی خراب ہوئی اور تبھی۔۔" اُسکا جملہ مکمل نہیں ہو سکا۔ عباس نے عُجلت میں کال مُنقطع کر کے جلدی سے وہ ایپ کھولی جِس میں یونہی ایک دِن اُس نے بہت پہلے میزاب کے سیل فون کی لوکیشن ڈالی تھی۔ سکرین پہ نظر آتے نقشے پر سبز رنگ کا نقطہ سا جَل بُجھ رہا تھا۔ راستے کا تعین کر کے وہ بھاری ہوتے قدم، خدشات اور زخمی دِل کے ساتھ بھاگنے لگا۔ کبوتر گھبراتے ہوئے پھڑ پھڑا کر فضا میں اُڑنے لگے سوائے اُس منڈیر پر بیٹھے ایک کبوتر کو جو ٹِل سے بھاگتے شخص کو گردن گُھمائے دیکھ رہا تھا۔ بائیک پہ بیٹھے شخص کی بائیک سڑک پر بھاگ نہیں اُڑ رہی تھی۔ مین ہائی وے پر رش ہونے کے باوجود اُس نے سپیڈ کم نہیں

کی۔ آدھے گھنٹے تک بھگاتے رہنے کے بعد وہ اُسی سُنسان سڑک پر تھا جہاں آدھا گھنٹہ پہلے میزاب کا سیل فون آخری بار ٹریس ہوا تھا۔ آنکھوں کے عین سامنے ہینڈل پر لگے رکھے سیل پر بُھجتا وہ سبز نُقطہ عباس جان نِثار کا دِل بُھجا گیا۔ سَر جُھکا کر اُس نے فون کو دیکھا اور پھر اُسکی شہد رنگ آنکھیں سُرخ ہونے لگیں۔ وہ میزابِ رحمت کے ایک ایک دُشمن کو قتل کر دینے کی نیت سے بائیک دوڑا رہا تھا۔

اگر تو یہ منظور کرامت یا زرق کمال میں سے کوئی ہوا تو عباس کے ہاتھوں سے آج دونوں نہیں بچنے والے تھے۔ اِس خیال کے ساتھ ہی اُسکے بائیک کی رفتار میں مزید تیزی آ گئی۔

✓ایسی بے چین طبیعت سے کہیں بہتر ہے

ہم کسی دشتِ بیاباں کی وحشت ہوتے۔۔۔

سَر میں ہوتی ٹھیسوں کے ساتھ اُس نے بامُشکل آنکھوں کے آگے آتی دُھند کو دھکیل کر اِرد گرد دیکھنا چاہا۔ وہ کوئی سُنسان پڑا ویئر ہاؤس نہیں بلکہ ایک فُل فرنیشڈ گھر تھا۔ اُسکو جدھر بٹھایا گیا تھا، وہ ایک صوفہ تھا۔ اپنا جائزہ لے کر تسلی کرتے ہوئے اُس نے گردن سیدھی کی جو نہ جانے کب سے صوفے کی پُشت سے لگی ہوئی تھی تبھی تکلیف کی لہر اُٹھ گئی۔ آنکھوں کے آگے ابھی بھی پوری طرح شفافیت نہیں تھی۔ اُسکے سیدھے ہوتے ہی سائیڈ کا دروازہ کُھلا اور کسی آدمی کو آتے دیکھ کر سنبھل کر بیٹھی۔ بھاری قدموں کی آواز قریب آئی اور جیسے ہی کوئی آدمی اُسکی عین آنکھوں کے سامنے آکر کھڑا ہوا، میزاب ٹھٹک گئی۔ وہ لگ بھاگ پچاس کی عُمر کا، اِنتہائی رعب دار شخص تھا۔ کنپٹیوں کے سُرمئی بال اُس آدمی کی شخصیت میں مزید جاذبیت لائے ہوئے تھے۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ میزاب نے آج سے پہلے سامنے کھڑے شخص کو نہیں دیکھا تھا مگر پھر بھی یوں لگ رہا تھا جیسے کہیں دیکھا ہے مگر کہاں؟

فلحال اُسکا ابھی تک نیم غنودگی میں مُبتلا ذہن سوچ نہیں پا رہا تھا۔ دوسری جانب سیاہ پردہ لگا تھا جِسکی جانب ایک اور آدمی موجود تھا۔

"تم مجھے نہیں جانتی مگر میں تمہیں بہت اچھے سے جانتا ہوں۔" وہ آدمی اُسکے چہرے کے اُتار چڑھاؤ کو بغور دیکھ کر جب بولا تو آواز بے حد سخت اور کُھردری تھی۔

"مجھے یہاں لانے کا مقصد؟" اُسکے سوال پر مقابل کھڑا شخص ٹھٹکا۔ وہ عورت کہیں سے بھی گھبرائی ہوئی نہیں لگ رہی تھی۔

"مقصد بھی معلوم ہو جائے گا اور میں دیکھنا چاہتا ہوں تم اُسکے بعد کیا کرتی ہو۔" اُس شخص کا پُر اِسرار سا لہجہ گہرا طنز لیئے ہوئے تھا۔

"تم واقعی ہاشم بزنجو کی پوتی ہو؟" تصدیقی سوال پر میزاب کا ماتھا ٹھنکا۔

"پہلے معلومات نہیں کروائی؟" اُسکے کڑے سوال پر وہ آدمی مُسکرا دیا۔ میزاب نے چہرہ پھیر کر سائیڈ پر نظر آتے عکس کو چونک کر دیکھا۔

"کروائی مگر یقین نہیں آیا کہ ہاشم بزنجو کی کُل کا جسے اِختیار ہے اُس عورت کو غائب کر دینا اِتنا آسان ہے۔ تمہاری تو حفاظت تک کا کوئی اِنتظام نہیں۔" میزاب بغیر کچھ کہے اُسے آدمی کو دیکھتی رہی۔

"کوئی باڈی گارڈ ہے نہیں یار کھا ہی نہیں؟" اُس سوال پر میزاب کا نظریں پھیر لینے نے مقابل کھڑے آدمی کو چونکا دیا۔

"آپ مُجھ سے زیادہ میری حفاظت یا گارڈز والے معاملے میں دلچسپی رکھتے ہیں شاید۔" میزاب کی اگلی بات بڑی کڑی تھی۔ آدمی قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

"تو اِس لیئے عباس بے اِختیار ہوا ہے۔" محظوظ بات میں جو کہا گیا اُس پر میزابِ رحمت کا رنگ اُڑا۔ وہ بات بھی دَھڑکن روک دینے والی تھی مگر کسی یکسر انجان شخص سے یہ نام سُننا عجیب تھا پردے کے پیچھے کھڑا مَرد چند قدم پیچھے ہوا اور پھر سیل فون جیب سے نکال کر کال مِلائی۔ اُس قہقہے کی طرح آواز بھی بے حد بھاری اور سنجیدہ تھی۔

"میزابِ رحمت تمہاری پوتی ہی ہے نہ یا پھر ڈھال کہوں۔" دوسری جانب سے کال اُٹھائے جانے پر جِس طرح طنزیہ پوچھا گیا ہاشم بزنجو کو لب بھینچ کر بیٹھنا پڑا۔ جب سے میزاب کی گُمشدگی کی اطلاع مِلی تھی وہ چین سے بیٹھے نہیں تھے تبھی اِس انجان نمبر کی دو دِن سے آنی والی کال کو نظر انداز نہیں کر سکے جبکہ میزاب کا دِل ڈوب کر اُبھرا۔

"میری پوتی کو ایک بھی خراش آئی نہ تو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" اُن کے چیخ پڑنے پر اُس آدمی نے ہاتھ پیچھے کو کر کے کان سہلایا۔

"آہستہ، ہاشم صاحب! میری طرف سے چیخنے کے اور بہت سے مواقع ملیں گے تمہیں، تسلی رکھو!" دوسری جانب اطمینان ہی اطمینان تھا۔ میزاب نے مکمل چہرہ پھیر کر مُخالف سمت دیکھا جہاں سے سَرد لہجہ گونج رہا تھا۔

"تم۔۔۔ کیا چاہتے ہو؟ قیمت بتاؤ اپنی، رذیل اِنسان۔" آنکھوں کے سامنے بیٹھے آئی۔جی کا لحاظ کیئے بغیر وہ چلا اُٹھے۔

"اُونہوں! ہر کوئی تمہاری طرح دولت کو اپنا دین ایمان سمجھنے والا نہیں ہوتا۔ مجھے جو چاہیئے وہ سُود سمیت واپس لوں گا، ہاشم بزنجو۔ زخم تک چاٹنے کی مُہلت نہیں ملے گی۔" اُسکا انداز خُون کھولا دینے والا تھا۔ میزاب کو اُس نفرت انگیز لہجے پر اپنا لہو منُجمند ہوتا محسوس ہونے لگا۔

"دیکھو! میری پوتی میرے لیئے بہت قیمتی ہے۔ اُسکو کچھ بھی ہوا تو میں۔۔۔ تمہیں نہیں بخشوں گا۔" ہاشم بزنجو کی چیختی چلاتی آوازیں فون سے اُبھر کر میزابِ رحمت کی سماعتوں تک پُہنچ کر اُسکے دِل کو گُداز کر رہی تھیں۔

"وہ تو معلوم ہو گیا ہے کتنی قیمتی ہے تمہاری پوتی۔ حفاظت تک کا کوئی انتظام نہیں۔ اِتنا آسان ہے ہاشم بزنجو کے کُل کی مالک عورت کو غائب کرنا۔" تپاتے، اُکساتے لہجے میں کہتے ساتھ آخر میں چُٹکی بجاتے ہوئے اُس نے میزاب کا چہرہ جُھکنے پر مجبور کر دیا۔

"فلحال مُجھے سوچنے دو کہ تمہیں کیسے دھچکا دیا جائے۔" ہاشم بزنجو کی بات بیچ میں ہی مُنقطع کرتے ہوئے اُس نے کال کاٹ کر دوسری جانب ہاشم بزنجو کو آتش فشاں کے سُپرد کر دیا۔

"معلوم کرو یہ کمینہ کون ہے۔ مُجھے میری پوتی ایک سکینڈ کے اندر واپس چاہیئے۔" سامنے بیٹھے آئی۔جی سے گُزارش نہیں کی گئی تھی۔ اِس کا اُس آئی۔جی کو عِلم تھا تبھی سَر اثبات میں ہلا کر اُٹھتے ہوئے اُن کی سٹڈی سے باہر نِکل گیا اور کچھ دیر بعد کاشف بزنجو، مُدثر کے ساتھ اندر آئے۔

"کچھ معلوم ہوا، نانا جان؟" مُدثر کے سوال پر اُنہوں نے نفی میں سَر ہلا کر پیشانی سہلائی۔

"تمہیں میں نے کوئی کام کہا تھا، کاشف۔" اُنکے اِستفسار پر کاشف بزنجو تیزی سے آگے بڑھے۔

"میری عباس سے بات نہیں ہو سکی کیونکہ اُسکو جیسے ہی اپنے ڈی-ایس-پی دوست سے اطلاع ملی وہ فوراً ہی میزاب کے لیئے چلا گیا۔" اُنکی اطلاع پر ہاشم بزنجو کے تنے اعصاب ڈھیلے ہوئے۔

"اور تم کیا کر رہے ہو؟" ٹھہر کر جو سوال کیا گیا اُس پر کاشف بزنجو نے نا سمجھی سے برابر آ کھڑے ہوتے مُدثر کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"میں کیا کر سکتا ہوں، بابا۔ پولیس اپنا کام کر۔۔۔" اُنکی بات بیچ میں ہی رہ گئی۔

"یہی فرق ہے تم سب میں اور میزاب میں۔ وہ ہوتی تو یہ بات نہیں کہتی اور سب کچھ خود ہی سنبھال لیتی۔" اُنکے گہرے طنز پر کاشف بزنجو کا چہرہ سُرخ ہوا۔ وہ ضرور جواب ترخ کر دیتے مگر فلحال ہاشم بزنجو کو اِس مصیبت کے وقت کچھ کہہ دینا اپنے پاوں پر کلہاڑی مارنے کے مترادف تھا تبھی ضبط کیئے کھڑے رہے۔

"مُدثر تم باسم کو کال کر کے اُسکے بہنوئی کو یہاں بھیجنے کا کہو۔" اُنکے اگلے حکم پر مُدثر چونکا۔ باسم ربانی آج کل جس طرح اُنکے حواسوں پر چھایا ہوا تھا اِیسے میں ٹھٹکنا بنتا نہیں تھا۔

"وہی جو موٹروے پولیس میں ہے؟" کاشف بزنجو کی تصدیقی سوال پر ہاشم بزنجو نے کوئی جواب نہیں دیا بلکہ وہ اپنی سوچ کے گھوڑے دوڑا رہے تھے۔ اچانک سے یہ لگنے والا دھچکا شدید تھا۔ اُنکے خاندان کے علاوہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ میزاب اُنکے کُل کی مالک ہے۔ پوری دُنیا بس اُسکے چیرویمن ہونے کے بارے میں آگاہ تھی تو کیسے؟ لوگوں کو پاور آف اٹارنی کا معلوم ہے لیکن اُس شخص کی باتوں نے اندر سے اُنکو ٹھٹکا کر چوکنا کر دیا تھا۔

"منظور کرامت کی اِتنی ہمت اور اُوقات نہیں ہے۔" وہ خود سے ایک ایک دُشمن کو سوچنے لگے۔

"زرق کمال توزیبی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔" ایک اور بھی رَد ہو گیا۔

"سلیم کھوکھر کی زمین اُسکو واپس مل گئی تھی۔" یعنی دُشمنی کا جواز ہی ختم ہو گیا۔ وہ ایک ایک دُشمن کو ذہن میں لا کر ہر ہر پہلو سے سوچ رہے تھے۔ اِس سوچ میں اُنکو کئی گھنٹے لگنے والے تھے مگر اُس سرد، خُون مُنجمند کر دینے والی آواز نے اُنکے پیروں کے نیچے سے حقیقتاً زمین کھینچ نکالی تھی۔ اُنہیں جلد از جلد میزاب کو ڈھونڈ نکالنے کی تدبیر کرنی تھی۔

کال کٹتے ہی پردے کے پیچھے کھڑا شخص ایڑیوں کے بل گھوما اور پلٹ کر اُسی دروازے کی جانب بڑھا جہاں سے آیا تھا۔ اُسکے قدموں نے کوئی چاپ پیدا نہیں کی حالانکہ زمین پر قالین نہیں بچا ہوا تھا۔ قبل اِسکے میزاب چہرہ پھیر کر سامنے کھڑے آدمی کو دیکھتی، کچھ پوچھتی۔ اُس آدمی نے پچھلے ٹیبل سے اُٹھا کر ماسک پہنا۔ کمرے میں یک دَم کوئی تیز سی خُوشبو پھیلی اور پھِر میزاب کا ذہن کو سوچنے سمجھنے کا موقع نہیں مِل سکا۔ اُسکا ذہن دبیز، گہرے اندھیروں میں ڈوبتا چلا گیا۔ اُسکو وقت کا اِدراک نہیں ہو سکا جب آنکھ کھلی تو وہ سیاہ رنگ کی جیپ کی پسنجر سیٹ کی پُشت پر سَر ٹِکائے بیٹھی تھی۔ چہرہ کھڑکی کی جانب ڈھلکا ہوا تھا اور شیشے سے لگنے کو سیٹ بیلٹ نے ہی روک رکھا تھا۔ ذہن بیدار ہونے پر اُس نے سَر میں ہوتے دھماکوں پر اپنا سَر جھٹکا۔ آنکھوں کے آگے آئی دُھند تیزی سے چَھٹنے لگی۔ جیپ کی سپیڈ دیکھ کر اُس نے خوف سے پگلتے دِل کے ساتھ چہرہ پھیرا اور اُس کا دِل، وہ ایک لمحے کو دھڑکنا بُھول گیا۔ اُسکے برابر، گاڑی پوری توجہ اور سنجیدگی سے چلاتا شخص عباس جان نِثار تھا۔ وہ جان نِثار جسے میزاب ِرحمت پورے اٹھائیس دِن اور پانچ گھنٹے بعد دیکھ رہی تھی۔

"آپ۔۔۔ ٹھیک ہیں؟" نظروں کی تپش پر عباس نے چہرہ پھیرا اور اُسکو پہچاننے کی سعی کرتی آنکھوں کو دیکھ کر جیپ سائیڈ پہ روکتے ہوئے اُسکی جانب جُھکا۔ اُسکے جُھکتے ہی میزاب تیزی سے پیچھے ہو کر یونہی اُسکو ناسمجھی سے دیکھے گئی۔ اُسکا دماغ ابھی تک ٹھکانے نہیں آیا تھا۔

"آپ ٹھیک ہیں؟" واپس پیچھے ہو کر اُس نے جِس فکرمندی سے پوچھا، میزاب سنبھل گئی۔ وہ اُسکا تخیل نہیں تھا۔

"تم۔۔۔ یہاں کیا کر رہے ہو؟" اُسکے سنبھلے اور پُرسکون لہجے نے عباس کو ٹھٹکا دیا۔ کیا وہ اِتنی ہی بہادر تھی؟

"مُجھے۔۔۔ کاشف صاحب سے معلوم ہوا تھا اِس۔۔۔" اُس کا باقی کا جملہ اُن سُرمائی آنکھوں کی توجہ پر مکمل نہیں ہو سکا۔

"آپ ٹھیک ہیں؟" اپنا جملہ اَدھورا چھوڑ کر پھر سے سوال کیا گیا۔ میزاب نے واپس چہرہ کھڑکی کی طرف کر کے اپنی آفس سے دوری کا تعین کیا۔

"یہیں آگے سٹاپ پہ گاڑی روک دینا۔" یہ اِشارہ تھا اُسے گاڑی چلانے کا۔ عباس نے جیپ سٹارٹ کر کے آگے بڑھائی۔

"میں آپ کو گھر چھوڑ دیتا ہوں۔ "

"بہت مہربانی! میں آفس خود جا سکتی ہوں۔" اِنتہائی سنجیدگی سے اُسکی بات رَد کی گئی۔ اُسکے آفس کا سُن کر عباس اُسے دیکھ کر رہ گیا۔ اُسے سمجھ نہیں آسکی کے اُسکے برابر بیٹھی عورت کو اللہ پاک نے کِس مٹی سے تراشا تھا۔ پانچ گھنٹے کے اغوا کے بعد ذہنی سکون کے لیئے گھر جانے کے بجائے وہ کام کے لیئے آفس جانے والی تھی۔

"میں۔۔۔!" اُس نے پھِر سے کہنا چاہا۔

"میں تمہاری باس تھی، تم نہیں۔" اُسکی بات پھر سے قطع کر دی گئی۔ عباس نے گہرا سانس لے کر گاڑی کی سپیڈ بڑھائی اور پھر قریب آتے سٹاپ پہ روکنے کے بجائے تیزی سے آگے بھگا لے گیا۔ میزاب اُس سٹاپ کو پیچھے رہ جاتے دیکھ کر تیزی سے آگے ہوئی۔

"وہ سٹاپ۔۔۔ تم۔۔۔ جیپ روکو!" کچھ سخت سا کہنا چاہا پھر رُک کر سنجیدگی سے اُسے حکم جاری کیا جس کے کان پر جُوں تک نہیں رینگی تھی۔

"میں کہہ رہی ہوں جیپ روکو۔" اُسکا لہجہ خود بہ خود کڑا ہوا۔

"ابھی آپ نے ہی تو کہا ہے کہ آپ میری باس **'تھیں'**۔" آخری لفظ **'تھیں'** پر اچھا خاصہ زور ڈال کر میزاب کی خفگی میں مزید اضافہ کر دیا گیا۔

"میں نے کہا گاڑی روکو!" پھر سے حکم نازل ہوا۔

"میرے خیال سے اَب آپ مجھے حکم نہیں دے سکتیں۔" اُسکی گاڑی تیز رفتاری سے الرحمت مال کی جانب دوڑ رہی تھی۔ اُس بات پر میزاب نے تاسف سے چہرہ پھیر لیا۔ مزید بحث و تکرار فضول تھی۔ وہ اُسکا باڈی گارڈ نہیں رہا تھا، اُسکے خاندان کی سیکورٹی کا چیف تو تھا ہی۔

"پسپائی اِختیار کر رہی ہیں؟" اُسکو خاموش بیٹھے دیکھ کر اُس نے جیپ **'الرحمت'** کی پارکنگ میں روکتے ہوئے آہستگی سے سوال کیا۔ وہ عورت بیک آف کرتی اچھی نہیں لگتی تھی۔

"میں اُن لوگوں سے بحث نہیں کرتی جو میری بات کا مان نہیں رکھتے۔" دیکھے بغیر کہہ کر وہ جیپ کا دروازہ کھول کے باہر نِکل گئی اور پیچھے عباس جان نِثار لمحے بھر کو برف کے مجسمے میں تبدیل ہو گیا۔ بات کانٹریکٹ کی اہم شِق کی ہوئی

تھی مگر اُس کے دِل کو بھالے کی طرح جالگی۔ وہ تیز قدموں سے اُسے لمحہ بہ لمحہ خود سے دُور جاتے دیکھ رہا تھا۔ سُرمائی کیا خفا ہوئیں تھیں زندگی سے ہر رنگ، ساری بہار روٹھ کر جاچکی تھی۔

✓ اُسکی آنکھوں پر لُٹائی ہے بصارت ہم نے

اِس سے پہلے ہمیں ہر رنگ نظر آتا تھا۔۔۔

"کہاں تھیں محترمہ، پُوچھا نہیں آپ نے؟" رات کے کھانے کے بعد اِس موضوع کو سب سے پہلے چھیڑنے والی رفعت شیراز تھیں۔ ٹی-وی کا ریموٹ اُٹھاتے ہاشم بزنجو نے بیٹی کو خشمگیں نظروں سے دیکھا۔

"ویسے تو بہت عقلِ کُل بنتی تھی۔" ذکی کی مُسکراہٹ بڑی بے ساختہ تھی۔ اُسے اپنا وقت بُھولنے میں ایک دِن سے بھی کم وقت لگا تھا اور اَب تو ایک مہینہ گُزر چُکا تھا اُس بات کو۔ ثمرہ اور ثمرین اپنے شہر جاچکی تھیں اور میزابِ رحمت کی مدد کو دی گئی رقم اِتنی کثیر تھی کہ وہ آرام سے اچھی زندگی گُزار سکتی تھیں۔ وہ نہ تلافی تھی نہ ہی کفارہ بس میزاب اُنکو خالی ہاتھ بھیج کر خود کو شرمندہ نہیں کرنا چاہتی تھی مگر ذکی کے مُطابق سب برابر ہو چُکا تھا۔

"کیا ہے؟" زُوبیہ کے کہنی مارے جانے پر اُس نے تلملا کر اُسے دیکھا جو سنجیدہ بیٹھے ہاشم بزنجو کی جانب اُسکی توجہ دِلا رہی تھی۔

"ویسے، دادا جان! کچھ معلوم ہوا کہ کِس کا کام ہے؟" ذکی نے اُن سے سوال پوچھ کر سب کو متوجہ کر دیا۔ کاشف بزنجو اور مُدثر تنک نے اپنے اہم کام چھوڑ دیئے۔

"یہ بھی معلوم ہو جائے گا۔" اُنکا لہجہ کرخت اور کڑا تھا۔ سب نے اُنکے لہجے کی سختی کو فوراً بھانپ لیا۔

"لیکن اُسکو آفس جانے کی کیا ضرورت پڑ گئی؟" آمینہ کاشف نے جو سوال اُٹھایا وہ اہم تھا کیونکہ رفعت شیراز نے پہلے یہی سوال اُٹھایا تھا۔

"تو اِتنا سب کچھ کون سنبھالے گا؟ تمہارے دونوں اور رفعت کا بیٹا یا پھر میرا یہ بیٹا جسکو اپنی عقل اِستعمال کرنے سے پہلے بھی میری اِجازت چاہیئے ہوتی ہے؟" اُنکے سوال نے سب کے چہروں کو سُرخ کر دیا۔ تقی اور زوبیہ نے خاموش نظروں کو تبادلہ کیا۔ یہ طنز صرف اُن دونوں کے لیئے نہیں تھا کیونکہ وہ دونوں اِس خاندان کے چھوٹے تھے۔

"تو شروع سے ہم سب کو خود مُختار رکھتے نہ آپ۔" کاشف بزنجو ناگواری سے خود کو کہنے سے روک نہیں سکے۔

"یہی زُبان اگر تم تب چلاتے تو کچھ فائدہ بھی ہوتا۔" وہ تو آج بَھرے بیٹھے تھے۔ سچ نے اُنکو غلط وقت پر چھیڑا تھا۔ اِس سے قبل گولہ باری کا سلسلہ جاری ہوتا، رات دس بجتے ہی میزاب رحمت لکڑی کے دروازے سے اندر ہال میں آئی جہاں سب بیٹھے تھے اور ماحول سے اُسے محسوس ہو گیا تھا کہ کوئی بحث چل رہی ہو گی۔ ہاشم بزنجو اُسکو داخل ہوتے دیکھ کر فوراً اپنی جگہ سے اُٹھ کر اُسکی جانب بڑھے جبکہ ذکی مُنہ کے زاویے بگاڑ کر فون میں مصروف ہو گیا۔

"میرا بچہ! کیسا ہے؟" اُسکو سینے سے لگا کر وہ اِس قدر مُحبت سے بولے کے میزاب اِتنی ذہنی اور جسمانی تھکاوٹ کے باوجود مُسکرا دی۔

"میں نے آپکو پریشان کر دیا۔" وہ صرف اِتنا ہی کہہ سکی۔

"پہلی بار کیا ہے تو چلتا ہے آئیندہ نہیں چلے گا۔" ہاشم بزنجو اَب اُسکو شانوں سے تھام کر مُحبت سے دیکھ رہے تھے۔ میزاب نے یونہی مُسکراتے ہوئے اثبات میں سَر ہلایا۔

"اُس خبیث نے تمھیں کچھ کہا تو نہیں؟ مار پیٹ؟" ہاشم بزنجو کے خدشات پر میزاب نے اُنکے ہاتھ تھام کر تھپتھپائے۔

"مُجھے کوئی کچھ کہہ کر زیر کر سکتا ہے؟" اُسکے سوالیہ لہجے پر ہاشم بزنجو ہلکے پُھلکے ہو کر مُسکرا دیئے۔

"کون لوگ تھے وہ؟" کب کا ذہن و دِل میں گردش کر رکھا سوال اَب جا کر پوچھا گیا۔

"میں نہیں جانتی۔" وہ اُنکو یہ نہیں بتا سکی کہ ایک آدمی اُسکی عین آنکھوں کے سامنے تھا جِس کا چہرہ میزاب کی یاداشت میں سلامت تھا۔ عین اُسی وقت دروازے سے عباس داخل ہوا۔ سب کی نظریں وہاں تک گئیں سوائے میزاب کے جو اُسکے بجائے ہاشم بزنجو کی جانب متوجہ تھی۔

"کسی ایک کا بھی چہرہ نہیں دیکھا؟ کچھ بتایا اُن خبیثوں نے؟" وہ جانتے تھے میزاب جیسی ذہین لڑکی کی زیرک نظر سے کچھ چُھپا نہیں رہ سکتا۔ اُس نے ضرور کچھ دیکھا، سُنا یا محسوس کیا ہو گا جِس سے وہ اپنے دُشمن کو جڑ سے پکڑ کے سَر اُٹھانے سے پہلے ہی اُکھاڑ پھینکیں گے۔

"نہیں! میرے سامنے کوئی نہیں آیا اور آپ سے ہی فون پر بات کی تھی اُن لوگوں نے۔" اُس نے اپنے جواب سے ہاشم بزنجو کے چہرے پر پھیلتی مایوسی صاف پڑھ لی تھی مگر اُنکو پریشان کرنے کے بجائے اُسے خود معاملے کی تہہ تک پُہنچنا تھا۔

"اِیسے کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ نے کسی کا بھی چہرہ نہ دیکھا ہو؟" پیچھے سے پوچھے جانے والے سنجیدہ سوال پر میزاب تیزی سے چونک کر پلٹی۔ عباس جان نِثار اُسکی جانب قدم قدم بڑھ رہا تھا۔ اُسکی چُھٹیاں ختم ہو چُکی تھی اور اُسے ہاشم بزنجو نے واپس بُلوا لیا تھا۔

"آپ پریشان نہیں ہوں۔ میں سب سنبھال لوں گی۔ چاچو کی نیب سے پیشی میں نے اگلے ہفتے رکھوا دی ہے۔"
عباس کا سوال نظر انداز کرکے اُس نے پھر سے پلٹ کے ہاشم بزنجو کو تسلی دیتے ہوئے مُدثر کو مُسکرانے پر مجبور کر دیا۔ ایک وہ شاید واحد تھا جسے میزابِ رحمت کی اُس باڈی گارڈ کے ساتھ مہربانی اور بے تکلفی پسند نہیں تھی۔ عباس جان نثار نے ایک بار پھر خود کو نظر انداز ہوتا محسوس کیا۔

"جب تم اُس گھر میں گئے تو تمہیں کوئی سُراغ مِلا؟" ہاشم بزنجو نے براہِ راست عباس سے سوال کیا۔ میزاب کی سماعتیں چوکنا ہوئیں۔

"وہاں پر کچھ نہیں تھا لیکن میں ایک بات پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اُس جگہ باس کے علاوہ دو اور لوگ تھے۔" اُسکی اگلی بات پر جہاں سب چونکے وہیں اُسکے **'باس'** کہے جانے پر میزاب نے اُسکو جِس خفگی سے گھورا، اِتنی پریشانی کے باوجود عباس چہرہ جُھکا کر مُسکرا دیا۔ اُسکی اُس مُسکراہٹ کو صِرف میزاب نے سِمٹتے دِل سے دیکھا تھا۔

"وہاں ایک پردہ لگا ہوا تھا جسکے پیچھے میں نے قدموں کے نشان دیکھے اور مُجھے اِیسا لگتا ہے وہی اِس سب کا ماسٹر مائینڈ ہو گا۔ آپ کے ذہن میں کوئی آ رہا ہے؟" سوچ کے گھوڑے دوڑاتے ہاشم بزنجو کو دیکھ کر اُس نے مزید سوال کیا

"نہیں!" ہاشم بزنجو نے بہت سوچ کر نفی کی۔

"یہ جاننا پولیس کا کام ہے، ہمارا یا تمہارا نہیں۔" میزاب مزید ہاشم بزنجو کے پریشان تاثرات نہیں دیکھ سکی۔ اُسکی کڑی تنبیہہ پر عباس نے چہرہ پھیر کر اُسکو دیکھا جو غصیلی نظروں سے اُسے مزید کچھ بھی کہنے سے منع کر رہی تھی۔

"چلیں! معلوم ہو جائے گا۔" اُن سُرمائی آنکھوں کی خفا اِستدعا رکھ لی گئی۔

"اور کاشف تم اگلی پیشی میں خود جاؤ گے نیب۔" ہاشم بزنجو کی ہدایت پر کاشف بزنجو نے خفگی سے اُنکو دیکھا۔

"آپ جانتے ہیں کہ میزاب کے ساتھ جانے کی بات اور ہے۔" اُنکی اگلی بات پر ہاشم بزنجو نے غصّے سے اُنکو دیکھا۔

"تمہاری غفلت اور نااہلی کی وجہ سے ہی پہلے سب ہوا ہے۔" اُنکی برہمی جائز تھی۔

"میں نے نہیں کہا تھا اِسے کے اپنے باڈی گارڈ کو نکال کر خود سڑکوں پر اکیلی دَندناتی پھرے۔" کاشف بزنجو نے ہتھے سے اُکھڑتے ہوئے چیخ کر کہا جبکہ میزاب اُنکے الفاظ پر ساکن ہوگئی۔ اُنکی میزاب سے خفگی اور بے زاری کوئی ڈھکی چُھپی بات تو نہیں تھی مگر پھر بھی اُسکو دُکھ ہوا تھا جو تپتی نظروں سے کاشف بزنجو کو دیکھ کر اُسے دیکھتے عباس کی نگاہوں سے چُھپا نہیں رہ سکا۔ مُٹھیاں سختی سے بھینچ کر اُس نے اپنی زُبان کو بامُشکل قابو میں رکھا۔

"تم آرام کرو۔ تھک گئی ہوگی۔" ہاشم بزنجو نے بیٹے کو ناگواری سے نظر انداز کر کے اُسکا شانہ تھپکا۔ میزاب سنبھل کے ایک تنبیہی نظر عباس پر ڈال کے سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی۔ وہ اُن سب کی نظروں کی موجودگی میں چاہنے کے باوجود اُسکو چہرہ پھیر کر نہیں دیکھ سکتا تھا۔

"کیا آرڈرز ہیں؟" آگے بڑھ کر اُس نے ہاشم بزنجو کو چونکا دیا۔ اُنہوں نے بغور اُس کے سنجیدہ چہرے کو دیکھا۔ وہ اُنکے ہر امتحان میں کامیاب رہا تھا تو اُس پر اعتماد نہ کرنا شاید بے وقوفی ہوتی۔

"تم میزاب کا دھیان رکھنا۔" اُنکے کہے جانے پر عباس نے اثبات میں سَر ہلایا اور پھر تیز قدموں سے واپس پلٹ کر راہداری کی جانب بڑھ گیا۔

"آپ سے مِلنے ثریا میم آئی ہیں۔" کائنات کی اطلاع پر اُس نے پیشانی مَسلی۔ ابھی اُسے میٹنگ میں جانا تھا اور یقیناً اگر اُن سے نہ مِلتی تو ایک نئی لاحاصل بحث اور تماشا، جو وہ نہیں چاہتی تھی۔

"اُن کو یہاں بھیج دیں۔" کہہ کر اُس نے فائلز یونہی کھلی رہنے دیں۔ یہ تاثر دینا بہت اہم تھا کہ وہ مصروف ہے۔ کچھ دیر بعد ہی خوبصورت مگر تیکھے چتون والی عورت اندر داخل ہوئی۔

"کیسے آنا ہوا؟" اُسکے کڑے سوال پر ثریا اَصفہان نے کڑی نظروں سے اُسے گُھورا۔

"ماں سے سلام دُعا سے بھی گئی تم۔" پرس اُسکی عین آنکھوں کے سامنے پھینکا گیا۔

"وعلیکم اسلام! مُدعے پر آئیں۔ میں مصروف ہوں۔" اُسکا انداز اِتنا ٹھنڈا تھا کہ ثریا اَصفہان کو تحمل سے کام لینا پڑا۔

"آج میں تمہارے دادا سے حتمی بات کر کے آئی ہوں۔" اُسکے عین سامنے ٹیبل کے دوسری سائیڈ کی کرسی سنبھال کر کروفر سے بیٹھ گئیں۔ میزاب نے کوئی سوال نہیں کیا بس اُنکو دیکھتی رہی۔

"تمہاری شادی اَب ہو جانی چاہیئے۔ میں نے زرق کا سوچا ہے مگر تمہارے دادا کو باسم ٹھیک لگتا ہے۔" اُنکی اگلی بات پر میزاب کے چہرے پر واضح ناگواری چاہیئے۔

"اور مجھے دونوں میں ہی دلچسپی نہیں ہے۔" ہمیشہ کی طرح بغیر کسی لحاظ کے جواب آیا۔ اُنہوں نے بغور اُسکو دیکھا جو کھلی فائز پر تیزی سے لکھنے لگی تھی۔

"تمہیں اُس باڈی گارڈ میں دلچسپی ہے نا۔" اُنکی بات اِتنی اچانک اور صاف تھی کہ میزاب کا تیزی سے چلتا ہاتھ تھما۔ چہرہ اُٹھا کر اُس نے تحیر سے ثریا اَصفہان کو دیکھا۔

"میں تمہاری ماں ہوں، زیبی!" اُنکی مُسکراتی بات پر میزاب کا دِل لرزا، آنکھیں کاغذ پر جھکیں اور پھر وہ سنبھل گئی۔

"یہی بات کرنی تھی آپ نے؟" اُسکے بدلتے سوال میں سارے زمانے کی عُجلت اور بے زاری تھی۔

"ہمم! اور اِس بار میں سنجیدہ ہوں۔ جتنا وقت سوچنے میں لینا چاہتی ہو، لے لو۔ آخر میں مجھے ہاں چاہیئے ورنہ۔۔۔"

اُنکی آخری بات پر سُرمائی آنکھیں آہستگی سے اُٹھیں۔

"ورنہ؟" دائیں اَبرو اُٹھا کر اُنکو متنفر نظروں سے گویا چیلنج کیا گیا۔

"ورنہ تو تم مجھے اچھی طرح جانتی ہو۔ آخر بیٹی ہو نہ میری۔" اُٹھی گردن اور تمسخرانہ مُسکراہٹ سے کہہ کر وہ اُسی ناز سے اُٹھ کھڑی ہوئیں جس سے کرسی پر بیٹھی تھیں۔

"سوچو اور سوچ سمجھ کر جواب دو۔ جواب اِن دونوں میں سے ہی کوئی ایک ہونا چاہیئے۔" اُسکے سامنے سے بیگ اُٹھاتے ہوئے تنبیہہ لہجے میں باور کروایا گیا۔ اِس لہجے کو میزابِ رحمت سمجھتی تھی۔ جانتی تھی کہ اُنکی ورنہ کا کیا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ خاموشی سے اُنکو آفس سے نکل کر جاتا دیکھتی رہی اور پھر سَر جھٹک کر کام کی جانب مصروف ہوئی مگر اُسکی سوچ یکجا نہیں ہو سکی۔ ذہن و دِل مُخالف سمتوں میں دوڑ رہے تھے۔ اُسے کچھ سوچنا ہی تھا۔ یہ اُسکے اِختیار سے باہر کا معاملہ تھا۔ وہ اپنی ماں کو بہت اچھی طرح جانتی تھی۔ چند پَل وہ سب ایک طرف رکھ کر کرنے کی کوشش کرتی رہی مگر سوچیں مُنتشر ہی رہیں۔ سَر جھٹک کر اُس نے بیگ اُٹھایا اور اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اُسکو معلوم تھا کہ ہاشم بزنجو نے کسی اور آدمی کو اُسکی نگرانی پر لگا رکھا ہے تبھی گاڑی سڑک پر ڈالتے ہوئے اپنے پیچھے آتی گاڑی کو بیک ویو مِرر سے دیکھ کر گاڑی چلاتی رہی۔ عباس جان نِثار نہیں تھا کیونکہ اُسکو ہاشم بزنجو اپنے ساتھ زمین کے کام کے لیئے لے کر گئے تھے اور یہ اچھا ہی تھا۔ میزاب اُسکا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

آج کسی اور راستے سے جا رہی تھی اور یہ راستہ اُسکا جانا مانا نہیں تھا۔ ٹریفک پہ گاڑی روکتے ہوئے میزاب یونہی چہرہ پھیر کر سامنے دیکھنے لگی مگر اُسکو بے یقینی سے، جھٹکا کھا کر چہرہ پھیرنا پڑا۔ سُرمائی آنکھیں پھیل کر سامنے نظر آتے منظر کو دیکھ رہی تھیں۔ سڑک کی دوسری جانب نظر آتے پُرانے طرز کے بنے ڈھابے پر میزاب کی نگاہ اُس آدمی

پر ٹکی جو اپنے سامنے کھڑے شخص سے کوئی بات کر رہا تھا۔ اُسے صرف ایک شخص کا چہرہ نظر آ رہا تھا اور وہ وہی تھا جسے کل میزاب نے دیکھا تھا۔ اُسکو اغوا کرنے والوں میں سے ایک جو اُسکی عین آنکھوں کے سامنے کھڑا اُس سے پہلے بات کر رہا تھا۔ وہ سُرمائی بالوں والا سوبر شخصیت کا حامل مَرد کسی بات پر بے فکر قہقہہ لگاتے ہوئے سائیڈ پر ہوا اور میزابِ رحمت کا سانس اور دِل کی دھڑکنیں لرز کر ٹھہر گئے۔ ششدر آنکھیں پھیل کر اُس اغوا کار کے کندھے پر مُسکرا کر بازو پھیلاتے شخص کو دیکھ رہی تھیں۔ وہ وہی تھا، عباس جان نِثار۔ اُس نے آنکھیں کئی بار جھپک کر دیکھیں مگر منظر نہیں بدلا۔ عباس اَب اس شخص کو بازو سے گھسیٹ کر ڈھابے کے اندر لے جا رہا تھا۔ وہ بے تکلفی آشنائی کے احساس، گہرے رشتے کا اعلان چیخ چیخ کر کر رہی تھی۔ مُغالطے کی کوئی گُنجائش نہیں رہتی تھی۔ اُس نے ایک لمحے کے لیئے بھی پھر آنکھ نہیں جھپکی اور تب جھپکی جب وہ دونوں مَرد اندر ڈھابے میں چلے گئے۔ آنکھ جھپکتے ہی ششدر آنکھ سے آنسو پھسل کر رُخسار پر بہہ نِکلا۔ وہ شخص اُس کی دُنیا اندھیر کر کے اندر جا چُکا تھا۔ میزابِ رحمت کو ایک لمحہ لگا تھا دو جمع دو چار کرنے میں۔ وہ بزنس ویمن تھی۔ کالج کے دِنوں میں جب لڑکیوں کے اور بہت سے شوق اور خواب ہوتے ہیں تب اُس نے کاروبار سنبھال کر کھڑے کیئے تھے۔ اُسکو زمانے کی ہر اُونچ نیچ کی خبر بہت بچپن سے تھی۔ اُسکی آنکھوں میں دُھول جُھونکنا اِتنا تو آسان نہیں تھا تو پھر کیسے ؟؟ آنکھوں میں ٹوٹے مان اور خواب کی کرچیاں دُھندلاہٹ لانے لگ گئیں۔

✓ میں کیا بتاؤں کہ کِتنا قریب پڑتا تھا

خُدا تو دِل سے زیادہ قریب پڑتا تھا

گُزرنا پڑتا تھا چشمِ گُریز سے ہنس کر

کبھی مُجھے بھی یہ صحرا قریب پڑتا تھا

جہاں سے کوئی گُزر تا نہیں مُحبت میں

مُجھے وہ دُور کا راستہ قریب پڑتا تھا

شروع دِن سے تیری سمت چل رہا ہوں میں

اَزل سے ایک یہی چشمہ قریب پڑتا تھا

نظر نہ آیا کسی کو بلندیوں کا فریب

وہ اِتنا دُور تھا جِتنا قریب پڑتا تھا

میں اُسکے خواب دِکھاتا تھا اپنی آنکھوں کو

کبھی مُجھے بھی وہ اِتنا قریب پڑتا تھا

اُنہی دِنوں میں میری پیاس مَر گئی راشد

وہ جِن دِنوں مُجھے دریا قریب پڑتا تھا

(راشد علی مرکھیانی)

گاڑی یونہی سڑکوں پر اِدھر سے اُدھر دوڑاتی عورت کو کوئی سمت، کوئی ٹھکانہ نہیں مِل رہا تھا جہاں جا کر دو گھڑی سُکھ کے گُزار سکتی، اِس دھچکے اور صدمے کو ہضم کر پاتی۔ وہ جانتی تھی کہ اُسکی گاڑی گھر کے جانے مانے راستوں کی جانب نہیں جا رہی مگر وہ کچھ دیر، کچھ گھنٹے خود کو اسلام آباد کی خوبصورت سڑکوں میں گُم کر لینا چاہتی تھی تا کہ کوئی اُسکی خاک کو بھی نہ پا سکے۔ ماں سے مُلاقات ہمیشہ اُسکے اندر اِیسی ہی سوچوں کو اُبھارتی تھی مگر اِس جانب اُسکا گُمان

تک نہیں گیا تھا۔ بے ساختہ اُسکی آنکھوں کے سامنے وہ اوائل دِنوں والی سَرد، برف کرتی نگاہیں لہرائیں تو سٹیئرنگ کو تھام رکھے ہاتھ کانپ اُٹھے۔ وہ کیسے اُن لہو جماتی نظروں کو بُھول گئی؟

دوپہر سے شام اور شام سے رات ہو گئی اُسکو ایک سڑک سے دوسری سڑک پر گاڑی بھگاتے۔ اُسکے پیچھے آنے والی گاڑی کو وہ رش اور اندھیرے میں کہیں دُور چھوڑ آئی تھی۔ سورج غروب ہو کر آسمان پر چاند کی حُکمرانی تھی۔ ستارے دھمک کر ہر ایک شے کی دلکشی میں اِضافہ کر رہے تھے سوائے دِل پر لگنے والی نئی ضرب کے۔

✓اُونچی جگہ سے گِر کر میں بے نِشاں ٹوٹا

تیرے بھی ہاتھ خالی، میرا بھی مان ٹوٹا

خستہ دِلی کا دُکھ بھی اپنی جگہ ہے لیکن

بَستی میں سب سے پہلے میرا امکان ٹوٹا

پہلے میں سوچتا تھا، زندہ ہوں میں پھر اِک شب

اِیسا گُمان ٹوٹا--اِیسا گُمان ٹوٹا

اِک کہکشاں تھی مُجھ میں، قوسِ قزح تھی ہر سُو

پھر سَر پہ آ کے میرے--اِک آسماں ٹوٹا۔۔۔

اُس کی گاڑی قصرِ بزنجو میں رات کے دو بجے داخل ہوئی تھی۔ اپنے کمرے کی بالکونی میں کھڑا اگلا لائحہ عمل طے کرتے عباس کے قدم تھمے۔ چونک کر تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے اُس نے ریلنگ سے جھانک کر نیچے دیکھا جہاں

سے سیاہ گاڑی دروازے سے اندر آکر رُکی تھی اور اُس میں سے میزابِ رحمت نِکل رہی تھی۔ وہ۔۔۔ ابھی تک گھر نہیں آئی تھی؟؟؟ اور اُسے خبر بھی نہیں ہو سکی۔ وہ تو سمجھا کہ کب کی گھر پُہنچ چکی ہو گی۔

"میں بعد میں کال کرتا ہوں۔" جواد کو کہہ کر اُسکی سُنے بغیر تیزی سے کال مُنقطع کر کے وہ تیز قدموں سے کمرے سے باہر نکل کر راہداری میں آیا۔ ہال کا دروازہ بہت آہستگی سے کھول کر میزاب اندر آئی اور لاک لگایا۔ وہ جانتی تھی سب سو چُکے ہوں گے۔ قصرِ بزنجو میں سب کو اپنی نیند بہت پیاری تھی۔ بھاری ہوتے قدموں سے جیسے ہی آگے بڑھی، راہداری سے نکلتے ڈارک براؤن رنگ کی شرٹ پہنے شخص کو دیکھ کر ٹھہر گئی۔ اُسکے ٹھہرنے پر عباس اُس تک تیز قدموں سے آیا۔ میزاب وہیں رُک کر اُسے دیکھے گئی۔ کہاں سے نگاہ چُوکی تھی؟

"آپ۔۔۔ اِتنی دیر سے کیوں آرہی ہیں؟" اُسکی حیرانگی میزابِ رحمت کے صدمے سے زیادہ نہیں ہو سکتی تھی۔

"تم کیوں جاگ رہے ہو؟" جب وہ بولی تو اُسے خود تک اپنی آواز اجنبی محسوس ہوئی۔ اِتنا عام، بے تاثر لہجہ؟ کوئی لرزاہٹ، کوئی سختی نہیں تھی اُس سوال میں۔

"جواد سے بات کر رہا تھا کہ آپکی گاڑی کا ہارن سُنا۔ آپ باہر کیا کر رہی تھیں؟" وضاحت دے کر پھر کڑا اِستفسار ہوا۔

"سو جاؤ! مت تھکاؤ خود کو اِتنا۔" آہستگی سے کہہ کر اُسکے سوال کا جواب دیئے بغیر جیسے ہی آگے بڑھی، عباس تیزی سے آگے آیا تو میزاب کو اُسے دیکھنے پڑا۔

"آپ ٹھیک ہیں نہ؟ سب۔۔۔ ٹھیک ہے؟" اپنی جانب اُٹھتی سُرمائی آنکھیں دِل کا امتحان تھیں۔

✓ یہ تعلق نہیں تو پھر کیا ہے؟

تم کو صورت ملی اور مجھے آنکھیں۔۔۔

"میں تھک گئی ہوں، جانِ نثار!" نرمی سے کہہ کر سُرمائی آنکھوں نے سیاہ آنکھوں کی نرمی کے پیچھے چُھپا رکھی سَرد مہری اور بیگانگی کا راز پالیا تھا۔ اُن آنکھوں کی خاموش اِستدعا پر دھڑکتے دِل کے ساتھ عباس چہرہ جُھکا کر سائیڈ پر ہوا اور میزاب اُسکے پاس سے آہستہ قدموں سے گُزر گئی۔ عباس نے کچھ نا سمجھی سے چونک کر پیچھے دیکھا۔ اُسے میزاب کا انداز عجیب لگا تھا مگر کِس لیئے؟ وہ سمجھ نہیں سکا۔ یونہی چند پَل نا سمجھی اور تفکر سے وہاں کھڑا رہا۔ میزاب اُس سے اَب تک ناراض تھی، اُس سے بات نہیں کرے گی۔ اِس سوچ نے اُسکے اِضطراب میں مزید اِضافہ کر دیا تھا۔ اِنہی سوچوں میں گُم اُس نے میسج کی ٹون پر چہرہ جُھکا کر ہاتھ میں تھام رکھے فون کی سکرین کو دیکھا۔

"**کل پلان پر عمل ہوگا۔**" ایک بار پھر سے وہ لوگ بزنجو خاندان کی بُنیادیں ہلانے کے لیئے تیار تھے۔

\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-

کروٹ بدل کر لیٹی میزاب کے چہرے سے واضع تھا کہ اُسکو اچھی نیند نہیں آئی۔ چہرے کے تاثرات سے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ رہی ہو۔ پسینے سے تر ہوتے چہرے کے ساتھ وہ ایک جھٹکے سے اُٹھ بیٹھی۔ چہرہ گُھما کر اِرد گرد دیکھ کر کسی بات کا تعین کرتے ہوئے اُس نے گردن پر ہاتھ پھیر کے گہرا تشکر بھرا سانس لیا۔ چہرہ گُھما کر اُس نے سائیڈ ٹیبل پر پڑی گھڑی سے وقت دیکھا اور وہاں پانچ بجتے دیکھ کر بستر سے نکل کر واش روم کی جانب بڑھ گئی۔ اُسکی واپسی وضو کے بعد ہوئی۔ جائے نماز بچھا کر اقامت کے لیئے کھڑے ہوتے ہوئے اُسکے دماغ میں بہت سے دھچکے، مَلال، حیرانگی اور دُکھ تھے مگر سجدہ شُکر کر کے اُٹھتی میزابِ رحمت کے ذہن و دِل میں کوئی اُلجھن، کوئی پریشانی اور اِضطراب باقی نہیں رہا تھا۔ اُسی سکون بَھرے ٹھہراؤ کی کیفیت کے ساتھ تیار ہو کر وہ جلدی آفس کے لیئے نِکلی۔ اُسکو آج بہت سے اہم کام تھے۔ وہ جِس وقت باہر دالان میں آئی، عباس باہر سے جاگنگ کر

کے آرہا تھا۔ پیشانی اور چہرے سے پسینے کے قطرے صاف کرتے ہوئے اُس نے چہرہ اُٹھا کر گاڑی کی جانب بڑھتی میزاب کو دیکھا اور پھر اُسکی جانب تیز قدموں سے بڑھا۔ وہ اپنی نظر اندازی برداشت کر سکتا تھا مگر میزاب کو کسی مُشکل میں نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔

"آفس جارہی ہیں آپ؟" تصدیقی سوال پر گاڑی کا دروازہ کھولتا ہاتھ تھما۔ چہرہ پھیر کر میزاب نے اُسکو دیکھا جو اُسکی جانب بڑھ رہا تھا۔ میزاب بے ساختہ دو قدم پیچھے ہوئی۔ یہ بے اِختیاری حرکت تھی جو عباس کی نظروں سے مخفی نہیں رہ سکی۔ اُس نے ٹھٹک کر میزاب کے چہرے پر دَر آنے والے خوفزدہ تاثرات کو دیکھا۔ سُرمائی آنکھوں کے پار اُٹھتے تاثرات نے عباس جان نِثار کو سُن کر دیا۔

"آپ۔۔۔ ٹھیک ہیں؟" وہی سوال، وہی مُدعا۔ میزاب جو سانس روکے کھڑی تھی، بے ساختہ پلٹی۔ لرزتے ہاتھوں سے دروازہ کھول کر جواب دیئے بغیر اندر بیٹھ کر گاڑی سٹارٹ کی اور عباس کو یونہی ششدر چھوڑ کر گاڑی اُسکے برابر سے بھگا لے گئی۔ چہرہ پھیر کر عباس نے دروازے سے نکلتی گاڑی کو ناسمجھی بھری بے یقینی سے دیکھا۔ اُسکی آنکھوں میں دروازہ کھولتے لرزتے ہاتھ ثبت ہو کر رہ گئے۔ وہ اُسے دیکھ کر اِتنی خوفزدہ کیوں ہو گئی تھی؟؟ اُن سُرمائی آنکھوں کی خوفزدگی اُس نے آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ ہر ناگزیر اور مُشکل سے مُشکل حالات تک میں نہیں۔ اُسے اندازہ نہیں تھا کہ میزابِ رحمت ایک بار پھر اُسکو یوں نظر انداز کر کے جائے گی۔ کیا بات صرف اپنی جان کی پرواہ کیئے بغیر اُسکی جان کی پرواہ کرنا تھی؟ نہیں! عباس جان نِثار کے سُکڑ کر پھیلتے دِل کی نفی بڑی پُر زور تھی۔ سُرمائی دُنیا سے پُر کشش آنکھوں کا خوف دِل کو گہرے شکنجے میں جکڑ کر رَنجور کر رہا تھا۔ وہ اُس کو دیکھ نہیں رہی تھی، بات نہیں کر رہی تھی، ہر طرح سے نظر انداز کر رہی تھی۔ یہ سب بہت تکلیف دہ تھا مگر عباس جان نِثار کو ابھی بہت سے محاذ پر لڑنا تھا۔

✓ گفتگو نہ کرنے سے کیا یقین ہے تم کو

آرزو نہیں ہو گی، جُستجُو نہیں ہو گی؟

آج کے دِن اُسکی تمام الرحمت کے آوٹ لیٹس کے ساتھ میٹنگ تھی۔ جِس میں ظاہر ہے تین سے چار گھنٹے آرام سے لگ گئے۔ میٹنگ کے ختم ہوتے ہی اُسے ثریا اَصفہان سے مِلنا تھا ورنہ ایک نئ جنگ کا آغاز ہو جاتا۔ صُبح ہی گھر سے نِکلتے ساتھ اُنکی دھمکی آمیز کال آئی تھی اور ظاہر ہے میزاب اُنکو اچھی طرح جانتی تھی۔

"مِس میزاب؟" ضوریز سکندر کی پُکار پر میزاب چونک کر پلٹی۔ باقی سب کانفرنس روم سے نِکل کر واپس جا رہے تھے۔ میزاب بھی نِکلنے لگی تھی۔

"آپ مصروف تو نہیں ہیں؟" اُسکے جھجھکتے سوال پر میزاب نے چونک کر اُسے دیکھا۔

"جی! میں مصروف ہوں۔" چہرے پر مزید سنجیدگی طاری کرتے ہوئے وہ روکے جانے کی وجہ جانے بغیر اُسکو **'اللہ حافظ'** کہہ کر کانفرنس روم سے باہر نِکل آئی۔ وہ کوئی کل کی بچی تو تھی نہیں جو اِس طرح کے سوالات کے پیچھے چُھپے معنی نہ جانتی خیر آج کے جواب کے بعد اگر عقل والا ہوا تو دوبارہ غیر ضروری بات نہیں کرے گا۔ اُسے سیدھا آفس سے ثریا اَصفہان کے گھر جانا تھا۔ گاڑی دوڑاتے ہوئے جِس وقت وہ اُنکے گھر پُہنچی، صحن میں کھڑی گاڑی کو دیکھ کر صرف ایک پَل کو ٹھٹکی اور پِھر اندر بڑھ گئی۔ ہال کے بجائے ڈرائینگ روم سے آتی ہنسی مزاق کی آواز پر وہ جیسے ہی اندر آئی، سامنے باسم ربانی اور اُسکی ماں کو بیٹھا دیکھ کر وہیں ٹھہر گئی۔ اُسکی بے یقین نظریں اپنی ماں تک

گئیں جو نزاکت سے ہنستے ہوئے باسم ربانی سے باتیں کرتے ہوئے بہت خوش لگ رہی تھیں۔ وہ یونہی کھڑی رہی تبھی ثریا اَصفہان کی نظر اُس پر پڑی۔

"ارے زیبی! اندر آؤ۔" اُنکا حلاوت سے پُر لہجہ اور شفقت بھرے تاثرات دیکھنے لائق تھے۔

"تمہارے دادا نے کہا کہ ایک بار مجھے باسم اور اُسکی امی سے مِلنا چاہیئے اور سچ کہوں مُجھے پہلے مِلنا چاہیئے تھا۔" اُنکی مُسکراتی بات پر باسم اور اُسکی ماں مُسکرا دیئے جبکہ میزاب کے آگے بڑھنے پر باسم اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

"اسلام علیکم! کیسی ہیں آپ؟" اُسکے نرم لہجے کے سوال پر میزاب اُسکی ماں سے مِل کر صوفے پہ بیٹھ گئی۔

"وعلیکم اسلام، الحمدللہ! آپ کیسی ہیں، آنٹی؟" باسم کو دیکھے بغیر اُسکی ماں سے براہِ راست سوال پوچھا۔ وہ مُسکرا کر واپس اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔

"میں بھی بالکل ٹھیک۔ کامران اور سب سے تمہاری اِتنی تعریفیں سُنی ہیں کہ رہا نہیں گیا۔" اُنکی بات پر وہ دھیرے سے مُسکرا دی۔ اُسے مُسکرانا ہی تھا۔

"پھر کب آرہی ہیں ثریا آپ میزاب کو لے کر ہمارے گھر؟" اُنکے اگلے سوال پر میزاب چونکی۔

"بس کچھ دِن میں۔ اَب تو مِلنا جُلنا لگا ہی رہے گا۔" اپنی ماں کی بات پر اُس نے گہرا سانس لیا۔ وہ جانتی تھی اُنکی عُجلت پسند طبیعت کے بارے میں۔ مزید آدھے گھنٹے کچھ باتیں ہوتی رہیں مگر میزاب مزید نہیں بیٹھی رہ سکتی تھی۔ آج اُسے ایک اہم معاملہ دیکھنا تھا۔ وہی معاملہ جِس نے اُسے زندگی کا سب سے بڑا دھچکا پُہنچایا تھا۔

"اَب مجھے اِجازت دیں۔ میری میٹنگ ہے۔" کہہ کر وہ تیزی سے کھڑی ہوئی کہ کہیں اُسکی ماں روک نہ لے۔ قبل اِسکے باسم کھڑا ہوتا، میزاب تیز قدموں سے باہر نِکل آئی۔ گاڑی میں بیٹھ کر سٹارٹ کرنے سے قبل اُس نے کسی کو

میسج ٹائپ کیا **'ابھی دیس پردیس ریسٹورنٹ میں ضروری بات کرنی ہے۔'** اُسکا مُبہم سا پیغام ہواؤں کے سنگ گردش کرتا ہوا جواد کے ساتھ سمگلنگ کے روٹ کا سُراغ لگاتے عباس جان نِثار کے سیل فون میں آسمایا۔ مخصوص ٹون پر اُس نے جِس طرح جھپٹ کر سیل فون اُٹھایا، کام میں غرق جواد نے چونک کر اُسکو دیکھا جسکے پچھلے پتھر جیسے تاثرات موم کی مانند نرم ہو گئے تھے۔ تحیر سے وہ میسج کو ایک بار، کئی بار پڑھ رہا تھا۔ جواد نفی میں سَر ہلا کر اُسکو دیکھنے لگا جو سب ٹیبل پر رکھتے ہوئے اپنے تمام ضروری کام کو چھوڑ کر تیز قدموں سے باہر کو بھاگا۔

سیاہ ہیوی بائیک پر سوار گرے شرٹ اور سیاہ ڈریس پینٹ میں ملبوس شخص بائیک اُڑا کر دیس پر دیس ریسٹورنٹ کی پارکنگ میں پہنچا۔ ہیلمٹ بائیک پر رکھ کر یونہی بکھرے بالوں کے ساتھ وہ جیسے ہی آگے بڑھا شیشے میں نظر آتے اپنے عکس کو دیکھ کر ٹھٹکا۔ ہاتھ سے بال نفاست سے پیچھے کر کے شرٹ کے کالر دُرست کیئے۔ بٹن کھول کر دونوں آستین پیچھے کر کے اندر کی جانب بڑھا۔ عصر کے بعد کا وقت ہو جانے کے باعث سید پُور میں کافی سکینت طاری تھی۔ نرم ٹھنڈی ہوا آنکھوں کو تراوہٹ پُہنچا رہی تھی۔ سب خوبصورت تھا یا پھر عباس جان نِثار کو اچھا لگ رہا تھا ہمیں اِس کا اِدراک شاید ہو سکتا ہے کیونکہ ہم سب جانتے ہیں کہ باہر کی خوبصورتی کا اِحساس دِل کے موسموں سے مُنسلک ہوتا ہے۔ ماحول میں اچھی خاصی خُنکی بڑھ رہی تھی مگر عباس جان نِثار کو کوئی پرواہ نہیں تھی۔

'انتون چیخوف' کہتا ہے کہ **"لوگ جب خُوش ہوتے ہیں تو اِس بات پر توجہ نہیں دیتے کہ موسم سَرد ہے یا گرم۔"** وہ سہی کہتا ہے۔

اندر آتے ہوئے اُس کی نگاہ شیشے سے باہر دیکھتی میزاب تک گئی تو بے اِختیار دِل مُسکرا کر دَھڑک اُٹھا۔ اُس دَھڑک اُٹھنے کی رفتار کی تیزی سے عباس جان نِثار آگاہ تھا۔ قدم قدم چلتا ہوا سیاہ آنکھوں میں ڈھیروں چمک لیئے وہ اُس تک پُہنچا جِس نے بالآخر اُس کو پورے تیس دِن بعد خود تک پُہنچنے کی اِجازت دی تھی۔ اُسے خود بُلایا گیا تھا تو کیسے نہ اُسکا

چہرہ پُر رونق ہوتا۔ کھنکھار کر اُن سُرمائی، باہر منظر تلاشتی آنکھوں کی اپنی جانب توجہ چاہی گئی۔ میزاب نے چونک کر چہرہ پھیرا اور پھر عباس کو دیکھ کر جِس طرح اُسکے چہرے کا رنگ پھیکا پڑا، وہ پُر شوق سیاہ آنکھوں سے مُختفی نہیں رہا۔ ہونٹوں میں دبی مُسکراہٹ معدوم ہو گئی۔

"کیسی ہیں آپ؟" وہ اُس سے وہی جملہ پوچھ رہا تھا جس کا جواب اُسے نہیں مِلنا تھا۔

"بیٹھو!" اُسکا سوال نظر انداز کر کے میزاب نے اپنی کرسی قدرے ٹیبل سے پیچھے دھکیل کر اُسے بیٹھنے کا اِشارہ کیا جو سُرمائی شرٹ اور سیاہ پینٹ میں اپنے ہمیشہ کے حُلیے سے یکسر مُختلف مگر وجیہہ اور مُنفرد لگ رہا تھا۔ عباس خاموشی سے کرسی دھکیل کر بیٹھ گیا۔ میزاب چند پَل خاموشی سے وہ الفاظ تولتی رہی جِس سے اُسے بات کا آغاز کرنا تھا اور اُسکی ایک ایک جُنبش بغور دیکھتے عباس سے اُسکے زرد ہوتے چہرے کے اُتار چڑھاؤ پوشیدہ نہیں رہ سکتے تھے۔

"سب خیریت ہے؟" وہ جانتا تھا اِس سوال کا بھی جواب نہیں آئے گا مگر اُسے پوچھنا ہی تھا۔ یہ دِل کی بے اِختیاری تھی۔

"میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتی ہوں۔" کئی لمحے دبے پاؤں گُزر گئے اور میزاب کو خود بھی اندازہ ہو گیا کہ اَب وقت مزید ٹالا نہیں جا سکتا۔

"آپ مُجھ سے کچھ بھی پُوچھ سکتی ہیں۔" جُھکی رکھی، لرزتی پلکوں کو دیکھ کر عباس نے بہت آہستگی سے کہا۔ سُرمائی آنکھیں اُس لہجے پر تحیر سے اُٹھیں۔ نظروں کا ٹکراؤ دِل کی دُنیا تہہ و بالا کر دینے والا تھا۔

"کچھ بھی؟" نظریں جُھکا کر تصدیق مانگی گئی۔

"آزمائش شرط ہے۔" پچھلا یقین متزلزل نہیں ہوا تھا۔

"تم ۔۔۔ کون ہو، جان نِثار؟" اُسکا ٹھہرتا ہوا سوال عباس کے لیئے عجیب تھا، تبھی وہ ٹھہر گیا۔

"عباس جان نِثار ہوں۔ آپ مجھے جانتی ہیں۔" بغیر سوال کیئے نرمی سے جواب دیا گیا۔

"میں تمہیں نہیں جانتی۔" میزاب کی تردید میں آواز بلند ہوئی۔ اُس تردید میں کچھ اِیسا تھا کہ عباس جو طمانیت سے بیٹھا تھا، ٹیک چھوڑ کر سیدھا ہوا اور اُسے دیکھنے لگا جو عباس کو دیکھنے سے ہر ممکن احتراز برَت رہی تھی۔

"میں نے کل تمہیں اُسی آدمی کے ساتھ دیکھا جِس نے مجھے پرسوں اغوا کیا تھا۔" عباس کی اُلجھن کو دوام بخشا بھی گیا تو یوں کے اُسکے سَر پر ساتوں آسمان لا گرائے گئے۔ **'اغوا'** لفظ نے چہرہ سے گویا خون کا آخری قطرہ تک نچوڑ لیا تبھی اُسکی قوتِ گویائی سلب ہو گئی۔

"کون ہے وہ آدمی؟" عباس کے چہرے کے تاثرات پر اُسکا سوال سرگوشی سے زیادہ نہیں تھا۔

"میرے چچا، احتساب!" اُن سوالیہ سُرمائی آنکھوں میں دیکھ کر بہت دِقت سے جواب آیا۔ میزاب نے نگاہوں کا زاویہ بدل لیا۔

"تبھی دیکھے دیکھے سے لگے۔ تم اپنے چچا کی طرح لگتے ہو۔" اپنے خوفناک خدشات اور متزلزل یقین کی ڈانواں ڈول ہوتی کشتی کو سنبھالا دے کر نرمی سے کہا۔ عباس نے چہرہ جُھکا کر گود میں رکھے ہاتھوں کو دیکھا جِن کی سخت مُٹھی بنائی ہوئی تھی۔ وہ لفظ **'اغوا'** کی وضاحت کرنا چاہتا تھا۔

"تمہارا اصل نام کیا ہے؟" اَب کے سوال مُختلف نوعیت کا کھوجتا ہوا تھا۔ عباس اندر تک شل رہ گیا۔ میزابِ رحمت اُسکے بارے میں مشکوک ہو چکی تھی یا پھر اُسے کسی حد تک اندازہ ہو چُکا تھا۔ وہ بزنس ویمن عورت تھی۔ دو اور دو جمع چار کرنا خوب جانتی تھی۔

"عباس جان نِثار۔ سنجرانی خاندان کا سب سے بڑا بیٹا۔" اُس نے اپنا اصل نہیں بتایا تھا، میزابِ رحمت کی مُنتظر ساعتوں میں صُور پُھونک دی تھی۔ دِل کانپ کر لمحے بھر کے لیئے ساکن ہو گیا۔

"اِس کا مُجھے اندازہ نہیں تھا۔" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد میزاب نے ٹھہر کر اعتراف کیا۔ گود میں رکھے ہاتھ آپس میں بھینچ لیئے گئے۔ **'سنجرانی'** خاندان کا نام اُسکے لیئے نیا نہیں تھا۔ بچپن سے لے کر آج تک اُس نے دُشمنی، نفرت اور اِنتقام کی جتنی باتیں اَزبر کر رکھی تھیں اُس میں شک کی کوئی گُنجائش باقی نہیں رہتی تھی۔ عباس کے چہرے کا رنگ بدلا۔

"تو تم دُشمنی نبھانے آئے تھے۔" میزاب کا دِل پچھلی کیفیت سے شاید سنبھل گیا تھا۔

"لیکن سخت مُشکل میں پڑ گیا ہوں۔" بغیر توقف کے عین سُرمائی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اُس نے پہلی بار جُرات مَندانہ مگر بے بسی بھرا اعتراف کیا۔ سُرمائی پلکیں اُن نظروں کی شدت اور بے بسی پر لرز کر جُھکیں۔ آنکھوں کے پار نمکین پانی جمع ہونے لگا اور ممکن تھا کہ گالوں پر پِھسلتے ہوئے دِل کو لگی چوٹ آشکار کرتا، میزاب نے تیزی سے پلکیں جھپک کر چہرہ پھیرتے ہوئے بائیں جانب موجود کھڑکی سے باہر بھاگتی دوڑتی دُنیا کو دیکھا۔ قیامت صرف اِس حصّے میں آئی تھی۔ باقی دُنیا تباہ کاریوں سے محفوظ رہی تھی۔

"کیسی مُشکل؟" جب بہت سے لمحے بیت گئے، سوال تب اُٹھایا گیا کیونکہ بھرم تو رکھنا ہی تھا۔ سامنے بیٹھا مَرد، دُشمن خاندان سے تھا۔

"اِیسی مُشکل جِس سے دم آخر تک نہیں نِکل سکتا۔" بات موت تک پُہنچا دی گئی۔ میزابِ رحمت کا دِل سُکڑ کر پھیلا۔ کان کے پردے پر پِھر سے گولی چلنے کی آواز تازہ ہوئی تو اُس نے سَر جھٹک دیا۔ وہ جِس کی جان کا غم دِل سے لگائے بیٹھی تھی وہ تو دُشمنی نبھانے کے لیئے اُس تک آیا تھا۔

"تو اِس لیئے تم اِتنے مہربان تھے۔" اگلی بات پر عباس کا چہرہ بیک وقت پھیکا اور سُرخ پڑا۔ اُسکی عزت اور احترام کو تمانچا جڑا گیا تھا۔

"تا کہ چوٹ گہری اور دیرپا ہو۔" اگلے یاسیت میں ڈوبے جملے نے سارے سخت تاثرات پر برف گرا دی۔ تنے ہوئے تاثرات ڈھیلے ہوئے۔ اُٹھے شانے، جُھک گئے۔

"اِیسا نہیں ہے۔ میں نے کبھی آپ کو چوٹ پُہنچانے کا۔۔" اُس کا جملہ مکمل نہیں ہونے دیا گیا۔ میزاب کرسی دھکیل کر اُٹھ کھڑی ہوئی تو اپنی اہم بات کو بیچ میں چھوڑ کر عباس پر بھی اپنی جگہ چھوڑ کر اُٹھ کھڑا ہونا واجب تھا۔

"آپ۔۔۔ کیا کریں گی؟" وہ اُس بے تاثر چہرے سے کچھ اخذ نہیں کر پا رہا تھا۔ بیگ کندھے پر ڈالتی میزاب نے چہرہ اُٹھا کر اُسے دیکھا۔

"میں اپنا کام کرتی رہوں گی اور آپ وہ کام کریں جِس کے لیئے یہاں آئے ہیں۔" یک دَم جو اجنبیت کی دیوار اُٹھائی گئی اُس پر عباس کا دِل دَھک سے رہ گیا۔

"بے فکر رہیں! آپ اگر حق پر ہیں عباس تو آپ کے ساتھ پوری خُدائی ہے۔" اُس نے سیاہ آنکھوں میں موجود تفکر کو بھانپ کر اِیسی نرمی سے کہا کہ عباس جان نِثار کے زخم خوردہ، مُبتلا دِل نے آہ بھر کر اُن مہربان، اپنی جانب کھینچتی آنکھوں میں دیکھنا چاہا مگر میزابِ رحمت اُس دُشمن مَرد کو ایک بار پِھر اَسیر کر کے نظریں جُھکائے اُسکے برابر سے

گُزرتی چلی گئی۔ عباس جان نِثار نے سانس لینے کی کوشش کی مگر دِل کسی نے مُٹھی میں لے کر پیروں تلے مَسل دیا تھا۔ میزابِ رحمت اُسکے پاس سے جاچکی تھی اور پیچھے صِرف نہ ختم ہونے والا اِحساس باقی رہ گیا تھا۔

✓ پُرسشِ غم کا شُکریہ، کیا تُجھے آگہی نہیں

تیرے بغیر زندگی، دَرد ہے زندگی نہیں

دیکھ کے خُشک وزَرد پُھول، دِل ہے کچھ اِسطرح مَلُول

جیسے میری خزاں کے بعد دورِ بہار ہی نہیں

لاکھ زمانہ ظُلم ڈھائے، وقت نہ وہ خُدا دِکھائے

جب مُجھے ہو یقیں کہ تُو حاصل بندگی نہیں

دِل کی شگفتگی کے ساتھ، راحتِ مے کدہ گئی

فرصتِ مے کشی تو ہے، حسرتِ مے کشی نہیں

عرصہ فُرقت و فراق اِیسا طویل تو نہ تھا

بُھول رہے ہو تم مُجھے، میں کوئی اجنبی نہیں

(احسان دانش)

"دعوت میں زُوبیہ کی شادی کی تاریخ بھی طے ہو جائے گی اور میں چاہتا ہوں تم موجود ہو۔" ہاشم بزنجو نے اُسکو جتنی مِنت سے دعوت میں شمولیت کا کہا تھا وہ ساری مصروفیات پسِ پُشت ڈال سکتی تھی اور پھِر ہاشم بزنجو نے اُسکو آتے

جاتی اِتنی بار یاد دِلایا کہ وہ بے ساختہ ہنس دیتی۔ آج کل ذکی کی طرف سے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ نیب نے کاشف بزنجو کے باہر والے اثاثے منجمند کر دیئے تھے اور مزید کیسز کی سماعت آئے روز چلتی جارہی تھیں جِس میں میزاب کے کہنے پر وہ بہت اچھی طرح شریک ہو کر مثبت رویہ دِکھارہے تھے۔ مُدثر کی فیکٹریوں کا مال اِنسپیکٹ کرواکر ہی میزاب اپنی نگرانی میں آگے بھجواتی۔ اُنکا نیا پروجیکٹ لانچ ہونے والا تھا۔ اِیسے میں کسی غلطی کی کوئی گُنجائش نہیں تھی تبھی جانتی تھی کہ دعوت میں تمام کاروباری لوگ بھی شرکت کریں گے تو اِیسے میں اُسکی وہاں موجودگی ضروری نہ سہی اہم تھی۔

تیار ہونے کے بعد اُس نے ایک نظر شیشے میں خود کو دیکھا۔ سفید اور گولڈن رنگ کے سادہ سے لباس میں وہ نظر لگ جانے کی حد تک خوبصورت لگ رہی تھی مگر اُسے اِس بات کا اِدراک نہیں تھا۔ سَر پر حجاب اُوڑھے اُس نے دوپٹہ بازوؤں میں ڈال کر سیل فون اُٹھایا اور پھر باہر نِکل آئی۔ اُسے دوبار ہاشم بزنجو کا بُلاوہ آچُکا تھا۔ تیز قدموں سے سیڑھیاں اُتر کر وہ جیسے ہی دروازے سے باہر نکلنے لگی، سامنے سے آتے عباس سے ٹکرا جاتی اگر جو بروقت سائیڈ سے ہو کر نہ نکلتی۔ عباس نے تھم کر پاس سے اعصاب کو مُعطر کر دیتے جھونکے کی مانند گُزرتی میزابِ رحمت کو دیکھا جس نے ایک بار بھی نگاہ اُٹھا کر اُسے نہیں دیکھا تھا۔ وہ آگے بڑھ کر باہر نکل کر جاچُکی تھی جبکہ عباس وہیں کھڑا رہ گیا۔

"کیا ہوا تمہیں؟" اُسے دروازے میں اِیستادہ دیکھ کر مُدثر نے ٹھٹکا دیا۔ عباس نفی میں سَر ہلا کر واپس پلٹا۔ اُس کو ہاشم بزنجو نے میزاب کو بُلوانے ہی بھیجا تھا اور اَب اُس گھر کے اندرونی حصّے میں اُسے جانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

یہ بزنجو خاندان کا فیملی فنکشن تھا۔ نہ نہ کر کے بھی بہت لوگوں کو مدعو کیا گیا تھا۔ سیاہ پینٹ کوٹ اور ایک کان میں ٹرانسپیرنٹ آلہ لگائے دونوں ہاتھ پُشت پر بندھے، عباس جان نِثار ایک لمبی طویل ٹیبل کے بالکل پاس کھڑا تھا یوں

کہ اُسکی جانب ہاشم بزنجو کی پُشت تھی جب کہ سب سے مِل کر آتی، کرسی دھکیل کر بیٹھتی میزاب کا رُخ اُسکی جانب تھا مگر عباس چہرہ پھیر کر اِرد گرد ہنستے مُسکراتے چہروں کو دیکھ رہا تھا۔ ہاشم بزنجو کو دیکھتی سُرمائی نگاہ بے ساختہ اُٹھی۔ وہ نگاہ جو پہلے دیکھ نہیں سکی تھی، اَب دیکھ رہی تھی۔ دماغ تسلیم کر چُکا تھا کہ ہمیشہ پُشت پر وار کھانے والی کو ایک اور دھچکا اور فریب مِل چُکا ہے مگر دِل کی بے یقینی بھَرے صدمے کو ابھی اِستقامت کے لیئے بہت سا وقت درکار تھا۔ قبل اِسکے چہرہ پھیرتے عباس کی نگاہ اُس سے ٹکراتی، میزاب چہرہ پھیر کر برابر بیٹھے مُدثر کے سوال کا جواب دینے لگی۔ اِس بھَری محفل میں عباس جانِثار اپنی نظر کو بے اِختیار ہونے کی اِجازت نہیں دے سکتا تھا۔ وہاں سب موقعے کی تلاش میں تھے خصوصاً مُدثر شیراز۔ عباس اُسکی ناگواری جانتا تھا خیر مُدثر بزنجو اُسکے لیئے کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔ اُس تقریب میں ڈاکٹر رضا، باسم ربانی، ذکی اور ضوریز سکندر بھی موجود تھے یعنی وہ سب لوگ جو عباس جان نِثار کو زہر سے زیادہ بُرے لگتے تھے، نہ جانے کیوں؟ یہ وہ نہیں جانتا مگر آپ اور میں خُوب جانتے ہیں۔ محبت میں رقابت نہ ہو تو کہاں کی مُحبت۔ مُحبت کا اِحساس اُبھارنے اور مضبوط کرنے کا بہترین ہتھیار رقابت ہی تو ہے۔ اِسی آگ میں جَل کر مُحبت کا مارا، گرفتار ہوا شخص کُندن بن جاتا ہے۔ باسم ربانی کی گاہے بگاہے پڑتی میزاب پر نظریں اُس سے پوشیدہ کیسے رہ سکتی تھیں۔ کچھ گھنٹے بعد زوبیہ کی پندرہ دِن بعد شادی کی تاریخ طے کر دی گئی۔ منگنی کو ہوئے آٹھ ماہ ہو چُکے تھے اور اِیسے میں جب بزنجو خاندان سخت وقت سے گُزر رہا تھا تو شادی جلدی اور مہذب طریقے سے کرنا بے حد اہم تھا۔ سب نے اُٹھ کر خوشدلی سے مُبارکباد پیش کی۔ میڈیا موجود نہیں تھا اِس لیئے کوئی خوامخواہ شوخا نہیں ہوا۔

"میں اِس خوشی کے موقعے پر ایک اور خوشی میں آپ سب کو شریک کرنا چاہتا ہوں۔" ہاشم بزنجو کی بات پر سب ہی مُسکراتے ہوئے ہمہ تن گوش ہو گئے۔

"میں نے اپنی لاڈلی پوتی میزاب کی باسم ربانی سے شادی کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔" اُس اعلان پر یک دَم محفل میں خاموشی طاری ہوگئی۔ میزاب نے بے ساختہ آنکھیں مُوند کر گہرا سانس لیا۔ دِل اپنی رفتار بُھول گیا

"اور میں جانتا ہوں کہ میری میزاب مُجھے مایوس نہیں کرے گی اِسی لیئے ہم کچھ مہینے کا وقت لیں گے باسم اور میزاب کی انڈرسٹینڈنگ کے لیئے پھر جلد شادی۔" اُنکی خوشی چُھپائے نہیں چُھپ رہی تھی۔ میزاب جو اُنکو ٹوکنے لگی تھی، ٹوک نہیں سکی۔ وہ اُس لہجے کی کھنک کو سوگواری میں نہیں بدل سکتی تھی۔ بے ساختہ سُرمائی آنکھیں اُٹھیں اور تحیر سے پھیلی سیاہ آنکھوں سے ٹکرائیں۔ بوکھلاتے مُدثر نے چہرہ پھیر کر میزاب کو دیکھا مگر کچھ عجیب سا محسوس کر کے میزاب کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا۔ وہ بظاہر ہاشم بزنجو کو دیکھ رہی تھی مگر نہیں! ہاشم بزنجو کے عقب میں کھڑا ہمیشہ ایک سے سنجیدہ، سخت تاثرات والے دراز قامت باڈی گارڈ کے چہرے پر وہ بہت پہلی بار تاثرات دیکھ رہا تھا اور معنی اخذ کرتا مُدثر بُھونچکارہ گیا۔

عباس جان نِثار کے ہمیشہ ایک سے رہنے والے تاثرات میں اِس ایک اعلان نے ہی دراڑ ڈالی تو کیوں؟ کیوں وہ اُن آنکھوں میں ڈھیروں جذبے اور سُرخی لیئے میزاب کو دیکھ رہا تھا جِن میں آج سے پہلے کسی نے کچھ نہیں دیکھا تھا؟ میزابِ رحمت کا دِل اُن سوالوں کے جواب نہ پا کر مایوسی اور دل گرفتگی سے دَھڑک کر جُھک گیا۔

✓ احتیاطِ اہلِ مُحبت کہ اِس شہر میں لوگ

گُل بدست آتے ہیں، پابہ رَسن جاتے ہیں۔۔۔

"تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہو گا، میں جانتا ہوں۔" ہاشم بزنجو کے مُسکراتے لہجے کے یقین نے اُسکا دِل لرزا دیا۔ آج سے چھ ماہ پہلے وہ اِیسا کہتے تو میزاب آنکھیں بند کر کے لبیک کہتی مگر دِل میں ڈیرہ جما کر خیمہ زَن ہوتی خاموش مُحبت اپنی آگہی کے ساتھ اعصاب شَل کر رہی تھی۔

"مجھے کوئی اعتراض کیسے ہو سکتا ہے۔" ہاشم بزنجو کی آنکھوں میں اپنائیت سے دیکھتے ہوئے اُس نے اِتنی نرمی سے کہا کہ عباس جان نِثار کی نظریں زندگی کے پینتیس سالوں میں پہلی بار لرز کر جُھک گئیں۔ اُس چہرے کو دیکھ لینے کی گُستاخی اِس وقت وہ نہیں کر سکتا تھا۔ عباس نے پھر اُس تقریب کے آخر تک جُھکا رکھا سَر نہیں اُٹھایا۔ نہ جانے کتنے گھنٹے گُزرتے چلے گئے۔ روشنیوں میں نہائے اُس دالان میں پُشت پر دونوں بازو باندھے، چہرہ کسی قدر جُھکائے خاموش کھڑے باڈی گارڈ پر صحرا میں تنہا شجر کا گُمان ہو رہا تھا۔

"عباس!" ہاشم بزنجو کی پُکار پر وہ چہرہ اُٹھائے بغیر اُنکی جانب آگے بڑھ کر بات سُننے کے لیئے جُھکا۔

"کاشف سے معلوم کرو کیا ہوا ہے؟" ہاشم بزنجو کا سوال سرگوشی سے زیادہ نہیں تھا۔ عباس نے چونک کر چہرہ پھیر کے اپنی کرسی سے اُٹھتے کاشف بزنجو کو دیکھا۔ لمحے بھر کو ذہن بھٹکا مگر پھر اثبات میں سَر ہلا کر تیز قدموں سے اُنکی جانب بڑھ گیا۔

"سب ٹھیک ہے؟" دُور جاتے شخص کو ایک نظر دیکھ کر اُس نے آہستگی سے آگے ہو کر سوال کیا۔

"باسم! اَب مِلتے رہنا زیبی سے تا کہ ہماری بیٹی کو جان سکو۔ میزاب کو آسانی سے مُتاثر نہیں کیا جا سکتا۔" ہاشم بزنجو نے اُسکا دھیان کا رُخ کہیں اور کرنا چاہا اور میزاب دھیرے سے مُسکرا دی۔

"ضرور! بس اَب تو میزاب کو بہت تنگ کرنے والا ہوں میں۔" اپنے ماں، باپ کی تائید کے بعد باسم نے مُسکرا کر کہا مگر میزاب اُسکو نہیں چہرہ پھیر کر پریشانی سے کھڑے کاشف بزنجو کو دیکھ رہی تھی جو عباس سے بات رہے تھے۔ صاف ظاہر تھا کہ بات شدید تفکر کی ہے تبھی اُس نے عباس کے چہرے کے سخت ہوتے تاثرات دیکھے اور اُسکا دِل سُکڑ کر پھیلا۔ وہ۔۔۔ اُنکے دُشمنوں کا بیٹا تھا۔ وہ یہاں دُشمنی نبھانے آیا تھا۔ اِس ہلا دیتے خیال کے ساتھ وہ کرسی

دھکیل کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ باسم، ہاشم بزنجو اور مُدثر اُسے پُکار کر سب کے ساتھ مُسکراتے ہوئے کچھ کہہ رہے تھے مگر اُسے کسی کی آواز نہیں آرہی تھی۔ بھاری ہوتے قدموں کے ساتھ وہ چلتے ہوئے وہاں پُہنچی۔ عباس کی اُسکی جانب پُشت تھی۔

"آپ کو اندازہ بھی ہے کہ باس کے لیئے سب کتنا مُشکل ہو سکتا ہے۔" عباس کی پتھر کرتی آواز پر میزاب ٹھہر گئی۔

"سب ٹھیک ہے، چاچو؟" اُسکے سوال پر عباس بے ساختہ پلٹا، نہیں پلٹنا چاہیئے تھا۔ اُن آنکھوں میں لرزتا خوف اور اَن کہے خدشے نے اُسکے پورے وجود کو برف کر دیا۔ میزاب اُسکو نہیں کاشف بزنجو کے مُضطرب چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

"تم اِدھر چلو میرے ساتھ۔" کاشف بزنجو نے بغیر سوچے آگے بڑھ کر میزاب کا بازو پکڑا اور ایک جھٹکے سے اُسے اپنے ساتھ گھسیٹتے ہوئے اندر کی جانب بڑھنے لگے۔ سب اپنی باتوں اور پُر رونق محفل میں مصروف تھے۔ کسی کا وہاں دھیان نہیں تھا۔ عباس نے لَب بھینچ کر کاشف بزنجو کی ہاتھ کی سخت گرفت میں جکڑے بازو کو دیکھا اور آگے بڑھ کر ایک جھٹکے سے میزاب کا بازو چھُڑوایا۔ کاشف بزنجو تو اُسکی حرکت پر ہک دَق رہ گئے جبکہ میزاب کی آنکھیں اپنے حُجم سے کئی گُنا پھیل کر اُسے دیکھ رہی تھیں جِس نے چہرے کی ناگواری چُھپانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔

"باس خود چل سکتی ہیں۔" اُسکے لہجے پر کاشف بزنجو سنبھل کر پیچھے ہوئے۔ میزاب نے اپنا بازو بے ساختہ سہلایا۔ حیرت میں تکلیف کا احساس تک نہیں ہوا تھا۔ میزاب کے بازو کو ایک نظر دیکھ کر وہ اُنہی مضبوط قدموں سے پَلٹ کر واپس اُس روشنیوں اور قہقہوں میں نہائی محفل کی جانب بڑھنے لگا۔ پیچھے اُسکو خالی آنکھوں سے دیکھتی میزاب نے پلکیں جھپک کر کاشف بزنجو کو دیکھا۔

"کیا ہوا؟ "

"بابا کو اِس کی بھنک بھی نہیں پڑنی چاہیئے۔ "اُنکی تنبیہہ کڑی تھی۔ میزاب کچھ کہے بغیر اُنکو دیکھتی رہی جن کے حقیقتاً پسینے چھُوٹ رہے تھے۔

"ویسٹرن ایج والی فیکٹری میں آگ لگ گئی ہے۔ "اُنکے تفکر نے میزاب کو چونکا دیا۔

"وہ فیکٹری تو ایک سال سے خالی تھی۔ "میزاب کے ذہن میں خطرے کا الارم بجنے لگا۔ کاشف بزنجو نے یقیناً کوئی نئی مصیبت کھڑی کر دی تھی۔

"میں نے پچھلے سال وہاں مال رکھوایا تھا۔ " نظریں چُرا کر اُنہوں نے بے چینی سے ہاتھ سہلائے۔

"کیسا مال؟ "اُنکے اُڑے تاثرات کوئی اور کہانی سُنا رہے تھے۔

"تم جان کر کیا کرو گی۔ بس میڈیا کو سنبھالو باقی میں دیکھ لوں گا۔ "اَب آئی تھی نہ بلی تھیلے سے باہر۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ میڈیا کو میزاب کنٹرول کر سکتی ہے۔

"جب تک آپ مجھے پوری بات نہیں بتائیں گے میں کچھ نہیں کر سکتی۔ "اُسکی سنجیدگی پر کاشف بزنجو نے تلملا کر اُس میسنی کو دیکھا جو اِیسے موقعوں پر اپنے پَروں پر پانی نہیں پڑنے دیتی تھی۔

"ٹھیک ہے مگر تم نے باقی بچا ہوا مال اپنے مال کے وئیر ہاؤس میں سیف رکھنا ہے۔ "اُنکی اگلی بات پر میزاب نے اُنکو بغور دیکھا۔

"کیا ہے اُس مال میں؟ "میزاب کا سوال ہنوز وہی تھا۔ کاشف صاحب نے تلملا کر ارد گرد دیکھا اور پھِر اُسکی جانب جُھکے

"ڈر گز!" اُنکی سر گوشی پر میزاب کا دماغ بھک سے اُڑ گیا۔ اُس نے ہر ناقص اور بے کار شے سوچ لی تھی مگر۔۔۔ یہ نہیں؟

"آپ۔۔۔ آپ کا دماغ دُرست ہے؟" وہ اِتنی زور سے چیخی کہ دُور جا چکے عباس نے جھٹکے سے پلٹ کر پیچھے دیکھا۔

"آہستہ بکواس کرو۔" کاشف بزنجو شور مچاتی محفل کو دیکھ کر غُرائے۔

"اگر بابا تک بات پُہنچی تو تمہاری خیر نہیں ہے۔" تیزی سے قریب آتے عباس نے اُس دھمکی پر لب بھینچے۔ یہ آدمی اُس سے ایک دِن ضرور قتل ہو گا۔

"آپ۔۔۔ آپ کی ہمت بھی کیسے ہوئی؟" وہ میزاب تھی۔ دَبنا اور جھجھکنا اُس نے نہیں سیکھا تھا۔ کاشف بزنجو کیسے بُھول گئے کہ اُنکے سامنے اَصفہان بزنجو کی بیٹی کھڑی تھی۔

"تمہارا باپ بھی لمبی زندگی گُزار سکتا تھا مگر اُسکو بھی یہی بیماری تھی جِس نے اُسے مار دیا۔" کاشف بزنجو کے نفرت سے پُر لہجے کی کاٹ نے میزاب کو ششدر کر دیا۔ یہ حملہ مُہلک تھا۔ وہ پھٹتے دِل سے اُنکے چہرے پر چھائی سفاکیت کو دیکھنے لگی۔ عباس نے چونک کر بغور کاشف بزنجو کے تاثرات جانچنے چاہے مگر نگاہ میزاب کے پھیکے پڑتے چہرے پر جم کر رہ گئی۔

"آپ کو ہاشم صاحب بُلا رہے ہیں۔" عباس کے سَرد لہجے پر کاشف بزنجو نے چہرہ پھیر کر اُسے دیکھا اور اُن بھسم کر دینے کو تیار آنکھوں میں دیکھ کر ٹھٹک گئے۔ قبل اِسکے وہ عباس کی نظریں سیدھی کرواتے میزاب تیز قدموں سے پلٹ کر اندر چلی گئی۔ پیچھے کاشف بزنجو تلملانے کے لیئے اکیلے رہ گئے۔ اُسکے اندر جانے کا مطلب تھا اَب اپنا معاملہ

خود ہی بُھگتائیں۔ اُسکے باپ کے ذکر پر وہ اِیسے ہی سب کے کاموں کو جہنم میں جھونک دیتی تھی۔ اُنہیں نہیں بُھولنا چاہیئے تھا۔

"عباس تم۔۔۔"

"مجھے ضروری کام ہے۔" اُنکی بات آرام سے قطع کر کے وہ تیز قدموں سے پلٹتے ہوئے مین دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ اُسکی ڈیوٹی اوورز ختم ہو چُکے تھے۔ پیچھے سُرخ چہرے سے کھڑے کاشف بزنجو نے مُٹھیاں بھینچ لیں۔

\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-

کاشف بزنجو کے اُس معاملے میں میزاب نے ہاشم بزنجو کے بہت کہنے کے باوجود کوئی حصّہ نہیں لیا۔ شاید وہ اُنکا بوجھ بانٹ لیتی مگر نہیں! اُسکے باپ کے بارے میں اِیسے الفاظ اِستعمال کرنے والوں کا مُنہ وہ اِیسے ہی توڑتی تھی۔ اَب نکلیں اپنے گندے، کالے دھندوں کے مسئلے سے۔ رفعت شیراز کے سارے طعنے تشنے اُس نے ایک کان سے سُن کر دوسرے سے اُڑائے تھے۔

"اِس کا توخُون سفید ہو گیا ہے۔" اُس ڈرگ والی اطلاع کو خبروں کی زینت بنے دیکھ کر رفعت اور آمینہ بیگم نے تلملا کر کہا مگر میزاب کو کوئی پرواہ نہیں تھی۔

"تم نے مجھے مایوس کیا ہے، میزاب۔" اُسی دِن ناشتے کے بعد ہال میں بیٹھے ہاشم بزنجو نے اُسے ناراضگی سے دیکھ کر کہا۔

"آپ کو خُوش کرنے کے لیئے میں باطل کا ساتھ نہیں دے سکتی۔ اِنسان کو اِیسے کاموں سے ہر ممکن بچ کر رہنا چاہیئے جِس سے کعبہ کا رَب ناراض ہو جائے۔" دروازے سے اندر آتے عباس کے کانوں میں اُن الفاظ نے مٹھاس گھول دی۔ وہ اُس عورت سے کیسے اپنا دامن بچا سکتا تھا جو سراپا مُحبت اور خوبصورتی تھی۔

"بالکل اپنے باپ پر گئی ہو۔" ہاشم بزنجو نے تھک ہار کا تسلیم کیا۔

"یہ میرے لیئے اعزاز ہے۔" اِس سب میں وہ پہلی بار مُسکرائی۔ اِس ایک ہفتے میں کاشف بزنجو اور باسم ربانی نے اُسے بالکل خاموش کر دیا تھا تو اِیسے میں مُسکرا دینا ضروری تھا۔

"میں کاشف کے معاملے میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا لیکن باسم سے مِل لینا۔ تم ایک ہفتے سے اُس سے کترا رہی ہو تو آج ڈنر کے لیئے اُسے اپنا وقت دو۔" ہاشم بزنجو کی بات پر میزاب کی مُسکراہٹ سمٹی۔ اَب وہ اُنہیں بتا کر پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی کہ اُسے باسم نے کتنا عاجز کر کے رکھا ہوا ہے۔ پیچھے آ کھڑے ہوتے عباس کے چہرے کا رنگ بدلا، گلے کی گلٹی معدوم ہوئی۔

"آپ جانتے ہیں میں مصروف عورت ہوں۔ اِیسے کسی کے لیئے اپنا وقت نہیں نکال سکتی۔" وہ حقیقتاً جُھنجھُلا گئی تھی۔

"وہ کسی نے تمہارا ہونے والا شوہر ہے۔" اُنکی سنجیدگی پر میزاب اُنہیں دیکھ کر رہ گئی۔ ہاشم بزنجو تو یہاں بس نکاح کے اِنتظار میں تھے اور وہ کیا سمجھی تھی؟

"میں۔۔۔مان تو گئی ہوں تو آپ باسم کے علاوہ کچھ بھی سوچیں۔ مُجھے اُسکو دیکھ کر اچھی فیلنگز نہیں آتیں۔" وہ مزید خاموش نہیں رہ سکتی تھی۔ اُسکے الفاظ پر جہاں عباس نے چہرہ اُٹھایا وہیں ہاشم بزنجو چونک کر سیدھے ہوئے۔

"کیا مطلب، کھل کر بتاؤ؟" اُنکی سنجیدگی پر میزاب نے گہرا سانس لیا۔

"ہر دوسرے دِن میرے آفس آدھمکتا ہے۔ میٹنگ کے دوران زِچ کرتا ہے مُجھے۔ عجیب باتیں کرتا ہے۔۔۔ بس مُجھے اچھا نہیں لگا۔" اُسے سمجھ نہیں آئی کہ کیا بات کرے شاید وہ ڈنر کرنے والی بات گول کرنا چاہتی تھی مگر نہیں اُسے واقعی اِس ایک ہفتے میں باسم ربانی عجیب لگنے لگا تھا۔

"ایک ہفتے میں کیا معلوم ہوتا ہے، بیٹا۔" ہاشم صاحب نے اُسے سمجھانا چاہا مگر میزاب کے چہرے پر بے زاری واضح تھی۔

"داداجان آپ۔۔۔" وہ جو کچھ اور کہنے والی تھی چہرہ اُٹھا کر سامنے آکھڑے ہوتے عباس کو دیکھ کر ٹھہر گئی۔

"آج رات ڈنر پر تم عباس کے ساتھ جاؤ گی اور اِسکو اکیلے باسم کے ساتھ اچھا نہیں لگے گا تو تم قریب ہی موجود رہنا۔" ہاشم بزنجو کی اطلاع پر جہاں عباس نے اثبات میں سَر ہلایا وہیں میزاب کے چہرے کے تاثرات میں ناگواری گھلی جو زیرک، سُنہری آنکھوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکی۔

"میں خود جاسکتی ہوں اور ویسے بھی باسم۔۔۔" وہ جو مزید کچھ کہنے والی تھی، ہاشم بزنجو نے اُسکی بات مُنقطع کردی۔

"باسم کے علاوہ میری نظر میں رضا اور مُدثر ہی ہیں۔ اُنکا سوچ سکتی ہو؟" اُنکے کڑے سوال پر میزاب نے تیزی سے نفی میں سَر ہلا کر عباس کا رُکنے کو تیار سانس بحال کردیا۔

"تو پھر سَنجرانیوں کے سب سے بڑے بیٹے سے کروادوں تمہاری شادی؟ جانتی ہو نہ کتنی پُرانی اور گندی دُشمنی ہے اُن سے۔" ہاشم بزنجو نے جِس طرح چیخ کر نفرت سے پھنکار کر کہا، میزاب کے چہرے کا رنگ اُڑا، سُرمئی آنکھیں

پھیل کے لرزتے ہوئے پیچھے کھڑے دُشمنوں کے بڑے بیٹے، عباس جان نِثار کی شہد رنگ آنکھوں سے ٹکرائیں۔ عباس جان نِثار اُس ایک قیامت خیز لمحے میں سانس تک لینا بُھول گیا۔

"اُن سے بہت بہتر باسم ہے۔ دُشمنوں کے ہاتھ سونپا نہ تو وہ تمہیں بیچ کھائیں گے۔ سوچنا بھی مت اِیسا۔" اُسکی غیر معمولی خاموشی پر اُنہوں نے مزید زہر اُگلا جبکہ آخری بات پر میزاب کا چہرہ سُرخ ہوا۔ نظریں پھیر کر اُس نے ہاشم بزنجو کو دیکھا۔ اُنہوں نے کوئی پہلی بار اِس طرح دِل کو چھلنی کرنے والی بات نہیں کی تھی مگر آج کسی آہنی بھالے کی طرح جا لگی تھیں۔ عباس نے پُشت پر باندھ رکھے بازو سختی سے بھینچ کر سُرخ ہوتی نگاہیں جُھکا لیں۔ اُسے حقیقت کا آئینہ دیکھایا گیا تھا اور یوں کہ اُس میں اپنا چہرہ دیکھنے تک کے قابل نہیں رہا تھا۔ اِس رُخ سے اُس نے ہمیشہ سوچنے سے گُریز کیا تھا اور یہی بات تمانچے کی طرح اُسکے مُنہ پر ماری گئی۔

✓ہمارے شوق کے آسودہ و خوشحال ہونے تک

تمہارے عارض و گیسو کا سودا ہو چُکا ہو گا۔۔۔

(سید جون ایلیاء)

"میں۔۔۔اِیسا کیوں سوچوں گی۔" بامُشکل لہجے کی لرزاہٹ پر قابو پا کر اُس نے مدہم آواز میں کہا۔ تردید سرگوشی سے زیادہ نہ بھی سہی، عباس کی گُریز اں سماعتوں تک با آسانی پُہنچ کر اُسے بلندی سے نیچے عمیق گہرائیوں میں دھکیل گئی۔

"تو پھر شام کو باسم کے ساتھ ڈنر کرو۔" اُنکی سخت ہدایت پر میزاب تیزی سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ مزید یہاں بیٹھ کر اِس شخص کے سامنے خود کو ذلیل نہیں کرواسکتی تھی۔ اُسکے قدم اور دِل ابھی تک ہاشم بزنجو کی بات پر بے جان تھے۔

"لگتا ہے زبردستی بھیجا ہے تمہیں۔" باسم نے مُسکراہٹ دبا کر اُسے دیکھا جو خاموشی سے چہرہ پھیرے بیٹھی تھی۔

"اِیسا نہیں ہے۔ گھر میں سب ٹھیک ہیں؟" وہ اِس سے یہاں بحث نہیں کرنی چاہتی تھی کیونکہ اُسکی آنکھوں کے عین سامنے والی ٹیبل پر عباس بیٹھا تھا جِس کی نظریں یہیں تھیں۔

"سب ٹھیک ہیں! امی تو تمہاری اِیسی فین ہوئی ہیں کہ جلدی شادی چاہتی ہیں۔" باسم کی بات پر میزاب نے چونک کر اُسکو دیکھا۔

"لیکن مُجھے وقت چاہیئے کیونکہ میں تمہیں جاننا چاہتا ہوں۔" اُس راز کی مانند خوبصورت عورت کو وہ سمجھنا چاہتا تھا۔ یہ پہلی بار تھا کہ باسم ربانی کو کسی عورت نے یوں متوجہ کیا تھا ورنہ تو سب وقت گزاری ہوا کرتی تھی اُس کے لیئے۔

"کیا جاننا ہے میرے بارے میں؟" وہ یہاں سے جلد از جلد اُٹھنا چاہتی تھی۔

"تمہارے بارے میں ہر ایک بات۔" ٹیک چھوڑ کر وہ آگے ہوا تو میزاب نے ٹیبل پر رکھے ہاتھ نامحسوس انداز میں پیچھے کرنے چاہے مگر باسم کی نظروں نے بھانپ لیا۔ مُسکرا کر ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے اُسکا ہاتھ پکڑ لیا۔ میزاب نے کرنٹ کھا کر اُسے دیکھ کر اپنا ہاتھ چھُڑانا چاہا مگر باسم کا اُسکا ہاتھ چھوڑنے کا کوئی اِرادہ نہیں تھا۔ عباس کی نگاہوں نے اُس منظر کو بامُشکل دیکھا اور ایک جھٹکے سے کرسی دھکیل کر تیز قدموں سے عین باسم کے سَر پر کھڑا ہوا گیا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" اُن سرد نظروں پر اُس نے بے ساختہ مزاحمت کرتا ہاتھ تیزی سے چھوڑ دیا۔

"آپ کو حد بتانے آیا ہوں۔ دوبارہ اِیسی حرکت کی تو لحاظ نہیں کروں گا۔" جُھک کر باسم کی حیرت زدہ آنکھوں میں دیکھ کر ایک ایک لفظ چبا کر کہا گیا جبکہ میزاب جو خود اُسکی طبیعت صاف کرنے کا اِرادہ رکھتی تھی، بے یقینی سے عباس کو دیکھنے لگی۔

"تم۔۔۔ تمہاری اِتنی ہمت۔۔۔" باسم نے تلملا کر کھڑا ہونا چاہا مگر عباس نے جُھک کر اُسکے شانے پر ہاتھ کا دباؤ بڑھاتے ہوئے اُسکو دوبارہ بیٹھنے پر مجبور کر دیا۔

"اپنے ہاتھ اپنے تک رکھیں۔" لب بھینچ کر بہت سختی سے تنبیہہ کی گئی۔ میزاب اُسکو ناسمجھی سے دیکھ رہی تھی۔ وہ دُشمن تھا نا، بدلہ لینے آیا تھا تو پھر کیوں؟؟؟ اُسکی یہ مہربانی اور تحفظ ڈھونگ تھا تو واللہ اِس شخص سے بہتر اداکار روئے زمین پر کوئی نہیں تھا لیکن کیا یہ سب ڈھونگ تھا؟

"عباس!" میزاب کی مدھم پُکار پر عباس نے چہرہ پھیر کر اُسے دیکھا اور اُسکی ضبط سے سُرخ پڑتی آنکھوں نے میزاب کو ساکن کر دیا۔

اُس نے **'عباس'** پُکار کر اُسے اُسکی حد یاد دِلائی تھی گویا۔ عباس اپنا ہاتھ ہٹا کر پیچھے ہوا۔

✓اِس نئے لہجے سے دِل ڈوبنے لگتا ہے میرا

تم پُکارو مُجھے، آواز پُرانی دے کر۔۔۔

"یہ کون ہوتا ہے مُجھے بتانے والا۔ اِسکی اِتنی جُرات۔" اُسکو پیچھے ہوتے دیکھ کر باسم کی زُبان کھلی۔

"تمیز سے باسم!" میزاب نے دبی آواز میں کہا۔

"تمیز سے تم اپنے اِس باڈی گارڈ کو رکھو جو ہمارے ذاتی معاملے میں گُھس رہا ہے۔ یہ ہوتا کون ہے یا پھر تم نے اِسے اِتنی شے دے رکھی ہے۔" وہ تو گویا ہتھے سے ہی اُکھڑ رہا تھا۔ عباس اِس سے قبل پھر آگے آتا میزاب نے اپنا بیگ اُٹھایا۔

"تمہارا دماغ خراب ہو چُکا ہے۔ جب عقل ٹھکانے پر آجائے تب بات کریں گے۔" باسم کی آنکھوں بے یقینی اُبھری۔

"تم اگر یہاں سے اُٹھ کر گئی تو میں۔۔۔"

"کیا تم ہاں! تمہاری اِتنی ہمت کہ تم میرا ہاتھ پکڑو۔ میں تمہیں ایک ہفتے سے تمیز کے دائرے میں رہنے کا کہہ رہی ہوں مگر تمہیں سمجھ نہیں آرہی۔" وہ مزید سخت الفاظ کہہ کر معاملہ خراب نہیں کر سکتی تھی۔ اُسے ہاشم بزنجو کا معلوم تھا مگر باسم کا تو دماغ گُھوم گیا۔

"تم۔۔۔ اِس دو ٹکے کے گارڈ کے لیئے مُجھے آنکھیں دِکھا۔۔۔" اُسکا غُراتا لہجہ پورا نہیں ہو سکا۔ میزاب نے ٹیبل پر پڑا پانی کا گلاس اُٹھا کر سارا پانی اُسکے چہرے پر پھینک دیا۔ وہ بوکھلا کر پیچھے ہوا۔ کئی لوگوں نے چہرہ پھیر کر وہاں دیکھا مگر میزاب کو کوئی پرواہ نہیں تھی۔

"میرے خیال سے اَب تم ہوش میں آچکے ہوگے۔ آئیندہ زُبان سنبھال کر بات کرنا مُجھ سے۔" اُسکا لہجہ اُونچا نہ سہی، لہو سَرد کر دینے والا تھا۔ ششدر رہ جاتے عباس کے تنے اعصاب ڈھیلے ہوئے اور اُسکے چہرے کو بے ساختہ مُسکراہٹ چھُو گئی۔ وہ میزابِ رحمت تھی، سب کچھ سنبھال سکتی تھی۔

"تمہیں عزت راس نہیں آتی ہے۔ تمہیں تو وہاں ماروں گا جہاں پانی بھی نہیں ملے گا اور سسک۔۔۔۔" قبل اِسکے وہ جملہ مکمل کرتا، عباس نے ضبط کھوتے ہوئے اُسکو گریبان سے پکڑ کر ایک جھٹکے سے کھڑا کیا۔

"کیا بکواس کی تُو نے؟" اُسکا گریبان پکڑ کر جھٹکتے ہوئے عباس نے اُسکا سارا غصّہ ہرن کر دیا۔ میزاب نے بے یقینی سے اپنا ہاتھ ہونٹوں پر رکھ لیا۔

"دوبارہ تُو مجھے اِن کے آس پاس بھی نظر آیا تو تیری زندگی کے دِن کم کر دوں گا میں۔" آتش فشاں لہجے والا شخص کبھی بھی پھٹ سکتا تھا۔

"عبا۔۔۔عباس! چھوڑو اِسے۔" میزاب تیزی سے اُس تک آئی۔ عباس نے چہرہ پھیر کر اُن خوفزدہ سُرمائی آنکھوں میں دیکھا۔

"اِس کی اِتنی ہمت کہ آپکے بارے میں بکواس کرے۔" وہ جب بولا تو لہجہ آگ اُگلتا ہوا تھا۔ میزاب کا دِل اُس لہجے، اُن آنکھوں کو دیکھ کر دَھک سے رہ گیا۔

"چھوڑو میرا گریبان!" باسم نے طیش سے اپنا گریبان چُھڑوانا چاہا مگر عباس کی گرفت مضبوط تھی۔

"جان نِثار؟" قبل اُسکا ہاتھ اُٹھتا، میزاب نے آگے بڑھ کر اُسکا ہاتھ اُٹھنے سے روک دیا۔ اُسے جان نِثار پُکارا گیا تھا۔ اُسی نرم اور مہربان لہجے میں جِس پر اُس نے اپنا سب کچھ ہار دیا تھا۔ باسم کو ایک جھٹکے پیچھے دھکیل کر اُس نے گہرا سانس لیا اور جیسے ہی پلٹا اپنے عقب موجود جواد کو دیکھ کر ٹھہر گیا۔ دوسری ٹیبل پر بیٹھا وہ اُسے ہی تاسف سے دیکھ رہا تھا۔ عباس نے نگاہیں چُرا لیں۔ وہ اپنے دِل کی بے ایمانی اور دغابازی کو کب کا قبول کر چُکا تھا مگر میزابِ رحمت کو خبر نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔

✓ اُلفت دلِ خراب کو ہے تیرے بام سے

ورنہ تو ایک عرصہ ہوا بیڑیاں کھلے

تُجھ کو رہے ہمیشہ مُحبت سے حُسنِ زَن

تُجھ پر کبھی نہ میرا حسابِ زیاں کُھلے۔۔۔

"تم نے باسم سے بد تمیزی کی؟" کاشف بزنجو تو ہتھے سے اُکھڑ گئے تھے۔ پہلے ہی میزاب کی وجہ سے اُنکو کم خسارے اور ذلت نہیں سہنی پڑی تھی جو باسم اور کامران ربانی کی بھی باتیں سُنتے۔

"اُس نے پہل کی تھی۔" ہاشم بزنجو کی سنجید گی دیکھ کر اُس نے آہستگی سے کہا۔

"تو تم زبان کو لگام دیئے رکھتی۔" اُنکو اندر کی بھڑاس نکالنے کا موقع اَب مِلا تھا۔

"اُس نے مُجھ سے بد تمیزی کی۔ میرا ہاتھ نہیں چھوڑ رہا تھا اور شُکر کریں عباس نے مُجھے روک دیا ورنہ میں اُسکا مُنہ توڑ دیتی۔" میزاب کی اگلی بات پر ہاشم بزنجو کے ساتھ کھڑے عباس نے چونک کر چہرہ اُٹھایا۔

"باسم تو کہہ رہا تھا۔۔۔" مُدثر نے آگے آ کر کچھ کہنا چاہا۔

"بکواس کر رہا تھا وہ۔ اِتنے سارے لوگوں میں اُس نے مُجھ سے بد تمیزی کی، مُجھ پر چیخا اور میں خاموش رہتی اِتنی تمیز میرے اندر نہیں ہے، داداجان۔" اَب کے مُدثر کی بات کو تیزی سے قطع کر کے اُس نے براہِ راست ہاشم بزنجو کو مُخاطب کیا جبکہ عباس جان نِثار تحیر سے اُسے دیکھے گیا۔ میزاب سُنہری آنکھوں کو ماند کر دیتی حیرت کو محسوس کر چُکی تھی مگر اُن سب جان لیتی نظروں میں نہیں دیکھ سکتی تھی۔

"وہ اُسے بچانے کے لیئے اِیسے کہہ رہی تھی؟"عباس کے دَھڑکتے دِل میں سوال سَر اُٹھانے لگے۔

"میں جانتی ہوں اُس سے آپکی بزنس ڈیل ہے۔ میں اُس سے کرلوں گی شادی لیکن اُسے پہلے تمیز سیکھنی ہوگی۔" میزاب کا سَرد لہجے کئی لوگوں کو باور کروانے کو کافی تھا۔ رفعت شیر از نے سُکھ کا سانس لیا کہ شُکر ہے اُنکا بیٹا اِس منحوس، خوبصورت چڑیل کے شر سے محفوظ رہے گا۔ عباس نے بے ساختہ نظریں پھیر لیں۔ اُس عورت کو عرش کی بلندیوں سے زمین پر پٹخ کر پھینک دینے میں لمحہ نہیں لگتا تھا۔

"تم بھی تھوڑی سے خود کے اندر باسم کو لے کر گُنجائش لاؤ۔" ہاشم بزنجو کے لہجے کی سخت تنبیہہ چُھپی نہیں رہ سکی۔ میزاب نے چہرہ جُھکا کر اثبات میں سَر ہلایا۔

"مُجھے آفس میں ضروری کام ہے۔" کہہ کر وہ تیز قدموں سے پلٹ کر چلی گئی جبکہ پیچھے عباس نے بے اِختیار چہرہ پھیر کر اُسے جاتے دیکھا۔ وہ عورت جو اُسے اِختیار سے باہر کر رہی تھی۔ جو اُسے ضبط کھو کر سب تلپٹ کرنے پر مجبور کر رہی تھی مگر اُسے ضبط اور صبر سے کام لینا تھا کم اَز کم تب تک جب تک وہ دُشمنوں کی بُنیادیں نہیں ہلا دیتا۔ اُسکے بعد جانتا تھا کہ میزاب اُسکے چہرے پر تُھوکنا بھی پسند نہیں کرے گی۔

✓ ہم نے پڑھی ہیں صاف صاف، ہم نے سُنی ہیں غور سے

نظریں کہ جو اُٹھی نہیں، باتیں کہ جو کوئیں نہیں۔۔۔

چلتے ٹی۔وی پر لگے فٹبال کے میچ کو دیکھنے کے باوجود اُسکا دھیان کہیں اور تھا تبھی جواد اُس جانب آیا۔

"شکل سے لگ رہا ہے تم کبھی بھی پھٹ سکتے ہو۔" جواد کے سہی تبصرے پر عباس نے بے تاثر نظروں سے اُسے دیکھا۔

"میں صبر کر کے خاموش بیٹھا ہوں تو مت چھیڑو۔" اُسکا انداز صُلح صفائی والا تھا۔

"تمہارا کل والا رُوپ میں نے نہ دیکھ رکھا ہوتا تو اِس بات پر ایمان لے آتا کہ تم صابر ہو۔" جواد کے طنزیہ لہجے پر اُس نے چہرہ پھیر کر جواد کو دیکھا۔ وہ ابھی ابھی گھر آیا تھا اور جواد کی طنزیہ نظروں نے اُسے پہلو بدلنے پر مجبور کر دیا۔ میزاب کے طے شُدہ رشتے کی اُسکو ساری معلومات تھی اِسی لیئے طنز کرنے سے باز نہیں رہا۔ عباس اُسکے اُکساتے سوالات کے جواب نہیں دے سکتا تھا تبھی اُسکو سختی سے گھورا۔

"تم مُحبت کو ہاتھ سے جاتے دیکھ رہے ہو؟ یہ میرے لیئے اِنہونی ہے۔" جواد نے اُن سخت نظروں کے باوجود بے نیازی سے شانے اچکائے۔ اُسکی حیرانگی جائز تھی۔ جب کہ لفظ **'مُحبت'** پر عباس کا پورا وجود خالی ہونے لگا۔ عباس جیسے اُس دِن سب کی موجودگی میں میزابِ رحمت کے لیئے ہتھے سے اُکھڑا تھا وہ کسی کو بھی اُسکے جذبات کے بارے میں آگاہ کر سکتی تھی۔ وہ مُحبت میں بے اِختیار ہو چُکا تھا لیکن میزابِ رحمت اِتنی کیوں غافل اور اَنجان تھی؟ جو کچھ دِن پہلے اُسکے تمام عُمر انجان رہنے کی چاہت رکھے بیٹھے تھا، ابھی سے جُھنجُھلانے لگا۔

✓ بے خبر کو بھی تو اِک روز خبر ہو گی

کہ تتلیوں کو کیوں اچھے گلاب لگتے ہیں۔۔۔

"میں صرف اُن کی پسند اور مرضی کی وجہ سے خاموش ہوں مگر جِس دِن مُجھے اُنکے جذبوں کی ذرا سی بھنک بھی پڑ گئی نہ جواد اَرمغان اُس دِن میزابِ رحمت تک پُہنچنے کے لیئے راستے میں آئی ہر دیوار ِگرا دوں گا۔ کوئی مُجھے روک نہیں

سکے گا۔" یک دم بھڑک کر جس طرح وہ ضبط کھو کر غرایا، جواد چونک کر اُسے دیکھنے لگا۔ اُسکے آہنی لہجے میں سارے زمانے کی جُرات مندی اور عَظم تھا جِس نے جواد کو بھونچکا کر دیا۔ اُسکا ایک ایک لفظ چیخ چیخ کر یہ اعلان کر گیا تھا کہ میزاب رحمت اُسکے لیئے کیا معنی رکھتی ہے۔ وہ اپنے جذبوں میں کتنا آگے بڑھ چُکا تھا اِس بات کا اِدراک جواد کو ابھی، اِسی لمحے میں ہوا۔

"تمہارا حقیقتاً دماغ خراب ہو چُکا ہے۔" جواد نے کوئی سینسر نہیں رکھا اور دوبارہ وہی طعنہ دیا۔

"میں پہلے ہی شدید غصّے میں ہوں۔ مجُھے مزید مت اُکسا۔" اُسکے لہجے کی بے زاری اُسکو سارے زمانے سے خفا ثابت کر رہی تھی۔ جواد ترحم سے اُسے دیکھ کر اُسکے برابر آ کر بیٹھا۔

"کِس مُشکل جگہ دِل لگا لیا ہے، عباس۔" اُسکے لہجے کے تفکر اور خدشات پر عباس کے گلے کی گلٹی معدوم ہوئی۔

"لگایا ہوتا تو اِتنی مُشکل نہ ہوتی۔" اُسکی بے بسی اُداس کر دینے والی تھی۔

"تم جانتے ہو نہ ہر شخص مُحبت میں محبوب تک رسائی چاہتا ہے۔ تمہارے اِیسا چاہنے سے کچھ نہیں ہونے والا۔ تمہارا اور اُسکا خاندان تمہیں قتل کر دیں گے۔" جواد نے اُسے آنے والے وقت سے ڈرانا چاہا مگر جانتا تھا وہ بے خوف ہو چُکا ہے۔

"میں بس اُنھیں خُوش، مطمئن اور ہنستے مُسکراتے دیکھنا چاہتا ہوں۔" جواد کو بتایا گیا کہ رسائی اُسکا مسئلہ ہے نہ چاہت۔ وہ تو اِتنے پر ہی راضی ہو سکتا تھا۔

"ابھی تم یہ کہہ رہے ہو مگر جب تم اُنہیں کسی اور کے ساتھ دیکھو گے تو تم ضبط کھو دو گے۔ تم جیسا شخص اپنی مُحبت سے دَستبردار ہو کر نہیں جی سکے گا۔" جواد اُسکا جگری دوست تھا۔ اُسکی رگ رگ سے واقف۔

"مُجھے بس اِنتقام مکمل کرنا ہے ویسے بھی جی کر میں کیا کروں گا۔" جواد کو دیکھتے ہوئے وہ تسلی دیتے انداز میں مُسکرایا مگر جواد نہیں مُسکرا سکا۔

"تم جانتے ہو نہ کہ اینٹی نارکوٹیکس والے کورٹ میں بتانے والے ہیں کہ وہ تم ہو جس نے اسلحے اور ڈرگز کی اسمگلنگ کا مال اُنکو دیا ہے تو بزنجو خاندان کو سب معلوم ہو جائے گا۔" جواد اُسے خبردار کرنا چاہتا تھا حالانکہ جانتا تھا کہ جب عباس نے خود جا کر سب کیا ہے تو اُسکے نام کو مزید چُھپایا نہیں جا سکتا تھا۔ اینٹی نارکوٹکس نے وہ کروڑوں کا اسلحہ اور ڈرگز ضبط کر لی مگر کاشف بزنجو صرف ایک ویئر ہاؤس کے نقصان سے ابھی تک آگاہ ہوا تھا۔

"اُنکے پاؤں کے نیچے سے زمین کھینچنے کا وقت آ گیا ہے، جواد۔ یہ آنکھ مچولی کا کھیل اَب میں ختم کرنا چاہتا ہوں۔" گہرا سانس لے کر اُس نے کہتے ہوئے اپنے دِل اور اعصاب پر منوں بوجھ گرتا محسوس کیا۔ جانتا تھا کہ اِس دھماکے کے بعد وہ میزابِ رحمت کو نہیں دیکھ سکے گا۔ قبل اِسکے اُسکی بے اِختیاری سب خاک میں مِلا دیتی اُسے یہ کرنا ہی تھا۔

✓جو مُجھ میں، تُجھ میں چلا آ رہا ہے برسوں سے

کہیں حیات اِسی فاصلے کا نام تو نہیں۔۔۔

(وسیم بریلوی)

ہر دُشمنی اور نفرت کے پیچھے ایک وجہ ہوتی ہے۔ دُنیا میں اِیسا کوئی جذبہ نہیں جِس کے پیچھے اسباب کارفرما ہو پھر چاہے وہ نفرت کا جذبہ ہو یا مُحبت کا۔ بزنجو اور سَنجرانی خاندان کی کئی سالوں پر مُحیط اِس دُشمنی کی بھی ایک بہت اہم اور ٹھوس وجہ ہے۔ وہ وجہ کیا ہے اِسکو جاننے کے لیئے ہمیں ماضی کو کھنگالنے کی ضرورت ہے اور ہم ایک طرف کی

کہانی جان کر ہی رائے کام نہیں کریں گے۔ یہ مُہلک ہوتا ہے۔ کہانی ہو یا جذبے دو طرفہ ہوں تبھی آگے بڑھتے ہیں ورنہ وقت کی دُھول اُنھیں کسی سُنسان جگہ لے جا کر پٹختی ہے۔

بلوچستان کے ضلع چاغی میں آباد دو رئیس خاندان: سَنجرانی اور بزنجو۔ بظاہر کوئی لڑائی جھگڑا نہیں تھا۔ دونوں خاندانوں کے اپنے قبائل، اپنے جرگے، اپنی زمین اور اپنے مسئلے تھے مگر پھر ایک دِن اُس خاندان کے راستے اور ستارے مِلنے لگے۔ سَنجرانی خاندان کے کئی ایکڑوں پر پھیلے باغ میں گھومتی ہوئی ایک عورت پر بزنجو خاندان کے دو مَردوں نے دِل ہار دیئے۔ تعجب کی بات یہ تھی کہ دونوں سگے بھائی تھے۔ بات آگے بڑھتے بڑھتے بڑوں کے کانوں میں اور پھر دونوں قبائل کے مشترکہ جرگوں تک پُہنچی اور پھر دونوں میں سے ایک مَرد کو سَنجرانی خاندان نے قبول کر کے اپنی دامادی میں لینے کا فیصلہ کیا اور یوں سَنجرانی خاندان کی سب سے چھوٹی اور لاڈلی بیٹی فوزیہ رحمان سنجرانی کا نکاح اَصفہان سَنجرانی سے ہو گیا۔ رخصتی چند ماہ بعد رکھنا طے پایا۔ سب کچھ بظاہر ٹھیک جا رہا تھا لیکن کسی کو خبر نہیں تھی کہ اُس نکاح کے ہنگامے میں ایک اور مُحبت پروان چڑھ چُکی ہے۔ ہاشم بزنجو کی اکلوتی بیٹی رفعت بزنجو کو مُحتسب سَنجرانی سے مُحبت ہو گئی۔ فوزیہ پر اَصفہان کی شادی کی تاریخ رکھنے کی دعوت پر یہ راز کُھلا کہ مُحتسب سَنجرانی کا نِکاح اُنکی پسند پر اُنکی کلاس فیلو ماہ نور سے چار ماہ پہلے ہی سادگی سے کر دیا گیا تھا اور جلد شادی متوقع تھی۔ خیر! بزنجو خاندان کا پہلے ہی بَھرم رہ گیا۔ پسند والی بات صرف رفعت بزنجو نے اپنے بھائی کاشف اور باپ ہاشم بزنجو کو بتائی تھی۔ کاشف بزنجو پہلے ہی اپنی پسند سے دَست بردار ہونے کے باوجود بہت منفی سوچ کا حامِل ہو گیا تھا۔ چاہے اُس نے فوزیہ رحمان سے اَصفہان بزنجو جیسی مُحبت نہیں کی مگر پہلے اُس نے دیکھا اور رشتہ بھجوانے کا کہا تھا تو پھر قرعہ فال اَصفہان کے نام کیوں نِکلا؟ سَنجرانی اور بزنجو خاندان کا پہلا جھگڑا، پہلی انا کی جنگ مُحبت کے وسیلے سے شروع ہوئی تھی۔ یہی آغاز تھا مگر مُحبت میں اچانک سے بات زَر کی آ گئی۔

کاشف بزنجو جو زمین خریدنا چاہتے تھے اُسکا سودا پہلے ہی مُحتسب سنجرانی سے ہو چُکا تھا۔ بہن کی خلش، اُسکی کسی سے بھی شادی نہ کرنے کا غم اور اُوپر سے یہ بات کہ فوزیہ رحمان کا جُھکاؤ اَصفہان کی جانب کروانے میں سب سے بڑا ہاتھ بھی مُحتسب سنجرانی کا تھا، باسی کڑی میں اُبال لے آیا۔ دبی چنگاری سُلگ اُٹھی۔ کوئی بھی پیچھے ہٹنے کو تیار نہ ہوا تو ہاشم بزنجو کے دباؤ پر فوزیہ اَصفہان کو کہلوا بھیجا کہ رُخصتی کے لیئے اپنے بھائی کو منایا جائے۔ بہن کی مُحبت سے مجبور ہو کر وہ مان کر پیچھے تو ہٹ گئے مگر پھر یہ زمین جائیداد کا سلسلہ چل نِکلا۔ جب بھی سَنجرانی خاندان کوئی زمین خریدنے لگتا کاشف بزنجو راہ کی سب سے بڑی دیوار بَن کر اُٹھ کھڑا ہوتا۔ مُحتسب سَنجرانی بہن کے لیئے ہر کڑوا گھُونٹ پیتے رہے، ہر زمین کا ٹکڑا چھوڑتے رہے مگر بات یہاں تک رہتی تو ٹھیک تھا۔ بزنجو خاندان نے رخصتی کی شرط میں فوزیہ اَصفہان کے حصّے کی زمین کے ساتھ اُنکی خاندان کی قبائلی زمینوں کی کئی ایکڑ زمین کا مُطالبہ کر لیا۔ رحمان بخش سَنجرانی نے بیٹی کو اُسکا حصّہ دے دیا مگر وہ بیٹوں کے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ جرگے پر جرگے بیٹھنے لگے۔ سَردسی جنگ کا آغاز ہو گیا۔ ہاشم بزنجو ہر بار بیٹے کی شے پر فوزیہ اَصفہان کو پریشان اور حراساں کر کے **"قصرِ سنجرانی"** پر دباؤ ڈلوا کر فوزیہ اَصفہان کو ذہنی پریشانی میں مُبتلا رکھتے۔ بات بڑھتے بڑھتے جرگے سے نکل کر کورٹ کچہری تک پُہنچ گئی کیونکہ جرگے کے فیصلے قانونی اور اخلاقی لحاظ سے سَنجرانی خاندان کے حق میں آرہے تھے۔ عدالت میں ہاشم بزنجو نے اپنا پیسہ پانی کی طرح بہایا مگر ناکام ہو کر مُنہ کی کھائی۔ ہر طرف سے لعن تان ہونی لگی کہ بزنجو قبائل کا سربراہ خاندان، خاندانی رئیس ہونے کے باوجود اپنی بہو کی زمین جائیداد پر نظریں جمائے بیٹھے ہیں۔ مُقابل کوئی اور خاندان ہوتا تو بات دَب جاتی مگر اُنکے سامنے سَنجرانی تھے۔ عدالت کے مُنصِفانہ فیصلے کو ابھی دو دِن بھی نہیں گُزرے تھے کہ فوزیہ رحمان کو رخصتی سے قبل پہلی طلاق کے کاغذات بھیج دیئے گئے۔ صُلح صفائی کی کوشش کی گئی مگر جرگے کے ہر فیصلے میں کبھی اَصفہان بزنجو نے سامنے آکر مَردوں کی طرح اپنے نکاح کا دفاع نہیں

کیا۔ سب کو یقین ہو گیا کہ اَصفہان بزنجو نے باپ اور بھائی کو چُن لیا ہے اور یوں شریعت کے عین مُطابق مَرد اور عورت دونوں کے بڑوں کی موجودگی میں طلاق دے کر رشتے داری کا طوق ایک دوسرے کے گلے سے اُتار پھینکا گیا۔

فوزیہ اَصفہان سے ایک بار پھِر فوزیہ رحمان بَن کر نِکاح کے محض تین ماہ بعد طلاق یافتہ ہو گئی۔ عدت کا معاملہ نہیں تھا مگر دِل کو لگنے والی چوٹ بہت سخت تھی۔ سَنجرانی قبائل میں پہلے ہی دُکھ کی فضا قائم تھی، آفت تو تب ٹوٹی جب طلاق کے ایک ہفتے بعد اِنتہائی دُھوم دھام سے اَصفہان اور کاشف بزنجو کی شادیوں کی تقریبات شروع ہو گئیں۔ جہاں بزنجو حویلی میں خوشی کا شور شرابہ اور چراغاں تھا وہیں قصرِ سَنجرانی میں جامد سکوت طاری ہو گیا۔

یونہی وقت پر وقت گزرتا گیا۔ رحمان بخش سَنجرانی نے اپنی بیٹی فوزیہ رحمان کو طلاق یافتہ، نحوست کی ماری سمجھنے کے بجائے اعلیٰ تعلیم دِلوانے کینیڈا بھیج کر وہیں اپنے دوست کے بیٹے وارث علی سے شادی کروادی۔ زخم بھَر چکے تھے۔ وارث علی اور فوزیہ وارث علی کا ایک بیٹا شجاعت علی اسکول جانے کی عُمر کو پُہنچ گیا۔ کہا جاتا تھا کہ اَصفہان بزنجو اپنی پسند کی بیوی ثریا اَصفہان اور ایک بیٹی کے ساتھ اچھی زندگی گزار رہا ہے۔ فوزیہ کے دِل میں اُس شخص کے لیئے کوئی کدورت، کوئی جذبہ نہیں تھا شاید اِس لیئے کہ نہ وہ طلاق کے وقت منظر پر آیا اور نہ ہی اپنی شادی کے کئی سال بعد کسی نے اُسکو آتے جاتے دیکھا۔ کہنے والے کہتے تھے کہ وہ اپنی بیوی اور بیٹی کے ساتھ شہر جا آباد ہوا تھا اور پھِر ایک دِن کاشف بزنجو نے نئی زمین کا معاملہ اُٹھا کھڑا کیا۔ اَب کوئی جواز نہیں تھا مُحتسب سَنجرانی کے پیچھے ہٹنے کا۔ باپ اور بھائیوں کے بہت کہنے کے باوجود اُنہوں نے عدالت سے نیا مُقدمہ جیت کر دوسری پارٹی کے چہرے پر ایک اور تمانچہ جڑ دیا جِسکی گونج سارے قبیلے والوں نے سُنی پھِر سے جرگا بیٹھا مگر جرگے میں کاشف بزنجو کی فوزیہ وارث علی اور ماہ نور مُحتسب کے بارے میں گھٹیا بُہتان تراشی نے سَنجرانی خاندان کے مَردوں کو ہتھے سے اُکھاڑ دیا۔ معاملہ

ہتھائی پائی پر جا پُہنچا اور کاشف بزنجو نے طیش میں آ کر جیب سے پستول نکالتے ہوئے مُحتسب سنجرانی کے سینے میں گولی اُتار دی۔ اپنے دس سالہ بیٹے، بوڑھے باپ اور بھائیوں کے سامنے مُحتسب سنجرانی کٹے شہتیر کی طرح خُون میں لَت پَت زمین پر گر گئے اور اُنکو تڑپنے کا موقع بھی نہ مِل سکا۔ پولیس کیس بنا اور پھر کاشف بزنجو کو عُمر قید ہو گئی مگر سنجرانی خاندان پر آئی قیامت میں مزید اضافہ تب ہوا جب کاشف بزنجو محض ایک سال کی قید کے بعد ذہنی حالت کی خرابی کے باعث آزاد کر دیا گیا۔ سب جانتے تھے کہ کاشف بزنجو کو کوئی ذہنی بیماری نہیں مگر کیا کر سکتے تھے۔ یہاں قدرت شاید بزنجو خاندان کے ساتھ تھی کیونکہ سب ہی جانتے ہیں کہ ایک ہی جُرم کی سزا پانے والے کو دوبارہ اُسی جُرم میں نہ پکڑا جا سکتا ہے، نہ سزا دی جا سکتی ہے۔ سنجرانی خاندان نے بھی لڑائی جھگڑے کو طول نہ دینے کے لیئے ایک بار پھر اُس غم پر صبر کرتے ہوئے ظرف کا مُظاہرہ کیا اور کاشف بزنجو کے معافی نامے پر دستخط کر دیئے۔ کہا جاتا ہے کہ جِس پر احسان کرو اُسکے شر سے بچو، یہ بالکل ٹھیک کہا جاتا ہے۔ اُس واقعے کے پانچ سال تک بزنجو خاندان شہر میں آباد رہا مگر ہاشم بزنجو بلوچستان کی سونا اُگلتی زمین سے زیادہ دُور نہیں رہ سکتے تھے۔ اپنے بیٹے کو خوب کوس کر، بے وقوف اور کم ہمت ہونے کے طعنے دے کر اُسی بیٹے اور شادی کے چند سال بعد ہی بیوہ ہونے والی بیٹی کے ساتھ ایک بار پھر چاغی میں واپس آئے۔ اَصفہان بزنجو نے اُنکے ساتھ جانے سے اِنکار کر دیا تھا۔ چاغی میں کئی دِن ٹھہرنے کے بعد جِس دِن ہاشم اور کاشف بزنجو کی واپسی ہونی تھی اُسی دِن رفعت شیراز نے بازار میں کھڑی اُس حسین اور خوبصورت عورت کو دیکھا جِسکی وجہ سے وہ مُحبت میں ناکام ہوئی تھی۔ شوہر کی موت کا تازہ غم، جَلن میں کہیں دَب کر رہ گیا۔

"گاڑی روکو، کاشف!" رفعت شیراز کی سخت آواز پر کاشف بزنجو نے چہرہ پھیر کے بیک ویو مِرر میں بہن کا سنجیدہ چہرہ دیکھ کر برابر بیٹھے ہاشم بزنجو کو دیکھا جنھوں نے خود بھی ماہ نور مُحتسب کو دیکھ لیا تھا۔ اُنکے سر اثبات میں ہلانے پر

کاشف بزنجو نے سائیڈ پر گاڑی روکی تو رفعت شیر از ایک جھٹکے سے باہر نِکل کر اُس عورت کی جانب بڑھی جو بارہ، چودہ سالہ بچے کے ساتھ پُھول خرید رہی تھی۔

"دوسروں کے خواب نوچ کر محترمہ یہاں پُھول خرید رہی ہیں۔" عقب سے آتی پھنکارتی آواز پر وہ ماں، بیٹا دونوں چونک کر پلٹے اور اُس عورت کا ماند ہوا حُسن دیکھ کر ایک پَل کو رفعت شیر از تک ٹھٹک گئیں۔ ماہ نور مُحتسب کے چہرے پر ناسمجھی تھی۔ نفرت میں پور پور ڈوبی عورت کو کہیں دیکھ بھی رکھا تھا تو یاد نہیں آ رہا تھا۔

"تم میرے حق پر ڈاکہ ڈال کر کیسے بُھول سکتی ہو مجھے۔ تمہاری وجہ سے میں بَس نہیں سکی۔ میرا بیٹا یتیم پیدا ہوا۔" اُن آنکھوں کی ناآشنائی نے تو رفعت شیر از کے تن بدن میں جیسے آگ لگادی۔ اُس نے کیسے ایک ایک دِن کانٹوں پر گُزارا تھا اور یہاں کتنی بے خبری تھی۔

"تو تم ہو وہ ذہنی بیمار عورت جِس کا بھائی میرا شوہر کھا گیا۔" ماہ نور مُحتسب کا لہجہ اِتنا سَرد تھا کہ برابر کھڑا بیٹا اپنی نرم گُسار ماں کے اِس لہجے پر چونک گیا جبکہ رفعت شیر از کا چہرہ اہانت سے سُرخ ہوا۔

"ک۔۔۔ کیا بکواس کی تم نے؟"

"تم نے مُجھ سے میری مُحبت۔۔۔" رفعت شیر از کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ماہ نور مُحتسب اپنے بیٹے کا ہاتھ تھام کر پلٹی۔ اُسے اپنے شوہر کی برسی پر اِس حسد کی ماری عورت سے کوئی بحث نہیں کرنی تھی۔ اُسکو یوں خاموشی سے پلٹتا پا کر رفعت شیر از کے پورے وجود میں اَن دیکھی آگ بھڑک اُٹھی وہی آگ جو سب کچھ جلا کر راکھ کر دیتی ہے اور پھر اُس آگ نے یہی کیا۔ رفعت شیر از نے پلٹ کر تیز رفتاری سے آتی گاڑی کو دیکھا اور پھر تیز قدموں سے آگے بڑھتے ہوئے ماہ نور مُحتسب کو پوری قوت سے سڑک کے عین بیچوں بیچ دھکا دے دیا۔

"اِیسے دُشمن کو جِس نے ہم سے سب چھینا ہو اُسکو جینے نہیں دیتے۔" اپنے باپ کے الفاظ رفعت شیراز نے جانے نہیں دیئے تھے۔ اُس بچے کے ہاتھ سے ماں کا ہاتھ چھُوٹا اور ایک تیز رفتار ٹرالر اُسکی ماں کو عین نظروں کے سامنے ٹکر مار کر اُچھالتے ہوئے دُور جا کر رُک گیا۔ پورے بازار میں شور شرابہ مچ گیا۔ وہ بچہ ششدر آنکھوں سے اپنی ماں کے وجود سے نِکل کر سڑک پر پانی کی طرح بہتے گاڑھے خُون کو دیکھ رہا تھا تبھی اُسکی پھٹّی آنکھیں اُس عورت تک اُٹھیں جو لوگوں کی توجہ اپنے سے ہٹتے پا کر اُسکی ماں کے ساکت و جامد وجود کو دیکھ کر دھیرے سے مسکرائی اور اُس بچے کے دیکھتے ہی دونوں ہاتھ اِیسے جھاڑ کر پلٹی جیسے خس کم، جہاں پاک۔ اُس نے چیخ کر لوگوں کو متوجہ کرنے کی کوشش کی مگر اُس کی آواز حلق میں ہی کہیں گھُٹ کر رہ گئی۔

پولیس اور ایمبولینس کی گاڑیاں آئیں اور اُسکی ماں کو سٹریچر پر ڈال کر لے گئیں۔ کسی پولیس والے نے اُسے اپنی گاڑی میں بھی بٹھالیا تھا مگر وہ آگے بھاگتی ایمبولینس کے بجائے پولیس کی گاڑی کی جیپ سے چہرہ ٹِکائے، پھیلی آنکھوں سے اُس سیاہ رنگ کی گاڑی کو ریورس ہو کر اپنی نگاہوں سے دُور بھاگتے دیکھتا رہا۔ ماہ نور مُحتسب کی موت نے ایک بار پھر سنجرانی خاندان میں صفِ ماتم بچھا دیا۔

ماہ نور مُحتسب کی موت کے بعد اُسکے بیٹے پر مُردوں جیسی خاموشی طاری رہی۔ اپنے والدین کے بعد وہ کسی سے بات نہیں کرتا تھا، دیکھتا نہیں تھا اپنی بہن نازنین تک سے وہ نہیں بولا۔ سب کو افسوس تھا۔ اُسکے غم کو سمجھ سکتے تھے کہ باپ کے بعد ماں کی موت بھی اُسکی آنکھوں کے عین سامنے ہوئی ہے۔ اُسکا صدمے میں جانا بنتا تھا۔ اُسکی خاموشی کا قُفل ایک دِن اِیسا ٹوٹا کہ سب حیران رہ گئے۔ جب پولیس نے اُسکی ماں کے قتل کو ڈرائیور کی غلطی قرار دے کر معاملہ رفع دفع کرنا چاہا۔

"میری امی کی موت نہیں قتل ہوا ہے۔" جب وہ بولا تو اُسکی آواز بے حد کھردری تھی۔ سب نے چونک کر اُسے اور ایک دوسرے کو دیکھا۔ سب سے پہلے رحمان بخش سنجرانی اپنی جگہ سے اُٹھ کر اُس تک آئے۔

"تم وہاں موجود تھے نہ عباس۔ تم نے کیا دیکھا؟" اُسکے سَر دہا تھ کو نرمی سے تھام کر سوال کیا گیا۔

"مما کو ہاشم بابا کی بیٹی نے دھکا دے کر مارا ہے۔" اُسکے لبوں سے نکلنے والے لفظ قیامت تھے۔ سب آنکھیں پھاڑ کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے جبکہ فوزیہ وارث علی اُسکو سینے سے لگا کر زارو قطار رونے لگیں۔ وہ باہر ہی ہوتی تھیں اپنے شوہر اور بیٹے کے ساتھ مگر ماہ نور کے جنازے کے بعد نازنین اور عباس کی حالت دیکھ کر ٹھہر گئیں کہ عباس بچپن سے اپنی ماں کے بعد اُن سے زیادہ قریب تھا۔

"دوبارہ اُس خبیث، کمینے شخص کو بابا کہا تو زُبان کھینچ لوں گا تمہاری۔" سب سے پہلے صدمے اور بے یقینی سے نکلنے والے احتساب سنجرانی تھے۔ عباس نے لرز کر اُنکی آگ اُگلتی آنکھوں میں دیکھا اور فوزیہ وارث علی کے ساتھ لگ گیا۔ اُسکے تھمے ہوئے آنسو کبھی نہیں نکلتے تھے پھر اِس ساری صورتحال کو رفع دفع کرنے کا رحمان بخش سنجرانی کو یہی طریقہ سمجھ آیا کہ نازنین اور عباس کو کینیڈا فوزیہ اور وارث علی کے ساتھ بھیج دیا جائے کیونکہ دونوں میاں، بیوی کی مُحبت نازنین اور عباس سے والدین جیسی ہی تھی اور آنے والے کئی سالوں نے بتا دیا کہ رحمان بخش سنجرانی نے سہی سوچا تھا۔ وقت کا کام ہے گُزرتے رہنا۔ وقت گُزرتا رہا۔ عباس کے وجود کا سکوت تو ٹوٹ گیا مگر اُسکی شخصیت میں ایک جمود اور عجیب سی سنجیدگی نے ڈیرہ جما لیا۔ باوجود اِسکے وہ بلا کا ذہین بچہ تھا مگر شجاع اور نازنین کے علاوہ پردیس میں کئی سال گُزارنے کے بعد بھی اُس نے کسی دوسرے سے بات کی نہ دوستی بڑھائی۔ کئی سالوں بعد جب پُروفیشن چوز کرنے کی باری آئی تو اُس نے پاکستان جانے کا فیصلہ کیا اور یوں پاکستان آکر ایلیٹ پولیس فورس کا حصّہ بن گیا جہاں وہ جواد سے مُتعارف ہوا تھا۔ ماضی یہیں پر تمام ہو جاتا ہے۔ زیادہ ماضی میں رہنے سے حال

دُھندلاہٹ کا شکار نہ ہو جائے اِس لیئے ہم واپس حال میں آ جاتے ہیں۔ اُن دو خاندانوں کا تعلق کئی سال پہلے مُحبت سے شروع ہو کر دُشمنی پر اِختتام پذیر ہوا تھا اور اَب کئی سالوں بعد شروعات نفرت سے شروع ہو کر مُحبت پر آ پُہنچی تھی تو اَنجام کیا تھا بَھلا؟

✓ ابھی کیا کہیں، ابھی کیا سُنیں

کہ سرِ فصیلِ سکوتِ جاں

کفِ روز و شَب پہ شَرر نُما

وہ جو حرف حرف چراغ تھا

اُسے کِس ہوا نے بُجھا دیا

کبھی لَب ہلیں گے تو پُوچھنا

سرِ شہرِ عہدِ وصالِ دِل

وہ جو نکہتوں کا ہجوم تھا

اُسے دَستِ موجِ فراق نے

تہہِ خاک کب سے مِلا دیا

کبھی گُل کِھلیں گے تو پوچھنا

ابھی کیا کہیں، ابھی کیا سُنیں

یونہی خواہشوں کے فشار میں

کبھی بے سَبب، کبھی بے خلل

کہاں، کون، کِس سے بچھڑ گیا

کِسے، کِس نے، کیسے بُھلا دیا

کبھی پھر مِلیں گے تو پُوچھنا

کبھی لَب ہلیں گے تو پُوچھنا

کبھی گُل کِھلیں گے تو پُوچھنا۔۔۔

(محسن نقوی)

وہ میٹنگ سے واپس آ کر مال کا راونڈ لگا رہی تھی کہ اُسکی نگاہ باسم ربانی تک گئی مگر ٹھہرے بغیر آگے بڑھ گئی۔

"میزاب!" اُسکی پُکار پر میزاب کو لوگوں کا خیال کر کے ٹھہرنا پڑا۔

"م۔۔۔میں تم سے شرمندہ ہوں اور۔۔۔" اُسکے چہرے سے ندامت صاف ظاہر تھی۔

"اور۔۔۔!" مگر اُس نے میزاب پر اثر نہیں ڈالا۔

"اور میں تم سے سوری کہنے آیا تھا۔" ایک دَم سے مُسکرا کر میزاب کی سنجیدگی کو دیکھا۔

"ٹھیک ہے، آئیندہ احتیاط کرنا۔" اُسی لہجے میں کہہ کر وہ تیزی سے پلٹی جبکہ باسم ہونق رہ گیا۔چند پل وہیں کھڑا رہا اور پھر کچھ سوچ کر تیز قدموں سے اُسکے پیچھے لپکا جو اپنے آفس میں داخل ہو رہی تھی۔لوگوں کے سامنے بات کرنے میں سُبکی کے چانسز زیادہ تھے۔اپنے پیچھے دروازہ بغیر اِجازت کے کُھلنے پر میزاب نے چونک کر پیچھے دیکھا۔

"یہ کیا طریقہ ہے؟" اِیسی کوئی بے تکلفی اُسکی کسی کے ساتھ بھی نہیں تھی کہ یوں بغیر دروازہ کھٹکھٹائے اندر داخل ہو جائے۔

"تم سے سوری تو کر چُکا ہوں۔" کندھے اَچکا کر وہ صوفے کی جانب بڑھا اور میزاب اُسے دیکھ کر رہ گئی۔ اُسکا پہلا ایمپریشن کِس قدر غلط تھا نہ۔ کیسے اُسے وہ زرق کمال سے بہتر لگا تھا اور اَب یوں محسوس ہو رہا تھا کہ دونوں ایک ہی تھالی کے بینگن ہیں۔

"سوری کا یہ مطلب ہے کہ تم تمیز سے رہو گے۔" اُسکا اِشارہ بغیر دستک دھمکنے اور یوں شیشے کے ٹیبل پر پاؤں رکھ کے بیٹھنے کی جانب تھا۔

"تمہارا سب کچھ اَب میرا ہی تو ہے۔" باسم کے انداز میں طمانیت کے ساتھ شرارت تھی۔ شروع کے دِنوں کے بعد کیسے اُس نے گرگٹ کی طرح رنگ بدلا تھا۔ میزاب نے بغور اُسکے انداز دیکھے۔

"اِس خُوش فہمی میں زیادہ دِن رہنا صحت کے لیئے نقصان دہ ہو سکتا ہے۔" بڑے ہی تحمل سے اُسے حد بتائی جبکہ باسم کی مُسکراہٹ سمٹی۔ تیزی سے اُٹھ کر وہ میزاب تک آیا جو ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہوئی بلکہ سنجیدگی سے اُسکو دیکھتی رہی جسکے چہرے پر سخت تاثرات تھے۔

"تم جانتی ہو نہ ربانی الیکٹرانکس اور بزنجو اِنڈسٹریز کے درمیان کی ڈیل تو اِتنی اُونچی ہواؤں میں مت اُڑو۔" اُسکا لہجہ بہت کچھ باور کرواتا ہوا تھا۔ وہ دونوں اِس سے غافل تھے کہ دروازہ کھول کر اندر آتی ثریا اَصفہان ٹھٹک کر وہیں ٹھہر گئی تھیں۔

"تمہیں بھی نہیں بھولنا چاہیئے کہ میں اُس ڈیل کی نہیں اپنے دادا جان کی وجہ سے راضی ہوئی ہوں مگر غلط فیصلے پر ڈٹ جانا میری سرشت میں شامل نہیں ہے، باسم۔" اُس نے اِتنی نرمی سے بات واضح کی کہ باسم اپنے کول کمپوزر کے باوجود دانت کچکچانے پر مجبور ہو گیا۔ عموماً وہ لوگوں کے سامنے اپنا اچھا تاثر رکھتا تھا مگر فلحال یہاں کوئی نہیں تھا۔

"تم جانتی ہو کہ تم جیسی عورت گھر نہیں بَسا سکتی۔" باسم نے آگے بڑھ کر عین اُن سُرمائی آنکھوں میں دیکھ کر تمسخرانہ کہا۔

"واقعی مُجھ جیسی عورت گھر نہیں بَسا سکتی مگر اُس مَرد کا جو ہماری صلاحیتوں اور محنت کو پاؤں تلے روندنے کی کوشش کرے گا۔" باسم کے سُرخ ہوتے چہرے کو دیکھ کر میزاب کا جواب تپاتا ہوا مگر ٹھنڈا تھا۔ پیچھے کھڑی ثریا اَصفہان کے چہرے پر مُسکراہٹ دوڑ گئی۔

"تم جانتی نہیں ہو کہ تمہارے پیارے دادا نے تمہارے پَر کاٹنے کے لیئے ہی مُجھے دامادی میں لینے کا فیصلہ لیا ہے۔" اگلی بات اِیسی تھی کہ میزاب جہاں ٹھٹکی وہیں ثریا اَصفہان نے چونک کر مُٹھیاں بھینچ لیں۔

"باسم اِنسان بَن کر بھی تو اچھے سے رہا جا سکتا ہے نہ تو پھر تمہیں نہیں لگتا ہے جیسے تم سب کے سامنے بنتے ہو تمہیں وہی بننا چاہئیے۔" اُسکی بے پَر کی نظر انداز کر کے میزاب نے نہایت خلوص سے نصیحت کی جو کہ کم اَز کم باسم کو کچھ خاص پسند نہیں آئی۔

"اِتنا اچھا تو میں تم سے شادی کرنے کے لیئے بنا تھا۔ اپنا کام پورا، بھاڑ میں جائے نورا۔" خود ہی کہہ کر وہ قہقہ لگا کر ہنس پڑا۔

"لیکن میں نے ایک بات نوٹ کی ہے کہ اگر میں شریف بننے کا ڈھونگ نہ بھی رچاتا تب بھی ہاشم بزنجو میرے سے تمہاری شادی کروا دیتے۔" اُسکا انداز مزاق اُڑاتا ہوا تھا۔ میزاب چند پل اُسکو دیکھتی رہی۔

"تم تو اچھے خاصے بیمار اِنسان ہو۔" میزاب کی آنکھیں اَب کے مُسکرائیں اور وہ مُسکراہٹ باسم کو تپانے کے لیئے کافی تھی۔

"تم۔۔۔" تلملا کر اُس نے ہاتھ بلند کیا مگر اِس سے پہلے کے میزاب کے چہرے سے ٹکراتا، میزاب نے تیزی سے راستے میں ہی روک دیا۔

"تمہاری اِتنی ہمت کہ میری بیٹی پر ہاتھ اُٹھاؤ۔" میزاب جو اُسکا ہاتھ جھٹکنے والی تھی اپنی ماں کی غُراتی آواز پر ششدر نظروں سے چہرے پھیر کر اُنکو دیکھنے لگی جو چیل کی طرح باسم پر جھپٹیں اور رکھ کر ایک تمانچہ اُسکے مُنہ پر لگایا۔

"شکل گُم کرو تم یہاں سے۔" پھنکار کر باسم کو دروازے کی جانب اُنہوں نے یوں دھکیلا کہ میزاب تک ششدر رہ گئی۔ اُنہوں نے اُس سے اِیسی مُحبت کے مُظاہرے کب کیئے تھے۔ باسم تو بے یقینی سے چہرے پر ہاتھ رکھے، سُرخ آنکھوں کے ساتھ آفس سے باہر نِکل گیا مگر میزاب یونہی آنکھیں پھیلائے اپنی ماں کو اِیسے دیکھ رہی تھی جیسے پہلی بار دیکھا۔

"امی!" اُن کو طیش اور اِضطراب سے اِدھر اُدھر مارچ کرتے دیکھ کر میزاب نے جب پُکارا تو اُسے خود تک اپنی پُکار اجنبی لگی۔ ثریا اَصفہان نے ٹھہر کر اُسے دیکھا۔

"میں تو تمہیں بہت عقل مند اور زمانہ شناس سمجھتی تھی۔ تمہیں تو بے وقوف بنانا بہت آسان ہے، زیبی!" قدم قدم چلتی وہ اُسکے قریب آکر اِتنے تفکر سے کہہ رہی تھیں کہ جملے سخت ہونے کے باوجود میزاب کو حیران کر رہے تھے۔

"تو آپ بھی مُجھے بے وقوف بنانے آئی ہیں؟" سر جھٹک کر اُس نے سپاٹ سا سوال کیا جبکہ ثریا اَصفہان نے گہرا سانس لیا۔ جیسا رشتہ اُنکا میزاب کے ساتھ تھا اِیسے میں اِس طرح کے سوال کوئی عجیب نہیں تھے۔

"اگر بنانے آئی ہوتی تو اُس کمینے اور بے شرم کو باہر نہ نکالتی۔" اُنکی سنجیدگی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ چند ہفتوں پہلے کیسے وہ اپنے گھر میں باسم پر صدقے واری جا رہی تھیں اور اَب۔۔۔

"مُجھے لگا تھا تم سب سمجھ اور پرَکھ لو گی مگر تم تو مُحبت کے دو بول کی مار ہو میزاب۔ تم اور تمہارا باپ کیوں ہمیشہ مُحبت کے نام پر فریب کھا جاتے ہو؟ کیوں تم لوگوں کو زمانے سے اِتنی اچھائی کی اُمید ہے؟" اُنکے اُداس لہجے کے سوال گلوگیر تھے۔ اُنکی آنکھوں میں آ جمع ہوتی نمی نے میزاب کو ساکن کر دیا۔

"کب تک فریب میں مُبتلا رہو گی تم بھی اپنے باپ کی طرح؟" آگے بڑھ کر اُسکا ہاتھ نرمی سے تھام کر بڑا ہی بے بس سوال کیا گیا۔ اُس لہجے کی بے ریائی اور تفکر کو میزاب نے آج سے پہلے کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔

"آپ۔۔۔ کیا باتیں کر رہی ہیں؟" وہ اُنکے نرم ہاتھ کو جھٹک نہیں سکی۔

"اچھائی کا بدلہ ہمیشہ اچھا نہیں مِلتا، زیبی۔ تمہیں لوگوں پر یقین کرنے سے پہلے اُنکو آزمانا چاہیئے ورنہ ویسا ہی دھوکہ کھاتی رہو گی جیسے اپنے باڈی گارڈ جان نِثار کے ہاتھوں کھایا ہے۔" اُنکی اگلی بات قدموں کے نیچے سے زمین کھینچ لینے کے مترادف تھی۔

"مُجھے سب معلوم ہے۔" اُنکی تائید سرگوشی سے زیادہ نہیں تھی۔ میزاب کی آنکھیں لرز کر اپنے حُجم سے پھیل گئیں۔

✓ اَب کے مُمانعت بھی اِجازت لگی مُجھے

دیوار تھی کہ جِس کو دَریچہ سمجھ لیا

میں ہی سمجھ سکا نہ اُس آئینہ رو کا بھید

ورنہ اُسے تو جِس کسی نے بھی دیکھا، سمجھ لیا۔۔۔

(ظفر اقبال)

"میں بہت کچھ جانتی ہوں، زیبی!" اُسکا سَر دھوتا ہاتھ نرمی سے تھپک کر چھوڑ دیا۔

"میرے گھر چلو۔ میں تمہیں کچھ دِکھانا اور بتانا چاہتی ہوں۔" ثریا اَصفہان کی اگلی پیش کش حیران کر دینے والی تھی۔ میزاب نے نظر پلٹ کر اپنے ضروری کاموں کو دیکھا اور پھِر۔۔۔ فیصلہ ہو گیا۔ اُنکے عباس کو لے کر کیا گیا انکشاف ٹُکا نہیں ہو سکتا تھا۔

"چلیں!" اُسکے سنجیدہ لہجے پر ثریا اَصفہان طمانیت سے مُسکرادیں۔ وہ آخر اُنکی ہی بیٹی تھی۔

میزابِ رحمت کے زندگی میں ایک اور دِن انکشافات کا دِن تھا۔ وہ حیرت سے ہاتھ میں تھام رکھی دستاویزات اور تصاویر کو دیکھ رہی تھی۔ جو اپنی ماں سے سُنا تھا اُس پر یقین کرنا مُشکل تو نہیں تھا کیونکہ ثبوت اور تصاویر کے ساتھ بتایا گیا تھا۔ اُسکی ماں بھی جانتی تھی کہ اُنکی بیٹی لاجک اور ثبوت کو مانتی ہے تبھی وہی پیش کیئے گئے جسے جُھٹلانا ناممکن

تھا۔ سُرمائی ششدر آنکھوں نے اُٹھ کر اپنی ماں کو دیکھا جو آنسو بَھری آنکھوں سے اُس بیٹی کو دیکھ رہی تھیں جِس پر آئے روز کوئی نہ کوئی کہرام ٹوٹ پڑتا تھا۔

"میں یہ رکھ رہی ہوں۔ آپ کے پاس یہ سب ہونا خطرناک ہے۔" سب کچھ واپس لفافے میں تیزی سے ڈال کر بیگ میں رکھتے ہوئے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم ٹھیک ہو، زیبی؟" وہ جو پلٹ کر جانے لگی تھی ماں کے سوال پر ٹھہری ضرور مگر پلٹ نہیں سکی۔

"میں جانتی ہوں تمہارے لیئے یہ بہت بڑی بات ہے۔ تم اَصفہان کو لے کر کِس قدر حساس ہو میں جانتی ہوں۔" وہ کئی سالوں بعد اُسے اپنی ماں لگیں۔

"میں ٹھیک ہوں۔" اُن سے زیادہ شاید خود کو تسلی دے کر باور کروایا گیا۔ ثریا اَصفہان آنکھوں میں ڈھیروں تفکر لیئے اُسے مضبوط قدموں سے جاتے دیکھ رہی تھیں۔ گھر کے باہر کھڑی کر رکھی گاڑی سٹارٹ کر کے اُس نے اسٹیرنگ پر گرفت مضبوط کی اور گاڑی تیزی سے بھاگنے لگی۔ اُسکا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔ جو کچھ سُنا اور دیکھا تھا، ناقابلِ بیان اور ناقابلِ یقین تھا۔ اُسکی آنکھوں کے آگے سب دُھندلانے لگا تو اُس نے سپیڈ کم کر دی تبھی اُس نے اِنڈیکیٹر دے کر گاڑی سائیڈ پر روکنی چاہی مگر پیچھے سے آتی وین پوری قوت سے ٹکرا گئی۔ سیاہ گاڑی دھکا کھا کر مین شاہراہ سے اُتر کر سائیڈ پر بنے کنکریٹ کی دیوار سے جا لگی۔ میزاب نے سنبھل کر بروقت خود کو بچا لیا مگر جھٹکا اِتنا شدید تھا کہ زخمی ہوتی پیشانی کے ساتھ اُسکا سَر سٹئیرنگ پر گِر گیا۔ نیم وَا آنکھوں سے اُس نے اپنے پرس کو ایک نظر دیکھا تبھی اُسکی نگاہ اُس وین تک گئی جو ٹریفک نہ ہونے کے باعث گاڑی سٹارٹ کر کے زَن سے بھاگ گئی۔ بیگ اُٹھا کر اُس نے جیسے ہی فائل دیکھنی چاہی، اُسکا سیل فون بجنے لگا۔ اُس پر آتی عباس کی کال جو وہ منقطع کرنے والی تھی، نہیں کر سکی۔

"اسلام علیکم! کہو!" اُس سنجیدہ آواز پر گاڑی چلاتے عباس کی آنکھوں میں تشویش اُٹھی۔

"آپ کی آواز کو کیا ہوا ہے؟ آپ ٹھیک ہیں؟" وہ اُسے نہ دیکھے بغیر بھی لہجے کی ہلکی سی تکلیف پہچان گیا تھا۔ میزاب نے سَر جھٹک کر دُھند جھٹکی۔

"کام بتائیں؟" میزاب نے اُسکا سوال، اُسکی فکر جھٹک کر نظر انداز کر دی۔

"آپ کہاں ہیں؟ مُجھے آپ کے دادا نے کہا ہے کہ آپ کو لے کر آؤں۔" اُسکی بات پر میزاب نے گہرا سانس لیا۔ وہ اِس وقت گھر نہیں جانا چاہتی تھی مگر خیر اگر یہ ایکسیڈنٹ نہ ہوتا تو وہ سب کو کیسے اپنے تاثرات سے فیس کرتی۔

"میں کچھ دیر میں خود آجاؤں گی۔ آپ دادا کو بتا دینا۔" اُسکے لہجے میں نہ چاہتے ہوئے بھی کپکپاہٹ تھی۔ قبل اِسکے عباس مزید کچھ کہتا اُس نے کال مُنقطع کر کے سیل فون سائیڈ سیٹ پر رکھ کر اپنا سر پھر سے سٹئیرنگ وہیل پر رکھ کر آنکھیں مُوند لیں۔ کچھ دیر وہ یہیں رہنا چاہتی تھی، یونہی۔ دِل میں اُٹھتے طوفان کی کسی کو خبر نہیں دے سکتی تھی۔ سَر اَب ساری باتیں نئے سِرے سے سوچ کر دُھکنے لگا تھا۔ اُسکا چہرہ چونکہ کھڑکی کی جانب تھا تبھی چہرے پر پڑتی ڈھلتی دُھوپ آنکھوں میں چُبھن کا باعث بَن رہی تھی۔ وہ یونہی غنودگی میں چلی گئی اور اُسکو معلوم بھی نہیں ہو سکا۔

گاڑی سائیڈ پر روک کے بھاگ کر نکلتے عباس نے تیزی سے سائیڈ کا دروازہ پوری قوت سے کھولا اور لمحے بَھر کے لیئے اُسکی پوری ہستی چکرا کر رہ گئی۔ سامنے آنکھیں بند کیئے، پیشانی سے ہو کر چہرہ پر بہتے خُون کے ساتھ میزابِ رحمت چہرہ سٹئیرنگ پر گرائے ہوئے تھیں وہی میزابِ رحمت جِس کو دیکھے بغیر اُسے اَب چین نہیں پڑتا تھا۔

"میز۔۔۔ باس!" وہ جو اُسکو نام سے پُکارنے لگا تھا، بے قراری سے اُسکی جانب جُھکا۔

"باس!" دُور سے آتی متفکر، کھینچتی آواز پر میزاب کا غنودگی میں ڈوبا ذہن بیدار ہونے لگا۔ اُس نے آہستگی سے آنکھیں کھولیں۔ کیا وہ خواب دیکھ رہی تھی؟ اُسکی عین آنکھوں کے سامنے جو چہرہ تھا اُس نے میزاب کو شاید اُس دُکھ سے بھی بڑا دُکھ دیا تھا جو ابھی اپنی ماں سے سُن کر آئی تھی۔

"آپ ٹھیک ہیں؟" اُن خالی سُرمائی خمار آلود آنکھوں کو دیکھ کر دِل نے کروٹ بدلی تو بے اِختیار اُس نے مُرجھائے گُلاب چہرے کو چُھونے کو ہاتھ بڑھایا مگر میزاب تیزی سے پیچھے ہوئی۔ پیچھے ہونے پر گردن کو جھٹکا لگنے کے باعث اُسکی کراہ نِکل گئی۔

"آپ ٹھیک ہیں؟" اُسکے پیچھے ہونے پر اپنے یونہی معلق رہ جاتے ہاتھ کو گاڑی کی چھت پر رکھ کر بے چینی سے سارے میں ایک طائرانہ نظر ڈالی۔ میزاب بغیر جواب دیئے گردن پہ ہاتھ رکھے باہر نکلنے لگی تو عباس نے بے ساختہ اپنا ہاتھ اُسکے سامنے پھیلایا۔

"جذاک اللہ!" وہ بغیر اُسکے ہاتھ کو دیکھے دروازے کو تھام کر باہر نِکلی تو عباس کو پیچھے ہونا پڑا۔ عباس جان نِثار غصّہ کرنے، جُھنجُھلانے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ وہ میزاب کا گُریز سمجھتا تھا۔ دُشمن کے خاندان کے ساتھ کوئی کیسے پہلے جیسا ہو سکتا ہے۔ میزاب تو پھر اُسکے ساتھ بہت احترام اور عاجزانہ روش اپنائے ہوئے تھی ورنہ کون دُشمن کو دُعا بھی دیتا ہے اور یوں معذرت بھی کرتا ہے۔ وہ عورت عباس کی دِل کی سب سے اُونچی مسند پر یونہی تو براجمان نہیں ہوئی تھی۔ سیاہ آنکھیں اضطراب سے اُسے دیکھ رہی تھیں جو بامُشکل سَر تھامے کھڑی تھی۔

"خُون صاف کر لیں۔" عباس نے جیب سے رومال نکال کر اُسکی جانب بڑھایا۔

"اِس کی ضرورت نہیں، جذاک اللہ!" ایک بار پھر اُسے اِنتہائی نرمی اور احترام سے رَد کیا گیا۔ وہ اَب اپنے حجاب کے پلو سے پیشانی تھپتھپا رہی تھی۔ عباس نے گہرا سانس لے کر رومال واپس جیب میں رکھ کر سیل فون نکالا۔

"آئیں! آپ کو گھر چھوڑ دوں۔" جواد کو میسج کر کے اُس نے میزاب کو آہستگی سے کہا۔ میزاب نے پلٹ کر اپنی گاڑی کو دیکھا جِس کا بونٹ دیوار سے لگ کر برباد ہو چُکا تھا۔ اُس میں نہ مزید بحث کرنے کی ہمت تھی، نہ کھڑے ہونے کی۔ وہ جیسے ہی پیچھے کھڑی گاڑی کی جانب بڑھی، کرنٹ کھا کر پلٹی۔

"کیا ہوا؟" عباس سے اُسکے چہرے کا مزید ماند ہوتا رنگ چُھپا نہیں رہ سکا۔

"م۔۔۔ میرا بیگ!" اُس لرزتے لہجے میں کچھ اِیسا تھا کہ عباس ٹھہر گیا۔ سنبھل کر اُس نے گاڑی میں سے براؤن لیدر کا بیگ نکال کر میزاب کی جانب بڑھایا جیسے اِس طرح چھینا گیا کہ عباس نے ٹھٹک کے اُسے دیکھا جو پلٹ کر آہستہ قدموں سے گاڑی کی جانب بڑھ رہی تھی۔ اُسکی گاڑی سے چابی نکال کر دروازہ بند کرتے ہوئے چابی جیب میں ڈال کے اپنی گاڑی کی جانب بڑھا اور پیچھے کا دروازہ میزاب کے پُہنچنے سے قبل کھولا۔ میزاب کسی معمول کی طرح اندر بیٹھ گئی۔ دروازہ بند کر کے گاڑی سٹارٹ کرتے ہوئے عباس نے مین شاہرہ پر ڈالی مگر اِس بار اُس نے بیک ویو مِرر ہمیشہ کی طرح نیچے نہیں کیا تھا۔ میزاب پیچھے سیٹ کی پُشت سے ٹیک لگائے آنکھیں مُوندے چند پَل بیٹھی رہی۔

"مُجھے آفس کے راستے پر اُتار دینا۔" اُسکی نقاہت بَھری آواز پر عباس اُسے دیکھ کر رہ گیا۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، آپکو ہا۔۔۔" اُسکا جملہ مکمل نہیں ہونے دیا گیا۔

"میں نے آپ سے مشورہ نہیں مانگا۔" عباس نے اُس بے تاثر لہجے پر لَب بھینچ لیئے۔

"آپ کی۔۔۔۔"اُس نے پھر سے کچھ کہنا چاہا۔

"میں اِس وقت کچھ نہیں سُننا چاہتی۔ پلیز!"اُس کا نپتے لہجے کی اِستدعا پر عباس کا پاؤں آہستگی سے بریک تک گیا۔ گاڑی سائیڈ پر روک کر باہر نِکلا۔ میزاب کو گاڑی رُکنے کا معلوم نہیں ہو سکا کیونکہ وہ آنکھیں بند کیئے بیٹھی تھی۔ کھول رکھی ہوتی تو ہاسپٹل کی پارکنگ لاٹ دیکھ کر اُسکے ہوش ٹھکانے لگا دیتی۔

"سب خیریت ہے نہ؟" قریب سے آتی مدہم، دِل کو چُھوتی آواز پر میزاب نے بے ساختہ آنکھیں کھول کر یونہی سر ٹِکائے نا سمجھی سے چہرہ پھیرا اور اُس چہرے کو یوں جُھک کر قریب سے دیکھ کے سُرمائی آنکھیں لرز کر پھیلیں۔

"آپ مُجھے اپنی مُشکل بتا سکتی ہیں۔"اُس لہجے کی بے ریائی دِل گُداز کر دینے والی تھی مگر میزاب کا دِل آج ایک بار پھر چکنا چُور ہوا تھا تو پہلی ضرب مارنے والے کو دیکھ کر دِل کو ٹھہرنے کی اِجازت نہیں دی جا سکتی تھی۔ سیدھا ہو کر اُس نے اپنا بیگ اُٹھایا اور قبل اِسکے باہر نکلتی عباس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر اُس کی کوشش ناکام بنا دی۔

"آپ کو ٹریٹمنٹ کی ضرورت ہے۔"اُسکا اِشارہ یقیناً ماتھے کی چوٹ کی جانب تھا۔ پیچھے ہوتی میزاب نے اُسکو سنجیدگی سے دیکھا جو آگے سے ہٹنے کو تیار نہیں تھا۔

"دیکھیں! میں آپ سے کوئی بدتمیزی نہیں کرنا چاہتی۔ یہ میری فطرت میں نہیں ہے۔"سَر میں ہوتی تکلیف کو نظر انداز کر کے اُس نے بڑے ضبط سے باور کروا کر عباس کی آنکھوں میں شوق بیدار کر دیا۔

"جانتا ہوں!"جُھک کر سرگوشی سے کہتے ہوئے اُس نے میزاب کو بوکھلاہٹ کا شکار کر دیا۔ اُسکے مزید پیچھے ہونے پر عباس کی آنکھوں کی جوت مَاند ہو گئی۔ قبل اِسکے میزاب کچھ کہتی اُس نے پیچھے ہو کر گاڑی کا دروازہ بند کر دیا۔ چونکتی میزاب نے دروازہ کھولنے کی کوشش کی مگر لاک عباس تب تک لاک کر چُکا تھا۔ میزاب نے سنجیدگی سے

اُوپر ہوئے شیشے سے اُسکو دیکھا جو ریموٹ سے سے آگے کا دروازہ بھی بند کر کے معذرت میں ہاتھ اُٹھا کر اندر ہاسپٹل کی جانب بڑھ گیا۔ ناسمجھی سے میزاب نے ماتھا سہلا کر آگے دیکھا جہاں یقیناً گاڑی کی چابی نہیں تھی۔ اُس میں اِتنی اِنرجی نہیں تھی کہ زور لگاتی تبھی خاموش سے بیٹھ گئی۔ چند پَل بعد اُس نے عباس کو واپس آتے دیکھا اور اُسکے ساتھ ڈاکٹر اور نرس کو دیکھ کر چونک گئی۔ قریب آکر اُس نے دروازہ کھول کر لیڈی ڈاکٹر کو اُسکو دیکھنے کا کہا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔" اُس نے بہت کڑی نظروں سے عباس کو دیکھا مگر عباس اُسے نظر انداز کیئے ڈاکٹر کو دیکھ رہا تھا۔

"آپ اِنکی بینڈیج کر دیں شاید چوٹ دماغ پر لگ گئی ہے۔" سُنہری آنکھوں نے اُسکے طیش کو بے حد شوق سے دیکھتے ہوئے کہہ کر ڈاکٹر اور نرس کو ہنسنے پر مجبور کر دیا۔

"لگتا ہے آپکے شوہر آپ سے بہت مُحبت کرتے ہیں۔" ڈاکٹر تو اُسکے ماتھے سے خُون صاف کر کے دوائی لگانے لگی جبکہ اُس شاندار سے شوق مَند مَرد اور خوبصورت خفا عورت کو دیکھ کر نرس کہنے سے باز نہیں رہ سکی۔ میزاب نے کرنٹ کھا کر نرس کو اِیسے دیکھا جیسے کسی اور سیارے کی مخلوق ہو جبکہ اُسکا اُڑتا رنگ دیکھ کر عباس کے دِل میں موجزن مُحبت کو دوام مِل گیا۔

"اِیسا ہی ہے۔" اُسکی مدہم، پُر شوق سرگوشی پر میزاب کا دِل لرز کر ششدر رہوا۔ سُرمائی آنکھیں تحیر سے اُٹھ کر تصدیق کے لیئے اُن سُنہری آنکھوں سے ٹکرائیں جن میں شوق اور روشنی کا ایک جہاں آباد تھا۔

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔" اُس مُسکراتے چہرے اور چمکتی آنکھوں کی ساری روشنی اور خُوشی اُس ایک تردید نے کافور کر دی۔ نرس جو مُسکراتی نظروں سے اُس وجیہہ مَرد کی گُلابی ہوتی بیوی پر جمی نظریں دیکھ رہی تھی، سٹپٹا کر

سنبھلی اور پھر معذرت خواہانہ نظروں سے اُسے دیکھا مگر میزاب ڈاکٹر کو دیکھنے لگی جو اُسکی پیشانی پر بینڈ ایج لگا کر بازو پہ لگے زخموں کو صاف کر رہی تھی۔

"جذاک اللہ!" ڈاکٹر کے کام ختم کرنے پر میزاب نے آہستگی سے کہہ کر اپنے بازو کی آستین نیچے کی۔

"چوٹ زیادہ گہری نہیں ہے مگر پھر بھی آپ احتیاط کریں۔" ڈاکٹر کے کہنے پر میزاب نے اثبات میں سَر ہلایا اور پھر ڈاکٹر عباس کے شکریہ کا جواب دے کر نرس کے ساتھ واپس اندر بڑھ گئی۔ اُسے جاتے دیکھ کر میزاب نے اپنا بیگ اُٹھایا اور گاڑی سے باہر نِکل کر پاس سے گُزرتی ٹیکسی کو ہاتھ دے کر روکا۔

"کیا کر رہی ہیں آپ؟" عباس کے سنجیدہ سوال پر میزاب نے اُسکو سَرد نظروں سے دیکھا۔

"اِتنا ڈرامہ کافی ہے۔ آپ کو مُجھے بے وقوف بنانے کے لیئے میری فکر کا ڈھونگ رچانا بند کر دینا چاہیئے۔" اِنتہائی نرمی سے اُس نے عباس کے خلوص کے مُنہ پر ایک اور تمانچہ جڑ دیا۔ اُس کے حق بجانب ہونے کے باوجود عباس کو تکلیف ہوئی تھی۔ قبل اِسکے وہ آگے بڑھتی، عباس نے ضبط کھو کر اُسکا بازو، کہنی کے پاس سے تھام کے اپنے سامنے کیا۔ جھٹکا کھا کر پلٹتے ہوئے میزاب نے ششدر ہو کر لرزتے دِل سے نظریں اُٹھا کر اُس چہرے کو دیکھا جہاں پتھر جیسی سنجیدگی رقم تھی۔

"آپ۔۔۔ مُجھے غلط سمجھ رہی ہیں، میڈم!" پہلی بار اُس نے میزاب کو کسی اور طرح سے مُخاطب کیا تھا، یوں بازو سے پکڑ کر متوجہ کرنے کی جُرأت کی تھی۔ اُن سُنہری، سُرخ ہوتی آنکھوں کے پار کچھ اُٹھتے محسوس کر کے میزاب کا دِل دَھک سے رہ گیا۔

"اور آپ مُجھے۔ میں اِتنی بھی بے وقوف عورت نہیں ہوں کہ ایک ہی سوراخ سے دوبارہ ڈسی جاؤں۔" اُس نرم لہجے کی سرد مہری دِل گھائل کر دینے والی تھی۔ عباس جان نِثار کی پلکوں میں اِرتعاش ہوا۔ آنکھیں جُھکا کر اُس نے میزاب کو اپنا بازو پوری قوت سے چُھڑواتے دیکھا۔ گاڑی آکر میزاب کے قریب رُک چُکی تھی۔

"دوبارہ مُجھ سے اِیسی بد تمیزی مت کرنا۔" گاڑی کا دروازہ کھول کر کہتے ہوئے اُس نے پہلی بار عباس جان نِثار کو اپنے سخت لہجے سے مُتعارف کروایا۔ اُسکو بازو سے تھام کر روکنے کو بد تمیزی گردان کر خبر دار کیا گیا۔ عباس کی جُھکار کھی آنکھیں نہیں اُٹھ سکیں۔ میزاب کی نظروں پر اُس نے مزید چہرہ اُسکے سامنے جُھکا کر میزاب کا دِل ریزہ ریزہ کر دیا۔ یہ احترام اَب کیا معنی رکھ سکتا تھا؟ مزید اُس شخص کے سامنے کھڑا رہنا خود کو اَرزاں کرنے کے مُترادف تھا تبھی گاڑی میں بیٹھ گئی جو اُسکے اِشارے پر سٹارٹ ہو کے آگے بڑھ گئی۔ پیچھے عباس ایک بار پھر کھڑا رہا۔ اُسکے قدم وہیں زنجیر ہو گئے تھے۔ آس پاس بھاگتی دوڑتی دُنیا یونہی رواں تھی۔ اُسکی جیب میں رکھے بجتے فون نے اُسکی بوجھل کیفیت میں خلل اندازی کی۔ سیل فون نکال کر جُھکار کھی آنکھوں کے سامنے کیا جہاں **'ڈا جی کالنگ'** لکھا آرہا تھا۔ وہ اُسے چاغی واپس آنے کا کہہ رہے تھے۔ اُسکے دِل کی دغابازی اور ہار چاغی کی ہر زُبان زَدِ عام ہو چُکی تھی۔ سب کو معلوم ہو گیا تھا کہ سَنجرانیوں کے عَلم بردار، عباس جان نِثار نے ایک عورت پر اپنا دِل ہار دیا ہے۔

✓ میں اِدھر تنہا اور اُدھر زمانہ ہے

وائے گر زمانے کے ساتھ تُو بھی ہو جائے

پہلی نامُرادی کا دُکھ کہاں بِسَرتا ہے

بعد میں اگر کوئی سُرخُرو بھی ہو جائے

دین و دِل تو دے بیٹھے، اَب فراز کیا غم ہے

کوئے یار میں غارت آبرو بھی ہو جائے۔۔۔

(احمد فراز)

احتساب سَنجرانی ہوٹل کی لابی میں بیٹھے کلائی پہ بندھی گھڑی پر وقت دیکھتے ہوئے کسی کا بے چینی سے اِنتظار کر رہے تھے۔ تجسس اور بے یقینی ُمیں وہ وقت سے پہلے مِلنے کے لیئے چلے آئے تھے اور اَب اِنتظار کرنا بے وقوفی لگ رہی تھی۔

"بہت معذرت! آپ کو اُمید ہے اِنتظار نہیں کروایا۔" اُس پُر وقار ٹھہری ہوئی آواز پر اُنہوں نے بیٹھے بیٹھے چہرہ پھیر کر پیچھے دیکھا۔

"اسلام علیکم!" اُن کی آنکھوں میں اُتر آتی طیش اور ناگواری کو نظر انداز کر کے آنے والی عورت کرسی دھکیل کر بیٹھ گئی۔

"آپ کے ہاں سلام کرنے کا رواج نہیں ہے؟" اُٹھی گردن اور ٹھہرے لہجے میں جو سوال کیا گیا اُس پر احتساب سَنجرانی کی آنکھوں میں سُرخی دوڑی۔

"ہم بے نسل اور بے فیض دُشمن پر سلامتی نہیں بھیجتے۔" وہ جب بولے تو لہجے میں اِنتہا کی سختی اور تُندہی تھی۔

"افسوس ہوا سُن کر۔ مگر میں دُشمن پر سلامتی بھی بھیجتی ہوں اور اُس کی جانب دوستی کا ہاتھ بھی بڑھاتی ہوں۔" اُنکے مقابل بیٹھی عورت نے اُسی انداز میں نرمی سے کہا جِس سے لاکھوں لوگوں کو مرعوب کرتی آئی تھی۔

"کیونکہ میں بزنس ویمن ہوں۔ نفع نقصان ہمیشہ میرے ذہن میں رہتا ہے۔" اُسکی بات پر احتساب سَنجرانی کچھ چونک کر سیدھے ہوئے۔ کچھ تھا اُس عورت میں مُتاثر کرنے والا، مائل کرنے والا۔

"تم۔۔۔ مُجھے جانتی ہو؟" اُس عورت کے نرم لہجے اور بے ریا آنکھوں کے تاثر پر اُنکا حیرت سے سوال کرنا بنتا تھا۔

"آپ احتساب سَنجرانی ہیں، عباس جان نِثار کے چچا۔" اِنتہائی طمانیت سے معلومات فراہم کر کے اُس نے بہت غور سے اُنکے پھیکے پڑتے تاثرات دیکھے۔

"پریشان نہ ہوں۔ آپکے بھتیجے کو معلوم ہے کہ میں جانتی ہوں۔" اُنکی پریشانی کو اِنتہائی حلاوت سے رفع کرتے ہوئے وہ اُنکو ٹھٹکانے لگی۔

"میرا نام میزاب رحمت اَصفہان ہے۔" اپنا تعارف کروا کر اُس نے پرس سے کارڈ نِکال کر ٹیبل پر رکھتے ہوئے اُنکی جانب دھکیلا مگر اُنہوں نے ایک نظر تک ڈالنے کی زحمت نہیں کی اور اُسے یونہی سختی لیئے دیکھتے رہے۔

"جانتا ہوں تم وہی عورت ہو جِس نے سارے قبائل میں ہمارے عباس کا سَر جُھکا دیا ہے۔" اُنکے تنفر بھَرے لہجے پر اطمینان سے بیٹھی میزاب کا چہرے کا رنگ مَاند ہوا جو احتساب سَنجرانی کی آنکھوں سے چُھپا نہیں رہ سکا۔ خاموشی طویل ہونے لگی تو احتساب سَنجرانی ٹیک چھوڑ کر آگے ہوئے۔

"کوئی نئی چال چلنے کے لیئے تمہارے اُس مکار اور عیار دادا نے تمہیں بھیجا ہے؟" طنزیہ اِستفسار پر میزاب کا چہرہ سُرخ ہوا۔

"میں آپ سے بہت اَدب اور احترام سے بات کرنے آئی ہوں اور اُمید رکھتی ہوں کہ آپ خاندانی ہونے کا ثبوت دیں گے۔" اُس ٹھنڈی ٹھار بات پر وہ تلملا بھی نہیں سکے۔ میزابِ رحمت نے ایک ہفتے کا وقت لے کر خُوب سوچ سمجھ کر فیصلہ لیا تھا۔ اُسے معلوم ہو چُکا تھا کہ کیا کرنا ہے تو اِس مُلاقات کو ضائع نہیں کر سکتی تھی۔

"تو پھر مقصد کی بات پر آتے ہیں۔" احتساب سَنجرانی نے سنجیدگی سے کہا اور پھر میزاب نے جو کچھ کہا اُس پر احتساب سَنجرانی کا مُنہ محاورتاً نہیں حقیقتاً کُھلے کا کُھلا رہ گیا۔ وہ کتنی دیر تک آنکھیں پھاڑ کے بے یقینی سے سامنے بیٹھی عورت کو دیکھتے رہے جِس کا اطمینان دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔

"اگر تمہارا دماغ خراب ہے تو مُجھے تم سے ہمدردی ہے اور اگر تم نے سوچ کر کہا ہے تو پھر مُجھے کہنے دو ہاشم بزنجو تمہاری شکل میں آستین کا سانپ پال رہا ہے۔" احتساب سَنجرانی کی بات آگ لگانے والی، توہین آمیز تھی مگر میزاب یونہی سکون سے بیٹھی رہی۔

"کیا آپ کی اصل دُشمنی کاشف بزنجو سے نہیں؟" اُسکے اطمینان بَھرے تصدیقی سوال پر احتساب سَنجرانی تمسخرانہ ہنس دیئے۔

"نہیں! تمہارے مکار دادا اور اُس ذہنی بیمار پُھوپُھو سے بھی بہت حساب نکلتے ہیں ہمارے۔"

میزاب نے اُس کڑوے لہجے پر گہرا سانس لیا۔

"تو پھر مُجھ سے ہاتھ مِلانے کے لیئے آپکو زیادہ سوچنا نہیں چاہیئے۔" اُسکے اطمینان میں ذرا فرق نہیں آیا کیونکہ وہ اُنکی دُشمنی کے اصل مرکز کو جان چُکی تھی۔

"تو تم اپنے خاندان کی پیٹھ پر خنجر گھونپنے کے منصوبے بنا رہی ہو؟"

اُنکے سوال پر میزاب مسکرادی۔ اُسکی مسکراہٹ بے حد سوگوار تھی مگر اُس نے کچھ نہیں کہا۔

"تمہارا ہاشم بزنجو کی ہر شے پر اِختیار ہے اور اگر تم ہی اُسکے قدموں سے زمین کھینچو گی تو کیا حال ہو گا اُس کا؟ کیوں کر رہی ہو اِیسا؟" احتساب سَنجرانی کسی گہری سوچ سے بیدار ہو کر بولے۔ وہ واقعی سامنے بیٹھی عورت کو سمجھ نہیں پا رہے تھے۔ اُن پر کوئی نیا دَر وَا ہوا تھا۔

"کیونکہ معاف کر دینا صرف ربِ کعبہ کے اِختیار میں ہے۔" اُن سُرمائی آنکھوں میں کچھ چمکا مگر احتساب سَنجرانی کے دیکھنے سے قبل وہ چہرہ پھیر کر سائیڈ پہ دیکھنے لگیں۔

"تو پھر کریں گے میرے ساتھ ڈیل؟ میں کسی کو نہیں بتاؤں گی کہ مجھے آپ نے اغوا کیا تھا۔" اُسکی اگلی بات پر وہ قہقہہ لگا کر ہنس دیئے۔

"تم مجھے دھمکا رہی ہو؟" اُنکو پہلی بار سامنے بیٹھی عُمر میں خود سے کہیں زیادہ آدھی عُمر کی عورت نے چونکایا۔ وہ جلدی مرعوب ہونے والوں میں سے نہیں تھے۔

"جیسا آپ کو مُناسب لگے۔" اُس نے اپنے پَروں پر پانی نہیں پڑنے دیا اِس سے اُڑان میں کمی آتی ہے۔

"میں نے تمہیں اغوا نہیں کیا تھا۔ عباس کو معلوم ہوا تھا کہ کوئی تمہیں قتل کروانا چاہتا ہے اور اُس نے تمہارے پیچھے کچھ لوگ لگا رکھے ہیں تو اُسکی درخواست پر میں نے تمہیں بچانے میں مدد کی۔" اُنکی مسکراتی وضاحت پر میزاب کی آنکھوں میں اُلجھن لہرایا۔ بے یقینی سے وہ کرسی چھوڑ کر آگے ہوئی۔

"کون؟" اُسکا سوال سرگوشی سے زیادہ نہیں تھا۔ بے اِختیار آنکھوں کے سامنے **'اغوا'** لفظ پر عباس کا سُرخ ہو کر جُھکتا چہرہ یاد آیا تو اُس نے سب جھٹک کر سوال کیا۔

"معلوم نہیں! کم دُشمن تو نہیں بنا رکھے ہاشم بزنجو نے۔" وہ جیسے بہت محظوظ ہو رہے تھے اُسکی حیرت پر۔ جب سے آئی تھی یہ عورت بس اُن کو حیران کیئے جا رہی تھی جِن کو حیران کرنا آسان نہیں تھا۔

"لیکن عباس جانتا ہے تمہیں قتل کون کرنا چاہتا ہے۔" وہ اُس سے اَب اِتنے نارمل انداز میں بات کر رہے تھے کہ اُنہیں خود بھی اُسکا اندازہ نہیں ہو سکا شاید اِس لیئے کہ وہ اُنکی توقعات کے بالکل برعکس تھی۔ اُنکی بات پر میزاب کا دِل لرز کر ٹھہر گیا۔

"لیکن اگر تم نے ہمیں نقصان پُہنچایا تو پھر؟" اُنکے بدلتے سوال پر میزاب کی سوچوں میں دراڑ آئی۔

"جو اپنے گھر والوں کا وفادار نہ ہو وہ دوسروں کا کیسے ہو سکتا ہے۔" اُنکی اگلی بات میزاب کو تمانچے کی طرح لگی مگر چہرے کے تاثرات بے تاثر رہے۔

"آپ کے اور میرے درمیان بزنس ڈیل ہو گی۔ میں کل تمام کاغذی کارروائی کروا کر اپنے اور آپکے دستخط لوں گی اور اُس کانٹریکٹ کو آپ عدالت میں میرے خلاف اِستعمال بھی کر سکیں گے۔" اُسکا انداز مدلل تھا۔

"عدالت کے فیصلوں کو پہلے کب تمہارے خاندان نے تسلیم کیا ہے جو اَب کرے گا۔" احتساب سَنجرانی کے تحفظات جائز تھے۔ میزاب چند پَل اُنکو سوچتی نظروں سے دیکھتے رہی۔

"تو پھر آپ اُس کانٹریکٹ کو میرے خاندان کے سامنے لا سکتے ہیں اور یہ بھی اُنکو سُنا سکتے ہیں۔" بیگ سے نکال کر اُسے نے سیاہ پین اُنکی جانب بڑھایا تو وہ چونک کر سیدھے ہوئے۔

"اِس میں آپ کی اور میری ابھی کی باتیں ریکارڈ ہوئی ہیں۔" اُسکی اطلاع پر اُنہوں نے ناسمجھی سے اُس عورت کو دیکھا جو اُس خاندان کی ہونے کے باوجود نہ جانے کیوں اپنی ساری کشتیاں جلا رہی تھی۔

"آخر آپ نے ہی تو ابھی کہا میں اپنے خاندان کی آستین کا سانپ ہوں اور سانپ کی موجودگی کے یقین کے بعد اُس کا سَر کُچل دینا بہت اہم ہوتا ہے۔" اُس عورت کی باتیں جہاں دلیل پر مبنی وزن دار تھیں تو وہیں عجیب اور نا سمجھ میں آنے والی۔ اُنکو یونہی گہری سوچ میں ڈوبا دیکھ کر وہ کرسی دھکیل کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں آپکے جواب کا اِنتظار کروں گی مگر یاد رکھیئے گا آستیں کا سانپ اکیلے بھی ڈسنے میں ماہر ہوتا ہے۔" انتہائی آرام سے اُنکو باور کروا کے وہ بیگ شانے پر ڈالے اُنکو یونہی ششدر سا چھوڑ کر جیسے آئی تھی اُن ہی مضبوط قدموں سے واپس چلی گئی اپنی موجودگی کی گہری چھاپ اور تاثر چھوڑ کر۔

آج چُھٹی تھی۔ عموماً وہ چھُٹی کے دِن بھی گھر پر نہیں رہتی تھی مگر پچھلے ایک ہفتے نے اُسکا نظریہ، سوچنے کا انداز سب کچھ بدل کر رکھ دیا تھا۔ وہ صرف باتوں پہ آنکھیں بند کر لینے والی عورت نہیں تھی۔ اُس دِن اپنی ماں کے گھر سے واپس آ کر اُس نے ہاشم اور کاشف بزنجو کو باتیں کرتے نہ سُن لیا ہوتا تو شاید باقی کی ساری زندگی بھی اندھیرے میں گُزر جاتی۔ آخر اُس رات میزابِ رحمت نے کیا سُن لیا تھا؟ اگر ہم ایک ہفتے پیچھے جائیں تو میزاب ہمیں ہاشم بزنجو سے تصدیق کرنے اُنکی سٹڈی کی جانب جاتی دکھائی دے گی۔ قبل اِس کے وہ دروازہ کھٹکھٹاتی اندر سے آتی آواز نے اُسکے قدم زنجیر کر دیئے۔

"باسم لوگوں کو انکار کر کے مُدثر سے شادی کروادیں میزاب کی۔ میں حیران ہوں کہ آپ گھر کی دولت کو باہر کیسے جانے دے سکتے ہیں جبکہ سب کچھ اُسکے نام کر رکھا ہے آپ نے۔" کاشف صاحب کی بے زار آواز پر میزاب کا دستک دینے کو اُٹھا ہاتھ اُٹھا رہ گیا۔

"تمہیں لگتا ہے میں اِیسا ہونے دے سکتا ہوں۔ کتنی بار تم سے کہا ہے صبر سے کام لو مگر تم۔۔۔۔اِسی بے صبری کی وجہ سے اَصفہان کو مارا تھا تم نے اور اَب۔۔۔۔"ہاشم بزنجو کی مدھم آواز پر میزاب کو لگا وہ سانس نہیں لے سکے گی۔

"بابا آپ۔۔"کاشف بزنجو نے اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہا مگر ہاشم بزنجو نے ہاتھ اُٹھا کر اُنکی بات قطع کر دی۔

"میں اِس لیئے خاموش رہا کہ ایک بیٹے کو کھو کر دوسرے کو اپنے ہاتھوں سے کھو دینا کوئی عقلمندی نہیں مگر تم پھر سے بے صبری کر رہے ہو۔"وہ الفاظ نہیں تھے پگھلا ہوا سیسہ تھے جو میزاب کے کانوں میں اُنڈیل دیا گیا۔اُٹھا ہاتھ بے دم ہو کر پہلو میں آ گرا۔جو بات اُس نے اپنی ماں کے مُنہ سے سُن لینے کے باوجود، تمام ثبوت دیکھنے کے باوجود تسلیم نہیں کی تھی اُس کو اَب کیسے جُھٹلا سکتی تھی۔

"بے فکر رہو!ربانی سنز سے ہوئی ڈیل پایہ تکمیل تک پُہنچ جائے تو باسم کی فطرت کو دیکھتے ہوئے میں ویسے ہی زیبی کا رشتہ ختم کر کے مُدثر سے کروادوں گا۔زیبی کو خاندان سے باہر نہیں جانے دے سکتا یہ خطرے سے خالی نہیں۔" وہ اُسکے دادا،ہاشم بزنجو ہی کہہ رہے تھے گو کہ آخری جملہ میں تفکر اور بے چینی صاف محسوس ہو گئی تھی مگر جو زمین میزاب کے قدموں کے نیچے سے کھینچی گئی تھی اُسکے برابر یہ کچھ بھی نہیں تھا۔

"اور تم ذرا تمیز کے دائرے میں رہا کرو زیبی کے سامنے اگر اُسے اپنے باپ کی موت کی اصل کہانی معلوم ہو گئی تو کسی کے مُنہ پر تھوکے بھی نہیں۔معلوم ہے نہ کتنی حساس ہے وہ اپنے باپ کے لیئے۔"پہلو بدلتے کاشف بزنجو کو ہاشم بزنجو نے بے حد سنجیدگی سے باور کروایا۔آنکھوں میں جمع ہوتے نمکین پانی کو جھٹک کے میزاب تیزی سے پلٹ کر خاموش قدموں سے واپس سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی۔رات کی تاریکی میں بہت کچھ عیاں کرتی اُن باتوں

نے اُسے مزید اپنا فیصلہ لینے میں آسانی فراہم کر دی تھی۔ اَب زمین پر موجود کوئی طاقت اُسے اُس کے اِرادوں سے پیچھے نہیں ہٹ سکتی تھی۔

"کہاں گُم ہو تم اِتنے دِن سے؟" مُدثر نے اُسکے سامنے بیٹھتے ہوئے اُسکو چونکا دیا۔ میزاب نے چونک کر سب کو دیکھا جو اُسے ہی دیکھ رہے تھے۔ ایک پَل کو اُسے بُھول ہی گیا تھا کہ سب کے ساتھ بیٹھی ہوئی ہے۔

"سب خیریت ہے نہ؟" زُوبیہ نے حیرانگی سے اُسکی غائب دماغی پر سوال اُٹھایا۔

"نیند میں تو نہیں ہو؟" ذکی کہاں پیچھے رہ سکتا تھا۔ میزاب نے چہرہ پھیر کر سنجیدگی سے اُسکو دیکھا جِس نے مُسکراہٹ چُھپانے کی بالکل کوشش نہیں کی۔

"نیند سے ہی تو جاگی ہوں ابھی لیکن تمہیں میرا بیدار ہونا کچھ خاص اچھا نہیں لگے گا۔" اُسکے کڑے جواب پر سوائے ہاشم بزنجو کے سب کے تاثرات تن گئے۔

"یہ لڑکی کب تمیز سیکھے گی، بابا؟" رفعت شیراز کو اُسکے تیور ایک آنکھ نہیں بھائے۔

"تمیز سیکھ کر کیا کرنا ہے پُھوپُھو۔ زمانے کو تو ویسے بھی عزت راس نہیں آتی۔" اُسکے اگلے جواب پر جہاں ہاشم بزنجو کا قہقہہ نکلا وہیں کاشف بزنجو کا چہرہ سُرخ ہوا کیونکہ اُنکو دیکھ کر ہی جملہ کَسا گیا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ اُسے فیکٹری کے مال پر بہت غصہ ہے باوجود اِسکے سب اِینٹی نارکوٹیکس کے ہاتھ لگ کر کھربوں کا نُقصان ہو چُکا تھا مگر اِس میسنی کو صرف اپنی ساکھ اور ناک کی پرواہ تھی۔

"ابھی تک خفا ہو کاشف سے؟" ہاشم بزنجو کو اُسکی سنجیدگی دیکھ کر مُداخلت کرنی ہی پڑی۔

"نہیں! اِن سے ناراض ہو کر کون سا دُنیا جنت ہو جائے گی۔" اُسکا جواب اِیسا تھا کہ ذکی نے مُسکراہٹ ضبط کی۔

"بابا! آپ توٹرول ہو گئے۔" ذکی کی خباثت دیکھنے لائق تھی۔

"تم پر بھی بدتمیز لوگوں کا اثر ہو گیا ہے۔" آمینہ کاشف نے ناگواری سے بیٹے کو ٹوک دیا جو یونہی ڈھٹائی سے ہنستا رہا۔ قبل اِس کے ہاشم بزنجو میزاب کو مزید کچھ کہتے، اُسکا سیل فون پر میسج آیا تو وہ تیزی سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"کہاں جارہی ہو؟ ابھی تمہاری چوٹ ٹھیک نہیں ہوئی۔" ہاشم بزنجو کے تفکر پر میزاب گہرا سانس لے کر پلٹی۔

"میں الحمداللہ ٹھیک ہوں۔ آفس میں ضروری کام سے جانا ہے۔" نرمی سے کہہ کر وہ تیز قدموں سے باہر نِکل آئی۔ اُسکو احتساب سَنجرانی کے مثبت جواب نے مُسکرانے پر مجبور کر دیا۔ اُس نے پہلے ہی معاہدہ تیار کر لیا تھا جسکی بیگ میں موجودگی کی یقین دہانی کر کے اپنی دوسری گاڑی کی چابی نکال کر جیسے ہی دروازہ کھولا پیچھے سے ہاتھ رکھ کر اُسی تیزی سے دروازہ بند کر دیا گیا۔ بُری طرح چونک کر وہ کرنٹ کھا کر پلٹی اور پیچھے کھڑے عباس کو دیکھ کر چہرے کے تاثرات مزید سنجیدہ ہو گئے۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟" اُسکا سوال کڑا تھا۔

"آپ ابھی ٹھیک نہیں ہیں۔" اُن سُرمائی آنکھوں میں دیکھ کے عباس نے بہت ٹھہر کر کہا اور ٹھہر گیا۔ اُن آنکھوں کے پار اُسکی بات پر طیش کا غُبار اُٹھنے لگا تھا۔

"آپ سیکورٹی چیف ہیں نہ دادا کے، وہی بن کر رہیں۔ میرے گارجین بننے کی ضرورت نہیں۔" تڑخ کر جِس تلخی سے جواب آیا ایک پَل کو عباس کی آنکھیں پھیلیں۔ اُسے میزاب سے اِیسے لہجے، الفاظ اور انداز کی اُمید نہیں تھی۔ میزاب اِتنی کڑوی اور مُنہ پھَٹ نہیں تھی۔

"جِن کا سیکورٹی چیف ہوں اُنہوں نے ہی آپکی ذمہ داری دی ہے۔" سُنہری آنکھوں نے بہت غور سے دُنیا سے بے زار تاثرات کا جائزہ لیا۔ یقیناً کچھ ہوا تھا، کچھ اِیسا جس سے وہ واقف نہیں تھا مگر کیا؟؟

"میں اپنی ذمہ داری خود اُٹھاتی آئی ہوں اور اچھی طرح اُٹھا سکتی ہوں۔ دوبارہ میرا راستہ اِس طرح روکنے کی کوشش کی تو۔۔۔" شدید غصّے میں آکر وہ یک دَم اپنا ضبط کھونے ہی والی تھی کہ عباس جان نِثار دو قدم کا فاصلہ بھی طے کر کے اُسکے عین سامنے آ کھڑا ہوا اور جُھک کر لرزتی پلکوں کو دیکھا۔

"تو۔۔۔؟" اُسکے اُکساتے، مُسکراتے سوال پر سُرمائی آنکھیں بے یقینی سے پھیلیں اور یہ نظارا اِیسا تھا کہ اِس سے دامن کو بچایا نہیں جا سکا۔

"تو میں سب کو بتا دوں گی کہ آپ کون ہیں۔" سنبھل کر تڑختے ہوئے جو دھمکی دی گئی اُس پر عباس نے آنکھیں سُکیڑ کر اُسے دیکھا اور پِھر وہ گردن پیچھے کو پھینکے قہقہ لگا کر ہنس دیا۔ سیڑھیاں اُتر کر نیچے آتا مُدثر ششدر ہو کر اُس شخص کی بے تکلفی دیکھ رہا تھا اور اُسے یقین تھا کہ میزاب اُسے ایک تھپڑ لگا دے گی مگر اُسکی بے یقینی کا کوئی اَنت نہیں مِلا جب میزاب کو نا سمجھی سے یک ٹک اُس شخص کو دیکھتے پایا۔

"آئیں! ساتھ مِل کر بتاتے ہیں۔" قہقہ تھمتے ہی اُس نے مُسکراتی، چمکتی آنکھوں کے ساتھ سرگوشی سے کہتے ہوئے میزاب کو بالکل گُم صُم کر دیا۔ وہ سناٹے میں رہ کر تھم جاتے دِل سے اُن چمکتی آنکھوں کو دیکھنے لگی۔ کیا اُس نے میزاب کے دِل کی دغابازی اور نرمی کو پہچان لیا تھا؟ اُسے کیسے اِتنا یقین تھا کہ وہ کسی کو ایک لفظ بھی نہیں بتا سکتی؟ کیا اُسکے دِل کا بھید چہرے سے عیاں ہونے لگا تھا؟

اُس چہرے، اُن آنکھوں کو دیکھتے دیکھتے عباس کی مُسکراہٹ سمٹی۔ کچھ اِیسا تھا اُن نظروں میں کاٹ دار سا کہ وہ نگاہیں جُھکا کر بے اِختیار دو قدم پیچھے ہوا اور میزاب اُتنی ہی تیزی سے گاڑی میں بیٹھ کر گاڑی سٹارٹ کرنے کے بعد اُسکے پاس سے گُزار لے گئی پیچھے عباس وہیں جامد رہ گیا، ایک دفعہ پھر، ہر بار کی طرح۔ اُن آنکھوں کی سنجیدگی اور کاٹ نے اُسے اندر تک زخمی کر دیا تھا۔ جو اُسکے دِل کے لیئے خوبصورتی اور شوق کا مرکز بن گئی تھی اُسکے لیئے عباس جان نِثار سببِ رنج اور موجب اذیت تھا۔۔۔۔ یہ خیال دِل میں حشر برپا کر دینے والا تھا۔ گاڑی کے بیک ویو مِرر سے اَب تک ساکن کھڑے شخص کو دیکھ کر اُس نے نگاہوں کا زاویہ بدل کر گاڑی ریورس کی اور قصرِ بزنجو سے باہر نکال لے گئی۔ اُسکو ابھی بہت سے محاذوں پر تنہا لڑنا تھا۔

✓ میں جھگڑنا نہیں جانتی

مگر میں لوگوں کو دوبارہ اجنبی بنانا خُوب جانتی ہوں

میں تمہیں مُسکرا کر دیکھوں گی

کیونکہ میں اجنبیوں کو بھی مُسکرا کر دیکھتی ہوں

میں تم سے بات کرلوں گی اگر ضرورت پڑی

کیونکہ میں اجنبیوں سے بھی بات کر لیتی ہوں

لیکن میں تمہیں اَب باقی دُنیا سے الگ نہیں سمجھوں گی

میں تمہاری خیریت کبھی نہیں پوچھوں گی

چاہے تمہاری دُنیا اُلٹ پُلٹ ہی کیوں نہ ہو جائے

ہماری وہ پُرانی گفتگو کبھی نہیں ہوں گی

میں تمہاری آواز ہر دِن 'دماغ' سے سُنوں گی

مگر 'دِل' سے کبھی نہیں چاہے ہزار سال گُزار جائیں۔۔۔

دستخط کرنے کے بعد اُس نے اصل کاغذات احتساب سَنجرانی کی جانب کیئے اور کاپی اپنی طرف۔ وہ اُسے دیکھ کر اطمینان سے پیچھے بیٹھ گئے۔ اپنا سیل فون جِس پر ایک نمبر سے کال مِلی ہوئی تھی، اُنہوں نے جیب میں رکھا ہوا تھا۔

"عباس اکیلا کافی ہوتا اُن سب کے لیئے۔ اُسے تم نے کیوں نہیں اپنے پلان میں شریک کیا؟" اُنکے سوال پر کاغذ فائل میں رکھتی میزاب ٹھٹکی۔

"میرا اور اُسکا مقصد ایک نہیں ہے سو شریک کرنے کا سوال ہی نہیں بنتا۔" اُسکی سنجیدگی دیکھنے لائق تھی۔

"لیکن ایک بات آپ نے بھی یاد رکھنی ہے **'الرحمت'** سے متعلق میں کچھ برداشت نہیں کروں گی۔" اُسکے کڑے لہجے پر اُنہوں نے بغور اُسکو دیکھا جو پرسوں کے مُقابلے میں آج بہت سنجیدہ، طیش میں اور بے تاثر لگ رہی تھی۔ یوں جیسے جو اُسکے سامنے آئے گا اُسکی ماں اُسے روئے گی۔ فون کے دوسری سمت موجود شخص کے چہرے کو مُسکراہٹ چُھو گئی، محظوظ کن مُسکراہٹ!

"لگتاہے بہت بُری چوٹ کھائی ہے تم نے بھی اُس خاندان سے؟" احتساب سَنجرانی کا سوال تمسخرانہ نہیں تھا اور یہی بات تعجب والی تھی۔

"میرے زخموں پر نمک چھڑکنے کے بجائے کوئی تدبیر سوچیں۔ کچھ دِن میں ہماری ڈیل سائن ہونے کے بعد کاشف چاچو میری مُدثر سے شادی کروانا چاہتے ہیں۔" اُسکی اگلی بات پر احتساب سَنجرانی نے سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھا۔

"اور تمہاری مُدثر سے شادی ہونے کا مطلب ہے ہماری ڈیل ختم؟" اُنکے سوال پر میزاب دھیرے سے مُسکرادی۔

"آپ مُجھے ابھی جانتے نہیں ہیں اِس لیئے آپکو بتا دیتی ہوں کہ میں کوئی بچاری اور مظلوم قسم کی عورت نہیں ہوں جسے خاموش کروا کر زبردستی فیصلے کروائے جاسکتے ہیں میں خود مُختار عورت ہوں اور خُود مُختار عورت کو زیر کرنا آسان نہیں ہوتا۔" اُٹھی گردن، چمکتی آنکھوں اور ہموار لہجے والی عورت کی بات کا اثر کال کے دوسری جانب موجود رحمان بخش سَنجرانی پر بخُوبی ہوا تھا تبھی وہ مُسکرا کر طمانیت سے اپنی مخصوص کرسی کی پُشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ احتساب سَنجرانی نے جب اُنکو میزابِ رحمت کے بارے میں آگاہ کیا تھا تب اُنہیں یقین نہیں آیا تھا۔ وہ دُودھ کے جلے تھے اور اُنہیں چھاچھ بھی پُھونک پُھونک کر پینا تھا تبھی اُنہوں نے احتساب سَنجرانی کو اگلی مُلاقات میں کال کر کے سب کچھ خود سُننے کا بتایا تھا اور اُنکا فیصلہ بالکل سہی تھا۔

"اِس کا مطلب ہے کہ تمہارے دادا چاہتے ہیں کہ تمہاری شادی خاندان سے باہر نہ ہو؟" احتساب سَنجرانی کے اگلے سوال پر میزاب نے اثبات میں سَر ہلایا۔ ظاہر ہے کون خاندانی، کھربوں کا کاروبار اور زمینیں ہاتھ سے جانے دے سکتا تھا۔

"تو کاشف اپنے لڑکوں سے کیوں نہیں کروانے کا سوچتا؟" اُنکے سوال پر میزاب نے اُنکو حیرانگی سے دیکھا جن کی بارعب اور سنجیدہ شخصیت کے حساب سے یہ سوال بڑا بے وجہ سا تھا۔

"کیونکہ وہ دونوں بزنس مائینڈڈ اور معاملہ فہم نہیں ہیں۔" اُسکی وضاحت پر اُنہوں نے سمجھ کر سَر ہلایا۔

"تمہاری خاندان سے باہر شادی اُن سب کے لیئے قیامت کے اعلان سے بھی بڑا دھچکا ہو گا، ہے نہ؟" اُنکی تصدیق پر فون کان سے لگا کر بیٹھے رحمان بخش سَنجرانی ٹیک چھوڑ کر سیدھے ہوئے۔

"اِیسا ہی ہے!" اُس نے بے پرواہی سے جواب دیا۔

"تو ایک طریقہ ہے تمہارے چچا کے قدموں کے نیچے سے زمین اور سَر سے آسمان کھینچنے کا۔" اُنکی کسی نتیجے پر پُہنچ جانی والی بات پر میزاب کی ساری بے پرواہی اُڑن چھو ہوئی۔

"کیسا طریقہ؟" اُن سُرمائی آنکھوں کے سب کر گُزرنے والے انداز دیکھ کر احتساب سَنجرانی مُسکرا دیئے۔ اُنہوں نے کچی گولیاں نہیں کھیلیں تھیں۔ زمانہ شناس تھے اُنہیں معلوم تھا کہ میزابِ رحمت کاشف بزنجو سے بدلہ لینے کے لیئے سَنجرانیوں کی طرح سنجیدہ اور تیار ہے یا شاید اُن سے بھی زیادہ حریص۔ اُسکو بزنجو خاندان نے کوئی ناقابلِ فراموش، ناقابلِ تلافی نقصان پُہنچایا تھا جو کم اَز کم اُنکے خاندان کے حق میں تھا۔ دُشمن کو اُسکے ہی ہتھیار سے تباہ و برباد کرنے سے اُنکے کلیجے با آسانی ٹھنڈے ہو سکتے تھے۔ اَب کے بزنجو خاندان پر بہت گہرا، کڑا اور مُہلک حملہ ہونے والا تھا اور جِس کی اُنکے فرشتوں تک کو خبر نہیں تھی۔

ہاشم بزنجو اپنی سٹڈی میں بیٹھے کسی اہم فائل کو پڑھ رہے تھے جب اُنکی میز پر رکھے لینڈ لائن پر کال آنے لگی۔ اُنہوں نے چونک کر چہرہ پھیرا اور پِھر سامنے ٹیبل پر پڑے اپنے سمارٹ سیل فون کو۔ عموماً یہاں ہی اُنکو اہم اور بزنس سے متعلق کالز آتی تھیں اور اِس پر صرف اپنے علاقے اور قبائل کے سَرپنچوں کی کال آیا کرتی تھی مگر سَنجرانی خاندان

سے خراب ہونے کے بعد اُنکے اپنے قبائل اور سر پنچ تک اُن سے گُریز کرنے لگے تھے اور یہی اُنکے اصل غصّے اور نفرت کو ایک زمانے سے جاری و ساری رکھے ہوئے تھی۔ فائل وہیں کھلی چھوڑ کر وہ اُٹھ کے ٹیبل تک گئے اور کریڈل اُٹھا کر کان سے لگا لیا۔

"اسلم علیکم!" اُنکے سلام سے پہلے ہی دوسری جانب سے اِنتہائی بارعب اور پُر وقار لہجے میں سلامتی بھیجی گئی اور بھیجے والی آواز نے اُنکو بھونچکا کر دیا۔ زندگی کے اِس حصّے میں عزرائیل (ع) تک کے آنے کا اُنکا گُمان تھا مگر اِس شخص کی کال۔۔۔۔ ہرگز نہیں!

"رحمان بخش سَنجرانی بات کر رہا ہوں۔" دوسری جانب خاموشی پر نہایت اطمینان سے یقین دِلایا گیا کہ اُنکو سہی لگا ہے۔

"کہو دُشمن کو کیسے یاد کیا؟" اُنکے سخت سوال پر دوسری جانب رحمان بخش سَنجرانی کا جاندار قہقہہ گونج کر اُنکے اعصاب ہلا گیا۔ جِس دُشمن کو اَب تک اپنے زخم چاٹنے چاہیئے تھے، وہ قہقے لگا رہا تھا۔

"کام پڑنے پر تو گدھے کو بھی لوگ باپ بنا لیتے ہیں تو دُشمن کو یاد کر لینے میں کیا مضائقہ ہے۔" رحمان بخش سَنجرانی جیسے اُنکی حیرت اور جَلن سے محظوظ ہو رہے تھے۔

"کل سارے قبیلوں کی بڑی پنچائیت ہے اور تمہارا موجود ہونا بہت اہم ہے اُس میں۔ تو بتاؤ تم آ رہے ہو؟" اُنکے سوال پر ہاشم بزنجو کی بھنویں تعجب سے سُکڑیں۔

"بے فکر رہو! کوئی سازش، کوئی مکاری نہیں کر رہا تمہاری طرح۔ مُجھے قبیلے کے لوگوں کی فکر ہے۔ علاقے کی ترقی کا مسئلہ ہے اور میں جانتا ہوں بلوچستان کی سونا اُگلتی زمین کو چھوڑ کر تم شہرِ اقتدار کی بلند و بالا عمارتوں اور جنگل میں کچھ

خاص خوش نہیں ہو۔" اُنکی بات میں اِس قدر یقین اور مضبوطی تھی کہ ہاشم بزنجو زندگی میں شاید پہلی بار بوکھلا کر کوئی بات نہیں بنا سکے۔

"تو اگر خسارا نہیں چاہتے، اپنا اور لوگوں کا بَھلا چاہتے ہو اور ترقی کی سنگِ بُنیاد رکھنا چاہتے ہو تو کل تمہارا پنچائیت میں ہونا اہم ہے۔" وہ اُنکی سُنے بغیر اپنی بات کہے جا رہے تھے۔

"تمہیں لگتا ہے تم جیسا شخص کہے گا اور ہاشم بزنجو سَر کے بَل دوڑا چلا آئے گا؟" ہاشم بزنجو کی حیران زُبان بولنے کے قابل ہوئی بھی تو کیا؟

"تم ابھی تک بے وقوفی اور بچگانہ پَن کا شکار ہو، ہاشم! افسوس ہوا جان کر۔" اِستہزا یہ کہہ کر اُنہوں نے ہاشم بزنجو کو کچھ مزید کہنے کا موقع دیئے بغیر کال مُنقطع کر دی اور پیچھے ہاشم بزنجو تلملانے کے لیئے رہ گئے۔ تھوڑی دیر بعد اُنکی آنکھوں میں چمک اُٹھی اور کوئی خیال دَر آیا۔ اُنہوں نے جو بلوچستان میں ائیرپورٹ بنانے کے لیئے زمین لینے کا سوچا تھا اُس پر عمل کرنے کا وقت آ گیا تھا۔ کہاں گوادر اور کہاں چاغی مگر جانتے تھے کہ اگر قبائل اُنکی جانب ہوں گے تو گوادر کی جِس زمین پر بھی وہ ہاتھ رکھیں گے اُنکی ہو جائے گی۔ مُسکراتے چہرے کے ساتھ ہاشم بزنجو واپس صوفے پر آ کر اپنے سیل فون کو اُٹھاتے ہوئے کچھ اہم لوگوں کو کال کرنے لگے تھے۔

اگلی صُبح جب کوئی دفتر اور کوئی جامعہ کے لیئے نکلنے لگا تھا تو ہاشم بزنجو نے اُن سب کو روک کر چاغی چلنے کا حکم نامہ جاری کر دیا۔ کوئی زمین جائیداد یا قبائل کا مسئلہ ہوتا تو صِرف مَرد حضرات جاتے یا میزاب مگر وہ تو سب کو جانے کا کہہ رہے تھے۔ میزاب نا سمجھی سے اُٹھ کر پیکنگ کے لیئے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ باقی سب جہاں اِتنے سالوں

بعد اپنے آبائی علاقے جانے کے لیئے پُر جوش نظر ارہے تھے وہیں نا سمجھی اور حیرانگی کی فضا بھی قائم تھی۔ سب سے زیادہ زُوبیہ اور تقی کا جوش دیکھنے لائق تھا۔ ہاشم بزنجو نے جب مُلازمین کو کال کر کے اپنی آبائی حویلی کو صاف کرنے کا حکم جاری کیا اُن دونوں نے مُسکرا کر ایک دوسرے کو دیکھا صِرف ذکی بے زار سا بیٹھا تھا کیونکہ وہاں جاتے ہی اُسکی آزادی چِھن جانی تھی۔ مُدثر اور کاشف صاحب ہاشم بزنجو سے نہ جانے کونسے راز و نیاز میں مصروف تھے اور پِھر اُنکے کہنے پر سب اپنے کمروں کو دوڑے کیونکہ سب نے ابھی اور اِسی وقت نکلنا تھا۔

"عباس کو ساتھ لے کر جائیں گے؟" جب سب تیار ہو کر اپنا سامان لیئے باہر پورچ میں کھڑے تھے تب مُدثر کے سوال پر ہاشم بزنجو نے کچھ کہنا چاہا تبھی کائنات اور تمام سٹاف کو کانفرنس کال پر ساری ہدایت دے کر باہر آتی میزاب اُنکی جانب بڑھی۔

"عباس کا جانا کوئی مُناسب بات نہیں ہے۔ مالز اور فیکٹریوں کی سیکورٹی اُسکے ذمے ہے۔" اُس نے ایک اہم نکتہ اُٹھایا جبکہ تنے ہوئے تاثرات والے مُدثر کے چہرے کی رونق بحال ہوگئی۔ شُکر ہے وہ کچھ دِنوں سے شام ہوتے ہی اپنے گھر چلا جاتا تھا اور میزاب اَب نہ اُس سے بات کرتی تھی اور نہ ہی اُسے دیکھتی تھی۔ معلوم نہیں کیا ہوا تھا مگر جو بھی ہوا تھا، ٹھیک ہوا تھا۔

"تم میرے ساتھ چل رہی ہو نہ؟" مُدثر، آمینہ، رفعت بیگم، تقی، ذکی اور زُوبیہ کے ساتھ الگ گاڑی میں جانے لگا تھا۔ ظاہر ہے سب ایک گاڑی میں تو آنے سے رہے۔

"زیبی ہمارے ساتھ چلے گی۔ تم اُن سب کے ساتھ رہو وہاں ایک بھی ذمہ دار نہیں۔ کئی عرصے بعد اپنے علاقے جا رہے ہیں دُشمن کی نیندیں اُڑی ہوئی ہوں گی تو ضرور کوئی اُوچھی حرکت ہو سکتی ہے۔" اُنکے کہے جانے پر میزاب نے گہرا سانس لیا۔ ڈرائیور آکر سب کا سامان رکھنے لگا تو میزاب نے خود ہی اپنا سامان سیاہ لینڈ کروزر کی پچھلی جگہ

رکھا اور خاموشی سے اندر بیٹھ گئی۔ اُسے نکلنے سے پہلے احتساب سَنجرانی سے پلان کا معلوم کرنا تھا۔ تب اُنھوں نے اُسکو تسلی دے کر کہا تھا کہ اِس پلان کو خود چلائیں گے کیونکہ میزاب تھی تو آخر دُشمن خاندان سے، اِسی لیئے وہ اُس پر اِس کے بعد ہی دیکھیں گے کہ بھروسہ کرنا ہے یا نہیں۔ میزاب کو کوئی اعتراض ہو بھی کیسے سکتا تھا۔ اُسے تو پہلے ہی ذہنی دھچکوں نے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ دِل میں ڈیرہ جما چکے نفرت اور اِنتقام نے اُسکو اپنے انجان، شدید ترین دُشمن سے ہاتھ تک مِلانے پر مجبور کر دیا تھا۔ دُشمن بھی وہ جو اُسکی رگ رگ سے واقف تھے اور اُسے نہ اپنے پُرانے دُشمنوں کے بارے میں کچھ معلوم تھا اور نہ اُنکے بارے میں جِن کے ساتھ پیدائش سے اَب تک رہتی آرہی تھی۔ اُسکا احتساب سَنجرانی سے الحاق کا فیصلہ سہی تھا یا غلط یہ اُسے نہیں معلوم تھا مگر اِتنا ضرور معلوم تھا کہ کاشف اور ہاشم بزنجو کو شدید ترین دھچکا دے کر اُنکے پیروں کے نیچے سے زمین کھینچنے کو وہ کچھ بھی کر گُزرنے والی تھی۔ سیل فون نکال کر اُس نے مخصوص نمبر پر میسج کیا تبھی مُدثر اُسکے برابر آکر بیٹھا اور پھر کاشف بزنجو۔ ڈرائیور کے ساتھ اگلی سیٹ ہاشم بزنجو سنبھال چکے تھے۔ سب کے بیٹھتے ہی دونوں گاڑیاں قصرِ بزنجو سے جیسے ہی نکلیں پیچھے گارڈز کی دو سیاہ ویگو بھی گولی کی طرح نکلیں۔ اِن گارڈز نے اسلام آباد ایئرپورٹ پر چھوڑ کر واپس آجانا تھا۔ وہ لوگ بائے روڈ کے بجائے بائی پلین جا رہے تھے کیونکہ اسلام آباد سے بلوچستان بائی روڈ تقریباً بارہ گھنٹے اور تیس منٹ لگتے ہیں جبکہ بائے ائیر پلین تقریباً دو گھنٹے اور کچھ منٹ اور بلوچستان انٹرنیشنل ائیرپورٹ سے آگے چاغی کا سفر پھر سے گاڑی میں طے کیا گیا۔ پنچائیت چونکہ عصر کے بعد شروع ہونی تھی اور اُنکے پاس اچھا خاصا وقت تھا اپنی حویلی پُہنچ کر سفر کی تھکان اُتارنے کا۔ جِس پَل بزنجو خاندان اپنی حویلی میں پُہنچے یہ خبر چاغی میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل چکی تھی۔ سب کو اُن لوگوں کی اِتنے سال بعد کی آمد کا سبب معلوم نہیں تھا مگر سب ہی جانتے تھے کہ سَنجرانی اور بزنجو خاندان کے درمیان ہونے والی پنچائیت میں کچھ اہم فیصلے ہونے تھے۔ پورے چاغی کو اَب بے صبری سے پنچائیت کا

اِنتظار تھا۔ چاغی کی فلاح اور ترقی کی رکاوٹ کو ختم کرنے کے لیئے کیئے جانے والے اہم فیصلوں کا وقت بس کچھ دُور ہی تھا۔

"میں نے سُنا ہے کہ بزنجو خاندان چاغی پُہنچ گیا ہے۔" عباس جان نِثار کل رات کو ہی شجاعت کے ساتھ اپنے گھر پُہنچا تھا یعنی چاغی میں۔ اُسے دَاجی نے جلد سے جلد آنے کی تڑیاں لگا کر بُلوایا تھا ورنہ وہ تو بزنجو خاندان کو اچھی طرح سے دیوالیہ کر کے ہی واپس جانے کا اِرادہ رکھتا تھا۔ خیر! وہ اپنے خاندان کا ولی عہد تھا۔ نامزد سردار تھا تو اُسکا علاقے کی خوشحالی اور اَمن واَمان کے لیئے رکھی گئی پنچائیت میں شامِل ہونے کے لیئے طوعاً وکرہاً آنا ہی تھا البتہ جواد کو کچھ اہم ہدایات دے کر اور آفس میں کسی کو بھی اطلاع دیئے بغیر راتوں رات نِکل آیا۔ جانے سے پہلے وہ ایک نظر میزابِ رحمت کو دیکھنا چاہتا تھا مگر ظاہر ہے میزاب اُسکی شکل بھی کیوں دیکھنا چاہے گی۔ اُن نگاہوں کی وہ سختی اور کاٹ، خبردار کرتے سخت لہجے نے اُسے دِل کی خواہش پر لعنت بھیجنے پر مجبور کر دیا تھا مگر اَب جواد کی بات پر حیرانگی سے بستر سے کرنٹ کھا کر نِکلا۔

"کیا کہہ رہا ہے؟" اُسکی غائب دماغ پر جواد نے چونک کر سیل فون کو کان سے ہٹا کر تصدیق کیا کہ آیا عباس کو ہی کال مِلائی ہے۔

"تم اپنے علاقے ہی گئے ہو نہ؟" اُسکو جیسے عباس کی بے خبری نے حیران کر دیا۔

"بارہ بجے پُہنچا ہوں اور آتے ساتھ سو گیا تھا اور تم نے میرے اعصاب ہلا دیئے ہیں۔" بکھرے بالوں میں ہاتھ پھیر کر کھڑکی تک آیا اور پردے پیچھے کر دیئے۔ صُبح کے گیارہ بجے تک وہ سوتا رہا تھا کیونکہ بستر میں لیٹنے کے باوجود اُسکو

کئی گھنٹے تک نیند نہیں آئی تھے۔ نیند اور اُسکی تو بچپن سے ہی دُشمنی تھی۔ نیند ہمیشہ سے عباس جان نِثار پر نامہرباں رہی تھی اَب تو معمالہ ہی مُحبت کا تھا جِس میں نیند کا اُڑنا گویا فرض یا واجب تھا۔

"واہ! کتنا کمینہ ہوتا جارہا ہے تُو۔ کیسے بے شرمی سے میرے سامنے اعتراف کر رہا ہے۔" جواد کے شرارتی لہجے پر عباس جو کچھ اور کہنے والا تھا، دانت پیس کر رہ گیا۔

"میں نے ایک عام سی بات کی ہے اور تیرے دماغ کے خناس نے اُسے غلط ڈی کوڈ کیا ہے۔۔" اِنتہائی سکون سے جواد کے شرارتی موڈ کو ٹُھس کر دیا۔

"اچھا۔۔۔"

"فون رکھو! میں ذرا معلوم کروں دَاجی سے کہ معاملہ کیا ہے۔" سنجیدگی سے کہہ کر اُس نے کال مُنقطع کی اور پُرسوچ چہرے کے ساتھ باہر نکلا تبھی اکبر بھاگتا ہوا اندر آیا۔

"آپ ابھی تک تیار نہیں ہوئے؟" اکبر کی حیرت جائز تھی۔ عباس صُبح خیز تھا اور اپنی اِس عادت پہ ہمیشہ قائم رہا تھا۔

"بس ہونے لگا ہوں۔ دَاجی کہاں ہیں؟" سائیڈ سٹینڈ سے سفید قمیض شلوار اُٹھاتے ہوئے اُس نے اچھی طرح تیار اکبر کو نا سمجھی سے دیکھا۔ اکبر اور اصغر پنچائیت سے ہمیشہ دُور بھاگتے تھے۔

"وہ اپنے کمرے میں پنچائیت کی تیاری کے لیئے گئے ہیں اور سب مَردوں کو تیاری کا حُکم جاری ہوا ہے۔" اکبر کی بات پر عباس جو ڈریسنگ روم میں داخل ہونے لگا تھا، ٹھٹک کر پلٹا۔

"کِس لیئے؟" وہ اکبر کو اپنی حیرت سے پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"دُشمنوں کا خاندان بھی پنچائیت میں شامِل ہو رہا ہے۔" اُسکی بات پر عباس کی پیشانی پر حیرت سے سلوٹیں پڑیں۔ سُنہری آنکھیں چند پل یونہی اکبر کو دیکھتی رہیں۔

"تم جاو! میں بس آرہا ہوں۔" اُسکو تسلی کروا کر وہ اندر آکر دیوار گیر آئینے کے سامنے کھڑا ہوا۔ آئینے میں اُسکا اُلجھا نا سمجھ سا عکس لہرا رہا تھا۔ عباس آئینے کی جانب متوجہ نہیں تھا۔ سَر جھٹک کر وہ واش روم میں شاور کے لیئے چلا گیا۔ اُسکی ڈریسنگ روم سے کمرے میں واپسی دَس مِنٹ بعد ہوئی۔ سفید قمیض شلوار کے ساتھ سفید رنگ کی ہی نفیس سی واسکٹ اور بال نفاست سے پیچھے بٹھائے وجیہہ مگر گہری سوچ میں غرق عباس جان نِثار نے ڈریسنگ ٹیبل کے پاس بنے ریک سے پشاوری چپل نکال کر پہنے اور پھر کلائی پہ پہن رکھی گھڑی پر وقت دیکھ کر تیز قدموں سے کمرے سے باہر نکلا۔ راستے میں ہی اُسے سب مَرد تیار کمرے سے باہر نکلتے ہوئے نظر آئے اور پھر سب مَردانے کی جانب بڑھے جہاں سفید پگڑی پہنے رحمان بخش سَنجرانی چہرے پر اطمینان بھَرے تاثرات لیئے نظر آئے۔

"اسلام علیکم، داجی!" سب مَرد حضرات نے بیک وقت سلام کیا۔ اُن سب کے جواب دیتے رحمان بخش سَنجرانی کی مخصوص نگاہ کا مرکز اپنی گہری سوچ میں مگن عباس جان نِثار تھا۔ احتساب سَنجرانی نے اُسکا کندھا ہلا کر سب کی جانب متوجہ کیا۔

"ہم سب پنچائیت میں پہلے جائیں گے۔ آج دو پنچائیت ہونی ہیں اور عباس تم دوسری والی میں شامِل ہو گے جو تین بجے رکھی گئی ہے۔" اُنکے حکم پر نا سمجھی سے سَر اثبات میں ہلاتا عباس، اچانک ٹھٹکا۔

"تو اپنی شناخت بتانے کا وقت آ گیا ہے؟" اُسکے تصدیقی سوال پر رحمان بخش سنجرانی نے مُسکرا کے آنکھیں بند کر کے کھولتے ہوئے جیسے مثبت اِشارہ کیا۔ عباس سمجھ گیا کہ اَب آمنے سامنے ہو کر مقابلہ کرنے کا وقت آن پُہنچا تھا۔ بہت ہو گیا چوہے بلی کا کھیل۔

"ہم سب چلتے ہیں۔" رحمان بخش سَنجرانی نے باقی مَرد حضرات کو دیکھا جن میں گھر کے تین لڑکے شجاعت، اکبر اور اصغر بھی آج شامِل تھے۔ رحمان بخش سَنجرانی کے ساتھ سب آگے پیچھے باہر نِکل گئے اور عباس بے دم ہو کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ سَر صوفے کی پُشت سے ٹِکائے وہ یہ سوچ رہا تھا کہ میزابِ رحمت بھی آئی ہو گی؟ نہیں! یہ کیسے مُمکن ہے! اُس نے سب کچھ سنبھال رکھا ہے تو ظاہر ہے وہ نہیں آئے گی۔ ایک تورات کو اُنکے گھر سے جلدی نکل آیا تھا کسی کو بھی بغیر اطلاع دیئے تو کہیں سے کوئی خبر مِلنا بھی مُشکل تھا۔ یَک دَم ذہن میں جھماکا ہوا۔ سیدھے ہو کر بیٹھتے ہوئے اُس نے کائنات کا نمبر مِلایا مگر وہ مصروف جارہا تھا اور یہ تبھی ہوتا تھا جب میٹنگ ہو یعنی میزابِ رحمت اسلام آباد میں ہی تھی۔ اعصاب تقویت پانے لگے۔ سیل فون واپس جیب میں ڈال کر اَب وہ سَر صوفے کی پُشت سے ٹِکا کر قدرے پُرسکون لگ رہا تھا۔

✓ہم سے گئی رُتوں نے عجب خُوں بہالیا

آنکھوں سے جھانکتا رہا چہرہ سوالیہ

کچھ اِیسے دُھوپ چھاؤں کے پہرے لگے رہے

نکلے حصارِ شب سے تو سورج نے آلیا

کھنچتے ہیں جب بھی ذہن میں ماضی کے دائرے

ہم نے تیرے خیال کو مرکز بنالیا

پلکیں اَدھورے خواب ہی بُنتی رہیں سدا

آبادیوں کے خوف نے صحرا بَسالیا

شاید زمیں کا کَرب گوارا نہ تھا اُسے

اُس نے پیمبروں کو بھی زندہ اُٹھا لیا

شہرت سلیم کو وراثت میں کب ملی

تنہا رہے کسی کے حوالے سے کیا لیا۔۔

(سلیم کوثر)

"آج کئی زمانے بعد اِس علاقے کے دو معزز قبائل پنچائیت میں اکھٹے شریک ہوئے ہیں۔ خُوش آمدید، ایمان سلامت؟" سَرپنچ نے سب کے مِلنے ملاتے ہی پنچائیت کا آغاز کرنے کے بعد ایک نظر گردن اکڑائے بیٹھے ہاشم بزنجو اور اطمینان سے مُسکراتے رحمان بخش کو دیکھا۔

"ایمان سلامت!" سب نے ایک ساتھ اُونچی آواز میں آخری سوال کا جواب دیا۔ یہ یہاں کے رہنے والے لوگوں کی خیریت پوچھنے کا کئی عرصے سے چلا آرہا طریقہ تھا۔

"رحمان بخش صاحب نے اپنے ذاتی عناد کو علاقے کے اَمن واَمان کے لیئے پسِ پُشت ڈال کر ایک نئی مثال قائم کی ہے۔" اُسی سَرپنچ کی اگلی بات پر جہاں ہاشم بزنجو کے چہرے پر ناگواری طاری ہوئی وہیں سب بیٹھے معززین نے تالیاں بجا کر حلاوت سے مُسکراتے رحمان بخش سَنجرانی کو دَاد دی۔ ناگواری سے کاشف بزنجو نے پہلو بدل کر اپنے برابر بیٹھے باپ کو دیکھا۔

"ہم نے اپنے اَجداد سے عفوو دَرگزر ہی تو میراث میں پائی ہے۔" اُنکی عاجزی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔

"وہ تو سب کو نظر آ رہا ہے کہ کیا کیا اَجداد سے پایا ہے، نہیں پایا تو روایتوں کی پاسداری۔" ہاشم بزنجو کی مُنہ سے گو اِیسے الفاظ مُضحکہ خیز لگ رہے تھے مگر رحمان بخش سَنجرانی کو بالکل ناگوار نہیں گُزرا۔

"یہاں کوئی بدمزگی نہیں چاہتا، ہاشم صاحب!" دوسرے سَر پَنچ کی یاد دہانی پر ہاشم بزنجو نے اُس باریش بزرگ کو تُندہی سے گُھورا۔

"میں تو اپنے اگلے سردار کو ساتھ لے کر آیا ہوں اِتنے زمانوں بعد بھی حسبِ روایت مگر یہاں دوسرے خاندان کا نامزد سردار نظر نہیں آ رہا۔" اُنہوں نے اپنے برابر بیٹھے کاشف بزنجو کی جانب اِشارہ کر کے تاق کر نشانہ باندھا۔ کاشف بزنجو کے کندھے چوڑے ہوئے۔ تقی اور ذکی نے مُسکراہٹ دبا کر ایک دوسرے کو دیکھا۔

"ہمارا نامزد سردار رات کو ہی دارالحکومت سے واپس آیا ہے بس آنے ہی لگا ہے یہاں لیکن اگر میری معلومات غلط نہیں ہے تو بزنجو خاندان کا سارا اِختیار تو ہاشم صاحب کی پوتی میزابِ رحمت کے پاس تھا؟" رحمان بخش سَنجرانی کے سوال پر سب نے ایک دوسرے کو چونک کر دیکھا جبکہ ہاشم بزنجو پہلی بار ٹیک چھوڑ کر سیدھے ہوئے۔

"وہ میرا کاروبار سنبھال رہی ہے اور میرا بیٹا سرداری سنبھالے گا۔" سب کے چہرے کی متضاد تاثرات پر ہاشم بزنجو نے رحمان بخش سَنجرانی کو تادیبی نظروں سے دیکھ کر کہا۔

"دو قومی نظریے کی بُنیاد ہمیشہ اِسی طرح ہوتی ہے۔" پہلی بار گفتگو میں بڑوں کے بعد کسی اور نے حصّہ لیا اور لینے کی جُرات احتساب سَنجرانی کے علاوہ کون کر سکتا تھا بَھلا۔

"سب سنبھالے عورت مگر سرداری مِلے مَرد کو۔ یہ تو ناانصافی ہے سَر پَنچ صاحب!" وہ جیسے ہاشم بزنجو کے چہرے کے تاثرات سے محظوظ ہو رہے تھے۔

"تو تم کیا چاہتے ہو کہ میں اپنے خاندان کی بہن بیٹی کو سب کے سامنے لے آؤں؟" وہ تو ہتھے سے اُکھڑنے کو تیار تھے۔

"جب پوری دُنیا کے سامنے لا سکتے ہیں تو پنچائیت کے سامنے کیا قباحت ہے۔" احتساب سَنجرانی کا انداز آگ لگاتا ہوا تھا اور آگ لگ بھی گئی۔ کاشف بزنجو نے شر ربار نظروں سے احتساب سَنجرانی کو دیکھا۔ اِس آدمی کی زُبان کی خندق اِتنے سالوں کے بعد بھی قائم و دائم تھی۔

"ہم بلوچ لوگ ہیں۔ عورت اور مَرد کی برابر کامیابی، ترقی اور عزت پر یقین رکھتے ہیں۔" سَرپَنچ کی تائید پر مُدثر نے اپنے نانا کو دیکھا جو بڑی مُشکل سے ضبط کیئے بیٹھے تھے۔ ہاشم بزنجو نے چہرہ پھیر کا کاشف بزنجو کو دیکھ کر کوئی نا محسوس اِشارہ کیا تو وہ اپنی جیب سے فون نکال کر میزاب کو کال کرنے لگے۔ اَب احتساب سَنجرانی اطمینان سے بیٹھ چُکے تھے۔

"تب تک یکطرفہ مسئلے کی طرف توجہ دیتے ہیں۔ گودار کی زمین مساوی نہیں ہے اور نہ ہی خرید و فروخت کے لیئے۔" رحمان بخش کی اگلی بات پر ہاشم بزنجو کو سو والٹ کا کرنٹ لگا۔

"ظاہر ہے وہ کئی سال پہلے آپکی ملکیت ہو چُکی ہے۔ خرید و فروخت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" کسی اور شخص کی تصدیق پر ہاشم بزنجو کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔ طیش اور بے بسی کے تاثرات اُنہوں نے بڑی مُشکل سے قابو میں کیئے۔ اُنکو یہ کڑوا گھونٹ ابھی خاموشی سے ہی پینا تھا۔

قبل اِسکے مزید کوئی بات ہوتی، سب نے قدموں کی آواز پر چہرہ پھیر کر آنے والے کو دیکھا اور اُٹھ کھڑے ہوئے۔ سَر پنچوں تک کو کھڑے ہوتے دیکھ کر کاشف، مُدثر، تقی، ذکی اور ہاشم بزنجو نے چونک کر پلٹ کے دیکھا اور نووارد کو دیکھتے ہی چونک اُٹھے۔

"عباس! تم یہاں۔۔۔؟" ہاشم بزنجو کے حیرت ذدہ سوال نے سب کو اُنکی جانب متوجہ کیا۔

"آپ جانتے ہیں عباس کو؟" سَر پنچ کے خوشگوار سوال پر ہاشم بزنجو کچھ عجیب سا محسوس کر کے تذبذب کا شکار ہوئے۔ عباس قدم قدم چلتا سب کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"اسلام علیکم! ایمان سلامت؟" اُسکی بھاری سنجیدہ آواز پر سب نے اُنکو دیکھ کر سَر کو خم کیا سوائے بزنجو خاندان کے جو نا سمجھ میں آنے والی حیرانگی سے سب دیکھ رہے تھے۔

"وعلیکم السلام! ایمان سلامت!" بزنجو خاندان کے سوا سب نے یک زُبان ہو کر جواب دیا۔ رحمان بخش سَنجرانی اپنی جگہ چھوڑ کر عباس کے برابر آ کھڑے ہوئے۔

"یہ میرا پوتا اور اگلا سردار ہے، عباس جان نِثار سَنجرانی!" وہ تعارف ہرگز نہیں تھا، دھماکہ تھا۔ ناگہانی آفت تھی، ستم تھا جو ششدر اور دنگ رہ جاتے بزنجو خاندان پر بڑی بے نیازی سے توڑا گیا۔ تقی اور ذکی کا مُنہ کُھل گیا جبکہ مُدثر کی آنکھوں میں نفرت کے شعلے بھڑک اُٹھے۔ ہاشم بزنجو کا پورا وجود چکرا کر رہ گیا۔

"تو اِس لیئے تم نے اپنے ولی عہد کو سات پَردوں میں چُھپا رکھا تھا۔" اِس ہلا ڈالنے والے حملے سے سب سے پہلے ہاشم بزنجو ہی باہر نکلے۔ جب بولے تو اُنکے لہجے میں آگے کی لپک تھی۔ اِس شخص پر اعتبار اور بھروسہ کرنے کا گُناہ اُن سے ہی تو ہوا تھا۔

"اگر سات پردوں میں چھپا رکھا ہوتا تو تم کیسے جانتے میرے ولی عہد کو۔" رحمان بخش کے اُونچے کندھے، اُٹھی گردن اور چمکتی آنکھوں سے ہاشم بزنجو کی ابھی کی مات کا کیا مقابلہ ہو سکتا تھا۔ اُنہوں نے مٹھیاں بھینچ کر برابر بیٹھے اور نواسے کو دیکھا جو سُرخ، کھا جاتی آنکھوں سے اُس شاندار سے مَرد کو دیکھ رہے تھے جو کل شام تک اُنکے خاندان کی سیکورٹی کا چیف اور بزنجو ایمپائر کی چیئر ویمن کا باڈی گارڈ تھا۔ عباس کے بیٹھتے ہی اصل بات کا آغاز ہوا، بھانت بھانت کی بولیاں بولی جانے لگیں، طیش بھرے جملے، طنز و طعنے، الزام تراشیاں، اَمن کے لیئے مُنعقد کی گئی پنچائیت میں ہی اَمن کی دھجیاں اُڑنے لگیں اور پھر یک دَم، اچانک سب تھم گیا۔ سب تحیر سے اپنے قبائل کے نامزد سردار کو اپنی جگہ چھوڑ کر اُٹھتے دیکھنے لگے۔ سارا، شور، سب آوازیں اور طعنے تشنے، اُس سَر اُٹھا کر ایک وقار سے آتی، سُرخ اور سیاہ شیشوں والی چادر اوڑھ رکھی عورت کو دیکھ کر اپنی موت آپ مَر گئے۔ ہر شے پر جمود طاری ہو گیا۔ بلوچستان کے سب سے معتبر خاندان کا اگلا سردار اپنا سب کچھ، اپنی ہستی تک بُھولے اُس عورت کو دیکھ رہا تھا جو دُشمن خاندان کی ہونے کے باوجود دِل کے موسموں پر سارے اختیارات رکھتی تھی۔ قریب آچکی بے رِیا، مہربان سُرمائی آنکھیں، شوق مَند، مسحور ہوئی سُنہری آنکھوں سے مِلتے ہی پہلو بدل گئیں، دامن جھٹک گئیں۔ عباس کی دیکھا دیکھی سب اُس عورت کے لیئے کھڑے ہوئے جو پنچائیت کی تاریخ میں شامِل ہونے والی پہلی عورت ہونے کا اعزاز لے چکی تھی۔

"اسلام علیکم!" اُسکی نرم، مُلائم آواز نے عباس جان نِثار کے دِل کے ٹھہرے پانیوں میں اِرتعاش برپا کر دیا۔

✓ میں پوری کائنات اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہوں

یہاں آؤ! سامنے بیٹھو!

میں تمہیں دیکھنا چاہتا ہوں۔۔۔

میزاب نے آکر خالی کرسی سنبھال لی۔ سب بیٹھ گئے، کھڑا رہا تو صِرف عباس جان نِثار۔ رحمان بخش سَنجرانی نے ہاشم بزنجو کے عباس کو دیکھتے بغور تاثر میں آتی تبدیلی پر اُسکا شانہ نرمی سے تھپتھپا کر چہرہ پھیر کے اپنی جانب دیکھتے عباس کو بیٹھنے کا عندیا دیا۔

"ہوش میں رہو، عباس!" اُنکی سرگوشی پر عباس جان نِثار کی پلکیں لرز کر جُھکیں اور پھر وہ اپنی جگہ پر واپس بیٹھ گیا۔ وہ جو کسی کے سامنے نہیں کُھلتا تھا اُس ایک بے اِختیار لمحے میں ہاشم بزنجو پر نہ جانے کیسے اور کیوں عیاں ہو گیا۔ وہ نظر کی بے اِختیاری اور ٹھہراؤ ہاشم بزنجو کی جاںہدیدہ آنکھوں نے فوراً بھانپ لیا تھا اور بے اِختیار مُسکرا دیئے۔ کچھ دیر پہلے ہونے والی باتوں نے جہاں اُنکو طیش زدہ اور نفرت سے نیل و نیل کیا تھا وہیں ابھی اچانک اُنکے سنجیدہ تاثرات عباس جان نِثار کے چہرے اور آنکھوں میں اُتر آنے والے جذبے سمجھ کر شِطرانہ مُسکراہٹ میں ڈھل گئے۔

"مُجھے اَمن واَمان کے لیئے اُٹھائے جانے والا فیصلہ منظور ہے۔" اُنکی گونج دار آواز پر سب نے بہت بے یقینی سے ہاشم بزنجو کو دیکھا صرف میزابِ رحمت اور عباس جان نِثار اُس فیصلے سے لاعلم تھے۔

"آپ۔۔۔!" جہاں سَرپنچ سب ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھنے لگے وہیں، مُدثر نا سمجھی سے سیدھا ہوا۔

"میں اپنی پوتی میزاب کی سَنجرانیوں کے اِس لڑکے سے شادی کروانے کے فیصلے کو تسلیم کرتا ہوں۔" اُنہوں نے بیٹھے بیٹھے اُنگلی سے سربراہی کرسی پر سفید شلوار قمیض میں بیٹھے عباس جان نِثار کی جانب اِشارہ کر کے اَب کے جہاں احتساب سَنجرانی کو مُسکرانے پر مجبور کیا وہیں میزاب نے ششدر ہو کے چہرہ پھیر کر طمانیت سے مُسکراتے ہاشم بزنجو کو دیکھا اور اُنکی آنکھوں میں اِیسی مکاری، تمسخر اور نفرت تھی کہ اُس نے سُن پڑتے ذہن کے ساتھ چہرہ پھیر کر اپنی سمت تحیر سے متوجہ عباس جان نِثار کو دیکھا۔ وہ بھی اُتنا ہی دنگ اور ششدر تھا بلکہ اُس سے بھی کہیں زیادہ۔ ہاشم بزنجو اُسکی حقیقت جان لینے کے بعد اِیسا سوچ بھی سکیں گے یہ اُسکے وہم و گُمان سے بھی پرے کی بات تھی۔

چاغی کی اُس پنچائیت میں مُبارک سلامت کا شور اُٹھنے لگا۔ اَمن بحال رکھنے کے لیئے اُٹھائے گئے اُس قدم کو ہر کوئی بغلگیر ہو کر سراہ رہا تھا یہاں تک کہ مُسکراتے رحمان بخش سَنجرانی اور ہاشم بزنجو تک نے ایک دوسرے کے بڑھے ہوئے ہاتھ تھام لیئے۔ نئی رشتے داری کی بُنیاد رکھی گئی اور میزابِ رحمت بزنجو اور عباس جان نِثار سَنجرانی کو رشتہ اَزدواج میں جوڑنے کے فیصلے پر مُہر لگا دی گئی۔ اِس فیصلے کے لیئے کسی کے دِل میں نہاں خواہش نے عرش کو ہلا یا تھا یا نئی دُشمنی کی شروعات کا آغاز تھا؟

رفاقتوں کی نئی مَسندِ سعید پہ ہوں ✓

میں کچھ دِنوں سے کسی کی صوابدید پہ ہوں

معاملہ ہی نہیں ہے تُجھ سے بھَاؤ تاؤ کا

تیرے لیئے تو اُسی قیمتِ خرید پہ ہوں

بضد ہے وہ کہ قناعت ہو اِک نگاہ پر ہی

یہ میں بھی میں ہوں، ابھی لغزشِ مزید پہ ہوں

مُجھے وہ ساعتِ وجود پر نہیں دَرکار

اُسے یہ رَنج کہ میں عرصہِ بعید پہ ہوں

ابھی وہ لمحہِ روئیدگی نہیں آیا

ابھی میں موسم سَر سبز کی نوید پہ ہوں

میں پیار تھا، کہیں نفرتوں میں مارا گیا

تو پھر یہ کیوں نہ کہوں کہ رُتبہِ شہید پہ ہوں۔۔۔

(رانا غلام محی الدین)

"کیا کہہ رہے ہیں آپ، دَاجی؟" حیرت سے فوزیہ بیگم نے سیل فون پر گرفت مضبوط کرلی جبکہ صوفے پر بیٹھیں نازنین اور نورین نے ایک دوسرے کو ناسمجھی سے دیکھا۔

"سب کو کہو ابھی کے نِکاح کی ضروری تیاری کریں۔" رحمان بخش کی اگلی ہدایت پر فوزیہ بیگم بے یقینی سے صوفے پر جِس طرح بے دَم ہو کر بیٹھیں، نازنین اور نورین اپنی جگہ چھوڑ کر تیزی سے اُن تک آئیں۔

"کیا ہوا فوزی امی؟" نازنین نے بے چینی سے اُنکا شانہ ہلایا جبکہ فوزیہ بیگم نے کال مُنقطع ہوتے ہی سیل فون خفگی سے ٹیبل پر پٹختے ہوئے اُن دونوں کو اپنی جگہ سے اُچھلنے پر مجبور کر دیا۔

"امی! فوزی پھُوپھُو کو پتا نہیں کیا ہو گیا ہے۔" نورین نے اپنی ماں ہدیہ احتساب کو آواز دی اور اُسکی گھبرائی پُکار پر کچن کے کھانے کی تیاری کرواتیں صائقہ کلیم بخش اور ثوبیہ کریم بخش بھی ساتھ ہی تیز قدموں سے باہر آئیں۔

"کِس کا فون تھا؟" سائیڈ پر پڑے فون کو ایک نظر دیکھ کر ہدیہ احتساب نے آہستگی سے پوچھتے ہوئے باقی سب کو چونکا دیا۔ ظاہر ہے اہم پنچائیت کے فیصلے ہونے تھے اور سب سے بڑھ اُس پنچائیت میں اُنکے دُشمن خاندان نے شمولیت اختیار کی تھی تو اِیسے میں کوئی اچھی خبر تو ہو نہیں سکتی۔

"دَاجی! اِیسا سوچ بھی کیسے سکتے ہیں؟ وہ عباس کا مُستقبل کیسے برباد کر سکتے ہیں؟" بے یقینی کی جگہ اَب طیش نے لے لینا شروع کر دیا۔

"کچھ بتاؤ تو کیا کہا ہے دَاجی نے؟" صائقہ بیگم نے اُنکا شانہ ہلایا تو فوزیہ بیگم نے چونک کر اُن سب کے پریشان چہروں کو دیکھا۔

"دَاجی! کہہ رہے ہیں کہ عباس کے نِکاح کی تیاری کرو۔" اُنکی بات پر نازنین اور نورین نے کھُلتے مُنہ سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"عباس بھائی کا نِکاح؟" اُن دونوں کے مُنہ سے سوال چیخ کی صورت نِکلا۔

"لیکن کِس کے ساتھ؟" ثوبیہ بیگم کے حیران سوال پر فوزیہ بیگم مُٹھیاں بھینچ کر اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

"دَاجی کو میں اپنے بیٹے پر اِیسا ظُلم کرنے نہیں دوگی۔" فوزیہ بیگم جیسی ٹھنڈے مزاج کی عورت ایک دَم ہتھے سے اُکھڑ گئیں۔

"کچھ ہمیں بھی بتاؤ گی یا مزید پریشان کروگی ہمیں؟" ہدیہ احتساب نے فوزیہ بیگم کا ہاتھ ہلا کر اپنی جانب متوجہ کیا۔ فوزیہ بیگم نے خفا نظروں سے اپنی تینوں بھابیوں کو دیکھا۔

"دَاجی میرے عباس کا نِکاح اُس اَصفہان کی بیٹی سے کروا رہے ہیں۔" اُنہوں نے چیخ کر کہتے ہوئے قصرِ سَنجرانی کے دَرودیوار تک کو ہلا کر رکھ دیا۔

"تم سے دَاجی نے اِیسا خود کہا؟" صائقہ بیگم سب سے پہلے اُس دھماکے کے اثرات سے باہر نکلیں۔

"وہ کہہ رہے ہیں کہ ہم سب یہاں گھر میں ابھی ہونے والے نِکاح کی تیاری کریں۔" فوزیہ بیگم کا چہرہ پریشانی اور غصّے سے سُرخ کو رہا تھا۔ ثوبیہ بیگم نے گہرا سانس لے کر ٹیبل سے جگ اُٹھا کے پانی کا گلاس بَھر کے اُنکی جانب بڑھایا۔

"پانی پیو اور صبر کرو جب تک سب گھر نہیں آجاتے۔ کیا معلوم وہ کسی اور سے کروانے کی بات کر رہے ہوں۔"

ثوبیہ بیگم نے اُنہیں ٹھنڈا کرنا چاہا۔ سب جانتے تھے کہ فوزیہ وارث علی، عباس جان نِثار کے لیئے ماہ نور مُحتسب جیسی مُحبت رکھتی تھیں۔

"آپ لوگ رہیں غلط فہمی میں مگر میں دَاجی کو اِیسا ظُلم ہرگز نہیں کرنے دوں گی۔ پہلے ہی میرے بچے کو اِس اِنتقام میں رول کر رکھ دیا ہے۔ کب سے اپنی عُمر، شوق اور خواب برباد کرتا آرہا ہے میرا بیٹا۔" کڑک لہجے میں کہتے ہوئے اُنکا لہجہ بَھرایا اور پِھر وہ صوفے پر بیٹھ کے زارو قطار رونے لگیں۔

"اپنے باپ کو فون کرو ذرا۔" ثوبیہ بیگم نے نورین کو کہا تو وہ تیزی سے کال مِلانے لگی مگر دوسری جانب بیل تو جا رہی تھی مگر کال نہیں اُٹھائی گئی۔

"بابا کال نہیں اُٹھا رہے۔" نورین نے پریشانی سے کہتے ہوئے اُنکو سب کو مزید پریشان کر دیا تبھی نورین اور نازنین کے سیل فون پر ایک ساتھ میسج کی ٹون بجی۔ اُن دونوں نے چونک کر سکرین کو دیکھا جہاں اکبر اور اصغر کے پیغام لہرا رہے تھے۔ دونوں نے پھیلتی آنکھوں سے پڑھ کر ایک دوسرے کو اپنے سیل فون پکڑا کر تصدیق کروائی۔

"دَاجی سچ کہہ رہے تھے، فوزی امی۔" نازنین کی تائید نے جلتی پر مزید تیل چھڑک دیا۔

"میرے بیٹے کے لیئے وہی خاندان رہ گیا ہے۔" فوزیہ بیگم پیر پٹخ کر اُٹھ کھڑی ہوئیں اور پِھر تیز قدموں سے ہال سے باہر نِکل گئیں۔

"اَب کیا ہو گا؟" نازنین کے مدہم سوال پر نورین صوفے پر واپس بیٹھ گئی۔

"قیامت آئے گی اِس گھر میں۔ اللہ ہی خیر کرے۔" ثوبیہ بیگم نے تھام رکھا پانی کا گلاس پیتے ہوئے ٹیبل پر رکھ دیا۔

"داجی اِتنا قیامت خیز فیصلہ کیوں لیں گے؟ کیا معلوم وہ لڑکی اچھی ہو؟" نازنین نے کمزور لہجے میں کچھ دیر بعد ہونے والی بھابھی کا دفاع کرنا چاہا جبکہ ثوبیہ، صائقہ اور ہدیہ بیگم کے خفگی سے اُسے دیکھنے سے قبل ہی نورین نے اُسکے ہاتھ کی پُشت پر تھپڑ مار کر اُسے خاموش کروادیا۔

"بیٹا جی! وہ اُس منحوس خاندان کی بیٹی ہے جو ہمارے اپنوں کے ساتھ ہماری زمینیں بھی کھا گئے ہیں اور اَب یہ لڑکی آ کر ہمیں بیچ کھائے گی۔" ہدیہ بیگم کے تیز لہجے میں کی گئی بات سے کِس کو اِختلاف ہو سکتا تھا۔

"مگر ہمیں تیاری تو کرنی ہی ہے۔ دَاجی خود آکر فوزی سے بات کرلیں گے۔" صائقہ بیگم کے سنجیدگی سے کہنے پر وہ سب اپنی جگہ چھوڑ کر تیاریاں کرنے کے لیئے ہال سے باہر نِکل گئیں۔ آخر اِتنے سالوں بعد سَنجرانی خاندان کے پہلے لڑکے کا نِکاح تھا تو عُجلت اور مجبوری کے باوجود کوئی کسر نہیں رہنی چاہیئے تھی۔

وہ جانتی تھی کہ اُسکی زندگی میں کچھ بھی، کبھی نارمل نہیں ہو گا مگر یہ نہیں سوچا تھا کہ اُسکا نِکاح ہی اِتنا ابنارمل طرح سے ہو گا۔ سب کا اِرادہ تھا کہ پنچائیت کے ختم ہونے کے بعد نِکاح بزنجو خاندان کی حویلی میں رکھا جائے مگر احتساب سَنجرانی نے سب کو ابھی اور اِسی وقت نِکاح کروانے کا کہہ کر میزاب کے قدموں کے نیچے سے زمین کھینچ نِکالی۔ اُنکا کیا یہ پلان تھا؟ کیا وہ ایک تیر سے واقعی دو شکار کر رہے تھے؟ میزاب کیسے بُھول گئی کہ سَنجرانیوں کے لیئے تو میزاب رحمت بھی دُشمنی کا ہدف تھی۔ وہ چہرہ اُٹھا کر خالی نظروں سے ہاشم بزنجو کو مُسکرا کر احتساب سَنجرانی کی بات مانتے دیکھ رہی تھی۔

اُنہیں ایک دَم سے کیا ہوا تھا جو وہ اِتنا بڑا فیصلہ تسلیم کر رہے تھے؟ اُسکی نظروں کا اثر تھا یا کیا ہاشم بزنجو نے اُسے دیکھا اور مُسکرا کر اُس تک آئے۔

"میرا بیٹا! یہ مت سمجھنا میں نے تمہیں پرایا کر دیا ہے۔" اُسکے برابر بیٹھتے ہوئے اُنہوں نے اِتنی حلاوت سے کہا کہ اگر وہ کچھ ہفتوں پہلے والی میزاب ہوتی تو فوراً پسیج جاتی مگر پھر بھی اُسکا دِل نرم پڑا۔

"آپ میرے ساتھ اِیسا کیسے کر سکتے ہیں؟ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اُس خاندان میں سب مُجھ سے کتنی نفرت کرتے ہوں گے۔" اُسکا لہجہ سنبھلا ہوا تھا مگر آنکھوں میں بے یقینی ابھی تک موجود تھی۔ اکبر سے کوئی بات کرتے عباس نے یونہی چہرہ پھیر کر سائیڈ پر دیکھا اور نگاہ وہیں ٹھہر گئی جہاں میزابِ رحمت اپنے دادا سے بات کر رہی تھی۔ عباس جانتا تھا کہ میزاب کے لیئے ہاشم بزنجو کِس قدر اہم ہیں۔ اُس حسین چہرے کی بے یقینی پر وہ دِل جو تیزی سے دوڑ رہا تھا، ٹھوکر لگنے سے مُنہ کے بَل گِر پڑا۔ اُسے کیسے بُھول گیا کہ میزابِ رحمت تو اُسکے چہرے پر تُھوکنا تک پسند نہیں کرے گی۔

"مُجھ سے اِتنی اُمید مت رکھیں۔ میں سب کے سامنے اِنکار بھی کر سکتی ہوں۔" اُنکی اُنہیں باتوں پر میزاب نے بھی پُرانے انداز میں کہہ کر ہاشم بزنجو کو قہقہ لگانے پر مجبور کر دیا۔

"اَب لگی ہو ہاشم بزنجو کی پوتی۔" اُنہوں نے مُسکرا کر سَر تھپتھپایا جبکہ میزاب یونہی سنجیدگی سے اُنکو دیکھتی رہی۔

"میں اگر واقعی میں سب کے سامنے اِنکار کر دوں؟" اُسکے سنجیدہ سوال پر ہاشم صاحب کی مُسکراہٹ سِمٹی۔

"تو کر دو اِنکار۔ میں یہی چاہتا ہوں کہ اِس بَھری پنچائیت میں منحوس سَنجرانیوں کا لڑکا اور دادا ذلیل و خوار ہوں جنہوں نے ہاشم بزنجو کو فریب دیا ہے۔" وہ بولے نہیں، دھیمے لہجے میں غُرائے تھے۔ میزاب نے بغور اُنکی آنکھوں اور چہرے پر پھیلی نفرت کو دیکھا۔

"نِکاح شروع کریں؟" سَنجرانی خاندان میں سے کسی مَرد نے پنچائیت سے سوال کیا اور میزاب جانتی تھی کہ وہ احتساب سَنجرانی کے علاوہ کون ہو سکتا ہے۔

"میرے خیال سے سَنجرانیوں کا مردانہ قریب ہی ہے۔ میزاب بیٹی کو وہاں لے جانا چاہیئے۔" سَرپنچ کی بات پر سب کی نظریں میزاب تک گئیں جو بغیر کچھ کہے اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"کہاں جانا ہے؟" وہ یہاں آنے کے بعد پہلی بار اُونچی آواز میں بولی تھی اور اُس بے تاثر سوال پر عباس جو کب سے اُس پر نگاہ جمائے ہوئے تھا، نظروں کا زاویہ بدل گیا۔

"وہاں! آپکو عباس چھوڑ۔۔۔" احتساب سَنجرانی کی بات مکمل نہیں ہونے دی گئی۔

"میں خود جا سکتی ہوں۔" سنجیدگی سے کہہ کر وہ ساری پنچائیت کو ششدر چھوڑ کر کندھوں پر شیشے کی چادر سنبھال کے چند قدم دُور نظر آتی خوبصورت، شاندار سی سَنجرانی حویلی کی جانب بڑھ گئی۔ اُنکا مَردانہ باہر سے بھی کُھلتا تھا اور اُسکے لیئے گھر کے اندر جانے کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ ہاشم بزنجو نے عباس کے سنجیدہ ہوتے چہرے کو دیکھ کر مُسکراہٹ دبائی جبکہ بے چین مُدثر نے اِسکی بھی کوشش نہیں کی، اُسکا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ عباس اُنکے قہقھوں سے بے نیاز میزاب کے پیچھے چَل پڑا۔ قبل اِسکے میزاب لکڑی کا آبنوسی دروازہ کھولتی، اُسکے عقب سے جو ہاتھ آیا، میزاب اُسکو پہچانتی تھی تبھی تیزی سے سائیڈ پر ہوئی۔ اُسکا یوں ناگواری سے سائیڈ پہ ہونا نظر انداز کر کے عباس

نے مردانے کا دروازہ اُسکے لیئے وَا کیا جبکہ میزاب نے اُسے دیکھے بغیر اندر قدم رکھ دیا۔ عباس نے اُسکے پیچھے آکر آگے بڑھ کر گھر کی جانب اندر کو کُھلتا دروازہ کھولا۔

"نازو، نوری!" اُسکی پُکار پر صوفے پر بیٹھتی میزاب صرف ایک پَل کو چُونکی۔ نازنین اور نورین ایک ساتھ اُسکی اُس سنجیدہ بھاری آواز پر بھاگتی ہوئی آئیں۔ میزاب نے چہرہ اُٹھا کر سوال اور اشتیاق چہرے پر سجائے دروازے میں آتی لڑکیوں کو دیکھا۔

"فوزی امی اور سب کو بُلا لاؤ۔ مَرد باہر ہوں گے۔" نورین کو کہہ کر اُس نے وضاحت بھی کر دی کیونکہ ظاہر ہے مَردانے میں باہر کے مَرد مَردانے میں آتے تو اُنکی عورتیں اندر نہیں داخل ہونا پسند کرتیں۔ نورین سَر اثبات میں ہلا کر واپس چلی گئی جبکہ نازنین بڑے اِشتیاق سے اُس خوبصورت اور پُروقار عورت کو دیکھ رہی تھی جو شیشوں والی شال کندھوں پر اور سفید حجاب سَر پر اُوڑھے باقی مکمل سفید رنگ کے گُھٹنوں تک جاتے گھیر دار لباس کے ساتھ بڑی معصوم اور دلکش لگ رہی تھی۔ جِس طرح وہ گردن اُٹھائے، بے پرواہی سے اِردگرد دیکھ رہی تھی نازنین کو اُس پر کسی ریاست کی شہزادی کا گُمان ہونے لگا۔ بہن کی محویت پر عباس نا چاہتے ہوئے بھی مُسکرا دیا۔ صد شُکر کے اُسکی پُشت میزاب کی جانب تھی ورنہ کچھ بھی ہو سکتا تھا۔

"کچھ پینے کو لے کر آؤ باس کے لیئے۔" اُسکی آخری بات پر نازنین جہاں حیران ہوئی وہیں میزاب کے چہرے کی سنجیدگی میں اِضافہ ہوا۔ اُسے 'باس' کہلایا جانا پسند نہیں آیا تھا۔

"یہ آپکی باس ہیں؟" نازنین کے پوچھے جانے والے سوال پر میزاب نے چہرہ پھیر کر اُس کم عُمر مگر پیاری سی لڑکی کو دیکھا۔

"ہوں!" عباس کی مدھم تائید پر نازنین نے اپنی جانب دیکھتی عورت کے چہرے پر ناگواری اُترتی دیکھی۔

" آپکو معلوم ہے فوزی امی کتنے غصّے میں ہیں۔ اُنکا بس نہیں چل رہا ورنہ وہ کسی کا بھی قتل کر دیں گی۔" نازنین کی دبی دبی آواز اِتنی بھی آہستہ نہیں تھی کہ میزاب کی سماعتوں تک نہ جاتی۔ اُسے معلوم تھا کہ یہ 'کسی' کون ہو سکتا ہے تبھی چہرہ پھیر کر بیٹھ گئی۔

"میں آپکے لیئے پانی لاتی ہوں۔" نازنین اُسے دیکھ کر مُسکرائی جو سنجیدگی کے ساتھ کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔

"اِس کی ضرورت نہیں، جزاک اللہ۔" اُسکی آواز پر نازنین نے تعجب سے اپنے بھائی کو دیکھا جس کے چہرے کا رنگ اُس نے پہلی بار بدلتے دیکھا تھا۔ نازنین یونہی حیرانگی سے چہرہ پھیر کر کھڑے اپنے بھائی کو دیکھے گئی تبھی دروازے سے یکے بعد دیگرے عورتوں کو داخل ہوتے دیکھ کر میزاب کو اپنی جگہ سے اُٹھنا پڑا اور اُسکو یوں احترام میں اُٹھتا دیکھ کر جہاں نازنین ششدر ہوئی وہیں اندر داخل ہو چکی عورتوں کا بھی اُس خوبصورت عورت کو کھڑا ہوتا دیکھ کر یہی حال تھا۔ اُنہیں معلوم تھا کہ یہ کوئی خوش آئند نکاح نہیں ہو گا۔ دونوں طرف سے سمجھوتے اور سازش کی گئی ہو گی اور یقیناً میزابِ رحمت اِتنی تمیز دار اور سیدھی تو ہو گی نہیں کہ ہاشم بزنجو اپنی ساری دھن دولت کی مالکن کو شیر کی کھچار، دُشمنوں کے گھر بھیج دے وہ بھی اِتنی آسانی سے۔ سَنجرانی بھی روٹی مُنہ میں ہی ڈالتے تھے تبھی سب سمجھے ہوئے تھے۔

"اسلام علیکم!" سلام میں بھی پہل میزابِ رحمت کی جانب سے ہوا۔ اُس سنجیدہ چہرہ اور پُر وقار عورت کو دیکھ کر ایک تاثر تو پکا تھا مغرور، دیکھنے میں معصوم مگر اندر سے یقیناً سانپ کے جیسی چلاک!

"وعلیکم اسلام!" تنے ہوئے نقوش والی فوزیہ وارث علی کے علاوہ باقی تین عورتوں نے قدرے نرمی مگر خُشک لہجے میں جواب دیا۔ میزاب تب تک کھڑی رہی جب تک اُن عورتوں نے نشست نہیں سنبھالی۔ اُن چاروں عورتوں کے بیٹھتے ہی میزاب بھی اپنی جگہ بیٹھ گئی جبکہ عباس تیز قدموں سے بیرونی دروازے سے باہر چلا گیا۔

"نِکاح کون پڑھوائے گا؟" چاروں عورتیں آپس میں ہی باتیں کرنے لگیں۔ آواز دھیمی نہیں تھی کیونکہ ظاہر ہے وہ اُن لوگوں کا گھر تھا۔ نازنین اور نورین دوسرے صوفے پر بیٹھیں اُس عورت کی ایک ایک جُنبش کا تنقیدی جائزہ لے رہی تھیں۔ میزاب نے اُن نظروں پر اُدھر دیکھا۔ نورین تو نظریں پھیر گئی جبکہ نازنین نے مُسکرا کر جیسے اُس خاموش خیر مقدم کہا مگر میزاب نے اُسی سنجیدہ چہرے سے یَک دَم بَج اُٹھتے سیل فون سے عُجلت میں کال ریسیو کی۔

"اسلام علیکم، کائنات!" اُسکی سنجیدہ، نرم آواز پر سَنجرانی خاندان کی چاروں عورتیں باتیں ترک کر کے اُس لڑکی کی جانب دیکھنے لگیں جو اپنے پہننے اور اوڑھنے سے مذہبی لگنے کے ساتھ ماڈرن اور شہری بھی لگ رہی تھی۔

"نہیں! شہلا اور ضوریز صاحب والی میٹنگ پرسوں تک آپ پینڈنگ پہ رکھیں اور احمد صاحب کو فیکٹری کے مال کی اِنسپیکشن کے لیئے نوٹس بھجوا دیں۔" اُسکی ہدایات دوسری جانب کائنات تیزی سے نوٹ کر رہی تھی۔

"ربانی الیکٹرانکس کا پروجیکٹ میرے آنے تک ہلٹ پر رہے گا یہ بات بہت اچھی طرح باسم ربانی کو سمجھانی ہے۔" نرمی سے کہتے کہتے اُسکے آخر میں سخت، دوٹوک لہجے پر اُن سب نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ الوادعی کلمات کہہ کر اُس نے ابھی کال مُنقطع ہی کی تھی کے فیکٹری والے احمد صاحب کی کال آنے لگی۔

"جی احمد صاحب! عدالت سے آپ سٹے آرڈر لے کر منظور کرامت کے مُنہ پر ماریں اور جلدی اِس معاملے کو رفع دفع کر کے کنسٹرکشن شروع کروائیں۔ باقی معاملات میں آ کر دیکھ لوں گی۔" بیگ صاحب کی بات پر اُس نے آہستگی

سے کہتے ہوئے اُنکو ریڈ سگنل دے کر کال بند کر کے اپنی ماں کی آتی کال پر گہرا سانس لیا۔ باقی سب اُس مصروف، سخت اور بے تاثر عورت کو سختی سے دیکھ رہی تھیں سوائے نازنین کے۔ وہ اُس عورت کے بات کرنے، بیٹھنے، بولنے حتیٰ ایک ایک جُنبش سے مُتاثر نظر آرہی تھی۔

"وعلیکم اسلام! جی آپ نے بالکل سہی سُنا ہے دادا سے۔" اُسکا لہجہ کسی بھی احساس سے عاری ہوتا محسوس کر کے نازنین کی مُسکراہٹ سمٹی۔ دوسری جانب ثریا اَصفہان تو اِس ہنگامی نِکاح پر بھری بیٹھی تھیں۔

"تو کیا آپ اَب اُڑھ کر آئیں گی؟" یَک دَم وہ جِس طرح مُسکرائی، سارے مَردانے میں روشنی پھیل گئی یا پِھر اُن سب حیران ہو جاتی عورتوں کو لگا تھا۔ اگر تو یہ عورت سازش اور اِنتقام کے لیئے بھیجی جا رہی تھی تو ہاشم بزنجو سہی کھیل رہا تھا سَنجرانی خاندان سے۔ وہ عورت اِیسی تھی کہ اچھے اچھوں کے ہوش ٹھکانے لگا دے۔

"بھائی تو گئے!" نازنین کے متاثرہ بات پر نورین نے بامُشکل مُسکراہٹ روکی۔

"کیوں اپنا خُون جلا رہی ہیں۔ میں سب سنبھال لوں گی۔" اُسکی بات پر اُن چاروں عورتوں نے ایک دوسرے کو ٹھٹک کر دیکھا۔ اِس لڑکی کے اِرادے کم اَز کم اُنہیں تو ٹھیک نہیں لگ رہے تھے تبھی دروازہ کھٹکا کر رحمان بخش سَنجرانی اندر داخل ہوئے۔ اُنکے ہاتھ میں نکاح نامے کا رجسٹر بھی تھا۔

"آپ نِکاح پڑھائیں گے، دَا جی؟" اُن سب کے کھڑے ہونے سے پہلے میزاب اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی۔ سب نے یقیناً پِھر سے نوٹ کیا تھا مگر یہ اُسکی عادت تھی جو بدلی نہیں جا سکتی تھی۔

"میرے عباس کا نِکاح ہے تو میں خُود ہی پڑھاؤں گا۔" مُسکرا کر کہتے ہوئے اُنہوں نے سب کو بیٹھنے کا اِشارہ کیا اور خُود میزاب کے برابر والے صوفے پر بیٹھ گئے۔ اُنکی بات پر میزاب مزید بے تاثر ہوتے چہرے کے ساتھ بیٹھ گئی

البتہ رحمان بخش چہرے سے جتنے مُطمئن اور خُوش نظر آرہے تھے یہ اُن باقی سب کے لیئے بہت حیران کُن تھا جو اُنکی بزنجو خاندان سے نفرت کو جانتی تھیں۔ نکاح شروع ہوا تو میزاب کی سماعتوں میں ہاشم بزنجو کا اِنکار کو اُکساتا لہجہ گُونجنے لگا۔

"کیا آپ کو عباس جان نِثار ولد مُحتسب رحمان بخش سَنجرانی کے ساتھ پچاس لاکھ سکہ رائج الوقت نِکاح قبول ہے؟" رحمان بخش کے پوچھے جانے پر میزاب نے چہرہ پھیر کر اُنکو دیکھا اور اُنہوں نے کچھ سوچ کر نِکاح نامہ اُسکی جانب بڑھایا۔

"نِکاح نامہ اپنی بیٹیوں کو پڑھوانا اور اُنکی مرضی سے ساری شرائط لکھوانا ہماری روایت ہے۔" میزاب کی سوالیہ نظروں پر اُنہوں نے نرمی سے کہتے ہوئے جہاں باقی سب کو حیران کیا وہیں فوزیہ وارث علی کا چہرہ نفرت سے سُرخ پڑنے لگا۔

"جذاک اللہ!" میزاب نے اُنکے ہاتھ سے نکاح نامہ لے کر پڑھنا شروع کر دیا اور سب سے پہلے طلاق کے حق والے خانے پر نشان لگایا۔ اُسے بس خود کو دُھتکار کی ذلت سے بچانا تھا۔ جب دونوں خاندان کہیں گے خود باعزت طلاق لے گی، اپنی رضامندی سے۔ میزاب نے 'قبول ہے' کہہ کر اُن کاغذات پہ دستخط کرتے ہوئے واپس رحمان بخش سَنجرانی کو پکڑا دیئے جنہوں نے باقی دوبار بھی پوچھ کر دُعا کرنے کو کہا۔ میزاب نے آنکھیں بند کر کے ہاتھ اُٹھائے مگر اُسکے پاس دُعا مانگنے کو کچھ بھی نہیں تھا، اُسکا ذہن بالکل خالی تھا۔ کیا ہونا تھا، کیا ہو گیا ہے؟ یہ سب اُسکے لیئے کسی دھچکے سے کم نہیں تھا۔ کہیں دِل کے کسی کونے میں دُبکی بیٹھی، چاہے جانے کی اَنجان خواہش یا شاید حسرت نے اپنا مُنہ چُھپالیا۔ بغیر دُعا مانگے اُس نے دونوں ہاتھ چہرے پر پھیر کر اپنے اِرد گرد موجود اُن عورتوں کو دیکھا

جنہیں کچھ دیر پہلے ہی اُس نے زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا۔ جِن سے اُسکا کوئی تعلق دُور دُور تک نہیں تھا اور اَب۔۔۔۔!

سَنجرانیوں کے مَردانے میں کوئی مُبارک سلامت کی آوازیں بلند نہیں ہوئیں۔ اُن چاروں عورتوں کے چہرے کی سنجیدگی اور سختی میزاب کو بہت کچھ باور کروانے کو کافی تھی۔ رحمان بخش نے اُٹھنے سے قبل اُسکے سَر پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے تھپتھپایا اور باہر چلے گئے مگر پیچھے میزاب سُن رہ گئی۔ اُس ہاتھ میں اِیسی شفقت تھی جو اُس نے اپنی زندگی کے بس کچھ سال محسوس کی تھی۔ وہ یونہی ساکن رہتی مگر بجتے سیل فون نے اُسکے اندر طاری ہوتا سکوت توڑ دیا۔

"وعلیکم اسلام! جی ہو گیا۔" اِیسے عام سے اُنہیں بتایا گیا جیسے یونہی روزمرہ کی روٹین میں کسی اور کی بات بتائی جاتی ہے لیکن خیر اُسکا اپنی ماں سے اِیسا تعلق تو تھا نہیں کہ روزمرہ کی زندگی کے بارے میں بتایا جائے۔ اُنکی ضروری باتیں سُن کر کال مُنقطع کر کے وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اُسکو دروازے کی جانب اطمینان سے جاتے دیکھ کر اُن سب نے تعجب سے ایک دوسرے کو دیکھا لیکن کہا کچھ نہیں۔ میزاب دروازہ کھول کر باہر نکلی۔ اُسکے قدم پنچائیت کی جانب تھے۔ کرسی سنبھالتے رحمان بخش نے قدموں کی آواز پر پیچھے پلٹ کر دیکھا اور اُسے آتے دیکھ کر بے ساختہ مُسکرا اُٹھتے ہاشم بزنجو اپنی جگہ سے اُٹھ کر اُسکی جانب والہانہ بڑھے۔ اُنہیں جو لگتا تھا وہ اُنکی سب سے عقلمند اور اُنکو سمجھنے والی پوتی ہے تو بالکل ٹھیک لگتا تھا۔

"عباس جان نِثار ولد مُحتسب رحمان بخش سَنجرانی آپکا نِکاح میزاب رحمت ولد اَصفہان بزنجو سے پچاس لاکھ سکہ رائج الوقت طے پایا ہے، کیا آپکو قبول ہے؟" رحمان بخش پلٹ کر نکاح شروع کر چکے تھے۔ ہاشم صاحب نا سمجھی سے پلٹے۔ اُنکے ہاتھوں نے جو میزاب کے دونوں بازوؤں کو تھام رکھا تھا اُنکی گرفت کمزور ہوئی۔

"قبول ہے!" عباس جان نِثار کا میزابِ رحمت کو قبول کرنا اِتنا واضح اور بہ بانگِ دہل تھا کہ چاغی کی ہر ایک شے نے اُس **'قبول ہے'** کی صدا سُنی۔ اپنے دادا کے ششدر ہوتے چہرے کو دیکھتی میزابِ رحمت کے پہلے سے سُوگوار ہوتے دِل نے کروٹ بدلی۔

"تم نے۔۔۔؟" ہاشم بزنجو ششدر ہو کر اُسکی جانب پلٹے جو سنجیدگی سے اُنکے پھیکے پڑتے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ وہ سمجھ گئے تھے۔ ظاہر ہے پہلے عورت کی رضامندی لی جاتی ہے تبھی مَرد سے نِکاح کی قبولیت کا پوچھا جاتا ہے تو یعنی ہاشم بزنجو کی اُس پوتی نے اُنکی نفی کی تھی جِس پر اُنہیں سب سے زیادہ مان، سب سے زیادہ بھروسہ تھا۔ وہ میزاب کی جانب سے اِیسے اقرار کی اُمید نہیں رکھتے تھے۔ مُدثر بھی ایک جھٹکے سے کھڑا ہو کر عباس کو دیکھنے لگا جو باقی سب سے مدہم سا مُسکراتے ہوئے بغلگیر ہو رہا تھا۔

"تم نے میری نفی کی ہے، میزاب؟" ہاشم بزنجو کے مدہم سوال کی بے یقینی بہت زیادہ تھی۔ قبل اِسکے میزاب جواب دیتی، رحمان بخش سَنجرانی اُن دادا، پُوتی کی جانب بڑھے۔

"تم نے اپنے اقرار سے سارے قبائل کے سامنے میرے عباس کا جُھکتا سَر بلند کر دیا ہے۔ تم نے میرے بیٹے کو ناکام نہیں ہونے دیا۔" اُنکے مُسکراتے لہجے اور چمکتی آنکھوں کی باتیں جُدا تھیں۔ میزاب نا سمجھی بھری حیرت سے اُنکے نرم، پُرشفقت چہرے کو دیکھنے لگی تبھی اُسکے کانوں میں احتساب سَنجرانی کا پہلی مُلاقات میں کہا جانے والا جملہ گونجا:

"**جانتا ہوں۔ تم وہی عورت ہو جِس نے سارے قبائل کے سامنے ہمارے عباس کا سَر جُھکا دیا ہے۔**" وہ تب بھی اُنکے متنفر الفاظ کے معنی نہیں سمجھ سکی تھی اور نہ اَب اُن نرم لفظوں کو پَرکھ سکی۔ اگر تو وہ اُسکو فریب دے رہے تھے، دانہ ڈال رہے تھے تو کمال کے اداکار تھے۔

"بہت مُبارک ہو پوتی کا نِکاح تمہیں، ہاشم!" رحمان بخش کے لہجے کی خُوشی اور کھنک پر ہاشم بزنجو نے اندر ہی اندر نفرت سے سُکڑتے دِل کے ساتھ بظاہر مُسکراتے ہوئے اُنکا بڑھا ہوا ہاتھ تھام لیا۔

"نِکاح کے ساتھ مُجھے فتح کی بھی مُبارک دو رحمان بخش۔ آخر سب جانتے ہیں کہ سَنجرانیوں کے عَلم بردار، عباس جان نِثار نے ہاشم بزنجو کی پوتی پر اپنا دِل ہار دیا ہے۔" اُنکی اگلی مُسکراتی، طنزیہ بات آسمان سَر پر لا گِرانے والی، اعصاب ہلا کر رکھ دینے والی تھی۔ جہاں رحمان بخش کا چہرہ سنجیدہ ہوا وہیں میزاب نے چہرہ پھیر کر بے یقینی اور لرزتے دِل سے ہاشم بزنجو کو دیکھا جو اِیسی بات اِتنے یقین سے کہہ کر پوری خباثت اور تمسخر سے ہنس رہے تھے۔

"دادا جان!" اُسکے سخت، کانپ اُٹھتے لہجے کی ٹوک اور تنبیہہ اِتنی اُونچی ضرور تھی کہ سب نے ایک ساتھ پلٹ کر سائیڈ پر دیکھا اور اُن دیکھنے والوں میں سب سے پہل عباس جان نِثار نے کی تھی جِس کے دِل کے راز کو سب سے بڑے دُشمن، ہاشم بزنجو نے جان لیا تھا۔

"مُجھے تم پر فخر ہے۔" اگلی بات اِیسی تھی کہ میزاب کا چہرہ سُرخ ہوا۔ اُسے یوں لگا جیسے ہاشم بزنجو نے بَھرے بازار میں اُسکے چہرے پر تھپڑ مار کر سَر سے چادر کھینچ لی ہو۔ سُرخ پڑتی، گلابی آنکھوں اور لرزتے ہاتھوں سے وہ اپنے دادا کو دیکھ رہی تھی جنہیں اُس نے ہمیشہ مُقدم رکھ کے خود کو بُھلائے رکھا تھا۔ کچھ عجیب سا محسوس کرتا عباس تیز قدموں سے اُس جانب بڑھا۔ میزاب کا سُرخ ہوتا چہرہ اور آنکھوں کا پانی اُن آنکھوں سے مخفی نہیں رہ سکا۔

"کیا کہا ہے آپ نے ابھی؟" یَک دَم وہ جِس طرح غُراتے ہوئے کہہ کر میزاب اور ہاشم بزنجو کے درمیان آیا، سب کے چہرے سے ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ کون تھا جو عباس جان نِثار کی سختی اور غصّے سے واقف نہیں تھا۔

"میں اپنی پوتی سے بات کر رہا ہوں، برخوردار!" اُن پتھریلے تاثرات پر ہشم بزنجو نے نہایت اطمینان سے کہا۔

"دوبارہ اگر آپ نے اِن کو کوئی سخت یا غلط بات کہی تو مُجھ سے اِنسانیت کی اُمید مت رکھیئے گا۔" مدہم مگر سب جلا کر راکھ کر دیتے لہجے کی تنبیہ پر ہاشم بزنجو کے چہرے کی مُسکراہٹ سِمٹی وہیں لہو رنگ ہوتی آنکھوں اور زخمی سماعتوں کے ساتھ میزاب نے اُسے دیکھا جو اُسکے اور ہاشم بزنجو کے درمیان ایک دَم دیوار بَن کر آ کھڑا ہوا تھا۔

"آپ ٹھیک۔۔۔؟" چہرہ پھیر کر عباس نے جیسے ہی اُن گلابی، بھیگتی آنکھوں کو دیکھا، ساکن رہ گیا۔ اُن آنکھوں میں اِیسی خفگی، اذیت اور اجنبیت تھی کہ عباس جان نِثار وہیں کھڑے کھڑے دُھول ہو گیا، راکھ بَن گیا۔

"مُجھے اپنے دادا سے کچھ دیر اکیلے میں بات کرنی ہے۔" میزاب نے اُسکے عقب سے نکل کر رحمان بخش سَنجرانی کو بہت سنجیدگی سے کہتے ہوئے ہاشم بزنجو کو مُسکرانے پر مجبور کر دیا۔ وہ کچھ بھی کہہ دیں، میزاب اُنکی پوتی تھی۔ اُسکی مدد سے دُشمنوں کو ذلیل کر کے بآسانی جُھکایا جا سکتا خصوصاً اُس پوتے کے ذریعے جِس نے باڈی گارڈ کا ڈھونگ رچا کر اُنکے گھر میں نقب لگائی تھی۔

"کیوں نہیں بیٹے۔" رحمان بخش نے ساکن کھڑے پوتے کا بازو پکڑ کر نرمی سے کہا اور عباس کو اپنے ساتھ لے گئے۔

"مُجھے آپ نے مایوس کیا ہے، دادا۔ مُجھے لگتا تھا میں نے کبھی اِیسا کچھ نہیں کیا جِسکی وجہ سے آپ کبھی میرا مان توڑیں گے مگر آپکی ابھی والی غلط اور چھوٹی بات نے مُجھے اپنی سوچ پر شرمندہ کر دیا ہے۔" اُن لوگوں کے دُور جاتے ہی میزاب نے مُسکراتے ہاشم بزنجو کی مُسکراہٹ چھین لی۔ وہ جانتے تھے کہ میزاب غلط بات سُن کر خاموش نہیں رہتی مگر اُنکو اِیسے کڑے لہجے میں کچھ کہے گی اِسکا اُنکو گُمان نہیں تھا۔ چند لمحے تک ہاشم بزنجو چونک کر اُسکی سنجیدگی کو دیکھتے رہے۔

"مُجھے بھی لگا تھا تم اِنکار کر کے دُشمنوں کا سَر جُھکاؤ گی مگر تم نے میرا سَر جُھکا یا ہے۔" اُنکی اگلی بات پر میزاب نے گہرا سانس لیا۔

"آپ کو پہلے ہی میرے بارے میں اِس طرح کے فیصلہ کا اِنکار کرنا چاہیئے تھا۔ آپکو یاد ہو گا کہ آپ نے ہی مُجھے کہا تھا کہ پنچائیت کے معاملات سے میں ہمیشہ دُور رہوں گی تو آپ نے مُجھے اِس سب میں کیوں گھسیٹا۔ مُجھے اِس سوال کا حق ہے مگر میں جانتی ہوں آپکو اپنی دُشمنی زیادہ عزیز ہے۔" اُسکا دِل دُھکا ہوا تھا اور وہ ہر طرح کی بات کہنے میں حق بجانب تھی۔ سنبھل کر ہاشم بزنجو آگے بڑھے اور اُسکے دونوں برف ہوئے ہاتھ نرمی سے تھام لیئے۔

"تم تو میرا غرور اور وقار ہو اگر تم ہی میرے فیصلوں کے پیچھے چُھپی حکمت نہیں سمجھو گی تو کون سمجھے گا۔ اپنے دادا کے بارے میں غلط گُمان کر کے دُشمن کو خُوشی کا موقع کبھی نہیں دینا۔ یاد رکھنا! رحمان بخش کے پوتے نے تمہیں فریب دیا ہے، ہم سب کو دھوکہ دیا ہے تو ہمیں کچھ ایسا کرنا ہے کہ سانپ بھی مَر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔" حلاوت سے اُسے اپنی مُحبت کا یقین دِلاتے آخر میں اُنکا لہجہ بہت کچھ باور کرواتا ہوا تھا۔ اُنکی آخری بات پر میزاب نے بامُشکل چہرے کو بے تاثر رکھا۔

"آپ اَب کیا کریں گے؟" اُسکی چھٹی حِس نے چونک کر اُسے خبردار کرنا چاہا۔

"میں نے اِس پنچائیت میں ایک بہت بڑا اہم راز جان لیا ہے۔" اُنکی اگلی پُرجوش بات پر میزاب کا ماتھا ٹھنکا۔

"کیسا راز؟" اُسکی نگاہ بے اِرادہ احتساب سَنجرانی تک گئی۔

"تم سب مُجھ پر چھوڑ دو اور بس یہ یاد رکھنا عباس جان نِثار میرا، تمہارا اور ہم سب کا گُناہ گار اور دُشمن ہے۔" وہ بات سچ مگر تلخ اور کڑوی تھی لیکن وہی بات کے سچ کڑوا ہوتا ہے اور میزاب کو یہ تلخ اور کڑوا گھونٹ پینا ہی تھا۔

"چلو آؤ! دُشمنوں کے پیروں کے نیچے سے زمین کھینچنے کا وقت آ گیا ہے۔" اُسکا بازو تھام کر وہ واپس پنچائیت کی جانب بڑھے۔

"تو کیا طے پایا؟" سب کھڑے ہو گئے کیونکہ پنچائیت ختم ہونے کا وقت آ گیا تھا اور اَب فیصلہ سَرپَنچوں نے نہیں دونوں خاندانوں نے کرنا تھا۔

"میرے خیال سے رُخصتی دُھوم دھام سے ہونی چاہیئے۔" احتساب سَنجرانی کے مشورے پر ہاشم بزنجو نے ناگواری سے اُسے نظر انداز کیا جبکہ مُدثر نے کینہ توز نظروں سے سنجیدہ، سَر اُٹھا کر بے نیازی سے کھڑے عباس کو تلملا کر دیکھا۔ اُسکا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ وہ اُس خبیث گارڈ کا مُنہ نوچ لیتا جو یہاں مُستقبل کا سردار بَن کر کھڑا تھا۔

"میرے خیال سے رُخصتی سادگی سے اور ابھی ہو جانی چاہیئے۔ نیک کام میں دیر کرنے کے حق میں ہم کبھی نہیں رہے۔" اُنکا مُسکراتا حملہ رحمان بخش پر تھا۔ وہ جانتے تھے رحمان بخش ابھی ضبط کھو کر اِنکار کرے گا آخر دُشمن عورت کو رُخصت کون کرواتا ہے اُسکو تو رُخصتی کے نام پر ایک لمبا، کبھی نہ ختم ہونے والا عُمروں کا اِنتظار سونپ دیا جاتا ہے۔ میزاب نے دہل کر اُنکو دیکھا اور جو سوچ اُنکے دماغ میں چل رہی تھی وہ میزابِ رحمت نے حرف بہ حرف پڑھ لی۔ اُس پوری پنچائیت میں وہ واحد تھی جسے اُنکی چال سمجھ آئی تھی اور یہ بڑے دُکھ کی بات تھی۔

"کیوں نہیں! یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔" اَب کے ٹھٹک جاتے ہاشم بزنجو کے چہرے کی مُسکراہٹ اُڑھ گئی۔ اُنہوں نے اُلجھ کر رحمان بخش سَنجرانی کو دیکھا جو نرمی سے آگے بڑھ کر کسی بُت کی طرح ایستادہ میزاب کے سَر پر ہاتھ رکھ رہے تھے۔

"ہاشم! ہمیں ہماری بیٹی دے دو اور پھر ہم اِیسا جشن کریں گے کے دُنیا دیکھے گی۔" اُنہوں نے براہِ راست ہک دَق رہ جاتے ہاشم بزنجو کو دیکھا۔ یہ ہاشم بزنجو کے ذہن میں نہیں تھا کہ سَنجرانی خاندان رُخصتی کے لیئے مان جائے گا۔ اُنہیں تو یہاں اپنی بیٹی فوزیہ رحمان کا بدلہ لینا چاہیئے تھا۔ بزنجو خاندان کی تاعمر ناک رگڑوانی چاہیئے تھی مگر؟

"ناناجان!" مُدثر مزید خاموش نہیں رہ سکا۔ اُسکی تلملاتی پُکار پر عباس نے چہرہ پھیر کر اُسکو جِن سخت نظروں سے گھُورا، وہ لمحے بھَر کے لیئے گڑبڑا گیا۔

"لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا۔" ہاشم بزنجو سے عیاری اور مکاری میں آخر کون جیت سکتا تھا۔ اُنہوں نے عباس کے مُدثر کو بھسم کر دیتے تاثرات دیکھ کر گرگٹ کی طرح رنگ بدل لیا۔

"پھر آج سے میری بیٹی میزاب تمہارے بیٹے عباس کی ہوئی۔" اُس میٹھے لہجے میں اِیسی چاشنی تھی کہ اُس شخص کو نہ جاننے والا اُسکے قدموں میں بیٹھ جاتا مگر افسوس کے اُس چاشنی میں ڈوبی اپنے مطلب اور مقصد کی بُو کو میزاب نے تھکتے اعصاب کے باوجود صاف محسوس کر لیا۔ اُسکو اِن چند ہفتوں میں جتنے دھچکے اور صدمے مِلے تھے یہ سب سے کاری اور نڈھال کر دینے تھا۔ کیا اُس جیسی بزنس ویمن، دوسروں کے حقوق کے لیئے لڑنے والی عورت خاموشی سے دو دُشمن خاندان کے درمیان خود کو مُہرہ بننے دے سکتی تھی؟ جواب ظاہر ہے ناں تھا!

"میری ایک شرط ہے۔" سب نے سپاٹ تاثرات والی عورت کو دیکھا۔

"کوئی نہیں بُھولے گا کہ میں بزنس ویمن ہوں۔ دونوں خاندانوں میں سے کوئی بھی میرے اور میرے کاروبار کے درمیان آیا تو میں لحاظ نہیں کروں گی۔ یہ بات پنچائیت میں موجود ہر شخص اچھی طرح سُن لے۔" اُس اگلی بات میں اِیسی تُندہی بھَری تنبیہہ تھی کہ سانس روک کر کھڑے عباس جان نِثار کی سُنہری آنکھیں کتنے گھنٹوں کے بعد مُسکرا

دیں۔ دِل کے اندر کی ساری کثافت اُس اُٹھی گردن، سخت نظروں، بے تاثر چہرے اور دوٹوک لہجے نے بھک سے اُڑادی۔ اُس عورت کو کوئی زیر کرنے کی جُرأت کر کے تو دِکھائے۔ میزابِ رحمت کی بات آخری اور حتمی ہی اچھی لگتی تھی۔ ہر فیصلے کا اٹل اختیار اُن مہربان ہاتھوں میں ہی جچتا تھا۔ اُسی عورت کے ہاتھ جِس سے اَب عباس جان نِثار کا اِیسا تعلق جُڑ گیا تھا جسے وہ کسی کو توڑنے اور خراب کرنے کی اِجازت ہرگز نہیں دینے والا تھا۔ یہ اُسکے دِل کی اِستدعا تھی، مُصمم اِرادہ! دُشمنی کے سارے اِرادوں پر پانی پھِر چُکا تھا اور اَب سامنے شَل، تھکتے اعصاب کے ساتھ بظاہر مضبوط مگر اندر سے نڈھال عورت کو محفوظ رکھنا اُس نے میزاب کی تمام نفرت، ناپسندیدگی اور بے زاری کے باوجود خود پر فرض کر لینا تھا۔

✓ میں اِسی آئینہ خانے میں، اِنہی لوگوں میں تھا

مگر اَب جو نہیں ہوں تو سبب ہے کوئی۔۔۔

(اختر عثمان)

"تم اِدھر بیٹھی ہو سکون سے اور قیامت آ گئی ہے۔" نورین بھاگتی ہوئی نازنین تک آئی جو اپنے کمرے میں بیٹھی کتاب پڑھ رہی تھی۔

"آبی بھائی کے نِکاح سے بڑی قیامت بھی کوئی ہو سکتی تھی۔" نازنین نے فوزیہ بیگم کی باتوں کے پیشِ نظر لاپرواہی سے کہا۔

"آبی بھائی اُس لڑکی کو رُخصت کروا کر لے آئے ہیں اور فوزی پھوپھو کو معلوم ہو گیا۔ اَب عباس بھائی کی خیر نہیں ہے۔" نورین کی بات پر ناز نین نے بے یقینی سے کتاب پَرے پھینکی اور بستر سے اُتر کر جلدی سے جوتے پہن کر وہ دونوں باہر کی جانب بھاگیں۔ ہال میں عباس کے برابر کھڑی عورت کو دیکھ کر ناز نین اور نورین نے بے یقینی سے اُنکو دیکھا۔

"اَب اِس گھر کو میدانِ جنگ بننے سے کوئی نہیں روک سکتا۔" نورین کی بڑبڑاہٹ پر ناز نین نے بغور اپنے بھائی اور بھابھی کو دیکھا جو ایک دوسرے کے ساتھ اِس قدر حسین اور مکمل لگ رہے تھے کہ نظر چندھیا جائے۔ اُن دونوں کو جیسے بنایا ہی ایک دوسرے کے لیئے گیا تھا اور یہ دُشمنی تو محض راستے مِلانے کا ایک بہانہ تھی۔

"مُجھے اِیسا نہیں لگتا۔" ناز نین نے اُس پُر سکون عورت کو دیکھا جِس کی اُٹھے چہرے پر کوئی خوف اور پریشانی نہیں تھی۔

"تم نے سُنا نہیں تھا یہ کہہ رہی تھیں کہ سب کو دیکھ لوں گی۔ مجھے نہیں لگتا فوزیہ پھوپھو ایک لمحہ بھی لڑے بغیر گُزار سکیں گی۔" نورین بالکل ہی حالات سے نااُمید نظر آ رہی تھی۔

"تم اچھا کبھی نہ سوچنا۔" ناز نیں اُسکو کندھا مار کر ہال میں آگے بڑھی۔

"آپ اِس عورت کو گھر تک لے آئے ہیں، دَاجی۔" فوزیہ بیگم کے سخت لہجے پر عباس نے چہرہ پھیر کر اُنکو دیکھا جو میزاب کو غصیلی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

"بُھول گئے ہیں کہ کیا سلوک کیا اِسکے خاندان نے ہمارے ساتھ؟" میزاب نے سامنے آ کھڑی اُس عورت کو دیکھا جو باقی خاموش عورتوں سے زیادہ اُسے ناپسندیدہ نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

"فوزی امی!" عباس کی تنبیہہ پر وہ تیز قدموں سے اُس تک آئیں۔

"اور تم کیسے بُھول گئے اپنے ماں، باپ کی موت، اپنے خاندان کی ذلت۔ اپنی خواری اور تذلیل؟ اِس وجہ سے تم نے اپنی زندگی اور شوق ضائع کیئے تھے کہ ایسی عورت سے شادی کر لو گے آخر میں؟" اُنکا غصّہ جائز تھا۔ عباس اُنکا دِل دُکھانے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا مگر جہاں میزاب نے نظریں پھیریں، وہیں عباس کا چہرہ سُرخ ہوا۔

"میں کچھ نہیں بُھولا اور چاہتا ہوں کہ آپ بھی یہ نہ بُھولیں کہ اِس عورت کا میری دُشمنی اور اِنتقام سے کبھی کوئی واسطہ نہیں تھا۔ یہ اَب میری بیوی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ میری بیوی کی ویسے ہی عزت ہو جیسی میری ہے۔ اِن میں اور مُجھ میں کوئی فرق نہیں ہونا چاہیئے۔" اُسکے اُونچے، سَرد لہجے میں سارے زمانے کی گرج تھی۔ جہاں باقی سب چونک گئے وہیں میزاب نے بے یقینی بَھرے لرزتے دِل سے اُسے دیکھا جِس کی آواز میں چٹانوں جیسی سختی تھی۔ اگر تو وہ لفظ سچ تھے تو رُوح کھینچ لینے والے تھے اور اگر تو فریب تھے تو دُنیا کا سب سے خوبصورت فریب تھے۔ رحمان بخش سَنجرانی نے پلٹ کر اطمینان سے کھڑے احتساب سَنجرانی کو دیکھا جنہوں نے باپ کے دیکھتے ہی مُسکرا کر بے نیازی سے شانے اُچکائے۔

"دیکھ رہے ہیں دَاجی یہ مُجھ سے کیسے بات کر رہا ہے؟ ابھی یہ عورت آئی نہیں ہے اور میرا بیٹا مُجھ سے اِس طریقے سے بات کرے گا جیسے ہم اِسکے دُشمن ہیں۔" فوزیہ بیگم تڑپ کر بے نیاز سے کھڑے باپ کی جانب بڑھیں۔

"عباس ٹھیک کہہ رہا ہے فوزی۔ ہمیں یہ زیب نہیں دیتا کہ اپنے گھر میں بیٹیوں کی موجودگی میں گھر آنے والی ایک اور بیٹی کے ساتھ عامیانہ اور گھٹیا سلوک کریں۔" اُنکا انداز سُلجھا ہوا تھا مگر فوزیہ بیگم نے سختی سے باپ کو دیکھ کر میزاب کو دیکھا جو آنکھیں پھیلائے اِیسے اَنجان اور معصوم بنی کھڑی تھی کہ ایک پَل کو فوزیہ بیگم ٹھہریں مگر اُنکی نظروں کو محسوس کر کے وہ سنبھل گئیں تھیں۔

"آپ اگر مُجھ سے براہِ راست بات کریں گی تو شاید آپ کی تسلی ہو جائے۔ مُجھے اپنی لڑائی میں باقی لوگوں کو شامِل کرنا بالکل پسند نہیں ہے۔" اُسکی مدہم، ٹھہری آواز پر عباس جان نِثار کے گلے میں گلٹی اُبھر کر معدوم ہوئی۔ اُس نے چہرہ پھیر کر برابر سکون سے کھڑی میزابِ رحمت کو نہیں دیکھا۔ دیکھ لیتا تو دُکھ ہی اُٹھاتا۔

"تو تمہارے مُنہ میں زُبان بھی ہے۔" فوزیہ بیگم کو تو اُس کے انداز نے طیش زدہ ہی کر دیا اور عباس حیرت سے اُنکو پھٹتے دیکھنے لگا۔ وہ اِس طرح کی چھوٹی ذہنیت کی مالک نہیں تھیں۔ وہ تو بہت ٹھنڈے مزاج کی، مِلنسار عورت تھیں تو پھر اُنہیں اِیسا کیا ہو گیا تھا جو اِتنی تلخ ہو رہی تھیں؟

"کیوں آپ نے مُجھے **'قبول ہے'** کہتے نہیں سُنا تھا؟" اُنکے سامنے بھی میزاب تھی۔ جہاں نورین اور نازنین نے مُسکراہٹ دبائی وہیں فوزیہ بیگم نے خفگی سے عباس کو دیکھا جِس کے چہرے کے تاثرات اُنہوں نے پہلی بار تبدیل ہوتے دیکھے۔

"تم یہ مت سمجھنا کہ میں تمہیں اپنے بیٹے کو چھیننے کی اجازت دوں گی۔ میرا بیٹا عورت کی عزت اور احترام میں مارا جاتا ورنہ میں دیکھتی کیسے یہ تمہیں قبول کرتا۔" اُنکو غصّہ جِس بات پر آرہا تھا وہ کُھل کر نہیں کہہ سکتی تھیں۔ عباس گہرا سانس لے کر آگے بڑھنے لگا مگر میزاب نے اُسکے آگے بازو کر کے روک دیا۔ سُنہری آنکھیں پلٹ کر سُرمائی آنکھوں سے ٹکرا کے ساکن ہوئیں۔

"میرے مُنہ میں زُبان بھی ہے اور میں اپنے لیئے خود کھڑی ہو سکتی ہوں۔" وہ جب بولی تو سارا افسوں مَاند پڑ گیا۔ سُرمائی آنکھوں کی ٹھنڈک لہو سَرد کر دینے والی تھی۔ عباس اُن آنکھوں میں زیادہ دیر نہیں دیکھ سکا۔ وہ اُس سے بدگُمان ہو چُکی آنکھیں تھیں۔

"مجھے آپ کے بیٹے کو چھیننے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں یہاں اپنے لیئے آئی ہوں اور اپنے لیئے ہی جاؤں گی تو اپنے گھر کا سکون برباد کرنے کے بجائے میرے خیال سے ہمیں مہذب اور باادب لوگوں کی طرح اپنے کام سے کام رکھنا چاہیئے۔ میں یہاں نہ آپ لوگوں کی جڑیں کاٹنے آئی ہوں اور نہ ہی رشتے داریاں بنانے۔" وہ کھرا لہجہ بہت کچھ باور کروانے کو کافی تھا۔ فوزیہ بیگم نے چونک کر عباس کا پھیکا پڑتا چہرہ دیکھا۔ لمحے بھر کو اُنکی آنکھوں میں عباس کے چہرے کی یاسیت دیکھ کر ناسمجھی اُتری جبکہ پیچھے کھڑے مردوں میں صرف احتساب سنجرانی اور رحمان بخش کے چہرے پر ناگواری اور ناپسندیدگی نہیں تھی میزابِ رحمت کے دوٹوک، واضح الفاظ پر۔

"نازو، بیٹے! بھابھی کو کمرے میں لے جاؤ۔ تھک گئی ہوں گی۔" رحمان بخش کے کہے جانے پر میزاب نے اُنکو دیکھ کر ممنونیت سے چہرہ ہلکے سے جُھکا کر اُنکو یونہی حیران چھوڑ دیا اور خود عباس پر ایک نگاہ تک ڈالے بغیر اُس پیاری سی لڑکی، نازنین کے پیچھے چل پڑی۔ وہ اپنے انداز کی پہلی دُلہن تھی جو بغیر کسی زیبائش اور تیاری کے رُخصت ہو کر شوہر کے گھر میں داخل ہوئی تھی۔ اُسکا سامان ہاشم بزنجو نے شام تک بھجوانے کا کہا تھا مگر میزاب نے اُن سے آخری بار جاتے ہوئے بات نہیں کی۔ ہاشم بزنجو جانتے تھے میزاب اُن سے ناراض ہے مگر یہ بھی جانتے تھے کہ اُنکی لاڈلی پوتی زیادہ دیر تک اُن سے ناراض نہیں رہ سکتی۔

"فوزیہ! تھوڑا تم ہی بڑے ہونے کا ثبوت دے کر خیال کر لو۔" عباس کو جاتی ہوئی میزاب کو دیکھتے پا کر رحمان بخش نے نرمی سے سمجھایا۔

"آپ کو ضرورت کیا تھی میرے بیٹے کو اُسکی مرضی اور پسند کے خلاف اندھے کنویں میں پھینکنے کی؟" فوزیہ بیگم کا یہ آخری بھرایا ہوا سوال تھا جو ہال سے نِکلتی میزابِ رحمت کی سماعتوں تک پُہنچ سکا اور پھر میزاب ہال کمرے سے باہر نکل گئی۔

"مرضی اور پسند کے خلاف؟" احتساب سنجرانی بے ساختہ ہنس دیئے۔ وہ آج کچھ زیادہ ہی خوشگوار موڈ میں تھے۔ جہاں عباس نے اُنکو دیکھ کر نفی میں سر ہلایا وہیں شجاعت نے اِردگرد کھڑے اکبر اور اصغر کو ٹھوکا دیا۔

"لو جی گئے عباس بھائی!" شجاعت کی مُسکراہٹ بڑی بے ساختہ تھی۔

"فوزی تمہارا بیٹا اِتنا بھی سیدھا اور معصوم نہیں ہے جتنا تم سمجھے بیٹھی ہو۔" احتساب سنجرانی نے عباس کے نفی میں ہلتے سر کی ذرا لاج نہیں رکھی جبکہ اُنکی بات پر کلیم اور کریم بخش سنجرانی تک اپنی مُسکراہٹ دبانی پڑی۔ کون نہیں جانتا تھا عباس جان نِثار کی بے بسی اور ہار کو۔

"چاچو!" عباس نے تلملا کر اُنکو گھورا جبکہ رحمان بخش سنجرانی کا قہقہ کتنے عرصے بعد اُس گھر کے دَر و بام کو سُننے کو مِلا۔ سب مَردوں اور عورتوں نے خوشگواریت سے رحمان بخش سنجرانی کو دیکھا جنہیں اِس قدر کُھل کر بے فکری سے اُنہوں نے ایک زمانے سے ہنستے نہیں دیکھا تھا۔

"ہمارا عباس تو بُرا پھنس گیا ہے۔" اُنکی خُوش مزاجی آج نہ جانے کیوں عروج پر تھی۔ فوزیہ بیگم نے آنکھیں پھاڑ کر سب کے ہنستے چہروں اور عباس کے جھینپ سے سُرخ ہوتے چہرے کو دیکھا۔

"کیا مطلب ہے اِس سب کا؟" فوزیہ بیگم کے مشکوک سوال پر عباس بھی اپنی بے قابو ہوتی ہنسی نہیں روک سکا اور یہ پہلی بار تھا کہ سب بے طرح ہنس رہے تھے اور فوزیہ بیگم ناسمجھی سے ہنس ہنس کر احتساب سنجرانی کا سہارا لیتے عباس کو دیکھ رہی تھیں۔ اُسکی ہنسی اور ایک ایک جنبش سے پھُوٹتی خُوشی اور سرمستی اُنکی سمجھ سے بالکل باہر تھی۔

کمرے میں آکر چاروں جانب سے اُس نے اُس گہرے رنگوں کے آنکھوں کے تراوہٹ دیتے نفاست سے سجے کمرے کو ستائش سے دیکھا اور قدم قدم چلتی بستر پر آکر بیٹھ گئی۔ صُبح سے اِتنی بھاگ دوڑ ہو چُکی تھی کہ اُسکے قدم جواب دے گئے تھے۔ سیل فون سائیڈ پہ رکھ کر اُس نے دیوار گیر گھڑی پر وقت دیکھا۔ عشاء کی اذان ہونے میں بس دس منٹ باقی تھے تب تک وہ اپنے پاؤں کو آرام میں لے سکتی تھی۔ اُسے سینڈل اُتارنے کا خیال نہیں رہا۔ بس یونہی پاؤں بستر سے نیچے لٹکائے وہ پھر سے اپنی کسی سوچ میں غلطاں ہو گئی۔ یہاں آتو گئی تھی مگر آگے اُسے کیا کرنا تھا یہ احتساب سَنجرانی سے مِل کر ہی سوچ سکتی تھی لیکن اِس گھر کے حالات اور رویے اُسکو اپنے لیئے ساز گار نہیں لگے تھے مگر خیر اُسکو پہلے سے ہی اندازہ تھا۔ کانوں میں پھر سے فوزیہ بیگن کے آخری الفاظ گونجے تو ڈوبتے دِل سے اُس نے سَر جھٹک کر حجاب کی پِنز کھول کے حجاب اُتار کے دوپٹے کے انداز میں لیا۔ کمرہ کا دروازہ کُھلنے کی آواز پر بھی وہ یونہی اطمینان سے اپنی سوچ میں محو رہی۔ اندر آتا عباس ٹھٹک کر ٹھہرا۔ اُسکو یوں اپنے کمرے میں اطمینان سے بیٹھے دیکھنے کا اُس نے خواب میں بھی تصور کرنے سے گُریز کیا تھا اور قدرت نے کیسے اُسکے گُریز کو اُسکی عین آنکھوں کے سامنے لا کھڑا کیا تھا۔ چمکتی آنکھوں سے چند پَل وہ اُسے دیکھتا رہا جِس کی عباس کی جانب پُشت تھی۔ نظروں کی تپش تھی یا دِل کی تیز ہوتی دھڑکنوں نے کسی کو محسوس کر لیا تھا، میزاب نے تیزی سے چہرہ پھیر کر پیچھے دیکھا۔ اندر آتے عباس کو دیکھ کر آنکھوں میں صِرف ایک پَل کو تحیر سِمٹا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" دوسرے ہی پَل کڑک لہجے میں سوال آنے پر عباس آگے بڑھ کر اُسکے سامنے آیا جو پاؤں لٹکائے اطمینان سے بیٹھی، عباس کے دِل کے تار چھیڑ گئی۔ وہ پہلی بار اُسے حجاب کے بجائے دوپٹے میں دیکھ رہا تھا اور نگاہ ٹھہرنے سے اِنکاری تھی۔

"اپنے کمرے میں کیوں آتے ہیں لوگ؟" طمانیت سے کہہ کر وہ اُسکے سامنے گھٹنوں کے بَل جُھک کر بیٹھا اور ششدر رہ جاتی میزاب کو پاؤں پیچھے کرنے کا موقع نہیں مِل سکا۔ وہ چہرہ جُھکائے، آنکھیں پھیلائے بے یقینی سے اُسے دیکھ رہی تھی جو اُسکے دونوں پاؤں کو باری باری سینڈل کی قید سے آزاد کروا رہا تھا۔ ظاہر ہے پہاڑی علاقے میں اِیسے نازک سے جوتے پہن کر اِدھر سے اُدھر پھرتے ہوئے وہ اپنے پیروں کا بیڑہ غرق کر چکی تھی اور یہ عباس سے بہتر کون جان سکتا تھا اور پِھر وہ جس نے کبھی حفاظت کے علاوہ میزاب رحمت کو ہاتھ نہیں لگایا تھا نرمی سے اُسکے پیر چُھو رہا تھا۔ میزاب نے لرز کر اپنا پاؤں کھینچنا چاہا مگر دوسری جانب نرم گرفت مضبوط تھی۔

"کیا کر رہے ہو؟ چھوڑو؟؟" میزاب نے جھٹکے سے آگے ہو کر اپنے ہاتھ سے پاؤں چُھڑوانے چاہے جبکہ عباس نے مُسکرا کر مزاحمت کے لیئے بڑھایا گیا ہاتھ تھام کر میزاب کو بھونچکا کر دیا۔ سُرمائی جُھکی آنکھوں نے تحیر سے اُن شوق مند، چمک اُٹھتی سُنہری آنکھوں کو دیکھا۔ وہ جو اُسے کب سے سنجیدہ دیکھتی آ رہی تھی اِس مُسکراہٹ کی خوبصورتی سے پہلی بار واقف ہونے پر اندر تک ساکن رہ گئی۔

"میرا ہاتھ چھوڑو!" لمحہ لگا اُسے سحر سے آزاد ہونے میں مگر عباس یونہی اپنی جانب جُھکے چہرے کے ایک ایک نقش کو بغور پہلی بار دیکھ رہا تھا۔

"میرا ہاتھ چھوڑتے ہو یا ایک لگاؤں تمہیں؟" وہ کب واپس 'آپ' سے 'تم' پر آئی اُسے خود بھی معلوم نہیں ہو سکا جبکہ کسی مصور کی دلکش تخلیق کو پلکیں سُکیڑ کر ستائش سے دیکھتا عباس، قہقہ لگا کر ہنس دیا۔ زندگی اُس ایک چہرے کو نگاہ بَھر کے دیکھ لینے سے حسین ہو گئی تھی۔ قبل اِسکے وہ واقعی عباس کو ایک لگاتی، اُس نے آہستگی سے میزاب کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ وہ ایک جھٹکے سے پیچھے ہوئی۔

"بد تمیز!" اُسکی بڑبڑاہٹ اِتنی آہستہ نہیں تھی کہ عباس کی سماعتوں تک نہ جاتی اِس لیئے اُس نے بامُشکل مسکراہٹ دبائی اور پھر اُٹھ کھڑا ہو۔ میزاب سے اُسکے چہرے کی مُسکراہٹ چھُپی نہیں رہ سکی تبھی سُرخ پڑتے چہرے کے ساتھ تیزی سے بستر سے اُٹھ کر اُسکے برابر سے گُزرنے لگی۔

"کہاں جارہی ہیں؟" عباس کے سوال پر وہ اُنہی خفا تاثرات سے پلٹی۔

"جہنم میں، چلو گے؟" تڑخ کر جواب دیتے ہوئے اُس نے عباس کو تعجب ذدہ کر دیا۔

"نہیں شُکریہ! میں جنت میں رہنا پسند کروں گا، آج اور ابھی سے۔" چند قدموں کا فاصلہ سمیٹ کر اُسکے عین سامنے آکے اِنتہائی نرمی سے کہتے ہوئے حد سے زیادہ خفا اور بدگُمان میزاب کی دھڑکن سُست کر دی۔

"کہیں تمہیں یہ تو نہیں لگ رہا کہ تم نے مجھے پھر سے بے وقوف بنالیا ہے اور میں تمہارے اِنتقام کا مُہرہ بن جاؤں گی؟" اُن چمکتی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ایک ایک لفظ چبا کر کہتے ہوئے اُس نے اُن آنکھوں کی چمک اور ہونٹوں کی مدہم مُسکراہٹ چھین لی۔ عباس چند لمحے بغیر کچھ کہے سنجیدگی سے اُس سُرخ ہوتے شاداب مگر حد سے زیادہ بدگُمان اور سارے زمانے سے بے زار ہوئے چہرے کو دیکھتا رہا۔

"اَستغفراللہ! میں آپ کا دُشمن نہیں خیر خواہ ہوں۔" اُن گھورتی سُرمئی آنکھوں میں دیکھ کر یقین دِلانا چاہا مگر میزاب سَر جھٹک گئی۔

"یہ لولی پاپ کسی اور کو دینا۔" نخوت سے کہہ کر وہ اُسکے پاس سے گُزر کر یقیناً باہر جانے والی تھی، عباس نے بے اِختیار، غیر اِرادتاً اُسکو بازو سے روکنا چاہا مگر وہ جیسے کرنٹ کھا کر پلٹی اُسکے سَر سے دوپٹہ سِرک کر شانوں پر آ گرا۔ رُکتی سانس کے ساتھ عباس نے بوکھلا کر پیچھے ہوتے ہوئے نظریں جُھکا لیں۔ وہ جو اُس پر قہر بَن کر برسنے کو

پلٹی تھی، اُسکو یون بوکھلا کر پیچھے ہوکر نگاہیں جھکاتے دیکھ کر پوری ہستی سمیت ٹھہر گئی۔ حجاب کا کپڑا اسلکی ہونے کے باعث اُسکے کندھے سے پھسل کر عباس کی جُھکی آنکھوں کے سامنے زمین پر ِگر گیا۔

"ایم۔۔۔۔ایم سوری! میں آپکو۔۔۔" تیزی سے جُھک کے اُسکا حجاب اُٹھا کر جُھکی آنکھوں کے ساتھ اُسکی جانب بڑھاتے شخص نے میزابِ رحمت کو عجیب احساس سے دوچار کر دیا۔ چند لمحے یونہی دبے پاؤں سِرکتے چلے گئے، مزید سِرک جاتے اگر جو عباس نگاہ اُٹھا کر وقت کی لگامیں کھینچ کر روک نہ دیتا۔ اُن سُنہری آنکھوں میں کوئی اِیسا جذب تھا کہ میزاب کی دَھڑکنوں کے ساتھ پلکیں بھی لرز کر جُھکتی چلی گئیں اور اُن نظروں کے جُھکتے ہی اُس کمرے میں دَر آئی فُسوں خیز کیفیت نے اپنے پَر چہار جانب کھول دیئے۔ بے اِختیار عباس دو قدم مزید اُسکی جانب بڑھا۔ میزاب نے رُکتے دِل سے اپنے سے قدم بَھر دُور رُکتے قدم دیکھ کر بامُشکل نظر اُٹھائی اور قبل اِسکے دُور ہوتی، عباس نے ہاتھوں میں تھام رکھا حجاب اُسکے سَر پر یوں رکھا کہ لمحے بَھر لیئے وہ اُسکے حصار میں آ گئی۔ میزابِ رحمت آنکھیں پھیلائے اُسکو دیکھے گئی جو اُسکو اچھی طرح دوپٹہ اوڑھا کر آنکھیں جُھکا کر واپس دو قدم پیچھے ہو گیا۔

"یہ تم میرے اُوپر اِتنے مہربان ہونے کا ناٹک کیوں کر رہے ہو؟" ایک بار پھر اُسکے سوال نے عباس کے چہرے کا رنگ بدل دیا۔

"میں ناٹک نہیں کر رہا، میڈم!" اَب کے وہ پہلی بار سنجیدہ ہوا۔

"اِمام علی (ع) کا فرمان ہے کہ عورت پُھولوں کی طرح نازک ہوتی ہیں اور اُسکے ساتھ نرمی، مہربانی اور اپنائیت کا برتاؤ رکھنا چاہیئے۔" اُسکی اگلی بات پر میزاب نے نظریں پھیر لیں یعنی وہ سب کے ساتھ اِیسا ہی مہربان اور نرم خُو سا تھا، میزاب تو یونہی رگڑے میں آ گئی تھی۔

"تمہیں جانتی نہ ہوتی نہ تو ابھی ایمان لے آتی تمہاری بات پر۔ تم مطلب پرست اور فریب کار ہو۔ جانتی ہوں پھر سے مکر کرو گے تم سب میرے ساتھ۔" اُسکا لہجہ اچانک سے اِتنا سخت اور کُھردرا ہو گیا کہ عباس جان نِثار کے دِل پہ گہری ضرب جا لگی۔ وہ بہت غور سے میزابِ رحمت کے چہرے کی مانند پڑتی رنگ، لرزتے ہونٹ دیکھ رہا تھا۔ کچھ ہوا تھا؟ یقیناً عباس کی حقیقت اُس پر کُھلنے کے بعد مزید کچھ ہوا تھا۔

"تم سب ایک جیسے ہو۔ پیٹھ پیچھے وار کروانے والے اور سامنے سے مہربان اور میٹھے بَن کر ضرب لگانے والے۔" وہ بولی نہیں پھنکاری تھی۔ اُن سُرمئی آنکھوں میں کچھ چمکتے دیکھ کر عباس کا چہرہ پھیکا پڑا۔ دِل میں ندامت اور تشویش ایک ساتھ پِھر سے سَر اُٹھانے لگی۔ اُس نے آج سے پہلے عباس سے کبھی اِیسی سختی اور تُندہی سے بات نہیں کی تھی تب بھی نہیں جب اُسکا بھروسہ ٹوٹا تھا۔ عباس کے سامنے کھڑی عورت اِتنے سخت الفاظ بولنے والی نہیں تھی۔ وہ تو چڑیا جیسے دِل کی مالک تھی، کیسے کسی کی دِل آزاری کر سکتی تھی۔ کیا کر دیا تھا سب نے اُسکے تھے؟ کیا کر رہے تھے سب اُسکے ساتھ؟؟

"ایم سوری! میں نے آپ کو مایوس کیا۔" چہرہ جُھکاتے شخص کے ندامت سے جُھکے، پُر اذیت چہرے کو دیکھ کر اُس نے گُھٹتے دِل سے چہرہ پھیر لیا۔ کمرے کی فضا میں بکھرے فُسوں نے کب اپنے پَر سمیٹے اُن دونوں کو خبر نہیں ہو سکی۔

✓ میں اُس سے رُوشناس ہوا، تب پتا چلا

کِس بات پر اُداس ہوا، تب پتا چلا

عادی ہوں غم کا، آنکھ میری کیسے نم ہوئی

جب دَرد سے قیاس ہوا، تب پتا چلا

میرے ہر اِک جنوں کی اُس کو بھی ہے خبر

اِک دِن وہ بد حواس ہوا، تب پتا چلا

یوں تو حسین تر تھا مگر اُف کمالِ حُسن!

گُلشن کا اِقتباس ہوا، تب پتا چلا

وہ مُجھ سے کتنی دُور ہوا بات بات میں

جب لہجہ ناشناس ہوا، تب پتا چلا

دھوکے میں رکھ رہے ہیں کسی کے نقوشِ پا

قدموں میں اِلتباس ہوا، تب پتا چلا۔۔۔

____

عباس اُس تلخ کلامی کے بعد میزاب کے سامنے جا کر اُسکا دِل مزید دُکھانا نہیں چاہتا تھا تبھی مسجد سے واپس آکر، رات کے کھانے کے بعد اپنے کمرے سے مُلحق سٹڈی میں سونے کا اِرادہ رکھتا تھا۔ میزاب کو کھانا دینے نازنین اور نورین آئیں تھیں۔ ظاہر ہے پہلے دِن ہی فوزیہ بیگم کے خراب موڈ کے ساتھ اُسکا سب کے ساتھ کھانا کچھ اچھا اثر نہ چھوڑتا نہ ہی وہ کسی کے ساتھ کھانے کا اِرادہ رکھتی تھی۔ تبھی میزاب نے خود ہی اندر کمرے میں کھانے کو ترجیح دی۔

سٹڈی میں جانے کے لیئے کمرے میں داخل ہوتا عباس اُسکو کھانے پر یونہی نظریں جمائے بیٹھا دیکھ کر، تیز قدموں سے اُس تک آیا اور پھر ٹرے میں سے بریانی کی پلیٹ اُٹھا کر کھاتے ہوئے، میزاب کو چونکا دیا۔

چہرہ اُٹھا کر میزاب نے اُسے نا سمجھی سے دیکھا جو بریانی اِیسے کھڑے کھڑے کھا رہے تھا جیسے بہت مزے دار ہو۔

"بہت اچھی اور گرم ہے۔ بسم اللہ کریں۔" واپس پلیٹ ٹرے میں رکھ کر اُس نے میزاب کے چہرے کا رنگ اُڑا دیا یعنی عباس سمجھ گیا تھا کہ وہ کیوں اِتنی دیر سے کھانے کو بس دیکھ رہی تھی۔ عباس اطمینان سے واپس پلٹنے لگا۔

"عباس!" تبھی میزاب کی جھجھکتی پُکار پر سوالیہ اُسکی طرف آیا۔

"یہ باقی سب بھی چکھو!" اُسکے تحکم پر عباس کی آنکھیں چمکیں۔

"تو یعنی آپ کو مُجھ پر بھروسہ نہیں ہے۔" اُسکے مایوس لہجے کو سمجھے بغیر میزاب نے سَر جھٹکا۔

"مُجھے کیا معلوم۔ کیا پتہ کھانا کھاؤں اور میری آنکھ جنت میں کُھلے۔" اُسکے اِتنے تقین اور معصومیت سے کہے جانے پر عباس کے چہرے کو مُسکراہٹ چھو گئی۔

"کیا مطلب ہے اِس ہنسی کا، مُجھے جنت نہیں مِل سکتی؟" ظاہر ہے وہ اُسکی جنت والی بات پر ہی ہنس سکتا تھا تبھی اُس کو اچھا خاصا بُرا لگا۔

"میری مجال! جنت تو آپ کے لیئے ہی ہے۔" نرمی سے کہہ کر اُسکے سامنے صوفے پر بیٹھتے ہوئے وہ روغنی نان کا کورمے سے لقمہ لے کر کھانے لگا اور پھر اُس نے ریشمی کباب اور تلی ہوئی مچھلی چھکنے کے بعد میٹھے کو بھی چکھا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔

"ملکہ عالیہ! غلام سلامت ہے۔ آپ اَب کھانا کھا سکتی ہیں۔" اُسکے لہجے میں کوئی طنز نہیں تھا تبھی میزاب نے اُسے خفگی سے دیکھا اور نہ چاہتے ہوئے بھی اُسکا مُرجھایا ہوا دِل کھلنے لگا۔

"اَب ہر جگہ تو آپ کا غلام موجود نہیں ہو سکتا تو آپ نے سب کے کھانا شروع کرنے کے بعد اُسی ڈیش سے کھانا ہے جسے سے باقی سب کھا رہے ہوں۔" وہ اُسکے اگلے نرم مشورے پر اُسکا چہرہ کتنی دیر تک دیکھتی رہی۔ کبھی اُسکا اِس طریقے کی طرف دھیان کیوں نہیں گیا؟ شاید اُسکا ہر اِنسان اور ہر شے سے اعتبار اُٹھ گیا تھا۔ میزاب نے دِل کو ڈپٹ مرچمک اُٹھتی بھُوک سے کھانے کو دیکھا اور عباس اُسکو اطمینان سے کھاتے دیکھ کر سٹڈی کی جانب بڑھ گیا۔

صُبح فجر پڑھ کر اُس نے قرآن کی تلاش میں اِرد گرد نظر دوڑائی مگر کہیں نہ مِلنے پر اپنے سیل فون میں ہی پڑھ کر صوفے کے پاس رکھے سوٹ کیس تک آئی جو رات کو ہی اُسکے گھر سے مُدثر لے کر آیا تھا مگر وہ اُس سے نیچے جا کر نہیں مِلی۔ اَب جِس نے جو سمجھنا ہے سمجھ لے۔ اُسے پرواہ نہیں تھی۔ بریف کیس سے کڑھائی والے ہلکے گلابی رنگ کے کپڑے نکال کر وہ واش روم سے جِس وقت تیار ہو کر باہر نِکلی، اُسکے سیل فون نے بَج بَج کر کمرے کو سَر پر اُٹھا رکھا تھا۔ سَر پر دوپٹہ پہن کے اُس نے **'مُدثر'** کے جگمگاتے نام کو دیکھ کر کال ریسیو کی۔

"اسلام علیکم، مُدثر!" اُسکی مدہم آواز پر مُدثر تیزی سے اپنی جگہ چھوڑ کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

"وعلیکم اسلام! تم کہاں ہو؟ تم ٹھیک ہو نہ؟ کسی نے تمہیں کچھ کہا تو نہیں؟" اُسکے ایک دَم پریشانی سے کہے جانے پر میزاب نے گہرا سانس لیا۔

"کیا ہوا ہے تمہیں صُبح صُبح؟ سب ٹھیک ہے نہ، مُدثر؟" سٹڈی سے نکلتا عباس آگے بڑھ جاتا اگر جو وہ نام نہ سُنتا۔ اُسے اپنے چہرے پر طاری ہوتی ناگواری کا عِلم نہیں تھا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں اور نہیں! مجھے نہ کسی نے قید کیا ہے اور نہ ہی کوئی ظُلم کر سکتا ہے مُجھ پر۔" اُسکے ٹھنڈے ٹھار لہجے پر بھی دوسری جانب مُدثر کو تسلی نہیں ہوئی۔

"میں تھکی ہوئی تھی اور ویسے بھی کون سا زمانے سے تم سب سے نہیں ملی۔" میزاب کا انداز اُسکی بے چینی پر ہلکا پُھلکا ہوا۔

"تم خوامخواہ۔۔۔" اُسکی بات بیچ میں ہی رہ گئی کیونکہ عباس اُسکے ہاتھ سے سیل فون لے کر کان سے لگا چُکا تھا۔ کرنٹ کھا کر پلٹتی میزاب نے اُسکو بے یقینی سے یوں دیکھا جیسے اُسے عباس کی اِس حرکت کا ذرا یقین نہ آیا ہو۔

"تمہیں اِنکے بارے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ اپنے شوہر کے گھر بہت حفاظت سے ہیں۔" مُدثر جو کچھ اور کہنے والا تھا دوسری جانب سے آتی آواز اور اُسکے سَرد لفظوں پر تلملا کر رہ گیا۔ میزاب نے آنکھیں پھیلائے عباس کو دیکھا جو ناگواری سے کال کاٹ کر سیل فون اُسکے ابھی تک کُھلے رہ جاتے ہاتھ میں پکڑا کر یونہی ماتھے پر شکنیں لیئے جانے لگا، میزاب کا سیل فون پھر سے بَج اُٹھا۔

"اِس کی تو۔۔۔۔!" عباس جِس طرح اُسکا فون دوبارہ لینے کو پلٹا، میزاب بوکھلا کر پیچھے ہوئی۔

"میری دوست کی کال ہے۔" کہتے ساتھ تیزی سے سیل کی سکرین اُسکے سامنے لہرائی جِس پہ اُردو میں 'زینت' لکھا تھا۔ عباس کی نگاہ سکرین سے ہو کر میزاب کے چہرے تک گئی۔ بوکھلایا، گھبرایا سا چہرہ اُسکی ساری کوفت اور ناگواری کو بھک سے اُڑا لے گیا۔

"معذرت!" دائیاں ہاتھ مفاہمتی انداز میں اُٹھا کر وہ جیسے ہی پیچھے ہوا، میزاب نے کب کا روک رکھا سانس، بامُشکل بحال کیا۔

"یہ کوئی طریقہ نہیں تھا مُدثر سے بات کرنے کا۔" وہ جو پلٹنے لگا تھا، میزاب کی بات پر کچھ دیر پہلے والے ہی تاثرات سے واپس پلٹا۔

"سیر ئیسلی! آپ مُجھ سے اِس بات پر جھگڑ رہی ہیں؟" اُسکے ناگوار اِستفسار پر میزاب کی آنکھوں میں نا سمجھی اُتری۔

"آپ کو اِس بات پر جھگڑنا چاہیئے کہ میں نے آپ کا سیل فون آپکی اِجازت کے بغیر چھینا اور آپ اُس گھونچو۔۔۔" وہ جو تیز تیز کہہ رہا تھا، آخر میں اُن سُرمئی آنکھوں کے حُجم سے پھیلنے پر بے ساختہ لب بھینچ گیا۔

"عباس!" میزاب کی تنبیہہ پر اُسے مزید آگ لگ گئی۔ ایک تو وہ اُسے 'جان نثار' پُکارنا ترک کر چکی تھی اُوپر سے اُس منحوس کی حمایت!

"زہر لگتا ہے یہ الو کا پٹھا مجھے۔" اَب کے اُس نے اِتنی ناپسندیدگی اور نفرت سے کہا کہ میزاب ششدر سے اُن سُرمئی آنکھوں میں کھُلی ناگواری کو دیکھنے لگی۔ اُن آنکھوں میں اُس نے کچھ اور بھی دیکھا تھا مگر کیا؟ وہ اُس ایک اور جذبے کو کوئی نام نہیں دے سکی۔

"اور آپ بھی اِس سے مُحتاط رہیں۔" اُسے پہلی بار وارن کر کے وہ تیز قدموں سے دروازے سے باہر نِکل گیا۔ میزاب نے ایک نظر بند دروازے کو دیکھ کر شیشے میں نظر آتے اپنے حیران عکس کو دیکھا اور تبھی دروازہ کھٹکا۔ میزاب پھِر سے چونک کر پلٹی مگر جب کوئی اندر نہیں آیا تو اُسے خود دروازے تک جا کر دروازہ کھولنا پڑا۔

"اسلام علیکم!" سامنے کھڑی عورتوں کو دیکھ کر اُس نے ہی سلام میں پہل کی۔

"وعلیکم اسلام، خُوش رہو!" ہدیہ بیگم نے آگے بڑھ کر اُسکے سَر پر ہاتھ پھیرا۔

"ناشتے پر سب اِنتظار کر رہے ہیں اور ہمارے خاندان کے بہت سارے لوگ آپ سے مِلنے آئے ہوئے ہیں تو دَا جی نے کہا ہے آپ تیار ہو جاؤ۔" صائقہ بیگم نے ہاتھ میں تھام رکھا لباس اور جیولری اُسکی جانب بڑھائی جبکہ میزاب نے اُن بھاری چیزوں کو اِیسے دیکھا جیسے وہ کوئی اَچُھوت ہوں۔

"لیکن میں نے اِتنے بھاری کپڑے اور جیولری کبھی نہیں پہنی۔" اُسکا پریشان، بوکھلایا انداز اِتنا بے ساختہ تھا کہ اُن تینوں عورتوں نے ایک دوسرے کو حیرانگی سے دیکھا۔

"تو کوئی بات نہیں بیٹا! آج پہل کرلو۔" یہ اَب کی بار ثوبیہ بیگم نے کہا جبکہ میزاب نے سائیڈ پر ہو کے اُن تینوں کو آنے کا راستہ دیا۔ وہ پہلے تو نا سمجھی سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔

"آپ لوگ پلیز اندر آئیں۔" اُن تینوں کو یونہی ایک دوسرے کو نا سمجھی سے دیکھتا پا کر میزاب کو کہنا پڑا۔

"شکریہ بیٹا! ہم بس تمہیں ناشتے کے لیئے بُلانے آئی تھیں اور آج تمہیں اِس گھر کے بڑے بیٹے کی بیوی کی حیثیت سے مُتعارف کروانا ہے تو ہم لڑکیوں کو بھیجتی ہیں۔ وہ اِن کاموں میں ماہر ہیں۔" صائقہ بیگم نے نرمی سے اُسکا معصوم گال چُھو کر تھپتھپاتے ہوئے میزاب کو حیران کر دیا جبکہ وہ یونہی نا سمجھی سے کھڑی صائقہ بیگم کو سامان بستر پر رکھتے دیکھنے لگی۔

"میں۔۔۔ تھوڑے ہلکے کپڑے۔۔" میزاب کو سمجھ نہیں آئی کہ کیسے منع کرے۔ کل ہی اِن لوگوں کو بانگِ دہل بتایا تھا کہ وہ لڑائی جھگڑے اور دُشمنیوں کو بھڑاوا دینے نہیں آئی تو اَب پھر کیسے روکتی۔

"پہنو گی تو ٹھیک ہو جائے گا اور زیادہ تنگ کیا اِس لباس نے تو تب دیکھ لیں گے۔" ثوبیہ بیگم نے اُسکے پریشان تاثرات پر مُسکرا کر کہا اور پھر باہر چہرہ کر کے ناز نین اور نورین کو آواز دینے ہی لگیں کہ وہ دونوں اِیسے بھاگ کر آئیں جیسے یہیں کان لگائے کھڑی تھیں۔

"بھابھی کی تیاری میں مدد کرو دونوں اور لے کر آنا۔ ناشتہ لگنے ہی والا ہے۔" اُن دونوں کو کہہ کر وہ تینوں عورتیں واپس پلٹ گئیں۔ ویسے تو یہاں گھر کے مَرد اور عورتیں اکھٹے ناشتہ کرتے تھے مگر عباس اور میزاب کے نِکاح کے بعد اُنکے بہت سے رشتے دار کل شام ہی آنے شروع ہو گئے تھے تو اِیسے میں مَردوں کے ناشتے کا اِنتظام مردانے میں اور عورتوں کا ہال میں ہونا تھا۔

"آجائیں بھابھی؟" ناز نین نے متفکر کھڑی میزاب کو اِجازت لیتے ہوئے چونکا دیا۔ اُس نے سائیڈ پر ہوتے ہوئے دونوں کو اندر آنے کا راستہ دیا۔

"آپ یہ کپڑے بدل لیں پھر ہم آپ کی مدد کرواتی ہیں۔" نورین نے اُسکے ہاتھ زِنک رنگ کا لباس پکڑایا جبکہ میزاب اُن کپڑوں کو جِن نظروں سے دیکھ رہی تھی اُس پر وہ دونوں ہنسنے لگی اور پھر کچھ دیر بعد جب میزابِ رحمت لباس تبدیل کر کے باہر نِکلی تو اُن دونوں کی ہنسی کو بریک لگ گیا۔

"مُجھے نہیں لگتا میں اِس میں کمفرٹیبل رہوں گی۔" میزاب نے اُنکی خاموشی سے بے خبر کہہ کر سَر اُٹھایا۔

"تم دونوں کو کیا ہوا؟"

"آپ تو بہت خوبصورت ہیں۔" اُن دونوں کے برجستہ کہے جانے پر میزاب کی ہنسی بے ساختہ تھی۔ نازنین اور نورین نے ایک دوسرے کو مُسکراتی نظروں سے دیکھا۔ وہ پہلی مُلاقات کا مغرور سا تاثر ہوا میں کہیں تحلیل ہو چُکا تھا۔

"جذاک اللہ!" میزاب نرمی سے کہہ کر آگے بڑھی اور پھر اُن دونوں نے اُسکی نہ نہ کے باوجود اُسے اچھا خاصا تیار کر دیا حالانکہ وہ پھر بھی اُنکے یہاں کی دُلہنوں سے بہت کم تیار ہوئی تھی۔

"ماشاء اللہ!" اُن دونوں کے کہے جانے پر میزاب نے آئینے میں نظر آتے اپنے عکس کو دیکھا جو تھوڑی سی تیاری سے ہی سنور گیا تھا۔ اُسکا جی نہیں چاہ رہا تھا مگر یوں پہلے مرحلے میں ہی نہ بدمزگی چاہتی تھی، نہ ہی تلخ کلامی اور جِس وقت میزاب، نازنین اور نورین کے ساتھ نیچے ہال میں داخل ہوئی۔ ناشتے کی طویل میز پر بیٹھیں سب عورتیں اور لڑکیاں باتیں ترک کر کے اُسکو حیرانگی سے دیکھنے لگیں جو اُس خوبصورت لباس اور ہلکی پُھلکی جیولری اور میک اَپ کے ساتھ کسی مصور کا مکمل، خوبصورت اور آخری شاہکار لگ رہی تھی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا اُسے بنانے والے نے بہت فرصت اور چاہت سے تخلیق کیا ہو گا۔ یہ مُبالغہ آرائی نہیں تھی۔ سامنے آتی عورت اِتنی ہی پُرکشش اور معصوم تھی کہ اُسے دیکھ کر نگاہ واپسی کا راستہ بُھول جائے۔ عباس جان نِثار اگر بُھول بیٹھا تھا تو کوئی اِیسا غلط بھی نہیں تھا۔ وہ سب لڑکیاں جو عباس کی کسی شہری، دُشمن عورت پر دِل ہار دینے کی خبر پر سنجرانیوں کے گھر میں دوڑی چلی آئیں تھیں مُنہ کھولے اُس پُروقار عورت کو دیکھنے لگیں جو سب سے نہایت تہذیب اور وقار سے سلام کر کے نازنین اور نورین کے ساتھ خالی کرسی سنبھال چکی تھی۔

"آپ سب ناشتہ شروع کریں۔" ہدیہ بیگم کی آواز نے سب کو ناشتے کی جانب متوجہ کیا جبکہ فوزیہ بیگم بھی اپنی آنکھوں میں دَر آئی ستائش کو چُھپا نہیں سکیں۔

"تمہارا نام کیا ہے، بیٹا؟" کونے کی کرسی بیٹھی کسی عورت کے سوال پر سب کے زیرِ استعمال تھرماس سے چائے نکالتی میزاب نے چہرہ پھیر کر سوال پوچھنے والی کی جانب دیکھا۔

"میزابِ رحمت!" اُسکے نرم لہجے کی مٹھاس کانوں میں رَس گھول دینے والی تھی اور بس یہی سوال آیا۔ کچھ دیر میں سب ناشتے میں مصروف ہو گئے۔ ناشتہ کرتے ہوئے بھی میزاب اپنے چہرے پر بہت لوگوں کی نظریں محسوس کر رہی تھی خصوصاً سامنے بیٹھی لڑکی کو جو اُسکو اچھے خاصے غصّے سے دیکھ رہی تھی۔ میزاب نظرانداز کر کے اپنا ناشتہ بامُشکل کرتی رہی۔ کبھی لگتا وہ سب کچھ یہی اُگل دے گی مگر خود پہ ضبط کر کے وہیں بیٹھی رہی اور اُسی طریقے سے ناشتہ کرتی رہی جو عباس نے بتایا تھا۔

ناشتے کے بعد سب ہال میں صوفے پر بیٹھ کر باتوں میں پھر سے لگ گئیں۔ میزاب سب کی باتوں کے جواب میں محض ہلکا پھُلکا سا ہی حصّہ لے رہی تھی۔

"بڑی قسمت کی دَھنّی ہے یہ لڑکی جو اِسے ہمارے عباس جیسا حیادار، باکردار اور غیرت والا مَرد مِلا ہے۔" کسی عورت کے رشک بَھرے تبصرے پر میزاب کا دِل پوری قوت سے سُکڑ کر پھیلا۔

"سہی کہہ رہی ہیں آپ۔ کتنے لوگوں نے عباس کے لیئے اپنی بیٹیوں کی آس لگا رکھی تھی مگر دیکھو ذرا ہمارے عباس کا دِل کہاں دُور دراز شہر کی غیر عورت پر جا کر اَٹک گیا۔" اَب والا تبصرہ اِتنا چُبھتا ہوا سا تھا کہ میزاب کا بے ساختہ چہرہ سُرخ ہوا۔ اُس نے چونک کر چہرہ اُٹھا کر فوزیہ بیگم کے ساتھ بیٹھی عورت کو دیکھا۔

"بس رُوح کو رُوح ڈھونڈ لیتی ہے، باجی چاہے بیچ میں سات سمندر کیوں نہ موجود ہوں۔" میزاب کا سُرخ پڑتا چہرہ دیکھ کر ثوبیہ بیگم نے مُسکرا کے بات سنبھالی۔

"بات تو سہی ہے مگر سب لوگ کتنی باتیں بنا رہے ہیں کہ سنجرانیوں کے سَردار نے دُشمن عورت کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے ہیں۔" کسی اور لڑکی نے لقمہ دیا تو میزاب نے رُکتی دَھڑکن کے ساتھ بامُشکل ضبط کیا ورنہ اُن سب کو اِیسا سُناتی کے کانوں کو ہاتھ لگاتیں۔

"بُرا مَت مانو اِن سب کی باتوں کا۔ یہ سب اپنے جلے دِل کے پھپھولے پھوڑ رہی ہیں۔" اُسکے برابر آ بیٹھتی فوزیہ بیگم نے آہستگی سے کہتے ہوئے میزاب کو ٹھٹکا دیا۔

"عباس نے اِن میں سے کسی کی بیٹی کو کبھی آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھا حالانکہ یہ سب بہت آگے پیچھے پھرتی تھیں عباس کے۔ نکالنے دو اِنکو اپنا جلاپا۔" اُنکی اگلی بات نے میزاب کے چہرے کے تناؤ کو معدوم کر دیا۔

"ہمارا عباس تو لاکھوں کیا کروڑوں میں ایک ہے۔ کتنی زمینیں، جائیدادوں اور فیکٹریوں کا مَالک، اُوپر سے اگلا سَردار ہے قبائل کا، کہاں رحمان بابا نے اُسکو باندھ دیا۔" مزید جو رائے دی گئی وہ دِل جلا کر خاک کر دینے والی تھی۔ گو کہ اُسے عباس کے حسب اور نسب کا کچھ معلوم نہیں تھا۔ بے شک میزاب نے اُسے کبھی اپنا مُلازم نہیں سمجھا تھا مگر نہ جانے کیوں اُن سب لوگوں کی مَلال اور افسوس میں ڈوبی باتیں سُنتے ہوئے اُسے افسوس ہونے لگا۔ بزنجو خاندان میں اُس آن، بان والے شخص کو باڈی گارڈ اور سیکورٹی چیف کی طرح ٹریٹ کیا جاتا رہا تھا اور یہاں شہزادوں کی طرح اپنے لوگوں کے درمیان رہنے والے نے اُنکے ساتھ کیسے گُزارا کیا ہو گا؟ وہ اُنہی سوچوں میں غلطاں تھی کہ پُشت سے آتی سنجیدہ، گھمبیر آواز پر اُسکا دھڑکتا دِل ٹھہر گیا۔

"آپ نے بُلایا مُجھے، فوزی امی؟" عباس کی آواز پر اَب بھی میزاب نے چونک کر ساری لڑکیوں کو سیدھا ہوتے دیکھا۔ سب نے نزاکت سے اپنے بال اور کپڑے سنوارے۔

"ہاں، اِدھر آؤ!" اُنہوں نے اِشارے سے اُسے سامنے آنے کو کہا جبکہ عباس اِتنی ساری عورتوں کے بیچ بُلائے جانے پر نا سمجھی سے جھجھک کر وہیں کھڑا رہا۔

"ارے یہاں تو آؤ اور میزاب کو کمرے میں لے جاؤ۔ تھک گئی ہے اِتنے بھاری لباس میں۔" فوزیہ بیگم کی بات پر سب لڑکیوں نے ناگواری سے ایک دوسرے کو دیکھا جبکہ میزاب کی اُس سفید جُھوٹ پر آنکھیں پھیلیں۔ فوزیہ بیگم نے اپنی جگہ سے کھڑی ہوتے ہوئے آنکھیں پھیلا کر اپنی جانب دیکھتی میزاب کو آنکھ سے اُٹھنے کو اِشارہ کیا۔ وہ اُسے اُٹھنے میں مدد دینا چاہ رہی تھیں۔ میزاب نا سمجھی سے اُنکے نرم، سنجیدہ چہرے کو دیکھتی رہی۔ کل والا مرنے مارنے والا چہرہ کہیں بھی نہیں تھا۔ وہ ساری سوچیں جھٹک کر تیزی سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ میزاب واقعی مزید یہاں نہیں بیٹھ سکتی تھی۔ عباس پیچھے سے چل کر آگے آتے ہوئے فوزیہ بیگم کے سامنے تک آکر ٹھہر گیا، نہیں! وہ ٹھہرا نہیں، ساکن ہوا تھا۔ اپنی پوری ہستی سمیت۔ چہرے پر مضطرب اور بے چین تاثرات سجائے سامنے کھڑی میزاب رحمت کو اُس نے رُکتی سانس کے ساتھ دیکھا۔ وہ شاید واقعی بے آرم ہو رہی تھی۔ کیا پہلی بار اِتنا بنا سنوارا دیکھ کر اُسکو دِل دَھڑکنا بُھول گیا تھا؟ نہیں! وہ تو سادگی میں بھی عباس کے اعصاب اور دِل کا امتحان تھی مگر پہلے اُس پر سب جانتے ہوئے اپنی نظر اِتنے حق سے ٹِکا نہیں سکتا تھا۔ میزابِ رحمت تب اُسکی نہیں تھی اور اَب وہ عباس جان نِثار کی تھی۔ عباس نے ایک ٹرانس میں اپنا ہاتھ اُسکے سامنے پھیلایا تو میزاب کو اپنی نگاہ اُٹھا کر اُسے دیکھنا پڑا مگر اُن نظروں میں کوئی اِیسا جذبہ تھا کہ اُن آنکھوں میں زیادہ دیر نہیں دیکھ سکی۔ خود پر جمی حسد اور رَشک بھری نظروں کو محسوس کر کے اُس نے عباس کے ہاتھ کو خالی نہیں لوٹایا بلکہ اپنا ہاتھ دے کر اُسے غنی کر دیا۔

"ماشاءاللہ!" صائقہ بیگم نے آگے بڑھ کر جِھنا کے سے ہر جانب طاری ہوا سِحر توڑ دیا۔

"آپ ٹھیک ہیں؟" سنبھل کر میزاب کے کچھ متفکر سے تاثرات پر اُسے پوچھنا پڑا اور اُسکے اندازِ تخاطب پر سب عورتوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"ٹھیک ہوں۔ تمہیں تو معلوم ہے میں نے کبھی اِیسے لباس اور جوتے نہیں پہنے۔" اپنے اُسی پُر اعتماد لہجے میں کہتے ہوئے اُس نے ٹخنوں کو چُھوتا غرارہ اُوپر کر کے اپنا دائیاں پاؤں باہر نِکالا اور عباس نے بے ساختہ چہرہ جُھکا کر اُسکے سُرخ ہوتے پاؤں کو دیکھا۔ وہ نفیس تنگ سی ہیلز اُسکے پاؤں کو تکلیف دے رہی تھیں۔

"آپ کو پہننے کی کیا ضرورت تھی۔" نرمی سے کہہ کر ہلکی براؤن قمیض شلوار پر ڈارک براؤن واسکٹ پہنے عباس جان نِثار کو سب نے اُس عورت کے قدموں میں جُھکتے دیکھا۔ میزاب کی ایک پَل کو دَھڑکن ٹھہری۔ عباس کا اِیسا طرزِ عمل اُسکے لیئے معمول کی بات تھی مگر اُن سب عورتوں اور لڑکیوں کی نہیں جو ہونٹوں پر ہاتھ رکھے اپنے مُنتخب سردار کو بے یقینی سے دیکھ رہی تھیں۔ فوزیہ بیگم نے بہت غور سے عباس کے نرم اور میزاب کے مُسکراتے چہرے کو دیکھا۔ وہ کسی معمول کی طرح جُھک کر اپنے قدموں میں بیٹھے عباس کے دائیں شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے خود کو سہارا دے رہی تھی۔ نورین اور نازنین نے مُسکراہٹ دبا کر ایک دوسرے کو دیکھا اور آنکھ مارتے ہوئے سیل فون میں تصویریں لینے لگیں۔ یہ ایک تاریخی منظر تھا۔ چاغی کی عورتیں پہلی بار کسی مَرد کو اپنی بیوی کی اِیسے ناز برداری کرتے دیکھ رہی تھیں۔ عباس نے ہیلزل کے بَکل، کھول کر اُسکے پیر باری باری اُن تنگ ہیلز سے آزاد کر دیئے۔ میزاب نے گہرا سانس لے کر شکر کا کلمہ پڑھا اور پِھر یونہی سَر اُٹھا کر اُس نے نا سمجھی سے سب کے ششدر اور دنگ تاثرات دیکھے۔ عباس بائیں ہاتھ میں ہیلز کو سٹریپس سے پکڑے اُٹھ کھڑا۔

"کِس کے ساتھ جائیں گی؟" اُسکا یقیناً اِرادہ مردانے میں جانے کا تھا۔

"تمہارے ساتھ!" اُسکے بے ساختہ کہے جانے پر جہاں عباس نے رُکتے دِل کے ساتھ اُسکا ہاتھ تھاما وہیں میزاب کی اُٹھی گردن، مزید اُٹھ گئی۔ ایک نظر اُن عورتوں پر ڈال کر میزاب، عباس کے ساتھ ہال کمرے سے باہر نکلنے لگی۔

"تم دونوں بھابھی کے پاس جاؤ۔" صائقہ بیگم نے کھی کھی کرتی دونوں لڑکیوں کو پیچھے دوڑایا جبکہ میزاب اُن عجیب و غریب باتوں والی عورتوں اور لڑکیوں کو عباس کے ایک ایک عمل سے بہت کچھ باور کروا کر جا چکی تھی اور اُسی دِن اُن دونوں کے محفل سے اُٹھ کر جاتے ہی چاغی میں اُس گردش کرتی خبر کی تصدیق کر دی گئی کہ واقعی عباس جان نِثار سنجرانی، میزابِ رحمت بزنجو پر مکمل آمادگی سے اپنا دِل ہار چُکا ہے۔ وہ راز جسے عباس جان نِثار سب سے چُھپائے پھرتا تھا، جِس کی خبر میزابِ رحمت تک کو ہونے نہیں دی گئی وہ ہر جانب آشکار ہو چُکا تھا

✓یوں تُجھے ڈھونڈنے نِکلے کہ نہ آئے خُود بھی

وہ مُسافر کہ جو منزل تھے، بجائے خُود بھی

کتنے غم تھے کہ زمانے سے چُھپا رکھتے تھے

اِس طرح سے کہ ہمیں یاد نہ آئے خُود بھی

اِیسا ظالم ہے کہ اگر ذکر میں اُسکے کوئی ظُلم

ہم سے رہ جائے تو وہ یاد دِلائے خُود بھی

لُطف تو جب ہے تعلق کا کہ وہ سِحر جمال!

کبھی کھینچے، کبھی کھینچتا چلا آئے خُود بھی

اِیسا ساقی ہو تو پھر دیکھیئے رنگِ محفل

سب کو مدہوش کرے، ہوش سے جائے خُود بھی

یار سے ہم کو تغافُل کا گلِہ کیوں ہو کہ ہم

بارہا محفلِ جاناں سے اُٹھ آئے خُود بھی۔۔۔

(احمد فراز)

کائنات سے اہم کنسائنمنٹ ڈسکس کر کے وہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد کمرے سے مُلحق ٹیرس میں کھڑی کسی گہری سوچ میں ڈوبی سیاہ، گہری ہوتی رات کا پتہ دیتے آسمان کو دیکھ رہی تھی اور اِتنی مُنہمک تھی کہ اپنے برابر آ کھڑے ہوتے عباس کی موجودگی کا بھی احساس نہیں ہو سکا۔

"آپ۔۔۔ ابھی تک سوئی نہیں؟" لباس تبدیل کیئے، بغیر کسی زیبائش سے پاک تر و تازہ چہرے کو دیکھتے ہوئے اُس نے آہستگی سے سوال کیا۔ وہ جانتا تھا میزاب آج سب کے سامنے مروت اور لحاظ میں خاموش رہی تھی ورنہ تمیز کے دائرے میں رہ کر مُنہ توڑ جواب اُس سے بہتر کون دے سکتا تھا۔

"تمہیں کیا ہے؟" اُس بے نیاز سوال پر عباس چاند کی روشنی میں تابناک ہوتے چہرے کو دیکھ کر رہ گیا۔

"کوئی بات پریشان کر رہی ہے تو مُجھے بتائیں۔" اُسکے 'غلام حاضر ہے' والے انداز پر میزاب نے بے اِختیار چہرہ پھیر کے اُسے دیکھا جو قمیض شلوار میں ملبوس پوری طرح اُسکی جانب متوجہ تھا۔ میزاب کو کوئی اِیسا موقع یاد نہیں آ سکا جب وہ موجود ہو اور عباس کی توجہ اُسے مکمل حاصل نہ ہوئی ہو۔ اِس سوچ نے دِل کی دَھڑکنوں کو سُست کر دیا۔

"کیا سوچنے لگیں؟" اُسکو یوں اپنی جانب دیکھتا پا کر عباس نے نرمی سے ایک بار پھر سوال کیا۔

"تم تو اچھے خاصے امیر ہو۔ تمہیں کتنا بُرا لگتا ہو گا نہ جب وہاں سب تمہیں سیکورٹی چیف کی طرح ٹریٹ کرتے تھے۔" اُسکی اگلی بات پر عباس جو اُسکے چہرے کے اُتار چڑھاؤ کو بغور دیکھ رہا تھا، چونک گیا۔

"مُجھے کیوں بُرا لگا ہو گا جب میں تھا ہی وہاں سیکورٹی چیف کی حیثیت سے۔" اُس نے عام سے انداز میں کہا مگر میزاب کو تشفی نہیں ہوئی۔

"تمہیں کتنا غصّہ آتا ہو گا کہ تم سے حیثیت میں کم عورت تمہیں باڈی گارڈ کی طرح ٹریٹ کرتی رہی۔" اَب کے میزاب کی بات دماغ ہلا دینے والی تھی۔ عباس نے تحیر سے میزاب کو دیکھا۔ اُسے حقیقتاً میزاب سے اِیسی بات کی توقع نہیں تھی۔

"کون حیثیت میں کم عورت؟" اُسکے تصدیقی سوال کو میزاب نے تمسخر سے اُڑایا۔

"زیادہ معصوم مت بنو۔ اپنی بات کر رہی ہوں۔ تمہاری یہاں جو حیثیت اور رُتبہ ہے، جتنی دولت جائیداد ہے اُسکے مقابلے میں تم اندر ہی اندر کتنا طیش میں آتے ہو گے، بے شک تم اِنتقام کے تحت آئے تھے۔" وہ جو حیرانگی سے اُسکو تیز تیز بولتے سُن رہا تھا، اُسکی آخری بات پر نگاہیں پھیر گیا۔

"میری حیثیت اور رُتبہ، یہ زمین، جائیدادیں، یہ ساری جاگیر باپ، دادا سے ورثے میں مِلی ہیں جبکہ آپ ایک سیلف میڈ عورت ہیں۔ چند لاکھ کمانے والے سرکاری مُلازم کا خود سے موازنہ مت کریں۔" اُس کے نرم لہجے میں اِتنا احترام تھا کہ حد نہیں۔

"سرکاری مُلازم؟" سوال اُٹھایا بھی گیا تو کیا۔

"ایلیٹ فورس کے کمانڈوز، سرکاری مُلازم نہیں ہوتے؟" جواب کے بجائے سوال پر میزاب یاد آنے پر چہرہ پھیر گئی۔

"خیر! مجھے بھی سب کچھ ورثے میں مِلا تھا۔" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد میزاب نے آہستگی سے کہا۔

"ہاں مگر اپنے بابا کی ڈیتھ کے بعد آپ نے اکیلے سب مینج کیا ہے۔ یہ لائقِ تحسین ہے۔" اُسکے حوصلہ افزا الفاظ نے دِل کو یوں مُٹھی میں لے کر جھکڑا کہ میزاب کے چہرے کا پھیکا پڑتا رنگ عباس کی گہری نظروں سے پوشیدہ نہیں رہ سکا۔

"تم اِتنے عاجز اور اِنکسار لگتے نہیں ہو۔" بامُشکل سنبھل کر اُس نے ازلی بے ریائی سے کہا۔ عباس اُسکے پہلو بچاتے انداز پر مُسکرا دیا۔

"آپ بھی اِتنی لالچی لگتی نہیں ہیں۔" اُسکی برجستگی پر میزاب کی ہنسی بے ساختہ تھی۔ عباس نے نگاہ بھر کر اُس محبوب ہو چکی عورت کو دیکھا جو ہنسی تو گویا اندھیری رات میں اُجالا پھوٹ پڑا ہو جِس نے جگمگاتے چاند تک کو بُجھا ڈالا تھا۔

"میں تو لالچی ہوں کیونکہ دولت اِس دُنیا کی سب سے اٹل حقیقت ہے۔ یہ آپکے پاس ہے تو سب آپ کے ہیں اور یہ پاس نہیں ہے تو کوئی آپ کا نہیں۔" وہ بہت سہولت سے آج کے دُور کا المیہ بیان کر رہی تھی۔ عباس نے مُتاثر ہو کر سَر ہلایا۔ کتنے بہت سے دِنوں بعد میزابِ رحمت اُس سے اِس طرح کُھل کر بات کر رہی تھی۔ وہ اُسے ٹوک کر خاموش نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"لیکن یہ بھی حقیقت ہے دولت سے سب نہیں خریدا جاسکتا۔" کچھ دیر بعد اُس نے خود ہی اعتراف کر لیا۔ اُسکے لہجے میں اَب پہلی والی لاپرواہی نہیں رہی۔

"مجھے تو لگتا ہے سب خریدا جاسکتا ہے۔" عباس کے ٹوکنے پر میزاب نے اُسکو خفگی سے دیکھا۔

"تمہارے پاس سب کچھ ہے نہ اِس لیئے کہہ رہے ہو۔ بہت سے لوگ اِس دُنیا میں ہیں جنہیں مانگنے سے بھی نہیں مِلتا۔" اُس کی سَرزنش پر عباس مکمل اُسکی جانب رُخ کر کے کھڑا ہوا تو میزاب نے چہرہ پھیر کر اُسے دیکھا جو ریلنگ سے پُشت ٹِکا کر، چہرہ اُسکی جانب کیئے کھڑا مکمل انہماک سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ میزاب نے لرزتی پلکوں سے نظر کُھلے آسمان پر ٹِکالی۔ اُن سُرمئی اُنکھوں میں دیکھنا اُس کے لیئے کبھی آسان نہیں رہا تھا۔

"کیا چاہیئے آپ کو؟" اُسکے نظریں پھیر لینے پر عباس کا سوال سرگوشی سے زیادہ نہیں تھی۔ یہاں بات اُسکی نہیں ہو رہی تھی مگر عباس نے بات کا رُخ اُسکی جانب کر کے میزاب کا دِل ساکن کر دیا۔

"تم کیوں پوچھ رہے ہو؟" اُسے دیکھنے کو مکمل اِحتراز برتا گیا۔

"تاکہ میں آپ کو وہ دے سکوں۔" اُسکے لہجے میں وہی مائل کر لینے والی نرمی اور احترام تھا۔ سب جانتے ہوئے بھی میزاب کا دِل کئی زینے نیچے پھسلا۔ اُس نے خود کو ہر ممکن بے پرواہ ظاہر کر کے سَر نفی میں جھٹکا۔

"آپ کچھ مانگ کر تو دیکھیں!" اُسکے اِصرار پر میزاب نے چہرہ پھیرا۔ سُرمئی بے خبر آنکھوں کا سُنہری شوق مَند آنکھوں سے دَھڑکنوں کا انداز بدل دینے والا تصادم ہوا۔ عباس جان نِثار اُن چمکتی، اپنی جانب پوری قوت سے کھینچتی آنکھوں سے نظر نہیں ہٹانا چاہتا تھا۔ ہر خیال پر یہ اِحساس حاوی ہونے لگا کہ وہ عُمر بھر کے لیئے اِس چہرے کو

دیکھ سکتا تھا۔ نظروں کو بے اِختیار ہونے کی کُھلی چُھوٹ مِل چکی تھی جبکہ بد گُمان ہوئیں، کچھ نہ سمجھتی آنکھیں جُھک گئیں۔ وہ اپنی آنکھوں میں ٹھہرا اُس شخص کو اپنا ہی عکس دیکھنے کی اِجازت نہیں دے سکتی تھی۔

"پوچھ تو اِیسے رہے ہو جیسے اپنی ساری سلطنت میرے نام کر دو گے۔" خفگی میں مُبتلا ہوتے دِل سے اُس نے طنزیہ کہا جبکہ عباس ریلنگ کا سہارا چھوڑ کر اُسکی جانب پلٹا اور میزاب کو پیچھے ہونے کا موقع بھی نہیں مِلا۔

"کر بھی سکتا ہوں آپ کے نام۔" اُس اِصرار میں دِل کے تمام پوشیدہ جذبے سِمٹ آئے۔ میزاب نے لرزتے دِل اور پھیلتی آنکھوں سے اُس قریب آچکے چہرے کو دیکھا۔ چند پَل وہ خالی خالی آنکھوں سے اُس چہرے کو دیکھتی رہی جِس نے اُسکے یقین کو توڑا تھا۔ جس نے دُشمنی کو مُستحکم کرنے کو میزابِ رحمت کے اعتبار کو ٹھیس پُہنچائی تھی۔ دِل کو سب یاد تھا تو کیوں ہر بار اِس شخص کو دیکھ کر نئے سِرے سے دَھڑک اُٹھتا تھا؟ کیا دِل کو کوئی عارضہ لاحق ہو گیا تھا؟

"تو پھر چاند لا کر دو مُجھے۔" فُسوں خیز آنکھوں کے پار اُترے جذبے قبل اِسکے عباس پَرکھتا، گھنیری پلکیں جُھک کر ایک اَدا سے گویا ہوئیں۔ اُٹھی گردن میں جو شانِ بے نیازی تھی، اُس پر عباس کا دِل آہ بھر کر رہ گیا۔ محبوب بے نیاز نہ ہو اور اگر ہو تو اِتنا ہی ہو جِتنا میزابِ رحمت تھی۔

"ابھی تعمیل کرتے ہیں آپکے حُکم کی۔" بائیاں ہاتھ ریلنگ پر جمائے وہ دائیاں ہاتھ اپنے سینے پر رکھ کر بے اِختیار میزاب کے آگے جُھکتے ہوئے اُسکو گنگ کر گیا۔ ٹھنڈی ہوا جو اِرد گرد سے پُھولوں کی خبر گیری لینے کے لیئے گئی ہوئی تھی، خُوشبُو کے ریلے کے ساتھ پلٹ کر آئیں اور میزاب کے سَر پر موجود دوپٹے کے کونے کو اُڑا کر جُھکے ہوئے عباس جان نِثار کے چہرے پر بکھیر دیا۔ بوکھلاتی میزاب کے پیچھے ہونے پر خوشبودار دوپٹہ عباس کے چہرے سے مَس ہو کر ہاتھ پر آ گِرا۔

✓ رنگ پیرہن کا خُوشبُو، زُلف لہرانے کا نام

مُوسمِ گُل ہے تمہارے بام پر آنے کا نام

دوستو! اُس چشم ولَب کی کچھ کہو جِس کے بغیر

گُلستاں کی بات رنگیں ہے نہ میخانے کا نام

پِھر نظر میں پُھول مہکے، دِل میں پِھر شمعیں جلیں

پِھر تصور نے لیا اُس بزم میں جانے کا نام

اَب کسی لَیلیٰ کو بھی اِقرارِ محبوبی نہیں

اِن دِنوں بدنام ہے ہر اِک دیوانے کا نام

مُحتسب کی خیر، اُونچا ہے اُسکی فیض سے

رِند کا، ساقی کا، مے کا، خُم کا، پیمانے کا نام

ہم سے کہتے ہیں چمن والے، غریبانِ چمن!

تم کوئی اچھا سا رکھ لو اپنے ویرانے کا نام

فیض! اُن کو ہے تقاضائے وفا ہم سے جنہیں

آشناء کے نام سے پیارا ہے بیگانے کا نام۔۔۔

(فیض احمد فیض)

جُھکا رکھے چہرے والے نے جو نہی آنکھیں اُٹھائیں، میزاب کے گُلابی پڑتے چہرے کو دیکھ کر بے ساختہ ہنس دیا۔

"اگر آپ کو چاند لا دیا تو مُجھے کیا ملِے گا؟" اپنے ہاتھ پر آ ٹھہرے دوپٹے کے کونے کو تھامتے ہوئے اُس نے میزاب کا چہرہ مزید گُلنار کر دیا۔

"پہلے لا کر دو مجھے۔" وہ جانتی تھی عباس مزاق کر رہا ہے مگر میزاب کا دِل اُس فریب کی جانب مائل ہونے لگا۔

"میں لا کر دینے لگا ہوں تو کچھ تو نظرِ عنایت کریں۔" عباس کا لہجہ اِتنا بیچارہ سا ہو گیا کہ سُرمائی آنکھیں یَک دَم مُسکرا اُٹھیں۔

"اُونہوں! تم چاند نہیں لا کر دے سکتے۔ تم مُجھے بے وقوف بنا رہے ہو۔" اِنتہائی معصومیت سے کہتے ہوئے اُس نے عباس کا دِل گُداز کر دیا۔ وہ اُس پر کیسے دوبارہ اعتبار کر سکتی تھی۔ عباس نے تھام رکھے حجاب کے کونے کو چھوڑ دیا۔

"ابھی لا دیتا ہوں۔" اُسکے لہجے کی حلاوت میں کوئی رِیا نہیں تھا۔ کہتے ساتھ وہ اُسکے سامنے سے ہٹ کر سلائیڈنگ ونڈو کا شیشہ دھکیل کر کمرے میں چل گیا۔ میزاب نے پلٹ کر اُسے جاتے نہیں دیکھا بس دھیرے سے نفی میں سَر ہلا کر خود کو سَرزنش کرتے ہوئے چہرہ اُٹھا کر آسمان پر دھمکتے چاند کو دیکھنے لگی۔ چاند وہیں تھا، عباس جان نِثار جا چُکا تھا۔ وہ کیسے اُسے چاند لا کر دے سکتا تھا۔ اُسے تو میزاب سے دُشمنی نبھانی تھی نہ!

چاند کو دیکھتے دیکھتے نہ جانے کیوں اُسکا دِل بَھر آنے لگا اور تبھی چمکتے چاند اور اُن حزیں آنکھوں کے درمیان کچھ آیا۔ میزاب کی نگاہ کے اُٹھنے پر خالص ہیروں سے تراشا ہوا ہلال کی شکل کا پینڈنٹ ہوا میں یوں مُعلق ہو گیا کہ چاندی کی زنجیر کا سِرا اُسکے عین عقب میں آ کھڑے عباس کے ہاتھ میں تھا۔ اپنے پیچھے اُسکی موجودگی محسوس کر کے میزاب سانس روکے اُس چاند کی روشنی میں چمکتے ہلال کو دیکھنے لگی۔ وہ جانتی تھی پیچھے پلٹنے پر عباس سے ٹکرا سکتی ہے مگر پھر بھی اُس نے پلٹ کر عباس کو دیکھا جِسکی نظریں چاندی کی زنجیر پر تھیں۔

"آپ کو دینے کے لیئے میری دسترس میں یہی چاند ہے، قبول کرلیں۔" اُسکے لہجے میں مُحبت اِضطراب بَن کر اُتر آئی۔ میزاب کا دِل دَھڑکنا بُھول گیا۔

"مے آئی؟" وہ پہلی بار اُس سے اِجازت نہیں مانگ رہا تھا مگر یہ پہلی بار تھا کہ عباس جان نِثار اُسکی جانب بڑھنے کی، اُسکو کچھ دینے کی اِجازت چاہ رہا تھا۔ جُھکار کھی آنکھوں میں آنسو تیزی سے جمع ہونے لگے۔ اُس خاموشی میں محسوس کیا جانے والا اِقرار تھا۔ میزاب نے جُھکی پلکوں سے اُن قدموں کو اپنی جانب بڑھتے دیکھا۔ اَب کی بار وہ پیچھے نہیں ہوئی کیونکہ پہلے ہی وہ ریلنگ سے پُشت لگائے کھڑی تھی۔ دو مضبوط ہاتھ اُسکی گردن تک آئے اور پھر اُس نے عباس جان نِثار کی خُوشبو کو اپنے اِرد گرد پھیلتے دیکھا۔ وہ چہرہ جُھکا کر اُسکو پینڈنٹ بڑی فرصت طلب توجہ سے پہنا رہا تھا۔ عباس جان نِثار اُسکے سامنے تھا۔ میزاب رحمت اگر چاہتی تو نگاہ اُٹھا کر اُس مہربان ستم گر کو دیکھ سکتی تھی اور پھر اُس نے جُھکی پلکیں اُٹھائیں اور عین اُسی وقت پینڈنٹ کا لاک لگاتے عباس نے بھی۔ عباس جان نِثار کے دیکھتے ہی اُن سُنہری آنکھوں سے آنسو قطرہ قطرہ لڑیوں کی صورت بہتے ہوئے اُسکے پیچھے کرنے کو تیار ہاتھوں کی پُشت پر گِرنے لگے۔

عباس پیچھے نہیں ہو سکا، اپنے ہاتھ پیچھے نہیں کرسکا۔ اُن دُنیا سے پیاری آنکھوں کا غم، سوگواری اور خفگی ہر شے سے غافل کر دینے والی تھی۔ آسمان پر روشن چاند اَب مَاند ہو کر، اپنی روشنی کھوتے ہوئے اُن سُنہری آنکھوں کے حصار میں مُقید شخص کو دیکھ رہا تھا۔

✓دِل نہ اچھا ہو تو کچھ بھی نہیں اچھا لگتا

سایہ گیسو، دِلدار، نہ اچھا موسم

گردشِ عِشق جُدا، گردشِ اَیام جُدا

رُت بدلنے سے بدلتا نہیں دِل کا موسم۔۔۔

(احمد مشتاق)

"ویسے کوئی حور پری بھی نہیں بیاہ لایا تمہارا بھائی جو سارا چاغی پاگل ہوا پھر رہا ہے۔" نورین اور نازنین کی باتیں خفگی سے سُنتی یہ کہنے والی وہی لڑکی تھی جو ناشتے کی میز پر میزاب کو اچھی طرح گھور رہی تھی اور بعد میں بھی جملے بازی کر رہی تھی، اِس کا نام عدن تھا۔

"ہاں! تمہارے تو دِل کے اَرمان جو آنسوؤں میں بہہ گئے ہیں۔" صوفے پہ بیٹھتے اکبر کی بات پر جہاں شجاعت نے قہقہ لگایا وہیں عدن نے شجاعت کے قہقے پر بُرا سا مُنہ بنایا۔

"ارے جاؤ! تمہارا بھائی جیسے دُنیا کا آخری مَرد بچا ہے نہ۔ میں نے تو شادی کا سُن کر شُکر کیا کہ اِیسی سڑیل بلا میرے سَر سے ٹَلی۔" ہال میں داخل ہوتی میزاب کی سماعتوں تک بس عدن کے آخری الفاظ پُہنچے۔

"ہاں! ہاتھ کنگن کو آرسی کیا!" اکبر کو کون روک سکتا تھا۔

"پڑھے لکھے کو فارسی کیا!" اَصغر نے مزید لقمہ دیا جبکہ عدن نے مُسلسل قہقے لگاتے شجاعت کو کھا جانتی نظروں سے دیکھ کر نورین اور نازنین کو گھُورا۔

"کیوں تنگ کر رہے ہو اِسکو۔ یہ تو سچ میں آبی بھائی کی خوبصورتی پہ مَرتی تھی، بس۔" نازنین نے صُلح صفائی کروانی چاہی بھی تو کِن الفاظ میں۔۔۔ عدن نے دانت پیس لیئے۔ شجاعت نے بڑے تفصیل سے عدن کے سُرخ پڑتے چہرے کو دیکھ کر مُسکراہٹ دبائی البتہ اکبر کا عدن کو آسانی سے بخشنے کا کوئی اِرادہ نہیں تھا۔

"میں تو پہلے ہی کہتا تھا عباس بھائی تمہیں گھاس نہیں ڈالیں گے۔ کہیں اور نظریں جماؤ۔" اکبر نے مُسکراتے ہوئے آنکھوں سے مُسکراہٹ دباتے ہوئے شجاعت کی جانب اِشارہ کیا جبکہ شجاعت کے غافل، اطمینان بھرے انداز پر عدن نے دانت پیس لیئے۔ اِس کمینے نے کب اُسکے دِل کو جلانے میں کوئی کسر چھوڑی تھی جو اَب پیچھے رہتا تبھی مُسلسل مُسکرائے جا رہا تھا۔

"تم لوگوں کے خاندان میں عباس بھائی کے علاوہ کوئی اور خوبصورت ہوتا تو کہیں نظریں جماتی نہ۔" عدن کے تڑخ کر کہنے پر جہاں شجاعت کی مُسکراہٹ سِمٹی وہیں اندر آتی میزاب کے چہرے پر ناگواری پھیل گئی۔

"بھابھی!" شجاعت جِس طرح اُسے آتے دیکھ کر سب سے پہلے کھڑا ہوا، عدن کو مزید وہ پُروقار سی عورت بُری لگی۔

"جان نِثار کہاں ہے؟" میزاب کے اِستفسار پر اُن سب نے چونک کر ایک دوسرے کو حیرانگی سے دیکھا۔

"عباس بھائی تو زمینوں کے مسئلے کے لیئے کہیں گئے ہیں۔" شجاعت کے بتائے جانے پر میزاب نے سمجھ کر سَر ہلایا جبکہ اُسکے یوں دَھڑلے سے **'جان نِثار'** پُکارے جانے پر عدن کے مُنہ کے زاویے بگڑے۔

"جذاک اللہ!" نرمی سے کہہ کر وہ جیسے ہی پلٹنے لگی، نازنین اُٹھ کر اُس تک آئی۔

"آئیں نہ ہم سب کے ساتھ بیٹھیں!" میزاب نے چونک کر بُرے بُرے مُنہ بناتی لڑکی ک اور پھر اپنائیت سے دیکھتی نورین اور نازنیں کو دیکھا پھر کچھ سوچ کر اُن دونوں کے برابر صوفے پر آ کر بیٹھ گئی۔ اُسے ویسے بھی عباس سے بات کرنی تھی تو یہیں بیٹھ کر اِنتظار کرنے میں کوئی حرج نہیں تھا۔

"عباس بھائی اور دا جی کی جانے سے پہلے بحث ہو رہی تھی۔" اِس سے پہلے کہ عدن کوئی بے تکی بات کرتی، شجاعت نے میزاب کو بتاتے ہوئے اُسکو چونک کر آگے ہونے پر مجبور کر دیا۔

"کِس بات پر؟" اُسکا دِل ڈوب کر اُبھرا۔ کہیں یہاں اُسکے خلاف کوئی محاذِ جنگ تو نہیں شروع ہونے والا تھا؟

"دا جی اُنہیں گوادر والی فیکٹریوں کو سنبھالنے کا کہہ رہے تھے مگر وہ ہاتھ نہیں آ رہے۔" اُسکی معلومات پر میزاب کے چہرے کو پُر سوچ تاثرات نے گھیر لیا۔

"عباس بھائی شاید آپ کی وجہ سے منع کر رہے تھے۔" شجاعت کی مزید کہے جانے پر میزاب نے تحیر سے اُسے دیکھا۔

"میری وجہ سے کیوں؟" وہ لاکھ حیران ہوتی مگر اُسے اپنے جذبات پر مکمل اِختیار تھا۔

"ظاہر ہے! دُشمن عورت سے شادی کر کے ہاتھ پیر بندھوا لیئے ہیں تمہارے بھائی نے تو یہی ہو گا۔" عدن کے مدہم سا لقمہ دیئے جانے پر جہاں میزاب نے سنجیدگی سے اُسکو دیکھا وہیں شجاعت نے غصّے سے گھورا۔

"تم چُپ کر کے نہیں بیٹھ سکتی؟" شجاعت کے تلخی سے کہے جانے پر عدن نے حیران ہو کر اُسکے دیکھا۔

"تمہیں کیوں فکر ہو رہی ہے اِن مُحترمہ کی؟ مت بُھولو کہ یہ تم لوگوں کے دُشمنوں کی بیٹی ہیں اور فوزیہ آنٹی کتنی ناراض ہیں۔" عدن کی زُبان چلے تو اُسے کون روک سکتا ہے مگر اُسے معلوم نہیں تھا کہ اُسکے سامنے میزاب ہے۔

"اِدھر اُدھر دیکھ کر بات کرنے کے بجائے، مُجھ سے بات کرنا زیادہ مُناسب ہے۔ کل بھی آپ کی بدزُبانی کو میں نے لحاظ اور ادب میں نظر انداز کیا تھا تو آج یہ مت سمجھیں کہ میں چُپ رہوں گی۔ میرا جو بھی مسئلہ ہے، وہ آپکا دردِ سَر نہیں ہے۔ میں عباس کی بیوی ہوں اور جب ہم دونوں کی بات ہو رہی ہو تو کسی تیسرے کی مُداخلت مُجھے سخت ناپسند

ہے" میزاب کے دوٹوک سنجیدہ لہجے پر جہاں عدن کا چہرہ سُرخ ہوا وہیں، شجاعت نے مُسکرا کر اطمینان سے ٹیک لگا لی۔ ہاں! ٹھیک ہے اُسے میزاب شروع میں پسند نہیں تھی مگر اُس نے عباس میں آنے والی تبدیلیوں کے بعد اور جواد کی باتوں کے بعد میزاب کو ہمیشہ اچھا، مِلنسار اور رحمدل ہی پایا تھا۔ عباس کی نگاہ غلط نہیں ہو سکتی تو اگر وہ میزاب کو اِیسا کہتا اور سمجھتا ہے تو غلط نہیں ہو سکتا اور شجاعت کو عباس کی رائے اور دُور اندیشی پر پورا بھروسہ تھا۔

"مُجھے شوق نہیں ہے آپ سے بات کرنے کا۔" شجاعت کی مُسکراتی آنکھوں کو دیکھتے ہوئے اُس نے تڑخ کر کہتے ہوئے اُن سب کا رنگ اُڑا دیا۔ اُنہوں نے پریشان ہو کر ایک ساتھ میزاب کو دیکھا جو اطمینان سے گردن اُٹھائے، اُسی وقار سے بیٹھی تھی۔

"اگر نہیں ہے تو میرے بارے میں فضول کی بے ہودہ گُفتگو کرنے اور غلط باتیں کرنے کی آپکو اِجازت نہیں ہے۔ میں احترام کرنا بھی جانتی ہوں اور کروانا بھی، اِس لیئے تمیز سے۔" وہ میزاب تھی۔ بڑے بڑوں کی بولتی بند کروا دینے والی تو یہ کل کی لڑکی کیسے اُسے جواب دیتی۔ عدن تو اِس عزت اَفزائی پر دُبک کر بیٹھ گئی۔

"اِس کو چھوڑیں بھابھی! اِس کو تو عادت ہے ہر کسی سے بدتمیزی کرنے کی۔" اَب کے شجاعت نے کچھ اِیسی سنجیدگی سے کہا کہ میزاب نے عدن کا چہرہ سپید پڑتا محسوس کیا۔

"کوئی کسے سے بھی بغیر وجہ کے بدتمیزی نہیں کرتا۔ یقیناً اِنکو میں پسند نہیں آئی ہوں گی۔ تمہیں اِس طرح کم اَز کم میرے سامنے نہیں منع کرنا چاہیئے۔ میں کل آئی ہوں اور تم سب یک دوسرے کے ساتھ کب سے ہو تو سمجھانا چاہیئے۔" میزاب کی سنجیدہ بات پر عدن نے چونک کے چہرہ اُٹھا کر اُس نرم مگر سنجیدہ طرف داری پر اُسے دیکھا جو شجاعت کو سمجھا رہی تھی۔ اُسکے شرمندگی گھیرنے لگی۔

"ایم سوری!" عدن کے مدہم سے کہے جانے پر پر میزاب کے ساتھ سب نے ٹھٹک کر دیکھا۔ وہ زُبان درازی کے بعد صرف عباس سے ہی معافی مانگتی تھی اور باقی سب کے سامنے ڈٹ جاتی تھی۔

"کوئی بات نہیں۔ میں آپ لوگوں کی ناپسندیدگی کو سمجھ سکتی ہوں مگر مُجھے اچھا لگے گا اگر مُجھے خاندان سے الگ، ایک الگ اِنسان کی طرح دیکھا جائے۔" اُسکے ہلکے پُھلکے لہجے پر جہاں عدن کا چہرہ سہی ہوا وہیں نورین اور نازنین نے دروازے کے پاس کھڑے عباس کو دیکھ کر مُسکراہٹ دبائی۔ وہ عدن کی بدتمیزی کے وقت سے وہاں کھڑا تھا اور کسی کی نظر اُس تک نہیں گئی تھی۔ اُسکی سماعتوں میں میزاب کے **'میرا شوہر'** لفظ کی گونج اُٹھ کر، دھمک دِل میں پڑ رہی تھی۔

"اصل میں مُجھے لگ رہا تھا عباس بھائی نے کسی اِیسی چڑیل سے شادی کرلی ہے جِس نے اُن پر جادو کردیا ہے۔" عدن کی بات پر حیران ہوتی میزاب کی آنکھیں پھیلیں۔

"کیا؟ جادو؟" اُسکو عدن کی بات پر بڑی حیرت ہوئی۔ اُس نے اِیسا بھی کیا کردیا تھا کہ یہاں اُسکی آمد سے پہلے ہی اُسکے نام کے جھنڈے گڑے ہوئے تھے۔

"ہاں! عباس بھائی ہمارے علاقے کے سب سے فرمابردار اور اِن ڈیمانڈ بیچلر تھے جو کسی کے ہاتھ نہیں آرہے تھے اور بس آپ کا ہوتے ہے سب کے کلیجے جلا دیئے ہیں۔" عدن نے مُسکرا کر اپنی پُرانی ٹون میں کہتے ہوئے میزاب کو ہنسنے پر مجبور کردیا۔ اُسکی ہنسی اِیسی تھی کہ عباس کو ٹیک چھوڑ کر آگے بڑھنا پڑا۔

"یہ دیکھیں کیسے کھنچے چلے آئے ہیں آپ کی طرف!" عدن کی توجہ دِلانے پر میزاب نے اُسکی مُسکراتے چہرے سے سائیڈ پر دیکھا اور عباس جان نِثار کی نظروں میں کوئی اِیسا تاثر تھا کہ وہ تیزی سے نظریں بدل کر عدن کو دیکھنے لگی۔

اُس نے بے ساختہ سَر پر اوڑھ رکھے حجاب کو گردن کے پاس سہی سے کیا۔ اُس نے وہ پینڈنٹ پہنا ہوا تھا اور عباس دیکھ لیتا تو اندر ہی اندر اُسکی بے وقوفی پر کتنا ہنستا تھا۔

"تو تم کیوں جل رہی ہو؟" شجاعت مزید خاموش نہیں رہ سکا۔

"آخر کو اِتنا خوبصورت مَرد ہاتھ سے نِکل گیا ہے، کیوں عباس بھائی؟" اُسکے مُسکراتے استفسار پر عباس کے چہرے پر دوڑتی مُسکراہٹ کسی سے چُھپی نہیں رہی۔ میزاب کے علاوہ باقی سب پہلی بار اِس طرح کے مزاق پر عباس کو ہنستے دیکھ رہے تھے۔

"یہ نہ تھی تمہاری قسمت!" اصغر کے لُقمہ لگانے پر عدن نے اُسے ناک چِڑھائی۔

"کیا ہوتا جو تم سب میں سے کسی ایک نے عباس بھائی سے تھوڑی سی خوبصورتی اور کردار چُرا لیا ہوتا۔" عدن کے طنز پر شجاعت نے جِس طرح کینہ توز نظروں سے اُسکو دیکھا سوائے میزاب کے سب معنی خیزی سے ہنسنے لگے جبکہ میزاب نے عدن نے یوں بے دَھڑک کہنے پر تحیر سے عباس کو دیکھا جو اُسکے برابر صوفے پر بیٹھتے ہوئے مُسلسل مُسکرا رہا تھا۔

"عباس بھائی تو اَب کسی کو نہیں مِلنے والے تو اپنے آس پاس تلاش کرو۔ عباس بھائی جیسا پیارا نہ سہی، عباس بھائی کا پیارا سہی۔" اکبر کے شرارتی لَب و لہجے پر اِتنا زبردست قہقہہ پڑا کہ میزاب کو برابر بیٹھے عباس سے فاصلہ رکھنا پڑا۔ اُسکا دُور ہونا عباس اُسی لمحے محسوس کر لیا۔

"آپ جانتی ہیں عباس بھائی کا پیارا کون ہے؟" نازنین جانتی تھی کہ میزاب کو اُنکے اِتنا اُونچا ہنسنے کی سمجھ نہیں آئی تبھی سوال کیا۔ اُس نے کچھ نہیں پوچھا بس یونہی نازنین کی جانب دیکھا۔

"شجاع، عباس بھائی کا چہیتا ہے۔" اُسکی وضاحت کو میزاب جیسی زیرک لڑکی نے فوراً پچھلی بات سے مِلایا تو اُس نے چونک کر خفت سے سُرخ پڑتی عدن اور یک دَم مُسکرا اُٹھتے شجاعت کو دیکھا اور لمحہ لگا اُسے بات سمجھنے میں۔ سَر اثبات میں ہلاتے ہوئے وہ بھی خود کو مُسکرانے سے نہیں روک سکی۔ یک دَم عباس کی عدن کے مُنہ سے ہوتی تعریفیں سُن کر طاری ہوتی کثافت اُسکے دِل سے بھک سے اُڑ گئی۔ کل اُن عورتوں اور لڑکیوں کی باتوں سے اندازہ تو ہو ہی گیا تھا کہ اُن سب کی نظروں میں عباس کی کیا اہمیت ہے مگر پھر بھی اُسکا دِل کسی احساس سے خالی ہونے لگا تھا۔

"مُجھے تم سے بات کرنی ہے، جان نِثار؟" اُسے یک دَم یاد آگیا کہ وہ یہاں آئی کیوں تھی۔ میزاب اپنی جگہ سے جِس تیزی سے کھڑی ہوئی، سب نے اپنی باتیں ترک کر کے اُسکو دیکھا جبکہ برابر بیٹھے عباس نے چہرہ اُٹھا کر۔ جو پہلے مُسکرا رہی تھی اور اَب یک دَم اِیسے سنجیدہ تھی جیسے کبھی مُسکرائی ہی نہ ہو۔ عباس کو بھی اُٹھنا پڑا۔

"کمرے میں چل کر بات کرتے ہیں۔" اُسکے پاس سے گُزرتے ہوئے اِتنا مدھم سا کہا کہ صِرف میزاب سُن سکے۔ عباس کے جاتے ہی میزاب نے اُن سب کے چہرے کے تاثرات دیکھے اور ایک پَل کو ٹھٹک گئی۔ وہ سب پریشانی اور کچھ خوفزدگی سے میزاب کو دیکھ رہے تھے۔ میزاب نے گہرا سانس لیا اور بغیر کچھ کہے ہال سے باہر نِکل گئی۔ وہ اُنکو تسلی دینے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ کمرے کا دروازہ کھول کر اندر آتے ہوئے اُس نے عباس کو دیکھا جو سلائیڈنگ ونڈو کھولے اُسکے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا، باہر ڈھلتی دوپہر کو دیکھ رہا تھا۔ میزاب کو سمجھ نہیں آئی کہ اُسے کیسے مُخاطب کرے۔

"کہیں! میں سُن رہا ہوں۔" اُس نرم آواز پر میزاب تیزی سے اُسکی جانب بڑھی۔

"تم جانتے ہو میں نے سب وہاں کچھ سنبھالا ہوا ہے۔ میری وجہ سے بہت سے کام رُکے ہوئے ہیں اور۔۔۔ میں مزید یہاں نہیں رہ سکتی۔" بہت سوچ سمجھ کر کہتے ہوئے اُس نے آخر میں جس سنجیدگی سے کہا، عباس کو چہرہ پھیر کے اُسے دیکھنا پڑا۔ نگاہ سیدھا اُسکے گلے میں جُھول کر دھمکتے اُس ہِلال سے ٹکرائی۔

"ابھی نہیں رہ سکتیں یا ہمیشہ کے لیئے کوئی اِرادہ نہیں؟" عباس کے اِس سوال کی میزاب کو اُمید نہیں تھی تبھی سُرمائی آنکھیں اَلجُھنے سے اُٹھیں۔

"تم چاہتے ہو مجُھے دھکے دے کر یہاں سے نکالا جائے؟" کل تو فوزیہ بیگم نے اُسے اپنے الفاظ سے تقویت دی تھی مگر آج ناشتے کی ٹیبل پر جب وہ ناشتہ زہر مار کر رہی تھی تو اپنی موجودگی کے سبب پھیلی خاموشی اُسے بھی محسوس ہو گئی تھی حالانکہ اُسے یہاں آئے بامُشکل آج تیسرا دِن تھا۔

"کیسے سُنسان ہو گیا ہے ہمارا گھر۔ سب کتنا چہکتے، بولتے تھے اِس وقت۔" مہمان سب جا چُکے تھے تو فوزیہ بیگم نے آہ بھر کر کہتے ہوئے جسے سُنانا چاہا تھا، اُس نے کان لپیٹنے سے قبل اچھی طرح سُن لیا تھا۔

"میں اِیسا کیوں چاہوں گا؟" اُسکے بے یقین سوال اور سُرخ چہرے پر دَنگ تاثرات تھے۔

"بُھول تو نہیں گئے میں کون ہوں اور تم کِس لیئے میرے باڈی گارڈ بنے تھے؟" اُسکی بے خبری میزاب کو ایک آنکھ نہیں بھائی۔ اُس یاددہانی پر عباس کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑا۔

"آپ طنز کر رہی ہیں؟" لمحہ لگا تھا اُسے خود کو یکجا کرنے میں۔

"میں طنز کیوں کروں گی، عباس! کیا یہی سچ نہیں ہے؟" اُسکے مدھم لہجے کے سوال پر عباس نے چہرہ پھیر لیا۔ اُس سوال کا جواب دینا سہل نہیں تھا اور اگر جواب دے کر خود کی مُشکل آسان کر بھی لیتا تو میزاب نے کون سا یقین کر لینا تھا۔

"ٹھیک ہے! کل واپس چلتے ہیں۔" نرمی سے کہہ کر وہ میزاب کے پاس سے گُزرنے لگا۔

"تم بھی میرے ساتھ چلو گے؟" میزاب کے سوال پر پاس سے گزرتا عباس نے ناسمجھی سے ٹھہر کر اُسے دیکھا۔

"آپ کو اکیلے تو نہیں جانے دے سکتا۔" اُسکی تائید نے میزاب کو عجیب سی تقویت دی۔ تو کیا وہ اُسکی فکر میں ساتھ چل رہا تھا؟

"ہم کہاں رہیں گے؟" ظاہر ہے جانتی تھی کہ عباس اَب قصرِ بزنجو میں تو رہنے نہیں والا اور شاید میزاب کو بھی وہاں ہاشم بزنجو کے سوا کوئی برداشت نہ کرے۔ پہلے تو مجبور تھے مگر اَب اپنے نِکاح کے بعد اُسکے اُدھر سب کے خیالات کے بارے میں نہیں معلوم تھا کیونکہ نِکاح والے دِن کے بعد سے ایک بار بھی نہیں واپس گئی تھی۔

"میرا گھر ہے وہاں پر جو۔۔۔" اُسکی بات میزاب نے مکمل نہیں ہونے دیں۔

"تمہارا گھر۔۔۔؟ میں وہاں کیسے رہ سکتی ہوں؟" اُسکو واقعی سمجھ نہیں آئی یا سمجھنا نہیں چاہتی تھی۔

"کاش آپ نے مُجھے میرا جملہ مکمل کرنے دیا ہوتا۔" اُسکے مدھم، متاسف لہجے پر سُرمائی اُٹھی آنکھوں میں ناسمجھی اُتری۔

"کیوں؟" اُن شہد رنگ آنکھوں کی سنجیدگی پر اُس نے ہر ممکن خود کو بے پرواہ رکھا۔

"آپ کو اچھا نہیں لگے گا۔" اُس نے بات رفع دفع کرنا چاہی۔

"اِیسا بھی کیا کہنے والے تھے تم؟" ایک دَم سُرمائی آنکھیں کڑک کر اُسکی جانب متوجہ ہوئیں۔

"میرا گھر ہے وہاں پر جو اَب آپ کا بھی گھر ہے۔" کچھ دیر میزاب اُسے یونہی کڑی نظروں سے گُھورتی رہی تو اُس نے آہستگی سے کہہ کر میزاب کو مُنجمند کر دیا۔

"اُسکا گھر؟ میزاب کا گھر؟؟؟" یہ پہلی بار وہ سُن رہی تھی اور پہلی بار ہی اُسکو اپنی سماعت پر شُبہ ہوا۔

"تمہارا گھر۔۔۔ میرا کیسے۔۔۔ ہو سکتا ہے؟" لفظ بامُشکل اُسکے لبوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر نکلے۔

"آپ اَب میرے نِکاح میں ہیں۔ میرا سب کچھ، آپکا ہے۔" اُسکے مدھم لہجے پر سرمائی آنکھیں حیرانگی سے پھیلیں اور عباس اُن سے نظر نہیں چُھڑا سکا۔

"کہنے سے کیا ہوتا ہے؟" ہاشم بزنجو کی بہت کچھ باور کرواتی آواز سماعتوں میں بھالے کی طرح اُتری تو اُس دَھڑکنیں روک دیتی بات کا فُسوں مَاند ہو گیا۔

"کہیں تو آپ کے نام کر دوں۔" وہ سوال ہر گز نہیں تھا جبھی میزاب رحمت کا دِل دَھک سے رہ گیا۔ وہ عورت جِس کے نام کروڑوں کی جائیدادیں تھیں، اُس ایک گھر کو اپنے نام ہونے کا سُن کر نمک کے مُجسمے میں تبدیل ہو گئی تو کیوں؟ شاید اُسکے نام کرنے کی آج کی بات میں جو خلوص اور محبوبیت تھی وہ آج سے پہلے اُس نے کبھی محسوس نہیں کی تھی۔

"میرے نام کرنے سے کیا ہو گا؟" خود کو سنبھال کر وہ پَل بَھر میں خفا ہو گئی۔ عباس سے بھی، اپنے ٹھہرتے دِل سے بھی۔

"آپ جب چاہیں مُجھے اپنے گھر سے بے دخل کر سکیں گی۔"اُسکی انوکھی بات پر میزاب نے آنکھیں بے یقینی سے چھوٹی کیں۔

"مزاق کر رہے ہو مُجھ سے ؟"میزاب نے سنجیدگی سے اُس طاری ہوتے فُسوں کے پردے کو چاک کرنے کی جانب ہاتھ بڑھایا۔

"میں نے آپ کا مان توڑا ہے، اعتبار کو ٹھیس پُہنچائی ہے تو میں نہیں چاہوں گا کہ میرے ساتھ رہتے ہوئے آپ غیر آرام دِہ ہوں۔"اُسکا لہجہ ریاکاروں جیسا نہیں تھا۔میزاب کو لگا وہ سانس نہیں لے سکے گی۔اُس خلوص پر ایمان لایا جا سکتا تھا اگر جو درمیان بے اعتباری اور بے یقینی کی اُونچی لمبی فصیل نہ موجود ہوتی۔قبل اِسکے میزاب اُن باتوں پر اندھا اعتماد کر لیتی، بجتے سیل فون نے اُسکو چونکا دیا۔عباس کو دیکھے بغیر وہ تیزی سے ٹیبل تک ائی اور پِھر مُسلسل بجتا سیل فون اُٹھا لیا جہاں ضوریز سکندر کی کال آ رہی تھی۔

"اسلام علیکم، ضوریز صاحب!"عباس جو کمرے سے جانے لگا تھا صِرف ایک پَل کو ٹھہرا، دوسرے ہی پَل باہر نکل گیا۔وہ بزنس ویمن عورت تھی۔ہزاروں مَردوں سے اُسکا کاروباری نوعیت کا آمنا سامنا ہوتا تھا عباس اپنی رقابت میں ہر مَرد پر شک کر کے میزاب کو پریشان نہیں کر سکتا تھا۔اُسکے لیئے ماحول گھٹن زدہ کرنے کے بجائے وہ میزاب کو آزاد فضا میں کُھل کر سانس لیتے دیکھنا چاہتا تھا۔اِسی لیئے سَر جھٹک کر باہر نِکل گیا۔

✓مقصود صِرف ڈھونڈنا کب تھا تُجھے سو میں

جِس سمت تُو نہیں تھا، اُدھر بھی نِکل گیا۔۔۔

"بھابھی کیا ڈائیٹ پہ ہیں ؟" عباس جو اپنے کسی خیال میں محو تھا، ناز نین کے سوال پر چونک کر اُسے دیکھنے لگا۔

"کیا مطلب ؟" اُسے ناز نین کے سوال کی سمجھ نہیں آئی۔

"بھابھی جب سے یہاں آئی ہیں میں نے اُنہیں ڈھنگ سے کھاتے نہیں دیکھا۔ شادی کی صُبح پہلی بار بھی اِتنی مُشکل سے ناشتہ حلق سے اِیسے اُتار رہی تھیں جیسے باسی کھانا کھا رہی ہیں اور اُسکے بعد جب بھی میں نے دیکھا ہے دو نوالے لیتی ہیں مُشکل سے۔" ناز نین کی بات سے نورین کو بھی اتفاق تھا جبکہ عباس تفکر سے سیدھا ہو کر بیٹھا۔

"سہی کہہ رہی ہے یہ۔ میں نے خود دیکھا تو مُجھے لگا شاید کوئی کڑوی چیز اُنکے مُنہ میں آ گئی ہے مگر وہ ہر بار بہت بے دلی سے کھانا کھاتی ہیں۔" نورین کے کہے جانے پر عباس کو پریشانی گھیر نے لگی۔

" تبھی ماشاء اللہ اِتنی صحت مند ہیں بھابھی۔" اصغر نے مُسکرا کر کہتے ہوئے اکبر اور شجاعت کو بھی ہنسنے پر مجبور کر دیا مگر عدن نے بہت غور سے عباس کے تاثرات کو دیکھا جو اُسے پہلی بار پریشان لگ رہا تھا۔

"ہو سکتا ہے اُنہیں لگتا ہو کہ تم لوگ کہیں کھانے میں زہر نہ دے دو۔" عدن نے عباس کو دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہہ کر جہاں اُن سب کو ٹھٹھکایا، عباس نے چہرہ پھیر کر عدن کو دیکھا جو اُسے ہی بغور دیکھ رہی تھی۔ عباس کے دیکھتے ہی شانے اُچکا دیئے جبکہ عباس کی سنجیدگی پر وہ سب جو ہنس کر بات کو ٹالنے لگے تھے، ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

"ابھی جب فوزی امی شام کی چائے یہاں لے کر آئیں گے تب دیکھنا آپ۔" ناز نین کو لگا شاید بھائی کو بات بُری لگی ہے تبھی وضاحت کی۔ جبکہ عباس نے گہرا سانس لیا ظاہر ہے فوزی امی نے آج تیسرا دِن ہو گیا تھا اور اُسکا بائیکاٹ کیا

ہوا تھا۔ اُس سے اِتنی ناراض تھیں کہ حد نہیں۔ عباس نے جب جب منانے کی کوشش کی، خاموشی سے اُٹھ کر چلی جاتیں۔

"کہاں ہیں تمہاری بھابھی؟" عباس کے سوال پر نازنین نے لان کی دوسری جانب اِشارہ کیا۔

"پچھلے ایک گھنٹے سے احتساب ماموں کے ساتھ ہیں۔" شجاعت کی اطلاع پر عباس ایک جھٹکے سے کرسی چھوڑ کر کھڑا ہوا اور اُن سب کو یونہی حیران چھوڑ کر تیز قدموں سے لان کی دوسری جانب تقریباً بھاگ کر جیسے ہی آیا اُسکو ٹھہرنا پڑا۔ میزاب، احتساب سنجرانی کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے اِنتہائی آرام سے چہل قدمی کر رہی تھی۔ عباس جو آگے بڑھنے لگا تھا میزاب اور احتساب سنجرانی کو ایک ساتھ ہنستے دیکھ کر اُسکے قدم پھر سے زنجیر ہو گئے۔ چند پَل وہیں کھڑا بغور اُن دونوں کے چہرے کے تاثرات دیکھتا رہا۔ یوں لگ نہیں رہا تھا کہ احتساب سنجرانی کبھی میزاب رحمت کے خُون کے پیاسے ہوئے تھے۔ آخری اطلاعات کے مُطابق وہ تو میزاب کو قتل کر دینے کے درپے تھے تو پھر یہ اَمن کی فضا کیسے قائم ہوئی؟ عباس کھنکھار کر جیسے ہی آگے بڑھا میزاب کی مُسکراہٹ تیزی سے سِمٹی جو عباس اور احتساب سنجرانی دونوں کی زیرک نگاہوں سے پُوشیدہ نہیں رہ سکی۔

"کیا باتیں ہو رہی ہیں؟" اُسکے مُحتاط سوال پر احتساب سنجرانی مُسکرا دیئے۔

"تمہاری بیوی تو بے حد سمجھ دار اور بہادر ہے۔ میں تو سمجھو ویسے ہی ہمارا لڑکا دِل ہار۔۔۔۔۔" عباس جو مُسکرانے لگا تھا اُنکی آخری بات پر بوکھلا کر اُن تک آیا۔

"چاچو!" اُسکے بوکھلاتے احتجاج نے نہ بات مکمل ہونے دی اور نہ ہی میزاب کے دِل کو دھڑکنے کا موقع دیا۔

"سب چائے پہ اِنتظار کر رہے ہیں۔" اُنکے ہاں چائے لازمی ساتھ پینے کا اُصول تھا کیونکہ ناشتہ اور کھانے کے بعد اوقات مہمانوں یا کسی پنچائیت کی وجہ سے مردانے میں کھانا پڑتا تھا لیکن چائے ک اہتمام اکھٹے ہی کیا جاتا تاکہ سب ایک ہی جگہ جمع ہو جائیں۔

"تم چلو! ہم آتے ہیں۔" احتساب سَنجرانی نے اُسے وہاں سے چلتا کرنا چاہا۔

"میرے خیال سے ہمیں اکھٹے چلنا چاہیئے۔" اُسکے تنبیہی لہجے پر احتساب سَنجرانی مُسکراہٹ دبا کر آگے بڑھے اور پھر اُسکا شانہ تھپتھپایا جو سانس روکے کھڑا تھا۔ اُسے احتساب سَنجرانی سے کچھ بعید نہیں تھی۔ وہ کبھی بھی، کہیں بھی، کچھ بھی کہہ سکتے تھے! میزاب نے ناسمجھی سے عباس کو تشکرانہ سانس لیتے دیکھا۔

"آپ بھی چلیں!" اُسکو یونہی ٹھہرا دیکھ کر عباس نے اپنے بازو سے آگے چلنے کا اِشارہ کیا۔ ساری سوچیں وہیں چھوڑ کر وہ جیسے ہی آگے بڑھی، عباس اُسکے پیچھے ہو لیا۔ میزاب نے اُسکو اپنی حفاظت کے علاوہ کبھی خود سے آگے چلتے نہیں دیکھا تھا۔

"چائے ابھی تک نہیں آئی؟" احتساب سَنجرانی کے استفسار پر وہ سب جو کرسیوں پر بیٹھے تھے، نفی میں سَر ہلانے لگے۔ اُس وسیع و عریض سبز لان میں چھوٹے سے لکڑی کے ٹیبل کے گرد اچھی خاصی چھوٹی چھوٹی لان کی کرسیاں سائیڈ پر موجود تھیں جو بیٹھنے والوں کی تعداد کے حساب سے گھٹائی، بڑھائی جاتی تھیں۔

"اِتنے عرصے سے ریس نہیں ہوئی، لاڈلے۔" چائے آنے میں دیر تھی تبھی احتساب سَنجرانی نے کہتے ہوئے عباس مُسکرانے پر مجبور کر دیا۔

"کیوں پھر سے ہارنے کا اِرادہ ہے؟" اُس کا انداز شریر ہوا جبکہ میزاب بات کا محل وقوع جانے بغیر اُن سب کے ہنسی مذاق کرتے، مُسکراتے چہروں کو دیکھنے لگی۔ کتنا صحت مند اور خوشگوار ماحول تھا ان لوگوں کے گھر کا۔ جب سے میزاب یہاں آئی تھی اُس نے کسی ایک کو بھی دوسرے سے لڑتے، زُبان چلاتے یا طعنے دیتے نہیں سُنا تھا جبکہ بزنجو خاندان میں اِن تینوں کاموں پہ عمل کیئے بغیر تو کسی کو کھانا بھی ہضم نہیں ہوتا تھا۔ یہاں تو فوزیہ بیگم جو اُسے یقیناً سب سے زیادہ ناپسند کرتی تھیں، وہ تک مُنہ ماری، طنز اور طعنے سے اول دِن کے بعد سے پرہیز کر رہی تھیں جبکہ وہاں ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنا جہاں آمینہ اور رفعت بیگم کا پسندیدہ مشغلہ تھا تو باقی سب کا معمول۔

"بیٹا، جی! تمہارے جیتنے کے دِن کب کے جا چُکے ہیں۔" احتساب سَنجرانی کے ذُو معنی الفاظ پر جو زبردست قہقہ پڑا اُس پر میزاب نے اپنے خیالات سے چونک کر اُن سب کو دیکھا۔ میزاب کی غائب دماغی عباس کے علاوہ کسی کو محسوس نہیں ہوئی تھی۔

"مگر آپ سے تو جیت ہی جاؤں گا۔" اُس نے نہایت طمانیت سے اپنے ہارنے کے آغاز کو تسلیم کر کے کہا۔

"تو ریس لگا کر دیکھتے ہیں۔" احتساب سَنجرانی کا انداز چیلنجنگ تھا۔ باقی سب عباس کو نفی میں سَر ہلاتے دیکھ کر تالیاں بجا کر اِصرار کرنے لگے۔ میزاب کے چہرے کو بہت مدہم، خوشگوار سی مُسکراہٹ چُھوتے دیکھ کر عباس جو کرسی کی پُشت پر دونوں ہاتھ رکھے، جُھک کے کھڑا تھا فوراً سیدھا ہوا

"تو چلیں! دیکھتے ہیں کون جیتتا ہے۔" اُس نے چیلنج قبول کرتے ہوئے احتساب سَنجرانی کو قہقہ لگانے پر مجبور کر دیا تبھی وہاں پر کریم بخش، رحیم بخش اور رحمان بخش سَنجرانی آئے تو اُن سب کے ہنستے مُسکراتے چہروں کو دیکھ کر رحمان بخش سَنجرانی کو اپنے روم روم میں تقویت اُترتی محسوس ہونے لگی۔ اُن سب کے آگے بڑھتے ہی وہ سب جو

بیٹھے تھے کرسیوں سے کھڑے ہوئے۔ میزاب جو مُسکرا رہی تھی، نظروں پر اُس نے چہرہ پھیر کر رحمان بخش کے شفقت سے مُسکراتے چہرے کو دیکھا اور اُن تک آئی۔

"اسلام علیکم!" وہ اُنہیں کل کے بعد اَب دیکھ رہی تھی کیونکہ کل سب عورتوں نے مہمانوں کی وجہ سے الگ چائے پی تھی۔

"وعلیکم اسلام!" اُسکے یوں آگے آکر سَر جُھکانے پر جہاں باقی سب کے ساتھ باہر آتی فوزی بیگم حیران رہ گئیں وہیں عباس نے چمکتی آنکھوں سے اُسے دیکھا جو ہمیشہ اُسکو نہ جانے کیوں فخر کرنے پر مجبور کر دیتی تھی۔

"جیتی رہو!" اپنی حیرانی پر قابو پا کے رحمان بخش نے اُسکا سَر تھپتھپایا اور پِھر کریم اور رحیم بخش کو بھی مُسکرا کر تقلید کرنی پڑی۔ وہ بہو، بیٹیوں کی عزت کرنے والے لوگ تھے پِھر چاہے عورت کا تعلق کسی بھی خاندان سے کیوں نہ ہو۔

عباس اور احتساب سَنجرانی نہ جانے کِدھر چلے گئے۔ میزاب جب رحمان بخش سے اُنکی خیر خیریت پوچھ کر پلٹی تب تک دونوں چچا، بھتیجا وہاں نہیں تھے۔ فوزیہ بیگم نے ایک سنجیدہ نظر میزاب پر ڈال کر کرسی سنبھالی۔ وہ شاید کچھ کہتیں تبھی اُن سب کے جُوش سے چلا اُٹھنے پر میزاب نے گردن پھیر کر پیچھے دیکھا اور اُسکی آنکھیں بے ساختہ اپنے حُجم سے کئی گُنا پھیل گئیں۔ لان اور ساتھ والے اسطعبل کو جوڑتا لکڑی کا پھاٹک کھول دیا گیا تھا اور وہاں سفید اور گہرے براؤن رنگ کے دو گھوڑے پوری رفتار سے دوڑتے آرہے تھے چونکہ لان اور فارم میں ملحقہ اسطعبل کا فاصلہ اچھا خاصا تھا تبھی میزاب اندازہ نہیں کر سکی کہ گُھڑسوار کون ہیں لیکن چونکہ وہ دونوں تیزی رفتاری سے دوڑتے گھوڑے کچھ قریب آنے لگے، میزاب بے ساختہ بوکھلا کر جِس طرح گُھوم کر سائیڈ پہ ہوئی وہ باقی سب سے چُھپا نہیں رہ سکا۔ سب سے آگے دوڑ کر آتے سفید گھوڑے پر سیاہ قمیض شلوار والا شخص، عباس جان نِثار تھا جبکہ

براؤن رنگ کے گھوڑے پر سفید قمیض شلوار والے احتساب سَنجرانی تھے۔ میزاب پہلی بار اِیسے گھر کے احاطے میں گھوڑے دوڑاتے دیکھ رہی تھی تبھی اُسکی حیرانگی جائز تھی۔ قریب آتے سفید گھوڑے کی پُشت پر سوار عباس جان نِثار نے بالکل کرسیوں کے پاس آکر گھوڑے کی لگام کھینچی تو گھوڑے نے زبردست سی ہنہناہٹ کے ساتھ اپنے اگلے پاؤں فضا میں اُٹھا لیئے۔

"عباس بھائی جیت گئے!" اکبر، اصغر، شجاعت، عدن، نورین اور نازنین جُوش سے چیختے ہوئے کھڑے ہو کر تالیاں پیٹنے لگے جبکہ احتساب سَنجرانی نے اُتر کر مُسکراتے ہوئے ہاتھ اُٹھ کر عباس کی پُشت تھپکی۔

"تمہیں آج بھی گھڑسواری میں نہیں ہرایا جاسکتا۔" احتساب سَنجرانی کی تسلیم پر عباس نے مُسکرا کر سینے پر ہاتھ رکھ کے دَاد وصول کی۔ رحمان بخش کی سرسری نگاہ میزاب تک گئی جو عجیب سوگوار نظروں سے سفید گھوڑے پر سوار عباس کو دیکھتے ہوئے اُنکو چونکا گئی۔ وہ نہیں چونکتے اگر جو اُس بہادر، ہر آن سَر اُٹھا کر رکھنے والی عورت کی آنکھوں میں نمی تیرتے نہ دیکھتے۔

"میری تو سمجھ سے باہر ہے کہ آپ باباجان کیسے اِتنے سکون سے بیٹھے ہیں؟" جب سے میزاب کا نِکاح سَنجرانیوں کے لڑکے کے ساتھ ہوا تھا آمینہ بیگم اور رفعت شیراز کانٹوں پر تھیں۔ کاشف بزنجو نے تو باپ سے ناراضگی میں تیسرا دِن تھا، بات چیت ہی بند کی ہوئی تھی۔ مُدثر بھی خاموش تھا بس ذکی تھا جِس کو میزاب کا دُشمنوں کے نرغے میں جانے کا سُن کر دِل بَلیوں اُچھل رہا تھا۔

"آپ کو کیا ہے، پھُوپھُو۔ دعا کریں وہیں مَر کھپ جائے اور ہماری جان چھُوٹے۔" اُسکے بے زار انداز پر جہاں آمینہ بیگم نے اُسکا ہاتھ خفگی سے جھٹکا وہیں رفعت شیر از نے پلٹ کر کھا جاتی نظروں سے اُسے گھُورا۔

"ہاں! وہ بے غیرت تو مَر کھپ جائے اور ہماری خاندانی وراثت ساری دُشمن ہڑپ کر جائیں۔" اُنکے جَل کر کہے جانے پر ذکی نے سمجھنے والے انداز میں سَر ہلایا۔ ذکی اور زُوبیہ، میزاب کی کھچائی میں ہمیشہ سے خاموش سامعین کا کردار ادا کرتے تھے۔

"تو کیا یہ بات داداجان کو نہیں معلوم؟" تقی نے پہلی بار گُفتگو میں حصّہ لے کر کاشف بزنجو سمیت سب کو اپنی بات سے چونکا دیا جبکہ اُسکی بات پر ہاشم بزنجو جو کب سے رفعت شیر از اور آمینہ کاشف کی دُہائیاں دودِن سے سُن رہے تھے، پہلی بار مُسکرائے۔

"عقل کا سہی اِستعمال کیا جائے تبھی وہ اپنی موجودگی کا اِحساس دِلاتی ہے۔" اُنکے کہے جانے پر بے زار بیٹھے مُدثر نے بھی سَر اُٹھا کر اُنکی چمکتی آنکھوں اور مُسکراتے چہرے کو دیکھا۔

"اُس رحمان بخش کے پوتے نے ہماری پیٹھ پیچھے خنجر گھُونپا ہے تو کیا اِتنی آسانی سے معاف کر دیتے اُسے۔" اُنکا لہجہ نفرت سے پُر تھا۔

"خُدا غارت کرے اُس کم بخت کو۔ جیسی اُسکی ماں تھی نقب لگانے والی، ویسا ہی بیٹا بھی نِکلا۔" آمینہ کاشف نے تپ کر کہا۔ اُسکے ذکر پر تو رفعت شیر از کے سینے پر سانپ لوٹنے لگے۔ وہ اُس عورت کا بیٹا تھا جِس نے اُنہیں مُحبت میں مَات دے کر کنگال کیا تھا؟ آمینہ کاشف کی وہ بات اُنکے لیئے اِنکشاف تھی۔ پھٹتی آنکھوں سے وہ تیر کی سی تیزی سے باپ تک آئیں۔

"کیا کہہ رہی ہے، آمینہ ؟" وہ عباس۔۔۔۔وہ باڈی گارڈ۔۔۔ماہ نور کا بیٹا ہے ؟" لرزتے، نفرت سے کانپتے دل کی وجہ سے لفظ بھی ٹوٹ پھُوٹ کا شِکار ہوئے۔ہاشم بزنجو کا جی چاہا اپنا ہی سَر پیٹ لیں۔اِسی لیئے اُنہوں نے رفعت شیر از کو صِرف یہ بتایا تھا کہ عباس کا تعلق سَنجرانی خاندان سے ہے۔ماہ نور مُحتسب کا ذکر وہ گول کر گئے تھے کیونکہ اپنی جذباتی اور حسد ورقابت میں ابھی تک جَلتی بیٹی کی نفرت کو جانتے جو تھے۔

"آپ اِیسا کیسے کر سکتے ہیں ؟" اُنکا لہجہ ششدر تھا۔

"آپ ہمارے خاندان کی لڑکی اور ساری دَھن، دولت اُن لوگوں کے ہاتھ میں کیسے دے آئے، بابا؟" اُنکی چیخ سے دَرو دیوار ہل کر رہ گئے۔کاشف بزنجو کا چہرہ مزید نفرت سے سُرخ ہوا جبکہ مُدثر جو پہلے ہی کل صُبح عباس کی کہی جانی والی باتوں پر جَلا بُھنا بیٹھا تھا مزید نفرت سے تلملا کر رہ گیا۔

"تم اگر اپنی نفرت کی پٹی اُتار کر ٹھنڈے دماغ سے میری بکواس سنو گی تبھی تمہیں چین آئے گا۔" ہاشم بزنجو کرسی چھوڑ کر اُٹھ کے کانپتی رفعت شیر از تک آئے اور اُنکے شانے پر نرمی سے ہاتھ رکھے۔

"میزاب میری پوتی ہے۔سالوں میں نے اُسکی آبیاری کی ہے۔پال پوس کر اپنے سایہ میں رکھ کر بڑا کیا ہے تو تمہیں کیا لگتا ہے میں اِتنا بے وقوف ہوں کہ اپنی زندگی بھر کی لاگت دُشمنوں پر نچھاور کر آؤں گا۔" اُنکی بات کچھ اِیسی تھی کہ سب ایک ساتھ چونک گئے۔

"کیا تم بُھول رہی ہو کہ میں نے میزاب کو کِس مقصد کے لیئے اِتنا پال کر جوان کیا۔کیوں ساری باگ دوڑ اُسکے ہاتھ میں تھمائے رکھی، کیوں اُسکے نام سب کرتا رہا ہوں۔۔۔" اُنکی آواز ہر لفظ کے ساتھ تیز ہونے لگی۔

"تم لوگوں کے لیئے! تمہارے اور تمہارے بھائی کے کارناموں کی وجہ سے سَنجرانی ہمارے خُون کے پیاسے تھے۔ میں جانتا تھا وہ لوگ عورت کی عزت کرتے ہیں، نہ بھی کرتے تو بھی تم سب محفوظ رہتے اور تم لوگوں کی حصّے کی ہر ضرب، ہر گولی میزابِ رحمت کے وجود کے آرپار ہوتی۔" اُنکی آواز میں کُھلی تحقیر نے قصرِ بزنجو کی دَر و دیوار کو ہلا کر رکھ دیا۔

"میں نے اُس لڑکی کو تم لوگوں کی ڈھال کے لیئے اِتنا عرصہ تیار کیا۔ وہ میرا ایسا نوک دار ہتھیار ہے جو میں دُشمنوں کے سینے کے آرپار کرنا چاہتا ہوں اور تم اپنے باپ کی سالوں کی ریاضت کو شکی نظر سے دیکھ رہی ہو۔" وہ بولے نہیں غُرائے تھے۔ سب پھٹی آنکھوں سے اُنکو دیکھنے لگے جنکی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے تھے۔ رفعت شیراز کے شانوں پر اُنکی گرفت مضبوط ہونے لگی۔ اگر میزابِ رحمت اپنے بارے میں ہاشم بزنجو کے مُنہ سے اُگلے جانے والا زہر اور اُنکی آنکھوں میں اُٹھتی نفرت دیکھ لی تو نیلی پڑ جاتی، پورے قد سے زمین بوس ہو جاتی۔ اُٹھا رکھا سَر زندگی بھر نہ اُٹھا سکتی۔

"تم لوگوں کے لیئے میں اُس دو ٹکے کی لڑکی کو عزت دیتا رہا، اُسکی آؤ بھگت کرتا رہا ہوں اور تم مُجھے آنکھیں دکھاؤ گی۔" رفعت شیراز کی ہر وقت قینچی کی طرح چلتی زُبان تالو سے جا لگی۔ ذکی نے ہونٹ سیٹی کے سے انداز میں گول کر کے باقی سب کے حیران چہروں کو دیکھا۔

"میں نے ہمارے پیٹھ پر چُرا گھونپنے والے عباس کی آنکھوں میں میزاب کے لیئے مُحبت دیکھی ہے اور میں اُسی مُحبت کے ذریعے اُس کمینے کو نیست و نابود کروں گا۔ اُس نے ہاشم بزنجو کی آنکھوں میں دُھول جھونکی ہے۔ ہمارے بیچ رہ کر وہ ہماری جڑیں کاٹتا رہا ہے۔" برسوں کا اندر جمع ہوا لاوا بہہ کر اِیسے تلخ اور رُوح چھلنی کرتے لفظوں میں باہر نِکل رہے تھے۔

"میں اُس لڑکے کا کلیجہ میزاب کے ہاتھوں نکلوا کر چباڈالوں گا۔ اُسکے وہ بازو کاٹ دوں گا جس سے وہ ہماری جڑیں کاٹتا رہا ہے، ہمیں کروڑوں کا نقصان پُہنچا کر ہماری جگ ہنسائی کرواتا رہا ہے۔" آج میزاب نہیں تو وہ کُھل کر اپنے دِل کی بھڑاس نکال رہے تھے ورنہ اُس لڑکی کے سامنے زُبان کو قابو میں رکھنا پڑتا تھا کہ ابھی وہ اُنکے بہت کام کی تھی۔ ابھی میزابِ رحمت سے بہت سے اہم کام نکلوانے تھے۔ وہ اُنکی بچھائی گئی شطرنج کا اہم مُہرہ تھی جو ہر طرح سے اُنکے اِختیار میں تھی۔ جیسے چاہے چل کر وہ بازی اُلٹ کر رحمان بخش سَنجرانی کے مُنہ پر مار سکتے تھے

"آپ کو لگتا ہے وہ تعاون کرے گی؟ اپنے باپ کی طرح سچائی اور دیانت داری کی شاندار مثال بننے کا بُھوت سوار رہتا ہے اُس لڑکی پر۔" ہاشم بزنجو کے گہرا سانس لے کر بیٹھنے پر کاشف بزنجو نے تلخی سے مزید لقمہ دیا۔

"وہ ہر طرح سے میرے مُٹھی میں ہے کاشف۔ میں نے بڑے پاپڑ بیل کر، بہت محنت سے اُسکی ذہن سازی کی ہے ورنہ وہ اُسکی ماں تو لے اُڑتی اُسے ہمارے چُنگل سے۔" اُنکے نخوت زدہ انداز پر رفعت شیر از ایک دَم جیسے ہلکی پُھلکی ہو گئیں۔ بات کیا تھی اور وہ کیا سمجھتی رہیں۔ اُنہیں لگتا تھا کہ اَصفہان کی موت کے گِلٹ کی بَھرپائی وہ اِس طرح کرنا چاہتے تھے مگر نہیں اُنکے بچوں کا حق کوئی نہیں مار سکتا تھا۔

"وہ بہت ٹیڑھی کھیر ہے، دادا جان!" ذکی کے ہنس کر کہنے پر ہاشم بزنجو نے اُسکو سختی سے دیکھا۔

"اگر وہ ٹیڑھی کھیر ہے تو اپنے باپ جیسا انجام پائے گی۔ لمبی زندگی کے لیئے اُسے ابھی میرے مُطابق ہی چلنا ہے اور تم اُسکے ساتھ اِنسانوں کی طرح رہو۔ وہ ابھی بات سے کام آئے گی ہمارے۔ دُشمنوں کے راز، اُنکی زمین جائیداد اور اُنکا سردار میزاب کے ذریعے ہی تو تباہ کرنے ہیں۔" اُنہوں نے جیسے اُن سب پر اپنا مقصد واضح کیا۔ تقی اور زُوبیہ حیران پریشان ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

"اِتنا اسان تو نہیں ہو گا اُسے راستے سے ہٹانا۔ اُسکی جِس سے شادی کروائی ہے نہ آپ نے آج مُجھے تڑیاں دے رہا تھا کہ اپنے کام سے کام رکھو۔" مُدثر کے تڑختے انداز پر سب نے اُسکو دیکھا جو پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ رفعت شیراز کے کلیجے پر ہاتھ پڑا۔

"اُس ڈائن کے بیٹے کی اِتنی جُرأت کے میرے بیٹے کو دھمکائے۔" اُنکا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ وہ ایک اور قتل کر گُزرتیں۔ ایک اپنی تسکین کے لیئے کیا تھا تو ایک اور اولاد کی تسکین کے لیئے سہی۔

"اُس عباس کو مُجھے معلوم ہے کیسے قابو کرنا ہے۔ میزاب میری مُٹھی میں سمجھو، عباس کی گردن میری مُٹھی میں ہے۔" اُنکی باتیں دِل دہلا دینے والی تھیں۔

"اور اگر آپ غلط ہوئے؟" آمینہ بیگم کے لقمے پر ہاشم بزنجو نے ناگواری سے سَر جھٹکا۔

"ہم غلط نہیں ہو سکتے۔ میں نے خود اُسکی آنکھوں میں میزاب کا عکس دیکھا ہے اور اگر نہیں بھی اِیسا ہے تو اِیسا ہی ہونا ہو گا ورنہ میں نے اپنی راہ میں آنے والے بیٹے کو راستے سے ہٹا دیا تو پوتی کیا چیز ہے۔" اُنکی آخری بات رونگھٹے کھڑی کر دینے والی تھی۔ سب نے دہل کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ اُنہیں تو لگتا تھا وہ میزاب کی مُحبت میں آگے نِکل گئے ہیں مگر وہ تو نفرت میں آگے نِکل چُکے تھے اور نفرت بھی اِیسی تو مُقابل کی رگوں میں اُترتے ہی اُسے نیل و نیل کر دے۔ تڑپ تڑپ کر خُون تھوکنے پر مجبور کر دے اور میزابِ خود سے کی جانے والی اِس قدر شرانگیز نفرت سے یکسر غافِل تھی۔

✓ تُجھ سے شکوہ نہیں مگر مولا!

دِل تیرا گھر تھا

جسے توڑا گیا

اور ابابیل بھی نہیں آئے۔۔۔

"آپ نے کبھی گُھڑسواری کی ہے، بیٹے؟" میزاب کی نظروں میں اُترتی نمی قبل اِسکے گہری ہوتی، رحمان بخش کے سوال پر اُس نے پلکیں جھپک کر اُنکو دیکھ کے نفی میں سَر ہلایا۔

"میرے بابا کو بہت شوق تھا۔" اُس نے کہتے ہوئے اُن سب کے چہروں کی مُسکراہٹ چھین لی جبکہ فوزیہ بیگم ناگواری سے نظروں کازاویہ بدل گئیں۔

"وہ خود تو گھڑسواری کر نہیں سکتے تھے تو جب میں چار سال کی تھی تب پہلی اور آخری بار بیٹھی اور پھر ڈر کے بارے گھوڑے کے پاس بھی نہیں گئی۔" اُسکی مُسکراہٹ میں اِیسی عجیب اُداسی تھی کہ گھوڑے کی گردن سہلاتے عباس نے چونک کر اُسے دیکھا۔

"اِیسا کیا ہوا جو آپ ڈر گئیں؟" اصغر کے سوال پر سب کو نہ چاہتے بھی اپنی سماعتیں متوجہ کرنی پڑیں۔ اَصفہان بزنجو کا ذکر اُنکے گھر میں لینا ممنوع تھا۔

"گھوڑا بِدک کر آگے بھاگا اور میں بہت بُری طرح نیچے گِری۔ بابا تو مُجھے اُٹھانے کے لیئے بھاگ بھی نہیں سکتے تھے تب سے اُنہوں نے گھوڑے رکھنا چھوڑ دیئے۔" اُسکی وضاحت پر رحمان بخش کچھ چونک کر سیدھے ہوئے۔

"آپ کے بابا کیوں گُھڑسواری نہیں کر سکتے تھے؟" رحمان بخش اُسکو اُٹھانے کے لیئے آگے بڑھنے والی بات پوچھ کر اُسکا دِل نہیں دُکھانا چاہتے تھے تبھی نرمی سے پوچھا جبکہ باقی سب نے حیرانگی سے رحمان بخش کو دیکھا۔

"میرے بابا وہیل چیئر اِستعمال کرتے تھے۔" عباس جو گھوڑے سے اُتر کر اُسکی لگام تھامے، میزاب کی طرف آرہا تھا سب کی طرح حیرت اور نا سمجھی سے میزاب کو دیکھنے لگا۔

"کیوں؟" احتسابِ سَنجرانی تیزی سے آگے ہوئے۔

"پیروں سے معذور تھے۔" میزاب کو سب کی حیرانگی سمجھ نہیں آئی تبھی آہستگی سے کہا جبکہ فوزیہ بیگم کے ساتھ باقی سب بڑوں نے بے یقینی سے میزاب کو دیکھا۔

"کیسے؟ کب سے؟" اَب سوال ہکا بکا کریم سَنجرانی کی طرح سے آیا۔

"میری پیدائش سے بھی پہلے، میری امی سے شادی ہونے سے کچھ ماہ پہلے ایک حادثے کی وجہ سے۔" اُس نے کہا نہیں فوزیہ بیگم اور رحمان بخش سَنجرانی کو ششدر کر دیا۔ کریم، رحیم اور احتساب صاحب نے ایک جھٹکے سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"میرے بابا گھر سے باہر نہیں نکلتے تھے تو بہت سے لوگ یہ بات نہیں جانتے۔" میزاب نے اُن لوگوں کی حیرت سمجھ کر عام سے انداز میں کہا جبکہ عباس نے اُسے بغور دیکھا جو کرسی کے ہینڈل کو مضبوطی سے تھامے کھڑی تھی۔

"تبھی ہمیں معلوم نہیں ہو سکا۔" کافی دیر کی خاموشی کے بعد رحمان بخش نے مدہم سا کہتے ہوئے میزاب کو دیکھا جو دھیرے سے مُسکرا دی۔

"عباس! میزاب کو بھی گُھڑسواری کرواؤ۔" احتساب صاحب کی بات پر میزاب نے تیزی سے نفی میں سَر ہلایا۔

"نہیں! مجھے تو گھوڑے سے تب سے بہت ڈر لگتا ہے جب سے بابا مجھے گِرنے سے بچا نہیں سکے۔" دونوں ہاتھ کرسی سے ہٹا کر اُس نے پلٹ کر دوبارہ گھوڑے پر بیٹھتے عباس کو نہیں دیکھا۔

"تو یہ ڈر دوبارہ سواری کر کے ہی نِکل سکتا ہے۔" اکبر سَنجرانی نے بھی مزید کہا۔

"نہیں! میں اِس خوف کو اِیسے ہی رہنے دینا چاہتی ہوں۔ بابا نہیں بچا سکے تو مطلب کوئی نہیں بچا سکتا۔" اُسکی اپنی بات نرالی تھی۔ فوزیہ بیگم نے چہرہ پھیر کر بغور اُسکے نرم تاثرات دیکھے۔

"میرا بیٹا تمہیں گِرنے نہیں دے گا۔ آزما کر دیکھو لو۔" فوزیہ بیگم کو شاید اُسکا سہولت سے کیا جانے والا اِنکار اچھا نہیں لگا تھا۔ میزاب نے کچھ حیرانگی سے اُنکو دیکھا۔

"ہو سکتا ہے اِیسا ہو مگر مُجھے لوگوں کو آزمانا نہیں پسند۔" نرمی سے کہتے ہوئے اُس نے اُن سب کو پہلو بدلنے پر مجبور کر دیا سوائے احتساب سَنجرانی کے جو مُسکرا کر اُسکو دیکھ رہے تھے۔

"آجائیں!" پیچھے سے آتی آواز پر میزاب نے چونک کر چہرہ پھیرا۔ گھوڑے پر سوار عباس اُسکی جانب ہاتھ پھیلائے ہوئے تھا۔ اُسکے ہاتھ سے ہوتی بے یقین نظر چہرے تک گئی۔ اُن آنکھوں کی چمک دِل و نگاہ کو خیرہ کر دینے والی تھی۔

"میں آپ کو گِرنے نہیں دوں گا۔" سُرمئی آنکھوں کی بے اعتباری پر اُس نے آہستگی سے کہا مگر میزاب نے اُسکو دیکھتے دیکھتے نفی میں سَر ہلایا۔

"مُجھے تم زمین پر ہی رہنے دو۔" باقی سب کی موجودگی میں میزاب کو مُسکرا کر کہنا پڑا جبکہ عباس نے ہاتھ واپس پیچھے کر کے بے نیازی سے شانے اچکائے اور گھوڑے کو دوڑا کر اُن سب کی نظروں سے اُوجھل ہو گیا۔

"تم نے ہمارے لڑکے کا دِل توڑ دیا ہے، لڑکی!" احتساب سَنجرانی کے کہے جانے پر وہ مُسکرا کر اُن تک آئی۔

"آپ کا لڑکا اِیسی چھوٹی چھوٹی باتیں دِل پہ نہیں لیتا۔" اُسکا انداز بھی شرارتی ہوا جبکہ احتساب سَنجرانی کے ساتھ باقی سب کا زبردست قہقہ پڑا۔ میزاب مُسکرا کر قبل اِسکے اُنکے برابر والی کرسی سنبھالتی، سب کے یَک دَم جُوش سے چلا اُٹھنے اور گھوڑے کی ٹاپوں کی قریب سے قریب تر آتی آواز پر بوکھلا کر پلٹی اور اُسکو سوچنے سمجھنے کا موقع دیئے بغیر گھوڑے پر سوار اُسکی جانب جُھکتے عباس نے میزاب کو احتیاط سے زمین سے اُٹھا کر گھوڑے پر بٹھالیا۔ سب کے ساتھ بے ساختہ فوزیہ بیگم بھی چیخ اُٹھتی میزاب کے چہرے کو دیکھ کر ہنس پڑیں۔

"مُجھے نیچے اُتارو!" آنکھیں بند کیے چیختے ہوئے اُس نے عباس کے کان کے پردے پھاڑنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

"کچھ نہیں ہوتا، میں ہوں نہ۔" کان کے پاس مدہم سی سرگوشی ہوئی اور پھر میزاب نے ہر طرح کی مزاحمت کرلی مگر گھوڑا ہواؤں سے باتیں کرتے ہوئے اُن سب کی نظروں سے دُور لان سے نِکل کر فارم کی جانب بھاگنے لگا۔ میزاب نے ایک پَل کو آنکھیں کھول کر دیکھا اور گھوڑے کی رفتار پر اُسکا دِل لرز گیا۔

"احتساب اِنکل!" اُسکی پُکار پر کھڑے ہوتے احتساب سَنجرانی نے مُسکرا کر ہاتھ ہلایا جبکہ میزاب اُنکی بعد میں کلاس لینے کا اِرادہ کرکے آنکھیں سختی سے میچے دونوں ہاتھوں کو آپس میں جکڑ لیا۔

"میں کہہ رہی ہوں جان نِثار، مجھے نیچے اُتارو۔" اُسکی لرزتی آواز پر مُسکراتے عباس نے گھوڑے کی سپیڈ مزید بڑھا کر نرمی سے اُسکے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر گھوڑے کی لگام پر رکھتے ہوئے جیسے اُسے خاموش تسلی دی۔

"نہ اِتنا شور کریں کہ بُراق ہم دونوں کو نیچے پھینک دے۔" عباس کی مُسکراتی آواز پر میزاب نے اپنے ہاتھ چُھڑوانے چاہے۔

"بُراق کون؟" دوسری جانب گرفت مضبوط تھی تبھی جُھنجُھلا کر سوال کیا کہ ٹھنڈی ہوا چہرے پر پڑتے ہوئے تھکتے اعصاب کو تقویت پُہنچا رہی تھی۔

"جِس پر ہم سوار ہیں۔ اِس کو گھوڑا مت کہیئے گا دوبارہ، یہ بہت بُرا مناتا ہے۔" اُسکی مدہم سرگوشی پر میزاب کی رہی سہی ہمت بھی جواب دے گئی۔

"میں نیچے گِری نہ تو تمہیں نہیں چھوڑوں گی۔" میزاب کے دانت پیسنے پر عباس کا جاندار قہقہ میزاب کے خوفزدہ اعصاب کو ٹھہراؤ دے کر عجیب سی سکنیت میں لے گیا۔

"آپ کو لگتا ہے میں آپ کو گِرنے دے سکتا ہوں؟" وہ مُسلسل مدہم سا بولتے ہوئے شاید اُسکے ڈر کو کم کرنا چاہ رہا تھا۔

"تمہارا کیا بھروسہ، دھکا ہی دے دو مُجھے۔" تڑخ کر کہتے ہوئے اُس نے چہرے پر پڑتی ٹھنڈی ہوا محسوس کر کے آنکھیں آہستگی سے کھولیں۔ وہ اُنکے گھر اور اسطعبل کے ساتھ جُڑے فارم کے بیچ میں گھوڑے کو ایک دائرے میں بھگا رہا تھا۔ عباس اُسکے انداز پر پھِر سے ہنس دیا۔

"کیوں کافر کرنے پر تُلی ہیں مجھے۔" مدہم اِسرار پر صِرف ایک پَل کو اُس کا دِل ٹھہرا۔

"تمہاری حرکتیں ہی اِیسی ہیں۔" اُس خفا لہجے پر عباس گھوڑے کی رفتار آہستہ کرتے ہوئے سوگواری سے مُسکرا دیا۔

"اَب تو نہیں ڈر لگ رہا؟" وہ اُسکی بات خُوش اسلوبی سے پلٹ گیا۔

"ایک بار نیچے اُتارو پھِر بتاتی ہوں تمہیں۔" وہ بھی میزابِ رحمت تھی۔ اُسے حساب بے باک کرنے سے کون روک سکتا تھا بھلا۔ عباس کا ایک اور قہقہ گونجا جبکہ میزاب نے خفگی سے اپنے ہاتھ چُھڑوانے چاہے۔ اُسکی مزاحمت

پر عباس مُسکرا کر گھوڑے کو روک کر نیچے اُتر گیا۔ میزاب نے چہرہ جُھکا کے اُسے دیکھا جو چہرہ اُٹھائے میزاب کو دیکھنے لگا تھا۔

"آج آپ کے اِس خُوف کا توڑ کرتے ہیں۔ اِتنی مضبوط اور بہادر عورت ایک وفادار اور مُخلص جانور سے ڈرتی اچھی نہیں لگ رہیں۔" اُن سُرمائی آنکھوں میں چُھپے بیٹھے خوف کو بھانپتے ہوئے عباس نے نرمی سے کہا جبکہ میزاب چہرہ جُھکائے اُسے دیکھے گئی۔ دِل کے دَھڑک اُٹھنے کی رَب کے علاوہ کسی کو خبر نہیں تھی۔

"میں گِر ی نہ۔۔۔" عباس کو گھوڑے کی لگام تھام کر آگے بڑھتے دیکھ کر میزاب نے تڑی لگانی چاہی۔

"نہیں گرنے دوں گا آپ کو۔" اُس لہجے اور آنکھوں پر بھروسہ کیا جاسکتا تھا مگر کیا ایک بار مُنہ کی کھا کر دوبارہ کرنا جائز تھا؟

میزاب نے کوئی جاب نہیں دیا۔ وہ چند پل خاموشی اور سکون کے گُزارنا چاہتی تھی۔ یہ سب خواب سا تھا تو کچھ دیر تک وہ اِس خوب کے زیرِ اثر رہنا چاہتی تھی۔ ٹھنڈی ہوا، زمانے سے تھکے ہوئے اعصاب کو پُرسکون کر رہی تھی۔ گھوڑے کی لگام تھام کر آہستہ چلتا مَرد اُسکا محافظ اور مَحرم تھا۔ اگر درمیان میں موجود بے اعتباری، دُشمنی اور فریب کو کچھ پَل کے لیئے فراموش کر دیا جائے تو دُنیا جنت ہو سکتی تھی۔ میزاب کو نہ جانے کیوں اچھا لگ رہا تھا۔ خوف کہیں دُور جا سویا تھا۔

عباس نے خاموشی کے طویل وقفے پر چہرہ اُٹھا کر اُسے دیکھا جو آنکھیں مُوندے، مدھم سا مُسکراتے ہوئے اُسکے دِل کی دُنیا آباد کر کے مہکا رہی تھی۔ منظر جنت نظیر تھا۔

✓ سُرخ اور سبز وادیوں کی طرف

فارم کا دوسرا چکر لگا کر اصطبل سے ہوتے ہوئے وہ گھر سے مُلحق پھاٹک عبور کرتے ہوئے اُس جانب بڑھ رہے تھے جہاں چائے آ چُکی تھی۔ سب کی مُسکراتی نظریں وہاں تک گئیں اور پھر سب خوشگوار حیرت سے گھوڑے کی لگام تھام کر آتے عباس کو دیکھنے لگے جو مُسکرا کر چہرہ اُٹھائے میزاب سے کوئی بات کر رہا تھا اور میزابِ رحمت اپنے مخصوص اندازِ بے نیازی سے اُسے دیکھتے ہوئے جواب میں کچھ کہہ رہی تھی۔

"دیکھو لو فوزی! تمہیں تمہارا ہنستا، مُسکراتا بیٹا واپس لا دیا ہے میں نے۔" اُنکی معنی خیز بات پر آنکھیں پھیلائے عباس کو دیکھتیں فوزیہ بیگم کے سینے سے کوئی پھانس، کوئی کیل سی نِکل گئی۔ نمکین ہوتی آنکھوں سے وہ عباس جان نِثار کو زندگی میں پہلی بار اِتنا بے ساختہ اور زندگی سے بھرپور قہقہہ لگاتا دیکھ رہی تھیں۔ دِل کی خلش اور خفگی کب ہوا ہوئی اُنکو کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔

\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-

آج وہ حد سے زیادہ شاداب اور خوشگوار محسوس کر رہی تھی۔ شاید پہلی بار اُس نے گھُڑسواری کی تھی؟ یا پھر پہلی بار سب لوگوں کو یوں مِل بانٹ کر، ہنستے مُسکراتے بغیر کسی رِیاکاری کے دیکھا تھا، باتیں کی تھیں؟ جو بھی تھا اُسکا آج کا دِن زندگی کا سب سے خوبصورت ترین دِن تھا۔ کمرے میں آتے ہوئے یونہی مُسکرا کر وہ بستر پر بیٹھی اور اُسی وقت اُسکے سیل فون کی میسج ٹون بجی۔ کچھ چونک کر اُس نے سائیڈ ٹیبل پر چارجنگ میں لگے سیل فون کو اُٹھا کر دیکھا وہاں جو میسج چمک رہا تھا وہ بے حد ضروری تھا۔

"آپ نے کہا تھا جب سب اکٹھے ہوں تو ریکارڈنگ آپ کو بھیجوں۔ یہ ریکارڈنگ ہے۔" میسج کے ساتھ نیچے آڈیو فائل بھیجی گئی تھی۔ کچھ دیر پہلے کے مُسکراتا چہرہ سمٹا۔ لرزتے دِل سے اُس نے ریکارڈنگ کو چُھو کر چلایا اور پھر میزابِ رحمت کا وجود کسی نے چلتی ٹرین کے ساتھ باندھ کر بھک سے اُڑادیا۔ کوئی اِتنا کڑوا، اِتنی نفرت سے کسی کے بارے میں کیسے بات کر سکتا ہے؟ تیزی سے دھڑک اُٹھتا دِل کانوں میں ڈالے گئے ایئرپوڈز کے ذریعے اُس زہر کو نس نس میں اُترتا محسوس کر رہا تھا۔ کوئی اُس سے اِتنی شدید نفرت کرتا تھا اور اُسکو خبر بھی نہیں ہو سکی؟

کیا وہ واقعی اِتنی بے خبر تھی یا بنتی رہی تھی؟ خود کو، اپنے منفی خیالات اور وجدان کو ہمیشہ جھٹکتی آئی تھی۔ اُسکی ماں کتنی سچی تھی ناں! میزابِ رحمت اور اصفہان بزنجو کتنے جھوٹے نکلے۔ دروازہ کھول کر اندر آتا عباس، میزابِ رحمت کے چہرے پر چھائے زلزلے جیسے تاثرات دیکھ کر آگے بڑھا۔ اُس چہرے پر موت جیسی وحشت چھائی ہوئی تھی۔ وہ تاثرات رونگھٹے کھڑے کر دینے والے، دِل کی دُنیا تہہ وبالا کر کے تلپٹ کر کے رکھ دینے والے تھے۔

"میزابِ رحمت!" عباس جان نِثار نے اُسے پہلی بار نام سے پُکارا تھا۔ وہ تو مر بھی چکی ہوتی تو چہرہ اُٹھا کر دیکھتی ابھی تو صرف مفلوج ہوئی تھی۔ برف کی گہری تہہ تلے دبے، مُنجمند ہوتے اعصاب کے ساتھ اُس نے پتھر ہوئی آنکھیں اُٹھا کر عباس کو دیکھا اور اُن برف ہوئی آنکھوں کے پار اُترتی قیامت نے عباس جان نِثار کو وہیں پتھر کے مُجسمے میں تبدیل کر دیا۔

✓ ہم جو ٹوٹے تو اِس طرح ٹوٹے

جیسے ہاتھوں سے گر کر پتھر پہ

کوئی شفاف آئینہ ٹوٹے

جسے پلکوں سے ٹوٹتا آنسو

جیسے سینے میں اِک گُماں ٹوٹے

جیسے پیروں تلے سے زمیں نکلے

جیسے سَر پر آسماں ٹوٹے

جیسے ایک شاخ پر بھروسہ کیا

اُس پہ جتنے تھے آشیاں ٹوٹے

جیسے وحشت سے ہوش آجائے

جیسے تادیر میں دِھیاں ٹوٹے

کِس نے دیکھا تھا ٹوٹنا اپنا

ہم جو ٹوٹے تو رائیگاں ٹوٹے۔۔۔۔۔

****

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔۔۔

السلامُ علیکم احباب۔۔۔۔"

"ناولز کی دنیا" کے ناولز میں خوش آمدید۔۔۔۔

ناولز کی دنیا (NKD) کی جانب سے ناولز کو بغیر کسی غلطی کے آپ تک پہنچانے کی کوشش کی گئی۔ اگر کوئی غلطی اس میں ملتی ہے تو اسے محض اتفاق سمجھا جائے۔ کیونکہ ناول کو پورا پروف ریڈ کرکے ہی پبلش کیا جاتا ہے چُوک ہونا محض اتفاق ہوگا۔۔

نئے اور مختلف لکھنے والوں کے لیے "ناولز کی دنیا" ویب سائیٹ / گروپ / پیج / یوٹیوب چینل دے رہا ہے تمام لکھاریوں کو ایک ایسا پلیٹ فارم جہاں آپ اپنی خدا داد صلاحیتوں کو اپنے قلم سے تحریر کر کے اپنا اور اپنے ملک کا نام روشن کرسکتے ہیں --- اگر آپ کو بھی اللہ کی طرف سے یہ صلاحیت دی گئی ہے تو اسے اجاگر ضرور کریں --- ہمیں آپ جیسے ہی لکھاریوں کی تلاش اور ضرورت ہے---

اگر آپ ہمارے بلاگز پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، آرٹیکل یا شاعری پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو ہم سے رابطہ کریں -- اپنی تحریر اردو میں ٹائیپ کر کے ہمیں بھیجیں۔ جتنا جلدی ہوسکا آپکی تحریر پوسٹ ہوجائے گی ---

مزید تفصیلات یا کسی بھی طرح کی مدد کے لیئے ہم سے گروپ یا پیج انباکس میں رابطہ کریں یا ای میل پر ہم سے رابطہ کرسکتے ہیں--

Email address :- Novelskiduniya77@gmail.com

Facebook page :- Novels ki duniya

(user name @zoyatalib77)

Facebook group :- Novels ki duniya

Instagram Page:- Nkd (ZT) (UserName: Novelskiduniya77)

Youtube Channel: Novels Ki Dunya (NKD) Official

(**پر خیال رہے کہ یہ گروپ زویا طالب کا ہی ہو**) اور باقی کے رابطے کے لیئے ہر پیج کے نیچے **Blue** الفاظ میں لکھے لفظ میں آپکو لنکس مل جائے گے شکریہ-----

✓بس اِک نگاہ میں قصہ تمام ہوتا ہے

تو کیا یہ واقعی اِتنا سا کام ہوتا ہے

کسی کے سَر درویے پہ خامشی کا لحاف

یہ اِنتقام بھی کیا اِنتقام ہوتا ہے

فراقِ یار سے کیا کیا اُمید تھی لیکن

یہ رَنج بھی کوئی دو چار گام ہوتا ہے

اَسیر اَسیر ہی ہوتا ہے، قید کوئی بھی ہو

کسی بھی شکل میں ہو دَام دَام ہوتا ہے

کبھی کبھی بڑی مُشکل میں ڈال دیتے ہیں

وہ جن کا دِل میں بہت اِحترام ہوتا ہے

کھڑا ہوں کتنے ہی رشتوں کو تھام کر جواد

اور اِیسے میں جو میرا اِنہدام ہوتا ہے۔۔۔

(جواد شیخ)

"آپ۔۔۔ ٹھیک ہیں؟" اُن آنکھوں کا اِرتکاز اور چہرے پر چھائے زلزلے جیسے تاثرات غیر معمولی تھے تبھی عباس کو یہ سوال کرنے میں ہمت مجتمع کرنی پڑی۔ میزاب کو کسی نے جیسے گہری پاتال میں گرنے سے بچالیا۔ چونک کر اُس نے پَلک جَھپکتے ہوئے کانوں سے ائیر پوڈز نکالے اور پاؤں آہستگی سے زمین پر رکھ کر اُٹھتے ہوئے بامُشکل قدم جما کے عباس کے عین سامنے آکھڑی ہوئی۔ اُسکے قدم مضبوط نہیں تھے مگر وہ مضبوطی سے کھڑی تھی۔

"مُجھے واپس جانا ہے، عباس!" الفاظ بامُشکل اُسکے ہونٹوں سے اَدا ہوئے۔ عباس نے بغور اُن آنکھوں میں جھانکا جہاں مِحشر بپا تھا۔

کہاں؟" وہ اُسے **'عباس'** پُکار چکی تھی، فاصلہ پِھر سے درمیان میں آگیا تھا۔

"آپ کے گھر؟" عباس کا سوال مَحض سوال نہیں تھا۔ چُھپا رکھے آنسو نہ جانے کہاں سے اُمڈ کر آنکھوں کے کنارے آ جمع ہوئے۔

"میرا کوئی گھر نہیں ہے، عباس۔" نمکین آنکھوں میں دیکھتا عباس اُن سِسکتے الفاظ پر سانس نہیں لے سکا۔ سُرمائی آنکھوں میں ٹھہرا دُکھ پورے کمرے کو اپنی لپیٹ میں لے چُکا تھا۔ عباس نے بامُشکل سانس لیا اور بھاری قدم اُٹھا کر ڈریسنگ ٹیبل کی دراز سے کچھ نکال کر میزاب تک واپس آیا جو وہیں شل سی کھڑی تھی۔ عباس نے اُن مُنجمند آنکھوں کے سامنے چابی لہرائی۔ پلکیں جَھپکتی میزاب نے اُس چابی کو دیکھا جِس کے ساتھ کی۔چین میں چھوٹا سا سُرخ اور سفید رنگ کا گھر لٹک رہا تھا۔ عباس نے جُھک کر آگے ہوتے ہوئے اُسکا ہاتھ آہستگی سے تھام کے میزاب کے دِل کو پھر سے دَھڑکنا سِکھا دیا۔

"یہ آپکے گھر کی چابی۔" نرمی سے اُسکے سَرد پڑتے ہاتھ میں کی۔چین رکھتے ہوئے اُس نے اُن لرز کر جُھکتی پلکوں کو دیکھا جو بے یقینی سے ہاتھ میں موجود چابی کو اِیسے دیکھ رہی تھیں جیسے کوئی ماورائی شے ہو۔

"یہ میرے۔۔۔۔گھر۔۔۔" بے یقینی سے چہرہ اُٹھا کر اُس نے عباس کو دیکھا۔

"اِیسی بے یقینی سے کیوں دیکھ رہی ہیں؟ میں آپکے نام پوری دُنیا نہیں کر سکتا۔" اُس نے یَک دَم جِس طرح بِدکتے ہوئے کہا، سُرمئی آنکھیں پہلے تعجب سے پھیلیں اور پھر وہ بے اِختیار گردن پیچھے کو پھینکے، ہنستی چلی گئی۔ کون سا غم، کہاں کا غم؟ سارا صدمہ اور تکلیف اُس ایک ہنسی نے ہوا میں تحلیل کر دیا۔ عباس رُک چکی دَھڑکن سے اُسے دیکھنے لگا جِس کے اِختیار میں سب کچھ تھا۔

"اللہ!" آنکھوں میں آئی نمی صاف کر کے اُس نے بامُشکل اپنی پھر سے اُبھرنے کو تیار ہنسی کا گلا گھونٹا۔

"تمہیں ڈر ہے کہ میں تم سے دُنیا مانگ لوں گی۔" حِزن موجود تھا مگر دِل پر طاری نہیں ہو سکا۔ عباس بے ساختہ اُسکی جانب بڑھا۔ فاصلہ صِرف دو قدم کا رہ گیا۔

"مُجھے ڈر ہے کہ میں آپ کے نام پوری دُنیا کر دوں گا۔" اُس مدھم لہجے نے میزابِ رحمت کو بالکل گُم صُم کر دیا۔ سُرمئی آنکھیں پھیل کر سُنہری بے رِیا آنکھوں میں اِیسے دیکھنے لگیں جیسے یقین کر کے مَات کھانے کا خدشہ لاحق ہو۔ اپنوں سے چوٹ کھانے والی عورت، کیا مان توڑنے والے شخص پر ایمان لا سکتی ہے؟

دِل کی تیز ہوتی دَھڑکنوں کا جواب اعصاب ہلا دینے والا تھا تبھی میزاب مُسکرا کر چند قدم پیچھے ہوئی۔

"فلحال تو اپنے دَاجی سے جانے کی اجازت لو پھر کسی دِن تم سے دُنیا مانگ کر بھی دیکھتی ہوں۔" دِل سے کی گئی بات کو میزابِ رحمت نے ہنسی میں اُڑا دیا۔ گہرا سانس لے کر عباس نے اثبات میں سَر ہلایا۔ جہاں سے میزاب کا دھیان ہٹانا تھا، ہٹا چُکا تھا حالانکہ جانتا تھا میزاب اُسے اپنے مسائل، اپنی تکلیفیں اور دُکھ کبھی نہیں بتائے گی۔

"آپ اپنی تیاری مکمل رکھیں۔" آہستگی سے کہہ کر وہ کمرے سے باہر نِکل گیا۔ میزاب نے تھکتے اعصاب کے ساتھ پلٹ کر بستر پر پڑے سیل فون کو اِیسی نظروں سے دیکھا جیسے وہ کوئی عفریت ہو جو اُسے کبھی بھی زندہ نگل سکتی تھی۔

"میں ہاسٹل میں رہوں گا۔" میزاب جِس وقت باہر آئی، اُسکی سماعتوں میں شُجاعت کی آواز گونجی تو اُسے آگے آنا پڑا۔ دَاجی اور باقی سب بھی مَردانے کے بجائے وہیں موجود تھے۔ میزاب کو آتے دیکھ کر صرف ایک پَل کو خاموشی چھائی۔

"تم ہاسٹل میں کیوں رہو گے؟ پہلے کہاں رہتے تھے؟" صوفے کے پاس کھڑے ہوتے ہوئے اُس نے شُجاعت سے پوچھا۔

"پہلے گھر میں رہتا تھا۔"میزاب کو اُسکی پڑھائی کا معلوم تھا۔

"تو اَب بھی گھر میں ہی رہنا۔"میزاب کی بات پر سوائے عباس کے سب نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"اَب کیسے رہ سکتا ہوں؟"شُجاعت کا سوال بے تُکا تھا۔

"جیسے پہلے رہتے تھے۔"میزاب کے جواب پر نازنین اور نورین نے مُسکراہٹ دبائی۔

"پہلے آپ نہیں ہوتی تھیں۔"اُسکے صاف گوئی سے کہے جانے پر میزاب مُسکرا دی۔اُس ایک مُسکراہٹ نے ہر شے کو مات دے دی تھی۔

"تو میں کون سا تین چار کمرے گھیر لوں گی۔سب کو پریشان کرنے کے بجائے اپنے گھر میں رہنا زیادہ آسان اور اچھا ہے۔"اُسکی بات پر عباس نے مُسکرا اُٹھتی آنکھوں سے اُسکو دیکھا جو متوجہ نہیں تھی۔

"واپسی کب ہوگی، عباس؟"فوزیہ بیگم نے عباس کی چمکتی آنکھوں میں دیکھ کر نرمی سے پوچھتے ہوئے اُسے چونکا دیا۔

"آپ بُلائیں گی تو سَر کے بَل چلا آؤں گا۔"اُسکی بات مزاح کے باوجود سچی تھی۔فوزیہ بیگم بے ساختہ مُسکرا دیں۔

"ماں کے ساتھ مزاق کروا لو بس۔"فوزیہ بیگم کا دِل اُسکو یوں ہر روز ہنستے مُسکراتے، مزاق کرتے دیکھ کر ہر دُکھ بُھولنے لگا تھا۔

"اچھا ہنسی مزاق واپس آ کے کر لینا، اَب تم لوگوں کو نکلنا چاہیئے۔"رحمان بخش کے کہنے پر میزاب نے چونک کر عباس کو دیکھا۔

"فلائیٹ کب کی ہے تم لوگوں کی؟" کریم بخش نے سوال کیا کیونکہ ظاہر ہے اکیلے ہوتے تو پہلے کی طرح شجاعت اور عباس گاڑی پہ جاتے مگر میزاب کو جلدی پہنچنا ہو گا۔ اُسکے پہلے ہی کام سارے رُکے ہوئے تھے وہاں۔

"ایک گھنٹے بعد کی ہے۔ شُجاع تم اپنی پیکنگ کرو۔" عباس نے کہتے ہوئے میزاب کو دیکھا جو چہرہ جُھکائے نہ جانے کِس سوچ میں مگن تھی۔

"آپ نے پیکنگ نہیں کرنی، بھابھی؟" شُجاع کے پُکارے جانے پر وہ جِس طرح کرنٹ کھا کر چونکی سب نے حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھا جبکہ عباس تیز قدموں سے اُس تک آیا۔

"آپ ٹھیک ہیں؟" قریب آنے پر اُس کی آنکھوں نے بغور میزاب کا سفید پڑتا چہرہ دیکھا۔ وہ کچھ دیر پہلے کمرے میں بھی اُسے عجیب وحشت زدہ، گھبرائی ہوئی لگی تھی۔ یہ عباجان نِثار کے وہم نہیں تھا!

"ہاں!" اُس نے عباس کو دیکھا اور پھر آہستگی سے پلٹ کر اُن سب کو یونہی حیران چھوڑے تیز قدموں سے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ خود پر سب کی نظریں محسوس کر کے عباس نے اُن سب کو دیکھا۔

"تم نے کچھ کہا ہے؟" فوزیہ بیگم کے کڑے سوال پر عباس نے گہرا سانس لیا۔

"میں اُنہیں کچھ کہہ سکتا ہوں۔" اُسکی بے بسی کِس کو معلوم نہیں تھی۔

"مُجھے لگتا ہے بات کچھ اور ہے۔" احتساب سَنجرانی کی سنجیدگی پر عباس کے ساتھ سب ہی ٹھٹھک گئے۔ جب سے میزاب یہاں آئی تھی اُنکا رویہ میزاب کے ساتھ بے حد دوستانہ اور اچھا تھا، تعجب کی بات تھی مگر سب کو یہ عام بات ہی لگی۔ وہ زُبان کے سخت تھے مگر دِل کے بُرے نہیں تھے۔

"میں دیکھ کر آتا ہوں۔"عباس کی نظروں کے سامنے سے وہ لٹھے کی مانند سفید چہرہ ٹھہرا رہ گیا تھا تبھی تیز قدموں سے اپنے کمرے کی جانب آیا۔ دروازہ آہستگی سے کھولا گیا مگر ہمیشہ کی طرح آہٹ پہ چونک جانے والی میزاب نہیں چونکی۔ بستر پر بیٹھی، وہ نہ جانے کیا سوچ رہی تھی۔ اُنکو نکلنا تھا اور یہاں وہ تیار ہو رہی تھی نہ تیاری کر رہی تھی۔

عباس آہستہ قدموں سے اُس تک آیا۔

"میزابِ رحمت!"اُسکی مدہم پُکار پر میزاب نے چونکے بغیر سَر اُٹھایا۔

"آج۔۔۔ جانا ضروری ہے کیا؟"اُسکے سوال پر عباس نے بہت توجہ سے اُسکے بے تاثر چہرے کو دیکھا۔

"آپ۔۔۔ نہیں جانا چاہتیں؟"اُسکے سوال پر میزاب نے بےاِختیار نفی میں سَر ہلایا اور پھِر کسی خیال سے گھبرا کے چہرہ پھیر کر سیل فون کو دیکھا جس نے اُس پر قیامت ڈھائی تھی۔

"پیکنگ کب کرنی ہے؟"اُس نے سَر جھٹک کر سوال کرتے ہوئے عباس کو خود کی جانب گہری نظروں سے دیکھتے رہنے پر مجبور کر دیا۔

"میں کر دیتا ہوں۔"اُسکا سَر دہا تھ نرمی سے تھپک کر عباس الماری تک گیا اور اُس میں سے میزاب کا سوٹ کیس باہر نکالا اور پھِر کھول کے ہینگ ہوئے کپڑے یونہی کھڑے کھڑے نفاست سے تہہ کر کے رکھنے لگا۔ میزاب چہرہ پھیر کر اُسے خالی خالی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ اَب جُھک کر بیٹھتے ہوئے اُسکے سینڈلز اور شُوز ڈبوں میں رکھ کر سوٹ کیس میں رکھ رہا تھا۔ میزاب کی سماعتوں میں ہاشم بزنجو کا نفرت میں ڈوبا، کُھردرا لہجہ پھِر سے تازہ ہونے لگا۔

اُسکی نگاہ دُھندلانے لگی۔ وہ ہر حال میں اُسے مُعتبر کرتا چہرہ مُخفی ہونے لگا۔ نظروں پر عباس نے سوٹ کیس بند کر کے اُٹھتے ہوئے اُسے دیکھا جس کی محویت چونکا دینے والی تھی۔ بغیر اُسکو ٹوکے اور وجہ پوچھے وہ اَب اپنا سوٹ کیس نکال کر اُس میں کپڑے اور تمام ضروری چیزیں رکھ رہا تھا مگر ہنوز خود پر میزاب کی نظریں محسوس کر سکتا تھا۔

وہ اُس سے پوچھنا چاہتا تھا مگر کچھ تھا اُن خاموش ہو چکی آنکھوں میں کہ عباس چاہ کر بھی خود میں اِتنی ہمت نہیں پا رہا تھا۔ عباس اُسے پھر سے خود کے لیئے اجنبی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ یہاں اِس گھر میں اُسے خود سے قریب، نہایت اپنی اور پھر سے مہربان میزاب رحمت لگ رہی تھی۔ وہ اُسے دوبارہ اُس خول میں لوٹتا نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ اپنا سوٹ کیس بند کر کے اُس نے کلائی پر بندھی گھڑی پر وقت دیکھا اور میزاب تک آیا۔

"فلائیٹ کا وقت ہونے والا ہے۔" اُسکی مدہم اطلاع پر میزاب اپنا سیل فون اور ائیر پوڈز اُٹھا کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

اُسکو یونہی اپنا بیگ اُٹھائے بغیر کمرے سے نکلتے دیکھ کر عباس کو حقیقتاً تشویش لاحق ہو گئی۔ تیز قدموں سے وہ اُسکے پیچھے آیا جو باقی سب سے سلام دُعا کر رہی تھی۔

"سب ٹھیک ہے نہ، بیٹا؟" فوزیہ بیگم نے اُسکا ہاتھ تھامتے ہوئے میزاب کے اندر کو چونکا دیا۔ چہرہ اُٹھا کر اُس نے تحیر سے اُنکو اور پھر باقی سب کو دیکھا جو تفکرانہ نظروں سے اُسے ہی دیکھ رہے تھے۔ میزاب مُسکرانا چاہتی تھی مگر مُسکرا نہیں سکی۔

"جی!" مدہم سا کہہ کر اُس نے اپنے دِل کو ڈپٹ دیا۔ یہ فکر اُسکے لیئے نہیں تھی۔ عباس موجود تھا تبھی سب اُس کے لیئے متفکر تھے ورنہ اُسکی کیا حیثیت ہو سکتی ہے اُن سب کی نظر میں جو اپنے خاندان کے لیئے بھی رکاوٹ تھی۔

"تم ٹھیک نہیں لگ رہی۔" ہدیہ بیگم کی بات پر اُس نے بامُشکل مُسکرانے کی کوشش کی اور کامیاب ہو گئی۔

"میرا یہاں دِل لگ گیا تھا۔" اُس نے نرمی سے کہتے ہوئے سب کو ہی مُسکرانے پر مجبور کر دیا سوائے عباس کے جو بغور میزاب کی ایک ایک جُنبش پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ ثوبیہ بیگم نے مُحبت سے اُسکا گال تھپتھپایا۔

"کونسا ہمیشہ کے لیئے جا رہی ہو۔ اَب تو زندگی بھَر کا رشتہ ہے۔ آنا جانا لگا رہے گا۔" فوزیہ بیگم نے کہہ اُسے خود سے لگا کر میزاب کو مُنجمند کر دیا۔ وہ خود کو شدید ناپسندید کرنے والی عورت سے اِسکی اُمید نہیں رکھی تھی۔ فوزیہ بیگم نے پیچھے ہو کر میزاب کے بے یقین، شل چہرے کو نرمی سے چُھوا۔

"میں تم پر یقین کر کے اپنا عباس تمہیں سونپ رہی ہوں اِس اُمید پر کے تم میرے بیٹے کو مُحبت اور عزت سے رکھو گی۔ اپنے خلوص سے اِس رشتے کو پروان چڑھاؤ گی۔" نرمی سے کہتی فوزیہ بیگم کے ہاتھ میزاب کا برف، ششدر چہرہ تھا۔ وہ خالی آنکھوں سے اُس چہرے کو دیکھے گئی جہاں نفرت اور ناپسندیدگی بہت تلاش کے بعد بھی نہیں مِل رہی تھی۔ وہ اول دِن کی مَرنے مَارنے کو تیار عورت کہاں چلی گئی تھی؟ فوزیہ بیگم نے جیسے اُسکی حیرت اور بے یقینی کو سمجھ لیا تھا۔

"میں تمہیں ناپسند نہیں کرتی۔ مُجھے بس غُصّہ تھا اور وجہ تمہیں معلوم ہے مگر تم میرے عباس کی خُوشی ہو۔ وہ تمہیں دیکھتا ہے تو اُسکی آنکھیں چمک اُٹھتی ہیں۔" میزاب جو اُنکو بے تاثر چہرے سے دیکھ رہی تھی، اُنکی آخری بات پر اُسکے ساکن پڑے دِل میں ارتعاش ہوا۔ میکانکی انداز میں اُس نے چہرہ پھیر کر عباس کو دیکھا۔ سماعتوں میں پِھر سے ہاشم بزنجو کے مسمار کرتے الفاظ ذہن پر حاوی ہونے لگے۔ اُن سُنہری آنکھوں کو اُس نے پہلی بار واقعی چمکتے دیکھا تو دِل کہیں اندر ہی ڈوب کر اُبھرا۔ نہیں! اُسے ہاشم بزنجو کو غلط ثابت کرنا تھا۔ اُسکے سامنے کھڑی فوزیہ بیگم غلط تھیں، اُسکے بارے میں وہاں زہر اُگلتے ہاشم بزنجو غلط تھے۔

"بھابھی! ہمارے طرف سے آپکے لیئے تحفہ ہے۔" نورین اور نازنین تیزی سے اُسکے سامنے بڑے سا گفٹ لے کر آئے۔ فوزیہ بیگم کے پیچھے ہونے پر میزاب نے مُسکرا کر اُنکے ہاتھ سے لے لیا۔

"کیا ہے اِس میں؟" سوال اکبر کی جانب سے آیا۔

"سرپرائز ہے بھابھی کے لیئے۔" نازنین نے مُسکرا کر اُسے صاف ہری جھنڈی دکھائی یعنی یہاں تحفہ نہیں کھولا جائے گا۔

"دیں! میں باقی سامان میں رکھ دوں۔" وہ گفٹ بھاری تھا تبھی عباس نے اُس سے لے لیا اور پھِر سب سے مِل کر میزاب، عباس اور شُجاعت ڈرائیور کے ساتھ ائیرپورٹ کے لیئے نِکل گئے پیچھے ایک اُداس کر دینے والی کیفیت چھوڑ کر، جسے آج سے پہلے اُس گھر کے مکینوں نے کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔ یہ والی کمی اور اُداسی کچھ نئ طرح کی، انوکھی سی تھی۔ سب ایک دوسرے سے نگاہیں چُرا کر اپنے اپنے کمروں کی جانب بڑھ گئے۔

فلائیٹ کے دوران، چیک آؤٹ کرتے ہوئے، اسلام آباد ائیرپورٹ سے نکل کر گھر کے راستے اور پھِر گھر کے اندر داخلے تک وہ مُسلسل میزاب کی نظروں کے حصار میں رہا۔ اُسے معلوم تھا کہ میزاب کو نہیں اِدراک مگر شُجاع کے کمرے میں جانے کے بعد سے لے کر اپنے کمرے میں اُسکا سامان رکھنے تک عباس نے خود کو بامُشکل کچھ بھی پوچھنے سے روکے رکھا۔ کمرے کا دروازہ بند کر کے وہ بڑے ضبط سے میزاب کی جانب پلٹا جو کھڑکی کے پاس پڑے صوفے پر پاؤں سمیٹ کر بیٹھ چکی تھی۔ عباس کو اُسکا انداز کہیں سے بھی نارمل نہیں لگا تبھی باہر سے پانی کا جگ اور گلاس لاتے ہوئے پانی کا گلاس اُسکی جانب بڑھایا۔

"پانی!" اُس پُکار پر میزاب نے خاموشی سے پانی کا گلاس لے کر تیزی سے خالی کر کے دوبارہ اُسکے سامنے گلاس کیا۔ عباس کے دوبارہ بھرنے پر جب اُس نے چوتھی بار آگے کیا تو عباس کو اُسکا ہاتھ تھام لینا پڑا۔ جُھکی پلکیں لرز کر اُٹھیں۔

"میں یہ نہیں پوچھوں گا کہ آپ ٹھیک ہیں کیونکہ مُجھے معلوم ہے آپ ٹھیک نہیں ہیں۔" وہ جو اُسے چہرہ اُٹھا کر دیکھ رہی تھی، بے اِختیار نظریں پھیر گئی۔

"کیا بات ہے؟" اُسکا ہاتھ یونہی نرم گرفت میں لیئے اُسکے مُقابل کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے اُس نے میزاب کا دِل سُوگوار کر دیا۔ اُسکو پھر سے عباس کی مکمل توجہ مِلی ہوئی تھی۔

"کسی نے کچھ کہا ہے؟" اُسکے دوسرے سوال پر بھی میزاب یونہی خاموش نظروں سے اُسکے چہرے کو دیکھے گئی۔

"میرے گھر والے آپ کو اچھے نہیں لگے؟" وہ بغور میزاب کو دیکھ رہا تھا تبھی میزاب کو نگاہ جُھکانی پڑی۔ وہ باریک بین تھا، ایک پل میں سب بھانپ جانے والا!

"اِیسی کوئی بات نہیں۔ سب بہت اچھے ہیں۔" سنبھل کر وضاحت کی گئی۔ اُسے اپنی پریشانی، طیش اور صدمہ کسی دوسرے پر نکال کر خود کو چھوٹا اور کم ظرف ثابت نہیں کرنا تھا۔

"آپ کی فیملی نے کچھ کہا ہے؟" اَب کا تیر سیدھا نشانے پر جا لگا۔ گھنیری پلکوں پر اِرتعاش پیدا ہوا اور تبھی میزاب نے اپنی کلائی اُس نرم گرفت سے چُھڑوالی۔ عباس نے چہرہ جُھکا کر اپنی گرفت سے نکل چُکے ہاتھ کو دیکھا جو میزاب نے گود میں رکھ لیا تھا۔

"کوئی مجھے کچھ نہیں کہہ سکتا۔" عباس سے زیادہ خود کو تشفی کروا گئی، باور کروایا گیا۔

"مجھے کوئی کچھ کیسے کہہ سکتا ہے۔ میں بہت دولت مند ہوں۔ سب کچھ میرے نام ہے۔ میری بات ٹالنا، میری نفی کرنا اِتنا آسان نہیں ہے، عباس۔" جھکتی پلکوں، جھکے چہرے اور جھکے ہی شانوں کے ساتھ جو بات کہی گئی اُس پر عباس کتنی دیر تک کچھ کہنے کے قابل نہیں رہا۔ کچھ تھا اُسکے انداز اور لہجے میں بے چین کر دینے والا۔

"آخری بات سے تو مجھے سو فیصد اِتفاق ہے۔" اُس نرم رائے پر میزاب کے چہرے کا تاثر تبدیل ہوا۔ نظریں اُٹھ کر اُس چہرے تک گئیں جو اُسکو ہی نگاہ بھر کر دیکھ رہا تھا۔

"کونسی بات؟" اُس چہرے کی محویت پر وہ اپنی بات تک بھول بیٹھی۔

"آپ کی نفی کرنا آسان نہیں ہے۔" سُنہری آنکھوں نے مُسکرا کر کہتے ہوئے ساری سُوگوار فضا کو دَم بخُود کر دیا۔

"لوگوں کی باتوں کو ذہن پر سوار نہیں کرتے، رحمت!" اُس فسوں پھُونکتے اندازِ تخاطب پر میزاب کے چہرے کا رنگ بدلا، دِل کی دَھڑکن ٹھہر گئی۔ میزاب نے سانس لینا چاہا، مگر نہیں لے سکی۔

"تم۔۔۔ اَب کیا کرو گے؟" اُس نام کی پُکار تھی یا کچھ اور میزابِ رحمت کو اپنے بکھرے اعصاب سمیٹنے میں لمحہ لگا۔ وہ نام تقسیم ہوئے ذہن کے لیئے سکون کا باعث تھا، تب بھی اور اَب بھی۔

"دَاجی کہہ رہے تھے کہ آفس جوائن کروں مگر میرا ایسا کوئی اِرادہ نہیں۔" وہ میزاب کا ذہن بٹانا چاہتا تھا تبھی باتوں کو طُول دے رہا تھا۔

"تمہارا کیا اِرادہ ہے؟" میزاب کے سوال پر اُس نے گہرا سانس لیا۔

"میری چھُٹیاں ختم ہو گئی ہیں، واپس جاب پر۔" اُسکے مطمئن جواب پر میزاب چونک گئی۔

"تمہیں معلوم ہے نہ اَب تم وہاں سیکورٹی چیف نہیں ہو۔" میزاب کی متفکر یاددہانی پر عباس کے چہرے کو مُسکراہٹ چُھو گئی۔ اُسے وہ فکر بڑی پیاری لگی تھی۔

"اُونہوں! وہاں جا کر میرا اِتنا جلدی مرنے کا کوئی اِرادہ نہیں۔" اُس نے بات مزاح میں اُڑانی چاہی مگر اُسکی جانب خفگی سے دیکھتی سُرمئی آنکھوں کا اِیسا کوئی اِرادہ نہیں تھا۔

"فضول باتیں کروالو تم سے۔ تمہارے اِنتقام کا کیا اِرادہ ہے؟ کیا کرنا ہے آگے؟" اِس سے پہلے اُسکی خفگی کو پکڑا جاتا اُس نے دوسری سمت بات کا رُخ موڑ کر عباس کے چہرے کی مُسکراہٹ معدوم کر دی۔

"فکر نہ کرو تمہارے اِنتقام کے راستے کی دیوار نہیں بنوں گی اِس لیئے بتاؤ کیا کرو گے؟" عباس کی خاموش نظروں پر اُسے تشفی کروانی پڑی۔

"آپ کو کیا لگتا ہے؟ معاف کر دوں؟" عباس کے سوال پر میزاب ایک پَل کو ساکن ہوئی۔ اُس نے واقعی میزاب سے پوچھا تھا؟

"اِنتقام لینا چاہیئے تمہیں۔ دُشمن کو اپنے ظُلم اور سفاکیت کا احساس نہ ہو تو اِنتقام فرض ہو جاتا ہے۔" اُسکا لہجہ اِتنا اٹل اور کڑا تھا کہ عباس آگے کو جُھک کر اُس چہرے کو دیکھتے رہنے پر مجبور ہو گیا۔

"اِیسے کیا دیکھ رہے ہو؟" بوکھلا کر پیچھے ہونے کے بجائے عین اُن آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اُس نے حیرانگی سے پوچھا۔

"دیکھ رہا ہوں کوئی اِتنا بے رِیا، مہربان، نرم دِل اور اِنسان دوست کیسے ہو سکتا ہے۔" اُسکی بات، ہر لفظ کے ساتھ دَھڑکنوں کا انداز بدل دینے والی تھی۔ اِتنی شدید اعصابی جنگ کے باوجود میزابِ رحمت نے خود کو بے اِختیار ہنستے ہوئے پایا۔

"تم مُجھے دیوار سمجھ کر چُونا لگا رہے ہو؟" پلکیں سُکیڑ کر جو مشکوک سوال داغا گیا اُس پر عباس جان نِثار کی آنکھیں پھر سے چمک اُٹھیں۔

آہ! یہ عورت۔۔۔ یہ دِل کی حُکمران عورت۔

"دِل کھول کر ابھی نہیں دِکھا سکتا اِس لیئے آئیں کھانا کھاتے ہیں۔" نرم مُسکراہٹ کے ساتھ کہتے ہوئے وہ اُٹھ کھڑا ہوا اور اُسکو اُٹھنے میں مدد دینے کو ہاتھ اُسکی جانب بڑھایا۔

"اُونہوں! جس دِن دِل کھول کر دکھاؤ گے اُس دِن۔" مُسکرا کر اُسکے ہاتھ کو نظر انداز کر کے اُٹھتے ہوئے وہ بے نیازی سے کہہ کر اُسکے پاس سے جھونکے کی طرح گُزر گئی۔ عباس اُس بے خبر بے نیازی پر کُھلے دِل سے مُسکرا کر اُسکے پیچھے آیا۔

"وہ بھی دِکھادوں گا مگر دوستی کا ہاتھ تو مِلا لیں۔ میں دوست کے علاوہ کسی پر نہیں کُھلتا۔" اُسکی مُسکراتی ہانک پر میزاب بے ساختہ پلٹی۔ ناسمجھی بھرے تحیر سے عباس جان نِثار کے ایک ایک نقش کو بغور دیکھا۔ اُسکی چمکتی، سحر انگیز آنکھیں میزاب کو سراہ رہی تھیں۔ لَب مُسکراہٹ میں ڈھلے ہوئے تھے، ماتھے پر شوق کنندہ تھا۔ وہ سَر تا پا، مکمل یکسُوئی میزابِ رحمت سے جانب متوجہ تھا۔

میزاب کا دِل پر ہاشم بزنجو کی بات پر بھٹکنے لگا۔ نہیں! اِیسا نہیں ہو سکتا۔ وہ اُنھیں غلط ثابت کر کے مات دے گی۔ اُنکو اُس گھناؤنے مقصد میں کبھی کامیاب نہیں ہونے دی گی۔

✓ دِل میں رکھے ہوئے خوابوں کا گھروندا دُکھ ہے
سِر تا پا میری آنکھیں، تیرا چہرہ دُکھ ہے
مُجھ سے مَت ہاتھ مِلا اور نہ دَم بھر میرا
تُجھ کو معلوم نہیں، اِسکا نتیجہ دُکھ ہے
دُکھ ہی دُکھ پھیلے ہوئے ہیں میرے چاروں جانب
میں تمنائے وفا ہوں، میرا نغمہ دُکھ ہے
دُکھ میرے واسطے تشریح کا مُحتاج نہیں
میں سُخن سازِ محبت، میرا پیشہ دُکھ ہے
دُکھ حقیقت ہے کناروں پہ پڑے ذروں کی
اور موجوں کی حقیقت کا خلاصہ دُکھ ہے
کتنی مِلتی ہے میرے بخت سے تقدیر تیری
دَرد ہے میری کہانی، تیرا قِصّہ دُکھ ہے
ہاں! تُجھے میرے مصائب کا نہیں اندازہ
ہاں! مُجھے تیری توقع سے زیادہ دُکھ ہے

ہے تیرے پاس اَدا، لفظ، قرینہ، صورت

اور میرے پاس فقط ایک نہتا دُکھ ہے۔۔۔

اُن آنکھوں کی گہری ہوتی سنجیدگی پر عباس جان نِثار کی مُسکراہٹ نے سمٹنے میں لمحہ بھی نہیں لیا۔

"ہم دوست کیسے ہو سکتے ہیں، عباس؟ ہم اور ہمارے خاندان تو ایک دوسرے کے دُشمن ہیں۔" کچھ تھا اُسکی تنبیہہ بَھری آواز میں جو عباس کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑا، آنکھوں کی جوت بُجھ گئی۔ اُسکے چہرے کے تاثرات کو بدلنے کا کمال صرف میزابِ رحمت کے ہاتھ میں تھا۔

"میرے ساتھ میرے گھر میں اِتنے دِن رہنے کے بعد بھی آپ یہ کہہ رہی ہیں؟" نہ جانے کیوں اُسے دُکھ ہوا تھا۔ اُس سوال کے مَلال پر میزاب نے خود کو اندر تک جھٹک کر خبردار کیا۔

"میں تو اُن لوگوں کے بارے میں بھی بے یقین ہوں جن کے ساتھ ایک زندگی گُزار دی ہے پِھر تم اور تمہارے گھر میں تو صِرف ایک ہفتہ رہی ہوں، عباس!" اُسکی بات لمحے بوجھل کر دینے والی تھی۔ وہ ہر بات کے آخر میں اُسکا نام لینا ضبط کا امتحان تھا تو یہ بات دِل کو اتھاہ گہرائیوں میں دھکیل دینے والی۔ عباس نے آہستگی سے اثبات میں سَر ہلایا۔

"آپ سہی کہتی ہیں۔ چلیں! کھانا کھالیں۔" آگے بڑھ کے، دروازہ کھول کر اُسکے لیئے وَا کرتے ہوئے وہ سائیڈ پر ہوا۔ وہ مہربان تھا، مائل باکرم! اُسکے سامنے فریب نہیں کرنا پڑتا تھا۔

گہرا سانس لے کر میزاب اپنے لیئے کھولے گئے دروازے سے باہر نِکل گئی، وہی میزاب جو اُسے ابھی تک دُشمن گردانتی تھی تبھی تو اُسے پِھر سے اُسی دائرے میں لا کھڑا کیا تھا جہاں سے عباس جان نِثار چلا تھا۔ جِس عورت کے

لیئے اُس نے سارے قبیلے کے سامنے شکست قبول کی تھی وہی عورت اُسے حد بتا کر، ایک لکیر کھینچ چکی تھی مگر اِس سارے معاملے میں عباس بے اِختیار تھا۔ اُسے میزابِ رحمت کے پیچھے جانا ہی تھا اور وہ چلا گیا۔

✓ میں مُحبت کے سِوا کچھ بھی نہیں کر سکتا

ہار جائے گا قبیلہ میری سرداری میں۔۔۔

(ضمیر قیس)

رات کے کھانے کے بعد عباس کو جواد کی کال آگئی اور وہ اُس سے مِلنے چلا گیا تھا۔ شُجاعت کا کل پیپر تھا جِسکی جاگ کر اُس نے تیاری کرنی تھی مگر میزاب کو سخت تھکان اور نیند نے گھیر لیا تبھی کمرے میں آتے ساتھ نماز پڑھتے ہی سو گئی تھی۔ صُبح اُسکی آنکھ دیر سے کھلی۔ بھاری ہوتے سَر کے ساتھ اُس نے چہرہ پھیر کر سیل فون اُٹھانا چاہا مگر سیل وہاں ہوتا تو مِلتا۔ ساری نیند بھک سے اُڑ گئی۔ ایک جھٹکے سے کمفرٹر خود سے اُتار کر وہ بستر سے اُتری۔ سَر پر پہنا دوپٹا، کندھوں پر تھا۔ بکھرے بال چہرے پر آ گِرے مگر اُسے پرواہ تھی تو صِرف فون کی۔

"کیا ڈھونڈ رہی ہیں؟" ڈریسنگ روم سے نکلتے عباس نے حیرت سے اُسے دیکھ کر پوچھا جو پریشانی سے کمرے میں اِدھر سے اُدھر بھاگتے ہوئے نہ جانے کیا تلاش کر رہی تھی۔ اُسکی آواز پر یوں لگا جیسے گڑیا کی کسی نے چابی نکال دی ہو۔

"میرا سیل فون!" پلٹے بغیر اُس نے جِس گھبراہٹ سے کہا، عباس کا تعجب یقینی تھا۔ اُس نے آج سے پہلے سارے جذبے اُس لہجے میں محسوس کیئے تھے مگر یہ ایک نہیں۔ وہ سخت سے سخت حالات میں بھی نہیں گھبراتی تھی، گھبرا بھی جاتی تو آواز سے کچھ بھی ظاہر نہیں ہونے دیتی۔

"یہ رہا!" وہ جو ڈریسنگ ٹیبل کی دراز کھول کر چہرہ جُھکائے اُلٹ پُلٹ کر دیکھ رہی تھی، عباس نے اُسکے عقب سے آ کر ٹیبل کی ہموار سطح پر رکھا۔ سُکھ کا سانس لیتی میزاب کے چہرے کی رنگت بحال ہوئی اور اُن پُر سکون ہوتے تاثرات کو عباس نے بہت توجہ سے آئینے میں دیکھا۔ میزاب نے چہرہ اُٹھا کر آئینے میں دیکھا اور سُنہری آنکھوں کی گہرائی پر اندر تک بوکھلاہٹ کا شکار ہو گئی۔ سُرمائی آنکھیں لرزیں اور پھر وہ تیزی سے عباس کی جانب پلٹی۔

"تمہیں کہاں سے مِلا؟" اُس نے سنبھل کر کڑا سوال کیا۔

"آپ کی دوست کی کال آرہی تھی میرے دیکھنے تک بند ہو گئی تو آپکے فون کی چارجنگ کم دیکھ کر چارج پہ لگا دیا۔" وہ تاثرات اِیسے تھے کہ اُسکو لمبی وضاحت کرنی پڑی۔ میزاب نے بے اِختیار پلٹ کر اُسے دیکھا وہ جو اُسے کچھ کہنے والی تو حیرانگی سے اُسکو اُوپر سے نیچے تک دیکھنے لگی جو سیاہ یونیفارم میں ملبوس تھا اور سَر پر سُرخ ٹوپی جو عموماً فورسز کی طرح ایک طرف سے ترچھی تھی۔ سیاہ ڈیلٹا بوٹس، سیاہ پینٹ اور سیاہ شرٹ پر پاکستان کے جھنڈے کا چھوٹا سا بیج، اور سفید کڑھائی سے سینے پر **'جاں نثار'** لکھا تھا۔

"یہ تم۔۔۔ تم اِس جاب کی بات کر رہے تھے؟" اُسکی تفصیلی نگاہ پر عباس جو بُلٹ پُروف جیکٹ پہننے لگا تھا بے ساختہ مُسکرا دیا۔

"کیوں آپکو لگا میں بے روزگار ہو گیا ہوں؟" مُسکرا کر اُن ہکا بکا آنکھوں میں دیکھا۔

"تم ابھی بھی پولیس میں ہو؟ تم نے تو چھوڑ نہیں دی تھی؟" اُسکو واقعی سمجھ نہیں آرہی تھی۔

"کِس نے کہا؟ میں نے تو بس ایک سال کی چھُٹی لی تھی۔ اَب آپکا خیال رکھنے کے لیئے نوکری تو کرنی پڑے گی نہ۔" اُسکا انداز اِتنا ہلکا پُھلکا تھا کہ میزاب کا زخم کھایا ہوا دِل مُسکرا اُٹھا۔ اُن سُرمئی آنکھوں کے اِرتکاز پر عباس نے مُسکرا کر اُس چہرے پر دَر آتی لِٹ کو دو اُنگلیوں کی مدد سے آہستگی سے پیچھے کرتے ہوئے میزاب کو گھبراہٹ کا شکار کر دیا۔ لرز اُٹھتی نظروں کے ساتھ اُس نے جِس طرح عباس کو ششدر نگاہوں سے دیکھا، عباس اُسکی بدل کر گلابی ہوتی رنگت دیکھ کر پلکیں جھپکنا بھُول گیا۔ یک ٹک وہ تیزی سے پیچھے ہو کر دوپٹہ سَر پہ سہی سے جماتی عورت کو دیکھ رہا تھا جو اُٹھتی گِرتی پلکوں کے ساتھ دِل پر ڈھائی قیامت سے بے خبر پلٹ کر واپس جا رہی تھی۔

"آپ تیار ہو جائیں۔ میں آپکو آفس ڈراپ کر کے ڈیوٹی جوائن کروں گا۔" اُسکی پُکار پر میزاب ٹھٹکی۔

"میں خود چلی جاؤں گی۔" خفت زدہ آواز میں کہہ کر وہ جِس طرح تیز قدموں سے سیل فون مُٹھی میں دبائے ڈریسنگ روم کی جانب بھاگی، اُسکو یوں بھاگتے دیکھ کر عباس جان نِثار بے اِختیار ہنستا چلا گیا۔

"اسلام علیکم!" وہ سب لوگ آج ہی بلوچستان سے واپس آئے تھے۔ صُبح آرام کر کے اَب سرِ شام وہ لوگ گارڈن میں بیٹھے فراغت کا لُطف لے رہے تھے تبھی میزاب نے آکر سلام کرتے ہوئے اُن سب کو چونکا دیا۔ مُدثر جہاں حیرت سے اُٹھ کھڑا ہوا وہیں رفعت شیراز اور آمینہ کاشف اُسکو کینہ توز نظروں سے دیکھنے لگیں جو گولڈن رنگ کے لباس میں بہت تیار نہ ہونے کے باوجود نہایت شاداب اور پُرسکون لگ رہی تھی۔

"وعلیکم اسلام! ارے، میرا بیٹا آگیا ہے واپس؟" ہاشم صاحب مُسکرا کر اُسکی جانب بڑھے اور اُسے سینے سے لگا کر اُسکا سَر تھپتھپایا۔ میزاب نے اُسی طرح مُسکراتے ہوئے اُنکے صحت مند اور خوشگوار نظر آتے چہرے کو بغور دیکھ کر باقی سب کو دیکھا۔ کاشف صاحب تو اُسے دیکھ کر نظروں کا زاویہ بدل گئے جبکہ زُوبیہ اور تقی نے اُسکے سلام کا جواب اچھے سے دیا حالانکہ وہ بھی اُسکی شادی کا سُن کر باقی سب گھر والوں کی طرح خاص خُوش نہیں تھے۔ خیر! یہ تو سب کے چہرے پر لکھا تھا۔

"کیسی طبیعت ہے آپ کی؟" میزاب نے پیچھے ہوتے ہوئے نرمی سے پوچھا جبکہ ہاشم بزنجو مُسکرا دیئے۔

"اپنی بیٹی کو سہی سلامت دیکھ لیا تو پِھر سے جوان ہو گیا ہوں۔" وہ بالکل نہیں بدلے تھے۔ لہجے میں وہی محسوس کی جانے والی مُحبت اور اپنائیت تھی۔ میزاب کا دِل گھٹن ذدہ ہونے لگا۔

"کِس کے ساتھ آئی ہو؟" مُدثر کے بے چین سوال پر سب کے ہی کان کھڑے ہوئے۔ میزاب نے کندھے پر لٹکا رکھا بیگ کرسی کے دَستے پر جُھک کر رکھا۔

"جان نِثار کے ساتھ۔" اُسی طمانیت سے اُن سب کے اعصاب پر دھماکہ کیا جو اُسکا خاصہ تھی۔ ہاشم بزنجو کا چہرہ سُرخ ہوا جبکہ کاشف بزنجو نے مُٹھیاں بھینچ کر اُسے دیکھا۔

"اُس کمینے کے ساتھ کیوں آئی ہو؟ ہمیں بتا۔۔۔" میزاب نے اُنکی بات مکمل نہیں ہونے دی۔

"اِس طرح کا لہجہ میں اپنے شوہر کے لیئے ہرگز پسند نہیں کروں گی، چاچو۔" اُسکی تنبیہہ پر ہاشم بزنجو نے بغور اُسکو دیکھا، ذکی نے اپنی مُسکراہٹ دبائی اور رفعت شیراز اندر تک تلملا کر ایک جھٹکے سے اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

"میرے بھائی کی بیٹی ہونے کے باوجود تم نے اُس ڈائن عورت کے بیٹے سے شادی کرنے کا سوچا بھی کیسے۔" اُنکی چیخ کا میزاب پر ہمیشہ کی طرح کوئی اثر نہیں ہوا۔

"آپ کو یاد تھا کہ میں آپ کے بھائی کی بیٹی ہوں؟ امیزنگ!" اُسکا تمسخرانہ انداز آگ لگا دینے والا تھا۔ باقی سب کے لیئے بے شک رفعت شیراز، آمینہ کاشف اور اُسکی مُنہ ماری عام بات تھی مگر دُشمن خاندان میں ایک ہفتہ گُزارنے کے بعد اَب بات کچھ اور ہو گئی تھی۔

"زیب!" ہاشم بزنجو کی نرم تنبیہہ پر میزاب نے چہرہ پھیر کر اُنکو دیکھا جو آنکھوں میں نرمی لیئے نفی میں سَر ہلا کر اُسے تحمل سے کام لینے کا کہہ رہے تھے۔ میزاب نے چہرہ واپس پھیر کر خود کو خون آشام نظروں سے دیکھتی رفعت اور آمینہ بیگم کو دیکھا۔

"کتنی زہریلی اور لمبی زُبان ہو گئی ہے تمہاری۔" آمینہ بیگم نے دانت کچکچائے۔

"جہاں تک میرے نِکاح اور رُخصتی کی بات ہے تو وہ دادا نے کروائی ہے تو پِھر مُجھ پر چیخنے چلانے کی وجہ سمجھ نہیں آ رہی۔" آمینہ کاشف کو نظر انداز کر کے اُس نے نہایت سکون سے اُن سب کو بے سکون کر دیا۔

"رفعت! خیال کرو، زیبی میرا کہنا مان کر وہاں دُشمنوں کے درمیان رہ رہی ہے۔ میری بچی سفر سے تھکی ہوئی آئی ہے اور مُشکل نہ بناؤ۔" ہاشم بزنجو نے کھنکھار کر رفعت شیراز کو ہمیشہ کی طرح جھڑک دیا۔

"آپ کی ہی دی ہوئی شے ہے جو یہ ہمیشہ ہمارے سَروں پر ناچتی ہے، بابا۔" اُنکی نخوت دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔

"ابھی تو میں ناچی نہیں ہوں جب ناچوں گی تب آپ کا کیا حال ہو گا۔" وہ رفعت شیراز کو تپانے سے کیسے پیچھے ہٹ سکتی تھی۔ جہاں باقی سب کے کان کھڑے ہوئے، میزاب نے بیگ واپس کندھے پر لٹکایا۔

"میں فیکٹریز جارہی ہوں پھر آفس بھی جانا ہے سوچا آپ سے مُلاقات کرلوں۔" اُنکو آگ پر دھکیل کر وہ ہاشم بزنجو کے سنجیدہ ہوتے چہرے کو دیکھنے لگی۔

"وہاں کیا کام ہے تمہارا؟" کاشف بزنجو کے کڑے اِستفسار پر اَب ٹھٹکنے کی بار میزاب کی تھی۔

"یہ سوال کم اَز کم آپ کو نہیں کرنا چاہیئے۔ آپ کے غلط فیصلوں اور کاموں کی وجہ سے فیکٹریوں کا مال ابھی تک رُکا ہوا ہے اور آپ کے اطمینان پر حیرت ہے مُجھے۔" میزاب نے اُنکو بڑی سہولت سے منظور کرامت والی ڈیل یاد دِلا کا حقیقت کا آئینہ دکھایا۔ کاشف بزنجو کا بس نہیں چلا رہا تھا ورنہ اُسکا چہرہ تھپڑوں سے لال کر دیتے۔

"تم آج جا کر مال کی سپلائی اور کنسٹرکشن شروع کرواؤ پھر کل سے کاشف فیکٹری آنا شروع کر دے گا۔" ہاشم بزنجو کے حکم پر میزاب نے اثبات میں سَر ہلایا۔

"باسم ربانی کی عقل ٹھکانے لگانا بھی بہت ضروری ہے، دادا جان۔ وہ رہا تھا کہ الیکٹرانکس کی نئی ڈیل ہونے نہیں دے گا۔" میزاب کی اطلاع پر ہاشم بزنجو نے پیشانی سہلائی۔

"اُسکے باپ سے بات کر کے طبیعت دُرست کرواتا ہوں اُسکی اور تم اِس پیشی پر نیب سے کاشف کا معاملہ ختم کرواؤ اَب۔" وہ جو بغور اُنکی بات سُن رہی تھی، آخری بات پر ٹھٹک گئی۔

"میں معاملہ رفع دفع کروالوں گی مگر مُنجمند اثاثے کُھلوانے کا میرا کوئی اِرادہ نہیں۔ وہ بلیک مَنی ہے اور ہماری ساکھ کے لیئے سہی نہیں ہے۔" اُسکی سنجیدگی پر کاشف بزنجو نے سختی سے اُسے دیکھا۔

"تم سے جتنا کہا گیا ہے، اُتنا کرو۔ مشورے نہیں مانگے تم سے۔" وہ زیادہ دیر خاموش نہیں رہ سکتے تھے۔

"میرے مشورے کے بغیر آپ دو دِن نہیں چل سکیں گے اِس دُنیا میں۔" اُسکا چیلنج اِتنا واضح تھا کہ ہاشم بزنجو بے ساختہ مُسکرا دیئے۔ میزابِ رحمت کو کاروباری معاملات میں واقعی ہرایا نہیں جاسکتا تھا۔ وہ ہاشم بزنجو کی جو پوتی تھی۔

"ٹھیک ہے! ویسے بھی میڈیا کی نظریں ہم پر ہیں۔" اُنکو میزاب کی بات سے اِتفاق کرتے دیکھ کر کاشف بزنجو نے لَب بھینچ لیئے۔

"رات کو واپسی پر میری سٹڈی میں آنا۔ کچھ اہم باتیں کرنی ہیں تم سے۔" اُنکا سیل فون بجا تو وہ میزاب سے کہہ کر اندر کی جانب بڑھ گئے جبکہ میزاب واپس جانے کو جیسے ہی پلٹی رفعت شیراز کی بات نے اُسکے قدم زنجیر کر دیئے۔

"پہلے ہی تمہاری منحوس شکل دیکھنا آسان نہیں تھا اور اَب تو تم اُس ڈائین کے فراڈیے بیٹے کی بیوی ہو۔" اُن الفاظ پر میزاب مُسکرا کر پلٹی۔

"میں آپ کا دَرد اور تکلیف سمجھ سکتی ہوں۔ پہلے ماہِ نور آنٹی نے آپکو مُحبت میں مَات دی اور اَب میں نے آپکا میرج بیورو والا بزنس آئیڈیا فلاپ کر دیا۔" اُسکی پہلی بات رفعت شیراز کے دِل پر تیر کی طرح جا لگی۔ تنفر سے اُسکو دیکھا جو مدہم سا مُسکرا رہی تھی جبکہ باقی سب نے بے یقینی سے مُنہ پر ہاتھ رکھ لیئے۔ میزاب نے نہ صِرف اُنکو وہ طعنہ دیا تھا جو رفعت شیراز کے دِل کا ناسُور تھا بلکہ اُنکی دُشمنِ اول کو آنٹی کہہ کر سب کو حیرت زدہ کر دیا۔

"کونسا میرج بیورو کا بزنس آئیڈیا؟" آمینہ کاشف کے کان کھڑے ہو گئے۔ کہیں اُنکی پیٹھ پیچھے کوئی کھچڑی تو نہیں پک رہی۔

"آپکے سامنے ہی تو کہا تھا کہ تمہاری شادی میں نے زرق کمال سے نہ کروائی تو میرا نام بدل دینا۔" رفعت شیراز کا اُس عزت افزائی، اُس یاد دہانی پر دماغ گھوم گیا۔ تلملا کر آگے آئیں اور قبل اِسکے اُس پر ہاتھ اُٹھاتیں، میزاب نے اُنکا ہاتھ ہوا میں ہی روک دیا۔ آمینہ اور کاشف بزنجو تیزی سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"اِیسا سوچنا بھی مت، رفعت پھُوپھُو۔ کہیں واقعی آپکو اپنا نام نہ بدلنا پڑ جائے۔" اُنکا ہاتھ جھٹک کر اُن سب کے ہک دَق چہروں پر ایک نگاہ ڈال کر وہ تیز قدموں سے باہر نِکلی۔

"آہ، یااللہ! میں کسی دِن اِس بد تہذیب اور کمینی لڑکی کا قتل کر بیٹھوں گی۔" رفعت شیراز پیچھے سے مغلظات بکتی جھکتی رہ گئیں۔

"آپ جب بلوچستان گئی ہوئی تھیں تو رضا اور ضوریز صاحب آئے تھے۔" کائنات کی اطلاع پر وہ اثبات میں سَر ہلا کر اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔ بہت سے کام تھے، بہت ساری میٹنگز۔ ایک ہفتے کا کام اُسے اَب ایک دِن میں ختم کرنا تھا کیونکہ اِس مہینے کے آخر میں اُسے بجٹ کی رپورٹ تیار کرنی تھی۔ وہ وقت سے پہلے بنا چُکی ہوتی اگر جو اُسکا دماغ جگہ پر رہتا۔ فیکٹریوں میں جا کر مال کی چیکنگ اور لوڈنگ کروانے کے بعد، مین سائیٹ پر کام شروع کروایا تھا۔ اُسکے اندر جو پندرہ فلور ٹاور بننا تھا، وہ پروجیکٹ بہت محنت اور توجہ طلب کام تھا۔ اِس پروجیکٹ پر اُس نے خون پسینہ ایک کیا تھا۔ اُس جگہ پر اپارٹمنٹس بنانے کا خواب اَصفہان بزنجو کا تھا جو پچھلے دو سال سے تکمیل کے مراحل طے کرنے کے بعد بالآخر اَب کچھ دِنوں میں مکمل ہونے والا تھا۔ شہر کی مشہور ترین سیاسی اور سماجی شخصیات نے پہلے ہی اُس خوبصورت اور جدید جگہ اپنے فلیٹس خرید لیئے تھے۔ بس زیرِ زمین پارکنگ لاٹ کا کام تھا اور پھر اِس ماہ کی پندرہ تاریخ تک کام مکمل ہو جانا چاہیئے تھا۔ یہ پروجیکٹ جلدی بھی بن سکتا تھا اگر جو کاشف بزنجو، ذکی اور زرق کمال

اپنے کالے کرتوتوں سے اُسکی راہ میں روڑے نہ اَٹکاتے۔ جب وہ بلوچستان میں تھی، اُسکے نِکاح والے دِن بھی زرق کمال نے پارکنگ والی زمین کو لے کر مسئلے اُٹھائے تھے۔ تمام قانونی کارروائی مکمل کروا کر میزاب نے کام دوبارہ سے تو شروع کروا دیا تھا مگر اَب اُسے ہر وقت چوکنا رہنا تھا۔ اِس پروجیکٹ کو نہ وہ ہاتھ سے جانے دے سکتی تھی اور نہ ہی کسی قسم کی روکاٹ اِسکی تکمیل کی راہ میں برداشت کر سکتی تھی تبھی اِتنے عرصے سے جانفشانی سے کام کر رہی تھی۔ اُسکی نگاہ ہر شے پر تھی۔ سارے معاملات کو سنبھالنا مُشکل تھا مگر وہ اِیسے مشکل کاموں کی عادی تھی۔

"آپ نے گھر نہیں جانا، میم؟" رات کے دس بجنے کے بعد بھی جب وہ آفس سے باہر نہیں نِکلی تو کائنات کو ہی اندر آنا پڑا۔ عباس کو وہ پہلے ہی دیر سے گھر آنے کا میسج کر چُکی تھی اور سارا اسٹاف تو ویسے ہی عموماً سات بجے تک چلا جاتا تھا۔

"آپ جائیں! مُجھے بجٹ رپورٹ تیار کرنی ہے اور یہ ساری فائلز دیکھنا بہت ضروری ہے۔" ٹیبل کے اُوپر رکھی ڈھیروں پُرانی بجٹ رپورٹ فائلز پر ہاتھ رکھ کر اُس نے کائنات کو نفی میں سَر ہلانے پر مجبور کر دیا۔

"میم! آپ کو چاہیئے کہ مُدثر صاحب کو کہہ دیں بجٹ رپورٹ کا۔ آخر یہ رپورٹ آپکے مالز کی تو نہیں ہے۔" کائنات خود کو کہنے سے روک نہیں سکی۔ فائل نکالتی میزاب اُسکے تفکر پر مُسکرا دی۔

"تو فیکٹریوں کو بھی تو مُجھے ہی دیکھنا پڑ رہا ہے کاشف چاچو کی معزولی کے بعد سے۔ آپ فکر نہ کریں، میں کچھ گھنٹے میں گھر چلی جاؤں گی۔" نرمی سے کہہ کر اُس نے کائنات کو جانے کا کہا جبکہ کائنات چند پَل وہیں کھڑی رہی اور پھر میزاب کو کام میں مصروف دیکھ کر آفس سے نِکل گئی کہ اُسکے گھر مہمانوں نے آنا تھا۔

میزاب دُکھتی آنکھیں سہلا کر فائلز سائید پہ رکھے اَب سپریڈ شیڈ پر تیزی سے ہندسے درج کر رہی تھی۔ یہ بجٹ رپورٹ پچھلے مہینوں کی نسبت زیادہ خسارہ اور خرچ ظاہر کر رہی تھی۔ پچھلے تین مہینے جتنے بزنجو ایمپائر پر سخت رہے اِیسا پہلے کبھی نہیں ہوا۔ وہ یہ بھی نہیں کہہ سکتی تھی کہ یہ عباس کی وجہ سے ہے کیونکہ اگر اُسکی وجہ سے ہو بھی تب بھی ہر غیر قانونی کام اور کالے کارنامے کی حقیقت صاف اور واضح تھی۔ سیاہی اور خسارہ بزنجو خاندان کی طرف سے خود پھیلایا گیا تھا۔ لَب بھینچ کر اُس نے بجٹ رپورٹ کو دیکھا۔ کروڑوں کے نقصانات کی یہ رپورٹ چیخ چیخ کر اُسے اپنی دِن رات کی محنت اور خلوص کی رائیگانی کا احساس دِلا رہی تھی۔ وہ خُون پسینہ جو اُس نے کاروبار پر لگایا تھا اُسکی کوئی وقعت ہی نہیں تھی۔

وہ اِتنے انہماک اور مَلال سے اُس رپورٹ کو دیکھ رہی تھی کہ آفس کا دروازہ کھول کر اندر آتے عباس کو بھی نہیں دیکھ سکی۔ اُسکی عدم توجہی پر عباس کچھ چونک کر تیز مگر خاموش قدموں سے اُس تک آیا جو فائلوں کے ڈھیر کے بیچ میں کام کی مصروفیت سے نڈھال، اَب لیپ ٹاپ کی سکرین کو گھور رہی تھی۔

"اِیسا کیا ہے اِس رپورٹ میں؟" عباس نے اُسکے عقب میں آکر بس ایک نگاہ دیکھا اور پھر سائیڈ پہ ہو کر سوال پوچھتے ہوئے میزاب کی رُوح کھینچ لی۔ جِس طرح وہ اپنی کرسی سے اُچھلی، عباس نے ناسمجھی بھری گھبراہٹ سے اُسکو دیکھا۔

"ایم سوری!" اُسکے چہرے کی رنگت جِس طرح تبدیل ہوئی عباس کو احساس ہوا کہ وہ کِس قدر توجہ سے کچھ سوچ رہی تھی۔

"اسلام علیکم! کیا کہہ رہے تھے تم؟" سنبھل کر چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اُس نے لپ ٹاپ کی بجھتی سکرین دوبارہ روشن کی۔

"وعلیکم اسلام! میں آپکی محویت کی وجہ سے پوچھ رہا تھا کہ کیا ہے اُس رپورٹ میں؟" عباس کو اپنا سوال دُہرانا پڑا۔

"خسارہ!" ایک لفظی جواب اِتنا بامعنی تھا کہ عباس کتنی دیر تک کچھ مزید بول نہیں سکا۔

"اپنی محنت اور خُون پسینے کی اَرزانی اور رائیگانی دیکھ رہی تھی۔" مدھم انداز میں کچھ اِیسا تھا کہ عباس جان نِثار بے ساختہ نگاہ چُرانے پر مجبور ہو گیا۔ خاموشی پر میزاب نے چہرہ اُٹھا کر اُسکو دیکھا اور پھر اُسکے چہرے کے پُرملال اور ندامت سے چُور تاثرات پر تھم گئی۔

"یہ میرے خاندان والوں کے کالے کارناموں کی عنایت ہے۔ تمہارا کمال نہیں ہے۔" اُس تشفی پر عباس نے نگاہ جُھکا کر اُسے دیکھا جو نرم نظروں سے اُسے ہی چہرہ اُٹھائے دیکھ رہی تھی۔

"کیوں خود کو اِتنا تھکاتی ہیں؟ کچھ لوگ ہمارے خلوص اور محنت کے قابل نہیں ہوتے۔" عباس کی بات میں گہرائی تھی۔ میزاب نے اُن سُنہری آنکھوں میں سِمٹتی تفکر اور آگہی کو اندر تک چونک کے دیکھا۔

"بے فکر رہو! میں اپنے لیئے محنت کرتی ہوں۔ یہ سب کچھ اپنی مرضی اور خُوشی سے کرتی آرہی ہوں اور آگے بھی کروں گی۔ کوئی مُجھے نہ مجبور کر سکتا ہے، نہ ہی پیچھے ہٹا سکتا ہے۔" اِنتہائی حلاوت سے اُسکے تمام خدشات رفع کرنے چاہے۔ عباس کتنی دیر تک اُس چہرے سے نگاہ نہیں ہٹا سکا۔ یہ عورت اِس جہاں کی نہیں تھی۔

"مُجھے تسلی دے رہی ہیں یا خُود کو؟" وہ عباس تھا۔ اُسکے سائے تک سے واقف!

"دونوں!" میزاب بے ساختہ مُسکرا دی مگر عباس نہیں مُسکرا سکا۔ کچھ تو تھا جو وہ کچھ دِن سے بہت شدت سے محسوس کر رہا تھا مگر کوئی سِرا تھا کہ ہاتھ آکر نہیں دے رہا تھا۔

"پھر تو آپ کامیاب ہوئیں۔" نرمی سے کہہ کر اُس نے جُھک کر میزاب کا سَر تھپکا جبکہ میزاب نے چمک اُٹھتی آنکھوں سے اُسے دیکھا۔

"گھر چلنے کا اِرادہ ہے؟" اُسکی فائلز کو دیکھ کر عباس کو پوچھنا پڑا۔

"بس یہ رپورٹ تیار کرنی تھی، کرلی۔" لیپ ٹاپ بند کر کے اُس نے بیگ میں رکھا اور پھر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"یہ مُجھے دے دیں۔" عباس جیسے ہی کہہ کے اُسکا پیک بیگ لینے کو جُھکا، آفس کا دروازہ کھول کر اندر آتا مُدثر وہیں ٹھٹک کر ٹھہر گیا۔ مُسکراتی میزاب رحمت کے ہاتھ سے جُھک کے بیگ لیتا اسپیشل پولیس یونیفارم میں ملبوس شخص، مُدثر کا ماتھا ٹھنکا گیا۔

"شُجاع اور تم نے کھانا کھالیا؟" میزاب کے سوال میں مُخفی اپنائیت مُدثر نے صاف محسوس کر کے ناگواری سے میزاب کو دیکھا اور تبھی وہ مُسکراتا شخص بیگ تھام کر سیدھا ہوا اور مُدثر شیراز کے تاثرات بھک سے اُڑے۔ اُسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔

"شُجاع کے تو ایگزامز شروع ہیں تو جلدی کھایا تھا اور میں اِسی لیئے آپکو لینے آیا ہوں۔" عباس نے کہہ کر میزاب کو چونکا دیا۔

"تم نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا؟ وقت دیکھ بھال رہے ہو؟" میزاب کو اُسکی بے پرواہی ایک آنکھ نہیں بھائی۔

"آپ نے بھی تو نہیں کھایا۔ کچھ اچھا سا بناتا ہوں پھر ساتھ مِل کے کرتے ہیں۔" اُس تفکر پر وہ کُھلے دِل سے مُسکرا دی جبکہ مُدثر مُٹھیاں بھینچ کر میزابِ رحمت کے کِھل اُٹھتے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

"واہ! تو یعنی جان نِثار صاحب میرے لیئے کھانا بنائیں گے، ہاں!" ساری کثافت، دل گرفتگی اُس شخص کی موجودگی سے بھک سے اُڑ گئی۔

"Your wish is my command, my Lord!"

سینے پہ ہاتھ رکھ کر جُھکتے ہوئے اُس نے جِس محبوبیت سے کہا میزاب کا دِل پوری قوت سے سُکڑ کر پھیلا۔ مُدثر کی سُرخ ہوتی آنکھوں میں نفرت کی چنگاریاں دھکنے لگی تھیں۔ یہ منظر وہ خواب میں بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اِس منحوس، کمینے باڈی گارڈ کی جگہ اُسے ہونا تھا۔

"زیبی!" وہ جو کچھ کہنے والی تھی، پُکار پر چونک کر سائیڈ پہ چہرہ کیا اور مُدثر کی آنکھوں میں اِتنی نفرت انگیز شرر دیکھ کر بے اِختیار چند قدم پیچھے ہوئی۔ ناگواری سے مُدثر کو دیکھتے عباس سے میزاب کے بے اِختیار پیچھے ہٹتے قدم پوشیدہ نہیں رہے تھے۔

"مُدثر! تم یہاں۔۔۔" اُسکے سُرخ پڑتے چہرے اور آنکھوں سے پھُوٹتی نفرت کا مرکز عباس کو جان کر اُسکے ہونٹوں سے بامُشکل نکلا۔

"نانا جان نے کہا ہے تمہیں لے کر آؤں۔ کچھ ضروری بات کرنی ہے۔ صُبح کہا بھی تھا تم سے۔" مُدثر نے اطلاع دیتے ہوئے آخر میں جِس طرح طنزیہ یاددہانی کروائی، عباس نے سخت نظروں سے اُسے دیکھا۔

"یہاں تو ہمارے پُرانے سیکورٹی چیف بھی موجود ہیں۔" خُون جماتی نظروں پر اُسے اپنے تاثرات چُھپانے پڑے۔

"تم چلو، میں آتی ہوں۔" اُس نے ہر ممکن اپنا لہجہ ہموار رکھا۔

"نہیں، تم میرے ساتھ چلو۔" مُدثر کے سنجیدہ لہجے پر میزاب نے اُسکو دیکھا جو کینہ توز نظروں سے عباس کو دیکھ رہا۔

"آپ کو جانا ہے؟" عباس کے سوال پر میزاب نے اُسے دیکھا اور پھر اثبات میں سَر ہلایا۔

"تو پھر میرے ساتھ چلیں۔ ٹھہرنا تو ہے نہیں وہاں آپ نے۔" عباس کی بات میں وزن تھا۔ میزاب نے کچھ سوچا، ذہن میں جمع تفریق چلی اور پھر۔۔۔

"مُدثر! میں جان نِثار کے ساتھ آتی ہوں۔ تم خیریت سے جاؤ۔" اَب کے میزاب کے انداز میں اِیسا تحکم تھا کہ وہ چاہ کر بھی دوبارہ اُسے ساتھ چلنے کو نہیں کہہ سکتا تھا۔ مُدثر تیز قدموں سے آفس کے دروازے سے باہر نِکل گیا۔

"چلیں!" اُسے کسی گہری سوچ میں جاتے دیکھ کر عباس کو اُسے پُکارنا پڑا۔ سَر جھٹک کر میزاب خود کے لیئے کھولے گئے دروازے سے باہر نِکل آئی۔ اُسکا ذہن کچھ سوچ رہا تھا۔ یقیناً ہاشم بزنجو نے اُس سے عباس اور اُسکے خاندان کی بابت بات کرنی تھی۔ میزاب کو یاد تھا مگر وہ فلحال اُن سے اِس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔ جو کچھ سماعتوں نے سُنا تھا اُسے ہضم کر لینے کے لیئے کافی وقت درکار تھا مگر یوں ہے تو یونہی سہی۔

"تم اندر آؤ گے؟" گاڑی گھر کے باہر رُکتے ہی میزاب نے اپنے سارے خیالات پسِ پُشت ڈال کر اُس سے پوچھا۔

"آپ چاہتی ہیں میں اندر آؤں؟" سوال کے بدل سوال آنے پر میزاب نے بے ساختہ اثبات میں سَر ہلایا۔

"کیوں خود کو بیوہ کروانے پر تُلی ہوئی ہیں؟" اُس بے چین چہرے کو دیکھ کر اُس نے جِس طرح ہنس کر کہا میزاب کے چہرے کے سارے رنگ ماند ہو گئے۔

"بدتمیز! بیٹھے رہو یہیں۔" ڈپٹ کر کہتے ہوئے اُس نے باہر نِکل کر پوری قوت سے گاڑی کا دروازہ مار کر عباس کے کان کے پردے پھاڑ دیئے۔ حیرانگی سے کان سہلا کر وہ اُسے دیکھنے لگا جو اندر کی جانب بڑھ گئی تھی۔

" اسلام علیکم!" سٹڈی کا دروازہ کھٹکا اور پھر دروازہ کھول کر اندر آتی میزاب کو دیکھ کر ہاشم بزنجو نے کتاب اور عینک سائیڈ پہ رکھتے ہوئے مُسکرا کر اُسے دیکھا۔

"وعلیکم اسلام! مُدثر کے ساتھ آئی ہوں؟" اُنہوں نے مُسکرا کر اُسکو اپنے برابر صوفے پر آبیٹھنے کا اِشارہ کیا۔

"نہیں! جان نِثار کے ساتھ۔" اُسکے یوں کہے جانے پر ہاشم بزنجو کے چہرے کی مُسکراہٹ سِمٹی۔

"وہ فریب کار یہاں کیا کر رہا ہے؟" اُنکی سنجیدگی پر میزاب اُنکے برابر کے بجائے عین سامنے والے صوفے پر آ بیٹھی۔

"مُجھے واپس لے کر جائے گا تو اِسی لیئے اُسی فریب کار کے ساتھ آئی ہوں جِس کے ساتھ میرا نِکاح کروایا گیا ہے۔" میزاب کا لہجہ اُن سے بھی زیادہ سنجیدہ تھا۔

"تمہیں اُس پر تکیہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اُن سب کو جوتے کی نوک پر رکھو کیونکہ تمہارا نِکاح اُس خبیث سے کروانے کا میرا یہی مقصد تھا کہ تم اُن سے اُس فریب کا بدلہ لو جو اُن لوگوں نے ہمیں دیا ہے۔" ہاشم بزنجو نے دوٹوک کہتے ہوئے میزاب کو مُسکرانے پر مجبور کر دیا۔

"اَب آپ زیادتی کر رہے ہیں جان نِثار کے بارے میں اِیسے الفاظ کا اِستعمال کر کے۔" اُسکے برجستہ ٹوکنے پر ہاشم بزنجو کو اندر تک جھٹکا لگا۔

"میں نے اُسے اندر آنے کو بھی کہا مگر اُس نے صاف اِنکار کر دیا۔ ظاہر ہے! یہاں آپکے اِیسے خیالات ہیں، وہاں اُسکے آپکے بارے میں بھی اِیسے ہی۔۔۔ اور بیچ میں مُجھے رگڑا لگ رہا ہے۔" میزاب نے اپنا لہجہ ہر ممکن ہموار رکھ کر ہاشم بزنجو کے کان کھڑے کر دیئے۔

"تم نے اُسے اندر آنے کو کہا اور اُس نے اِنکار کر دیا؟" اُنہیں جیسے یقین نہیں آیا تھا۔

"وہ تو مُجھے بھی منع کر رہا تھا یہاں آنے سے۔" انداز میں اِتنی سوگواری تھی کہ ہاشم بزنجو کو کسی گڑبڑ کا شدت سے اِحساس ہوا۔

"کیا مطلب؟ وہ تمہیں۔۔۔ پسند نہیں کرتا؟ اُسے تو تم پر قربان ہو جانا چاہیئے۔" اُنکی بے ربط، حیرت پر میزاب کا دِل صِرف لمحے بھر کو لرزا مگر اُنکی ذہن سازی بہت ضروری تھی۔

"اَب دُشمنوں کی بیٹی پر تو قربان نہیں ہوا جا سکتا نہ، دادا۔ اُس کے سامنے اِیسا مت کہنا، ہنسے گا مُجھ پر۔" میزاب کی بات پر ہاشم بزنجو کو کسی سوچ میں ڈال دیا۔

"تم تو اُس کو راضی کر کے رکھو۔ عورتوں کو تو سو گُن آتے ہیں شوہر کو مُٹھی میں کرنے کے۔" اُنکی اگلی بات پر میزاب نے تفصیل سے اُنکے بے چین تاثرات دیکھے یعنی اُس نے سہی جگہ ضرب لگائی تھی۔

"میں اِیسا کر بھی لیتی اگر میں دُشمن خاندان سے نہ ہوتی۔" اُس نے مایوسی سے کہہ کر ہاشم بزنجو کو چند پل سوچتے رہنے پر مجبور کر دیا۔

"کل میں یہاں گھر پر دعوت رکھ رہا ہوں تو تم اُس لڑکے کے ساتھ لازمی موجود ہونا۔" اُنکی ہدایت پر میزاب ٹیک چھوڑ کر سیدھی ہوئی۔

"جان نِثار نہیں آئے گا۔" اُس نے واضح اُنکی پلاننگ پر پانی پھیرنا چاہا۔

"تم لے کر آنے کی ہر ممکن کوشش کرو۔ میں مہمانوں کو تم دونوں کے بارے میں بتا چُکا ہوں۔" اُنکے اگلے تحکم پر میزاب نے سنجیدگی سے اُنکو دیکھا۔

"آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ میں کسی غلط کام، سازش یا فریب کا حصّہ ہرگز نہیں بنوں گی۔" اُسے یہ بات ہر بار کی طرح پھر سے باور کروانی پڑی جبکہ ہاشم بزنجو کو سنبھل کر مُسکرانا پڑا۔ وہ جانتے تھے کہ میزاب کو کبھی بھی غلط مقصد کے لیئے نہیں گھیرا جاسکتا۔

"میں جانتا ہوں! تم فکر نہ کرو میں سب سنبھال لوں گا۔ تم تو میرا فخر ہو۔ تمہاری وجہ سے ہی تو میں سَر اُٹھا کر چلتا ہوں تو اِیسا کیسے ہو سکتا ہے تمہیں کھائی میں دھکا دے دوں۔" اُنکے لہجے کی حلاوت نے میزاب رحمت کو ہر بار کی طرح مطمئن نہیں کیا بلکہ وجود پر پہلے سے طاری کثافت میں مزید اضافہ کر دیا۔ اُس نے کیسے دِن رات کا فرق بُھلائے اِس خاندان کے لیئے سب کیا تھا اور بدلے میں اُسے کیا مِل رہا تھا۔۔۔ جُھوٹ، فریب، دھوکہ دہی اور مکاری! کیا خلوص اور وفاداری کا یہ صلہ مِلتا ہے؟

"ٹھیک ہے! جیسے آپ کہیں۔" نرمی سے کہہ کر وہ بیگ اُٹھاتے ہوئے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ مزید اِس گھٹن میں وہ نہیں بیٹھ سکتی تھی۔

"اُس لڑکے کو واپس بھیجو اور یہیں رُک جاؤ۔" میزاب اُنکے اگلے تحکم پر ایک پَل کو ٹھہری۔

"آپ نے ہی تو کہا ہے کل کی دعوت میں جان نِثار کو لے کر آنا ہے تو اُسکو قائل کرنے کے لیئے جانا ضروری ہے۔" نرمی سے اُنکے چہرے کے تاثرات کو اعتدال میں آتے دیکھ کر وہ تیز قدموں سے باہر نِکلی۔ باہر نکلتے ہی اُسکے چہرے

کی مُسکراہٹ نے سِمٹنے میں لمحہ نہیں لگایا۔ تیز قدموں سے لکڑی کا آبنوسی دروازہ کھول کر وہ باہر آئی۔ سامنے ہی درخت کے پاس سیاہ گاڑی کھڑی تھی اور عباس جان نِثار گاڑی کے بونٹ سے ٹیک لگا کر کھڑا اُسی جانب نگاہیں ٹکائے ہوئے تھا۔ میزاب کے قدم اُسے متوجہ دیکھ کر تھمے، ذہن میں پھر سے ہاشم بزنجو کی باتیں گردش کرنے لگیں توچہرے کو بامُشکل نارمل رکھ کر وہ اُس تک آئی۔

"سب۔۔۔ ٹھیک ہے؟" اُسکے سوال کو نظر انداز کر کے میزاب گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔ عباس نے ناسمجھی سے پلٹ کر اُسے دیکھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے والا ہنستا مُسکراتا چہرہ کہیں نہیں تھا۔ عباس کو ٹیک چھوڑ کر ڈرائیونگ سیٹ تک آنا پڑا۔ گاڑی سٹارٹ ہو کر آگے بڑھی۔ گاڑی چلاتا عباس گاہے بگاہے اُس پر بھی نگاہ ڈالتا جو ونڈوسکرین سے بھاگتی دوڑتی دُنیا کو دیکھتے ہوئے نہ جانے کِس سوچ میں مگن تھی۔ گھر تک کا راستہ مکمل خاموشی میں طے کیا گیا۔

کمرے میں بیٹھ کر وہ اگلا لائحہ عمل سوچنے میں اِتنی محو تھی کہ ایک بارپھر اُسے عباس کے آنے کی خبر نہیں ہو سکی۔ عباس نے بغور اُسکو دیکھا جو سیل فون ہاتھ میں تھامے، کھڑکی سے باہر اُترتے اندھیرے کو دیکھتے ہوئے نہ جانے کیا سوچ رہی تھی۔

"کھانا کھالیں۔" عباس کے پُکارنے پر اُس نے چونکے بِنا چہرہ پھیر کے اُسے دیکھا اور پھر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"شُجاع نے کھالیا؟" وہی ہمیشہ کی طرح اپنے علاوہ ہر ایک ہی خبر گیری رکھنا۔

"اُسکے ایگزامز ہیں تو کھا کر جلدی سو گیا تھا۔" وہ اُسے پہلے بھی بتا چُکا تھا مگر جتائے بغیر پھر سے بتایا۔ میزاب سَر ہلا کر اُسکے پاس سے گُزر کر کمرے سے نِکل گئی۔ عباس چند پَل وہیں کھڑا کچھ سوچتا رہا اور پھر آر یا پار والے اِرادے سے اُسکے پیچھے آیا۔ کچن کاونٹر کے ساتھ رکھی کرسی پیچھے کر کے میزاب کو بیٹھنے میں مدد دے کر وہ واپس کاؤنٹر کی جانب گیا۔ اُسکو نفاست سے کھانا پلیٹوں میں ڈالتے دیکھ کر میزاب کو مُسکراہٹ نے چھُو لیا۔ اُسکے ہر کام میں صفائی ہوتی تھی۔ سیاہ یونیفارم اَب چینج ہو چُکا تھا۔ سفید رنگ کی گول گلے اور ہاف بازو والی پولو شرٹ کے ساتھ، سیاہ ٹراؤزر پہنے میزاب پہلی بار اُسکو اِتنے بے پرواہ حُلیے میں دیکھ رہی تھی ورنہ وہ ہمیشہ ٹِپ ٹاپ میں نظر آتا تھا یہاں تک کہ بلوچستان میں بھی وہ اچھا خاصا اہتمام رکھتا تھا۔ بے شک سادہ قمیض شلوار مگر اُسکو خود کو اچھے سے رکھنے کا ہنر آتا تھا۔

"تمہاری جاب کا دِن کیسا گُزرا؟" وہ جو پانی کا گلاس اُسکے سامنے رکھ کر عین سامنے بیٹھ گیا تھا، چونک کے اُسے دیکھنے لگا۔

"یعنی کافی عرصے بعد واپس آن ڈیوٹی گئے ہو تو کیسا رہا سب؟" اُن ٹھہر جاتی نظروں پر اُسے اپنے سوال کی وضاحت کرنی پڑی اور یوں کرتے ہوئے وہ عباس جان نِثار کے دِل کے تار چھیڑ گئی۔

"نہیں بتانا چاہ رہے تو مت بتاؤ۔" اُسکی خاموشی اور اندر تک اُتر کے راز پا لینے کا اِرادہ رکھتی نگاہ پر میزاب نے پانی کا گلاس اُٹھا کر بے نیازی سے کہتے ہوئے عباس کو مُسکراہٹ سے نواز دیا۔

"آپ کا پوچھنا مُجھے اچھا لگا ہے۔" اُسکی مُسکراتی آواز پر پانی پی کر گلاس رکھتی میزاب نے اُسے دیکھا جو اُسی مُسکراتے چہرے کے ساتھ اُسکے سامنے رکھی پلیٹوں سے کھانا چکھ رہا تھا۔

"ہمم! بہت مزے کا ہے۔ بسم اللہ کریں۔" ایک نوالہ مزید ہر چیز سے لے کر اُس نے میزاب کو کھانے کا عندیا دے کر اُسکے دِل کو عجیب سے احساسات کے سُپرد کر دیا۔

"ڈیوٹی اچھی رہی۔ بس کچھ پُرانے کیسز حل کرنے والے ہیں اُسی پر کام شروع کر دیا ہے۔" میزاب کے دِل پر اُترتی کیفیت سے بے خبر وہ اَب اُسے اپنی ڈیوٹی کے بارے میں بتا کر مزید نئے کیس کے بارے میں بھی بتانے لگا تھا۔ میزاب یونہی خالی نظروں سے اُس صحت مند، پیارے چہرے کو دیکھتی رہی۔ کانوں میں ہاشم بزنجو کی آواز نے گونجتے ہوئے مزید کچھ بتاتے عباس کی آواز کو مَاند کر دیا۔

"اُسے تو تم پر قربان ہو جانا چاہیئے۔" تب بھی اُسکی دَھڑکن تھمی تھی۔

"بس آپ کی فکر ہو رہی تھی اِسی لیئے آپکو لینے آ گیا تھا۔" وہ اپنی روٹین بتا کر بات سمیٹ رہا تھا اور میزابِ رحمت کی اُس متفکر جملے پر پِھر سے دَھڑکن تھم گئی۔

"میری فکر کیوں؟" خاموشی پر سوال ہوا تو عباس کو چہرہ اُٹھا کر اُسے دیکھنا پڑا۔

"معلوم تھا آپ پِھر سے خُود کو بُھلا کر کام میں مصروف ہوں گی۔ دوسروں کے لیئے اپنی پرواہ کب کرتی ہیں آپ۔" اُس نرم لہجے پر میزاب نے گہرا سانس لیا۔

"اَب اِیسا بھی نہیں ہے۔ ساری محنت میں اپنی مرضی اور خُوشی سے کرتی ہوں۔ وہ سب جو میرے بابا کرنا چاہتے تھے مگر کر نہیں سکے تھے وہ مُجھے ہی کرنا ہے۔" آخر میں جو عَظم، جو سنجیدہ سُوگوری تھی اُسے محسوس کر کے عباس اُسے دیکھتے رہنے پر مجبور ہو گیا۔

"ہاں مگر اپنا بھی خیال رکھا کریں۔ وقت کو دھیان میں رکھ کر کام کرنا چاہیئے۔ میں نہ آتا تو میں یقین سے کہہ سکتا ہوں آپ کھائے پیئے بغیر کام میں مصروف رہتیں۔" اُسکے یقین سے کہے جانے پر میزاب بے ساختہ مُسکرا دی۔ وہ بالکل سچ کہہ رہا تھا۔ میزاب اِیسا ہی کرتی۔

"آپ کے چہرے پر صاف لکھا ہے آپ اِیسا ہی کرتیں۔" عباس نے جیسے اُسکی سوچ پڑھ لی تھی۔ ٹھٹک کر میزاب نے اُسے دیکھا اور بے ساختہ ہنس دی۔

"کِس عامِل بابا کے چکر لگا رہے ہو؟" مغلوب کرتی کیفیت کو جھٹکنے کے لیئے اِنتہائی پُر مزاح سوال کیا گیا اور عباس جو اُس تھکن زدہ ہنسی کو دیکھ رہا تھا، مُسکرا دیا۔

"اُسکے تو ہرگز نہیں جو محبوب قدموں میں لے آئے۔" اُس نے یونہی مزاق میں بات اُڑا کر کھانے کی جانب اِشارہ کیا۔

"تو پھر کِس کے؟" کھانا شروع کرتے ہوئے یونہی بات بڑھائی گئی۔

"وہی جو محبوب پر سب قربان کرنے پر اُکساتا ہے۔" اُس جواب میں کچھ اِیسا تھا کہ روٹی کا نوالہ توڑتا ہاتھ تھما۔ سُرمئی آنکھوں کا اپنی جانب ہی مائل سُنہری آنکھوں سے ٹکراؤ ہوا۔

"فوراً سے پہلے اِیسے عامِل کو فارغ کرو۔" نگاہوں کا زاویہ بدل کے نوالہ مُنہ میں ڈالتے ہوئے اُس نے سادگی سے کہا جبکہ عباس اُس چہرے سے نگاہ نہیں ہٹا سکا۔

"کِس لیئے؟ مُجھے تو اچھا عامِل لگ رہا ہے اور اُسکے مشورے پر عمل کرنے میں کوئی مضائقہ بھی نہیں۔" سوال بڑی معنی خیز بات کے ساتھ آیا۔

"سب کچھ قربان کر دیا تو تمہارے پاس کیا رہے گا؟" اُس نے گویا ناک سے مکھی اُڑائی۔ عباس اُسکی بے نیازی پر دِل سے مُسکرا دیا۔

"آپ جو دو جمع دو چار کرنا جانتی ہیں، نفع نقصان کو دھیان میں رکھتی ہیں، کیسے جانیں گی کہ یہی تو اصل کامیابی ہے۔" عباس کی بات میں کچھ اِیسا تھا کہ میزاب نے چونک کر اُسے دیکھا مگر وہ میزاب کو دیکھنے کے بجائے کھانے سے بھرپور اِنصاف کر رہا تھا۔

"یہ سب کتابی باتیں ہیں اور کتابوں میں ہی اچھی لگتی ہیں۔" میزاب کا انداز سمجھاتا ہوا تھا۔

"کہانہ آپ نہیں سمجھ سکتی یہ باتیں۔" اُسکی سنجیدگی پر عباس نے سَر جھٹکا۔

"تمہیں بھی یہ باتیں سمجھنے کی ضرورت نہیں۔" دوٹوک جِس طرح تلخی سے اُسے جَھڑکا، عباس نے تحیر سے اُسکے چہرے کو دیکھا۔ وہ کہنا کیا چاہ رہی تھی؟ عباس کوئی چھوٹا، نہ سمجھ بچہ نہیں تھا۔

"آپ کہتی ہیں تو نہیں سمجھتے۔" میزابِ رحمت کو مطمئن ہو جانا چاہیئے تھا مگر اُس قربان ہو جاتے انداز نے اُسکو اندر تک ششدر کر دیا۔ لرزتی آنکھوں سے وہ عباس کے پُر سکون چہرے کو بے یقینی سے دیکھتی رہی۔

"دادا نے کل تمہیں اور مجھے دعوت پر بُلایا ہے۔" اُسکو دیکھتے دیکھتے میزاب نے آہستگی سے کہا۔ چہرے کے مطمئن تاثرات میں تغیر رونما ہوا۔ چمکتی آنکھوں کی چمک معدوم ہوتے دیکھنا آسان نہیں تھا تبھی اطلاع دے کر وہ اپنا کھانا اُسی جانفشانی سے کھاتی رہی۔

"کِس لیئے؟" کھانے سے ہاتھ روک لیئے گئے۔ سارا مُنہ کا ذائقہ کڑوا ہو چُکا تھا۔

"خود ہی اندازہ لگالو۔" میزاب کا کوئی لگی لپٹی رکھنے کا کوئی اِرادہ نہیں تھا۔

"گدھے کو باپ بنانے کا اِرادہ ہے؟" نہ چاہتے ہوئے بھی عباس کا سوال میزاب کو طنزیہ لگا۔

"تم گدھے ہو؟"

"نہیں!" فوراً سوال رَد کیا۔

"تو پھر؟ "

"گدھا ہوتا تب بھی آپکے دادا کا باپ نہ بنتا۔" ناگواری اور اِرادے واضح تھے۔

"بس پھر کل چلنے میں کوئی مسئلہ نہیں ہونا چاہیئے۔" بات حتمی کر کے وہ جیسے ہی اُٹھ کھڑی ہوئی، عباس نے چہرہ اُٹھا کے اُسے دیکھا جو دوسری جانب سے گھوم کر عباس کی سمت آ رہی تھی۔

"اور ابھی کے اپنے الفاظ یاد رکھنا۔ تم گدھے نہیں ہو۔" اُٹھا رکھے چہرہ والا عباس جان نِثار لرز اُٹھتے، سُکڑ کر پھیلتے دِل سے اپنی جانب مائل چہرے کو دیکھنے لگا مگر اُس یاد دہانی کرواتے لہجے میں کچھ اِیسا تھا کہ زیادہ دیر تک نہیں دیکھ سکا۔

"یاد رکھوں گا!" اُسکے بغیر سوال اُٹھائے با آسانی مان جانے پر سُرمئی آنکھیں پھیلیں اور پھر وہ تیزی سے پلٹ کر کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ جو ہو گا کل شام دیکھا جائے گا۔ وہ عباس کو کل راستے میں سمجھا دے گی مگر ابھی اُس سے بات نہیں کی جا سکتی تھی۔ وہ اِنسان ساحر تھا۔ اُسکا ہر لفظ جکڑ کر مُبتلا کر دینے والا تھا اور میزابِ رحمت اِن حالات میں اپنے ساتھ اُسکو بھی مشکل میں نہیں ڈال سکتی تھی۔ اُسے اپنے خاندان والوں سے کسی بھلائی اور اچھائی کی اُمید باقی نہیں رہی تھی۔ اگر اُنہیں میزاب کو لے کر عباس کے نرم رویئے کی بَھنک بھی پڑ گئی تو سَنجرانی خاندان کا شیرازہ ایک بار پھر بکھر سکتا تھا اور میزاب اِیسا کسی صورت نہیں ہونے دے سکتی تھی۔

✓ جہاں پر نارسائی ہی رِیاضت کا صِلہ ٹھہرے

ہمیں دِل نے سِکھار کھا ہے اِک کارِ زیاں وہ بھی۔۔۔

(مجید اختر)

"**چار بجے آفس آنا۔ ہم نے ساتھ جانا ہے قصرِ بزنجو۔**" وہ ڈیوٹی پر تھا جب اُسے میزاب کا میسج ریسیو ہوا قبل اِسکے جواب میں کچھ لکھتا، جواد کی کال آنے لگی۔

" کہو! کیا بنا؟" اُسکی سنجیدہ آواز پر جواد نے گہرا سانس لیا۔

"تمہارا شک دُرست تھا۔" دوسری جانب کا سُن کے اُسکے چہرے پر سَرد مہری گُھلنے لگی۔

"کُتے کی دُم ٹیڑھی ہی رہتی ہے۔" اُسکے سَرد لہجے کی کاٹ کو دوسری جانب جواد سمجھ سکتا تھا۔

"اَب کیا کرنا ہے؟" جواد کو پہلے یہ سوال نہیں کرنا پڑتا تھا، اَب کرنا ضروری تھا۔

"وہی جو کرتے آرہے ہیں۔" اُسکا انداز البتہ پُرانا ہی تھا۔

"اَب اُس گھر کی بیٹی تمہارے نِکاح میں ہے۔" جواد کی یاددہانی پر اُس نے سَر پر پہن رکھی ترچھی سُرخ کیپ اُتار کر ٹیبل پر رکھی اور بال اِضطراری انداز میں پیچھے کیئے۔

"وہ سب رحمت کے ساتھ مُخلص نہیں ہیں، جواد۔" عباس جان نِثار جب بولا تو آواز بے حد بھاری تھی۔ اُسکے لہجے اور چہرے کا اِضطراب مزید پوشیدہ نہیں رہ سکا۔

"تو اُنکو بتا کیوں نہیں دیتا کہ اُن پر قاتلانہ حملہ کاشف بزنجو نے کروانا چاہا تھا۔" جواد کی بات آسان تھی، یہ بات میزابِ رحمت کو کہنا آسان نہیں تھا۔

"وہ میرا یقین نہیں کریں گی۔" اُسکی مایوسی پر جواد کو تاسف گھیرنے لگا۔ اُسے عباس کے دِل کی کیفیت کی خبر تھی۔

"کوشش کر کے دیکھو۔ کیا معلوم بات سمجھ لیں تمہاری۔" جواد نے اُسکو مایوسی سے بچانا چاہا۔

"وہ مُجھ سے مزید دُور ہو جائیں گی جواد۔ میں یہ نہیں چاہتا۔" آہستگی سے کہہ کر اُس نے کال مُنقطع کی۔ ٹیبل سے گاڑی کی چابیاں اور سُرخ کیپ اُٹھا کر تیز قدموں سے آفس سے باہر نِکل کر پارکنگ لاٹ میں آیا۔ کچھ دیر بعد اُس کی گاڑی اسپیشل پولیس فورس کی عمارت سے نِکل کر مین شاہراہ پر دوڑ رہی تھی۔ گاڑی بھگاتے شخص کا سنجیدہ چہرہ گہری سوچ کی غمازی کر رہا تھا۔ جِس وقت اُس نے آفس فلور میں قدم رکھا سارے کام کرتے ورکرز چہرہ اُٹھا کر اُسے حیرت سے دیکھنے لگا۔ اُنہیں تو لگا تھا سیکورٹی چیف جاب چھوڑ چکے ہیں تو پھر یہاں کیا کر رہے تھے؟

"اسلام علیکم، سَر!" ایچ۔ آر آفس سے نِکلتی کائنات تیزی سے اُس تک آئی۔ عباس ٹھہر کر پلٹا۔

"وعلیکم اسلام! رحمت کہاں ہیں؟" اُسکے یوں نام لینے پر سب نے ایک دوسرے کو نا سمجھی سے دیکھا۔ وہ آج تک بہت عزت سے اُنکی میڈم کو باس کہتا آیا تھا تو ایک دَم اِتنی بے تکلفی سے نام لینا عجیب تھا اُوپر سے اُسکا سیاہ یونیفارم لوگوں کو یہ بتانے کو کافی تھا کہ عباس جان نِثار اسپیشل پولیس میں ہے تو باڈی گارڈ اور سیکورٹی چیف والا کیا معاملہ تھا؟

"میم ابھی میٹنگ سے واپس آئی ہیں۔ آپ کا ہی ویٹ کر رہی تھیں۔" کائنات کی اطلاع پر عباس نے سَر ہلایا اور پھر تیزی سے میزابِ رحمت کے آفس کی جانب بڑھ گیا اور پیچھے سے سب نے کائنات کو گھیر لیا۔

"چیف تو جاب چھوڑ نہیں چکے؟" کل رات کوئی آفس میں تھا نہیں جس نے عباس کو دیکھا ہوتا اِسی لیئے سب ابھی کی اُسکی آمد پر حیران تھے۔

"چھوڑ چکے ہیں۔" کائنات نے آہستگی سے کہا۔

"تو پھر وہ میم کو لینے کیوں آئے ہیں؟" ایک اور سوال آیا۔

"کیونکہ میم سَر عباس کی وائف ہیں۔" کائنات کا اِنکشاف نہیں، دھماکہ تھا۔ سب نے ششدر ہو کر ایک دوسرے کو دیکھا اور تبھی اُس آفس کا دروازہ کُھلا جسکے باہر **'سی-ای-او میزابِ رحمت'** کی تختی لگی تھی۔ میزابِ رحمت کے برابر چلتے عباس جان نِثار کو دیکھ کر سب کے درمیان حیران، معنی خیز نظروں کا تبادلہ ہوا۔

"اسلام علیکم، میم!" سب کے ہمیشہ کی طرح بیک وقت سلام کرنے پر میزاب سَر کو خم دے کر **'وعلیکم اسلام'** کہتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔ سب نے چہرہ پھیر کر عباس جان نِثار کو دیکھا جو ہمیشہ کی طرح جُھک کر لفٹ کا بٹن دبا رہا تھا۔ لفٹ کھلی اور وہ دونوں اُن کچھ مُسکراتے، کچھ حیران چہروں کی نگاہوں سے اوجھل ہوگئے۔ اُنہیں سیدھا گھر جانا تھا اور وہیں سے قصرِ بزنجو۔

"آپ کو کوئی بات کرنی ہے؟" خاموش بیٹھی میزاب پر ایک نگاہ ڈال کر عباس نے سوال پوچھتے ہوئے میزاب کو چونکا دیا۔

"ن۔۔۔ نہیں!" اُسکی ہکلاہٹ پر عباس نے کچھ تحیر سے اُسے دیکھا مگر مزید کُریدنا مُناسب نہیں سمجھا۔ وہ خود بھی تو اُسے کچھ بتانے اور نہ بتانے کی کشش و پنج میں مُبتلا تھا۔ گھر آتے ہی میزاب اِدھر اُدھر دیکھے بغیر سیدھا کمرے میں گئی۔ اُسے ہاشم بزنجو کی جلد سے جلد آنے کی کالز آرہی تھیں۔ الماری میں استری شُدہ سفید رنگ کا نفیس کڑھائی والا

فراک نکال کر اُس نے ایک پَل کو تنقیدی نظروں سے دیکھا اور پھر تیز قدموں سے ڈریسنگ روم میں چلی گئی۔ اُسکی واپسی دس منٹ بعد ٹخنوں تک آتے گھیر دار لباس میں ہوئی۔ سفید ریشمی حجاب سَر پر اچھی طرح اُوڑھ کر وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آئی اور اپنا بریف کیس نکال کر ہم رنگ جیولری مُنتخب کرنے لگی۔ اُسے اچھا سا تیار ہو کر جانا تھا۔ کچھ تھا جو اُسے خاندان کے ہر فرد پر ظاہر کرنا بہت ضروری تھا۔ لائنر، مسکارا، پِنک بَلش اور نیچرل پینک لیپ گلوز لگا کر اُس نے آئینے میں نظر آتے اپنے عکس کو دیکھا۔ جِس وقت دروازہ کھول کر عباس اندر داخل ہو وہ جیولری نکال کر دیکھ رہی تھی۔

"تمہارے کپڑے میں نے ڈریسنگ روم میں رکھے ہیں۔ جلدی سے تیار ہو جاؤ۔" اُسکو دیکھے بغیر کہہ کر اُس نے انگوٹھی اور گھڑی نکال کر ہاتھ میں پہنی اور پھر کانوں میں بالیاں پہننے لگی۔

"میں پہنا دوں؟" عقب سے پوچھے جانے والے سوال پر میزاب چونک کر پلٹی اور عباس جان نِثار سانس نہیں لے سکا۔ وہ آج دوسری بار میزاب رحمت کو اِتنی نفاست اور خوبصورتی سے تیار دیکھ رہا تھا اور دوسری بار بھی سِحر زدہ رہ گیا۔ کیا محبوب کو دیکھ کر ہر ایک کے یونہی اوسان خطا ہو جاتے ہیں یا یہ صِرف عباس کے ساتھ ہوتا تھا؟ پلکیں جھپکانے کا عمل آنکھ بُھول کر تحیر زدہ اُن نقوش کو دیکھ رہی تھی جنہوں نے دِل کی موجودگی کا اِحساس دِلایا تھا، جنہوں نے عباس جان نِثار کو مُحبت نامی جذبے سے بڑی خُوش اسلوبی سے متعارف کروایا تھا۔

"میں پہن لوں گی۔" اُن نظروں کے ٹھہر جاتے اِرتکاز پر وہ اُڑے حواس سے واپس چہرہ پھیر کر ہلال کی شِکل کی موتیوں والے نازک سے ائیر رنگز پہننے لگی۔ عباس اُسکے عقب میں کھڑے ہو کر اُس جانفشانی سے اُسے دیکھتا رہا جو گھبراہٹ میں کبھی ایک چیز اُٹھاتی تو کبھی دوسری۔ اُسکی گھبراہٹ سے بے نیاز عباس کی نگاہ اُسکے چہرے اور گلے میں جگمگاتے ہلال کی شکل کے پینڈنٹ تک جا کر ٹھہر جاتی تھیں۔

"تیار نہیں ہونا؟" میزاب کے سوال پر بغیر چونکے اثبات میں سر ہلا کر وہ ایک آخری مکمل نظر اُس پر ڈال کے تیز قدموں سے ڈریسنگ روم میں چلا گیا۔

"یہ تو کسی کو بھی غلط فہمی میں مبتلا کر سکتا ہے۔" سفید ستاروں والی سینڈلز پہنتے ہوئے وہ فکر مندی سے سوچ رہی تھی۔ کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔ کم رنگ کلچ میں سیل فون اور کچھ اور ضروری چیزیں ڈال کر وہ جس وقت کمرے سے باہر نِکلی، اُسی وقت باہر سے شُجاع اندر آیا۔

"اسلام علیکم، بھابھی!" بیگ صوفے پر پھینک کے وہ جس طرح بے دم ہو کر صوفے پہ گرا، میزاب اِتنی پریشانی کے باوجود مُسکرا دی۔

"وعلیکم اسلام! پیپر کیسا ہوا تمہارا؟" پوچھ کر پانی کا گلاس بھر کے اُسکی جانب بڑھایا جسکو شُجاع نے شکریہ کے ساتھ تھام لیا۔

"بہت زبردست لیکن یہ آپ کیوں اِتنا تیار ہیں؟ عباس بھائی پر کچھ تو رحم کریں۔" اُسکے شرارتی انداز پر میزاب بے ساختہ ہنس دی۔ اِنہی باتوں کی وجہ سے اُسکی شُجاع سے بہت بنتی تھی۔ وہ اچھے خاصے پریشان بندے کا موڈ فریش کر دیتا تھا۔ کمرے سے باہر نکلتے عباس کو لگا وہ ایک قدم مزید آگے نہیں بڑھ سکے گا۔

"دعوت پہ جا رہے ہیں ہم۔ کھانا میں نے بنا کر رکھا ہے۔ تم فریش ہو لو میں گرم کرتی ہوں۔" اُسکو کچن میں جاتے دیکھ کر شُجاع تیزی سے سیدھا ہوا۔

"ارے یار بھابھی! میں خُود گرم کر لوں گا۔ کیوں ہماری عادتیں خراب کرتی ہیں۔ آپ لوگ دعوت پہ جائیں۔" شُجاع کے کہنے پر میزاب نے خفگی سے اُسے گُھور کر دیکھا۔

"فضول بات نہیں۔ پھر ہم نکلتے ہیں۔ دیر سویر ہو سکتی ہے۔" اُسکی تسلی پر شُجاع مُسکرا دیا۔

"بے فکر ہو کر جائیں! آپ کے شوہر نے کئی دِن نہ آ کر میری پریکٹس کروائی ہوئی ہے۔" اُسکی مُسکراتی بات پر میزاب نے سمجھ کر اثبات میں سَر ہلایا۔

"پھر ٹھیک ہے۔ میں خوامخواہ تمہاری فکر کر رہی تھی۔" مُسکرا کر کہتے ہوئے اُس نے عباس کو آتے دیکھا۔

"پیپر کی تیاری کرنی ہے مگر وقت پر سونا۔" میزاب کی تنبیہہ پر شُجاع اثبات میں سَر ہلا کر اُن دونوں کے پیچھے دروازہ بند کرنے کے لیئے آیا۔

" نظر رکھنا بھابھی وہاں جا کر اپنے شوہر پہ۔ جہاں جاتے ہیں لڑکیوں کو پیچھے لگا کر لے آتے ہیں۔" شُجاع نے گویا اچھی طرح تیار عباس کا بھانڈا پھوڑ کر اُسے بوکھلانے پر مجبور کر دیا۔ اپنے لیئے کھولے گئے پسنجر سیٹ پر بیٹھنے کو تیار میزاب نے ٹھٹک کر خشمگیں نظروں سے اُسے دیکھا جو پینٹ کوٹ اور سفید شرٹ میں ہمیشہ والے اَپ ٹو ڈیٹ حُلیے سے ہٹ کر مگر اچھا لگ رہا تھا۔ اُسکے گھبرا کر پیچھے ہونے پر بے پرواہی سے پیچھے بٹھائے بال ماتھے پر آ گرے۔

"بکواس کر رہا ہے۔" اُن خفا نظروں پر وضاحت کرنا بے حد ضروری تھا۔ نفی میں سَر ہلا کر میزاب اندر بیٹھ گئی جبکہ فوراً سے پیچھے ہوتا شُجاع زُبان چِڑھا کر عباس کی پُہنچ سے دُور ہوا۔

"بیٹا! واپس آ کر بتاتا ہوں۔" کوٹ کا کالر دُرست کر کے عباس اُسکو ہنسنے پر مجبور کر کے گاڑی گھر سے نکال لے گیا۔ میزاب نے چہرہ پھیر کے اُسے دیکھا جو مکمل توجہ سے گاڑی چلا رہا تھا۔ عصر کے بعد کا وقت تھا اِسی لیئے ہر طرف شور شرابے کے بجائے ایک سکنیت تھی۔

"میرے خیال سے آپ کو واقعی مُجھ سے کچھ کہنا ہے۔" موڑ کاٹتے ہوئے براہِ راست اپنی جانب گاہے بگاہے دیکھتی نظروں کی چوری پکڑ کر اُس نے میزاب کو خفت زدہ کر دیا۔

" کہنا ہے مگر کیا گارنٹی ہے کہ تم میری بات سمجھ کر مان لو گے اور کوئی سوال نہیں کرو گے ؟" ونڈو سکرین سے بھاگتے دوڑتے مناظر دیکھتے ہوئے اُس نے سنجیدگی سے پوچھ کر عباس کو اپنی جانب دیکھتے رہنے پر مجبور کر دیا۔

" یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ آپ وہ کہیں جو پچھلے کئی دِن سے کہنا چاہ رہی ہیں۔" ساری باتیں رَد کر کے اُس نے دوبارہ سے دھیان ڈرائیونگ پر لگا دیا۔

" تم نے وہاں جاتے ساتھ آنکھیں ماتھے پر رکھ لینی ہیں۔" اُسکے برجستہ کہے جانے پر عباس نے نا سمجھی سے اُسے دیکھا

" کیا مطلب ؟" وہ واقعی سمجھا نہیں۔

" کہا نہ کوئی سوال نہیں۔" یاد دہانی فوراً آئی تو عباس کو سَر تسلیم خم کرنا پڑا۔

" رکھ لیں آنکھیں ماتھے پر، آگے ؟" اُس نے گویا میزاب کو حوصلہ دیا۔

" کسی سے سیدھے مُنہ بات نہ کرنا۔ ویسے ہی سنجیدگی اور سَر دمہری سے وہاں رہنا جیسے پہلے قصرِ بزنجو میں ہوتے تھے اور سب سے بڑھ کر مجھ سے تو بالکل احترام سے بات نہیں کرنی۔" وہ جو فرصت سے گاڑی چلاتے ہوئے اُسکی بات سُن رہا تھا، آخری بات پر جھٹکا کھا کر اُسے دیکھا۔

" آپ کا دماغ خراب ہے۔" اُس کے یوں ناگواری سے یَک دَم کہنے پر میزاب نے چونک کر اُن سنجیدہ نظروں میں دیکھا۔

"کوئی سوال نہیں!" اُس نے پھر سے یاد دِلایا۔

"یہ سوال نہیں تھا۔" نگاہوں کا زاویہ بدل کر جو باور کروایا گیا اُس پر میزاب کا چہرہ سُرخ ہوا۔

"بدتمیز!" اندر ہی اندر وہ تلملا کر رہ گئی مگر قصرِ بزنجو قریب آنے والا تھا اور اُسے عباس کو سمجھا کر ہی داخل ہونا تھا۔

"ہاں! میرا دماغ خراب ہے اِسی لیئے ویسے ہی رہنا وہاں ہم سب کے ساتھ جیسے پہلے رہتے تھے۔" میزاب کا انداز دو ٹوک ہوا۔

"اور پہلے میں کیسے رہتا تھا؟" سوال آہستگی سے آیا۔

"برف جیسے تاثرات، شعلے اُگلتی نظریں اور بالکل سپاٹ چہرے کے ساتھ۔" اُسکے مُنہ سے بے اِختیار اِتنی روانگی سے نِکلا کہ عباس کا پاؤں بریک پہ جا لگا۔ قصرِ بزنجو آ چُکا تھا مگر میزابِ رحمت کے خاکے نے اُسے جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔

"مُجھے معلوم نہیں تھا کہ آپ مُجھے اِتنی توجہ سے دیکھتی ہیں۔" جھٹکا کھا کر رُکتی گاڑی پر اپنی جانب سِٹپٹا کر اُٹھیں سُرمئی آنکھوں میں دیکھ کر ٹھہر ٹھہر کر کہتے ہوئے اُس نے میزاب کے چہرے کا رنگ بدل دیا۔ اُن پھیکے پڑتے، اُڑے تاثرات کو عباس جان نِثار نے بغور گھُٹتے دِل سے دیکھا۔

"میری بات سمجھ میں آگئی ہے تو عمل بھی لازمی کرنا ہے۔ میں سب کے سامنے تم سے بات کرنے کی کوشش کروں تب بھی جواب مت دینا۔" کلچ کی زنجیر کندھے پر پہن کر وہ عباس کو یونہی ششدر، ہکا بکا چھوڑ کر باہر نِکل آئی۔ قصرِ بزنجو کا دروازہ دعوت کی مُناسبت سے وَا تھا۔ سڑک کے دونوں اطراف لاتعداد گاڑیاں کھڑی تھیں جو دعوت کے

آغاز کا مُنہ بولتا ثبوت تھیں۔ اپنے اعصاب یکجا کر کے عباس گاڑی سائیڈ پہ پارک کر کے مضبوط قدموں سے اُس تک آیا جو اُسکے لیئے ہی کھڑی تھی۔

"مُجھے آپ کی ایک بات کی بھی سمجھ نہیں آئی۔" پاس آرُکتے شخص کے سوال پر اُس نے سامنے سے آتے ہاشم بزنجو کو دیکھ کر مصنوعی مُسکراہٹ طاری کرلی۔ وہ آگے بڑھتے ہوئے سنجیدہ چہرے والے عباس کو دیکھ رہے تھے۔

"جِتنا تم سے کہا ہے اُتنا کرو۔ خُود ہی سمجھ آجائے گی۔" سخت لہجے میں کہہ کر وہ عباس کو جان بوجھ کے بھڑکا کر آگے بڑھنے لگی اور عباس نے ناگواری سے بازو آگے پھیلا کر اُسکا رَاستہ روک دیا۔ ہاشم بزنجو ٹھٹک کر وہیں ٹھہر گئے۔

"آپ وضاحت کرنا پسند کریں گی؟" اُسے معلوم نہیں کیا بُرا لگا تھا مگر میزاب کو معلوم تھا تبھی ہلکا سا مُسکرا کر عباس کے سنجیدہ چہرے کو سَر اُٹھا کر دیکھا۔

"بالکل یہی تاثرات! اِیسے ہی سنجیدگی اور بے زاری سے تم نے سب سے مِلنا ہے۔ وجہ تم سمجھ جاؤ گے۔" اُسکی مُبہم باتیں کم اَز کم عباس کو سمجھ نہیں آرہی تھیں۔

"اسلام علیکم، دادا جان!" قبل اِسکے وہ کچھ کہتا، میزاب اُسکا بازو نرمی سے ہٹا کر آگے بڑھی۔ اُس نام پر عباس کے چہرے میں سختی گھلی۔

"وعلیکم اسلام! سب ٹھیک ہے؟" عباس کو دیکھ کر اُنہوں نے میزاب سے نرمی سے پوچھا۔ لہجے میں تفکر تھا۔

"عباس کی ڈیوٹی تھی مگر میں زبردستی لے کر آئی ہوں۔" قریب آتے عباس نے بامُشکل اپنی حیرت پر قابو پایا۔

"اسلام علیکم، برخوردار! ہم نے اپنی بیٹی اِس مقصد کے لیئے تو تمہیں نہیں دی تھی۔" ہاشم بزنجو نے اپنا لہجہ ہر ممکن پُرمزاح رکھا مگر عباس نے بہت فرصت سے میزاب کے چہرے کو پھیکا پڑتا دیکھ کر لَب بھینچے۔

"آپکے نیک مقاصد کے بارے میں مُجھے کیسے معلوم ہو سکتا ہے۔" اُس کے ٹھنڈے ٹھار جواب پر میزاب نے چونک کر اُسے دیکھا جِس کی آنکھوں میں یَک دَم شعلے بھڑک اُٹھے تھے۔ ہاشم بزنجو نے کچھ اُلجھ کر اُس چہرے کے اُکھڑے تاثرات کا جائزہ لیا۔

"لگتا ہے تمہیں زبردستی لایا گیا ہے یہاں۔" اُنکو بھی مُسکرانا ترک کرنا پڑا۔

"آپ تو چہرہ شناس ہیں۔" اُس نے اِنکار ہرگز نہیں کیا اور ہاشم بزنجو کے مایوس پڑتے چہرے کو دیکھ کر میزاب کا دِل کِھل اُٹھا۔

"اندر چلیں، دادا جان؟" میزاب نے مُسکرا کر مُداخلت کی جبکہ ہاشم بزنجو ایک تیز نگاہ بے زار کھڑے عباس پر ڈال کر تیز قدموں سے اندر بڑھ گئے۔ میزاب نے مُسکرا کر عباس کو دیکھتے ہوئے اندر تک اُسے چونکا دیا۔ وہ چہرہ جو عباس کے سامنے ابھی پھیکا پڑا تھا پھِر شاداب ہو گیا۔

"جذاک اللہ!" نرمی سے اُسکا بازو تھپک کر وہ بھی اندر کی جانب بڑھی جبکہ سُن رہ جاتے عباس کو بھی اُسکی تقلید کرنی پڑی۔ اُسے لمحہ لگا تھا میزاب کی گاڑی والی بات اور اَب کے شکریہ کو سمجھنے میں۔

اندر سبز لان میں کرسیاں ٹیبل کے ساتھ ایک بھرپور دعوت کا اِنتظام تھا۔ چونکہ گھریلو دعوت تھی تو خاص خاص سماجی اور کاروباری شخصیات کے علاوہ چند خاص میڈیا اہلکار شامِل تھے۔ میزابِ رحمت کو اندر آتے دیکھ کر سب کی نظریں اُس جانب گئیں اور اُسکے ساتھ چلتے وجیہہ مگر سنجیدہ مَرد کو دیکھ کر سب میں چہ مگوئیاں ہونے لگی۔ مُدثر نے نخوت سے اُسے دیکھا جبکہ باسم ربانی کو پہلو بدلنا پڑا۔ یہ حسین عورت اُسکا نصیب نہیں بَن سکی تھی اور کاروباری ڈیل

کا خسارہ الگ۔ وہ لب بھینچے مدہم سا مُسکراتی اُس عورت کو دیکھنے لگا جو آتے ہی ساری دعوت میں چھا گئی تھی۔ اُس کی موجودگی اِتنی ہی مُستحکم اور مُسلم تھی۔

"اسلام علیکم!" گول ٹیبل کے گِرد بیٹھے اہم بزنس پارٹنرز اور بورڈ میمبرز سے مُسکرا کر سلام کرنے کو آگے بڑھی تو کئی لوگ اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"وعلیکم اسلام! بہت بہت مُبارک ہو آپ کو مِس میزاب۔" سب اُٹھ اُٹھ کر اُسے مُبارکباد دینے لگا۔

"آپ چند ہفتے کے لیئے بلوچستان گئیں اور پیچھے سے سب کے لیئے بہت مُشکل ہو گیا۔ آپ واقعی ذہین اور قابل عورت ہیں۔" سب کی تعریفیں وہ مدہم سا مُسکراتے ہوئے قبول کر رہی تھی جبکہ عباس بازو پُشت پر باندھے بے زاری سے خُود کو گھُورتی عورتوں اور لڑکیوں کی نظروں پر اِرد گرد دیکھ رہا تھا۔

"یہ آپ کے باڈی گارڈ۔۔۔" ایک ممبر نے برابر کھڑے شخص کا تعارف چاہا تو میزاب نے چہرہ پھیر کے عباس کو دیکھا۔

"یہ میرے شوہر ہیں۔" اُسکے مُسکراتے لہجے کا اِقرار کئی ساعتوں پر دھماکہ تھا۔ ڈاکٹر رضا، ضوریز سکندر، باسم ربانی، زرق کمال اور نہ جانے کتنے آس لگائے بیٹھے مَردوں کے اعصاب کو بُری طرح جھٹکا لگا۔

سب کی ششدر نگاہوں سے قطع نظر عباس چہرہ پھیرے اپنی جانب مُسکرا کر، چمک کے دیکھتی خوبصورت آنکھوں کی جانب متوجہ ہوا گیا۔ ساری بے زاری، خفگی، سنجیدگی روئی کی طرح ہوا میں اُڑ گئی۔ آنکھوں میں دہکتی چنگاریوں کی جگہ انوکھے جذبوں نے لے لی تھی۔ اُن بدلتے تاثرات پر میزاب کی مُسکراہٹ سِمٹی، چہرہ کا رنگ گُلابی ہوا اور پھر اُس نے تیزی سے نگاہیں پھیر کر حاضرینِ محفل کو دیکھا۔

"ہمیں لگا تھا آپ اپنے بزنس سرکل میں شادی کریں گی۔" ایک عورت کے مُسکراتے لہجے پر میزاب دھیرے سے مُسکرا دی۔

"مُجھے شادی کرنی تھی، کوئی کاروبار یا سودا نہیں۔" اُسکی بات پر جہاں ہاشم بزنجو کے کان کھڑے ہوئے وہیں باقی سب مُسکرا دیئے۔ اُنہیں میزابِ رحمت جیسی اُصولوں پر قائم رہنے والی عورت سے اِیسی ہی اُمید تھی۔

"آپ کے جاننے والی فیملی کے ہیں؟ نام کیا ہے آپکے ہسبنڈ کا؟" کسی صحافی کے سوال پر کاشف بزنجو نے اپنے باپ کو خفگی سے دیکھا جو کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔

"میرا نام عباس جان نِثار سَنجرانی ہے اور بہت اچھی جان پہچان ہے ہماری آپس میں۔" اُسکی بات پر سب کو سانپ سُونگھ گیا۔ جو لوگ اِس خاندان کے نام کو جانتے تھے وہ ٹکر ٹکر بزنجو خاندان کے افراد کو دیکھنے لگے۔ رفعت شیراز نے تنفر سے اُس مطمئن، اُٹھی گردن والے شخص کو دیکھا جو خوبصورتی اور دلکشی میں اپنے ماں، باپ پر گیا تھا۔ اُنکے سینے پر سانپ لوٹنے لگے۔

"تو یعنی صُلح صفائی ہو گئی ہے دونوں خاندانوں کے بیچ؟" ایک اور رپورٹر کی بات پر ہاشم بزنجو کو مُسکرانا پڑا۔ جو وہ کرنا چاہتے تھے اُسکے لیئے راہ خود ہی ہموار ہو رہی تھی۔

"رحمت کا میرے نِکاح میں آنا اَمن کی نِشانی ہے۔" اُسکے سنجیدہ لہجے کی بات نے ماحول میں بَرقی لہر دوڑا دی۔ لمحے روک دیئے گئے۔ سب بُھول کر میزابِ رحمت نے اُس شخص کو دیکھا جو اُسے ہمیشہ مُعتبر کر دیتا تھا۔

"اور آپ دیکھیں گے کہ آگے بھی دونوں خاندانوں کے تعلقات مثالی ہوں گے۔" ہاشم بزنجو نے آگے بڑھ کر کہتے ہوئے پِھر میزابِ رحمت کے اعصاب بوجھل کر دیئے۔ اُسے عباس جان نِثار سے چہرہ پھیر لینا پڑا۔

"یعنی دونوں خاندانوں میں رشتے داری کے علاوہ کاروباری نوعیت کے بھی تعلقات قائم ہوں گے؟" صحافی کے اگلے سوال پر جہاں عباس چونکا، وہیں میزاب نے کرنٹ کھا کر ہاشم بزنجو کو دیکھا جو ایسا مُسکراتے ہوئے یہ آشکار کرنے کو کافی تھے کہ یہ صحافی اور سوالات اُنکے پلانٹ کردہ تھے۔

"بزنجو خاندان کا اپنا الگ کنسٹرکشن کا کاروبار ہے اور سَنجرانی خاندان کی لیدر اور شوگر ملز ہیں۔ ہمارے کاروبار میں کوئی مُماثلت نہیں ہے اِس لیئے کاروباری تعلقات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" ہاشم بزنجو قبل اِسکے کچھ کہتے، میزاب نے یَک دَم کہتے ہوئے کاشف بزنجو کو ایک جھٹکے سے کھڑا ہونے پر مجبور کر دیا۔ ہاشم بزنجو نے بوکھلا کر میزاب کو دیکھا جو مُسکرا کر صحافیوں کو دیکھ رہی تھی جبکہ عباس کی جہاندیدہ نظروں سے بزنجو خاندان کے مَردوں اور عورتوں کے بوکھلائے، ناگوار تاثرات پوشیدہ نہیں رہ سکے۔ ذہن میں جھماکہ ہوا اور اُس نے میکانکی انداز میں چہرہ پھیر کر میزاب کو دیکھا۔

"تو ہاشم صاحب آپ تو مُشترکہ پروجیکٹ کی بات کر رہے تھے۔" میجر شیئر ہولڈر خاقان صاحب کے حیران سوال پر سب میں پھر سے نگاہوں کا تبادلہ ہوا۔

"مشترکہ پروجیکٹ سے داداجان کی مُراد کچھ دِن میں افتتاح ہونے والا اَصفہان ٹاورز ہے۔" میزاب نے جِس طرح بات سنبھالی، کاشف بزنجو اندر تک تلملا گئے۔ ہاشم بزنجو نے لَب بھینچ کر مُسکرا کر کہتی میزاب کو دیکھا۔

"ہاں! دونوں خاندان ایک دوسرے کی کاروباری کامیابیوں میں شریک ضرور ہوں گے جیسے کچھ دِن بعد والے اَصفہان ٹاورز میں سَنجرانی شریک ہوں گے اور سَنسنجرانی خاندان کی گوادر والی زمین پہ ائیرپورٹ کی تعمیر پر بزنجو خاندان کا شریک ہونا لازم ہے۔" اُسکی اگلی وضاحت پر ہاشم بزنجو کا دماغ بھک سے اُڑا اور پھر اُنہوں نے کینہ توز نظروں سے میزاب کو دیکھا جو اِتنی تفصیل سے بھرے مجمع کو اِطمینان سے بتا کر اُنکی ساری محنت اور کروڑوں کے

پلان پر پانی پھیر چکی تھی اور اُسے خبر بھی نہیں ہو سکی تھی۔ کیا واقعی اُسے خبر نہیں تھی یا اِیسا صرف ہاشم بزنجو کو لگ رہا تھا؟

ہاشم بزنجو کے بدلتے، خونخوار تاثرات پر عباس نے بے طرح حیرانگی اور ناسمجھی سے میزاب کو دیکھا جو میڈیا والوں کے باقی سوالات بڑے تحمل اور فتح مَندی سے دے رہی تھی۔ اُس نے اِیسی بات کیوں کی؟ گودار والی زمین کا یہاں کیا ذکر؟ اُس نے ہاشم بزنجو کے خلاف جا کر یہ ذکر یہاں کیوں چھیڑا؟ اُسے ایئرپورٹ کا کِس نے بتایا؟ بہت سے سوال تھے جِن کے جواب میزاب کے علاوہ کوئی نہیں دے سکتا تھا۔

"میرے خیال سے بہت ہوا اَب کھانے کے لیئے اکھٹے ہونا چاہیئے۔" ہاشم بزنجو نے آگے بڑھ کر میزاب کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے دباؤ بڑھا کر بظاہر مُسکرا کر، نرمی سے کہا مگر اُنگلی آہنی، سخت گرفت نے میزاب کے چہرے کی رنگت بدل دی۔ اُس آہنی گرفت پر عباس نے ٹھٹک کر میزاب اور ہاشم بزنجو کو دیکھا جو ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے اور ہاشم بزنجو کی آنکھوں میں اُتری تُندہی، سختی اور تنفر نے عباس جان نثار کے اندر تک خطرے کے الارم کو بجا دیا۔ اُسکی سماعتوں میں کچھ دیر پہلے گاڑی میں میزاب کی کہی جانے والی مُبہم باتیں پوری طرح آشکار ہو گئیں۔

"آپ لوگ کھانا کھائیں ہمیں اِجازت دیں۔ اِنتہائی ضروری کام سے جانا ہے۔" عباس نے میزاب کو بازو سے تھام کر ایک جھٹکے سے اپنی جانب کرتے ہوئے اُسے ہاشم بزنجو کی ہڈیوں میں گھستی گرفت سے آزاد کروا کر اپنے حلقے میں لے لیا۔

"ابھی کھانا لگنے والا ہے۔" مُدثر نے جِس طرح تلملا کر کہا، عباس نے بس ایک سَرد نگاہ اُس پر ڈال کر اپنی جانب آنکھیں پھیلا کر دیکھتی میزاب کو دیکھا۔

"ہمیں چلنا چاہیئے اَب۔" نہ جانے اُس نے سوال کیا تھا یا میزاب کو لگا تھا۔ تیز ہوتی دھڑکن کے ساتھ اُس نے تیزی سے اثبات میں سَر ہلایا اور اِس کے علاوہ عباس کو کسی کی پرواہ نہیں تھی۔

"ہمیں اِجازت؟" عباس میزاب کے لیئے پیچھے مُشکلات بڑھا کر بھی نہیں جا سکتا تھا تبھی مُسکرا کر اپنا ہاتھ ہاشم بزنجو کی جانب بڑھایا۔

"ہمم! خیر سے جاؤ۔" میڈیا اور باقی لوگوں کے سامنے ابھی مِلنے والے دھچکے کو ہضم کر کے اُنہوں نے بامُشکل چہرے پر مُسکراہٹ طاری کر کے اُسکا ہاتھ تھام کر چھوڑ دیا۔ کاشف بزنجو بھی ہاتھ مِلانے کے لیئے آگے بڑھنے لگے مگر عباس، میزاب کو یونہی کندھے سے تھامے مین گیٹ کی جانب بڑھا جو پہلے سے ہی وَا تھا۔

"چلیں! کھانا شروع کریں سب۔" آنکھوں میں نفرت کی چنگاریاں لے کر ہاشم اور کاشف بزنجو نے عباس جان نِثار کو جاتے دیکھا جبکہ تقی نے بروقت مُسکرا کر سب کی کھانے کی طرف توجہ مبذول کروادی۔ عباس کے ساتھ بے جان ہوتے قدموں کے ساتھ کِھچی جاتی میزا کے شانوں پر اُس نرم، مہربان گرفت کے باوجود تکلیف موجود تھی اور اعصاب نڈھال تھے۔ اُس نفرت بھری گرفت سے زیادہ چَھلنی کر دینے والے تو وہ شر انگیز، نفرت میں ڈوبے الفاظ بھی نہیں تھے جنہوں نے اپنے زہر سے میزابِ رحمت کے پورے وجود کو نیل نیل کر دیا تھا۔ اندھے بھروسے، خلوص اور بے رِیائی نے کیسا تمانچہ جڑا تھا اُس زمانہ شناس، عقل مند، اور ہنر مند میزابِ رحمت کے مُنہ پر کے اُسکی گونج سے اَب تک کان سَنسنا رہے تھے اور اُسکے اندر کچھ بہت آہستگی سے اپنی موت آپ مَر گیا تھا۔

✓ سب لوگ کہانی میں ہی مصروف رہے تھے

دراصل اَدکار حقیقت میں مَرے تھے

جاتے ہوئے گھر کی کسی چیز کو چُھو دے

میں یاد کروں گا کہ تیرے ہاتھ لگے تھے

آنکھیں بھی تیری فتح یاب نہ کر پائے ابھی تک

کِس لمحہِ بیکار میں ہم لوگ بنے تھے

ہم یونہی کِسی بات کو دِل پر نہیں لیتے

نقصان زیادہ تھا سو گھبرائے ہوئے تھے

اِتنا ہی بتا سکتا ہوں اِحباب کے بارے

کچھ تیر میری پُشت کی جانب سے چلے تھے

میں نے تو کہا تھا نکِل جاتے ہیں دونوں

اُس وقت کہانی میں سبھی لوگ نئے تھے۔۔۔

وہ اُسے گاڑی میں بٹھانے کے بجائے قصرِ بزنجو کے عقبی حصّے یعنی اُسی پُل پر لے آیا جہاں سے محبت کی اِس کہانی کا آغاز ہوا تھا۔

ریلنگ کے پاس آکر عباس نے اُسکا بازو نرمی سے چھوڑ دیا۔ میزاب نے اپنے سَرد ہاتھ لوہے کی ریلنگ پر رکھ کے نیچے کو جھانک کر دیکھا جہاں سے روشنیاں میں نہایا اسلام آباد نظر آرہا تھا۔ سڑک سے ایک دو گاڑیاں گُزر کر ماحول کی خاموشی کو توڑتی اور پِھر گہرا سکوت چھا جاتا۔ چہرے پر ٹکراتی ٹھنڈی ہوا نے اعصاب کچھ پُرسکون کیئے تو اُس نے

پلٹ کر قصرِ بزنجو کے عقبی حصّے کو دیکھا۔ عباس نے اُسکی نظروں کے تعاقب میں پلٹ کر دیکھا۔ نیلی اور مالٹائی رنگ کی روشنیوں میں اُسکے چہرے کا رنگ بدلا۔

"مُجھے معلوم نہیں تھا اِس پُل سے میرا کمرہ اور ٹیرس نظر آتا ہے۔" اندر موجود خاموش کو توڑنے کو اُس نے آہستگی سے کہا۔

"مُجھے معلوم تھا۔" عباس نے اُس سے بھی مدھم لہجے میں کہا مگر میزاب بے دھیانی سے اُس مُنڈیر کو دیکھتی رہی جہاں کبوتر اُترتے تھے۔

"کیا معلوم تھا؟" اُسکو عباس کی بات سمجھ نہیں آئی۔

"کہ آپ کا کمرہ اور ٹیرس اِس پُل سے نظر آتے ہیں۔" اُسکی وضاحت پر میزاب نے پلٹے بغیر چہرہ پھیر کر اُسے دیکھا جو اُسکے برابر آ کھڑا ہوا تھا۔

"تمہیں کیسے معلوم؟" اُس سوال پر عباس نے اُن بے خبر آنکھوں میں جھانکا جو اُسکی جانب دیکھ رہی تھی۔

"میں نے آپ کو پہلی بار اِسی پُل سے کھڑے ہو کر دیکھا تھا۔ آپ کھڑکی میں بیٹھ کر کتاب پڑھ رہی تھیں۔" اُسکی بات اِتنی عجیب تھی کہ میزاب ساری کثافت اور مُضمحل کیفیت بُھول کر اُس کی جانب پلٹی۔

"کب کی بات کر رہے ہو؟ "

"جب میں پہلی بار بلوچستان سے یہاں آیا تھا تب شجاع نے بتایا تھا کہ میرے مُقابل دُشمن خاندان کی عورت یہی ہے۔" اُس کی بات پر میزاب کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑا۔ ساری دلچسپی مَاند پڑ گئی۔

"تبھی تم نے باڈی گارڈ بننے کا سوچا تھا؟" میزاب نے چہرہ واپس پھیر لیا۔

"نہیں! بعد میں سوچا تھا۔ تب میں صِرف اعتبار جیتنا چاہتا تھا۔" اُسکی بات اِتنی تلخ تھی کہ میزاب کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ اِس دِل شِکن بات سے میزابِ رحمت کے دِل کتنی ڈھٹائی سے پہلو بچاتا آ رہا تھا۔

"اور تم ماشاء اللہ کامیاب بھی رہے۔" عباس جانتا تھا وہ طنز نہیں تھا مگر پھر بھی اُسکو چہرہ جُھکا لینا پڑا جو وہ کہنے کا اِرادہ کیئے بیٹھا تھا اُس کے لیئے بہت ہمت درکار تھی اور میزاب کے ردِ عمل کا خُوف بھی۔

"پھر ایک دِن سب خاک ہو گیا۔ بدلہ لینے کے بانگ دِہل کیئے گئے اِرادے پر پانی پھر گیا۔" اُس کے لہجے کی بے بسی کو پہلی بار میزابِ رحمت نے شدت سے محسوس کیا اور چونک گئی۔

"کہاں خاک ہوا سب۔ اچھے خاصے کامیاب رہے ہو تم۔" مُسکراتا اِشارہ اُن نقصانات کی طویل فہرست کی جانب تھا جو کچھ عرصے سے بزنجو خاندان کو مُسلسل مِلتے چلے جا رہے تھے۔

"آپ کچھ نہیں جانتیں۔ آپکو کچھ بھی نہیں معلوم۔" چہرہ جُھکائے شخص نے میزاب کا دِل گُداز کر دیا۔ ظاہر ہے وہ ناسمجھ تو تھا نہیں جو کچھ دیر پہلے والی مُبہم باتیں نہ سمجھتا۔

"میں جانتی ہوں تم پریشان ہو گئے ہو لیکن بے فکر رہو میں وہی سب کچھ دُہرانے نہیں دوں گی۔ اِتنی ظالم نہیں ہوں میں۔" جُھکا رکھی گردن اُٹھا کے عباس نے ضبط سے گُلابی پڑتی آنکھوں سے اُسے دیکھا جو بے ریائی سے مُسکرا رہی تھی۔ یہ وہی عورت تھی جو ابھی اپنے خاندان سے غم، نفرت اور فریب لے کر آئی تھی اور کیسے سب بُھولے اُسکی دِلجوئی کر رہی تھی۔ کیا عورت تھی جِس سے اُسے نواز دیا گیا تھا۔

"مت اِیسی باتیں کیا کریں۔ مت اِیسی مہربانی سے دیکھا کریں مجھے۔ آپ کی وجہ سے مُجھے شکست ہوئی ہے۔ میں سارے قبیلے والوں کے سامنے بُری طرح ہار گیا ہوں۔" اُس کے لرزتے لہجے کے دلگیر الزامات پر میزاب آنکھیں پھیلائے، ششدر سی اُسکو دیکھنے لگی۔

"جان نِثار! میں۔۔۔ میں نے کب۔۔۔" اُسکو سمجھ نہیں آئی کیا کہے۔ قوتِ گویائی سَلب ہو کر رہ گئی۔

"تم مجھے اِیسا کیسے کہہ سکتے ہو؟" اُسکو خاموشی سے نگاہ چُراتے دیکھ کر میزاب نے اُسکے بازو کو جھٹکا دیا۔

"میں نے کبھی تمہارا بُرا نہیں چاہا۔ تمہارے ساتھ بُرا نہیں کیا پھر تم نے مجھے اِیسا کیوں بولا؟" سانس لیتی رات میں اُفق پر جگمگاتا چاند خاموشی سے اُس بے بس ہوتے مَرد کے سامنے چیخ اُٹھتی عورت کو دیکھ رہا تھا۔

"آپ۔۔۔ اِتنی بے خبر کیسے ہو سکتی ہیں، رحمت؟" اُس سوال میں کچھ دھڑکن چھین لینے والا تھا۔ سُرمئی آنکھوں میں ٹھہری نمی گالوں پر پھِسل گئی۔

"میں سب جانتی ہوں۔ مجھے ہر چیز کی خبر ہے۔" اُس نام پُکارنے کے انداز نے، اُس سوال سے اُٹھتی کیفیت اور اپنے آنسو چھلک اُٹھنے پر عباس کا بازو جھٹکے سے چھوڑ کر خفگی سے باور کروایا گیا اور عباس چہرہ جُھکا کر مُسکرا دیا۔

"آپ اُس جذبے سے بے خبر ہیں جو میں آپ کے لیئے محسوس کرتا ہوں۔" ہمت کی جانب ہاتھ بڑھا کر اُس نے اپنی جانب آنکھیں پھیلا کر دیکھتی میزاب کے دِل کو جھنجھوڑ دیا۔ لرزتی پلکوں کی اُٹھک بیٹھک دِل و نگاہ پر قیامت تھی۔

"کیسا جذبہ؟" وہ اپنے دِل کو خُوش فہم نہیں ہونے دے سکتی۔ مزید مُنہ کی کھائی تو زندگی بھر سَر نہیں اُٹھایا جا سکتا تھا تبھی تیزی سے چہرہ پھیر کر اُس جگہ دیکھنے لگی جہاں کبوتروں کے جُھنڈ کو اکثر بیٹھے دیکھا کرتی تھی۔ شام کے سائے گہرے سے گہرے تر ہو رہے تھے۔ چاند کی تابناکی مزید واضح ہو رہی تھی۔

"میں نے بہت سوچا کہ کونسا جذبہ ہے جو میں آپ کے لیئے محسوس کرتا ہوں۔" ٹھہر کر کہتے ہوئے اُس نے میزاب کو دیکھا جو ریلنگ پر رکھے ہاتھوں پر چہرہ ٹِکائے اپنے کمرے کی کھڑکی کے ہلتے پردوں کو دیکھ رہی تھی، عباس کی بات پر چونک کر اُسے دیکھنے لگی اور عباس جان نثار اُن سُرمائی، گھنگھور گھٹا کی مانند آنکھوں میں کئی ثانیے تک دیکھتا رہا یہاں تک کہ میزاب اُسکی پچھلی بات بُھول کر سُرخ پڑتے چہرے سے رُخ پھیر گئی۔

"مُحبت!" اُس دلکش چہرے کو شوق بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے اُس نے آہستگی سے کہا۔ میزاب نے اَب کے چہرہ پھیرا تو اُن حسین آنکھوں میں ناسمجھی تھی۔

"یہ مُحبت کا جذبہ ہے جو میں آپ کے لیئے محسوس کرتا ہوں۔" اُسکا اگلا انکشاف دَھڑکن چھین لینے والا تھا۔ اُسے سانس لینا تھا مگر میزابِ رحمت کو سانس تک لینا یاد نہیں رہا۔ اُسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے پانیوں پر چل رہی ہے۔ قدموں تلے سے زمین بڑی خوبصورتی سے کھینچی گئی تھی۔

"اِس جذبے کی وجہ سے میں نے بہت بُری مَات کھائی ہے۔" اُن بے یقین آنکھوں میں جُھک کر دیکھتے ہوئے وہ مزید فُسوں پُھونک رہا تھا۔

" سارا قبیلہ جانتا ہے کہ عباس جان نثار دُشمنوں کی عورت پر اپنا دِل ہار چُکا ہے۔" وہ الفاظ آفاقی تھے۔ اُس شخص کا اِظہار تخیلاتی تھا۔ میزابِ رحمت کو سانس لینا، پَلک تک جَھپکنے کا ہوش نہیں رہا۔

"کچھ۔۔۔کہیں گی نہیں؟" اپنی جانب آنکھیں پھیلا کر دیکھتی مُحبت اُسکے سامنے مُجسم صورت کھڑی تھی تو گھبراہٹ یقینی تھی۔

"تم۔۔۔۔مزاق۔۔۔" میزاب کو جملہ مکمل نہیں کرنے دیا گیا۔

"میری نگاہ نے ایک دلکش چہرے سے ٹکرا کر زندگی کے ٹھہرے پانی میں بھونچال بَرپا کر رکھا ہے اور آپکو میرے جذبے، میری مُحبت کی بات مزاق لگ رہی ہے۔" اُسکا دِل دُکھ رہا تھا۔ اُسے میزابِ رحمت سے بے یقینی اور اِنکار نہیں چاہیئے تھا۔ وہ اپنے جذبوں کی نفی مُحبت کے اِس مقام پر نہیں سہہ سکتا تھا۔

"میرے گھر والوں کو معلوم ہو گیا نہ جان نثار تو تمہاری زندگی ضائع ہو جائے گی۔" وہ اظہارِ دِل کی تمنا، سماعتوں کی حسرت سہی حقیقت زیادہ تلخ اور بھیانک تھی۔ عباس نے ٹھہرتے دِل سے اُن آنکھوں اور چہرے کو خود سے غافِل ہوتے دیکھا۔

"ہم ساتھ رہے تو میری زندگی کبھی ضائع نہیں ہو سکتی، رحمت۔" اُسکے لہجے کی دلکش محبوبیت پر میزاب رحمت کا دِل دَھک سے رہ گیا۔ سپیڈ پڑتے چہرے کو پھر سے عباس کی جانب کیا۔ وہ ناقابلِ رسائی شخص اُسکی مُحبت میں سانس لے رہا تھا۔ کیا اِس سے خوبصورت احساس کوئی اور ہو سکتا ہے؟؟؟ تبھی کاندھے پر لٹکا رکھے بیگ میں سیل فون بج کر میزابِ رحمت کو اندر باہر سے بیابان کر گیا۔ اُس فون نے کیا کچھ نہ یاد کروا دیا تھا۔

"میں نے اُس لڑکی کو تم لوگوں کی ڈھال کے لیئے اِتنا عرصہ تیار کیا۔ وہ میرا ایسا نوک دار ہتھیار جو میں دُشمنوں کے سینے کے آر پار کرنا چاہتا ہوں۔" اُس پیارے ہو چُکے چہرے کو دیکھتے دیکھتے اُن آنکھوں میں خوف سمٹنے لگا۔

"میرا اعتبار کرلیں، رحمت۔ سب جانتے ہیں آپکے معاملے میں عباس جان نثار بے اختیار ہو چکا ہے۔" اُسکی زُبان پر فقط اُلفت کی بات تھی۔ میزاب کے دِل میں پھیلتا خُوف اُس اُلفت کو خالی آنکھوں سے دیکھے گیا۔

"میں نے ہماری پیٹھ پر چُھرا گھونپنے والے عباس کی آنکھوں میں میزاب کے لیئے مُحبت دیکھی ہے اور میں اِسی مُحبت کے ذریعے اُس کمینے کو نیست و نابود کردوں گا۔" عباس ٹھیک کہہ رہا تھا۔ ہاشم بزنجو تک نے اُس مُحبت کو بھانپ لیا تھا۔ یہ کتنا بُرا ہوا تھا!

"نہیں!" لرز کر کہتے ہوئے اُس نے مزید چند قدم آگے آتے عباس کو پوری قوت سے پیچھے دھکیلا۔

"میں اُس لڑکے کا کلیجہ میزاب کے ہاتھوں نِکلوا کر چبا ڈالوں گا۔ اُسکے وہ بازو کاٹ دوں گا جِس سے ہماری جڑیں کاٹتا رہا ہے۔" لڑکھڑا کر پیچھے ہوتے عباس نے آنکھیں پھیلا کر اُسکے خُوف سے سپید پڑتے چہرے کو دیکھا جو کچھ دیر پہلے گُلابیاں چھلکا رہا تھا۔ نظر لگ جانے کی حد تک حسین لگ رہا تھا۔

"مُجھے اعتبار نہیں۔ مُجھے کسی پر بھروسہ نہیں۔" وہ چیخ نہیں رہی تھی مگر۔۔۔ چیخ رہی تھی۔ عباس ساکن، رُکتے دِل سے اُس عورت کو دیکھ رہا تھا جسکے بیابان ہو چکے چہرے کو کسی حاسد کی نظر لگ گئی تھی۔

✓ایک تو تیر انِشانہ بھی ہوتا نہیں خطا

اُس پر کماں سے تیر بھی سیدھا لگا مُجھے

وہ رنجِ رائیگانی تیرے بازوؤں میں تھا

اُس شام اپنا آپ بھی صحرا لگا مُجھے۔۔۔

(عدیل فاران)

****

میزابِ رحمت نے سیدھا وہاں سے واپس قصرِ بزنجو آ کر ہی سانس لیا۔ وہ سامنے سے نہیں پچھلے دروازے سے اندر گئی تھی اور فلحال کسی کا سامنا نہیں کر سکتی تھی۔ چہرے کے گرد دونوں ہاتھ رکھ کر اُس نے اپنا چہرہ چُھپا لیا اور پھر کچھ دیر بعد اُس کمرے میں گھٹی گھٹی ہچکیاں گونجنے لگیں۔ آنسو متواتر یوں گرتے جا رہے تھے جیسے نہ جانے کب سے اُنہیں بہنے کا موقع نہیں دیا گیا ہو۔ وہ یونہی روتی رہی، روتی رہی اور اُسکے برابر پڑے سیل فون کی سکرین بار بار جَل کر بُجھتی رہی۔ اُس جَل کر بُجھ جاتی سکرین پر 'جان نِثار' لکھا آتا تھا۔ نہ اُدھر سے کال مِلانے والا تھک رہا تھا اور نہ اِدھر رونے والی کے آنسوؤں میں کمی آ رہی تھی۔ دِل کا بوجھ گھٹنے کے بجائے مزید بڑھتا جا رہا تھا۔ اُس شخص سے وہ الفاظ سُننا جو اپنے دِل میں کسی گہرے راز کی مانند چُھپا کر رکھے گئے ہوں بَھلا رُلانے والا تجربہ کیسے ہو سکتا ہے؟

مُحبت کا اِظہار تو اِنسان کو پُھول کی طرح کِھلا دیتا ہے۔ ہمیں یہ اِحساس دِلاتا ہے جیسے ہم اِس دُنیا میں بھیجے ہی مُحبت کے لیئے گئے ہوں۔ فون بَج بَج کر جب تھک گیا تو اُس نے بھی ہاتھوں کو ہٹا کر چہرہ پھیر کر خاموش سیل فون کو دیکھا۔ اُسکے دیکھتے ہی دیکھتے سیل فون کی سکرین پھر سے روشن ہوئی۔ یہ پیغام آنے کا بتایا گیا تھا تبھی تیز ہوتی دَھڑکنوں کے ساتھ اُس نے گھبرا کر تیزی سے فون کی سکرین پلٹ دی۔ دِل یوں دَھڑک رہا تھا جیسے ابھی باہر نِکل آئے گا۔ چند پَل لگے اُسے اپنے آپ کو یکجا کرنے میں۔

آہستگی سے ہاتھ دوبارہ سے سیل فون کی جانب بڑھا کر نیم رُخ سے ایک آنکھ بند کر کے سکرین کو دیکھا جہاں 'جان نِثار' کا ہی پیغام تھا۔ پہلے ہمت نہیں ہوئی مگر پھر دِل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اُس نے سیل فون ہاتھ میں لیا۔ میزاب اُسے بتائے بغیر قصرِ بزنجو آ گئی تھی تو وہ یقیناً اُسے گاڑی میں نہ پا کر پریشان ہو گیا ہو گا۔ دونوں آنکھیں ہلکی سی کھول کر کانپتے ہاتھوں سے میسج کھول کر چہرے کے سامنے کیا۔

"آپ کہاں ہیں؟ میں پریشان ہو رہا ہوں، رحمت۔" آنکھیں پوری کھول کر وہ رونا دھونا بھول کر تیزی سے ٹائپ کرنے لگی۔ دوسری جانب گاڑی کے دروازے پر ہاتھ رکھ کر بے چینی سے اِدھر اُدھر دیکھتے عباس کی نگاہ ہاتھ میں تھامے، کھلی وٹس ایپ کی سکرین تک گئی تو سنبھل سے سیدھا ہوا۔ سکرین پہ ہوا میں لہراتے نکتے اُس کی دھڑکن تیز کر گئے۔

"میں قصرِ بزنجو میں ہوں۔ میں یہاں رہوں گی کچھ دِن۔" پیغام تفصیلی مگر دماغ ہلا دینے والا تھا۔ عباس کی پیشانی پر شِکنیں پھیلیں۔ چہرہ اُٹھا کر اُس نے قصرِ بزنجو کے کُھلے گیٹ اور روشنیوں میں نہائے اُس عالیشان محل کو دیکھا اور پھر سکرین پر اُسکی اُنگلیاں تیزی سے چلنے لگیں۔

"اگر آپ نہیں چاہتیں کہ میں اندر آکر کوئی تماشا لگاؤں تو بتائیں کہاں ہیں؟" اُس دھمکاتے سوال پر سیل فون لرز گیا۔ وہ اُن الفاظ میں عباس کا سنجیدہ چہرہ دیکھ سکتی تھی۔

"اپنے کمرے میں ہوں۔ اَب تم جاؤ یہاں سے۔" لکھ کر سیل فون مُٹھی میں دبائے وہ بے چینی سے سکرین کو دیکھتی رہی۔ نیلا نشان ہوا اور پھر کئی دیر گُزر جانے کے بعد بھی کوئی پیغام نہ آنے پر اُس نے گہرا سانس لیا ہی تھا کہ کسی عجیب سی کیفیت کے ساتھ ایک جھٹکے سے اپنی جگی سے اُٹھی اور یونہی ننگے پیر بھاگتے ہوئے کھڑکی تک آئی۔ کچھ دیر سانس روکے کھڑی رہی اور پھر پردہ ہلکا سا سرکا کر باہر جھانکا۔ سامنے نظر آتے پُل پر کھڑے شخص کے ہیولے کو دیکھ کر اُس کا دِل دَھک سے رہ گیا۔ کمرے کی روشنیاں بُجھی ہوئی تھیں اِسی لیئے باہر سے اندر نہیں دیکھا جا سکتا تھا مگر چاند کی روشنی میں ہلتے پردوں نے عباس جان نِثار پر اُسکی موجودگی آشکار کر دی تھی۔ وہ یونہی آدھا چہرہ نکال کر اُسے دیکھنے لگی۔ وہ میزاب کو بالکل سہی اور واضح نظر آ رہا تھا، دُوری کے باوجود بھی کیونکہ چاند عین اُس شخص

کے اُوپر جگمگا رہا تھا۔ ذہن میں پھر سے عباس جان نِثار کے سحر زدہ کرتے الفاظ گونجنے لگے تو پردے پر ہاتھ کی گرفت کمزور ہو گئی۔

"تو یعنی آپ میرے ساتھ گھر نہیں چل رہی ہیں؟" میسج ٹون پر وہ بوکھلا کر تیزی سے پیچھے ہوئی اور پھر سکرین پر دھمکتے پیغام کو دیکھا۔

"نہیں!" دِل کو ڈپٹ کر ایک لفظی جواب بھیج دیا گیا۔

"وجہ بتائیں؟" پھر سے سوال۔

"کوئی وجہ نہیں ہے۔" اُس نے ہر مُمکن پہلو تہی کی۔

"بغیر وجہ کے اِس دُنیا میں کچھ نہیں ہوتا۔" بھرپور جواب آیا اور یہاں خاموشی طاری ہو گئی۔

"محبت بھی نہیں!" دوسری جانب کی خاموشی اور پہلو تہی محسوس کر کے باور کروایا گیا اور میزاب کے دِل نے نگاہیں چُرا لیں۔

"میری مرضی!" دِل کی مغلوب کرتی کیفیت سے جُھنجھُلا کر لکھ بھیجا۔

"تو اِیسے کہیں نہ۔" نرم جواب اور پھر پُل کی دوسری جانب سے میزاب نے عباس جان نِثار کو پلٹ کر واپس جاتے دیکھا۔ اُس کا میزاب سے لاحاصل بحث کرنے کا کوئی اِرادہ نہیں تھا۔ کچھ دیر بعد اُس نے سیاہ لینڈ کروزر کو پُل کے اُوپر سے گُزر کر جاتے دیکھا اور پھر میزاب رحمت کے ساکن دِل کی طرح، تاریک ماحول سارا خاموش ہو گیا۔

عباس جان نِثار مُحبت کا اِظہار کر کے جا چُکا تھا۔

✓ کھینچ لیا اِک شوخ اَدا نے پھر سے عشق سرائے میں

کل جب اُس کے پاس گیا میں، شام کے گہرے سائے میں

جو بھی کہا تسلیم کیا اور جو مانگا وہ سونپ دیا

سِحر تھا اُس کی بات میں یا کچھ گھول دیا تھا سارے میں

دھیرے دھیرے کان کے رَستے، دِل کی تہہ میں اُتر گئی

اُس نے دِل کی بات کہی تھی، کچھ اِیسے پیرائے میں

اِک زخموں کا بیوپاری ہے، اِک مرہم کا کام کرے

فرق بس اِتنا سا ہوتا ہے، اپنے اور پَرائے میں۔۔۔

(افتخار حیدر)

صُبح سویرے، فجر کی اذان کے بعد سٹڈی کی طرف جاتے ہاشم بزنجو کی سیڑھیاں اُتر کر نیچے آتی میزاب تک نگاہ گئی تو ٹھٹک کر ٹھہرے۔ پہلے چہرے پر ناگواری چھائی مگر پھر کچھ چونک کر سوچتے ہوئے اُس ناگواری کو مُسکراہٹ نے پُوشیدہ کر دیا۔

"زیبی! تم گئی نہیں تھی رات کو؟" اُنکے سوال پر اپنے خیال میں غلطاں میزاب نے چونک کر اُنکو دیکھا اور پھر باقی ماندہ سیڑھیاں اُتر کر اُن تک آئی۔

"آپ رات ناراض ہو گئے تو میں کیسے جا سکتی تھی۔" نرم لہجے میں کہی گئی بات پر ہاشم بزنجو کے چہرے کی رونق بحال ہوئی مگر یونہی سنجیدگی سے پلٹ کر سٹڈی کا دروازہ کھول کر اندر بڑھے، یہ اِشارہ تھا اُسے بھی اندر آنے کا تبھی میزاب نے بھی اُنکی تقلید کی۔

"اِتنی پرواہ ہوتی میری ناراضگی تو تم یوں سب کے سامنے میری بات نہ کاٹتی۔ مُجھے کاشف اور باقی سب کے سامنے کچھ کہنے کے قابل چھوڑتی۔" اُنکی مایوس شکوے پر میزاب نے گہرا سانس لیا۔

"آپ کا دِل دُکھانے پر معذرت مگر مُجھے کل رات کی بات پر کوئی شرمندگی نہیں کیونکہ میں نے جو کچھ بھی کہا تھا وہ سو فیصد دُرست ہے اور میں چاہوں گی آگے بھی اِیسا ہی رہے۔" اُسکے سنجیدہ لہجے میں کچھ اِیسی قطعیت تھی کہ ہاشم بزنجو کو پلٹ کر اُسے دیکھنا پڑا۔

"مطلب کیا ہے اِس بات کا؟" اُنکی ناگواری اَب لاکھ چُھپائے میزاب سے چُھپ نہیں سکتی تھی۔

"میں جانتی ہوں آپ کی گوادر والی زمین پر نظر ہے اِسی لیئے آپ کو کچھ بھی کہنے سے پہلے بروقت روک دینا بہت ضروری تھا۔" اُسکی اگلی بات پر اُنہیں نئے سِرے سے طیش آنے لگا۔ اُنکے اہم پلان کو برباد کر کے میزاب رحمت شرمندہ بھی نہیں تھی۔ یہ وہ بھیانک خواب میں بھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔

"اور تمہیں میری اِجازت کے بغیر یہ ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟" اُنکی بازپُرس سخت تھی۔

"جب آپ نے میری اِجازت کے بغیر مُجھے رُخصت کیا تبھی مُجھے اِس کی ضرورت بہت اچھی طرح محسوس ہو گئی تھی۔" اُس چُبھتے لہجے پر ہاشم بزنجو کا ماتھا ٹھنکا۔

"جانتے بھی ہیں وہ زمین کِس کے نام ہے؟" اُسکو اپنا لہجہ اور سوال تبدیل کرنے پڑے۔

"احتساب سَنجرانی کی۔" اُسکے اِنکشاف پر ہاشم بزنجو کا چہرہ بے یقینی سے ششدر رہوا۔

"اور وہ ائیر پورٹ کے پراجیکٹ میں شراکت تو دُور آپ کو دیکھنے بھی نہیں دیتے وہاں۔ میں نے آپ کو یقینی سُبکی اور اہانت سے بچایا ہے۔" اُسکے اُونچے لہجے کی وضاحت پر ہاشم بزنجو نے اُن آنکھوں میں اُٹھتی خفگی کو دیکھا اور پھر پشیمانی سے اُنکے کندھے ڈھلکے۔

"وہ مُحتسب سَنجرانی نہیں ہیں جو نرم پڑ کر اپنے قدم پیچھے ہٹا لیں گے، احتساب سَنجرانی ہیں۔ حلق میں ہاتھ ڈال کر کھایا پیا واپس لیں گے۔" ہاشم بزنجو نے تحیر سے اُسکے سخت، سنجیدہ چہرے اور الفاظ کا جائزہ لیا۔

"تو اُن کروڑوں کی انویسٹمنٹ کا کیا ہو گا؟ اِنویسٹرز کو کیا جوب دوں گا میں؟" سَر جھٹک کر اُنہوں نے پِھر سختی سے کہا۔

"آپ کو کِس نے کہا تھا کہ میرے عِلم میں لائے بغیر اِتنا بڑا فیصلہ کریں۔ فیصلہ بھی وہ جِس کا خسارہ صاف نظر آرہا ہے۔" اُسکے انداز اور آواز میں اِیسی حاکمیت تھی کہ ہاشم بزنجو کے اندر سے کسی خدشے نے پوری قوت سے سَر اُٹھانا چاہا۔

"آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں جو کچھ کرتی آئی ہوں اور آگے کروں گی وہ بزنجو خاندان کی بہتری کے لیئے کروں گی پھر آپ کیسے مُجھے اندھیرے میں رکھ کر سب کو ہنسنے کا موقع دے سکتے ہیں۔" اور میزابِ رحمت نے اُس اُٹھتے خدشے کو بھانپ کر نہایت اطمینان سے اُسکو تھپک کر سُلا دیا۔ خدشات کے بیدار ہونے کے لیئے ابھی یہ وقت مُناسب نہیں تھا۔

"تم سہی کہہ رہی ہو۔ میں ہی کچھ جلد باز ہو گیا تھا۔" اُنکو تسلیم کر لینا پڑا۔ میزاب کچھ بھی غلط نہیں کہہ رہی تھی۔

"میں آفس جانے لگی ہوں۔ ٹاورز کا افتتاح قریب آتا جارہا ہے۔" میزاب کی یاددہانی پر اُنھوں نے اثبات میں سَر ہلایا۔

"سب کچھ ٹھیک ہونا چاہیئے۔ ذراسی بھی غلطی اور بدامنی کی گُنجائش نہیں۔" اُنکی ہدایت کو میزاب سمجھ سکتی تھی۔ اِس پروجیکٹ میں بدمزگی کا مطلب بزنجو انڈسٹریز کو کھربوں کا خسارا!

"بس آپ ذکی کو اپنے طریقے سے سمجھالیں۔" میزاب کے کہنے میں وزن تھا۔ اُنکے سمجھتے تاثرات پر وہ گہرا سانس لے کر واپس پلٹی۔ اُسے آفس جلدی جانا تھا کیونکہ افتتاح سے پہلے بہت سے کام کرنے تھے۔

جِس وقت وہ شہلا کلاتھنگ کے آؤٹ لیٹ سے واپس آرہی تھی، سامنے سے آتے ذکی کو دیکھ کر گہرا سانس لیا۔

"تم یہاں کیا کررہے ہو؟" وہ ناشتے سے پہلے گھر سے نِکل آئی تھی اِسی لیئے کسی کو معلوم نہیں ہوسکا تھا کہ رات وہ قصرِ بزنجو میں رُکی تھی۔

"بُھول گئی میں یہاں ایم-ڈی ہوں۔" ذکی کا انداز چڑھاتا ہوا تھا۔

"بُھول تم رہے ہو۔ تم اپنی گھٹیاں حرکتوں کے بعد بَرطرف ہوگئے ہو۔ اَب ایک پڑھا لکھا، باشعور اِنسان یہاں کا ایم-ڈی ہے جو اَقربا پَروری کی پیداوار نہیں ہے۔ اَقربا پَروری سمجھتے ہو نہ تم؟" اُسکے پُوچھے جانے پر ذکی کا چہرہ سُرخ ہوا۔

"نیپوٹیزم! اَب گھر جاؤ کیونکہ الرحمت تمہارا پلے گراونڈ نہیں ہے۔" اُسکا تپاتا لہجہ دماغ گُھما دینے والا تھا۔

"تم۔۔۔تم سمجھتی کیا ہو اپنے آپ کو۔ جانتی ہو نہ تمہاری کوئی حیثیت نہیں ہے پھر بھی ہواؤں میں اُڑ رہی ہو۔" دانت کچکچا کر اُس نے کہتے ہوئے میزاب کو مُسکرانے پر مجبور کر دیا۔

"واپس گھر جاؤ گے یا گارڈز سے دھکے کھانے ہیں شاید اِس طرح تم پر میری حیثیت بھی واضح ہو جائے گی۔" اگر تو وہ آگ لگانا چاہتی تھی تو کامیاب ہوئی۔

"تمہیں تو میں دیکھ لوں گا فلحال اپنی خیر مناؤ کیونکہ سب لوگ تمہیں کُھڈے لائن لگانے کی بہت بڑی پلاننگ کر رہے ہیں۔" ذکی کی آخری وارننگ پر وہ نہ چاہتے ہوئے بھی چونک گئی مگر چہرے سے ظاہر نہیں ہونے دیا۔

"تمہیں مُجھ سے ہمدردیاں کب سے ہونے لگیں؟" وہ واقعی جاننا چاہتی تھی ذکی کے اِرادے۔

"ہمدردی کوئی نہیں بس میں تمہیں اَصفہان تایا کی طرح بے خبر مَرتے نہیں دیکھنا چاہتا۔ تم ہمدرد اور اچھی عورت ہو میزاب مگر بے وقوف۔" ذکی نے پہلی بار سادگی سے کہا جبکہ میزاب نے بغور اُسکے چہرے پر پھیلی ہمدردی کا جائزہ لیا۔

"پھر تو مُجھے حیرت ہے۔ تم اِنسانوں کی بَستی میں رہنے کے باوجود آج اِنسان لگ رہے ہو مگر مفاد بتاؤ جِس کے لیئے تم یہاں آئے ہو۔" وہ میزابِ رحمت تھی۔ اُسے میٹھی باتوں میں بھی گھیرا نہیں جا سکتا تھا۔

"یار! وہ مجھے بیس لاکھ کی ضرورت ہے؟" بلی تھیلی سے باہر آتے دیکھ کر میزاب مُسکرا دی۔

"مُجھ سے کیوں کہہ رہے ہو؟ اپنے ماں، باپ کو کہو یا مُدثر کو۔" اُسکی سنجیدگی دیکھنے سے لائق رکھتی تھی۔

"مُجھے جِس مقصد کے لیئے چاہیئے اُسکے لیئے اِن دونوں سے نہیں لے سکتا۔ پہلے ہی کورٹ اور نیب نے آگے لگا رکھا ہے سب کو۔" ذکی کی جُھنجُھلاہٹ پر میزاب کا ماتھا ٹھنکا۔

"اِیسا بھی کیا مقصد ہے تمہارا؟" اُسکے مشکوک سوال پر ذکی نے کچھ لمحے کو سوچا۔

"میں اپنا بزنس کرنا چاہتا ہوں۔ اُسکے لیئے انویسٹمنٹ چاہیئے۔" ذکی جانتا تھا میزاب کو بتانے میں فائدہ تھا۔

"تو صِرف بیس لاکھ کیوں؟ انویسٹمنٹ کرنی ہے تو سٹارٹر کے طور پر پچاس لاکھ سے ایک کروڑ کی کرو۔" میزاب کے مشورے پر اُسکی آنکھیں چمکیں۔ تیزی سے اُسکی جانب بڑھا۔

"یعنی تمہیں لگتا ہے کہ مُجھے اپنا بزنس کرنا چاہیئے؟" اُسکو پہلی بار میزاب نے مثبت حوصلہ دیا تھا۔

"مُجھے کچھ نہیں لگتا لیکن چونکہ تم خود سے کچھ کرنا چاہتے ہو تو انویسٹ زیادہ کرنا چاہیئے آخر تم بزنجو خاندان کے وارث ہو۔" آخری جملہ عام ہو کر بھی عام نہیں تھا۔ ذکی نے اندر تک چونک کر اُسے دیکھا جو سادگی سے اُسکی جانب ہی دیکھ رہی تھی۔

"یہی بات اِن سب کو سمجھ نہیں آرہی۔" ذکی نے سَر جھٹکا۔

"تو سمجھا کر غلط ثابت کرو سب کو۔ جیسا میں نے کیا ہے، کر رہی ہوں۔" اُسکی بات حوصلہ دیتی ہوئی تھی۔ ذکی کے چہرے کے تاثرات بحال ہوئے۔

"تو اَب میں کیا کروں؟ مُجھے کل تک پیسے چاہیئے۔" ذکی نے کان کُھجا کر میزاب کو چونکا دیا۔

"داداجان سے رجوع کرو۔ میں کیا کہہ سکتی ہوں۔" میزاب نے بے نیازی سے شانے اُچکائے۔

"پھر بھی، زیبی!" ذکی کا انداز دوستانہ ہوا۔

"کوئی تدبیر سوچو، ذکی کاشف بزنجو اور سب پر ثابت کر دو کے وہ تمہیں نااہل اور بے کار سمجھ کر غلط کر رہے ہیں۔ تم وارث ہو آخر۔" اُس نے ذکی کا حوصلہ بلند کر کے اُسکے چہرے کی رونق بحال کر دی۔

"خوامخواہ اُس مُدثر میسنے کے ترلے کرنے پڑے۔ تم اچھے سے سمجھتی ہو کاروباری بات کو۔" ذکی نے مُسکرا کر کہا۔

"اَب تم کوئی تدبیر لڑاؤ تبھی خود کو ثابت کر سکو گے۔" بس پیٹھ تھپکنا رہ گیا تھا۔ ذکی کچھ سوچتے ہوئے تیز قدموں سے واپسی کے لیئے پلٹا جبکہ میزاب رحمت آنکھوں میں ڈھیروں سنجیدگی لیئے اُسکو ایک عَظم سے جاتے دیکھتی رہی اور پِھر سَر جھٹک کر آگے بڑھ گئی۔ اُسے ابھی بہت سے کام تھے۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے کیا؟" اندر آتے ہاشم بزنجو، کاشف بزنجو کو ہتھے سے اُکھڑتے دیکھ کر آگے آئے تبھی اُنکے سامنے تَن کر کھڑا ذکی نظر آیا۔

"اِس میں دماغ خراب ہونے والی کیا بات ہے۔ آپ سے اپنا جائز حصّہ مانگا ہے کوئی خُدائی تو نہیں مانگ لی۔" ذکی کا اطمینان دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ ہاشم بزنجو کے ماتھے پر شکنیں بننے لگیں۔

"کیا بکواس کر رہے ہو تم باپ سے؟ میرے سامنے کرو۔" ہاشم بزنجو کی کڑک گونج پر آمینہ کاشف اور رفعت شیراز بھی تیز قدموں سے اُس طرف آئیں۔

"چلیں آپ سے کہہ دیتا ہوں۔ مُجھے اپنا بزنس شروع کرنے کے لیئے تین کروڑ چاہیئے۔" ذکی نے اُسی لہجے میں اپنی بات دُہرائی۔

"کیسا بزنس؟" اُنھوں نے تحمل سے پوچھا۔

"یہ سوال آپ نے مُدثر سے تو نہیں پوچھا۔" ذکی نے جِس طرح تنک کر کہا ہاشم بزنجو نے اُسے چونک کر دیکھا جبکہ رفعت شیر از آگے بڑھیں۔

"کیونکہ اُسکا معلوم تھا کہ کہاں لگائے گا اور اُسے لگانے بھی آتے ہیں۔" ہاشم بزنجو کے لہجے میں سختی سِمٹ آئی۔

"جی! وہ نیب کے سَمنز سے اندازہ ہو رہا ہے سب کو کہ مُحترم کہاں کہاں لگا رہے ہیں۔" ذکی کا طنز رفعت شیر از کو بھالے کی طرح لگا۔

"کیا بکواس کر رہے ہو تم؟ اَب تم اِتنے بڑے ہو گئے ہو کہ بڑوں کے کاروباری داؤ پیچ پر اُنگلی اُٹھاؤ۔" کاشف بزنجو کو اُسے ٹوکنا پڑا ورنہ رفعت شیر از کو کون روکتا۔

"داؤ پیچ، واؤ! وہ تو میں دیکھتا آ رہا ہوں بچپن سے کہ کیسے ایک عورت کے کندھے پر بندوق رکھ کر یہ خاندان نشانے باندھتا ہے۔" ذکی کی بات توہین آمیز تھی تبھی ہاشم بزنجو کا چہرہ سُرخ ہوا تو آمینہ اور رفعت شیر از کا مُنہ کُھل گیا۔

"یہ کونسی زُبان اِستعمال کر رہے ہو تم بابا سے؟" آمینہ بیگم کی کڑی باز پُرس کا بھی اثر رائیگاں ہی گیا۔

"میں تو شروع سے ہی اِیسا بولتا ہوں اور پلیز! میرا وقت مت ضائع کریں اور مُجھے پیسے دیں ورنہ۔۔۔" اُس نے جان بُوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ ہاشم بزنجو عین اُسکے سامنے آ کھڑے ہوئے۔

"ورنہ کیا کرو گے تم؟" ذکی کی آنکھوں میں اُٹھتی بغاوت کی شدت جاننا بہت ضروری تھا۔

"آپ سے ہی سیکھا ہے کہ گھی ٹیڑھی اُنگلی سے کیسے نکالتے ہیں۔" اُسکی بے نیازی پر رفعت شیر از نے آمینہ کاشف کو خفگی سے دیکھا مگر سامنے بھی وہی تھیں۔ ہاشم بزنجو چند پَل اُسے یونہی دیکھتے رہے۔

"ٹھیک ہے! دیکھتے ہیں کیا تیر مارتے ہو تم۔" ہاشم بزنجو کی نیم رضامندی پر ذکی کے چہرے پر مُسکراہٹ آ گئی۔

"لیکن دو کروڑ سے ایک روپیہ زیادہ انویسٹمنٹ نہیں۔" اُنکے دوٹوک جواب پر ذکی کے مُنہ کے زاویے بگڑے۔

"اگر بھیک کی طرح دینا ہے تو اپنے پاس رکھیں اور میرا حصّہ الگ کر کے دیں۔" وہ ذکی تھا، اُسکا دماغ کب اُلٹ جائے کچھ معلوم نہیں تھا۔

"کونسا حصّہ؟" وہ بھی ہاشم بزنجو کے جلال کو آوز دے چُکا تھا۔

"وہی جو مُدثر کو دیا ہے اور وہی جو اِس سب کا حقدار اور وارث ہوتے ہوئے میرا بنتا ہے۔" ذکی نے اُن سب کو ہکا بکا کر دیا۔ وہ تو لا اُبالی سا تھا۔ موج مَستی کرنے والا، چلو کسی نئے ایڈونچر کے چکر میں بزنس آئیڈیا آسکتا ہے مگر جائیداد میں سے حصّہ؟

"مُدثر کو کونسا اصل حصّہ مِلا ہے۔ وہ تو بابا جان نے اُسکی صلاحتیں پَرکھنے کو بڑی فیکٹری اُسے دی ہے۔" رفعت شیراز کو تو بُرا ہی لگ گیا جبکہ اُنکی بیان بازی پر آمینہ بیگم نے کھاجاتی نظروں سے شوہر اور پھر اُسکی بہن کو دیکھا۔

"دینے میں اور نام کرنے میں بہت فرق ہوتا ہے، آپا۔ آپ کے مُدثر کا اِتنا بھی حصّہ نہیں بنتا تھا اور آپ آگے کا سوچے بیٹھی ہیں۔" آمینہ کاشف کی بات نے گویا چنگاری دِکھادی۔

"معلوم بھی ہے نہ تم کیا بولے جارہی جو۔ میرے بیٹے کا اِس سب پر سب سے زیادہ حق ہے۔ پوری زندگی گلادی اُس نے یہاں اور وہی سب سنبھال سکتا ہے۔" رفعت شیراز کی بات پر آمینہ کاشف کو مُٹھیاں بھینچ لینی پڑیں۔

"مُدثر کا جِتنا حق تھا اُس سے کہیں زیادہ حصّہ مِلتا رہا ہے اِس گھر میں رہتے ہوئے ورنہ آپ اگر اپنے سُسرال ہوتیں تو یہ سب خواب میں بھی نہیں سوچ سکتی تھیں۔" برسوں سے اندر دبے بُغض کو بس باہر نکلنے کا رَستہ درکار تھا۔

"کیا بکواس کی تم نے؟ میرے باپ کے گھر کی چھت کے نیچے کھڑے ہو کر تم مجھے اَب سیکھاؤ گی سب۔" وہ جس طرح غرائی کاشف بزنجو اور ذکی نے اُن دونوں چیختی چلاتی عورتوں کو ناگواری سے دیکھا۔

"بکواس بند کرو تم دونوں!" ہاشم بزنجو کی دَھاڑ نے اُن سب کو سُن کر دیا۔ آمینہ اور رفعت شیرازنے ایک دوسرے کو سُرخ پڑتے چہرے سے دیکھا۔

"اور تم۔۔۔۔" ذکی کی طرف دیکھ کر اُنہوں نے جیب سے چیک بُک نکال کر رقم لکھ کے، دَستخط کیئے اور چیک پھاڑ کر اُسکے مُنہ پر پھینکا۔

"یاد رکھنا کوئی نقصان ہوا تو سود سمیت واپس لوں گا تم سے یہ رقم۔" وہ تین کے بجائے پانچ کروڑ کا چیک دیکھ کر مُسکراتے ذکی کو تنبیہہ کرنا نہیں بھولے۔

"دیکھ کر کہیں آپکو ہی لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔" بائیں آنکھ دبا کر ہنستے ہوئے وہ دروازے سے باہر نِکل گیا۔

"نظر رکھو اِس پر۔ کچھ دِن میں اِفتتاح ہے اور میں نہیں چاہتا یہ پہلے کی طرح کوئی بدمزگی پھیلائے۔" کاشف بزنجو کو دیکھ کر اُنہوں نے سختی سے ہدایت جاری کی۔

"اِس کی طرف سے آپ بالکل بے فکر رہیں۔ میں سنبھال لوں گا۔" کاشف بزنجو اپنے بیٹے کو قابو میں رکھنے کے لیئے پُراعتماد تھے۔

"ٹھیک ہے مگر ناک مت کٹوا دینا۔" وہ تلخ ہونا کیسے بُھول سکتے تھے۔ کاشف بزنجو نے لَب بھینچ لیئے کیونکہ اپنی اولاد کی فطرت کو والدین کے علاوہ کون بہتر سمجھ سکتا ہے جبکہ آمینہ اور رفعت بیگم ایک دوسرے کو شرانگیز نظروں سے دیکھ کر پیر پٹختے ہوئے اپنے اپنے کمروں کی جانب بڑھ گئیں۔

"دو کے بجائے پانچ کروڑ مل گئے ہیں۔ تھینک یو!" ذکی کے میسج کو پڑھتے ہوئے اُس نے کچھ پَل کو سوچا اور پِھر سیل فون میں موجود نمبروں کو آگے پیچھے کرتے ہوئے **'ضوریز سکندر'** پر آ کر ٹھہری اور پِھر کال مِلا دی۔ پہلی بیل پر ہی کال اُٹھالی گئی تھی۔

"اسلام علیکم! میزابِ رحمت بات کر رہی ہوں۔" اُسکو پہل کرنی پڑی۔

"جی، وعلیکم اسلام! جانتا ہوں۔ کیسی ہیں آپ؟" اُسکے سوال پر میزاب نے فائلز بند کر کے سائیڈ پر رکھیں۔

"الحمدللہ! مُجھے آپ سے ایک فیور چاہیئے تھی۔" وہ سیدھا مُدعے کی بات پر آئی۔ اُسکی خیریت نہیں پوچھی گئی جبکہ ضوریز سکندر کرسی چھوڑ کر سیدھا ہوا۔ میزابِ رحمت اُس سے فیور مانگنے والی تھی۔

"کیسی فیور؟" اُسکے سوال پر میزاب نے ایک بار پِھر سے سوچا۔ ذہن میں جواد کا نام بھی گونجا مگر اُسے اِس معاملے کی عباس کو بھنک بھی پڑنے نہیں دینا تھا۔

"مُجھے ایک بینک اکاؤنٹ کی تفصیل چاہئیے۔ یعنی اُس سے اَماونٹ کہاں جا رہی ہے یہ جاننا چاہتی ہوں تو کیا اِس سلسلے میں آپکا کوئی جاننے والا بینک میں موجود ہے؟" اُسکے سوال پر ضوریز سکندر صرف ایک پَل کو چونکا۔

"آپکے اپنے اِتنے کنیکشنز ہیں تو آپ مُجھ سے کیوں کہہ رہی ہیں؟" وہ بزنس مین تھا اور یہ بات میزاب جانتی تھی۔

"مُجھے جاننا ہے کہ وہ پیسہ محفوظ ہاتھوں میں جا رہا ہے یا غیر قانونی جگہ انویسٹ ہو گا اور یہ میں اپنے کنیکشنز سے کروا کر معاملے کو پھیلانا نہیں چاہتی۔" اُسکے جواب پر ضوریز نے سمجھ کر سَر ہلایا۔ میزاب سیکریسی چاہتی تھی۔

"میرا جاننے والا سٹیٹ بینک میں موجود ہے۔ میں آپ کا نمبر اور ریفرنس اُسکو دیتا ہوں۔ آپ ڈائیریکٹ کونٹیکٹ کریں گی تو مُناسب رہے گا۔" ضوریز سکندر کی بات پر میزاب نے سُکھ کا سانس لیا۔ شُکر ہے وہ خود ہی عقل مند تھا۔

"جزاک اللہ! میں آپ کی یہ فیور یاد رکھوں گی۔" اُسکا مطلب تھا کہ جلد میزاب اُسکی کسی مُشکل میں مدد کرے گی۔

"ضرور! کچھ بھی ہو اسب سے پہلے آپ سے فیور لوں گا۔" اُس نے مُسکرا کر میزاب کو اُس فیور کے بوجھ سے آزاد کرنا چاہا اور میزاب بے ساختہ مُسکرا دی۔ ٹینس کندھے ڈھیلے ہوئے۔ وہ ایک اچھا اِنسان تھا کم از کم یہاں میزابِ رحمت کی پَرکھ غلط نہیں تھی۔

"اِنشاءاللہ، اللہ حافظ!" نرمی سے کہہ کر میزاب نے کال مُنقطع کر کے سیل فون ٹیبل پر رکھا۔ اُس کی سوچوں کا رُخ قصرِ بزنجو کی جانب تھا۔ ذکی کو اِتنی رقم مِلنے کا مطلب تھا گھر میں اچھا خاصہ تماشا ہوا ہو گا۔ پُرسوچ نظروں میں اگلا لائحہ عمل ترتیب پا رہا تھا۔ اُسکے خیالات میں مُداخلت، بَج اُٹھتے سیل فون نے کی۔ چونک کر اُس نے چہرہ جُھکایا۔ پلکیں لرز کر اُس نام کو دیکھنے لگیں جو سکرین پر دَھنک رہا تھا۔ اُس میں عباس جان نِثار سے بات کرنے کی ہمت اَب تک نہیں آئی تھی۔ ہاتھ پِھر سے بے جان ہونے لگے۔ سماعتوں میں وہ مُحبت میں ڈوبے دلکش بول پِھر سے گونجنے لگے تو اُسے سَر جھٹک دینا پڑا۔ یہ دِن اُس کے لیئے بہت اہم تھے۔ اُسے اِرد گرد کے بجائے اپنے کام پر مکمل دھیان دینا تھا ورنہ سب کچھ تلپٹ ہو سکتا تھا۔

سیل فون بَج بَج کر خاموش ہو گیا بالکل اُسکی ہستی کی طرح! اُس نے کام میں اپنا دھیان لگانا چاہا مگر کیسے لگ سکتا تھا۔ بات جان نِثار پر آ کر رُک گئی تھی۔ اُسے ابھی افتتاح کے اِنتظامات دیکھنے جانا تھا تبھی کرسی دھکیل کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ آفس سے باہر نِکل کر کائنات کے ساتھ وہ اَصفہان ٹاورز میں موجود تھی۔

"سارے اِنتظامات ٹھیک جا رہے ہیں۔ ایونٹ مینجر بس فائنل ٹچ دے رہے ہیں۔" کائنات کی اطلاع پر ایک طرف سے دوسری طرف جاتی، ہر شے دھیان سے دیکھتی میزاب رحمت نے اثبات میں سَر ہلایا۔ یہ ایونٹ بہت اہم تھا اِس لیئے اُسے ایک ایک چیز خود دیکھنی تھی ورنہ ایونٹس وغیرہ کائنات کے حوالے کر دیتی تھی مگر یہ والا اُسے خود دیکھنا تھا۔ اپارٹمنٹس کی بکنگ ختم ہو چکی تھی اور مین ہال میں تقریب رکھی جانی تھی۔ چہرہ پھیر کر یونہی اُس نے بے اِرادہ شیشے کے دروازے کی طرف دیکھا اور وہاں سے آتے شخص کو دیکھ کر اُسکے چہرے کا رنگ اُڑا۔ آنکھیں پھیلائے چند پَل وہ یونہی آسمانی رنگ کی شرٹ اور سیاہ پینٹ میں ملبوس عباس کو ٹھہرتے دِل سے دیکھتی رہی اور پھر بے اِختیار ستون کی اُوٹ لے لی۔ یہ بالکل غیر اِرادی حرکت تھی۔ بھاری قدم قریب آتے سنائی دینے کے ساتھ اُسکی دَھڑکن بھی تیز ہونے لگی۔ یوں چُھپ جانے پر اُسکا جی چاہا اپنا سَر دیوار پر دے مارے۔

"رحمت کہاں ہیں؟" قریب آتا شخص مدھم سا کائنات سے پوچھ رہا تھا۔

"وہ۔۔۔وہ۔۔کچھ دیر پہلے ہی چلی گئیں۔" کائنات کو سمجھ نہیں آئی کہ بات کیسے سنبھالے۔ وہ تو خود میزاب کے یوں بھاگ کھڑے ہونے پر ہکا بکا تھی۔

"ابھی تو یہیں تھیں۔ ہم نے۔۔۔" عباس کے عقب سے نکلتے شخص نے ناگواری سے کچھ کہہ کر جہاں کائنات کو بوکھلاہٹ میں مُبتلا کیا وہیں عباس نے سائیڈ ستون کی اُوٹ سے لہراتے ہلکے سبز رنگ کے دوپٹے کو دیکھ کر جواد کو پیچھے کر کے بروقت خاموش کروا دیا۔

"اُنکو بتانا کہ میں اُن سے مِلنے آیا تھا۔" نرمی سے اُس لہراتے سبز دوپٹے کو دیکھ کر کائنات کو کہا گیا مگر جِس کو سُنانا مقصود تھا اُس نے آنکھیں سختی سے میچ لیں۔ چند پَل بعد قدموں کی آواز پر گہرا سانس لے کر جیسے ہی وہ نکلی، عین

آنکھوں کے سامنے آئے چہرے کو دیکھا کر چیخ حلق میں ہی گھُٹ کر رہ گئی، سُرمئی آنکھیں اپنے حُجم سے کئی گنا پھیلیں اور پھر وہ تیزی سے پیچھے ہو کر سنبھل گئی۔ وہ دِل دَھڑک اُٹھنے کا عمل پَل بھر کے لیئے تھا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" میزاب نے سوال پہلے داغا۔

"آپ وہاں کیا کر رہی تھیں؟" پِلر کی اُوٹ کی جانب اِشارہ کر کے شاید اُسے شرمندہ کرنا چاہا مگر وہ میزاب تھی، اندر سے شرم سے پانی پانی ہو جانے کے باوجود اُسکی گردن تنی رہی۔

"میں نے پہلے پوچھا ہے۔" حدِ اَدب رہنے کا حکم نافذ ہوا اور عباس جان نِثار نے تسلیم بھی کر لیا تبھی سَر ہلا کر پیچھے ہوا۔

"آپ کی خیریت معلوم کرنے آیا تھا۔ آپ کو دیکھ لیا، تسلی ہو گئی۔" نرمی سے کہہ کر وہ تیزی سے پلٹا اور پھر جواد کو وہیں رُکنے کا اِشارہ کر کے خود باہر نِکل گیا۔ میزابِ رحمت سانس روکے اُسکے واپس جاتے قدموں کو دیکھتی رہی۔ وہ کیا ناراض تھا اُس سے؟

"آپ بھی چلتے پھرتے نظر آئیں۔" برابر سے آتی آواز پر جواد نے کچھ چونک کر سائیڈ پہ دیکھا۔

"آپ نے مُجھ سے کہا؟" اُسے اِیسے الفاظ سماعتوں کا دھوکا لگے۔

"جی! آپ سے۔ آپ اگر یہاں میری میم پر نظر رکھنے کی نیت سے کھڑے ہیں تو نِکل بھاگیں۔" اُس نے شاید جواد کو پہچانا نہیں تھا تبھی تڑخ کر کہے جا رہی تھی۔

"آپ کو معلوم بھی ہے کہ میں کون ہوں؟" ایک نظر راہداری میں جاتی میزاب کو دیکھ کر اُسے اپنا لہجہ کڑا رکھنا پڑا۔

"مجھے کیا معلوم! آپ عباس سَر کے کوئی چمچے۔۔۔" اُن سخت نظروں پر اُسے اپنے الفاظ روک لینے پڑے۔

"آپ کو شاید یاد نہیں میں سَر عباس کا چمچہ نہیں، دوست ہوں ڈی-ایس-پی جواد اَرمغان۔" نخوت سے کہہ کر اُس نے کائنات کی ہوائیاں اُڑادیں۔ اُس نے گڑبڑا کر وہاں دیکھا جہاں میزاب گئی تھی۔

"ہائے اللہ! بہت معذرت۔ میں نے آپکو پہچانا نہیں۔" اُسکی بدلتی ٹون پر جواد اُس عورت کو دیکھ کر رہ گیا۔ اُس نے جواد اَرمغان کو نہیں پہچانا تھا یہ بڑی عجیب بات تھی۔ ٹھیک ہے اُسکا سرسری سا سامنا ہوا تھا اِس لڑکی سے جب عباس ہاسپٹل میں ایڈمٹ تھا مگر اُسے یاد تھی یہ لڑکی تو اُسے بھی ہونا چاہیئے تھا۔

"اصل میں اُس دِن جلدی میں تھی تو مجھے۔۔۔" اُن سنجیدہ ہوتے تاثرات پر اُس نے وضاحت کرنی چاہی مگر پھر۔۔۔

"کیا ہے بھئی! نہیں پہچانا تبھی کہہ دیا۔ اِیسے دیکھ رہے ہیں جیسے کوئی عادی مُجرم ہوں میں۔" ناک چڑھا کر وہ جواد کو یونہی ہونق چھوڑ کر اُسکے برابر سے نِکل گئی۔

"ہیں!" جواد کو چند پَل لگے سمجھنے میں اور پھر سَر جھٹک کر واپس عباس کے پیچھے ہولیا۔ اُسے عباس کے ساتھ کسی اہم کام سے جانا تھا۔ کاشف بزنجو اور منظور کرامت کی شراکت داری پھر سے اندرونِ خانہ بحال ہوچکی تھی۔

اگلی صُبح وہی ہوا جو میزاب کو لگتا تھا، ذکی کاشف بزنجو کو پانچ کروڑ کا نقصان ہوگیا۔ ضوریز سکندر کے ریفرنس سے میزاب کو معلوم ہوا تھا کہ ذکی نے وہ پیسے کسی آن لائن گیمبلینگ ہاؤس میں اِنویسٹ کیئے تھے۔ میزاب کو معلوم تھا کہ اُسکی جلدبازی اُسے مَروائے گی اور یہی ہوا۔ وہ سائیٹ والا نہ جانے اور کتنوں کے ساتھ دھوکہ کر کے راتوں

رات باہر ملک فرار ہو چُکا تھا۔ میزاب نے خبروں میں چلتی اُس اللیگل سائیٹ کے اِنویسٹرز پر **'ذکی کاشف بزنجو'** کا نام دیکھ کر گہرا سانس لیا۔ اُسے ابھی مزید کچھ کرنا تھا۔

"**بہت خوب، بچے!**" احتساب سَنجرانی کی جانب سے بھیجے جانے والے پیغام کو پڑھ کر صِرف ایک پَل کو وہ مُسکرائی دوسرے ہی پَل اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"آپ کو ہاشم صاحب بُلا رہے ہیں، میم!" دستک دے کر اندر آتی گھریلو مُلازمہ وہی تھی جِس نے میزاب کو آڈیو بھیجی تھی۔

"جی! نائمہ بوا۔ میں آتی ہوں۔" میزاب کے کہنے پر وہ چلی گئیں جبکہ میزاب تیز قدموں سے کمرے سے نِکل کر ہال کمرے کی جانب بڑھی اور وہیں اُسکو ٹھہر جانا پڑا کیونکہ ہاشم بزنجو نے ذکی کے چہرے پر پوری قوت سے تھپڑ مارا تھا۔ سب ششدر سے اپنی جگہوں سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"میں نے تم پر بھروسہ کرنے کا سوچا بھی کیسے؟" سُرخ چہرے والے ذکی پر اُنکا بس نہیں چل رہا تھا چہرہ تھپڑوں سے مزید لال کر دیتے۔

"اِتنی بڑی رقم بھی نہیں تھی کہ آپ میرے بیٹے پر ہاتھ اُٹھائیں۔" آمینہ کاشف تڑپ کر آگے بڑھیں۔

"تمہاری بے وجہ ڈھیل اور حمایت کا نتیجہ ہے یہ خودسری اِسکی۔ بات رقم کی نہیں اُس ذلت کی ہے جو اِسکی وجہ سے بزنجو خاندان کو جگہ جگہ مِل رہی ہے آج۔ پرسوں اِفتتاح ہے اور تم۔۔۔" مُٹھیاں بھینچ کر کہتے ہوئے اُنہوں نے آمینہ بیگم کو خاموش کروا کر ایک کینہ توز نظر نظر چُراتے کاشف بزنجو پر ڈالی۔

"یہ نظر رکھی ہے تم نے اپنی اولاد پر؟" غُرا کر کہتے ہوئے اُنہوں نے کاشف بزنجو کا سَر مزید جُھکا دیا۔

"اَب جو ہونا تھا ہو گیا، دادا جان۔ چیخنے چلانے اور لڑنے جھگڑنے سے نہ سرمایہ واپس مِلے گا اور نہ ہی میڈیا ہمارے گُن گانے لگے گا۔" میزاب کی سنجیدہ بات پر سب نے پلٹ کر اُسے دیکھا جو آگے بڑھ رہی تھی۔

"زیبی ٹھیک کہہ رہی ہے، نانا جان۔" مُدثر کو اُسکی بات تسلیم کرنی پڑی جبکہ رفعت شیراز نے تلملا کر بیٹے کو دیکھا۔

"ذکی نے بھی آگے سب کچھ سنبھالنا ہے۔ بزنس کو آگے لے کر چلنا ہے تو اِیسے خسارے ہونا فطری سی بات ہے لیکن ذکی کے لیئے بھی یہ ایک سبق ہے کہ بزنس میں اللیگل کام کیئے جائیں تو کبھی نہ کبھی اِنسان مُنہ کے بَل ضرور گِرتا ہے۔" ذکی جو اُسکی حمایت پر خوش ہونے لگا تھا آخری بات خجالت سے چہرہ جُھکا گیا۔ میزاب ٹھیک ہی کہہ رہی تھی۔

"اِس بدبخت کو کبھی عقل نہیں آئے گی۔ اِسکی عیاشیوں اور بے وقوفیوں کی کوئی حد نہیں ہے۔" ہاشم بزنجو کا غصّہ کم ہونے میں نہیں آرہا تھا۔ صُبح سویرے لوگوں نے فون کر کر کے جو اُنکو میٹھی میٹھی باتیں سُنائی تھیں وہ ہتھوڑے کی طرح برس رہی تھیں۔ ٹاورز والا پروجیکٹ کِتنا قیمتی تھا یہ صِرف میزاب اور ہاشم بزنجو جانتے تھے۔

"یہ آپ کے کُل کا وارث ہے، دادا جان۔ کل کو مُدثر اور میرے علاوہ ذکی اور تقی نے ہی آگے آکر سب سنبھالنا ہے۔" اُسکی سنجیدہ بات پر رفعت شیراز اور مُدثر کی نگاہوں کا تبادلہ ہوا۔

"تمہارے علاوہ اِیسے عقلمند پوتوں، نواسے اور بیٹے پر بھروسہ کر کے سب کیا کرایا خاک کرنے کا مُجھے کوئی شوق نہیں ہے۔" اُنہوں نے اُن سب کو صاف ہری جھنڈی دِکھا کر ہک دَق کر دیا۔

"پہلے میں نے سوچا تھا مگر نہیں تم میں سے کوئی اِس قابل نہیں ہے کہ میزاب کی ذمہ داریاں سنبھال کر بانٹ سکے۔" اُنہیں ہمیشہ سے معلوم تھا کہ میزاب کا مقابلہ اِس خاندان کا کوئی مَرد نہیں کر سکتا۔

"یہ سب ہم بعد میں مِل بانٹ کر ڈسکس کریں گے۔ ابھی سوچیں کے کیسے اپنی پی۔ آر کروانی ہے۔ جانتے ہیں نہ اَصفہان ٹاورز کے سامنے کروڑوں کا نقصان کچھ بھی نہیں ہے۔" میزاب کی یاد دہانی پر ہاشم بزنجو کو نئی پریشانی گھیرنے لگی۔ ایک تیز نظر ذکی پر ڈال کر وہ بے بسی سے کرسی پر بیٹھ گئے۔

"تم ہی کچھ بتاؤ۔ میرا تو دماغ مفلوج ہو گیا ہے۔" میزاب جانتی تھی اُنکو باری باری سب بورڈ ممبر نے کال کر کے سُنائی ہوں گی۔ آئے روز کوئی نہ کوئی مسئلہ اُن سب کو بھی ٹھٹکا رہا تھا۔

"آپ بورڈ ممبرز کی باتوں کو دِل پر مت لیں۔ اُنکا پیسہ لگا ہوا ہے تو اُنکے تحفظات جائز ہیں۔" میزاب کی بات پر ہاشم بزنجو نے پریشانی سے سَر اثبات میں ہلایا۔

"تو اَب کیا کرنا ہے؟" کاشف بزنجو کے سوال پر میزاب نے لمحے بھر کو کچھ سوچا۔

"ہمیں اِفتتاح کے دِن ایک کثیر رقم کسی فلاحی تنظیم کے نام کرنی ہو گی اور بات پانچ کروڑ تک کی نہ ہو۔" میزاب کی رائے پر سب نے ایک دوسرے کو اِیسی نظروں سے دیکھا گویا وہ پاگل ہو گئی ہو۔

"اِتنے عرصے سے جو چیریٹی کے نام پر اِتنی رقم جھونکتی آ رہی ہو وہ کم پڑ گئی ہے کیا؟" کاشف بزنجو کے تلخ سوال پر میزاب نے گہرا سانس لیا۔

"دولت گردش کرتی رہے تبھی بڑھتی ہے، چاچو۔ ایک شخص اپنی مُٹھی دبا کر بیٹھا رہے تو قارون کا خزانہ بھی ختم ہو جائے گا۔" اُسکی بات میں وزن تھا۔

"کتنی رقم کرنی ہو گی؟" ہاشم بزنجو نے سوال اُٹھایا۔

"بابا جان۔۔۔" کاشف بزنجو، آمنہ اور رفعت بیگم ایک ساتھ چلا اُٹھائے۔

"تقریباً پچیس کروڑ۔ ہمارے لیئے یہ معمولی رقم ہونی چاہیئے ورنہ یہ اِللیگل گیمبلینگ والا تمغہ لگا رہے گا۔" اگر ٹھنڈے دماغ سے سوچا جائے تو میزاب کی بات سہی تھی۔

"ٹھیک ہے پھر تم اِفتتاح کی سپیچ کے بعد۔۔۔" ہاشم بزنجو نے کچھ کہنا چاہا مگر میزاب نے اُنکی بات مُنقطع کر دی۔

"یہ رقم آپ کو ہی اناؤنس کرنی ہو گی اور آپ اپنے ہاتھ سے تقسیم کریں گے کیونکہ آپ سربراہ ہیں تبھی بات بنے گی۔" ہاشم بزنجو نے سمجھ کر سَر ہلایا اور مُسکرا کر اُسے دیکھا۔

"جاؤ تمہیں آفس اور اِفتتاح کے کام بھی دیکھنے ہیں۔ فیکٹری آج سے مُدثر اور کاشف ہی سنبھالیں گے۔" اُنکی بات پر جہاں مُدثر اور کاشف بزنجو مُسکرا کر سیدھے ہوئے، میزاب اثبات میں سَر ہلا کر تیز قدموں سے واپس اپنے کمرے میں تیار ہونے کے لیئے گئی اور پھر اُسکی واپسی پندرہ منٹ بعد ہوئی۔ پاتھ وے سے گُزر کر اُس نے جیسے ہی گاڑی کا دروازہ کھولا، پیچھے سے مُدثر کی پُکار پر رُک کر پلٹی۔

"تم۔۔۔ نے اُس کمینے کو چھوڑ دیا ہے؟" مُدثر کے سوال پر میزاب اُسی لاعلم سنجیدگی سے دیکھے دیکھتی رہی۔

"میرا تو کسی کمینے سے تعلق نہیں ہے، مُدثر۔" اُسکے سنجیدہ لہجے پر مُدثر کو بھی سنبھلنا پڑا۔

"اُس فریبی عباس کی بات کر رہا ہوں۔" اُسکا لہجہ ابھی بھی تلخ تھا۔

"یہ تم دونوں ایک دوسرے کو اِتنا ناپسند کیوں کرتے ہو؟ وہ بھی تمہیں الو کا پٹھا کہہ رہا تھا اور یہاں تم اُسے فریبی کہہ رہے ہو۔" میزاب کا سوال معصومانہ سہی، مُدثر کا چہرہ سُرخ کر گیا۔

"اُس نے میرے بارے میں تم سے اِیسا کہا؟" اُسے جیسے یہ الفاظ میزاب کے مُنہ سے سُن کر بے یقینی ہوئی۔

"ہاں! تمہارے بارے میں، میرے سامنے۔" آرام سے کہہ کر اُس نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور مُدثر کو یونہی ہونق چھوڑ کر گاڑی نکال لے گئی۔ کتنے لمحے لگے مُدثر کو یہ سمجھنے میں کہ میزاب اُسے نظرانداز کر کے، بے عزت کر کے گئی ہے، وہ بھی اُس عباس کی وجہ سے اور اِس سمجھ کے ساتھ ہی اُس نے دونوں ہاتھوں کی مُٹھیاں سختی سے بھینچ لیں۔

"اَب تمہیں میرے ہاتھوں سے کون بچائے گا، عباس۔" پیچھے رہ جاتے مُدثر شیراز کے اِرادے مُصمم تھے۔

"بھابھی! گھر کیوں نہیں آ رہیں؟" شُجاعت کے سوال پر اُس نے ایک نظر اپنی جانب ہی متوجہ جواد کو دیکھا۔ وہ تینوں اِس وقت کسی ریسٹورانٹ میں بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے تبھی اُسکی خاموشی پر شُجاعت نے وہی سوال پوچھا جو پوچھنا چاہتا تھا۔

"آپ دونوں کی لڑائی ہوئی ہے؟" شُجاعت کا سوال حاضر تھا۔

"نہیں!" اُس نے یونہی سنجیدگی سے کھانا کھاتے مُختصر کہا۔

"آپ نے اُن سے کچھ کہا ہے؟" اَب کے شُجاعت مشکوک ہوا۔

"نہیں بھئی!" اُس نے جُھنجُھلا کر کھانے سے ہاتھ کھینچ لیئے۔

"پہلے ہی اُسکا کہیں دِل نہیں لگ رہا اُوپر سے تم اِیسے سوال پوچھ رہے ہو اُس سے۔" جواد کا ٹوکنا بھی کیا ٹوکنا تھا۔ عباس نے تنبیہہ بھری نظروں سے اُسے دیکھا۔

"خبروں میں پِھر سے کاشف بزنجو کے کارنامے گردش کر رہے ہیں اور یقیناً وہ بہت مصروف ہوں گی۔" شُجاعت نے اُسکی تشفی کروانی چاہی جبکہ عباس کے چہرے پر مزید پریشانی چھاگئی۔ وہ عورت پِھر سے اپنا کھانا پینا بُھول کر اُس خاندان کے لیئے بھاگ دوڑ کر رہی ہو گی۔

"کھانا تو کھاؤ!" جواد نے اُسکی توجہ بانٹنی چاہی مگر عباس نفی میں سَر ہلا کر پیچھے ہوا اور اُن دونوں کو کھانے کا اِشارہ کر کے خود کرسی کی پُشت سے ٹیک لگالی۔ اُسکا ذہن کہیں اور تھا۔ اُس نے جواد کے ذکی والے اِللیگل معاملے کا بتائے جانے پر ہی میزاب کی لوکیشن چیک کی تھی۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ میزاب پریشان تو نہیں مگر اُسے تو عباس کو اچھی طرح نظر انداز کرنے کا سُنہری موقع مِل گیا تھا جسے جانے نہیں دیا جاسکتا تھا۔ بے چینی سی بے چینی تھی۔ وہ اُسکے ہاتھ نہیں آرہی تھی کہ اُسکی آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کر سکتا۔ یونہی بے اِرادہ اُس نے چہرہ پھیرا اور جِس طرح اُسکے چہرے کی رنگت اور تاثرات تبدیل ہوئے، شُجاعت اور جواد نے بیک وقت اُسکی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھ کر ایک دوسرے کو دیکھا۔

"یہ بھابھی کے ساتھ کون ہے؟" اُن سے چند ٹیبل دُور میزابِ رحمت، ضوریز سکندر سے مُسکراتے ہوئے بات کر کے عباس جان نِثار کا سارا خُون جلاچکی تھی اور اُسے خبر بھی نہیں تھی۔ آہ! یہ بے خبری....

"عباس کا رقیب!" جواد کا انداز بَرجستہ تھا۔ عباس نے چہرہ پھیر کے اُسے کینہ توز نظروں سے دیکھا۔

"بکواس نہیں، جواد۔ وہ صِرف رحمت کا بزنس پارٹنر ہے۔" عباس کی تنبیہہ دوٹوک تھی۔

"اور تم لائف پارٹنر۔" جواد نے مُسکراتے ہوئے اُسے ٹھنڈا کرنا چاہا اور جِس طرح وہ جھاگ کی طرح بیٹھ کر مُسکرایا، شُجاعت اور جواد اُسے حیرت سے دیکھ کر رہ گئے۔ اُس کا میزابِ رحمت کی مُحبت میں بیڑہ غرق ہو چُکا تھا۔

"تو پھر اُسکو کسی اور کے ساتھ دیکھ کر سَڑنا چھوڑ دو۔" جواد ہی کیا جو اُسکی مٹی پلید کرنے سے چُوک جائے۔ عباس کی اُسی تیزی سے مُسکراہٹ سِمٹی۔

"وہ میری کال نہیں اُٹھا رہیں، مُجھ سے مِل نہیں رہیں، میری طرف دیکھ تک نہیں رہیں اور اُس خبیث کے ساتھ اطمینان سے بیٹھی ہیں۔ بے شک کاروباری بات ہے مگر میری برداشت سے باہر ہو رہا ہے۔ اُنکی توجہ میرا حق ہے۔" اُسکی جذباتیت پر شُجاعت اور جواد آنکھیں پھاڑ کر اُسے دیکھنے لگے جو خفگی سے چہرہ پھیرے مُسلسل مُسکراتی میزاب کو دیکھ رہا تھا۔

"تم بالکل عقل سے پیدل ہو چکے ہو۔" جواد نے تصدیق کر دی۔

"اور میری دُعا ہے تم بھی بہت جلد ہو جاؤ۔" عباس نے بھی تڑخ کر کہتے ہوئے شُجاع کو ہنسنے پر مجبور کر دیا۔ اُن دونوں کی نوک جھوک اور طنز سے مزے دار شُجاعت کو کچھ نہیں لگتا تھا۔

"ربِ کعبہ اِیسا دوست کسی دُشمن کو بھی نہ دے۔" جواد نے بِدک کر دہائی دی۔

"اِلٰہی آمین!" عباس کی آمین پر شُجاعت نے اپنی ہنسی بامُشکل دبائی جبکہ جواد نے اُسے کھا جانے والی نظروں سے گھُورا۔

"آپ کے بھی ستارے گردش میں آسکتے ہیں۔" شُجاعت نے موقع غنیمت جانا۔

"نہیں یار! ہم مُشاہدے سے سبق سیکھ لینے والے لوگ ہیں۔" جواد نے جلتے بُھنتے عباس کی جانب اِشارہ کیا۔

"کیا مطلب؟" شُجاعت کی نا سمجھی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔

"تم خُود عدن کے ستائے ہوئے ہو، میرے دوست!" وہ جو توجہ سے اُسے دیکھ رہا تھا، خجل ہو گیا۔

"میرا مطلب ہے کہ ہم لوگوں کی بے بسی اور بے چارگی سے سبق لے کر اِیسی حماقتوں سے ہر ممکن پرہیز کرتے ہیں۔" بڑے ہی شاہانہ پَن سے اپنا مُدعہ بیان کیا۔

"کیا بات کر رہے تھے تم، مِس کائنات سے؟" عباس سے اُسکی شوخی دیکھی نہیں گئی۔

"کون مِس کائنات؟" جواد کی ناسمجھی پر شُجاعت کے کان کھڑے ہوئے۔

"جِس سے تم بات کر رہے تھے۔" عباس نے چہرہ پھیر کر اُسے دیکھا۔

"اچھا تو اُس بد تمیز سی لڑکی کا نام کائنات ہے۔" جواد نے جیسے سمجھ کر سَر ہلایا۔

"آپ لڑکیوں سے باتیں کرتے ہیں؟" شُجاعت کے مصنوعی صدمے پر جواد نے اُسکو گُھورا۔

"صِرف لڑکی وہ بھی بامُشکل پانچ مِنٹ بات ہوئی۔" اُس نے عباس کو مزید آگ لگانے سے دُور ہی رکھا۔

"واہ! کیسے ایگزیکٹ وقت یاد ہے۔" شُجاعت کی تحسین پر عباس مُسکرا کر کرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

"میں تم بھائیوں کی طرح عقل سے پیدل نہیں ہوں کہ ایک نظر، ذراسی مُلاقات میں اپنا سب کچھ ہار بیٹھوں۔" جواد اَرمغان بڑی دُور کی کوڑی لایا۔ عباس نے تاسف بھری نظر اُس پر ڈالی اور پھر اُس جانب چل دیا جہاں میزاب بیٹھی تھی۔

"چلو جی! تمہار بھائی تو ہاتھ سے نِکل گیا۔" جواد نے کہہ کر ہاتھ جھاڑے۔

"مُجھے تو آپ کے بھی ہاتھ سے نکلنے کے دِن دُور نہیں لگ رہے۔" شُجاعت نے مُسکراہٹ دبائی جبکہ جواد نے اُسکے شانے پر تھپڑ مارا۔

"عدن سہی کرتی ہے تمہارے ساتھ۔" شُجاعت کی مُسکراہٹ سِمٹی جبکہ جواد نے بھی اپنا حساب برابر کرلیا۔ اُنکی نوک جھوک سے پرے اگر ہم چہرہ پھیر کر عباس جان نِثار کو دیکھیں تو وہ تیز قدموں سے ریلنگ پر ہاتھ رکھتے ہوئے آگے اُس جانب بڑھ رہا تھا جہاں میزابِ رحمت تھی۔ ستون کے برابر آکر اُسے میزاب کی آواز سُن کر ٹھہرنا پڑا۔

"بزنس کی بہت باتیں ہوگئیں۔ میں دراصل آپ کا شُکریہ ادا کرنا چاہتی تھی اُس فیور کے لیئے جو آپ نے مُجھے دی۔" میزاب کے لہجے کی ممنونیت پر ضوریز سکندر کی مُسکراہٹ عباس کو بہت بُری طرح چُبھی۔ میزاب کی پُشت عباس کی جانب تھی جبکہ ضوریز سکندر کا چہرہ عباس کو چند قدم کی دُوری کے باعث واضح نظر آرہا تھا۔

"آپ اَب شرمندہ کرنے والی بات کر رہی ہیں، مِس میزاب۔ آپ نے ہمیں اِتنی فیورز دی ہیں کہ کوئی حساب نہیں تو بس یہ چھوٹی سی کوشش تھی اور مجھے خُوشی ہے کہ میری کوشش کامیاب ہوئی۔" ضوریز سکندر کی تفصیلی بات پر میزاب دھیرے سے مُسکرادی۔

"یہ آپ کا بڑاپَن ہے جو آپ نے اِیسا سوچا۔ پِھر سے بہت جذاک اللہ۔ میں آپکی فیور کسی اور طرح واپس لوٹاؤں گی۔" نرمی سے کہہ کر میزاب اُٹھ کھڑی ہوئی تو ضوریز سکندر کو بھی کھڑا ہونا پڑا۔

"پِھر اگلی میٹنگ میں آپ سے مُلاقات ہوتی ہے۔" میزاب کی اگلی بات پر ضوریز نے مُسکرا کر سَر ہلایا۔

"اِنشاءاللہ!" وہ پلٹ کر چلا گیا جبکہ میزاب کندھے پر کلچ رکھتے ہوئے دوسری جانب چل پڑی۔ عباس تیز قدموں سے اُسکے پیچھے گیا تبھی میزاب کا سیل فون بجا۔

"اسلام علیکم، احتساب انکل! کیسے ہیں آپ؟" اُسکی کھنکھناتی آواز چند قدم پیچھے موجود عباس کے مضمحل وجود کو شاداب کرگئی۔

"میں الحمد اللہ اور جان نِثار بھی۔" اُسکی اگلی بات پر عباس نے گہرا سانس لیا۔ ذرا جو لہجے میں کوئی پشیمانی ہو محجوب کے۔

"جی! اُسی کو لیگ کا شکریہ ادا کرنے آئی تھی جسکے ریفرنس سے ڈپوزٹ مَنی کو ٹریس کروایا تھا۔" اُسکی اگلی بات عباس کو چونکا دینے والی تھی اور اُس سے بھی زیادہ حیران کُن اُسکی وہ ہنسی تھی۔ ٹھیک ہے اُس ایک ہفتے میں میزاب کی اُسکے گھر والوں سے اچھی خاصی بَن گئی تھی مگر احتساب سَنجرانی سے اُسکا کچھ الگ طرح کا تکلف تھا جسے وہ ہر بار نئے سِرے سے محسوس کر جاتا اور تعجب کی بات یہ تھی کہ اُسکے علاوہ اِیسا کسی کو بھی محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

"اَب کل اِفتتاح ہے آپ سب کو بلوچستان سے نکلنے کے لیئے جلدی کرنی چاہیئے۔ آپ کے لیئے ایک سرپرائز تیار کر رکھا ہے میں نے۔" عباس کی حیرت سے بے نیاز وہ اپنی دُھن میں آگے بڑھتے ہوئے کہے جا رہی تھی۔

"یہ تو آپ کو اور دَاجی کو آکر ہی معلوم ہو گا۔ میں نے بھی کوئی کچی گولیاں نہیں کھیلیں، انکل۔" اُسکے لہجے کی اُٹھان سُنی جانے لائق تھی۔

"جان نِثار کو بتائے گا کون کیونکہ نہ میں بتا رہی ہوں اور نہ آپ بتائیں گے۔" میزاب کے یَک دَم قطعیت سے کہے جانے پر جہاں دوسری جانب اَحتساب سَنجرانی سمجھ کر خاموش ہوئے وہیں عباس سُن رہ گیا۔

"ٹھیک ہے پھر۔ کل مِلتے ہیں، اِنشاء اللہ!" مُسکرا کر الوادعی کلمات کہتے ہوئے سیل فون بیگ میں رکھ کر اُس کی نگاہ شیشے میں لٹکتے خوبصورت لباس تک گئی اور وہ ٹھہر گئی۔ وہ گہرے نیلے رنگ کا بے حد خوبصورت لباس تھا۔ گلے اور بازو پر نیلے جالی دار کام کے ساتھ سفید موتی لگے ہوئے تھے۔ میزاب کی آنکھوں میں ستائش اُتری اور قبل اِسکے وہ خریدنے کے لیئے اندر جاتی، اُسکا سیل فون گُنگنا اُٹھا۔ سَر جھٹک کر کان سے لگاتے ہوئے وہ آگے بڑھ گئی۔ عباس نے

ایک نظر اُس خوبصورت لباس کو دیکھ کر تیز قدموں سے دُور جاتی میزاب کو دیکھا اور پھر اُس بوتیک کے اندر چلا گیا۔ اُسکی واپسی پر اُسکے ہاتھ میں سیاہ رنگ کا کاغذ کا شاپر تھا جِس میں وہی نیلا لباس تھا جِسے میزابِ رحمت بے حد شوق اور محویت سے دیکھ رہی تھی مگر اُسکے آنے تک میزاب جا چکی تھی۔ گہرا سانس لے کر وہ پلٹا اور اُس سمت بڑھ گیا جہاں شُجاعت اور جواد بیٹھے ابھی تک چونچ لڑا رہے تھے۔ گہرا تھکا سانس لے کر وہ وہیں بیٹھ گیا۔

"ہمارے لیئے کچھ لائے ہو۔" وہ دونوں اپنی **تُو تُو میں میں** بُھول کر اُسکی جانب متوجہ ہوئے۔

"پلیز! جاری رکھیں۔" عباس کے سنجیدگی سے کہے جانے پر دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر کاندھے اُچکا کر پھر سے شروع ہو گئے اور عباس تنہا اپنی سوچوں میں محو رہ گیا۔ کیا اُس سے مُحبت کا اِظہار کر کے کوئی بہت بڑی غلطی سَر زد ہو گئی تھی جو اَب بدلے میں میزابِ رحمت کو فرصت سے دیکھنے، اپنے لیئے اُسکی ایک مکمل نظر سے محروم رکھا جا رہا تھا؟ مگر آخر کب تک؟ کبھی تو عباس جان نِثار کے ضبط نے جواب دینا ہی ہے۔

✓ تُو تیز رو سہی، سفر تو دائروں کا ہے

بتا رہی ہیں دُوریاں کہ تُو بہت قریب ہے۔۔۔

(سید مُبارک شاہ)

"اسلام علیکم!" رات ہی سارے سَنجرانی اسلام آباد، عباس کے گھر پُہنچے تھے۔ شام کو نِکل کر با آسانی کچھ گھنٹے میں ہی وہ سب شہرِ اِقتدار میں تھے۔ ائیر پورٹ سے نِکل کر سامنے ہی شُجاعت اور جواد اُن سب کو لینے کے لیئے کھڑے تھے۔

"وعلیکم اسلام! عباس کہاں ہے؟" داجی نے اُن دونوں کے عقب میں دیکھ کر سوال کیا۔

"آج کل کوئی اہم کیس پہ کام کر رہا ہے۔" جواد نے بات گھمانی چاہی اور کامیاب بھی رہا۔

"تم سب اسلام آباد پہلی بار دیکھ رہے ہو نہ؟" جواد نے اصغر، اکبر، نازنین اور نورین کی دلچسپی دیکھ کر سوال کیا جِس پر اُن چاروں نے مُسکرا کر سر ہلایا۔

"بھابھی کہاں ہیں؟" سب کی نظروں میں تلاش تھی مگر سوال نازنین نے ہی کیا۔ وہ سب ساتھ مِل کر ائیر پورٹ سے نِکل کر پارکنگ میں آچکے تھے۔

"کل بڑا ایونٹ ہے تو قصرِ بزنجو میں ہیں۔" شُجاع کی اطلاع پر سب کے چہروں کی مُسکراہٹ سِمٹی سوائے احتساب سَنجرانی کے۔ مزید کوئی سوال نہیں پوچھا گیا اور سب آگے پیچھے دو سیاہ لینڈ کروزر میں بیٹھنے لگے جو کے ایک جواد کی تھی اور دوسری عباس کی۔ وہ آج بائیک پہ ہیڈ کواٹر گیا تھا۔

گھر آکر جواد اور شُجاعت نے سب کا سامان اندر رکھا۔ سَنجرانی خاندان یہاں ایک ہفتے کے لیئے رہنے آیا تھا۔ سب ابھی صوفے پر بیٹھ کر آرام کر ہی رہے تھے کہ دروازہ کُھلا اور تیز قدموں سے میزاب اندر آئی۔

"اسلام علیکم!" میزاب کو یہاں دیکھ کر سب کو خوشگوار حیرت چُھو گئی۔ باری باری سب کھڑے ہو کر محبت سے مِلنے لگے۔

"تم مصروف ہو گی بچے۔ صُبح سب مِل لیتے۔" داجی نے اُسکا سَر تھپتھپا کر جِس پریشانی سے کہا، میزاب مُسکرا دی۔

"آپ سب پہلی بار یہاں آئے ہیں تو میں جتنی بھی مصروف ہوتی، آنا میرا فرض تھا۔" اُسکی بات پر فوزیہ بیگم نے بغور اُسکو دیکھا جِس کے چہرے سے ہی تھکاوٹ واضح تھی۔

"بیٹھ جاؤ، بچے!" اُسکو یونہی کھڑے دیکھ کر رحیم بخش سنجرانی کو ٹوکنا پڑا۔

"نہیں انکل! میں بس آفس جا رہی ہوں واپس۔ بہت کام ہیں۔" اُسکے کہے جانے پر سب نے چونک کر دیوار گیر گھڑی کو دیکھا جہاں رات کے بارہ بجنے والے تھے۔

"اچھا کچھ دیر تک بیٹھو۔ عباس آجائے اُسکے ساتھ جانا۔" کریم بخش سنجرانی کی بات سے سب نے اِتفاق کیا۔

"مجھے دیر ہو جائے گی۔ سارے سٹاف کو روک رکھا ہے۔" اُس نے ظاہر نہیں کرنا چاہا مگر سب نے عباس کے نام پر اُسکے کھنچتے تاثرات بھانپ لیئے۔

"اِتنی رات کو اکیلے جانا مُناسب نہیں، بیٹا۔" خاموش بیٹھیں فوزیہ بیگم نے پہلی بار گفتگو میں حصّہ لیا مگر قبل اِسکے میزاب پھر سے اِنکار کرتی، جواد اُٹھ کھڑا ہوا۔

"آپ سب بے فکر رہیں۔ میں بھابھی کو چھوڑ آتا ہوں۔" جواد کی بات پر میزاب نے چہرہ پھیر کر اُسے دیکھا جو آنکھ سے چلنے کا اِشارہ کر کے باہر نِکل گیا۔

"پھر اِنشاء اللہ کل مُلاقات ہوتی ہے۔ اللہ کی اَمان میں۔" میزاب مُسکرا کر کہتے ہوئے جواد کے پیچھے باہر نکل کر گاڑی تک آئی۔

"آپ کی گاڑی یہیں کھڑی رہے۔" اُسکو اپنی گاڑی کی جانب جاتا دیکھ کر جواد نے کہا۔ میزاب نے اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھا جو اپنی گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ رہا تھا۔

"لیکن میری گاڑی پھر یہاں کیسے۔۔۔" اُسکے چہرے کے تاثرات پر چونکتے جواد نے چہرہ باہر نِکالا۔

"کیا بات ہے؟" وہ پولیس والا تھا۔ لمحہ لگا اُسکی پریشانی بھانپنے میں۔

"قصرِ بزنجو میں کسی کو نہیں معلوم کہ میں یہاں آئی ہوں۔" کچھ سوچ کر میزاب نے اصل بات کہہ دی۔ جواد نے کچھ سوچا۔

"میں شُجاع کو کہہ دیتا ہوں وہ آپکی گاڑی مال کی پارکنگ میں چھوڑ آئے گا۔" جواد کے مشورے پر وہ طوعاً و کرہاً پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھی اور پھر گاڑی سٹارٹ ہو کر گھر سے باہر نِکل آئی۔ ٹھنڈی رات میں ٹھنڈک تراوہٹ پُہنچا رہی تھی۔ سردیاں جا چُکی تھیں مگر موسمیاتی تبدیلی نے اسلام آباد کے موسم کو بھی دُنیا بھر کی طرح بہت متاثر کر رکھا تھا تبھی موسم صُبح، دُوپہر، شام بدلتا رہتا۔

"آپ دونوں کی ناراضگی چل رہی ہے؟" جواد کے سوال نے خاموشی کو توڑا تو میزاب نے چونک کر چہرہ اُٹھایا۔ بیک ویو مِرر عباس کی طرح نیچے گِرایا گیا تھا۔

"نہیں!" وہ کوئی نادان نہیں تھی جو سوال کرتی کِن دونوں کی۔ اُسکو معلوم تھا بات کِس کی ہو رہی ہے۔

"اچھا عجیب بات ہے یہ تو۔" جواد نے پُر سوچ کہہ کر میزاب کو ٹھٹکا دیا۔

"کیا عجیب ہے؟"

"عباس اِتنے بُرے موڈ میں ہے آجکل۔ ہر کسی کو یوں کو کاٹ کھانے کو دوڑ رہا ہے جیسے کبھی بھی پھٹ سکتا ہو۔" جواد کی تفصیل پر میزاب کی آنکھیں حیرانگی سے پھیلیں۔

"اِتنے غصّے میں ہے وہ؟" اُسکے بے یقین سوال پر جواد نے اثبات میں سَر ہلایا۔

"مُجھے لگا آپ سے ناراضگی ہے مگر یہاں تو معاملہ ہی مشکوک ہو گیا۔" گاڑی کا رُخ موڑتے ہوئے اُس نے مصنوعی تفکر سے کہہ کر میزاب کو بوکھلانے پر مجبور کر دیا۔

"جان نِثار کا غصّہ بہت تیز ہے کیا؟" خدشات میں ڈوبے سوال پر جواد نے مُسکراہٹ دبائی۔ دوست کی بے بسی اور جُھنجھُلاہٹ کا بدلہ لیتا ہوا وہ خود پر فخر کر رہا تھا۔

"لگتا ہے آپ کو کچھ بھی معلوم نہیں ہے اُسکے جِنّاتی اور خطرناک غُصّے کے بارے میں جِس سے پورا چاغی خوف کھاتا ہے۔" جواد کی مبالغہ آرائی دیکھنے لائق تھی۔ وہ جانتا تھا کہ عباس سُن لے تو اُسکا گلا دبا سکتا تھا مگر اِتنا تو چلتا ہی ہے۔

"جان نِثار اِتنے غُصّے والا لگتا نہیں ہے۔" میزاب کی رائے مدہم تھی۔

"آپ کے سامنے نہیں کرتا مگر جِن کے سامنے کرتا ہے وہ اُسکے غُصّے سے پناہ مانگتے ہیں جیسے کہ میں۔" جواد نے باقاعدہ جُھرجُھری لی جبکہ سیل فون پر کائنات کا پیغام دیکھتی میزاب نے بے دھیانی میں سیل فون سائیڈ سیٹ پر رکھ دیا۔ اُسے جواد کی باتوں نے یقیناً بہت پریشان کر دیا تھا۔

"ویسے آج آپ کے ساتھ ریسٹورنٹ میں کون تھا؟" جواد کے اگلے سوال پر متفکر میزاب نے چہرہ اُٹھایا۔

"کون؟" اُس نے غائب دماغی سے پوچھا۔

"جو بہت خوشدلی کے ساتھ آپ سے باتیں کر رہا تھا۔ کچھ نام بتایا تھا عباس نے۔ آ۔۔۔ ضوریز۔۔۔ رائٹ؟" جواد کے سوال پر میزاب تیزی سے سیدھی ہوئی۔

"جان نِثار نے کب بتایا؟" اُسکا سوال بہت عُجلت سے آیا تھا۔

"آج ہی دوپہر میں ہم لنچ کرنے گئے تھے وہیں آپ دونوں کو دیکھ کر بتایا تھا۔" جواد نے اُسی سکون سے وضاحت کی جبکہ میزاب کا سانس رُک گیا۔ تب ضوریز سکندر سے بات کرتے ہوئے اُس کو عباس کی اِتنی ساری کالز آئی تھیں جنہیں اُس نے بڑے دَھڑلے سے نظر انداز کیا تھا۔ وہ عباس کے غُصّے کا سُن کر خوفزدہ نہیں، پریشان ہو رہی تھی۔

بے چینی تھی جو پورے وجود میں سرائیت کر چکی تھی۔ وہ عباس کو پچھلے کچھ دِن سے اِس بُری طرح نظر انداز کر رہی تھی۔ اُسکی فون کالز نہیں اُٹھا رہی تھی اور سامنا ہونے پر سیدھے مُنہ بات نہیں کی تھی۔ کیا سوچتا ہو گا وہ میزابِ رحمت کے بارے میں۔

"یا اللہ!" بس ماتھا پیٹ لینے کی کسر باقی رہ گئی تھی۔ نہ ہوتی وہ اِتنی مُضطرب اگر جو دِل کا معاملہ نہ ہوتا۔ وہ جِتنا جُھٹلاتی، نفی کرتی، پہلو بچانے کی تدبیر کرتی، اُسے عباس جان نِثار سے مُحبت تھی۔ یہ اعتراف خُود سے بھی نہیں کیا گیا تھا مگر دِل کے دغا کی میزاب کے ساتھ ہمیں بھی خبر ہے۔ دِل جو کسی کی نہیں سُنتا۔ جو اپنی کرتا ہے۔ جو احترام اور خُلوص پر لُٹ مَرنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ جو آنکھوں کی اُلفت، لہجے کی نرمی، جذبوں کی حِدت پا کر ہمکنے لگتا ہے اور پھر کہیں کا نہیں رہتا۔ اُسکا دِل بھی متوجہ ہونا چاہتا تھا مگر حقیقت زیادہ بھیانک اور تلخ تھی۔ سب کچھ اُسکے خلاف تھا سوائے ایک شخص کے اور اُسکے توسط سے ایک دُشمن خاندان تک اُس پر مہربان تھا مگر آخر کب تک؟

✓ کُھلنے لگا جو مُجھ پہ مُقدر کا کوئی دَر

ہر شخص میرے سامنے دیوار ہو گیا۔۔

(عاصمہ فراز)

"اسلام علیکم!" عباس نے اندر داخل ہوتے ہی مُشترکہ سلام کرتے ہوئے اُن سب کو چونکا دیا۔

"وعلیکم اسلام! بڑی لمبی زندگی پائی ہے تم نے۔ ہم ابھی میزاب کو یہی کہہ رہے تھے کہ تمہارے ساتھ چلی جائے۔" وہ جو سب سے مِل کر بیٹھنے لگا تھا، احتساب سَنجرانی کی بات پر جُھکا کھڑا رہ گیا۔ اُس نے چہرہ پھیر کر سوالیہ نظروں سے شُجاعت کو دیکھا جِس نے اثبات میں سَر ہلایا۔

"جواد بھائی چھوڑنے گئے ہیں۔ اَب تو آتے ہوں گے۔" نازنین کی بات پر عباس آہستگی سے بیٹھ گیا۔ کچھ دیر ہی گُزری اور سب باتوں میں لگ گئے تبھی گاڑی کا ہارن بجا اور جِس تیزی سے عباس اُٹھ کر باہر گیا، اُن سب نے ایک دوسرے کو حیرانگی سے دیکھا اور پھر سب ایک ساتھ خوشگواریت سے ہنس دیئے۔ عباس سیڑھیاں طے کر نیچے آیا اور تبھی سائیڈ پہ کھڑی میزاب کی گاڑی تک اُسکی نظر گئی جو آتے وقت اپنے دھیان میں محو ہونے کے باعث اُسکی نظروں میں نہیں آسکی تھی۔

"سَر کے بَل دوڑے چلے آئے ہیں سرکار۔" عباس کو ٹھہر کر گاڑی کی جانب دیکھتا پا کر جواد نے اپنی گاڑی سے نِکل کر دروازہ یونہی وَا کیئے دونوں ہاتھ اُس پر ٹِکا کر مُسکراتے ہوئے کہہ کر عباس کو چونکا دیا۔

"دِل کی مجبوری ہے، میرے دوست۔ کیسے نہ آتا۔" اِس بار عباس نے بھی پہلو نہیں بچایا جبکہ جواد کی آنکھیں تعجب سے اِس دیدہ دلیری پر کُھل گئیں۔

"آہا! کیا بے شرمی ہے۔" بس سراہنے کی کسر باقی رہ گئی تھی۔

"یہ میں ذرا شُجاع کو کہوں کہ گاڑی مال چھوڑ آئے۔" چابی ہوا میں لہرا کر اُس نے جیسے ہی کہہ کر اُچھالی، عباس نے ایک جُست میں آگے بڑھ کر کیچ کرلی۔

"نائس کیچ!" جواد نے اُسے مُسکرانے پر مجبور کردیا یعنی عباس ہی واپس دینے جائے گا اَب۔

"میرا تھرو بھی بہت اچھا ہے۔" عباس کے برجستہ کہے جانے پر جواد کا قہقہ بے ساختہ تھا۔

"مُرشد!" جواد کے شرارتی موڈ کا ضرور وہ جواب دیتا اگر جو سیل فون کی آواز پر نہ چونکا۔

"یہ آواز تو۔۔۔" عباس نے تیزی سے اُسکو ہٹا کر گاڑی کے اندر جھانکا اور تبھی اُسکی نگاہ پچھلی سیٹ پر پڑے سیل فون تک گئی جسے جِس تیزی سے نکالا گیا، جواد عَش عَش کر اُٹھا۔

"مُجھے دیر ہو سکتی ہے۔" ایک نظر سیل فون پر نظر آتے **'مدثر'** کے نام پر وہ جواد کو کہہ کر مضبوط قدموں سے میزابِ رحمت کی گاڑی کی جانب بڑھا۔ اُس نے گاڑی تیزی سے سے ریورس کی اور پِھر پوری رفتار سے بھگا لے گیا۔ ایک ہاتھ سے سٹئیرنگ کو تھامے، دوسرے سے مُسلسل بجتے سیل فون کو سنجیدگی سے دیکھا جہاں اَب میسج جگمگانے لگا ہے۔

"زُوبی نے بتایا تم گھر پُہنچ چکی ہو۔ سونامت! مُجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔" عباس نے سکرین پر واضح الفاظ کو دیکھ کر لَب بھینچ کر گاڑی کی سپیڈ بڑھائی۔ وہ گاڑی بھگا نہیں، دوڑا رہا تھا۔ **'الرحمت شاپنگ مالز'** کی مجموعی بلند عمارتیں قریب سے قریب آرہی تھیں مگر اُسکو وہاں نہیں سیدھا قصرِ بزنجو جانا تھا۔ تیزی سے بھگاتے ہوئے اُس نے گاڑی قصرِ بزنجو کی پچھلی طرف، پُل سے ہٹ کر سائیڈ پہ روکی۔ رات کے بارہ بجے، گاڑیوں کی آمدورفت نہ ہونے کے برابر تھی مگر ریسنگ کارز کی تیز آواز کبھی کبھار زور سے آتے ہوئے ماحول پہ چھایا ہوا سکوت توڑ دیتی۔ گاڑی وہیں کھڑی کر کے باہر نِکل کر ریلنگ کے پاس کھڑے ہوتے عباس کی نگاہ اُن لہراتے پردوں کی جانب تھی۔ ٹیرس کی جانب کھلی قدِ آدم کھڑکیوں کو دیکھتا رہا۔ پُرسکون رات میں ناک سے ٹکراتی پھولوں کی بھینی بھینی مہک عباس کے اعصاب مُعطر کرنے کے ساتھ مضمحل کر رہی تھی۔ قبل اِسکے وہ آگے بڑھتا، کسی خیال کے تحت تھم کر اُس نے

چہرہ جُھکا کر ہاتھ میں موجود سیل فون کو دیکھا۔ یہ وہی سیل فون تھا جسے زخمی حالت میں بھی واپس لینے کے لیئے وہ گھبرا کر بھاگی تھی اور نیند سے بھی بوکھلا کر اِسی کو تلاش کر رہی تھی تو ابھی اُسکا کیا حال ہو گا؟ آخر اِیسا کیا تھا؟؟

گو کہ کسی کا سیل فون بغیر اِجازت کے دیکھنا سخت بُری حرکت ہے مگر وہ یہ غیر اخلاقی جُراَت کرنے میں کامیاب ٹھہرا۔ یہ حرکت نہیں کرتا اگر جو بات صِرف تجسس کی ہوتی۔ یہاں بات تفکر اور اِضطراب کی تھی۔ سکرین کو چھو کر روشن کیا اور تبھی سامنے پیٹرن دیکھ کر کچھ سوچا اور پھر ابھی ستارے کے تین حصّے ہی بنائے تھے کہ لاک کُھل گیا۔ اُس کا پیٹرن ستارے کی شکل کا **'اے'** تھا یعنی اُسکے بابا **'اَصفہان'** کے نام کا پہلا حرف۔ گہرا سانس لے کر ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ **'نائمہ بوا'** کی مِس بیل دیکھ کر چونکا اور پھر وٹس ایپ پہ جا کر سب کو نظر انداز کر کے **'نائمہ بوا'** نامی چیٹ کھول کر آنکھوں کے سامنے کی۔ میزاب کے **'جذاک اللہ'** سے پہلے کوئی دس منٹ کی آڈیو تھی جو دوسری جانب سے بھیجی گئی تھی۔ عباس نے اُس آڈیو کو چُھو کر سیل فون کان سے لگا لیا۔

"تم لوگوں کے لیئے! تم اور تم اور تمہارے بھائی کے کارناموں کی وجہ سے سَنجرانی ہمارے خُون کے پیاسے تھے۔ میں جانتا تھا وہ لوگ عورت کی عزت کرتے ہیں۔ نہ بھی کرتے تو تم سب محفوظ رہتے اور تم لوگوں کے حصّے کی ہر ضرب، ہر گولی میزابِ رحمت کے وجود کے آر پار ہوتی۔" وہ ہاشم بزنجو کی چنگھاڑتی ہوئی آواز تھی جو رفعت شیر از سے مُخاطب تھی۔ عباس کی آنکھیں پہلے تحیر سے پھیلیں اور پھر اُن میں سُرخی بڑھنے لگی۔

"میں نے ہماری پیٹھ پر چُھرا گھونپنے والے عباس کی آنکھوں میں میزاب کے لیئے مُحبت دیکھی ہے اور میں اُسی مُحبت کے ذریعے اُس کمینے کو نیست و نابود کر دوں گا۔" وہ الفاظ نہیں تھے پگھلا ہوا سیسہ تھے جو عباس جان نِثار کی سماعتوں میں اُنڈیلے جا رہے تھے جیسے میزابِ کی سماعت میں اُنڈیلے گئے تھے۔

"میں اُس لڑکے کا کلیجہ میزاب کے ہاتھوں سے نکلوا کر چبا ڈالوں گا۔ اُسکے وہ بازو کاٹ دوں گا جس سے وہ ہماری جڑیں کاٹتا رہا ہے۔" عباس کا چہرہ لمحہ بہ لمحہ سُرخ ہو رہا تھا۔ میزابِ رحمت اِیسے ظالم اور سنگ دِل لوگوں کے درمیان رہ رہی تھی۔

"اگر وہ ٹیڑھی کھیر ہے تو اپنے باپ جیسا انجام پائے گی۔۔۔" وہ شخص آگے بھی بکواس کیئے جا رہا تھا، زہر اُگل رہا تھا مگر عباس نے سیل فون کان سے ایک جھٹکے ہٹا کر چہرہ آہستگی سے اُٹھا کر اُس مُنڈیر کو دیکھا۔ دماغ میں چلتا جھکڑ دِل کو بھی اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا۔ بھینچے لب اور مُٹھیوں کے ساتھ اُسکا چہرہ اور آنکھیں لہو چھلکا رہی تھیں۔ کنپٹی کی نس نمایاں تھی۔ سیل فون جیب میں ڈال کر وہ تیز قدموں سے پُل پار کر کے اُس ٹیرس کے عین نیچے آیا جہاں کبوتر دانہ چُگتے تھے۔

اُسے یہ سیل فون میزابِ رحمت کو واپس کرنا تھا جلد از جلد تا کہ اُسکی پریشانی تمام ہو سکے۔ اَب عباس کو سیل فون کو لے کر اُسکی حساسیت اور نیند سے اُٹھ کر خُوف سے بھاگ پڑنے والی بوکھلاہٹ کی سمجھ آئی تھی۔ چند پَل وہ یونہی کھڑا سوچتا رہا۔ جو کرنے والا تھا، مُناسب نہیں تھا۔ کسی کے گھر کی دیوار پھلانگ کر اندر جانا، نقب لگانے کے مُترادف تھا گھر بھی وہ جو دُشمن کا ہو مگر مسئلہ یہ تھا کہ اِس گھر میں صِرف دُشمن ہی تو نہیں رہتے تھے۔ یہاں تو اِیسا وجود بھی بَستا تھا جو عباس جان نِثار کے دِل کے دَھڑک اُٹھنے کا سبب، اُسکی مُسکراہٹ کا موجب تھا۔

اور پھر وہ مزید سوچ نہیں سکا۔ چند قدم دُور ہو کر وہ تیز مگر بغیر چاپ کے بھاگتا ہوا آیا اور چھلانگ لگا کر دیوار پر چڑھتے ہوئے اَب ریلنگ پر قدم جما کر مُنڈیر کی دیوار چڑھ کر ٹیرس میں چھلانگ لگا چُکا تھا مگر قدموں کی چاپ تک نے خاموش ماحول میں اِرتعاش پیدا نہیں کیا۔ کھڑکی کے پردے سائیڈ پہ کر کے عباس جیسے ہی اندر آیا، کمرے میں مدہم جلتی روشنی دیکھ کر ایک پَل کو ٹھہرا۔ بستر تک نگاہ گئی جہاں سَر سے پاؤں تک چادر اوڑھے یقیناً میزابِ رحمت

ہی سو رہی تھی۔ کچھ پریشانی سے اُس نے پیچھے کھلی کھڑکی کو دیکھا۔ یہ سیف نہیں تھا۔ یوں تو کوئی بھی اندر آ سکتا تھا۔ سَر جھٹک کر وہ دبے قدموں سے سائیڈ ٹیبل تک آیا اور سیل فون وہاں رکھ کر پلٹنے لگا تبھی میزاب نے کروٹ بدلی۔

چہرے پر کی ہوئی چادر کیا سِرک گئی، عباس جان نِثار واپسی کا خیال تک بُھلا بیٹھا۔ کھڑکی سے چَھن کر آتی چاند کی روشنی میں نمایاں ہوتا، نیند میں ڈوبے چہرے نے اُسے پوری قوت سے اپنی جانب یوں کھینچا تھا کہ اُس نے خود کو قریب ہی گُھٹنوں کے بَل جُھک کر بیٹھتا پایا۔ پلکوں کو جُنبش کی اِجازت دیئے بغیر وہ سانس روک کر اُن بند آنکھوں، لرزتی پلکوں، گلابی مائل زرد ہوئے چہرے کو دیکھ رہا تھا یوں جیسے نہ جانے کتنی صدیوں بعد دیکھنا نصیب ہوا ہو حالانکہ کچھ دِن پہلے، یونہی اِس چہرے کو قریب سے دیکھ کر اُس نے مُحبت کا اِظہار کیا تھا۔ وہ اُس سے نیند میں بھی خود سے خفا محسوس ہونے لگی تو مدہم، مضمحل مُسکراہٹ نے اُسے چُھو لیا۔ کچھ دیر پہلے سُنے زہریلے الفاظ اُسے چھلنی کرنے لگے تو میزابِ رحمت نے کیسے سب جھیلا ہو گا؟

"تم لوگوں کے لیئے میں اُس دو ٹکے کی لڑکی کو عزت دیتا رہا، اُسکی آؤ بھگت کرتا رہا۔" وہ الفاظ لہو میں لاوا سَرد کر دینے والے تھے اور میزاب نے کیسے۔۔۔ عباس جان نِثار سے کیسے اُس محبوب عورت کے معاملے میں تقصیر ہو گئی؟

"ورنہ وہ اُسکی ماں تو لے اُڑتی اُسے ہمارے چُنگل سے۔" الفاظ ٹکرا ٹکرا کر پلٹ رہے تھے۔ وہ یونہی اُس بے رِیا، مہربان اور مُقدس چہرے سے نگاہ نہیں چُھڑا سکا۔

"میزاب میری مُٹھی میں سمجھو عباس کی گردن میری مُٹھی میں ہے۔" اندر بڑھتی گھٹن اور کثافت کے ساتھ وہ محبوب چہرہ دُھندلانے لگا، گلے میں گلٹی اُبھر کر معدوم ہوئی۔ اُس نے کیسے یہ غفلت کرنے کی خطا کر دی کہ دُشمن نے سب سے کمزور پہلو سے اُسے وار کر کے چاروں شانے چِت کر دیا تھا۔ بوجھل سانس لے کر ہوا سے دَر آتے بال

اُسکے چہرے سے نرمی سے ہٹا کر اُس نے ہاتھ میں تھام رکھا وہ گُلاب جو نیچے پُل کے پاس بنے باغیچے سے توڑا تھا، میز ابِ رحمت کے چہرہ کے ساتھ، سرہانے کے پاس اور ایک گہرے رنگ کا کاغذی شاپر کرسی پر رکھ دیا۔

"میں آپ کو کچھ نہیں ہونے دوں گا، رحمت۔" نرمی سے اُسکا سَر تھپتھپا کر وہ جِن خاموش قدموں سے آیا تھا، اُنہی قدموں کے ساتھ پلٹ کر واپس کھڑکی سے باہر چل گیا مگر پیچھے اپنے ہونے کی انوکھی اور پُر مسرت مہکار چھوڑ گیا۔

✓ **خُدا تیرے دامن پہ گردِ غم نہ ڈالے**

تُجھے دشتِ مصائب میں نہ زندگی لائے۔۔۔

رات بارہ تیس کے قریب اُنکے گھر کی بیل اِس بُری طرح بجی کے سرونٹ کوارٹرز میں سوتا گارڈ، باقی ملازمین اور وہ خود اندر کمرے میں سوتی عورت تک بیدار ہو گئی۔ بے زاری سے آنکھیں مَسل کر اُس نے سیل فون بیڈ سے اُٹھا کر وقت دیکھا اور پھر اُس کی ساری نیند بھک سے اُڑی۔ بے زاری کی جگہ پریشانی نے لے لی۔ بستر سے نیچے اُتر کر وہ تیز قدموں سے باہر آئی اور خانساماں تک کو بیدار دیکھ کر یونہی لکڑی کے دروازے کی طرف گئی تبھی دروازہ کھول کر گارڈ اندر آیا۔

"میم! کوئی صاحب آپ سے مِلنے آئے ہیں۔" گارڈ کی بات پر عورت کی پیشانی پر شکنیں چھانے لگیں۔

"یہ کونسا مِلنے کا وقت ہے۔ کہہ دینا کل شام کو آئے۔" وہ کوفت سے کہہ کر پلٹنے لگی۔

"وہ کہہ رہے ہیں کہ ضروری بات پوچھے بغیر وہ یہاں سے جانے والے نہیں اور۔۔" گارڈ ابھی مزید بتا ہی رہا تھا باہر موجود شخص نے پھر سے بیل پر ہاتھ رکھ دیا۔

"کیا مُصیبت ہے؟ نام پُوچھا تم نے؟" عورت کو واقعتاً تفکر نے گھیر لیا۔ اِس وقت اکیلی عورت کے گھر کسی کا آنا خطرے کی علامت تھی۔

"جی! عباس جان نِثار۔" نام پر اُس عورت کا ماتھا ٹھنکا۔

"اندر لے کر آؤ اُسے۔" نا سمجھی بھری حیرت سے گارڈ کو کہہ کر وہ ڈرائینگ روم کی جانب بڑھ گئی جبکہ گارڈ اثبات میں سَر ہلا کر باہر اُس آدمی کو لینے گیا جو بیل بجا کر ہاتھ ہٹانا بُھول گیا تھا۔

"اسلام علیکم!" اندر بے چینی سے اِدھر اُدھر ٹہلتی عورت، اُس سلامتی پر چونک کر تھمی اور پھر تیزی سے پلٹ کر دیکھا۔ اُسکے سامنے شاندار اور وجیہہ مگر پتھروں کی طرح سنجیدگی اور سختی لیئے کھڑے شخص کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ اُس مَرد کی سنجیدگی ہڈیوں میں گُھس کر لہو سَرد کر دینے والی تھی۔

"وعلیکم اسلام! یہ کونسا وقت ہے کسی کے گھر آنے کا؟" اُسکا وہ کافی عرصہ پہلے لفٹ میں انداز اور بعد کا میزاب کے ساتھ کیا جانے والا فریب نظر انداز کیئے جانے کے لائق نہیں تھا۔

"جب کچھ اہم جاننا ہو تو دِن اور رات کا فرق نہیں رکھنا چاہیئے۔" قدم قدم چلتا ہوا وہ اُس عورت تک آیا جو عمر کے اِس حصّے میں بھی خوبصورت اور پُرکشش تھی۔ چہرے میں کچھ حد تک کسی کی معصوم مماثلت بھی تھی مگر سامنے کھڑی عورت کو فیشن اور تراش خراش سے دلچسپی معلوم ہو رہی تھی۔

"اور میں اُمید کرتا ہوں کہ آپ مبنی بَر حق بات کریں گی، ثُریا اَصفہان۔" اُسکی بھاری آواز میں سارے زمانے کی ٹھنڈک تھی۔ ثُریا اَصفہان نہیں جانتی تھی کہ وہ شخص یہاں اکیلا نہیں آیا۔

"تمہیں لگتا ہے جو کچھ تم نے میری بیٹی کے ساتھ کیا ہے اُسکے بعد میں تمہیں کچھ بتاؤں گی؟" وہ عورت ثُریا اَصفہان تھی، ہاشم بزنجو کو خاطر میں نہ لانے والی اِس دھوکے باز باڈی گارڈ کو کیوں خاطر میں لاتی۔

"کیا کر دیا ہے میں نے آپ کی بیٹی کے ساتھ؟" اُسکے بے خبر سوال پر ثُریا اَصفہان نے دانت پیس لیئے۔

"میں جانتی ہوں تم بھی باقی سب باڈی گارڈز کی طرح میری بیٹی کے ساتھ مُخلص نہیں تھے۔ تمہیں کِس نے خریدا ہوا تھا یہ بھی معلوم کرلوں گی لیکن . میر

"ٹھیک ہے میں نے آپکی بیٹی سے اپنی سچی شناخت چُھپا کر رکھی مگر میں اُن سے مُخلص اور اُنکا خیر خواہ ہوں۔" اُس کے انداز میں احترام اور عاجزانہ روی محسوس کر کے ثُریا اَصفہان کے تنے تاثرات ڈھیلے پڑے۔

"تمہیں۔۔۔۔ میری بیٹی پسند ہے؟" اُنکے مشکوک سوال پر عباس نے بے ساختہ مُسکرا کر سَر اثبات میں ہلاتے ہوئے اُس طرحدار سی عورت کو حیران کر دیا۔

"صِرف پسند نہیں میں اُن سے مُحبت بھی کرتا ہوں۔" اُس نے نہایت اِطمینان سے کہتے ہوئے اُنکو ششدر کر دیا۔ ثُریا اَصفہان نے آنکھیں پھاڑ کر اُس شخص کی صاف گوئی دیکھی جبکہ دوسری جانب سب ششدر رہ گئے۔ معلوم ہو کر بھی اُسکے مُنہ سے خود سُننا زیادہ تعجب انگیز تھا۔

"تمہیں معلوم ہے نہ کہ میری بیٹی کی شادی ہو چُکی ہے؟" اُنکے سوال پر عباس گردن پیچھے کو پھینکے ہنستا چلا گیا اور ثُریا اَصفہان ششدر سی اُس وجیہہ مگر کِھسک چُکے مَرد کو آنکھیں پھیلا کر دیکھنے لگیں۔

"مُجھے معلوم ہے۔" اُسکی تائید مزید حیرت انگیز تھی۔

"یہ بھی معلوم ہے کہ وہ سَنجرانی خاندان کے سب سے بڑے بیٹے کی بیوی ہے اَب؟" اُنہوں نے مزید کُریدا تو اور بھی بہت سے لوگ ہمہ تن گوش ہونے لگے۔

"یہ بھی معلوم ہے۔" اُس نے بامُشکل ہنسی کو قابو میں کیا۔

"لیکن تمہیں یہ نہیں معلوم کہ وہ دُشمن خاندان کی بہو ہے۔ بزنجو اور سَنجرانی خاندان میں خاندانی ٹسل چل رہی ہے۔" اُس کی معلومات میں اِضافہ کرنا چاہا۔

"یہ بھی معلوم ہے مجھے۔" عباس نے مُسکراتی آنکھوں سے اُنکو دیکھا جو اُسے اِیسے تحیر سے دیکھ رہی تھیں جیسے وہ کسی اور سیارے کی مخلوق ہو۔

"تمھیں یہ بھی معلوم ہے اور پھر بھی تم نے بکواس کی۔" حقیقتاً دانت پیسے گئے۔

"بکواس نہیں اِظہار۔" دُرشتگی کا انداز بے پرواہ تھا۔

"لیکن آپکو یہ بات نہیں معلوم کہ سَنجرانی خاندان اپنی بڑی بہو کی بہت عزت کرتے ہیں۔ اُنہیں سب نے بہت خلوص سے سَر آنکھوں پر بٹھا رکھا ہے۔" اُسکے نئے اِضافے پر ثُریا اَصفہان نے آنکھیں سُکیڑ کر اُسکے یقین کو دیکھا۔

"تمھیں یہ سب کیسے معلوم؟" اندر سے جِس بات نے اُنکو پُر سکون کیا اُس پر سوال ضروری تھا۔ غور سے سُنتے لوگوں کے درمیان مُسکراتی نظروں کا تبادلہ ہوا۔

"کیونکہ سَنجرانی خاندان کا سب سے بڑا بیٹا، جِس کی شادی آپ کی بیٹی میزاب رحمت سے ہوئی ہے، وہ میں ہی ہوں۔" چند قدموں کا فاصلہ پاٹ کر اُنکی جانب جُھک کے لمبی سرگوشی کرتے ہوئے اُس نے ثُریا اَصفہان جیسی مضبوط اور کسی کو خاطر میں نہ لانے والی عورت کو ہلا کر رکھ دیا جبکہ دوسری جانب سب نے مُسکراہٹ دبائی۔ اُن سب کو اپنا شامِل ہونا بہت اچھا لگا۔

"بہت معذرت میں پہلے آپ کو اپنا تعارف کروانے نہیں آسکا، مِلنے نہیں آسکا۔ میں عباس جان نِثار سَنجرانی ہوں۔" احترام سے کہتے ہوئے وہ دائیاں بازو دِل کے مقام پر رکھ کر اُنکی جانب احترام سے جُھکا۔ ششدر ثُریا اَصفہان آنکھیں پھاڑ کر پیچھے ہوئیں۔ چند لمحے لگے اُنہیں اپنے دَھچکے کی زد میں آئے اعصاب کو سنبھالنے میں۔ ہاتھ اُٹھا کر اُنہوں نے اپنے آگے اِتنی دیر سے جُھکے کھڑے شخص کے مضبوط شانے پہ ہاتھ رکھ کر تھپتھپایا۔

"تم۔۔۔تم مُحتسب سَنجرانی کے بیٹے ہو؟"اُنکے ہاتھ ہٹانے پر وہ پیچھے ہوا تو ثُریا اَصفہان نے تصدیق چاہی جبکہ فون کے اُس پار بیٹھے بہت سے افراد سنجیدگی سے سیدھے ہونے لگے۔

"جی! آپ میرے بابا کو جانتی ہیں؟"اُسکے سوال پر ثُریا اَصفہان نے گہرا سانس لیا اور پھر آہستہ قدموں سے صوفے پر جا کے بے دَم ہو کر بیٹھ گئیں۔

"اَصفہان اکثر ذکر کرتا تھا مُحتسب اور احتساب سَنجرانی کا۔"اُنہوں نے کہنے کے ساتھ صوفے پر اُسے بھی اپنے برابر بیٹھنے کا اِشارہ کیا۔عباس **'شکریہ'** کہہ کر اُنکے برابر بیٹھا تو وہ چہرہ پھیر کر اُسے نئ، تنقیدی نظروں سے دیکھنے لگیں۔وہ اُنکا داماد تھا، اُنکی اُس بیٹی کا شوہر جسے اُنہوں نے ہمیشہ اُسکی اپنی حفاظت کے لیئے خود سے دُور اور بد گُمان رکھا تھا۔

"میزاب کو معلوم ہے تم اُس سے مُحبت کرتے ہو؟"چند مِنٹ تک وہ خود پر اُنکی تفصیلی نظریں محسوس کر کے نظریں جُھکائے بیٹھا رہا مگر اُنکے سوال پر چہرہ پھیر کر اُن کو دیکھا جو نرم نظروں سے اُسکو دیکھ رہی تھیں۔دوسری پار موجود لڑکوں نے شرارتی نظروں کا تبادلہ کیا۔

"جی! کچھ دِن پہلے بتایا تھا اُنکو۔"اُس نے نظریں پھیر کر آہستگی سے کہا جبکہ جانتا تھا دوسری جانب سب کیسے اُچھل گئے ہوں گے۔

"یقیناً اُس نے تمہاری حوصلہ افزائی نہیں کی ہو گی۔"اُنکے وثوق سے کہنے پر عباس اُنہیں دیکھ کر رہ گیا۔اُسے وہ پہلی بار بہت مُختلف اور معقول عورت لگیں۔

"وہ تو مُجھے ہر طرح سے نظر انداز کر رہی ہیں۔"عباس کے بتائے جانے پر اِس سارے میں ثُریا اَصفہان پہلی بار مُسکرائیں جبکہ دو لڑکیاں مایوس ہو گئیں۔

"وہ مُحبت کے معاملے میں اپنے باپ پر گئی ہے۔ خاموش، کسی گہرے راز کی مانند۔" نرمی سے کہتے ہوئے اُنکا لہجہ نہ جانے کیوں مگر عباس کو افسردہ ہوتا لگا۔ سب کی نظریں بے اِختیار کنارے والے صوفے پر بیٹھی عورت تک گئیں جو مارے باندھے وہاں بیٹھی توجہ سے باتیں سُن رہی تھیں۔

"تم اگر میری بیٹی سے واقعی مُحبت کرتے ہو تو ہر بار تمہیں ہی پیش قدمی کرنی پڑے گی۔ اُسکا بہت حوصلے اور ہمت سے اِنتظار کرنا ہو گا۔" اُنکی نصیحت میں مُخلصی کی مہک تھی۔

"اِیسے لوگ جو سب کو ایک ساتھ سنبھالنے اور مِلانے میں اپنی زندگی اور جذبے رائیگاں کرتے رہتے ہیں، شجر بَن کر کڑی دُھوپ میں جلتے ہیں۔ اِن سے مُحبت کرنا آسان نہیں ہوتا کیونکہ یہ سب کا بَھلا چاہیں گے مگر خُود کو بُھولتے رہیں گے۔" وہ گہرے مَلال کے زیرِ اثر تھیں۔ عباس نے اُنکے چہرے کے حِزن کو تفصیل سے دیکھا۔

"اَصفہان بزنجو بھی ہی اِیسے ہی تھے؟" عباس کے سوال پر اُنہوں نے اپنے خیال سے نِکل کر اُسے دیکھا اور بے ساختہ مُسکرا دیں۔ صوفے کے کنارے بیٹھی دوسری عورت نے پہلو بدلا۔

"اِن دونوں باپ بیٹی کی ہی بات کر رہی ہوں۔ سارے زمانے میں مِلنسار، رحمدل، کامیاب اور مقبول ہونے کے باوجود یہ مَات اپنوں کے ہاتھوں ہی کھاتے آرہے ہیں۔" اُنہوں نے جیسے تھک کر تائید کی۔

"تو آپ کو چاہیئے تھا کہ جو کچھ بھی آپ جانتی ہیں اُن کو بتا دیتیں۔" عباس نے یونہی مشورہ دیا۔

"جو اچھا اِنسان ہوتا ہے اُسکے لیئے پوری دُنیا اچھی ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ نیکی کا زمانہ نہیں رہا جبکہ جو نیکی اللہ کے لیئے کرتے ہیں اُنکے لیئے ہر زمانہ نیکی کا ہوتا ہے۔ یہ میں نے کہیں پڑھا تھا اور سہی پڑھا تھا۔" اُنکی بات مَدلل تھی۔ وہ پڑھا لکھا فلسفہ بول رہی تھیں۔ وہ نہیں جانتی تھیں کہ اُنکی بات نے بہت سُوں کو مرعوب کر دیا ہے۔

"تبھی آپ نے اپنی بیٹی کو غلط لوگوں پر جذبے اور وقت ضائع کرنے سے نہیں روکا۔" گو کہ وہ طنز نہیں تھا مگر اُنکو طنز ہی لگا۔

"میں نے ہاشم بزنجو سے عہد لیا تھا۔" پھر بھی اُنہوں نے اُس بات کو طنز کی طرح نہیں پر کھا۔

"کہ جب تک میں میں میزاب کو سب حقائق سے پوشیدہ رکھوں گی، اُس سے دُور رہوں گی تب تک میری بیٹی محفوظ ہو گی اور اُسکا اَنجام اپنے باپ جیسا نہیں ہو گا۔" عباس کی خاموشی پر اُنہوں نے مزید بتاتے ہوئے اُسکے ساتھ سُنتے سب لوگوں کو بھونچکا کر دیا۔

"میں جانتی ہوں تم اَصفہان کے اَنجام کے بارے میں جانتے ہو۔" اُسکی جانب سے **'کیسا اَنجام'** جیسا سوال نہیں آیا تو اُنہوں نے تقین سے کہا۔

"میں صِرف اِتنا جانتا ہوں کہ اُنہوں نے اپنوں کے ہاتھوں مَات کھائی ہے۔" اُسکی بات پر ثُریا اَصفہان چند پَل اُسے پَرکھتی آنکھ سے دیکھتی رہیں۔

"کاش اَصفہان نے صِرف مَات ہی کھائی ہوتی، عباس۔" اُنکے لہجے کی اپنائیت پر عباس کو چونکنے کا موقع بھی نہیں مِل سکا۔

"اَصفہان کو اُسکے سگے باپ کے حکم پر اُسکے سگے ہی بھائی نے اپنے ہاتھوں سے قتل کر دیا اور قتل بھی بیٹی کے ساتھ، اُسکے سامنے ہوا۔ وہ میزاب کو بھی راستے سے ہٹانا چاہتے تھے مگر اُن لوگوں کو معلوم نہیں تھا کہ میں بر وقت پُہنچ کر اپنی بیٹی کو بچالوں گی۔" اُنکے اِنکشاف پر عباس نے پھیلی آنکھوں سے اُنکو دیکھا۔ وہ چہرہ اور وہ الفاظ جُھوٹ نہیں تھے جب باقی افراد پھٹی پھٹی آنکھوں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

"آپ مجھے سب کچھ شروع سے بتا سکتی ہیں؟" عباس کے سوال پر ثُریا اَصفہان نے ایک لمحے کو کچھ سوچا اور پھر گُزرتے وقت کا اِحساس کیئے بغیر اثبات میں سَر ہلایا۔

"جب اَصفہان کا نِکاح تمہاری پھُوپھُو، فوزیہ سے ہوا تب وہ بہت مَسرور اور ہواؤں میں اُڑتا تھا جیسے سارے زمانے کو فتح کر لیا ہو لیکن پھِر میں نے اُسکو اکثر پریشان دیکھا۔ میرے بہت پوچھنے پر وہ باتوں کو گول کر جاتا لیکن پھِر جب مُجھے سب لوگوں سے سَنجرانی اور بزنجو خاندان کے بڑھنے والے تنازعات کا معلوم ہوا تو میں اَصفہان سے مِلنے آئی۔ اُن دِنوں زمین کا کوئی کیس چل رہا تھا جو سَنجرانی جیت گئے تھے۔ میں نے قصرِ بزنجو میں قدم رکھنے پر اَصفہان کو چیختے سُنا۔ وہ اپنے بابا پر برس رہا تھا، اُن سے بُری طرح جھگڑ رہا تھا۔ میں حیرت سے وہیں جم گئی۔ اِس اَصفہان کو میں نہیں جانتی تھی۔ یہ اَصفہان بہت تلخ، بد تمیز اور چیخ چِلا رہا تھا۔ مگر میں آگے بڑھی تو آواز بھی واضح ہوئی اور اُس اَصفہان کے اُبھرنے کی وجہ بھی۔ وہ فوزیہ کے لیئے لڑ رہا تھا۔ سب اُسکو ہراساں اور پریشان کر رہے ہیں۔ کیوں اُسے دُشمنی میں گھسیٹ رہے ہیں اور کیوں اُسے مُہرہ بنا رہے ہیں تب میں نے خود کو باور کروایا کہ بات صِرف پسند کی نہیں ہے، ثُریا۔ یہ مُحبت ہے جِس نے ٹھہرے پانیوں جیسے شخص کو طوفان بنا ڈالا ہے۔" عباس اُنکے ایک ایک لفظ اور تاثر کو سُن اور دیکھ رہا تھا۔ اُسے وہ بہت چونکا دینے والی لگ رہی تھیں۔ وہ دوسرے صوفے پر بیٹھی ساکت، شل سی عورت فوزیہ علی سَنجرانی تھیں۔

"بات آئی گئی نہیں ہونے دی گئی۔ ایک سے بڑھ کر ایک نیا جھگڑا، زمینی تنازعہ، کوئی نیا کیس۔ اَصفہان بہت پریشان رہنے لگا تھا۔ رُخصتی والی شرط پر اُس نے مجھے صاف بتا دیا کہ میں جانتا ہوں میرے اپنے مجھے مُحبت میں کامیاب نہیں ہونے دیں گے، ثُریا۔ میں نے تو اُسے پُر اُمید ہونے کا بھی کہا تھا مگر اپنوں کے ساتھ روز بروز ہوتی جنگ اُس جیسے

مُخلص اور بے رِیا شخص کو اندر ہی اندر توڑنے لگی پھر ایک دِن اُس نے اپنے باپ اور بھائی کی تمہارے بابا کو قتل کر دینے کی سازش سُن لی۔" اُن کے ٹھہرے لہجے پر سب سانس روکے، پھٹتے، لرزتے دِل سے سب سُن رہے تھے۔

"اُس نے سوچا کہ اگر وہ فوزیہ کو چھوڑ دے تو یہ دُشمنی یہیں ختم ہو جائے گی۔ اُس نے پھر اِیسا ہی کرنے کا اعلان کیا مگر اُس اعلان سے سب کے اصلی چہرے ظاہر ہونے لگے۔ طلاق کی شرط اُس زمین کو رکھا گیا جو تم لوگوں کی آبائی تھی مگر اَصفہان نے صاف اِنکار کر دیا۔ پھر میری مدد سے اُس نے اپنے ساتھ فوزیہ کو جرمنی لے جانے کے پیپرز خاموشی سے جمع کروائے مگر ہاشم بزنجو کو اِسکی بھنک پڑ گئی۔ اُس نے اپنے آدمیوں کو کہہ کر اَصفہان کا حادثہ کروا دیا اور یوں جب وہ یوں ہسپتال میں موجود، زخموں سے چُور بیٹے کو ڈرا دھمکا کر اُس سے طلاق نامے پر دستخط کروا کر، جرگے میں طلاق ہو گئی مگر تمہارے بابا کے قتل نے زمینی تنازعے کا تعین ہی بدل کر رکھ دیا۔" ثُریا اَصفہان لمحے بھر کو سانس لینے کے لیئے کیا رُکیں، سب سُنتے لوگوں نے اپنی سانس تک روک لی۔

"پھر اُسکے بعد اَصفہان چلنے پھرنے سے محروم ہو گیا۔ علاج کے نام پر ڈھونگ رچایا گیا مُجھے یہ سب دیکھ کر آگے آنا پڑا اور اِسکے لیئے میں نے اَصفہان کو پرپوز کر دیا۔ دوسری طرف چوٹ گہری لگے اِس لیئے کاشف کی رہائی کے بعد ہماری شادی کروا دی گئی۔ جیسے جیسے وقت گُزرتا گیا مجھے اَصفہان کے ڈاکٹر پر شک ہونے لگا۔ میزاب جب بہت چھوٹی تھی تب میں اَصفہان کے خفیہ کروائے گئے تمام ٹیسٹس کی رپورٹ لینے گئی تھی اور اُسکے مطابق اَصفہان کو سلو پوائزن کے علاوہ، پیرالائز کرنے والی ادویات دی جا رہی تھی۔ میں نے پوری دُنیا کو اُس ظالم خاندان کی خبر دینی تھی مگر میری واپسی تک بہت دیر ہو چُکی تھی۔ میزاب اور اَصفہان کو زہر دے دیا گیا تھا۔ اَصفہان پہلے ہی کمزوری اور سلو پوائزن کی وجہ سے موقع پر فوت ہو گیا مگر میزاب زندہ تھی۔ میں اُسے لے کر ہسپتال بھاگ گئی اور پیچھے سے ہاشم بزنجو نے سب کچھ صاف کروا کر اُس موت کو کسی مُلازمہ پر پلانٹ کر کے ہمیشہ کے لیئے دفن کر دیا۔ میں

نے ظاہر تو نہیں ہونے دیا مگر میز اب کو اپنے پاس رکھنا چاہتی تھی اور ہاشم بزنجو جیسا شاطر اور مکار شخص مُجھ سے کھٹک گیا اور اُس نے مُجھ سے میری بیٹی چھین لی۔" اُنہوں نے کہہ کر بات یوں سمیٹ کر تھکا ماندہ سانس لیا جیسے برسوں کی مُسافت، لمبا سفر طے کر کے منزل تک پُہنچی ہوں۔ یہ لکھتے ہوئے مُجھے اپنے ماموں کی کہی بات یاد آ گئی ہے۔ اپنے آبائی گاؤں کے اِنتہائی خراب راستے سے واپسی پر میں نے پوچھا کہ "آپ تھک تو نہیں گئے، ماموں؟" تو اُنکا جواب مُجھے تب بھی بہت اچھا لگا تھا۔ اُنہوں نے کہا، 'بیٹا! **سفر نام ہی تھکان کا ہے تبھی تھکا دیتا ہے۔**' اور میں نے اپنی کزن کم بہن سے کہا کہ 'کیا فلسفہ بولا ہے ماموں نے۔ میں اِسے اپنی لکھائی میں محفوظ کر لوں گی' اور میری بہن بہت ہنسی تھی اور دیکھ لیں میں نے محفوظ کر لیا ہے۔

"آپ کا شادی سے پہلے اَصفہان بزنجو سے کیا رشتہ تھا؟" ماضی خُتم کرنے کو یہ سوال اہم تھا۔

"میں اَصفہان کی یونی فیلو، آفس میں کام کرنے والی ورکر، بہترین دوست اور راز دان ہونے کے بعد اُسکی بیوی بَن گئی۔ وہ میرے لیئے بہت اہم تھا۔ اُس نے ہمیشہ مُجھ سے عزت اور احترام کا رویہ رکھا۔ معلوم ہونے کے باوجود اُس نے کبھی میرا دھیان تک اِس بات کی طرف نہیں جانے دیا کہ میں اُسکی پہلی مُحبت نہیں۔ اُس نے مجھے حقیقتاً ملکہ بنا کر رکھا تھا تبھی میں اُسکو یوں بے آواز مَرتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ وہ میرا سب کچھ تھا، عباس۔" ثریا اَصفہان کا لہجہ گلوگیر ہو گیا۔ کتنے زمانوں بعد اُنہوں نے اپنے بہترین اور محبوب شوہر کا ذکر کسی کے سامنے دِل کھول کر کیا تھا۔

"وہ مُجھے اپنی آخری مُحبت کہتا تھا اور اُس نے یہ اپنے ہر عمل سے ثابت بھی کیا۔ اَصفہان بزنجو ایک بہترین شخص اور مثالی شوہر تھا۔" اُنہوں نے آنسوؤں کو پیچھے دھکیل کر مُسکرانا چاہا مگر وہ چھلک کر رُخساروں پہ بہہ نکلے۔ عباس نے ٹیبل سے ٹشو نکال کر اُنکو پکڑانے کے بعد ایک ہاتھ سے اپنی قمیض کی بائیں جیب میں رکھے سیل فون پر جاری کال کو مُنقطع کر دی۔ یہاں صِرف ثُریا اَصفہان کی سِسکیاں گونج رہی تھیں جبکہ وہاں سَنجرانی خاندان کے تمام افراد کے

بیٹھے ہوئے ہونے کے باوجود رونگھٹے کھڑے کر دینے والا سکوت طاری تھا۔ کیا یہ طوفان کی آمد سے پہلی والی خاموشی تھی یا بعد والی؟ مگر ثُریا اصفہان کی حزن میں ڈوبی آہیں یہ سوچنے کا موقع نہیں دے رہیں۔

✓ تُجھ کو کھو کر بھی رہوں خلوتِ جاں میں تیری

جیت پائی ہے مُحبت نے عجب مات کے ساتھ۔۔۔

(پروین شاکر)۔۔۔۔۔

صُبح وہ سارے اعصاب کو مُعطر کرتی مہک کو محسوس کر کے بیدار ہوئی۔ نیم وَا آنکھوں نے کچھ چونک کر اُس سُرخ تروتازہ گُلاب کو دیکھا اور آنکھیں پوری کُھلنے میں لمحہ نہیں لگا۔ وہ ایک جھٹکے سے اُٹھ بیٹھی۔ پلٹ کر ایک ٹرانس میں میزاب نے سرہانے رکھا سُرخ گُلاب اُٹھا کر اپنے سامنے کیا۔ جب اُس نے سونے کے لیئے رات آنکھیں بند کیں تھیں تب یہ یہاں نہیں تھا مگر اَب کہاں کھڑکی سے اُڑ کر۔۔۔ اِس خیال کے آتے ہی اُس نے خود پر موجود چادر کو سائیڈ پر دھکیلا اور بھاگ کر کھڑکی تک آ کے پردے پیچھے کیئے۔ سفید کھڑکی کے شیشے مضبوطی سے بند دیکھ کر میزاب سُکھ کا سانس لے کر دیوار سے ٹیک لگاتے ہوئے گُلاب اپنی آنکھوں کے سامنے اور چہرے سے قریب کر لیا۔

"تو وہ یہاں آیا تھا۔" مدہم آواز سرگوشی سے زیادہ نہیں تھی۔ دِل و دماغ کو مسحور کر دینے والی خُوشبُو اُسکا اندر باہر خوشگوار کرنے لگی۔ اُس نے نرمی سے اُن نرم پتیوں کو چُھو کر مُسلم موجودگی کی یقین دہانی چاہی۔

"یہ محبت کا جذبہ ہے جو میں آپ کے لیئے محسوس کرتا ہوں۔" اُس مسرور کرتے اِقرار نے ساری کثافت معدوم کر کے سب کچھ ہرا بھرا کر دیا تھا۔

"میری نِگاہ نے ایک دلکش چہرے سے ٹکرا کر زندگی کے ٹھہرے پانی میں بھونچال بَرپا کر رکھا ہے اور آپکو میرے جذبے، میری محبت کی بات مزاق لگ رہی ہے۔" اُس حیرت بَھری خفگی پر وہ دھیرے سے مُسکرا دی۔ میزابِ رحمت اپنی مُسکراہٹ سے اَنجان تو نہیں تھی۔ ناک کے پاس لے جا کر اُس نے گہرا خوشبودار سانس اپنے اندر تک اُتار کر بند آنکھیں جونہی کھولیں، سامنے کرسی پر پڑے شاپنگ بیگ تک نِگاہ گئی۔ گُلاب ہاتھ میں تھامے، اُس نے آگے بڑھ کر جُھکتے ہوئے اُس کُھلے شاپر سے اندر جھانکا۔ اندر گہرے نیلے رنگ کا وہی لباس تھا جو اُس کو ریسٹورنٹ سے نکلتے ہوئے ایک بوتیک میں پسند آیا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ اُسی نیلے رنگ کے ٹخنوں تک آتے لباس میں ملبوس تھی۔ سَر پر ہم رنگ مگر ریشمی حجاب اوڑھے جُھک کر سفید رنگ کی جیولری نکال کر پہننے کے بعد آئینے میں نظر آتے اپنے عکس کا تنقیدی جائزہ لیا اور پاؤں میں سفید چمکتے جوگرز پہن کر مُسکرا کر اپنے پاؤں دیکھے۔ یہ عباس ہی اُسکے لیئے خرید سکتا تھا۔ وہ جانتا تھا میزاب کو اُونچی ہیلز اور تنگ سینڈلز کچھ دیر تک کے لیئے ہی مُناسب لگتے تھے، طویل موقعے کے لیئے نہیں۔ وہ نیلا لباس ٹخنوں تک آتا تھا اُسکے باجود وہ چمکتے سفید جوگرز بہت پُرکشش سا تاثر دے رہے تھے۔ ساری تیاری مکمل ہونے کے بعد کمرے سے نکلنے سے پہلے اُس نے جُھک کر ڈریسنگ ٹیبل میں پانی کے جار میں رکھے سُرخ گُلاب کو سونگھا اور پھر مُسکراتے ہوئے باہر نِکل گئی۔ اُسے خُود کے لیئے جو ہمت اور حوصلہ چاہیئے تھا، اُسے مِل گیا تھا۔

✓سادگی پر اُسکی مَر جانے کی حسرت دِل میں ہے

بَس نہیں چلتا کہ پھر ایک خنجر کفِ قاتل میں ہے

دیکھنا تقریر کی لذت جو اُس نے کہا

میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دِل میں ہے

بس ہجومِ نا اُمیدی خاک میں مِل جائے گی

یہ جو ایک لذت ہماری سعیِ بے حاصل میں ہے

رَنج رَہ کیوں کھینچیے، واماندگی کو عشق ہے

اُٹھ نہیں سکتا ہمارا جو قدم منزل میں ہے

جلوہ زار آتش، دوزخ ہمارا دِل سہی

فتنہ شورِ قیامت، کِس کے آب و گُل میں ہے

ہے دِل شوریدہ غالب، طلسم پیچ و تاب

رحم کر اپنی تمنا پر کہ کِس مُشکل میں ہے۔۔۔

(اسد اللہ غالب)

****

اَصفہان ٹاورز کی تقریب کا آغاز ہونے میں کچھ ہی دیر تھی۔ اِرد گرد لوگوں کا ابھی سے اِتنا ہجوم تھا کہ کوئی حد نہیں مگر بزنجو خاندان والے ابھی تک نہیں آئے تھے کیونکہ ظاہر ہے حسبِ روایت دیر سے آکر خود کو وی-آئی-پی کا اِحساس بھی تو دِلوانا تھا۔ عباس نے بے چینی سے اِرد گرد نگاہ دوڑا کر کلائی پر بندھی گھڑی پر وقت دیکھا۔ میز اب

اُسے ابھی تک نظر نہیں آئی تھی کیونکہ سنجرانی خاندان نے کچھ دیر بعد آنا تھا مگر عباس سے مزید صبر نہیں ہو رہا تھا تبھی جلد یہاں آ گیا تھا۔

"کیا معلوم اپنے آفس میں ہوں۔" میزاب کا یہاں سارے اِنتظامات دیکھنے کے لیئے بھی آفس تھا اِسی لیئے خود کو تسلی کرواکر کے عباس تیز قدموں سے سیڑھیاں سے لفٹ کی جانب آیا مگر لوگ جس طرح ٹاور کی ایگزیبیشن میں دھڑا دھڑ آئے ہوئے تھے، نیچے سے اُوپر کو جاتی آمنے سامنے موجود چھ کی چھ لفٹ چل رہی تھیں۔ سر جھٹک کر وہ تیز قدموں سے سیڑھیاں چڑھنے لگا اور عین اُسکے قدم، کچھ قدم دُور تھم گئے۔ وہ میزابِ رحمت ہی تھی جو دروازے کے پاس ساکن کھڑی تھی گو کہ اُسکی عباس کی جانب پُشت تھی مگر اُس نے وہی نیلا لباس پہن رکھا جو عباس نے اُسکے لیئے بڑی چاہت سے خریدا تھا۔ خود بہ خود مُسکراہٹ نے اُسکے ہونٹوں کو چُھو لیا۔ چمک اُٹھتی آنکھوں سے وہ بِنا چاپ کیئے باقی ماندہ سیڑھیاں طے کر کے اُوپر آیا اور میزاب کے قدموں کے برابر آتے ہوئے اُس نے دروازے کے ناب کو پکڑ کر اُسے کھولنا چاہا مگر میزابِ رحمت نے چہرہ پھیرے بغیر اُسکے ہاتھ پر اپنا سَرد ہاتھ رکھتے ہوئے اُسکی کوشش ناکام بنا دی۔ عباس نے بے اِختیار چہرہ پھیر کر اُسے دیکھنا چاہا مگر وہ قدرے رُخ پھیرے یوں کھڑی تھی کہ حجاب کے ایک سِرے نے اُسکے چہرے کے گِرد بائیں جانب دیوار اُٹھا دی تھی۔ قبل اِسکے وہ کچھ پوچھتا، دروازے کے اُس پار مگر عین پاس سے آتی آواز پر شَل رہ گیا۔ وہ مُدثر اور کاشف بزنجو کی آوازیں تھیں۔

"آپ کو لگ رہا کے اُسکو راستے سے ہٹانا اِتنا آسان ہے؟ وہ اصفہان ماموں نہیں ہے جِس کا کوئی والی وارث نہ ہو۔" مُدثر کا کڑا لہجہ دِل چیر کر رکھ دینے والا تھا۔

"تو دیکھا نہیں کل بابا سب اُسکے ہاتھ دینے کا کہہ رہے تھے۔ یہ زندہ رہی تو ہمارے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔ اپنے باپ کی طرح ڈھیٹ، ضدی اور ہٹ دھرم ہے۔" کاشف بزنجو اُس سے بھی زیادہ جُھنجھلاہٹ کا شکار تھے۔ میزاب کے چہرے کا رنگ سپید سے سپید ہونے لگا۔ ہاتھ پاؤں یخ ہو گئے۔

"تو اُسے مارنے کے بجائے عباس سے طلاق کروا کر مُجھ سے بیاہ دیں۔ ساری زندگی جوتے کی نوک پر رکھوں گا۔ پسند تو بہت ہے مگر اُن دونوں نام نہاد میاں بیوی کی اکڑ بھی تو نکالنی ہے۔" یہ وہ مُدثر نہیں تھا جو ہر وقت میزاب کے سامنے اچھے لہجے میں بات کرتا تھا۔ عباس کی موجودگی میں اِیسی سُبکی پر اُسکی پلکیں لرزنے لگیں۔

"تمہاری بات بھی غلط نہیں۔ عباس کی مُحبت ہاتھ سے گئی تو خود ہی جیتے جی مَر جائے گا۔" اُس مُسکراتی بات پر دو دِل ایک ساتھ کانپ اُٹھے۔ عباس جان نِثار کو اپنے ہاتھ پر موجود برف کا شدت سے اِحساس ہونے لگا۔

"چلو اِس ایونٹ کے بعد دیکھتے ہیں ہو سکتا ہے رفعت آپا تمہاری بات سُن کر خود ہی میزاب نامی کانٹے کو ہمارے رَستے سے ہٹا دیں۔" کاشف بزنجو کچھ زیادہ ہی چہک رہے تھے تبھی یہاں کھڑے ہو کر بے فکری سے باتیں کر رہے تھے کیونکہ سب اِیگزیبیشن میں مگن تھے اور مین فنکشن ابھی شروع نہیں ہوا تھا۔ قدموں کی آہٹ دُور ہوتی گئی۔ عباس نے بڑھتی خاموشی اور اُس ہاتھ کی ٹھنڈک پر میزاب کو دیکھنا چاہا مگر وہ تو سانس روکے، ابھی تک ششدر کھڑی تھی۔

"آپ۔۔۔ ٹھیک ہیں؟" عباس نے نرمی سے اُسکے برف ہاتھ پر دوسرا پُر حدت ہاتھ رکھ کر حرارت پُہنچانی چاہی جو کارگر ثابت بھی ہوئی۔ وہ پُر خلوص حدت دِل تک پُہنچی تو میزاب رحمت اِس قدر زور سے سانس کھینچ کر لڑکھڑا کر پیچھے ہوئی کہ عباس جان نِثار کے ہاتھ پیر کانپ گئے۔

"رحمت!" نرمی سے اُسے دونوں کہنیوں سے تھام کر بروقت اپنے عین رُوبرو کیا، اگر نہ کرتا تو وہ سیڑھیوں سے پھِسلتی ہوئی نیچے گر جاتی۔ اُسکے دونوں بازوؤں کو اُس نے اِس مضبوطی سے جکڑا کہ عباس نے اِضطراب سے اُسے دیکھنا چاہا مگر وہ چہرہ نیچے کیئے یوں سانس لے رہی تھی جیسے نہ جانے کتنی لمبی مُسافت سے بھاگ کر آئی ہو۔ عباس چند پَل یونہی تفکر سے اُسکے جُھکے چہرے کو دیکھتا رہا۔ نگاہ کبھی جُھکے سَر تک جاتی تو کبھی اپنے دونوں بازوؤں کو تھام رکھے، کانپتے ہاتھوں تک۔

عباس چاہتا تھا وہ سنبھل جائے، خود کو سنبھال لے۔ وہ اُسکا غم سمجھ سکتا تھا۔

آنکھوں کے آگے چھا جاتی دُھند کے ساتھ وہ مُسلسل خالی الذہنی سے نیچے دیکھ رہی تھی۔ جِس عورت نے اپنی ساری زندگی جِن لوگوں کو اپنا سمجھ کر اُنکے لیئے اپنے شوق اور خواب وار کے دِن رات ایک کر دیا تھا اُن سے اُسے بدلے میں کیا مِل رہا تھا۔ اُن سب کے دِلوں میں اُسکے خلاف اِتنا زہر کیسے اور کہاں سے آیا تھا اور اَزل سے تھا بھی تو اُس جیسی معاملہ فہم عورت کو خبر کیسے نہیں ہو سکی؟

ایک بے بس آنسو آنکھ سے ٹوٹ کر گِرا مگر اُسے بے آسرا نہیں ہونے دیا گیا۔ عباس نے اپنی ہتھیلی کھول کر اُس آنسو کو اَرزانی سے بچا لیا۔ ساکن ہوتی میزاب نے آہستگی سے چہرہ اُٹھایا اور عباس جان نِثار کی پوری ہستی کا بیڑہ اُن پانیوں سے بھَری سُرمئی آنکھوں میں غرق ہو گیا اور وہ خود کو بچانے کی کوئی تدبیر بھی نہیں کر سکا۔

"کیوں اِیسے بے قدر لوگوں کے لیئے اِتنے قیمتی آنسو بہا رہی ہیں؟" جب قطار در قطار آنسو چھلکنے لگے تو عباس جان نِثار کو باور کروانا پڑا کہ مسحور ہونے کے لیئے تو ایک زندگی پڑی تھی ابھی اِس عورت کے غم کا مداوا کرنے کا وقت تھا اور اُسکی بات پر وہ چہرہ جُھکا کر مزید روتے ہوئے عباس جان نِثار کا دِل مُٹھی میں جکڑ گئی۔

"یہ ظُلم مت کریں مُجھ پر۔" اُس نے اُن آنسوؤں کو سمیٹ لینا چاہا مگر سمیٹ نہیں سکا۔ وہ اُس سے اِظہار کے بعد سے دُور دُور تھی تو سبب کوئی تو ہو گا۔ اُسے میزاب کو غیر آرام دہ نہیں کرنا چاہیئے۔

"مُجھے بابا کا غم چین نہیں لینے دیتا، جان نِثار۔" سَر جُھکائے کھڑی عورت نے کچھ اِیسی اذیت سے کہا کہ عباس جان نِثار اپنے قدموں کو اُسکی جانب بڑھنے سے روک نہیں سکا۔ مُسلسل گرتی آنکوں سے بہتے آنسوؤں کے باوجود میزاب نے دو سیاہ شوز قدم بھر آ رُکتے دیکھے اور پھر آنکھیں سختی سے موند کر اُس نے وہ ایک قدم کا فاصلہ بھی طے کر اپنی پیشانی عباس کے کندھے کو چھوتے بازو سے ٹِکالی اور پھر میزابِ رحمت یوں ٹوٹ کر روئی کے سب کچھ جَل تَھل ہو گیا۔ آچکی بہار میں مینہ اِیسا برسنے لگا کہ اُس پوری عمارت کو اپنی اُداس لپیٹ میں لینے لگی۔

رُکتی سانس اور لرز کر جُھکتی آنکھوں کے ساتھ عباس نے اُس دائیں بازو کو دیکھا جو اَب تک اُسی مضبوطی سے میزاب نے تھام رکھا تھا۔ وہ خوبصورت کیفیت کو عنایت سمجھ سکتا تھا مگر یہ غم میں کاندھے کا سہارا چاہا گیا تھا تبھی عباس جان نِثار دِل کو ڈپٹ کر کچھ دیر پہلے ہی آزاد ہوئے بائیں ہاتھ سے اُسکی پُشت نرمی سے تھپکنے لگا۔

"میں آپ سے صبر کرنے کو نہیں کہوں گا کیونکہ مُجھے اِس غم کا اندازہ ہے۔" پانچ منٹ تک جب وہ یونہی ہچکیوں کے ساتھ روتی رہی تو عباس کو آہستگی سے کہنا پڑا۔ ہچکیوں میں مزید شدت آنے لگی۔ اُسکے غم کا اِدراک اِس سارے میں مزید جان لیوا تھا۔

"لیکن میں چاہوں گا کہ آپ اُن سب کے سامنے ڈٹ کر کھڑی رہیں جنہوں نے آپکو دُکھ دیا ہے۔" وہ اُسکی نرم طبیعت سے واقف تھا تبھی سمجھا رہا تھا۔ میزاب یونہی لگ کر روتی رہی، سُنتی رہی۔

"آپ اُن لوگوں کی بُنیادیں ہلا دیں جنہوں نے آپکو اَرزاں کرنے کا سوچا بھی ہو۔" اُسے حوصلہ دیا جا رہا تھا کیونکہ اُسے کچھ دیر بعد اِسکی ضرورت پڑنی تھی۔

"لیکن اگر آپ اُن لوگوں کو معاف کرنا چاہیئے تب بھی آپ مُحترم رہیں گی۔" عباس نے یہ بات آہستگی سے کہی جبکہ سِسَکتی میزاب یونہی چہرہ چُھپائے نفی میں سَر ہلانے لگی۔

"نہیں معاف کرنا چاہتیں؟" عباس اُسکے لیئے راہ ہموار کر رہا تھا۔ وہ ایک مہربان اور بےرِیا عورت تھی۔ جِس تیزی سے پِھر نفی میں سَر ہلایا گیا، عباس کے چہرے کو آسودہ سی مُسکراہٹ چُھو گئی۔

"مت کریں معاف۔ معافی، اعتراف اور توبہ کے بغیر نہیں ہوتی۔" اَب کے میزاب کے دِل کو تقویت پُہنچائی گئی۔

"مگر روئیں مت۔ خود کو یوں میرے سامنے اُن لوگوں کے لیئے بے مول مت کریں۔" آخری بات نہیں اِستدعا تھی۔ اِیسی اِستدعا جِس میں دِل کے سارے جذبے سِمٹ آئے تھے تبھی مُسلسل ہچکیاں کھاتا وجود تھم گیا۔

اُس نے خفگی سے چہرہ اُٹھا کر عباس جان نِثار کو دیکھا اور وہ اُن روئی روئی، خفا آنکھوں کو دیکھ کر آنکھیں پھیلائے تعجب کا شکار ہونے لگا۔

"بندے سے کیا خطا سَرزد ہو گئی، جنابِ مَن؟" جب خفا آنکھیں زیادہ دیر تک یونہی وضاحت کے بغیر تکتی رہیں تو اُسکا بوکھلاہٹ کا شکار ہونا فطری تھا۔ بیوی کی غصیلی نگاہ اچھے بَھلے بہادر مَرد کے ہوش اُڑا دیتی ہے اور وہ تو اِس بیوی کی مُحبت کے ہاتھوں مَات کھایا ہوا تھا جبکہ اُس اندازِ تخاطب پر میزاب رحمت نے بے ساختہ جھینپ کر پِھر سے پیشانی اُس بازو سے ٹِکالی۔

"خفگی کا راز کیا ہے؟" جب اُس نے دوبارہ سر نہیں اُٹھایا تو عباس کو پھر سے اُسکو متوجہ کرنا چاہا۔

"میں تمہارے سامنے نہیں رو سکتی کیا؟" وہ اُسکی بات کو کسی اور ہی ضمن میں لے گئی اور عباس نے گہرا سانس لیا۔ اِس عورت کے سامنے وضاحت دینی پڑتی تھی۔ یہ دِل کی مکین تھی۔

"ہر بار روئیں گی تو میرا کندھا حاضر ہے مگر بے قدر لوگوں کے لیئے اپنے قیمتی آنسو ضائع مت کریں۔" لہجے میں کچھ اِیسا تھا کہ میزاب کی پلکوں پر مَنوں بوجھ آ گرا۔ حالانکہ اُس نے کوئی اِیسی بات نہیں کہی تھی مگر وہ گلاب ہوتے چہرے کے ساتھ تیزی سے اُسکا بازو چھوڑ کر پیچھے ہوئی۔ اُس بوکھلاہٹ پر عباس نے اپنے ہاتھ پیچھے کر لیئے۔ عباس نہیں جانتا تھا کہ اُسے عباس جان نِثار کی مُحبت اور اُسکا اِظہار یاد آ گیا تھا۔

"کارل مارکس کہتا ہے **اُن تمام رشتوں کا تختہ اُلٹ دینا چاہیئے جِن میں اِنسان نیچ ہو، غلام ہو، حقیر ہو اور نظر انداز کیا گیا ہو۔**" اُسکی معتدل بات پر میزاب نے نظریں اُٹھا کر اُسے دیکھا۔ اُن نظروں میں فلحال سنجیدگی اور سمجھانے والی فکر تھی۔

"میں بھی تخت اُلٹ دوں؟" اُسکے سرسراتے سوال پر اَب کے چونکنے کی باری عباس کی تھی۔ وہ واقعی اُس سے پوچھ رہی تھی؟

"اُلٹ دینا چاہیئے۔" عباس نے اُسی نرمی سے کہا مگر سُرمئی آنکھوں میں بے چینی سِمٹنے لگی۔

"اللہ پاک ناراض تو نہیں ہوں گے نہ؟" اُسکے خدشے میں ڈوبے سوال پر عباس خود کو مُسکرانے سے نہیں روک سکا۔ یا ربِ کعبہ! یہ عورت۔۔۔

"آپ سے اللہ پاک کبھی ناراض نہیں ہوسکتے اور جس کے ساتھ فریب ہوا ہو اُسکے ساتھ تو ساری خدائی ہوتی ہے۔"

اُس نے حوصلہ بھی اِیسے دیا کہ میزاب کا دِل کِھل اُٹھا مگر یہ اِحساس کہ عباس نے سب سُن لیا ہے اُسے ہوش ٹھکانے پر آتے ہی گھیرے میں لینے لگا تبھی پھیکے پڑتے چہرے کے ساتھ اُس نے جس طرح رُخ پھیرا، عباس نے نا سمجھی سے اُسے دیکھا۔

"مُجھے۔۔۔۔کام ہے۔۔۔" قبل اِسکے عباس اُس سے کچھ پوچھتا وہ تیزی سے کہہ کر دروازہ کھولتے ہوئے تیز قدموں سے حیران کھڑے رہ جاتے عباس کی نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ ابھی تو عباس نے اُسے سہی مُحبت بھری نظر سے دیکھا بھی نہیں تھا۔

✓رُخصت تو تُجھے دے دوں مگر مسئلہ ہے یہ

تُو لوٹ کے پھُر مُڑ توں آتا ہی نہیں ہے۔۔۔

کچھ سوچ کر وہ تیز قدموں سے اُسی جانب جا رہا تھا جہاں میزابِ رحمت گئی تھی۔ راہدری عبور کرکے کونے والے آفس کا دروازہ آہستگی سے کھول کر اندر آتے ہوئے عباس جان نِثار کو دِل تھام لینا پڑا۔ جس عورت کو وہ ہر آن سَر اُٹھا کر مضبوطی سے چلتے دیکھتا تھا وہی چہرہ جُھکائے ہچکیوں کے ساتھ پھر سے رو رہی تھی۔ اُس نے اپنے پیچھے دروازہ بند کرکے لاک لگایا۔ اگر کوئی یہاں آجاتا اور اُسکو روتا دیکھ لیتا تو کتنا بُرا ہوتا۔ قدموں کی چاپ قالین میں جذب ہو گئی۔ اُسکے عین سامنے آکر گھُٹنوں کے بَل بیٹھتے ہوئے چند پَل میزاب کے جُھکے چہرے کو دیکھتا رہا۔

"اُن سب کی نظریں آپ پر ہوں گی۔ میں چاہتا ہوں غم دینے والے آپ کو روتا ہوا دیکھنے کے بجائے خوش دیکھ کر جَل کے خاکستر ہو جائیں۔ مُجھے بتائیں، میزابِ رحمت! میں اِیسا کیا کروں کہ آپ مُسکرانے لگیں؟ آپ خُوش ہو کر سب کے سامنے جائیں؟"

فنکشن شروع ہونے والا تھا اُس سے پہلے میزاب کو خود کو سنبھال لینا بہت ضروری تھا تبھی اُس نے یاسیت سے کہتے ہوئے میزاب کے ہچکولے کھاتے وجود کو ساکن کر دیا۔ دِل دَھڑک کر پھر سے ٹھہر گیا۔ یہ شخص، اِس کے الفاظ اُسکے لیئے عَظم اور حوصلے کا اِستعارہ تھے۔

"تم نے سب سُن لیا ہے۔ کیا سوچتے ہو گے۔ کتنی بے وقوف ہوں میں۔۔۔" وہ جِس طرح چہرہ جُھکائے اٹک اٹک کر اپنے رونے کی وجہ بتا رہی تھی، عباس ہک دَق رہ گیا۔

"تم نے کیسے ایک نظر میں مجھے کہا تھا کہ۔۔۔ کسی پر بھروسہ نہ کروں اور میں نے۔۔۔ زندگی بَھر کے بھروسے کو داؤ پر لگا دیا۔" اُسکے دُکھ کی نوعیت اور طرح کی تھی۔

ذہین اور مہربان شخص کو مات ہو جائے تو وہ اپنی صلاحیت اور اچھائی پر ہی سوال اُٹھاتا ہے، دوسرے پر نہیں۔

"آپ کو اُن سب پر بھروسہ ہوتا تو الرحمت کی شراکت سے بزنجو خاندان کو کبھی دُور نہیں رکھتیں۔ آپ بھی جانتی تھیں اُن سب کی مکر، چال بازی اور مُنافقت کو بس فرق یہ ہے کہ وہ آپکا خاندان تھے۔ آپ اپنے بابا کی نسبت سے اُن سب کو ایک ساتھ مُتحد رکھنا چاہتی تھیں۔" عباس نے بات کا اِیسا پہلو اُٹھایا کہ ششدر ہوتی میزاب نے ایک جھٹکے سے چہرہ اُٹھا کر اُسے دیکھا۔ یہ سب۔۔۔ اُس نے آج تک کسی کو نہیں بتایا تھا تو اِس شخص کو کیسے؟؟

"مجھے اِس لیئے یہ سب معلوم ہے کیونکہ آپ کا دُکھ، میرا غم ہے۔ آپ کی ہار، میری بھی شکست ہے۔" اُن سُرمئی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ بڑی اُلفت سے کہہ رہا تھا۔

"یاد ہے نہ میں آپ سے مُحبت کرتا ہوں۔" اُسکی یاددہانی پر میزاب کا دِل دَھک سے رہ گیا۔ گالوں پر شفق کی لالی پُھوٹ پڑی۔ لرزاُٹھتی پلکوں نے جُھکنے میں لمحہ نہیں لگایا۔ یہ بات کیسے بُھولی جاسکتی تھی۔

"اُن سب کا تختہ اُلٹ دیں مگر یہ بھی یاد رکھیں کوئی آپکو بڑے خلوص سے چاہ رہا ہے۔" اُن لرزتی پلکوں کو آنکھ بَھر کر دیکھا گیا۔ میزاب کو لگا اُس کے ہاتھ برف ہونے لگے ہیں۔

"اِس لباس کو پذیرائی بخشنے کا شکریہ۔" اُن لرزتی پلکوں کو شوق مَندی سے دیکھتے ہوئے اُس نے ہلکا سا مُسکرا کر کہا جبکہ میزاب کو چہرہ اُٹھانا پڑا۔ وہ اُسے مُسکراتے دیکھنا چاہتی تھی۔ یہ دِل کی خواہش تھی۔

"بہت اچھی لگ رہی ہیں۔۔۔۔ ماشاءاللہ!" اُس تعریف کے بعد **'ماشاءاللہ'** قدرے مدہم اور وقفے کے بعد کہا۔ میزاب اُن آنکھوں میں تحیر سے دیکھتی رہی جہاں گہری اُلفت اور شوق کا ایک الگ ہی جہاں آباد تھا۔ وہ سب کچھ بُھولنے لگی۔ عباس نے ہاتھ آگے بڑھا کر اُسکے گردن میں ابھی تک جھولتے اُس ہلال کی شکل کے پینڈنٹ کو چُھو کر سیدھا کر کے میزاب کو دیکھا جو اُسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"میں چاہتا ہوں آپ اِسے کبھی نہ اُتاریں۔" اُس نے بڑے مان سے اپنی خواہش سامنے رکھی۔

"ہاں! جیسے اور تو میرے پاس جیولری نہیں نہ۔" تیزی سے طاری ہوتی کیفیت کو جھٹک کر اُس نے تنک کر کہتے ہوئے عباس کو قہقہہ لگانے پر مجبور کر دیا۔

"جانتا ہوں بہت امیر ہیں مگر یہ اِس غلام نے بڑی مُحبت سے آپکے لیئے لیا تھا۔" میزاب کے اِرتکاز پر وہ جیسے اندر باہر تک مُسکرا اُٹھا تھا۔ میزابِ رحمت اِتنی توجہ سے اُسے دیکھتے ہوئے، دِل گُداز کر گئی۔

"اَب اِتنے اِنہماک سے مُجھے دیکھیں گی تو مزید مُبتلا ہو جاؤں گا اور ہو سکتا ہے آپکو یہاں سے بھگا کر لے جاؤں۔" وہ جو اُسکی بات پر جھینپ کر ہنسنے لگی تھی، آخری بات پر بِدک کے پیچھے ہونے پر عباس کو ایک بار پھر قہقہ لگانے پر مجبور کر گئی۔

"اللہ! اِتنی بے زار ہیں آپ مُجھ سے۔" مصنوعی صدمے سے کہہ کر وہ اُسکے سامنے سے اُٹھ کھڑا ہوا تو میزاب کو یوں لگا جیسے زندگی روٹھ کر اُٹھ گئی ہو۔ وہ شخص اِتنا ہی اہم اور محبوب تو تھا اُسے۔

"تم۔۔۔ تم کتنے آسان ہو، جان نِثار۔" اُسکے چہرے کو دیکھتے ہوئے میزاب نے یونہی دِل کی مُبہم سی بات کہہ کر خود کو سنبھالا دیا۔ جبکہ عباس جو اُسے اُٹھنے میں مدد دینے کو جُھکا تھا، جُھکا کھڑا رہ گیا۔

"یعنی؟" وہ خود سے کچھ بھی اخذ کر کے اِس مقام پہ آ کر خُوش فہم نہیں ہونا چاہتا تھا۔

"یعنی تمہارے ہوتے سب آسان ہو جاتا ہے۔ تم آسانی ہو، عباس جان نِثار۔" اَب کے عین اُن آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ اُٹھ کھڑی ہونے لگی تو عباس بے اِختیار تیزی سے پیچھے ہوا۔

"مُجھے اَب سمجھ آ رہی ہے شاعر نے اِیسا کیوں کہا تھا۔" اُسکی قدرے مُختلف بات پر میزاب ٹھٹک گئی۔

"کیا کہا ہے شاعر نے اِیسا؟" اُسے مفہوم سے زیادہ شاعر کی بات میں دلچسپی تھی۔

"شاعر رضی الرحمٰن کہتا ہے:

✓ باتوں باتوں میں اُسے چاند بھی لا دیتا ہوں

پھر بھی وہ سہل طبیعت مجھے گرداننا ہے۔"

اُس نے اِیسی برجستگی سے کہا کہ میزابِ رحمت کا دِل دَھڑک کر ٹھہر گیا۔ یہ شخص جادوگر تھا۔ باتیں بنانے کے فن سے آشناء۔ اِسے جیسے معلوم تھا کیسے دِل کی دَھڑکنوں کا انداز بدل دینا ہے اور پھر ہنس دی۔

"توبہ! تم کب سے شعر کہنے لگے۔" بے اِختیاری میں وہ گلے میں موجود ہلال نُما پینڈنٹ کو آہستگی سے چُھو کر خفت سے کہہ رہی تھی۔ عباس نے اُسکی اُنگلیوں میں مُقید چاند کو دیکھ کر گہرا سانس لیا۔

"اِس بات کو پھر کسی وقت کے لیئے اُٹھا رکھتے ہیں۔ ابھی آپ کو ایک معرکہ سَر کرنا ہے۔" اُسکے آگے سے ہٹتے ہوئے اُس نے میزاب کے لیئے راستہ بنایا، وہ جو کچھ مزید انوکھا سا سُننے کی مشاق تھی، گھبرا کر تیزی سے دروازہ کھول کر باہر نِکلی۔ عباس صِرف ایک پَل کو اُسکی عُجلت پر ٹھٹکا اور پھر اُسکے پیچھے ہو لیا۔ اُسے یونہی میزابِ رحمت سے ایک قدم پیچھے ہی تاحیات چلنا تھا۔ یہ دِل کی مرضی اور مجبوری تھی اور وہ ابھی اِتنی سی توجہ اور اپنائیت پر ہی راضی تھا۔

✓ کامل! میرے مزاج کی آسودگی تو دیکھ

خواہش کو مُستقل کبھی ہونے نہیں دیا۔۔۔

(افرسیاب کامل)

تقریب کے خاص حصّے کا آغاز ہو گیا تھا۔ وہ سب لوگ جو ایگزیبیشن میں موجود تھے سارے ہال میں کھچا کھچ جمع ہونے لگے۔ بڑے سے سٹیج پر پیچھے دیوار گیر سکرین پر اَصفہان ٹاورز کے سفر کی داستان چل رہی تھی اور اَصفہان

بزنجو کو خراجِ عقیدت پیش کیا جارہا تھا۔ مرنے والا، مرنے کے بعد لوگوں کے سامنے سَر اُٹھانے میں کامیاب ہوا تھا شاید تبھی میزاب نے اِس پروجیکٹ کا نام اپنے اُس باپ کے نام پر رکھا جسکے بارے میں سب، سَنجرانیوں کی طرح غلط فہمی میں مُبتلا تھے۔ ہوسٹ نے آکر مائیک سنبھالا اور اللہ پاک کے بابرکت کلام، قرآنِ کریم کی تلاوت سے شروعات کردی گئی۔ ہال میں ہر طرف گول میز کے گرد چھ ٹیبل لگے تھے جِن کے وسط میں سب کے نیم ٹیگز لگے تھے۔ میزاب نے چہرہ پھیر کر متلاشی نگاہوں سے دیکھا مگر اُسے سَنجرانی خاندان کا کوئی فرد نظر نہیں آیا شاید رش کی وجہ سے۔ اُسکے چہرے کی مایوسی اور اُداسی ہاشم بزنجو اور مُدثر سے چُھپی نہیں رہ سکی۔ قبل اِسکے وہ کچھ پوچھتے کائنات تیز قدموں سے اُس تک آئی اور جُھک کے اُسکے کان میں کچھ کہا۔ میزاب کے چہرے کے تاثرات سنجیدہ ہوئے، پیشانی پر لکیریں نمودار ہوئیں اور پھر اُس نے سَر اُٹھا کر مُدثر اور کاشف بزنجو کو جِن سخت نظروں سے دیکھا وہ سب چوکنا ہو گئے۔

"کیا ہوا زیبی؟" کائنات کے جاتے ہی ہاشم بزنجو کو سوال کرنا پڑا جبکہ کاشف بزنجو اور مُدثر نے سنبھل کر ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"اگر میری آج کی محنت برباد ہوئی نہ تو میں کسی کو بھی نہیں بخشوں گی۔ یہ بات سب اپنے دماغ میں اچھی طرح بٹھا لیں۔" اُسکے لہجے کا تحکم ٹھٹکا دینے والا تھا۔ رفعت اور آمینہ بیگم کا جہاں چہرہ سُرخ ہوا وہیں باقی مَرد بُری طرح چونک گئے۔ میزاب اِیسے بات نہیں کرتی تھی۔

"اَب میں دعوت دینا چاہوں گی اَصفہان بزنجو کی بیٹی، **'الرحمت'** کی سی-ای-او اور اَصفہان ٹاورز کی چیئر ویمن، مِس میزابِ رحمت کو تا کہ وہ آکر تقریب کو آگے بڑھائیں۔" سب سے پہلے تو ہاشم بزنجو کو بُلایا جانا تھا مگر ہوسٹ نے اُنکا

نام لیئے بغیر میزابِ رحمت کو پُکار کر جہاں اُنکو تحیر میں مُبتلا کیا وہیں کاشف بزنجو نے کینہ توز نظروں سے اُسے دیکھا جو کرسی دھکیل کر ہاشم بزنجو کو کچھ بھی بتائے بغیر اُٹھ کر تالیوں کی گُونج میں سٹیج کی جانب بڑھ گئی تھی۔

"تم دونوں نے پھر کوئی حماقت کی ہے؟" میزاب کو غصیلی نظروں سے دیکھنے کے بجائے وہ بیٹے اور نواسے کو کٹیلی نظروں سے دیکھنے لگے۔

"آپ کو ہر غلط کام کے پیچھے ہم ہی کیوں لگتے ہیں؟" کاشف بزنجو کو تو آگ ہی لگ گئی۔

"کیونکہ تم لوگوں کا ٹریک ریکارڈ ہی اِتنا شاندار رہا ہے۔ میزاب کیا کہہ کر گئی ہے، شرافت سے بتاؤ ورنہ اگر مجھے بیگ صاحب یا میڈیا کے ذریعے معلوم ہوا تو تم دونوں کو بَرطرف کر دوں گا۔" اُنہیں آج کی تقریب کی اہمیت کا اندازہ تھا تبھی آہستگی مگر سختی سے کہہ رہے تھے۔ ساتھ ہی دوسرے ٹیبل پر بیٹھے ذکی، تقی اور زُوبیہ نے ایک دوسرے کو نا سمجھی سے دیکھا۔

"اسلام علیکم! یہاں آمد کا بہت شکریہ۔ آپ سب نے یہاں شرکت کر کے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ آپ لوگوں کو میرے بابا اور میرے کام پر کِتنا بھروسہ ہے اور میں آپ سب کے اِس اعتماد کی مشکور ہوں۔" اُسکی مٹھاس سے بھرپور آواز پر سارے ہال میں خاموشی چھاگئی۔ ٹیبل کے بیچوں بیچ سَنجرانیوں کا ٹیگ بھی لگا رکھا تھا جہاں وہ سب بیٹھے مُسکراہٹ چہرے پر سجائے اُسے سُن رہے تھے اور سٹیج کی بلندی سے واضح نظر آ رہے تھے۔ عباس اور جواد اُن سب میں موجود نہیں تھے۔ میزاب کی نظر دُور سے بھی اُن سب پر پڑی تو مُسکرا کر اُس نے نظروں کا زاویہ بدلا۔

"آپ سب نے اَب تک جِس قدر خلوص سے اَصفہان ٹاورز کو پایہ تکمیل تک پُہنچانے میں میرا ساتھ دیا ہے، میں اِسے کبھی نہیں بُھول سکتی۔ آپ سب شاید نہیں جانتے مگر یہ میرا خواب تھا۔ اِیسا خواب جو جاگتی آنکھوں سے دیکھا

جاتا ہے۔" دونوں ہاتھ ڈائس کے کناروں پر رکھے نیلے لباس میں کھڑی وہ پُر کشش عورت بہت اعتماد سے سب سے گفتگو کر رہی تھی۔ اُسے لوگوں کو مرعوب کرنے کا ہنر آتا تھا۔

"اگر اَصفہان ٹاورز کے اِفتتاح پر میں نے اپنے بابا کا ذکر نہ کیا تو یہ اُنکے ساتھ نا اِنصافی اور بے ایمانی ہو گی۔ وہ یوں بُھلا دیئے جانا ڈیزرو نہیں کرتے۔ میں چاہتی ہوں سب اُنہیں یاد رکھیں۔ وہ ایک مُخلص، سچے اور ایماندار شخص تھے۔" سامنے کی قطار میں بیٹھ کر خود کو فخریہ نظروں سے دیکھتی ماں کو اُس نے یوں مُسکرا کر دیکھا کہ اگلی، پچھلی ہر کدورت اور خفگی تحلیل ہو گئی۔

"اُنہوں نے بہت اچھی، ایمانداری سے بھرپور زندگی گُزاری ہے ہاں مگر اُنکی ناگہانی موت جسے مُجھے آج تک سمجھ نہیں آیا کہ حادثہ کہوں یا سوچا سمجھا قتل، بھیانک تھی۔" اُسکی بات پر ہاشم بزنجو نے چہرہ پھیر کر اُسے دیکھ کر پہلو بدلا۔ اُنہیں اندازہ نہیں تھا کہ وہ سپیچ کو کسی اور ہی سمت لے جائے گی۔ میزاب نے اُنکو غیر آرام دہ ہوتے محسوس کر کے بھی بات جاری رکھی۔

"سب سمجھتے ہیں کہ میرے بابا کی وفات اِتنی بھیانک ہوئی ہے تو وہ اچھے اِنسان بھی نہیں ہوں گے لیکن اگر اِنسان کی زندگی کا انجام دردناک ہو، آسان وفات نہ پائے تو اِس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اُس نے ساری زندگی اچھے اور قابلِ فخر طریقے سے نہیں گُزاری۔ اِیسا سوچنے والوں کو چاہیئے کہ وہ ہمارے اِمام حُسین علیہ اسلام کی زندگی کا مطالعہ کریں۔ دُنیا میں کسی کی اُنکی طرح دردناک شہادت نہیں ہو سکتی اور کوئی عورت اِیسی نہیں ہو گی روئے زمین پر جِس نے سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کی طرح آزمائش اور تکلیفیں صبر کے ساتھ، آخری لمحے تک خندہ پیشانی سے برداشت کی ہوں۔ کربلا سے بڑا سانحہ اور ظُلم کسی کو تاریخ میں کبھی سُننے کو نہیں مِلے گا۔ رشتے، وفاداری، خُلوص،

آزمائش، صبر، شکر اور رضائے الٰہی میں راضی رہنے کے لیئے کربلا تک جانا بہت ضروری ہے۔ یہ سب باتیں مجھے میرے بابا بتایا کرتے تھے اور کچھ عرصے سے مجھے اُنکی تمام باتوں کی سمجھ آنے لگی ہے۔"

اُسکا ہر لفظ بہت ٹھہرا ہوا، گہرے معنی لیئے ہوئے تھا۔ وہ سارے لوگ جو اِن باتوں سے، کربلا کے ذکر تک سے کوسوں دُور تھے وہ تک پورے اِنہماک سے سُن رہے تھے۔ اُسکا لہجہ اثر انگیز تھا۔ احتساب سَنجرانی نے مُسکرا کر رحمان بخش سَنجرانی کو دیکھا جِن کی آنکھوں میں اپنی بہو کے لیئے ستائش جگمگا رہی تھی۔

"اِفتتاح کے لیئے میں اپنے دادا، ہاشم بزنجو اور اپنے شوہر کے دادا، رحمان بخش سَنجرانی کو بُلاؤں گی کہ یہ دونوں میرے بڑے ہیں۔" نرمی سے کہتے ہوئے اُس نے کتنے لوگوں کو دھچکا دیا اِس کی اُسے کوئی پرواہ نہیں تھی۔ ہاشم بزنجو کا چہرہ نفرت سے سُرخ پڑنے لگا۔ اُنہیں میزاب سے اِیسی اُمید نہیں تھی جبکہ اُن کی کینہ توز نظروں کو محسوس کرنے کے باوجود وہ تالیوں کی گونج میں سیڑھیوں سے اُتر کر ہاشم بزنجو تک آئی۔

"اپنے نفرت بھَرے تاثرات پر تو آپکو ہمیشہ سے اِتنا قابو رہا ہے کہ مجھے تک کبھی اِحساس نہیں ہوا تو ابھی کیسے آپ سب کے سامنے خود کو ظاہر کر رہے ہیں؟" میزاب نے اُنکے مُقابل جو الفاظ بہت آہستگی سے ادا کیئے اُس پر ہاشم بزنجو کے چہرے کی رنگت اُڑی۔ چونک کر اُسے دیکھا جو بے ریائی سے اُنہیں دیکھ رہی تھی۔

"مُجھے معلوم ہے آپ جانتے ہیں کہ آپکے بیٹے نے منظور کرامت سے تعلقات پھِر سے بحال کر لیئے ہیں۔ میں چچا کی بے بی سِٹر نہیں ہوں کہ اُنہیں ہر بار سمجھاتی رہوں۔ وہ اپنا اچھا بُرا خُوب جانتے ہیں۔ میں بس چاہتی ہوں کہ یہ ایونٹ بخیریت سے ہو جائے اِس کے لیئے مُجھے اُن سَنجرانیوں کی بھی ضرورت ہے۔" اُسکی سنجیدہ بات میں کچھ اِیسی سختی تھی کہ ہاشم بزنجو اُسکو بغور دیکھتے رہنے پر مجبور ہو گئے۔ میزاب رحمت نے آج سے پہلے اِس سختی کے ساتھ اُن سے کبھی بات نہیں کی تھی۔

"آجائیں سٹیج پر اگر آپ نہیں چاہتے کہ کوئی تماشا یا بات بنے۔" آخری الفاظ بیگانگی سے کہہ کر وہ واپس پلٹ کر اپنی جانب بڑھتے رحمان بخش سَنجرانی کی جانب گئی اور اُنکے سامنے سَر جُھکایا۔ مُسکرا کر بہت شفقت سے وہ اُسکا سَر تھپتھپا رہے تھے۔

"آپ کو آنے میں کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی، دَاجی؟" میزاب کا سوال قریب آتے ہاشم بزنجو کو بھی صاف سُنائی دیا۔

"بالکل نہیں، میرے بچے! ہم سب تو بہت مزے میں آئے ہیں اور ابھی کی تمہاری سپیچ نے تو ڈھیروں خُون بڑھا دیا ہے۔ اللہ پاک اَصفہان کو کروٹ کروٹ چین عطا فرمائے۔" اُنکی مُحبت بھری بات پر میزاب نے اُنکے اِشارے پر وہاں دیکھا جہاں سَنجرانیوں کا باقی خاندان بیٹھا مُسکرا کر اُسے ہی دیکھ رہا تھا۔ میزاب کے دیکھنے پر سب نے ہاتھ ہلایا تو بھی بے اِختیار مُسکرا دی۔ ساری کثافت نے اپنے پَر سمیٹ لیئے۔ وہ لوگ اُسے اپنی کامیابی پر پورے دِل سے یوں مُسکراتے ہوئے اپنے نہ ہو کر بھی دِل کو بے حد اپنے لگ رہے تھے۔

"جذاک اللہ دَاجی، آمین۔ آئیں۔" وہ اُنہیں **'دَاجی'** پُکارتی ہوئی مُسکرانے پر مجبور کر گئی۔ وہ واقعی اَصفہان کی بیٹی تھی۔ اُنکو پھر سے پَرکھنے میں غلطی نہیں ہوئی تھی۔ رحمان بخش سَنجرانی کی آنکھ کی پَرکھ، دِل کا فیصلہ نہ تب غلط تھا اور نہ ہی اَب۔ وہ مُسکراتے ہوئے اُسکے ساتھ سٹیج پر جا رہے تھے اور ہاشم بزنجو آنکھوں میں ڈھیروں بے یقینی لیئے وہیں کھڑے رہ کر اُس پوتی کو دیکھ رہے تھے جِس نے ایک بار بھی اُنہیں پلٹ کر نہیں دیکھا۔ سب کی نظروں پر اُنہیں خود ہی اُوپر سٹیج تک جانا پڑا۔

تین لوگ قطار سے کھڑے ہوئے اور اُن کے ہاتھ میں تین قینچیاں تھما دی گئیں۔ تالیوں کی گونج میں ایک ساتھ اُن تین لوگوں نے اَصفہان ٹاورز کا آفیشل اِفتتاح کر دیا۔ اُس عمارت کی تعمیر مکمل ہوئی جو میزاب نے دِل سے سینچا تھا اور اِفتتاح کے بعد ہاشم بزنجو نے پچیس کے بجائے پچاس کروڑ کا اعلان ایک فلاحی اِدارے کے لیئے کر کے سب

کو حیران کر دیا جبکہ میزاب کی نگاہ احتساب سنجرانی تک گئی اور اُسکی فاتحانہ مُسکراہٹ بڑی گہری اور واضح تھی اُن ہی چمکتی آنکھوں سے اُس نے سب کے ہنستے، مُسکراتے چہروں میں اُسے بھی تلاشنا چاہا مگر۔۔۔ وہ یہاں کیوں نہیں تھا؟

اُن آنکھوں کی چمک کو ماند پڑتے کسی نے بہت شدت سے محسوس کیا مگر یہ اُسکی خُوش فہمی بھی ہو سکتی ہے اِس لیئے سَر جھٹک کر بُلانے والے کے ساتھ چل دیا پیچھے میزابِ رحمت کا دِل اِتنی بڑی کامیابی اور خُوشی پر بھی ملول سا اُس ہنستی مُسکراتی بھیڑ میں تنہا رہ گیا۔

✓میں نے اِنکار کی تختی بھی لگا رکھی تھی

لے اُڑا پھر بھی مُجھے سارے کا سارا کوئی۔۔۔

پِھر سے وہی ہوا جس کا میزاب کو خدشہ تھا۔ جب فنکشن اپنے جوبن پر تھا۔ سب کھانے اور بات چیت میں مصروف تھے اور اُسی ڈھلتی شام اِینٹی نارکوٹیکس اور اِنکم ٹیکس والوں کی ٹیم وہاں آ موجود ہوئی۔ اِینٹی نارکوٹیکس والے کاشف بزنجو کے لیئے آئے تھے جبکہ اِنکم ٹیکس والے مُدثر شیراز کے لیئے۔ میزاب نے پیشانی پر ہاتھ رکھ کر ایک نظر ساکن کھڑے ہاشم بزنجو کو دیکھا۔ دِل دُکھا مگر اُسے اپنے جذبے ضائع نہیں کرنے تھے۔ صاف ظاہر تھا وہ کاشف بزنجو اور مُدثر شیراز کی غیر قانونی تمام حرکات سے واقف ہیں۔

"آپ کو ڈرگز ٹریفکنگ کے تمام ثبوت اور گواہان کے ساتھ گرفتار کیا جاتا ہے۔" ساتھ آئی ایف-آئی-اے نے ششدر کھڑے کاشف بزنجو کو ہتھکڑی پہنائی تو وہ مزاحمت تک نہیں کر سکے۔

"اور آپکو کروڑوں کے غبن اور پیپر کمپنیوں کے ساتھ اپنا سرمایہ سُوئیز بینک میں کروانے کی ناکام کوشش پر۔" اِنکم ٹیکس آفیسر نے کاشف بزنجو اور ہکابکا مُدثر کے سامنے کاغذ کھول کر لہرائے۔ یہ کام دونوں کے ایک سے تھے۔

"میں۔۔۔میں نے تنہا کچھ بھی نہیں کیا۔" سب سے پہلے ہوش مُدثر کو ہی آیا۔

"آپ کی بات اَب عدالت میں ہی سُنی جائے گی۔" عقب سے آتے جواد کی آواز پر میزاب نے چونک کے پلٹ کر دیکھا۔

"اریسٹ وارنٹ کہاں ہے؟" اُن باقی لوگوں کے بجائے میزاب سیدھی جواد تک گئی۔

"آپ قانون اچھی طرح سمجھتی ہیں، بھابھی۔" اُسکے یوں احترام سے کہنے پر جہاں باقی سرکاری افسران نے ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھا وہیں مُدثر اور کاشف بزنجو ٹھٹھک گئے۔

"اِیسے حالات میں جہاں مُجرم کے تمام ثبوت موجود ہوں لیکن اگلے کے موقع سے فرار ہو جانے کا خدشہ ہو، امیڈیٹ اریسٹ ضروری ہوتا ہے۔" اُسکی بات میں گو وزن تھا مگر میزاب کو کچھ تو کرنا تھا۔

"مُجھے اِتنا معلوم ہے کہ نان کوگنیزیبل کرائم میں وارنٹ ضروری ہوتا ہے۔" اُسکی حتمی سنجیدگی پر بزنجو خاندان کا سانس بحال ہونے لگا۔ کتنے لوگ اُٹھ اُٹھ کر یہ سب دیکھ رہے تھے مگر کچھ لوگوں کے لیئے بزنجو خاندان کی طرف سے اَب اِیسا کچھ سُننا معمول کی بات بن چُکی تھی۔

"اِن دونوں کی ہتھکڑی اُتاریں اور میں آپ سب کو یقین دِلاتی ہوں کہ ہم تعاون کریں گے مگر آپ لوگ وارنٹ لے کر آئیں۔ اِیسے میں آپ لوگوں کو اپنے خاندان پر ہاتھ نہیں ڈالنے دوں گی۔" چند قدم دُور کھڑے احتساب سَنجرانی بہت محظوظ ہو کر اُسکے لہجے کا جلال سُن رہے تھے۔

"تمہاری بیگم بہت کمال عورت ہے بھئی۔" چہرہ جُھکا کر اُنہوں نے میسج ٹائپ کر کے اپنے لاڈلے بھتیجے کو بھیجا جِس نے مُسکرا کر سکرین پر نظر آتی عورت کو نگاہ بھر کر دیکھا۔ وہ عورت جو اُسکی زندگی کا حاصل تھی۔

جواد کے اِشارے پر مُدثر اور کاشف بزنجو کے ہاتھ کی ہتھکڑیاں کھول دی گئیں جبکہ مُدثر نے ہاتھ جھٹک کر نخوت سے جواد کو دیکھا جو باقی افسران کو وارنٹ لانے کا کہہ کر اَب وہاں سے جا رہا تھا۔

"آپ دونوں میری نظروں کے سامنے سے ہلیں گے نہیں۔" میزاب نے اُن دونوں کو دیکھ کر جِس کڑے انداز میں کہا، وہ بے اِختیار اثبات میں سَر ہلا کر تیز قدموں سے اُس ٹیبل کی جانب بڑھ گئے جہاں رفعت اور آمینہ شیراز بیٹھی تُند ہی سے میزاب کو دیکھ رہی تھیں جبکہ میزاب مہمانوں کی جانب متوجہ ہو گئی۔ وہ سب کو یقین دہانی کروا رہی تھی کہ اِیسا غلط فہمی کی بُنیاد پر ہوا ہے اور اگر سچ ہوا بھی تو اُسکے دادا قانون کے ساتھ تعاون کرنے میں پہل کریں گے۔ اُنہوں نے ہمیشہ قانون کی بالادستی کی ہے اور آگے بھی کرتے رہیں گے۔ اُنہوں نے پہلے بھی ذکی اور مُدثر کو اُنکی غلطیوں پر ہر ممکن سزا دِلوائی اور بیٹے کو کتنے عرصے بڑی فیکٹریوں سے معزول بھی رکھا۔ وہ اقربا پرور نہیں تھے۔ جو غلط کرتا تھا اُسکو قانون کے حوالے کرنا ہاشم بزنجو کے انصاف کا تقاضا ہے۔ ہاشم بزنجو خاموش مگر مطمئن نظروں سے اُسے دیکھ رہے تھے جِس نے مِنٹوں میں سب سنبھال لیا تھا۔ اُنہوں نے پورے ہال میں طائرانہ نگاہ دوڑائی جہاں سب کچھ دیر پہلے والی بدمزگی کے بجائے اُنکو بہت توصیفی اور ستائشی نظروں سے دیکھ رہے تھے اور یہ سب یقیناً میزاب رحمت کے الفاظ کا اثر تھا۔

تقریب اچھے طریقے سے انجام پذیر ہوئی۔ میزاب رحمت اور ہاشم بزنجو نے سب مہمانوں کو اچھی طرح رُخصت کر دیا۔ یہاں پر جن افراد کے اپارٹمنٹس تھے اُنہوں نے بُکنگ تو تعمیر کے اوائل دِنوں میں ہی کروالی تھی اور کل سے شفٹنگ ہونی تھی۔ قبل اِسکے مُنتظر نظروں سے اُسے دیکھتے ہاشم بزنجو اُس سے بے چینی سے کچھ کہتے، وہ مُسکرا

کر تیز قدموں سے سَنجرانیوں کی جانب بڑھ گئی۔ اُنکا ٹیبل اِتنا دُور نہیں تھا کہ اُن سب کو دِکھائی اور سُنائی نہ دیتا۔ اَب ہال میں صِرف یہی دو خاندان رہ گئے تھے۔ میزاب کے آنے پر وہ سب اپنی باتیں چھوڑ کر کرسیوں سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"بہت بہت مُبارک ہو، بچے!" سب سے پہلے رحمان بخش سَنجرانی اور اُسکے بعد کلیم بخش اور کریم بخش سَنجرانی نے اُسکا سَر شفقت سے تھپک کر مُبارکباد دی۔

"بہت بہت جزاک اللہ! آپ لوگوں کے آنے سے جو خُوشی اور حوصلہ مُجھے مِلا ہے میں اُسے لفظوں میں بیان نہیں کر سکتی۔" اُسکی چہکتی آواز قریب آتے عباس کے ساتھ پیچھے بیٹھے بزنجو خاندان تک با آسانی گئی اور وہ سب آنکھیں پھاڑے اُسکو دیکھنے لگے جو کہہ کر ہنستے ہوئے احتساب سَنجرانی کے پھیلائے گئے بازو کے ساتھ لگ کر بہت محویت سے اُن سب سے باتیں کر رہی تھی۔ کہیں سے نہیں لگ رہا تھا کہ وہ لوگ دُشمن خاندان کے ہیں۔ کوئی نہیں مان سکتا تھا کہ وہ لوگ دُشمن خاندان کی عورت کو بہو بنا کر لے گئے تھے۔ میزابِ رحمت خود پر پڑتی بزنجو خاندان کی کینہ توز، حیران، ششدر، بے یقینی سے بھری نظروں سے لاپرواہ بہت دِل سے اُن سب کی تعریفوں اور مُبارک سلامت کا جواب دے رہی تھی۔

"آج تو آپ عباس بھائی کے علاوہ سب کو ہی نظر آ رہی تھیں۔" اَصغر کی مُسکراتی بات پر میزاب بے ساختہ جھینپ گئی۔

"اپکی تقریر سُن کر تو میں آپکا فین ہو گیا ہوں۔" اکبر کے مزید کہنے پر میزاب نے اُسکو مُسکرا کر دیکھا۔

"چلو اگر آٹو گراف چاہیئے ہو اتو وقت پر بتا دینا۔" اُسکے انداز پر سب قہقہ لگانے پر مجبور ہو گئے۔ میزاب نے چمکتی آنکھوں سے اُن سب کو دیکھا۔ نہ جانے کیوں اِن لوگوں کے ساتھ دِل کا رشتہ جُڑتا محسوس ہو تا تھا۔ یہ لوگ مُخلص اور واقعی بے ریا لگتے تھے۔

"اور اِس بہترین تقریر کا سہرا میری امی کو جاتا ہے۔" میزاب نے کہتے ساتھ سائیڈ پر دیکھا اور اُسکو تبھی ثُریا اَصفہان بیرونی دروازے سے آتی نظر آئیں۔ وہ کچھ دیر پہلے ہی اپنی دوستوں کو چھوڑنے گئیں تھیں اور میزاب اُنکو سب سے مِلوانا چاہتی تھی۔

"زیبی!" اُنہوں نے اُسے بڑی مُحبت سے پُکارا۔

"جلدی سے اِدھر آئیں۔" اُسکی اُونچی پُکار پر ثُریا اَصفہان نے خوشگواریت سے وہاں دیکھا جہاں وہ سب کے ساتھ مُسکراتے ہوئے اُنکی جانب ہی متوجہ تھی۔ اُنہیں بُھول گیا کہ وہاں کوئی ہاشم بزنجو بھی ہے جِس کے خوف کی وجہ سے وہ اپنی بیٹی سے دُور ہوئیں تھیں۔

"اسلام علیکم!" ثُریا اَصفہان نے مُسکرا کر اُن سب کو کہا جبکہ سب نے سوالیہ نظروں سے میزاب کو دیکھا۔

"میں ثُریا اَصفہان ہوں۔ میزاب کی امی۔" ثُریا اَصفہان کے تعارف کروائے جانے پر اُن سب نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر باری باری جِس طرح سب اُن سے خُوش دِلی سے مِلنے لگے، ثُریا اَصفہان تو جہاں دنگ ہوئیں سو ہوئیں پیچھے رفعت شیراز اور آمینہ کاشف نے تلملا کر ہاشم بزنجو کو دیکھا جو سَرد نظروں سے ثُریا اَصفہان کی خوش اخلاقی دیکھ رہے تھے۔

"یہ اِن سب کے اِتنے دوستانہ تعلقات کب سے ہو گئے؟" مُدثر کے نخوت بَھرے سوال نے ہاشم بزنجو کا ماتھا ٹھنکا دیا۔

اُن سب کی تشویشی نظروں سے پوری طرح باخبر میزاب سب کا اپنی ماں سے تعارف کرواتے ہوئے جیسے ہی پیچھے ہوئی اپنے عقب میں کھڑے عباس سے ٹکرا گئی۔ بوکھلا کر اُس نے پیچھے دیکھا اور پھر چمکتی آنکھوں والے عباس کو دیکھ کر اُسکے چہرے کا جس طرح رنگ بدلا وہ سب نے مُسکراہٹ دبا کر محسوس کیا۔

"یہ فوزیہ وارث علی ہیں۔ شُجاع کی امی۔" میزاب کے بتائے جانے پر اُن دونوں نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر مُسکرا کر ایک دوسرے کی جانب بڑھیں۔

"آپ کا اِتنا ذکر سُنا تھا اَصفہان سے کہ یوں لگتا ہے میں ہمیشہ سے آپکو جانتی ہوں۔" ثُریا اَصفہان کی بات پر جہاں میزاب نے چہرہ پھیر کر اُن دونوں کو دیکھا وہیں رفعت شیراز نے مُٹھیاں بھینچ لیں۔ یہ محبت کے مُظاہرے اُنکی برداشت سے باہر تھے۔ اِس خاندان نے اُنہیں دُھتکارا تھا اور اَب کیسے اُن ماں، بیٹی پر فریفتہ ہو رہے تھے۔

"اور مُجھے خُوشی ہے کہ اِتنی اچھی اور عظیم عورت نے مُجھے یاد رکھا۔" فوزیہ بیگم نے مُسکراتے ہوئے اُنکی جانب ہاتھ بڑھایا جسے نم ہوتی آنکھوں کے ساتھ تھام لیا گیا۔ باقی سب بہت خُوشی سے سب دیکھ رہے تھے جبکہ میزاب اُلجھ کر اور پھر اپنے شانے پر کسی کی مضبوط گرفت پر اُس نے پلٹے بغیر صِرف چہرہ پھیرا۔ اُسکے عقب میں کھڑے عباس نے مُسکرا کر اُسے خاموش تسلی دینی چاہی مگر وہ جواب میں مُسکرا بھی نہیں سکی۔ اُسکا ذہن پہلے ہی متضاد کیفیات کا شکار تھا۔ اُسکے خاموش تاثرات پر عباس نے اپنا ہاتھ آہستگی سے پیچھے ہٹا لیا۔

"آپ سب کی میری بیٹی کو دی گئی مُحبت اور عزت دیکھ کر یقین کریں سارے خدشات اور وہم ختم ہو گئے ہیں۔" ثُریا اَصفہان ہنستے ہوئے فوزیہ بیگم کا ہاتھ تھمے کہہ رہی تھیں۔

"یہ تو آپکی بیٹی کے اخلاق اور حُسنِ سیرت کا کمال ہے سارا۔" فوزیہ بیگم نے میزاب کو نرم نظروں سے دیکھا۔

"اور تم کیسے ہو، عباس؟" ثُریا اَصفہان نے عباس سے پوچھا تو وہ پیچھے سے آگے آکر مُسکراتے ہوئے اُنکے سامنے جُھکا۔ ثُریا اَصفہان نے چمکتی آنکھوں سے اُسکی پُشت تھپکی۔

"میں تو الحمدللہ۔ آپ کیسی ہیں؟" میزاب آنکھیں پھاڑے اُن دونوں کو دیکھ رہی تھی جو ایک دوسرے کے ساتھ یوں کھڑے ہو کر باتیں کرنے لگے تھے جیسے برسوں کی شناسائی ہو۔

"تمہارے سارے خاندان سے مِل کر اور اچھی ہو گئی ہوں۔ میری بیٹی تنگ تو نہیں کرتی؟" اُنکا سوال مصنوعی تفکر لیئے ہوئے تھا۔

"مت پوچھیں آنٹی بس اِتنا جان لیں بہت ظالم ہیں آپ کی بیٹی۔" مُسکراتے عباس نے چہرہ پھیر کر اُن حیران آنکھوں میں جھانک کر کہتے ہوئے اُن سب کو قہقہہ لگانے پر مجبور کر دیا۔

"اچھا تو ہماری بیٹی اَب ظالم ہو گئی ہے اور تم جو اُسکے لیئے مَرے جا رہے تھے۔" فوزیہ بیگم نے چمک کر اُسے یاد دِلایا۔

"وہ کہتے ہیں نہ چاند حاصل ہو تو پھر کہاں چاند نُمار ہتا ہے۔" عباس کی مدہم سرگوشی اِتنی تھی کہ صِرف میزاب سُن سکے اور سُن کر سُن رہ گئی۔

"آپ کی بیٹی میری ناقدری کر کے مُجھے ضائع کر رہی ہیں۔" قبل اِسکے وہ عباس کی بات کا کچھ اور مفہوم لیتی، عباس نے پُر مزاح انداز میں بے ضرر سا شکوہ کرتے ہوئے نگاہوں کا زاویہ بدل کر ثُریا اَصفہان کو دیکھا جبکہ میزاب اُسکے مُسکراتے چہرے سے نظر نہیں ہٹا سکی۔ گلے میں پہن رکھا ہلال یَک دَم شدت سے بھاری محسوس ہونے لگا۔

"اگر میں آج کھانے کی دعوت آپ سب کو دوں تو میں چاہوں گی آپ سب اِنکار نہ کریں۔" میزاب کا گُم صُم رہ جانا کسی نے محسوس نہیں کیا۔ سب مُسکرا کر ثُریا اَصفہان کے ساتھ اُنکے گھر چلنے کی پلاننگ بنا رہے تھے۔

"میزاب!" وہ جو اپنے خیال میں تھی مُدثر کی پُکار پر جِس بُری طرح چونکی، عباس چہرہ پھیر کر تیزی سے اُس تک آیا۔

"ہمم! کیا ہوا؟" اُس نے مُدثر کی سنجیدگی اور ناگواری صاف نظر انداز کر کے پوچھا۔

"دادا جان بُلا رہے ہیں۔" اُس نے ایک کٹیلی نظر عباس پر ڈال کر ہٹالی اور پھر پلٹ کر چلا گیا۔

"سب آپکی امی کی طرف جا رہے ہیں۔ آپ کو بھی چلنا چاہیئے۔" عباس نے اُسکو ایک نظر ہاشم بزنجو اور دوسری نظر سَنجرانیوں کے ساتھ ہنستی مُسکراتی اپنی ماں پر ڈالتے دیکھ کر مُخلصانہ مشورہ دیا مگر نہیں! ابھی میزاب کو بہت کچھ کرنا تھا۔

"میرا ابھی قصرِ بزنجو میں ہونا زیادہ ضروری ہے۔" اُسکا نرم لہجہ بھی عباس کو برچھی کی طرح لگا۔ لَب بھینچ کر وہ میزاب کو پلٹ کر مُدثر کے ساتھ بزنجو خاندان کی جانب بڑھتے دیکھتے رہا۔ ہاشم بزنجو نے مُسکراتی نظروں سے اُسے دیکھا اور عباس اُنکی آنکھوں میں لہراتے اُکساتے چیلنج کو بھانپ کر ایک پَل کے لیئے ساکت رہ گیا۔

"میزاب میری مُٹھی میں سمجھو عباس کی گردن میری مُٹھی میں ہے۔" اُسکی سماعتوں میں وہی مکروہ لہجہ پھر سے گونجا تو اُسکو اپنا دَم گُھٹتا محسوس ہونے لگا۔ میزاب یونہی اُن لوگوں کے لیئے خود کو خوار کرتی رہے گی؟ وہ کیسے اُنکے

آج کے دِن ہی اپنے بارے میں کہے جانے والے الفاظ بُھول بیٹھی تھی؟ وہ جیسے ہاشم بزنجو کے زہر میں بُجھے الفاظ کو نظر انداز کر سکتی ہے؟ کیسے؟؟؟؟

کیا میزابِ رحمت کا اِنتخاب عباس جان نِثار کبھی نہیں ہو گا؟

"اِسکو بھی کہیں کہ اپنی ماں کی طرح اُن لوگوں کے پاس دفع ہو جائے۔" ہال سے گُزر کر اندر آتے ہوئے میزاب، دروازے پر ہی رفعت شیراز کی بات سُن کر ٹھہر گئی۔

"دونوں ماں، بیٹیاں ایک سی ہیں۔ معصوم بن کر وار کرنے والی۔" آمینہ بیگم کا لہجہ بھی آگ اُگلتا تھا۔

"یہ کِس زُبان میں باتیں کر رہی ہیں آپ دونوں؟" میزاب کے کڑکتے استفسار پر سب نے چہرہ پھیر کر وہاں دیکھا جہاں وہ چہرے پر سنجیدگی لیئے کھڑی تھی۔

"کیوں تمھیں یہ زُبان سمجھ نہیں آ رہی؟" رفعت شیراز نے مُنہ کے زاویہ بگڑ کر کہا۔

"نہیں! کیونکہ میری تربیت اِیسی نہیں کی گئی کہ لوگوں کے سامنے اور اُنکی پیٹھ پیچھے اِس طرح کی باتیں کروں۔" اُسکے کڑے لہجے نے اُن دونوں کا جہاں چہرہ سُرخ کیا، وہیں کاشف بزنجو نے تلملا کر خاموش بیٹھے اپنے باپ کو دیکھا۔

"اِسے کہتے کیوں نہیں ہیں کہ شکل گُم کرے اپنی یہاں سے۔" کاشف بزنجو زیادہ ضبط نہیں کر سکے۔

"ٹھیک ہے! میں شکل گُم کر لیتی ہوں اور مُجھے اگر صُبح کسی نے بھی بُلایا یا کچھ کہا تو میں زُبانیں کھینچ لوں گی۔" اُسکا اِشارہ جِس جانب تھا اُس پر اُن سب کے مُنہ بے وقت کُھلے اور بوکھلا کر سیدھے ہوئے۔

"میں نے لوٹا دیا ہے تو آپ کو کیا لگ رہا ہے کہ آپ کے سیاہ کارنامے دُھل گئے ہیں۔ صُبح پولیس وارنٹ لے کر آئیں گے اور تب میں چاہتی ہوں آپ سب یاد رکھیں کہ آپ لوگ مُجھ سے کِس قدر نفرت کرتے ہیں۔" اُس نے اُن سب کو اپنے الفاظ کی سختی سے ٹھنڈا ٹھار کر دیا۔ ہاشم بزنجو کو اپنی کرسی چھوڑ کر اُٹھنا پڑا۔

"میں یہاں یہ بتانے آئی تھی کہ صُبح پولیس یہاں موجود سب کے کھاتے اور اثاثے ضبط کرنے آئے گی۔" اُسکی اگلی بات قیامت سَر پر لا گرانے کے مُترادف تھی۔

"کیا بکواس کر رہی ہو تم؟" ہاشم بزنجو کے زہر آلود سوال پر میزاب نے چہرہ پھیر کر اُنکو دیکھا۔

"اگر میں بکواس کر رہی ہوں تو آپ اور آپ کے بچوں کو چاہیئے تھا کہ ایک صاف ستھری، ہر ناجائز کام سے پاک زندگی گُزارتے۔" میزاب کی بات ہاشم بزنجو کو تازیانہ لگی اور اُنکا چہرہ سُرخ کر گئی۔

"میں جانتی ہوں آپ سب کے دِلوں میں کِس قدر نفرت، بُغض اور کھوٹ موجود ہے جو چُھپائے نہیں چُھپ سکتا۔ یہ آپ سب کے لہجے کی کڑواہٹ، زہریلے الفاظ اور آنکھوں کی نفرت سے مُجھ پر کئی سال پہلے ہی آشکار ہو گیا تھا۔" اُسکا اگلا اِنکشاف قیامت تھا۔ اَب کے وہاں موجود سب لوگوں کے ہاتھوں کے طوطے کبوتر اُڑ گئے۔

"مگر مجھے اپنے مَرتے باپ کی وصیت کا پاس تھا۔ اُنہوں نے مجھے آپ لوگوں سے نرمی اور اخلاص کا معاملہ برتنے کا کہا تھا۔ میں صِرف اُنکے حصّے کی شمع جَلا رہی تھی مگر مجھے کچھ عرصے پہلے ہی معلوم ہوا ہے کہ اندھوں کی بَستی میں چراغ جَلانے والوں کو کچھ حاصل نہیں ہوتا۔" اُسکے مَلال کو وہ سب لوگ کیسے سمجھ سکتے تھے۔ مُدثر اور ذکی نے ایک دوسرے کو پریشانی سے دیکھا جبکہ ہاشم بزنجو کو لگا وہ بس ابھی ڈھے جائیں گے۔

"میرا آخری فرض تھا آپ سب کو خبر دار کرنا۔ میں اِسی لیئے آج اپنی امی کے گھر جانے کے بجائے یہاں آئی ہوں کیونکہ لوگوں کی پیٹھ پیچھے خنجر گھونپ دینا میری فطرت نہیں ہے۔" ایک نظر ہاشم بزنجو پر ڈال کر تیز قدموں سے سیڑھیوں چڑھ کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ وہ بس اُن لوگوں کو اِتنا ہی مطلع کر سکتی تھی۔ باقی کی باتیں ابھی پوشیدہ رہنے میں ہی حکمت تھی۔ کمرے کا دروازہ بند کر کے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آ کر اُس نے اپنا حجاب اُتار کے بندھے بال کھولتے ہوئے حجاب کو دوپٹے کی طرح سَر پر لیا اور کھڑکی کھول کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ کمرے میں روشنیاں جلانے کی آج ضرورت نہیں تھی۔ اُسے اِس اندھیرے میں اپنا مَحاسبہ کرنا تھا۔

"سب وہاں مِل کر خُوش ہوں گے اور میں یہاں اِن لوگوں کی نفرت جانتے ہوئے بھی موجود ہوں۔" اُسکی خود کلامی میں بڑی اذیت تھی۔ جُھکا چہرہ اور ڈھلکے کندھوں کے ساتھ وہ چند مِنٹ یونہی بے دَم سی بیٹھی رہی تبھی اُسکے شانے سے کوئی چیز ٹکرا کر نیچے گِری۔ اپنا وہم گردان کر یونہی چہرہ گرائے بیٹھی رہی تبھی پھر سے کوئی نرم سی چیز اُسکو پُشت پر لگی۔ بوکھلا کر اُس نے صوفے پر دیکھا جہاں دو سُرخ گُلاب پڑے تھے۔ چونک کر اُس نے کھلی کھڑکی اور ہلتے پَردوں کو دیکھا۔ اِتنی رات میں کوئی کیوں آئے گا؟ اُس نے سَر جھٹک کر جیسے ہی پُھول اُٹھایا ایک اور سُرخ گُلاب اَب کے سیدھا اُسکے مُنہ پر جا لگا۔

"اللہ!" عُجلت میں صوفے سے اُتر کر جیسے ہی کھڑکی تک آنے لگی ایک اور گُلاب کا پُھول سَنساتا ہوا آیا اور اُسکے چہرے سے ٹکرایا۔

"آہ!" وہ جو پہلے ہی بَھری بیٹھی تھی کراہ کر شیشہ دھکیل کر باہر آئی۔ اگر تو عباس ہوا تو اُسکی خیر نہیں تھی۔ ٹیرس میں آ کر ٹھنڈی ہوا نے اُسکا اِستقبال کیا۔ بادل گھرے تھے یعنی کبھی بھی برس سکتے تھے مگر موسم سے بے نیاز اُس نے کچھ دُور نظر آتے پُل کو دیکھا جو خالی تھا۔ وہ دِل جو تیزی سے دَھڑک رہا تھا، ٹھہر گیا۔ سَر جھٹک کر تیزی سے

پلٹنے لگی تبھی ایک اور پھول اُسکی پُشت سے لگ کر نیچے گرا۔ چونک کر پلٹتے ہوئے اُس نے نیچے بیٹھ کر اُس پھول کو بھی تھام کر باقی پھولوں کے ساتھ مِلا کر چہرے کے سامنے کیا۔ وہ کُل پانچ گلاب کے پھول تھے۔ کسی خیال کے تحت میزاب بھاگ کر ننگے پاؤں ریلنگ تک آئی اور نیچے کو جُھکی اور پھر اُسکو نیچے کھڑا عباس نظر آیا اور عین اُسی لمحے عباس نے ایک اور پھول اُوپر پھینکا جو ہکا بکا سی میزاب کے چہرے سے ٹکرا کر واپس اُسکے اپنے چہرے پر جا پڑا۔ عباس نے چونک کر نیم اندھیرے میں جُھکی آنکھیں پھاڑ کر دیکھتی میزاب کو دیکھا۔

"یہاں کیا کر رہے ہو تم؟" اُسکی آواز سرگوشی سے زیادہ نہیں تھی۔

"آپ کو لینے آیا ہوں۔" اُس نے مگر سرگوشی نہیں کی۔

"تم جاؤ یہاں سے۔" یونہی جُھکے اُس نے سنجیدگی سے کہا مگر عباس کا اِیسا کوئی اِرادہ نہیں تھا۔

"اِیسے تو میں نہیں جانے والا۔" اُسکے ضدی لہجے پر ایک پَل کو میزاب کی آنکھیں پوری کھلیں۔

"کیوں دھکے کھانے کا اِرادہ ہے؟" اُسکے سوال پر عباس یونہی چہرہ اُٹھائے مُسکرایا جبکہ سٹریٹ پُول میں اُسکی روشن ہنسی دیکھ کر وہ دھڑک اُٹھتے دِل کے ساتھ تیزی سے پیچھے ہوئی اور کھڑکی کا شیشہ بند کر کے واپس آئی۔

"میں اُوپر آسکتا ہوں؟" اُسکے سوال پر میزاب نے بے اِختیار نفی میں سَر ہلایا۔

"تو آپ نیچے آجائیں۔" اُسکے جواب پر میزاب نے اُسے یوں دیکھا جیسے اُسکا دماغ چَل گیا ہو۔

"میں۔۔۔ کیسے آؤں؟" پچھلی بار مُدثر کے کہنے پر دروازے کی سیکورٹی بڑھا دی گئی تھی کیونکہ اُس نے سی۔سی۔ٹی وی میں عباس کو پُل سے گزرتے دیکھ لیا تھا۔

"یہیں سے آجائیں۔" اُس نے ریلنگ کی جانب اِشارہ کیا۔

"تمہارا دماغ خراب ہے، ہے نہ؟" میزاب کے جُھنجُھلائے سوال پر عباس کا مُرجھایا دِل کِھل اُٹھا۔

"آپ کو کیسے معلوم ہوا؟" اُسکے اُلٹے سوال پر میزاب اُسے دیکھ کر رہ گئی۔

"میں۔۔۔ کیسے آؤں؟" اُس نے اپنا ہاتھ ڈرتے ڈرتے ریلنگ سے نیچے کر کے پوچھا جبکہ اُسکے سوال میں جو مان جاتا تاثر تھا اُس پر عباس کا مُرجھایا دِل کِھل اُٹھا۔

✓سفید ہاتھ نظر آرہا ہے کھڑکی سے

میرے خیال سے یہ صُلح کی نشانی ہے

میں کہہ رہا تھا اُس سے بڑے مَراسم ہیں

تو گاؤں والوں نے پوچھا، کوئی نشانی ہے؟

(راز احتشام)

"آپ یہاں سے نیچے اُتریں۔ میں آپکو گرنے نہیں دوں گا۔" اُس کی بات پر میزاب نے آنکھیں پھاڑ کر اُونچائی کو دیکھا۔

"اگر میں گر گئی تو تمہاری خیر نہیں ہے۔" وہ سب غم و غصّہ بُھولے اُس پر غُرائی۔

"گریں گی آپ اور خیر میری نہیں۔" اُس کو یہ تضاد کچھ خاص پسند نہیں آیا۔

"کیونکہ تم ہی مجھے ورغلا رہے ہو۔" ریلنگ پر گرفت مضبوط کر کے اُس نے پھر سے نیچے جھانکا جبکہ اُسکے اِلزام پر عباس عَش عَش کر اُٹھا۔

"دیوار پر کھڑے ہو کر اُترنا ہے۔" اُسکے مشورے پر میزاب نے اُسے گھور کر دیکھا۔

"تمہیں بڑا تجربہ ہے۔" اُسکے انداز پر عباس نے مسکراہٹ دبائی۔

"ایک سکینڈ! تم کل اِدھر سے چڑھ کر ہی پھول اور کپڑے دینے آئے تھے نہ۔" اُسکے سہی اندازے پر اَب سٹپٹانے کی باری عباس کی تھی۔

"جلدی کریں! کوئی دیکھ لے گا آپ کو۔" اُس نے سرگوشی کر کے میزاب کو گھبراہٹ میں مُبتلا کر دیا۔ ایک نظر پیچھے دیکھ کر اُس نے یقین دہانی کی۔

"مضبوطی سے کھڑے رہنا کیونکہ اگر میں گری تو اللہ کی قسم! تمہاری خیر نہیں ہے۔" اُسے دھمکا کر کہتے ہوئے وہ ریلنگ پر موجود دیوار پر چڑھی اور عباس کو کچھ بھی سمجھنے کا موقع دیئے بغیر اُس نے چھلانگ لگا دی۔

"یا اللہ!" عباس نے دونوں ہاتھ پھیلا کر اُسکو بازوؤں سے پکڑ کر بروقت خود کو متوقع مار سے بچا کر زمین پر اُتارا۔

"بچ گئے تم۔" ایک ہاتھ جھاڑ کر اُس نے پھولوں کی تصدیق کر کے جونہی کہا، عباس اُسے دیکھتے رہنے پر مجبور ہو گیا۔ یہ بھی یاد نہ رہا کہ وہ اُسے سب کے سامنے اِنکار اور نظر انداز کر کے یہاں آئی تھی۔

"آپ۔۔۔ آپ ننگے پاؤں ہی آ گئیں۔" اُسکی بے اِختیار نظر میزاب کے پاؤں تک گئی تو بس چیخنا باقی رہ گیا۔

"تو کیا ہیلز پہن کر آتی؟" اُسکے طنز پر عباس کی آنکھیں چمک اُٹھیں مگر کچھ ٹھیک نہیں تھا تبھی سٹریٹ پُول کی روشنی میں اُسکو بغور دیکھتے دیکھتے عباس جان نِثار تیزی سے اُس تک آیا اور میزاب اُسی تیزی سے پیچھے ہوئی۔

"آپ ٹھیک ہیں؟" اُسکا وہی ایک ہی سوال اِس بار کچھ اور طرح سے اثر انداز ہوا تبھی چہرہ جُھکا کر ہاتھ میں تھامے پھولوں کو دیکھنے لگی۔ عباس نے کچھ نا سمجھی بھری تحیر کے ساتھ میزاب کے ہاتھوں میں بڑی حفاظت سے تھم رکھے

پُھولوں کو دیکھا جو اُس نے میزاب رحمت کی توجہ کے لیئے پھینکے تھے اور تعداد میں پانچ تھے۔ اُسکے دیکھتے ہی دیکھتے میزاب سوال کا جواب دیئے بغیر نیچے جُھک کر اُس پُھول کو اُٹھانے لگی جو اُسکے اور عباس کے چہرے سے ٹکرا کر زمین پر گِرا تھا۔

عباس آنکھوں میں ڈھیروں سنجیدگی لیئے اُسکو دیکھ رہا تھا جو پتوں کو بہت نرمی سے چُھو کر مٹی جھاڑ کر اَب پانچوں پُھولوں میں رکھ رہی تھی۔

"کیا کر رہی ہیں آپ؟" عباس کا سوال بھی اِنتہائی سنجیدگی لیئے ہوئے تھا۔

"پُھول سنبھال رہی ہوں۔" اُسی مصروفیت سے اَب وہ باقی پھولوں پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ چلتی ہوا میں کچھ نا سمجھ سا عباس بے حد شوق مَندی سے اُسے دیکھتا رہا اور تبھی اُن سُنہری آنکھوں کے سامنے ہوا کے ایک تیز جھونکے نے میزاب کے سَر پر پہنے دوپٹہ پیچھے کو سَرکا دیا مگر اِس سے غافل وہ خود میں مگن پُھولوں کو مُسکراتے چہرے سے دیکھ رہی تھی۔

"اِیسا کیا ہے اِن پُھولوں میں؟" اُسے اچانک سے میزاب کی محویت جلانے لگی۔

"تم نے جو دیئے ہیں۔" میزاب نے اُسی مصروفیت اور بے رِیائی سے کہہ کر عباس کی پوری ہستی کو ساکن کر دیا اور خود بے پرواہی سے پُھولوں کو ناک کے قریب کر کے آنکھیں مُوند کر سونگھتے ہوئے اُسے عجیب سے احساسات سے دوچار کر گئی۔

"آپ۔۔۔ کچھ بے چین لگ رہی ہیں۔" خود کو ڈپٹ کر اُس نے اپنی توجہ دوسری جانب دلائی اور جِس تیزی سے میزاب کا چہرہ پھیکا پڑا، عباس جان نِثار کی ساری مسحور حِسیں ہوش میں آکر بیدار ہونے لگیں۔

"نہیں تو!" وہ اپنی آواز کی لرزاہٹ کو نہیں روک سکی تھی۔

"مجھے نہیں بتائیں گی؟" اُس اپنائیت سے پُر سوال پر میزاب کو اپنی آنکھیں ڈوبڈباتی محسوس ہونے لگیں۔ اُس نے پُھولوں کو دیکھتے دیکھتے نفی میں سَر ہلایا۔

"میں جاننے پر بضد ہو جاؤں تب بھی؟" اُس سوال پر میزاب نے لرزتی پلکوں کو اُٹھا کر دیکھا۔ اپنی جانب متوجہ نظروں میں اِیسی چاشنی تھی کہ اُسکی آنکھیں ایک بار پھِر بھیگ گیئں۔ اُسکے آنسو صِرف اِسی شخص کے سامنے رَستہ پاتے تھے۔ اِس اِدراک کے ساتھ اُس نے چہرہ جُھکا لیا اور آنسو قطار دَر قطار نکلتے چلے گئے۔

"آپ مجُھے کچھ بھی بتا سکتی ہیں۔ میں ایک اچھا سامع ہوں۔" اُسکے اگلے اِصرار پر میزاب نے چہرہ پھیر کر بائیں ہاتھ کی پُشت سے آنسو صاف کیئے اور پھِر دیوار کے ساتھ رکھے پتھروں پر بیٹھ گئی۔ عباس چند لمحے یونہی کھڑا رہا۔

"میں آج سب لوگوں کو بتا آئی ہوں کہ مجُھے اُن کی نفرت اور بُغض کا معلوم ہے۔" چہرہ جُھکا کر جو اطلاع دی گئی اُس پر عباس آہستگی سے اُسکے سامنے ایک گُھٹنہ زمین پر ٹِکا کے آبیٹھا جبکہ میزاب کی آنکھیں اپنے حُجم سے پھیلیں۔

"یہ تو اچھا کیا آپ نے۔" مزید کہتے رہنے کے لیئے اُسکا دھیان بٹانے کو کہا۔

"کوئی کسی سے اِتنی نفرت کیسے کر سکتا ہے، جتنی وہ سب لوگ مُجھ سے کرتے ہیں۔ میں نے تو کبھی کسی کا بُرا نہیں چاہا۔ کبھی کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کی۔" اُسکا دھیان بَٹ گیا کیونکہ اُسکے غم الگ نوعیت کے تھے۔ جو شخص خود اچھا ہو اُسے سارا زمانہ اچھا لگتا ہے مگر جب یہ تخیل ٹوٹتا ہے تو بہت تکلیف ہوتی ہے۔

"میرے بابا کا کیا قصور تھا؟ حق اور سچ کی بات کہنے کا، اپنوں کا بُرا نہ چاہنے کا یہ صلہ مِلتا ہے؟" اُسکے ہر سوال کے ساتھ آنسوؤں میں روانی آ رہی تھی۔ عباس نے کچھ نہیں کہا بس ہاتھ بڑھا کر اُسکا سَر تھپکنے لگا۔

"اُن لوگوں نے میری زندگی بھر کی ریاضت کو ضائع کر دیا ہے۔ کوئی اِتنا مُنافق کیسے ہو سکتا ہے؟" وہ سارے سوال اُسکے اپنے لیئے تھے۔ اُسے خود کو عقل دِلانے کے لیئے اِیسے سوال کرنے ہی تھے۔ یہ کام کسی اور کے کرنے کا نہیں تھا۔ عباس نے ہاتھ بڑھا کر اُسکے سَر پر دوپٹہ اُوڑھا کے میزاب کو ساکن کر دیا۔

"ہر کوئی اِیسا نہیں ہوتا، رحمت۔ بس یہ کچھ لوگ ہماری آزمائش کے لیئے ہوتے ہیں۔ اِمام جعفر صادق علیہ اسلام فرماتے ہیں کہ: **مومن ہر چالیس دِن بعد کسی نے کسی آزمائش میں مُبتلا کیا جائے گا۔** تو آپ کی آزمائش بزنجو خاندان والے لوگ ہیں۔" اُسکی دِل پر مرہم رکھتی بات پر میزاب نے چہرہ اُٹھا کر اُوپر دیکھا

"الھم صلی اللہ مُحمدٍ و آلِ مُحمد (ص)" میزاب نے آنسو صاف کرتے ہوئے دِل پر ہاتھ رکھ کر دُرود پڑھتے ہوئے عباس کو مُسکرانے پر مجبور کر دیا۔

"لیکن اگر پوری دُنیا بھی آپکی مُخالفت میں اُٹھ کھڑی ہوئی تب بھی عباس جان نِثار کو آپ اپنا مُخلص پائیں گی۔" اُن ستاروں کی مانند دھمکتی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اُس نے اُلفت کا کوئی گہرا راز مُنکشف کر دیا۔ میزاب اُس شخص سے نگاہ نہیں چُھڑا سکی۔

"جب سب میرے خلاف ہوں گے تو تم کیوں میری حمایت کرو گے اور اگر تمہارے اپنوں کے دِل سے میں اُتر گئی تب تم کیا کرو گے؟" یہ سوال دِل کی جانب سے اُٹھایا گیا تھا۔ عباس کتنی دیر تک اُن سُرمئی آنکھوں کے پار مُخفی ہوتے خوف کو دیکھتا رہا۔

"تب بھی آپ مُجھے اپنے ساتھ دیکھیں گی۔ میں ہر قدم پر آپ کا ساتھ دوں گا۔ یہ میری دِل کی خواہش ہے۔" اُن مسحور کرتے الفاظ نے اِرد گرد چلتی ہوا کو بھی جامِد کر دیا، میزاب رحمت کی دَھڑکنیں کیا تھیں۔ اُسکو لگا کہ اپنی جانب متوجہ اُن سُنہری آنکھوں نے چہار سُو کوئی طلسم پڑھ کر پُھونک دیا ہے جِس کا کوئی توڑ نہیں تھا۔

"آپ جانتی ہیں کہ شمس تبریزی (رح) نے محبت کے چالیس اُصول بتائے ہیں اور سب سے آخر میں جب وہ سارے اُصول لکھ چُکے تو اُنہوں نے ایک بات کہی جو مجھے بہت مُنفرد لگتی ہے۔" اُسکی محویت کے سبب سے غافل وہ اپنی کہے جا رہا تھا اور میزاب سانس روکے اُسکو پہلی بار اِتنا سارا بولتے سُن رہی تھی۔ اُسے اپنا رونا دھونا سب بُھول گیا۔

"کونسی بات؟" اُسے وہ مُنفرد بات جاننی تھی جِس نے عباس جان نِثار کو مُتاثر کیا تھا۔

"کوئی بھی شخص تمہیں تمہارے عروج میں چُن سکتا ہے لیکن میں تمہیں اُس وقت بھی چُنوں گا جب تم بُجھ جاؤ گے۔" اُس نے مُسکرا کر اُن چمکتی آنکھوں میں دیکھا۔

"اگر میں نے روشنی کہیں اور بھی دیکھی تب بھی میں تمہاری تاریکی کو چُنوں گا۔" اُسکے مزید کہنے پر میزاب کو لگا وہ اِس خوشبودار، خوابناک ماحول میں کہیں تحلیل ہو جائے گی۔

"اور تم ایسا کیوں کرو گے؟" اُس معصوم سوال پر عباس جان نِثار آہ بھر کر رہ گیا۔ اِس عورت کو سارے زمانے کی پرواہ تھی، سب کچھ معلوم تھا۔ نہیں خبر تھی تو عباس کے جذبوں کی جِن کا ببانگ دِہل وہ بارہا اِظہار بھی کر چُکا تھا۔ گہرا سانس لے اُسے میزابِ رحمت کے سامنے سے اُٹھ جانا پڑا۔ دھک دَھک کرتے دِل کے ساتھ میزاب نے اپنی لرزتی پلکیں اُٹھا کر اُسے دیکھا۔

عباس نے اُن آنکھوں کے سامنے ہاتھ پھیلا کر جیسے اُسے اُٹھنے میں مدد دینی چاہی۔ اَب کی بار میزاب نے ہر جانب سے اپنے کان لپیٹ کر اپنا ہاتھ اُس مضبوط ہاتھ کی جانب بڑھایا جو اُسکا محافظ تھا۔ جِس کا ہونا مُشکل ترین وقت کو گُلزار بنا دیتا تھا۔ کھڑے ہونے پر ایک بار پھِر اُسکے سَر سے دوپٹہ سَرک گیا۔ وہ دونوں اُس قصرِ بزنجو کی دیوار سے ہٹ کر اَب اُس پُل کی جانب بڑھ رہے تھے جو اُنکی مُحبت اور اُس حسین اِظہار کا گواہ اور امین تھا۔

پیچھے چلتے عباس نے ایک اور گلاب کا پُھول نکالتے ہوئے عقب سے میزابِ رحمت کے بندھے بالوں کے چھوٹے سے بَل میں ٹِکا کر میزاب کو تیزی سے پلٹنے پر مجبور کر دیا۔

"کیوں اِتنے پُھول ضائع کر رہے ہو؟" اُسکے خفا خفا سوال پر عباس نے ہاتھ کے اِشارے سے راستے کے سائیڈ پر بنے پُھولوں کی جانب توجہ دِلائی۔ وہاں موسمِ بہار کی آمد کے ساتھ ہی گُلاب کے پُھولوں کی بہتات تھی اور بہت سے پُھول ہوا کے زور سے ٹوٹ کر نیچے گِرے ہوئے تھے۔

"یہ نیچے گِرے ہوئے تھے۔ میں نے تو اِنکو ضائع ہونے سے بچایا ہے۔" اُسکی بات دَھڑکن چُرا لینے والی تھی۔ پیچھے ہاتھ لے جا کر گُلاب کو چھوتے ہوئے میزاب نے آہستگی سے پلکیں اُٹھا کر اُسے دیکھا۔

"گُلاب کو تو اِس سعادت پر خُوشی سے مہکنے دیں۔" وہ سمجھا کہ میزاب پُھول اُتارنے والی ہے جبکہ اُسکی بات پر میزاب کا ہاتھ پہلو میں آ گِرا۔

"یہ تم اِیسی باتیں کیسے کر لیتے ہو؟" خفت سے اپنے چہرے کی رنگت بحال کرنی چاہیئے۔ عباس دو قدم چل کر اُسکے یوں مُقابل آیا کہ میزاب کو گردن اُٹھا کر اُسے دیکھنا پڑا۔

"آپ ابھی مُحبت کی کرامت سے واقف نہیں ہیں، مِسز۔ اِسکی نسبت سے تو پتھر بھی بول پڑتے ہیں۔" اُسکا انداز کچھ اِیسا محبوبانہ تھا کہ میزاب کی آنکھیں مُسکرا اُٹھیں۔ اُسکے پُکارنے کے انداز پر دِل نے کروٹ بدل کر چور نظر سامنے کھڑے شخص پر ڈال کر چُرا لی۔

"اور تمہاری اِس نسبت کی کسی کو بھنک بھی پڑ گئی نہ، جان نِثار تو تم نہیں بچو گے۔" یَک دَم سنجیدگی سے اُسے جس طرح خبردار کیا گیا، عباس نے بہت گہرائی سے اُسے نظریں چُراتے دیکھا۔ اُسے اُسکے خدشات کا اچھی طرح اَب عِلم ہو چُکا تھا۔

"پیر نصیر الدین نصیر نے کیا خوب کہا کے :

یہ وہ نسبت ہے جو ٹوٹی ہے نہ ٹوٹے گی کبھی

میں تیرا خاک نشیں تُو میرا سُلطان، جاناں۔"

کہتے ہوئے اُس نے اُلفت کے ہاتھوں مغلوب ہو کر اُس دلکش چہرے پر آتی لِٹ پیچھے کرنے چاہی اور تبھی کانپتے قدموں کے ساتھ میزاب لرز کر پیچھے ہوئی۔

"اَب تو سب جان چُکے ہیں، رحمت۔ کون ہے میرے اور آپ کے خاندان میں، ہمارے علاقے میں، جو نہیں جانتا کہ میں آپکی مُحبت میں سانس لیتا ہوں۔" اُس نے پھر سے بڑے دَھڑلے سے، مضمحل لہجے میں کہتے ہوئے میزابِ رحمت جیسی پُر اعتماد لڑکی کو بوکھلانے پر مجبور کر دیا۔ اِس سے قبل وہ تیزی سے پلٹتی عباس نے اُسکو بازو سے تھام کر اُسکی مزاحمت روک دی۔

"م۔۔۔مُجھے تمہاری ایک بات بھی سمجھ۔۔۔" وہ اُسکی نرم گرفت جھٹک کر پلٹ سکتی تھی مگر۔۔۔نہیں! یہ کرنے کی اِجازت اُسکا دِل اُسے کیسے دے سکتا تھا۔

"میں آپکے دِل تک رسائی حاصل کرنا چاہتا ہوں، میزابِ رحمت۔" اَب کے اُس نے مزید واضح کر دیا۔ وہ اگلی فرمائش دِل و نگاہ دُھندلا دینے والی، روح کو کھینچ کر وقت کا بہتا دَھارا روک دینے والی تھی۔ سَر پر دھمکتا چاند مزید روشنی بکھیرنے لگا تھا مگر۔۔۔۔۔کیا دِل کی خواہش پر لبیک کہہ دینا کبھی آسان بھی ہوتا ہے؟

"تم پاگل ہو چُکے ہو، جان نِثار۔" یہ سوال نہیں، تصدیق تھی۔

"آپ سہی ہیں۔ میں واقعی پاگل ہو چُکا ہوں۔" اُسکے اعتراف پر میزاب نے اپنا بازو کھینچنا چاہا۔

"تم جیسے اچھے خاصے عقلمند اِنسان سے مُجھے اِیسی بات کی توقع نہیں تھی، جان نِثار۔" سنبھل کر بھی اُسکا انداز مایوسی لیئے ہوئے تھا۔ عباس اَب مزید کیا کہہ سکتا تھا۔ وہ بے بسی سے اُس عورت کو دیکھتا رہا جو اپنے جذبوں کی ذراسی بھنک بھی نہیں پڑنے دے رہی تھی۔ اُن نظروں کے اِرتکاز پر وہ تیزی سے پلٹی اور پِھر پُل کو پار کرتے ہوئے عباس کی نگاہوں کے سامنے سے لمحہ بہ لمحہ دُور ہوتی گئی۔ عباس جان نِثار کو اُس دُور جاتی عورت کی خاموشی کا ہر موجب معلوم تھا مگر پِھر بھی مُحبت فقط ایک بار ہی سہی اِظہار چاہتی تھی۔ وہ اُسے سب بتا چُکی تھی تو اپنے خوف اور خدشات کیوں نہیں بتا دیتی؟ کیا چیز اُسے روکے ہوئے تھی؟

✓ غیروں سے کہا تم نے، غیروں سے سُنا تم نے

کچھ ہم سے کہا ہوتا، کچھ ہم سے سُنا ہوتا

اُمید تو بندھ جاتی، تسکین تو ہو جاتی

وعدہ نہ وفا کرتے، وعدہ تو کیا ہوتا

اِک عشق کا غم آفت اور اُس پہ یہ دِل آفت

یا دِل نہ دیا ہوتا یا غم نہ دیا ہوتا

ناکام تمنا دِل، اِس سوچ میں رہتا ہے

یوں ہوتا تو کیا ہوتا، یوں ہوتا تو کیا ہوتا۔۔۔

(چرغ حَسن حسرت)

اُس نے بیل بجائے بغیر دروازہ کھٹکھٹایا تو دروازہ کھولتے گارڈ نے اندر آتی میزاب کو حیرت سے دیکھا مگر وہ سَر پر دوپٹہ اچھی طرح جمائے تیز قدموں سے اندر کی جانب بڑھ گئی۔ پیچھے ہکا بکا سے گارڈ نے نا سمجھی سے باہر جھانکا اور پھر دروازہ بند کر کے اپنی ڈیوٹی سَر انجام دینے لگا۔

میزاب کو معلوم تھا سب رات کے اِس پہر سو رہے ہوں گے۔ وہ آہستہ قدموں سے چلتے ہوئے سیڑھیاں چڑھ کر اُوپر آئی۔ ذہن و دِل کہیں پیچھے، بہت پیچھے اُس پُل پر ہی جیسے چھوڑ آئی تھی۔ اُسے عباس کو مایوس کرنے کا بہت دُکھ تھا مگر افسوس نہیں۔ اُسے اپنے باپ کے بعد اُس واحد، اکلوتے محبوب مَرد کو بھی رائیگاں نہیں ہونے دینا تھا۔ اُس نے اپنے اندر سے ہاشم بزنجو اور مُدثر شیراز کے الفاظ کہیں جانے نہیں دیئے تھے۔ عباس کو لگتا تھا وہ سب کا مقابلہ کر سکتا ہے، ٹھیک سمجھتا تھا کیونکہ اِتنا ہی بہادر اور بے خوف تھا عباس جان نِثار مگر اُسے اُن لوگوں کے گھٹیا پَن اور پَستی

کا ہر گز اِدراک نہیں تھا۔ بزنجو خاندان مُقابل آکر کبھی بھی جھگڑا نہیں کرتے تھے۔ اُن سب کو پیٹھ پیچھے سے وار کرنے کی عادت تھی۔

اپنی سوچوں میں گُم اُسے سائیڈ سے آتے مُدثر کے آنے کی خبر نہیں ہو سکی۔ وہ اپنے ہی خدشات میں اُلجھی ہوئی تھی۔

"اِس وقت کہاں سے آرہی ہو تم؟" مُدثر کی سَرد آواز پر میزاب چونک کر ٹھہری اور پھِر چہرہ پھیرا۔

"واک سے۔" بحث کر کے اُسے اِس مکروہ شخص سے بات کو طول نہیں دینا تھا۔ مُدثر نے ایک تیز نظر اُسکے ہاتھوں میں موجود سُرخ گُلابوں پر ڈالی۔

"اُس بغیرت شخص کے ساتھ تھی تم؟" اُس اگلے کڑکتے سوال پر میزاب کا چہرہ سُرخ ہوا اور پھِر سَرد نظروں کے ساتھ اُس نے مُدثر کو دیکھا۔

"اپنی زُبان سُنبھال کر بات کیا کرو، مُدثر۔ میں ہر بار تمہیں خبر دار کر کے ہاتھ اُٹھانے سے بعض نہیں رہ سکتی۔" اُن الفاظ میں اِیسی تُندہی تھی کہ مُدثر کی بے یقینی سے آنکھیں پھیلیں۔

"اپنے کام سے کام رکھنا نہایت فائدہ مند اور باعزت طریقہ ہے۔" ایک ایک لفظ بہت بے مروتی سے اَدا ہوا۔

"یہ کیسے بات کر رہی ہو تم؟" مُدثر کی حیرت بجا تھی۔ کچھ دِن سے میزابِ رحمت بہت مُختلف ہو گئی تھی۔ وہ سَرد اور سخت کٹیلے جواب دینے لگی تھی۔

"میں تمہاری زُبان میں بات نہیں کر سکتی۔ یہ میری تربیت نہیں لیکن آئیندہ جان نِثار کے بارے میں الفاظ کا اِستعمال سوچ سمجھ کر کرنا، مُدثر۔" کڑے انداز میں جِس طرح خبر دار کیا گیا مُدثر نے مُٹھیاں بھینچ لیں۔

"اُس نے ہم سب کے ساتھ فریب کیا ہے اور تم اُسکے لیئے مجھے وارن کر رہی ہو۔" مُدثر کو جیسے بہت حیرت ہو رہی تھی۔

"جان نِثار میرا شوہر ہے، مُدثر۔ فریب کار اور مُنافِق نہیں، میرا مُحافظ اور محرم ہے۔ میں چاہتی ہوں تم یہ بات کبھی نہیں بُھولو۔" اگر عباس اُن الفاظ کو سُن لیتا تو میزاب رحمت کے دِل میں چُھپی مُحبت کو بھانپ لیتا مگر افسوس وہ یہاں نہیں تھا۔

"تمہارا دماغ خراب ہو چُکا ہے، میزاب۔ تم جیسی سمجھدار اور بزنس مائینڈڈ عورت سے مُجھے اِیسی بے وقوفانہ بات کی اُمید نہیں تھی۔" مُدثر کے سوال پر میزاب نے نگاہیں پھیر لیں۔ کچھ اِیسے ہی الفاظ وہ عباس کو کہہ کر آئی تھی۔ اپنے خالص جذبوں کو پاگل پَن کے نام ہوتے سُننے کتنا تکلیف دہ تھا اور وہ یہ تکلیف اُس محبوب شخص کو دے کر آئی تھی۔

"مُدثر! اِسکا فیصلہ ہم پھر کبھی کریں گے۔ تم جانتے ہو نہ صُبح ہمیں بہت کچھ کرنا ہے۔" بات قطع کرکے اُس نے مُدثر شیرازکو بہت کچھ یاد دِلا کر اُسکے چہرے کے سارے نخوت بَھرے تاثرات بھک سے اُڑا دیئے۔ میزاب کو معلوم تھا کہ اُس نے کتنی پُھونک پُھونک کر زندگی گُزاری تھی اور اِیسے پکڑے جانے کا اُس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا اور یہی اُسکی کمزوری تھی۔

"تم، ذکی اور تقی مُجھے بھائیوں کی طرح عزیز ہو۔ میں چاہتی ہوں کہ تم لوگوں کا دفاع کروں۔" اُسکی بدلتی ٹون پر مُدثر کا چہرہ خفت سے سُرخ ہوا۔ وہ نہیں چاہتا تھا میزاب اِیسا سوچے۔

"میں نے ہمیشہ تم تینوں کا بَھلا چاہا ہے۔ تم لوگوں کو مُخلصانہ اور ماہرانہ مشورے دیئے ہیں اور ہر مُشکل میں تم سب کا ساتھ دیا ہے۔ مجھے بتاؤ، میں غلط کہہ رہی ہوں؟" اُس کے مدہم لہجے پر مُدثر کو بھینچ رکھی مُٹھیاں کھولنے پڑیں۔

"تم۔۔۔ سہی کہہ رہی ہو۔" یہ مُدثر کو کیا سارے بزنجو خاندان کے مَردوں کو تسلیم تھا۔

"تو پھر مجھے اپنا دُشمن سمجھ کر منفی کہنے اور سوچنے کے بجائے کل آنے والی آفت سے بچنے کی تدبیر کرو۔" نرمی سے اُسے کہہ کر اُسکے برابر سے ہو کر وہ راہداری کے آخر میں بنے اپنے کمرے تک گئی اور دروازے کھولنے سے قبل پیچھے پلٹ کر دیکھا۔ وہیں کونے میں مُدثر شیر از ابھی تک کسی گہری سوچ میں کھڑا تھا۔ میزاب کو معلوم تھا کہ اُسکے الفاظ اپنا اثر بہت جلد دِکھادیں گے تبھی اطمینان سے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر بڑھ گئی۔ کل صُبح دُور نہیں تھی اور اُسے ایک بَھرپور نیند لینے کی کوشش کرنی تھی۔

✓بَنتا ہے مگر جشن منانے سے رہا میں

بچوں کی طرح ناچنے، گانے سے رہا میں

اِک زخم جو میرے لیئے کعبے کی طرح ہے

ہر شخص کو اندر سے دِکھانے سے رہا میں

دِل میں بھی نِکل سکتی ہے گُنجائشِ دُنیا

لیکن اُسے بازار بنانے سے رہا میں

کانوں میں فقط زہر بَھرے جِس کا خلاصہ

اُس بات کی تفصیل میں جانے سے رہا میں

دِن میرا بھی ہر شام نِگل جاتی ہے لیکن

چڑیوں کی طرح شور مچانے سے رہا میں

اَب اِس سے نکلنے کا بہانہ نہیں ملتا

جِس دِل میں مُحبت کے بہانے سے رہا میں

لکھوالو پتہ گھر کا کبیر اپنے بدن پر

ہر بار تمہیں ڈھونڈ کے لانے سے رہا میں۔۔۔

(کبیر اطہر)

اگلی صُبح بزنجو خاندان پر متوقع آفت لے کر اُتری۔ وہی ہونا تھا جِسکی میزاب کو خبر تھی۔ ایف-ائی-اے اور اِنکم ٹیکس والے بھاری نفری کے ساتھ پورچ میں کھڑے ہاشم بزنجو کو حالات سے آگاہ کر رہے تھے۔ اُن میں ہی جواد بھی تھا۔ میزاب کو آتا دیکھ کر جواد اُسکی جانب بڑھا۔

" آج وارنٹ کے ساتھ آئے ہیں ہم، بھابھی۔ "میزاب کے سامنے وارنٹ لہرا کر اُس نے اِتنی اپنائیت سے کہا کہ مُدثر نے دانت پیس کر اُس خبیث کو دیکھا جبکہ میزاب نے اطمینان سے وارنٹ لے کر ایک نظر پڑھا اور پھر اپنے برابر متفکر کھڑے ہاشم بزنجو کو تھما دیا۔

"اور میں نے بھی آپ سے کہا تھا کہ وارنٹ کے ساتھ ہم مکمل تعاون کریں گے۔ "اُسکی بات پر مُدثر اور کاشف بزنجو کے رنگ اُڑھ گئے جبکہ آمینہ اور رفعت بیگم کے کلیجوں پر ہاتھ پڑا۔

"فلحال بزنجو خاندان کے لیئے یہی بہتر ہے کہ قانون کے ساتھ ہر ممکن تعاون کرے۔" اُس جانی پہچانی آواز پر میزاب نے کرنٹ کھا کر پلٹ کے دیکھا۔ مین گیٹ سے سیاہ یونیفارم میں وہ عباس جان نِثار ہی تھا جو اندر داخل ہوا تھا۔ سب نے ایک دوسرے کو پریشانی سے دیکھ کر میزاب کو دیکھا جو نا سمجھی سے عباس کو دیکھ رہی تھی۔

"تم۔۔۔ تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ تمہاری ہمت بھی کیسے ہوئے ہمارے گھر میں گھسنے کی۔۔۔؟" رفعت شیراز تو اُسے دیکھتے ہی آپے سے باہر ہو گئیں۔

" آرام سے! کوئی جلدی نہیں ہے۔" عباس کا اطمینان دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔

"پولیس والا تو مُجرم کو ہی گرفتار کرنے آتا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ مُجھے اِس بات کا ثبوت اور گواہ مِل گئے ہیں کہ میری بیوی پر قاتلانہ حملہ کِس نے کروایا تھا۔" عباس کی بات پر میزاب اُسے بے یقینی سے دیکھتی رہی۔ وہ کل کے باوجود آج یہاں اُسکے لیئے کیوں آگیا تھا؟ اُس نے لرزتے دِل سے چہرہ پھیر کر ہاشم بزنجو اور رفعت شیراز کے نفرت سے نیلے پڑتے چہروں کو دیکھا۔

"اور یہ سب ہم خود دیکھ لیں گے۔ تم شکل گُم کرو یہاں سے۔" کاشف بزنجو دَب کر نہیں بیٹھ سکتے تھے۔ کڑک کر کہنا ضروری تھا۔

"بس میں ذرا اپنی بیوی پر قاتلانہ حملہ کروانے والوں کو گرفتار کرلوں پھر ساتھ ہی مِل کر شکل گُم کریں گے۔" سَرد لہجے میں کہتے ہوئے وہ عین کاشف بزنجو کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"کونسا قاتلانہ حملہ؟" ہاشم بزنجو کو بیچ میں مُداخلت کرنی پڑی ورنہ کاشف بزنجو سب تلپٹ کر سکتا تھا۔

"بڑے افسوس کی بات ہے کہ آپ سب اِتنی جلدی بُھول بھی گئے مگر مسئلہ یہ ہے کہ میں نہ بُھولا ہوں اور نہ آپ میں سے کسی کو بھی بُھولنے دوں گا۔" اُسکے الفاظ لہو جما دینے والے تھے۔ پہلی بار ہاشم اور کاشف بزنجو کو کسی گڑبڑ کا احساس ہونے لگا۔

"آپ یقیناً بُھول چکے ہوں گے مگر میری بیوی پر کئی بار قاتلانہ حملے ہو چُکے ہیں اور میری موجودگی میں جو دو ہوئے ہیں اُنکی کھوج لگانا تو میرا فرض تھا۔" وہ بہت گہرائی سے کہتے ہوئے ہاشم بزنجو کے چہرے کے بدلتے رنگ دیکھ رہا تھا۔ میزاب سنبھل کر تیزی سے اُس کے اور ہاشم بزنجو کے درمیان آئی اور بازو سے پکڑ کر عباس کو پیچھے کیا۔

"کونسے حملے کی بات کر رہے ہو، جان نِثار؟" وہ جانتی تھی مگر پھر بھی جاننا چاہتی تھی۔ عباس نے چہرہ جُھکا کر اُسکے سپید پڑتے چہرے کو دیکھا۔

"میں مزید آپ کو اِن بے حِس اور ظالم لوگوں کے لیئے خود کو ضائع کرنے کی اِجازت ہرگز نہیں دوں گا۔" اُسے معلوم تھا کہ اُس نے بتایا تب بھی میزاب اُسے روک دے گی مگر اَب وہ رُکنا نہیں چاہتا تھا۔ ایک مہینے کی سَر توڑ کوشش کے بعد کہیں جا کر تو کامیاب ہوا تھا۔ میزاب نے ڈوبتے دِل سے اُسکے مصمم اِرادے دیکھ کر اُسکے بازو کو چھوڑ دیا۔۔

"جب سب کو لگا تھا آپ اغوا ہو گئی ہیں تب میرے کہنے پر احتساب چچا نے آپکو بحفاظت سیف ہاؤس پُہنچایا تھا۔ اُس دِن آپ پر قاتلانہ حملہ ہونے والا تھا اور۔۔۔" اُسے اُسکی بات مکمل نہیں کرنے دی گئی۔

"ہوا تو نہیں نہ جو تم یہاں آ گئے ہو تماشہ دِکھانے۔" رفعت شیراز نے نخوت سے کہا جبکہ عباس نے پلٹ کر اُنکو جِن نظروں سے دیکھا، وہ اندر تک ششدر رہ گئیں۔

"ہوا بھی تھا لیکن اُن لوگوں کو کیسے یاد ہو سکتا ہے جو خود اُس حملے کے ماسٹر مائنڈز ہوں۔" چہرہ واپس پھیر کر اُس نے کاشف بزنجو اور مُدثر کو دیکھ کر اُن دونوں کے اندر خطرے کی گھنٹی بجادی۔ اُسکا اِشارہ یقیناً تب کی طرف تھا جب وہ خود باڈی گارڈ تھا اور اُسے گولیاں لگیں تھیں۔

"اُس۔۔۔اُس قاتلانہ حملے کے پیچھے منظور کرامت تھا۔" مُدثر نے ہکلا کر کہتے ہوئے میزاب کو ٹھٹکا دیا۔ لمحہ لگا تھا اُسے سب سمجھنے میں۔

"اور منظور کرامت کے پیچھے کون تھا۔ یہ میں بتاؤں یا پھر منظور کرامت سے سُننا چاہو گے؟" اُسکے طنز نے مُدثر کا چہرہ اہانت سے سُرخ ہوا۔

"یہ سب یہاں کیا ہو رہا ہے؟" ہاشم بزنجو مزید خاموش نہیں رہ سکتے تھے۔ وہ اِس طرح اپنے خاندان کا شیرازہ بکھرتا نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔

"سب اپنے کرموں کا پَھل کھانے لگے ہیں، ہاشم صاحب۔" وہ عباس جان نِثار ہی کیا جو اُن سب کو جلا کر خاکستر نہ کر دے۔

"یہاں تو خوب ہمارے اِستقبال کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔" اِنکم ٹیکس آفیسر نے اندر داخل ہوتے ہوئے اُن سب کا بچا کُچا لہو بھی خُشک کر دیا۔

"اَب اِس نے بھی ابھی آنا تھا۔" ذکی کی تلملاتی آواز نے سب کی سماعتوں کو فیضیاب کر دیا۔

"جی! آپکا ہی اِنتظار ہو رہا تھا۔" عباس نے آگے بڑھ کر اُس آفسر کی جانب ہاتھ بڑھایا جِسے پوری گرمجوشی سے تھام لیا گیا۔

"کیا کریں، سَر۔ اپنا کام ہی اِیسا ہے۔ اگر تھوڑی سی بھی دیر کر دیں تو امیر لوگ بھاگ نکلتے ہیں۔" اُس آفیسر نے پیچھے پریشان سے کھڑے کاشف بزنجو اور مُدثر پر ایک نظر ڈال کر کہا۔

"پہلے میں اپنا حساب چُکتا کرنا چاہوں گا کیونکہ میری بیوی کی جان مُجھے بہت پیاری ہے۔" عباس کی اگلی بات نے اُن باقی سب کو بھونچکا کر دیا۔ ہاشم بزنجو نے کرنٹ کھا کر میزاب کو دیکھا جِس کا چہرہ لٹھے کی مانند سفید پڑ گیا تھا۔

"بہتر سَر!" اِنکم ٹیکس والے نے ادب سے پیچھے ہو کر کہا۔

"ڈی-ایس-پی جواد! اِن دونوں حضرات کو ہتھکڑی لگائیں۔ میرے ہاتھ سے اِنہیں پسند نہیں آئے گی۔" جواد کو کہہ کر اُس نے پہلے سے جَلتے بُھنتے مُدثر شیراز کو آگ میں دھکیل دیا۔

"تم بہت بُرا پچھتانے والے ہو، عباس۔" پولیس والوں نے آکر دونوں ماموں بھانجے کو جب ہتھکڑی لگائی تب مُدثر نے لَب بھینچ کر اُس سیاہ یونیفارم میں ملبوس عباس کو دیکھ کر کھلی دھمکی دی مگر پرواہ کسے تھی۔

"ابھی تم باقی بعد میں دیکھتے ہیں۔" اُس کا انداز سَراسَر چڑھاتا ہوا تھا۔ مُدثر نے ایک تلملاتی نظر میزاب پر ڈالی۔

"مُجھے تمہارا اِنتظار رہے گا، زیبی۔ کل تم نے جو کہا مُجھے اُس پر اعتبار ہے۔" اُسکی اگلی بات پر عباس نے چونک کر میزاب کو دیکھا جِس نے نرم تاثرات کے ساتھ سَر اثبات میں ہلاتے ہوئے عباس کو سنجیدہ کر دیا۔

"جب تک وکیل نہ پُہنچے کوئی حماقت مت کرنا۔" میزاب کی تنبیہہ پر ہاشم بزنجو کے ماتھے کی شِکن معدوم ہوئی۔

"میزاب سب سنبھال لے گی۔ تم دونوں بے فکر ہو جاؤ۔" ہاشم بزنجو کی تسلی پر کاشف بزنجو نے ناپسندیدگی سے میزاب کو دیکھا اور پھر پولیس والے اُن دونوں کو لے کر کُھلے دروازے سے باہر نِکلے اور اُنکے پیچھے ہی اِنکم ٹیکس اور نارکو ٹکس فورس کے اہلکار بھی چلے گئے۔

"بات کرنی ہے ہمیں تم سے، لڑکے۔" ہاشم بزنجو کی پکار پر جانے کو تیار عباس نے پلٹتے ہوئے اُنکو دیکھا جو گہرائی سے اُسے دیکھ رہے تھے۔ میزاب کے قدم بے جان ہونے لگے۔

"فرمائیں!" اُسکا دوٹوک لہجہ میزاب کو چونکا گیا۔

"اندر سٹڈی میں بات کرتے ہیں۔" اُس اگلی بات پر میزاب کا سانس تھم گیا۔ عباس نے جیسے ہی اُسکی جانب دیکھا اُس نے نامحسوس انداز میں نفی میں سَر ہلایا۔

"چلیں!" ایک لفظی جواب نے وہاں موجود باقی سب نفوس کو جامد کر دیا۔ میزاب کی کیفیت سے بے خبر وہ ہاشم بزنجو کے ساتھ اندر کی جانب بڑھنے لگا۔

"میرے بیٹے نے کچھ نہیں کیا۔ اگر اُسکو ایک کھرونچ بھی آئی تو تمہارا مُنہ نوچ لوں گی، میزاب۔" قبل اِسکے عباس اندرونی دروازہ پار کرتا، پیچھے سے آتی پھنکارتی آواز پر ٹھہر گیا۔ یہ اُسی عورت کی زہریلی آواز تھی جِس نے اُسکی ماں کا قتل کیا تھا۔

"کیا بکواس کی آپ نے؟" قبل اِسکے میزاب کچھ کہتی، عباس جِس طرح غُرا کر اُن کی جانب لپکا، اُن سب نے دَنگ ہو کر اُسے دیکھا۔

"تم سے مطلب؟" وہ رفعت شیراز ہی کیا جو کسی سے دَب جائیں۔

"مُجھ سے ہی سارے مطلب ہیں اِس عورت کے جِس کے خلاف آپ گھٹیا زُبان اِستعمال کرتی ہیں۔" عباس کے تلخ جواب پر جہاں میزاب کا دِل دَھک سے رہ گیا وہیں ہاشم بزنجو نے بغور اُسکو دیکھا جو رفعت شیراز کے مُقابل تھا۔

"دیکھتے ہیں کب تک سارے مطلب رہتے ہیں۔" اُنھوں نے میزاب کو دیکھ کر گہرا طنز کیا۔

"کم اَز کم تب تک تو اِنشاء اللہ رہیں گے جب تک آپ جیسا ناسور اِس دُنیا میں موجود ہے۔" عباس کی آنکھوں سے نکلتے شعلے رفعت شیر از کے سارے وجود کو شعلوں میں دھکیل گئے۔

"تمہاری اِتنی ہمت۔۔۔" اُنہوں نے آگے بڑھ کر ہاتھ اُٹھانا چاہا۔۔

"یہ غلطی مت کریں ورنہ آپکے ماضی کے کارنامے آپ کے سامنے لا سکتا ہوں۔" یہ بات سرگوشی میں کہی گئی جبکہ رفعت شیر از نے چونک اُٹھتے وجود کے ساتھ اُن لہو جما دیتی نظروں کو دیکھ کر پیچھے حیران پریشان کھڑے باقی سب کو دیکھا۔

"کونسے کارنامے؟ تمہیں لگتا ہے تم مجھے ڈرا سکتے ہو؟" وہ دبا دبا غُرائیں جبکہ عباس مُسکرا دیا۔

"یاداشت کمزور ہو گئی ہو گی آپ کی ورنہ آپکو معلوم ہوتا کہ اِیسے شخص کے سامنے اُونچی آواز نہیں کرتے جو آپکے قاتل ہونے کا عینی شاہد ہو۔" اُسکے کان کے پاس جُھک کر کہتے ہوئے اُس نے رفعت شیر از کے رونگٹے کھڑے کر دیئے۔ میزاب نے کچھ نا سمجھی سے ٹھنڈی پڑ جاتیں رفعت شیر از کو دیکھا جو آنکھیں پھاڑے عباس کو نہ جانے کیوں اِتنی بے یقینی سے دیکھ رہی تھیں۔

"سوچیں اِس بارے میں۔" اگلی تنبیہہ سرگوشی سے زیادہ نہیں تھی۔ واپس پلٹ کر وہ ہاشم بزنجو تک آیا۔

"پھر کسی دِن آپ سے تفصیلی مُلاقات ہوتی ہے، اِنشاء اللہ۔" مُسکرا کر کہتے ہوئے اپنی جانب دیکھتی میزابِ رحمت کو دیکھے بِنا وہ ہاشم بزنجو کو کچھ بھی کہنے کا موقع دیئے بغیر تیز قدموں سے کُھلے مین گیٹ سے باہر نِکل کر اُن سب کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

"تم اندر سٹڈی میں آؤ۔" ہاشم بزنجو سخت سنجیدگی سے میزاب کو کہہ کر اندر کی جانب بڑھے تو باقی سب بھی بے چینی سے اندر بڑھنے لگے جبکہ میزاب نے چہرہ پھیر کر دروازے کو دیکھا جسے گارڈ بند کر رہا تھا۔ اُسے ایک پَل کو یوں لگا جیسے عباس جان نثار تک جانے والے راستے اُس پر بند ہو گئے ہوں مگر پھر گھُٹتے دِل سے سَر جھٹک کر اندر چلی گئی۔

✓ یہ تمکنت کہیں پتھر نہ بنا دے تُجھ کو

تُو آدمی ہے! خُوشی بھی دِکھا، مَلال بھی کر۔۔۔

(عرفان صدیقی)

"تمہاری باتوں سے تو لگ رہا تھا وہ تمہیں پسند نہیں کرتا۔" اندر آ کر صوفہ سنبھالتی میزاب گہرا سانس لے کر بیٹھ گئی۔ اُس نے سوچا بھی کیسے وہ اِس بات کو آسانی سے جانے دے سکتے ہیں۔

"آپ لوگوں کے سامنے اِتنا تو کہنا اُسکا بھی حق ہے۔ کم ناانصافی نہیں ہوئی اُسکے ساتھ۔" اُس نے اُن سب کا تذکرہ کرنے سے اِجتناب ہی کیا جبکہ ہاشم بزنجو ایک پَل کو سوچ میں گُم ہوئے۔

"خیر! کیا کرنا ہے اَب اِس معاملے کا؟" اُنکو موضوع بدلتے دیکھ کر اُس نے حقیقتاً شُکر ادا کیا۔

"آپ کیا کہتے ہیں؟" اُس نے اپنی رائے محفوظ ہی رکھی۔

"ظاہر ہے اُن دونوں کو تھانے میں سڑنے تو نہیں دے سکتے۔" اُنکی بات پر میزاب نے سمجھ کر سَر ہلایا۔

"اُن دونوں کے کام اُنکو جیل لے جانے والے ہیں اور آپ تھانے سے رہائی کا سوچ رہے ہیں۔" میزاب کی بات پر ہاشم بزنجو نے ٹھٹک کر اُسے دیکھا۔

"کیا کہنا چاہ رہی ہو تم؟" وہ اُسکی ہر معاملے کو باریکی سے دیکھنے کی فطرت سے آگاہ تھے۔

"اِتنی لمبی چارج شیٹ دونوں کے خلاف تیار کر رکھی ہے سارے اِداروں نے کہ آپ اور میں مِل کر بھی بیک وقت اپنے کنیکشنز کو اِتنا اِستعمال نہیں کر سکیں گے۔" میزاب کے تفکر نے ہاشم بزنجو کو پہلی بار تشویش میں مُبتلا کیا۔

"آخر اِتنا سب کچھ ہونے کے باوجود غیر قانونی اور ناجائز ذرائع سے پیسہ حاصل کرنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟" اُسکے چبھتے سوال کا ہاشم بزنجو نے کیا ہی جواب دینا تھا۔

"مُجھے معلوم ہے تم سب سنبھال لو گی۔" اُنکو معلوم تھا میزاب کو کیسے زیر کرنا ہے مگر اَب جانتے نہیں تھے کہ اُسکے شانوں پر کسی رشتے کا کوئی بار نہیں رہا تھا۔

"میں نارکوٹیکس اور اِنکم ٹیکس والوں سے مُدثر کو ضمانت پر رہا نہیں کروا سکتی۔ اُنکے پاس بڑے پیمانے کے غبن کے شواہد ہیں، دادا جان۔" اُس نے جیسے اُنہیں حالات کی سنگینی سے آگاہ کرنا چاہا۔

"ہاں ایک کام ہو سکتا ہے۔" کچھ یاد آنے پر اُس نے آہستگی سے کہا۔

"لیکن یہ بہت مُشکل ہے اور میں جانتی ہو اِس واحد حل کو کوئی بھی تسلیم نہیں کرے گا۔" ہاشم بزنجو تیزی سے ٹیک چھوڑ کر سیدھے ہوئے۔

"حل بتاؤ، زیبی!" وہ مکمل ہمہ تن گوش تھے۔

"میں جانتی ہوں اَب تک میڈیا کو سب خبر پُہنچ چکی ہو گی اِس لیئے واحد حل یہی ہے کہ مُدثر اور چچا کچھ عرصہ جیل میں رہیں اور پھر پروبیشن پر رہا کروائے جائیں۔" اُسکا حل صاف اور سیدھا تھا جِس نے ہاشم بزنجو کو گہرے اِضطراب میں دھکیل دیا۔

نہیں! ایسا وہ کیسے ہونے دے سکتے تھے۔ اِس اولاد کے لیئے اُنہوں نے کیا کچھ نہیں کیا تھا۔

"اِسکے علاوہ کچھ ہے تو بتاؤ۔ میں اپنی اولاد کو یوں نہیں جُھونک سکتا۔ وہ دونوں میرے وارث، میرا خاندان ہیں۔" اُنکے سخت لہجے اور چہرے پہ چھائی بے چینی پر میزاب کِتنی دیر تک اُنکے چہرے سے نگاہ نہیں ہٹا سکی۔

"اِیسے کیا دیکھ رہی ہو؟" اُنکو اُسکا انداز عجیب لگا۔

"اپنی عین آنکھوں کے سامنے کسی پیارے کو ختم ہوتے دیکھنا کتنا بھیانک تجربہ ہے نہ۔" وہ آواز سرگوشی سے زیادہ نہ تھی پھر بھی ہاشم بزنجو کی سماعتوں کو چیر گئی۔

"ہر کسی کو اپنے پیارے جان سے پیارے ہوتے ہیں۔ اِنسان اُنکے لیئے ہر حد پار کر جاتا ہے۔ ہر جائز ناجائز۔" وہ جیسے کہیں محو ہو کر کہہ رہی تھی۔

"لیکن وہ لوگ غلط کرتے ہیں۔ اپنے پیاروں کے لیئے بھی جائز اور ناجائز کی تمیز نہیں بُھولنی چاہیئے جو اِیسا کریں اُنکا ہاتھ بھی روکنا چاہیئے۔" ہاشم بزنجو اُسکو نا سمجھی سے دیکھتے رہے۔

"تم کہنا کیا چاہ رہی ہو؟" وہ جیسے سمجھ کر بھی سمجھنا نہیں چاہتے تھے۔ اُنکو اچھی طرح معلوم تھا کہ اُنکے مُقابل اَصفہان کی بیٹی ہے مگر اِس حقیقت سے نظر چُرا کر رکھنے میں ہی بَھلائی تھی۔

"جو میں نے کہا ہے آپکو لفظ بہ لفظ سمجھ آ چکا ہے۔ اِس بات پر بیٹھ کر سوچیں میں معاملات سنبھالنے کی کوشش کرتی ہوں۔" کہہ کر وہ صوفے سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"سب سے پہلے تو تم اپنے شوہر کو سنبھالو۔ وہ کونسی دُشمنی نکال کر میرے بچوں پر قاتلانہ حملے کا الزام لگا رہا ہے؟" اُنکی غُراتی آواز پر میزاب نے بغور اُنکے سُرخ ہوتے چہرے کو دیکھا۔

"وہ صِرف میرا شوہر ہی نہیں پولیس والا بھی ہے۔ اگر وہ دونوں بے گُناہ ہیں تو جان نِثار کچھ نہیں کہے گا۔" اُسکے بے نیاز جواب پر ہاشم بزنجو نے پہلو بدلا۔ وہ اِس معاملے میں میزاب کی اِیسی بے نیازی نہیں چاہتے تھے خصوصاً تب جب وہ اُنکے نواسے کو بے عزت کر کے لے کر گیا اور بیٹی کو ذلیل کیا۔

"تم اُسے اپنی زُبان میں سمجھاؤ، میزاب۔ ہماری دُشمنی کوئی اچھی چیز نہیں ہے۔" اُنکی اگلی تنبیہہ میں کچھ اِیسا تھا کہ میزابِ رحمت کو اپنا دَم گُھٹتا محسوس ہونے لگا۔

"نہ وہ میری عقل سے سوچتا ہے اور نہ ہی میرا پابند ہے کہ اُسے بتاؤں کہ کیا کرنا چاہیئے۔" اُس نے صاف اپنا دامن بچا لیا۔ ہاشم بزنجو چند پَل اُسے دیکھتے رہے۔

"میں جانتی ہوں کہ مُجھ پر ہونے والے قاتلانہ حملوں کے پیچھے میرے اپنے نہیں ہیں۔ اِس لیئے میں جان نِثار کو کچھ نہیں کہوں گی۔" اُسکی اگلی بات پر ہاشم بزنجو نے سمجھ کر سَر ہلایا۔

"میں اُسے دیکھ لوں گا تم وکلاء کو لے کر جاؤ اور دیکھو کیا ہو سکتا ہے۔" میزاب اثبات میں سَر ہلا کر جیسے ہی اُٹھنے لگی اُسی وقت آمینہ اور رفعت شیراز پریشانی سے بھاگتے ہوئے سٹڈی کا دروازہ کھول کر اندر آئیں۔

"دادا! جلدی سے ٹی-وی لگائیں۔" پیچھے سے بوکھلا کر آتے تقی نے اُن دونوں کو چونکا دیا۔

"کیا ہوا ہے؟" ہاشم بزنجو اُن سب کے چہرے کی اُڑتی ہوائیاں دیکھ کر حیران سے بولے۔ تقی نے جواب دیئے بغیر اُنکے ٹیبل سے ریموٹ اُٹھا کر دیوار پر نصب ایل-ای-ڈی روشن کر کے نیوز چینل لگایا اور وہی ہوا جسکا میزاب کو یقین تھا۔ بزنجو خاندان کے کارنامے ایک بار پھر خبروں کی زینت بن چُکے تھے۔ ہاشم بزنجو دھپ سے صوفے پر بیٹھ کر سُن ہوتے دماغ سے خبروں کو سُن رہے تھے باقی سب پریشانی سے کبھی ہاشم بزنجو کا سپیڈ پڑتا چہرہ دیکھتے تو کبھی میزاب کی سنجیدگی۔

"یہ سب اُس منحوس عورت کے بیٹے کی وجہ سے ہوا ہے۔" رفعت شیراز نے پھنکار کر کہا، نہیں کہنا چاہیئے تھا۔

"اپنے بیٹے کے کالے کرتوت کسی معصوم اور بے خبر عورت پر لگا کر آپ حالات سے وقتی فرار ہی حاصل کر سکتی ہیں۔ اَب تو آپکی عقل ٹھکانے آجانی چاہیئے کہ ناجائز اور حرام کام کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔" وہ اِس سے زیادہ ضبط نہیں کر سکتی تھی تبھی چیخ کر کہا جبکہ رفعت شیراز اور آمینہ کاشف کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔

"سُن رہے ہیں آپ اِسکی بکواس؟" رفعت شیراز نے ساکن بیٹھے باپ کو متوجہ کرنا چاہا۔

"فلحال تو اِنکو خبریں سُننے دیں۔" میزاب کے اطمینان میں کوئی فرق نہیں آیا تبھی تیز قدموں سے اُنکو یونہی تلملاتا چھوڑ کر سٹڈی سے باہر نِکل گئی۔ اُسکو ابھی بہت کچھ کرنا تھا۔ میزابِ رحمت کو جاتے دیکھنے کے بعد اگر ٹی-وی سکرین پر دیکھا جائے تو وہاں خبروں میں بزنجو خاندان کے اَب تک منظرِ عام پر آنے والے تمام جرائم کی چارج شیٹ دِکھائی جا رہی تھی۔

Bribery, Embezzlement, Tax Evasion, and Drug Trafficking.

"بابا! اَب ہم کیا کریں گے؟" رفعت شیراز کے حقیقتاً سہی معنوں میں ہوش اُڑے تھے۔

"میرا بچہ!" سب کو خاموش، ہکابکا دیکھ کر اُنکے کلیجے پر ہاتھ پڑا۔ یہ سب جو کچھ ٹی-وی پر چیخ چیخ کر بتایا جارہا تھا اُسکے بعد اُنکے اکلوتے بیٹے کا کیا ہوگا؟

"بابا! خُدا کا واسطہ ہے کچھ کریں۔" وہ گُم صُم بیٹھے ہاشم بزنجو تک آئیں اور اُنہیں جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔

"میزاب گئی ہے۔ وہ سب دیکھ لے گی۔" اِیسے نازک موقعے پر منظر پہ آکر خود کو بُرا بھلا کہلایا جانا نہیں افورڈ کر سکتے تھے۔

"آپ کے بیٹے اور نواسے کو جیل ہونے والی ہے اور آپکو اپنے نام کی پرواہ ہے صِرف۔" آمینہ بیگم نے سکتے سے نِکل کر چمک کے کہا۔

"امی!" زوبیہ نے اُنکو روکنے چاہا مگر اِن خبروں کے بعد اُن دونوں عورت کا دماغ اُلٹ گیا تھا۔

"آمینہ سہی کہہ رہی ہے، بابا۔ میزاب کو دفع کریں۔ اَب تو آپ اپنے مورچے سے نِکل کر کچھ کریں۔" وہ جو اِتنے عرصے پہلے ہی سب کچھ اُن سب کو سونپ کر فراغت میں جی رہے تھے، چونک کر اُن سب کو دیکھنے لگے۔ یہ طعنہ اُنکا وہاں سے دیا گیا تھا جہاں سے اُنہوں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ اُنہیں۔۔۔ دُکھ ہوا تھا تبھی صوفے سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"میزاب کہتی ہے کہ بُرے وقت میں ہی کَھرے کھوٹے کی پہچان ہوتی ہے اور مُجھے ابھی معلوم ہوا ہے کہ وہ سہی کہتی ہے۔" دونوں بہو، بیٹی کو دیکھ کر کہتے ہوئے یونہی یَک دَق چھوڑ کر وہ سیل فون پر کسی کا نمبر مِلا کر اپنی سٹڈی سے باہر نِکل گئے۔

"کائنات! آپ ہمارا سٹانس میڈیا کو ایچ- آر کے تھرو بھجوا کر نیلی جِلد والی فائل لے کر اسپیشل پولیس یونٹ لے کر آئیں۔" کائنات کو میسج بھیج کر اُس نے ایک نظر سامنے عمارت کو دیکھا اور پھر گاڑی پارکنگ میں کھڑی کر کے باہر نِکل آئی۔ اُسے عباس سے مِل کر اسے سمجھانا تھا۔ اِس معاملے کو رفع دفع کرنا تھا مگر جس سنجیدگی سے عباس اُسے نظر انداز کر کے گیا تھا میزاب کے قدم آگے بڑھنے سے جواب دے رہے تھے۔ وہ یقیناً میزاب سے بہت بُرا ناراض، بہت بد دِل ہو کر گیا تھا۔ چند لمحے بعد وہ ایک لوہے کے دروازے سے گُزر کر اندر راہداری میں آئی۔ ہر طرف لوگ آجا رہے تھے۔ یہاں سویلین کو جانے کی اِجازت نہیں تھی تبھی اُسکو دیکھ کر سیاہ یونیفارم میں ایک بندہ قریب آیا۔

"جی، میڈم؟" میزاب نے چونک کر چہرہ پھیرا۔

"مجھے عباس جان نِثار سے مِلنا ہے۔ وہ کہاں ہوں گے؟" اُسکے سوال پر اُس نوجوان نے ایک نظر سائیڈ پر جاتی سیڑھیوں کو دیکھا۔

"آپ کون ہیں؟" اُسکے سوال پر میزاب نے گہرا سانس لیا۔

"میں اُنکی مِسز ہوں۔" میزاب کے جواب پر اُس بندے کی لاپرواہی ہوا ہوئی۔

"ابھی لنچ ٹائم ہے مگر سَر چوتھی منزل پر موجود اپنے آفس میں ہوں گے۔" اُس نے ہال میں موجود سیڑھیوں کی جانب اِشارہ کیا۔ میزاب اُسکا شکریہ ادا کر کے تیز قدموں سے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اُوپر آنے لگی۔ اِرد گرد دُر کے اور دیکھے بغیر اُس نے چوتھی منزل پر ہی آکر سانس لیا۔ آگے طویل راہداری میں سیاہ رنگ کے دروازوں پر نام کی تختیاں لگی ہوئی تھیں۔ وہ آہستگی سے پڑھتے ہوئے آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ اِس منزل پر کوئی بھی موجود نہیں تھا۔

جیسے کہ اُس آفیسر نے بتایا تھا کہ لنچ ٹائم کے تو یقیناً سب میس میں ہوں گے۔ ایک دروازے کے سامنے آکر رُکی جِس پر مطلوب نام کی تختی تھی۔

'SP Abbas Jaan Nisar'

دھڑکنوں کو ڈپٹ کر اُس نے آہستگی سے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر دروازہ باہر کی جانب کھینچ کر کھول کے اندر جھانکا مگر اندر کوئی موجود نہیں تھا۔ چند پل وہ وہیں سوچتی رہی۔ شاید عباس بھی سب کے ساتھ کھانا کھانے گیا ہو۔ اِس سوچ کے ساتھ وہ تیزی سے پلٹی اور آگے کامن روم کے پاس سے جیسے ہی گزرنے لگی، اُسکے قدم ٹھہر گئے۔

"سَر عباس کا غصّہ تو اچھے اچھوں کے چھکے اُڑا دیتا ہے۔ اے-ایس-پی اور ڈی-ایس-پی صاحب تو آج سامنے ہی نہیں جائیں گے اُنکے۔" میزاب نے چہرہ پھیرا۔ وہ تین آفیسرز تھے جو چائے کا ڈیسپوزیبل کپ ہاتھ میں تھامے باتیں کر رہے تھے۔

"میں نے اُنکو ڈپٹی اِنسپیکٹر جنرل صاحب سے اُونچی آواز میں بات کرتے پہلی بار سُنا اور وہیں سے اُلٹے پاؤں واپس ہو لیا کہ کہیں بڑوں کی لڑائی میں رگڑا نہ جاؤں۔" ایک نے قدرے ہنستے ہوئے باقی دونوں کو حیران کر دیا۔

"معاملہ واقعی بہت سیریس ہے ورنہ سَر عباس ڈپٹی سَر کی بہت عزت کرتے ہیں۔" دوسرے نے اُسی معاملے کی نوعیت سے آگاہ کرنا چاہا جبکہ میزاب سانس روکے سب سُن رہی تھی۔

"میں نے سُنا ہے وہ جِس آدمی کو بغیر وارنٹ کے پکڑ کر لائے ہیں وہ اُنکی بیوی پر قاتلانہ حملہ کروا چُکا ہے تبھی سَر عباس سب سے لڑ رہے ہیں کیونکہ وہ آدمی بزنجو خاندان کا بیٹا ہے اور یقیناً اُسکی رہائی کے لیئے اُوپر سے بہت پریشر ہو گا۔ تھر تھلی مچی ہوئی ہو گی۔" تیسرے کی بات پر میزاب کا دِل دَھک سے رہ گیا۔

"پھر تو سر عباس سہی کر رہے ہیں۔ اِس خاندان کے آج صُبح ہی سارے کالے کارنامے سامنے آئے ہیں اور کِس ڈھٹائی سے اپنے مُجرم لڑکے کو بچانے کے لیئے ناجائز پریشر ڈال رہے ہیں۔" دوسرے نے تائید کی۔

"تبھی کسی کو تفتیشی کمرے میں آنے کی اِجازت نہیں۔ اِیسے بے غیرت امیروں کے ساتھ یہی ہونا چاہیئے۔ سر عباس بالکل سہی دُھلائی کر رہے ہیں اُس لڑکے کی۔" پہلے والے نے چسکا لیتے ہوئے مزید کہتے ہوئے میزاب کا رنگ فق کر دیا۔ بوکھلا کر وہ تیزی سے آگے بھاگی۔

"یا اللہ! نہیں۔۔۔!" تیز قدموں سے وہ ایک ایک کُھلے اور بند کمرے کو دیکھ کر بھاگ رہی تھی۔ اگر جو کاشف اور ہاشم بزنجو کو معلوم ہو گیا تو طوفان آ جائے گا۔ آخری کمرے کی دیوار پر بڑا بڑا **"تفتیشی کمرہ"** لکھا تھا۔ دروازہ پوری قوت سے دھکیل کر وہ اندر آئی اور اندر کا منظر دیکھ کر اُسکے قدم وہیں جم گئے۔ پھیلتی آنکھوں سے وہ عباس کو دیکھنے لگی جو مُدثر کو گریبان سے پکڑے بُری طرح مار رہا تھا۔ اُسکی نگاہ سائیڈ پر موجود سیاہ سکرین کی طرف گئی۔ یقیناً وہاں کوئی نہیں ہو گا اور کیمرے بند ہوں گے لیکن اگر کسی نے دیکھ لیا تو؟؟

دروازہ کھولے جانے کی آواز پر مُدثر کا چہرہ دیوار سے لگا کر رکھے، اُس پر مُکہ تانتے عباس نے چہرہ اُٹھا کر اُوپر دیکھا۔ دروازے کے پاس آنکھیں پھیلائی کھڑی عورت کو بے یقینی سے دیکھ کر اُس نے بُری طرح کراہتے مُدثر کو پوری قوت سے پیچھے کرسی پر پھینکا اور خود تیز قدموں سے اُس تک آیا جو وہیں ساکت و جامد کھڑی تھی۔

"آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟" اُسکی دبی دبی غُراہٹ پر میزاب نے بے یقینی سے نِکل کر عباس کے طیش سے سُرخ ہوئے، خطرناک حد تک سنجیدہ چہرے کو دیکھا۔

"یہ تم۔۔۔تم کیا کر رہے ہو، جان نِثار؟" اُسکی گھُٹی آواز کے سوال پر عباس کے جبڑے بھینچے اور اُس شناسا آواز پر مُدثر نے دُھکتی آنکھیں کھول کر دروازے میں اِیستادہ میزاب کو دیکھا اور کراہ کر سیدھا ہوا۔

"زیبی!" اُسکی کراہتی پُکار پر عباس نے پلٹ کے اُسکو جِن سَرد نظروں سے دیکھا اُس نے مُدثر کا جہاں چہرہ سپید کیا وہیں میزاب کو ششدر کر دیا۔

"دوبارہ یہ نام بھی لیا تو زُبان کھینچ لوں گا تیری۔" وہ جِس طرح چِلایا، میزاب کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔

"ایک بار یہاں سے نکلنے دو۔ دیکھ۔۔۔لوں گا تمہیں۔" اُسکے ہاتھوں پر ہتھکڑی نہیں تھی تبھی دُکھتے جبڑے پر ہاتھ رکھ کے دانت پیس کر کہا۔

"مُد۔۔۔" میزاب قبل اِسکے عباس کے پاس سے گُزر کر مُدثر کی طرف جاتی، عباس نے اُسکو کہنی سے تھام کر روک دیا۔ کرنٹ کھا کر پلٹتی میزاب نے اُن پتھروں کی طرح سنجیدہ سُنہری آنکھوں میں لرزتے دِل سے دیکھا۔

"اگر آپ اُس کی طرف گئیں تو میں اُسکا مُنہ توڑ دوں گا۔" نہ جانے اُسکو کِس بات کا اِتنا غصّہ تھا۔ میزاب نے تحیر سے اُسکی آنکھوں میں ٹھہری سَرد مہری کو گھُٹتے دِل سے دیکھا۔

"میں ماموں اور نانا کو بتاؤں گا جو اِس کمین۔۔۔" اُسکا جملہ مکمل نہیں ہو سکا۔ عباس، میزاب کا بازو چھوڑ کر اُسکی جانب لپکا اور پوری قوت سے ایک گھونسا اُسکے مُنہ پر دے مارا۔ وہ جو سنبھل نہیں سکا تھا، کرسی سمیت پیچھے کو جا کر گِرا۔

"تُجھے شرافت کی زُبان نہیں سمجھ آسکتی۔" اُسکو پھر سے کالر سے تھام کر ایک جھٹکے سے کھڑا کرتے ہوئے اُس نے میزاب کی چیخ نکال دی۔

"جان نِثار!" وہ بھاگ کر اُس تک آئی۔

"آپ کچھ نہیں جانتی ہیں۔ یہ گھٹیا اِنسان آپکی ہمدردی اور اِخلاص کے قابل نہیں ہے۔" چہرہ پھیر کر اُن سُرمئی آنکھوں میں دیکھ کے ایک ایک لفظ بڑے ضبط سے کہا گیا جبکہ میزاب اُسکے ضبط سے سُرخ پڑتی آنکھوں سے نظر نہیں ہٹا سکی۔ کچھ تو ہوا تھا۔ اِیسا جس کی اُسے خبر نہیں تھی ورنہ عباس اور یوں آپے سے باہر ہو جائے، یہ دو متضاد باتیں تھیں۔

"کیا ہوا ہے، جان نِثار؟" اُسکے مدہم سوال پر عباس نے گہرا سانس لے کر اُس بے رِیا عورت کو دیکھا جِسکو سب معلوم تھا پھر بھی اُسے صرف نرمی اور احسان کا معاملہ رکھنا آتا تھا۔

"تمہارے اِس کمینے شوہر نے مُجھے مارا ہے بغیر کسی وجہ کے اور تم وہاں۔۔۔" مُدثر نے تلملا کر کہنا چاہا مگر عباس کی بس ہو گئی۔

"یہ خبیث میرے ہاتھ سے نہیں بچے گا۔" وہ ایک بار پھر مُدثر کو جھپٹ کر پِل پڑا جبکہ میزاب کے ہاتھ پیر مفلوج ہو کے ٹھنڈے پڑنے لگے۔ بے جان وجود اور ششدر آنکھوں کے ساتھ مُدثر شیراز کو عباس جان نِثار کے ہاتھوں اِنتہائی بُری اور مُہلک مار کھاتے دیکھنے لگی۔ اُسکا دماغ مکمل طور پر مفلوج ہو گیا تھا مگر کہیں دِل کے ایک کونے کو عجیب طرح کا سکون اور اِیسی راحت مِل رہی تھی جسے الفاظ میں بیان کرنا ناممکن تھا۔ دِل کی دبی، اَن کہی خواہش بھی جان نِثار کے ہاتھوں سے ہی پوری ہونی تھی۔

سیڑھیاں چڑھتی کائنات دوسری جانب سے بھاگ کر آتے وجود سے بُری طرح ٹکرائی اور پھر اُسکے ہاتھ میں موجود وہ فائل ہوا میں لہرا کر اُسکے سَر پر ہی پوری قوت سے آ لگی۔

"یا اللہ!" اُس کی چیخ خاموش ہال میں بہت دُور تک گئی۔

"بہت بہت معذرت۔ میں جلدی میں ہوں۔" جُھک کر فائل اُٹھا کر مُقابل کو تھما کر دیکھے بغیر جیسے ہی وہ دوسری راہداری میں جانے لگا۔ اپنا سَر رگڑنا بُھول کر کائنات صادق نے جاتے شخص کو پچھلے کالر سے پکڑ کر آگے بھاگنے کی کوشش ناکام بنادی۔

"میرا سَر کھول کر پولیس یونٹ میں ہی بھاگنے کی کوشش۔" ہکا بکا ہو کر ایک جھٹکے سے رُک جاتے شخص نے اپنا کالر چُھڑوانا چاہا مگر پیچھے سے گرفت مضبوط تھی۔

"کیا بدتمیزی ہے، مُحترمہ؟" وہ جو پہلے ہی پریشانی اور عُجلت سے مَرا جا رہا تھا، پھنکار کر پلٹا۔

"واہ بھئی! لوگ تو بہت دیدہ دلیر ہو گئے ہیں۔" چہرے پر نظر پڑتے ہی کائنات نے افسوس سے نفی میں سَر ہلایا جبکہ چونک اُٹھتے جواد ارمغان نے نرمی سے اُسکی مضبوط گرفت سے اپنا کالر چُھڑوایا۔

" معذرت۔ میں بہت جلدی میں ہوں۔" اُس نے مُقابل کے ذرا نہ بدلتے اور یونیفارم دیکھنے کے باوجود ہر شرمندگی سے مُبرا چہرے پر نِگاہ جما کر ہر مُمکن لہجہ متوازن رکھا۔

"جائیں مگر آنکھیں کھلی رکھ کر بھاگا کریں۔ اِس وردی کا ہی خیال کر لیں۔" ڈی-ایس-پی جواد ارمغان کے چودہ طبق روشن کرتے ہوئے بڑے آرام سے اپنی فائل دونوں ہاتھوں میں تھامے ہوا کے جھونکے کی طرح اُسکے برابر سے ہو کر گُزر گئی۔ بے اِختیار جواد نے چہرہ پھیر کر اُس جانب دیکھا اور پھر سَر جھٹک کر اُسی رفتار سے بھاگتا ہوا مین

آفس آئیریا میں جانے کے بجائے تفتیشی کمرے کی جانب بڑھا اور دروازہ کُھلا دیکھ کر اُسکا رنگ فق ہوا۔ وہ تو سب کو بڑی مُشکل سے گھیر گھار کر یہاں سے لے کر گیا تھا۔ تیز قدموں سے وہ جیسے ہی اندر آیا، سامنے ششدر، آنکھیں پھیلائے کھڑی میزاب کو دیکھ کر ٹھٹکا۔

"عباس!" اُسے چھوڑ کر وہ پیچھے دروازہ بند کر کے تیر کی سی تیزی کے ساتھ عباس تک آتے ہوئے میزاب کو اُس عجیب سی کیفیت سے نکال گیا۔

"اَب بس کرو۔" جواد نے اُسے شانے سے پکڑ کر پیچھے کرنا چاہا مگر وہ عباس تھا۔

"یار! ہوش کے ناخن لو۔" اُس نے پوری قوت سے اُسے اپنی جانب کھینچنا چاہا مگر عباس کی سماعتوں سے اِس گھٹیا اور رذیل ترین شخص کے میزاب کے آنے سے پہلے کہے جانے والے الفاظ نہیں گئے تھے تبھی اُسکا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ اُسکا قتل کر دیتا۔

"پاگل ہو گئے ہو کیا؟" اُسکو چُھڑوانے کی کوشش میں ہلکان ہوتے جواد نے چیخ کر اُسکو کھینچا۔

"ہاں! ہو گیا ہوں پاگل۔ میں اِس کمینے کا قتل کر دوں گا۔" وہ پوری قوت سے چیخ کر دَر و بام ہلا گیا۔ میزاب نے نمناک ہوتی آنکھوں اور لرزتے دِل سے اُسکے ہاتھوں پر جمے خُون کو دیکھا۔ یقیناً اُس نے اچھی خاصی دُھلائی بھی کی ہو گی مگر اُسکا دائیاں ہاتھ شدید زخمی تھا۔ اُس نے سُکڑ کر پھیلتے دِل سے دیوار کے ساتھ لگے ٹیبل کو دیکھا جو کہ پہلے شیشے کا تھا اور یقیناً اُسے عباس جان نِثار نے اپنے ہاتھ سے توڑ کر سائیڈ پر دھکیلا تھا اور اُسکے بعد ہی مُدثر کا بُرا وقت شروع ہوا تھا۔ اُس نے کچھ تو ضرور کہا تھا عباس سے ورنہ عباس اِیسا نہیں ہو سکتا۔ واپس سُرمئی آنکھیں نیم بے ہوش ہو کر گھٹا گھٹا سِسکتے مُدثر کے زخموں اور نیلاہٹ سے چُور چہرے تک گئی اور قبل اِسکے عباس دوبارہ اُس پر

ہاتھ اُٹھاتا۔ بھاگ کر آتی میزاب نے ایک ہاتھ اُسکے گرد مضبوطی سے لپیٹ کر سَر اُسکی پُشت سے ٹِکا کے عباس جان نِثار کی ہستی کو مُنجمند کر کے ساکن کر دیا۔ اُٹھا ہاتھ بے دَم ہو کر پہلو میں آ گِرا۔

"جان نِثار! میں جانتی ہوں تم نے پہل نہیں کی مگر پھر بھی جانے دو۔" آنکھیں سختی سے میچتے ہوئے وہ دوسرے ہاتھ سے اُسکی پُشت تھپک رہی تھی۔ عباس جان نِثار کا سارا طیش سمندر کے جھاگ کی طرح بیٹھنے لگا۔

"تم اِن بے حس اور ظالم لوگوں جیسے نہیں ہو۔" اُسکی نرم تھپک لاوے کی مانند دوڑتے لہو کی تقویت کا موجب بَن رہی تھی۔ اُسکے چہرے کی سُرخی تیزی سے چھَٹنے لگی۔ جواد اپنے دوست کو دیکھ کر رہ گیا جِس کے نرم ہوتے تاثرات نے نرمی میں موم کو بھی مات دے دی تھی۔

"مِس۔۔۔۔" جواد کو عقب سے آتی آواز نے چونکایا۔ عُجلت سے دروازہ بند کر کے اُس نے تیزی سے پیچھے ہوتی کائنات کو جِس سختی سے گھور کر دیکھا اُس پر وہ نا سمجھی سے اُسے دیکھنے لگی۔

"راستے سے ہٹیں۔" وہ جب اُسکی سائیڈ سے گزرنے لگی، جواد اُسی تیزی سے اُسکے سامنے آیا تبھی کائنات کو تنک کر کہنا پڑا۔

"مُجھے آپ کے راستے میں آنے کا کوئی شوق نہیں مگر آپکو اپنے دوست کی لائف میں تھرڈ وہیل نہیں بننے دے سکتا۔" اُس کا لہجہ کائنات سے بھی زیادہ جُھنجُھلاہٹ کا شکار تھا۔

"کیا فضول ہانک رہے ہیں؟" وہ کائنات صادق ہی کیا جو اجنبیوں سے آرام سے بات کر لے۔

"آپ کی میم ابھی مصروف ہیں۔ یہ فائل اُنکو دینی ہے تو لائیں مجُھے۔۔۔۔" جواد کا جملہ مکمل نہیں ہو سکا کیونکہ اُسکے فائل لیتے ہاتھ کی پُہنچ سے بڑی تیزی کے ساتھ فائل پیچھے کی گئی۔

"میں خود اپنی میم کو دے دو گی۔"کائنات صادق کا اعتماد دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا اور جواد اَرمغان دیکھ کر رہ گیا۔

"میں آپکی مِس کے شوہر کا دوست ہوں۔ میں یہ اُن تک پُہنچا دوں گا۔" وہ دوبارہ سے کمرے میں جانے لگی تو جواد کو تحمل سے کہنا پڑا۔

"بھئی! اِتنی دُور کی رشتے داری پہ مُجھے بالکل بھروسہ نہیں۔"اُسکی اگلی بات پر جواد نے بڑے ضبط سے گردن کی پُشت پر ہاتھ پھیرا۔

"آپ خود دے لینا مگر بعد میں۔ ابھی یہاں سے چلتے ہیں۔"اُسے معلوم تھا کہ یہ مُحترمہ ماننے والی نہیں تھیں۔

"ٹھیک ہے! لیکن آپکو فائل نہیں دوں گی۔"کچھ نہ کچھ سمجھتے ہوئے وہ دو قدم پیچھے ہونے سے قبل اپنی اُنگلی اُٹھ کر وارن کرنا نہیں بُھولی۔

"مُجھے فائل چاہیئے بھی نہ، مُحترمہ۔"اُس نے جِس طرح جُھنجھُلاہٹ سے کہا، کائنات کو ٹھہر کر اُس کے تاثرات دیکھنے پڑے۔

"میرے خیال سے آپ کو میری باتیں بُری لگی ہیں۔ بہت معذرت مگر میں اجنبی لوگوں سے اِیسے ہی بات کرتی ہوں۔"کائنات کو سنجیدہ ہونا پڑا جبکہ جواد نے چونک کر اُسے بغور دیکھا۔

"میں اجنبی نہیں ہوں۔"نہ جانے کیوں وہ خود کو اِس وضاحت سے روک نہیں سکا۔ کائنات نے بے طرح حیرانگی سے اُسے دیکھا جو کہہ کر اُسکی طرح ہی حیران ہو رہا تھا۔

"میرا مطلب ہے پولیس والے اپنے شہریوں کے لیئے اجنبی نہیں ہوتے۔"اُسکی وضاحت پر کائنات نے سمجھ کر سَر ہلایا اور چلنے لگی تو جواد کو بھی ایک آخری نظر بند دروازے پر ڈال کے اُسکے ہمقدم ہونا پڑا۔

"بات تو آپکی ٹھیک ہے مگر یہ اِدارہ عوام میں کچھ خاص مقبولیت نہیں رکھتا۔" اُس نے یونہی اپنے برابر چلتے شخص کی معلومات میں گویا اِضافہ کرنا چاہا جبکہ جواد اُسکے انداز پر نا چاہتے ہوئے بھی مُسکرا دیا۔

"کیا کریں! لوگوں میں مقبولیت نہ ہونے کے باعث کسی نیک کام کو چھوڑا تو نہیں جا سکتا۔ لوگوں کو تحفظ کسی نے تو دینا ہے تو گُمنام ہو کر ہی سہی۔" اُسکی اگلی بات پر بے اِختیار کائنات نے چہرہ پھیر کر اُسے دیکھا جو طویل راہداری میں چلتے ہوئے عین سامنے دیکھ رہا تھا۔ اُسکی وہ مدہم مُسکراہٹ پہلی بار کائنات صادق جیسی اپنی کام سے کام رکھنے والی عورت کی توجہ کھینچنے میں کامیاب ہوئی۔

"آپ نے بہت پیاری بات کہی ہے۔" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد مُسکراتی بات پر جواد نے بھی اُسی لمحے چہرہ پھیرا۔ طویل راہداری کا اِختتام ہونے والا تھا اور سامنے کی دیوار پر موجود کھڑکی سے چھَن کر آتی روشنی ایک دوسرے کو خاموش مگر نا سمجھی سے دیکھتے نفوس کی آنکھوں سے ٹکرا کر سارے میں مُنعکس ہونے لگی۔ اُس ایک ٹھہرتے پَل میں جواد اَرمغان کو، اپنے جگری یار، عباس جان نِثار کی پُر مزاح بد دُعا بہت شِدت سے یوں یاد آئی کہ دِل پوری قوت سے سُکڑ کر پھیلا۔ اُس پر گُزرتی حالت سے بے خبر کائنات صادق نے نظریں پھیر لیں۔

"آپ اچھے اِنسان لگ رہے ہیں اِس لیئے یہ فائل آپ کو دے رہی ہوں۔" مُسکراتی کائنات نے اُسکے جانب وہ فائل بڑھائی جو اُسکے لیئے قیمتی تھی۔ جواد نے اُنہی خاموش نظروں سے اُس روشنی میں چمک اُٹھتی فائل کو دیکھ کر پکڑانے والی کو دیکھا۔

"لے لیں۔ میں بہت کم کسی کو اچھا کہتی ہوں۔" اُسکے شریر انداز میں مہربانی تھی۔ جواد نے چونک اُٹھتے دِل کے ساتھ وہ فائل تھام کر اُن روشن آنکھوں کو دیکھا۔

"پھر تو یہ میرے لیئے اعزاز ہے۔ مجھے نوازنے کے لیئے شکریہ۔" اگر یہ کہا جائے کہ جواد ار مغان نے پہلی بار بے ساختہ کسی کو اِیسا کہا تھا تو یہ کہنا غلط نہیں ہو گا۔ اُسکے جملے میں کچھ اِیسا تھا کہ مُسکراتی کائنات مزید نہیں مُسکرا سکی۔ ناسمجھ، دھڑکتے دِل کے ساتھ وہ تیز قدموں سے واپس جارہی تھی اور اپنی عقب میں کسی کی ٹھہری نظروں کو محسوس کر کے اُسکے قدموں میں مزید روانی آنے لگی۔

✓ کیا ضروری ہے؟

کہ ہر روز ملیں، ہم دونوں

ہم جہاں گاؤں بسائیں

وہاں اِک جھیل بھی ہو؟

کیا ضروری ہے؟

مُحبت تیری 'تکمیل' بھی ہو؟

وہ کافی دیر تک یونہی عباس کی پُشت تھپکتی رہی۔ عباس نے اُسکا دائیاں بازو تھام کر پیچھے پلٹتے ہوئے اُسے دیکھا جو چہرہ جُھکائے آنسو صاف کر رہی تھی۔

"ایم سوری!" اُسکے مدہم لہجے پر سارا رونا بُھول کر میزاب نے چہرہ اُٹھا کر دیکھا اور وہ اُسے ویسی ہی نرمی سے دیکھ رہا تھا جس پر میزابِ رحمت نے اپنا دِل ہار دیا تھا۔

عباس نے بہت دلچسپی سے اُن آنکھوں میں خفگی اُترتے دیکھی۔

"چلو میرے ساتھ۔" اُسکا بازو تھامے وہ تیز قدموں سے دروزے تک آئی اور پھر عباس کے پیچھے دروازے کو لاک لگانے کے بعد اُسکو اپنے ساتھ گھسیٹ کر اُسی راہداری کی جانب لے جا رہی تھی جہاں عباس کا آفس تھا۔ عباس مُسکراتی نظروں سے اُس خفا چہرے کو تکے جا رہا تھا جس نے دوبارہ اُسے دیکھا تک نہیں اور اُسے پوری قوت سے کھینچ کر آفس لا کے ہی دَم لیا۔

"آپ کو کیسے معلوم کہ یہ میرا آفس ہے؟" صوفے کے ہتھے پر بیٹھتے عباس نے اُسے دیکھا جو دروازہ بند کر کے اِدھر اُدھر کچھ تلاش کرنے لگی تھی۔

"دراصل میں پڑھی لکھی نہیں ہوں تو کسی سے پوچھنا پڑا کہ جان نِثار صاف کا دفتر کہاں ہے۔" اُسکے میٹھے طنز پر عباس اپنی مُسکراہٹ نہیں روک سکا۔

"دوسرے دراز میں ہے فرسٹ ایڈ کِٹ۔" اپنے جواب پر اُسکو زور سے دراز بند کرتے دیکھ کر اُس نے مُسکراتے لہجے میں کہا جبکہ میزاب نے فرسٹ ایڈ کِٹ نکال کر اُسکو خفگی سے گھور کر دیکھا۔

"ہاں! تم پہلے اچھی طرح ہنستے رہو اور یہاں میرا دِل ابھی تک جگہ پر نہیں آ رہا۔" ٹیبل پر کِٹ زور سے رکھتے ہوئے اُس نے عباس کے اندر کا سارا موسم ہرا بھرا کر دیا۔

"کیوں؟ کیا ہوا؟" اُسکے سوال پر تو میزاب کا ضبط جواب دے گیا۔

"کتنے بے نیاز ہو تم، عباس جان نِثار۔" اُسکی خفا لہجے کی خفگی دِل گُداز کر دینے والی تھی۔

"میں نے کیا کر دیا؟" اُس نے اِیسی معصومیت سے پوچھنا چاہا کہ میزاب اُسے دیکھ کر رہ گئی۔

"تم۔۔۔اگر جو میں نے تمہارا وہ اِتنا شدید غصّہ نہ دیکھ رکھا ہوتا تب شاید تمہاری معصومیت پر ایمان لے لاتی۔" جُھنجھلا کر کہتے ہوئے اُس نے عباس کی مُسکراہٹ معدوم کر دی۔

"اِتنا غصّہ، اِس قدر طیش، مار پیٹ۔ جان نِثار! میں تو تمہیں بہتے پانیوں کی طرح پُر سکوت سمجھتی تھی۔" اُسکی اُداس سَرزنش پر عباس نے چہرہ جُھکا لیا۔ اُسے یاد تھا کہ میزاب رحمت نے اُسے بہت پہلے سمندر سے مِلا دیا تھا۔

"میں اُن لوگوں کو مزید برداشت نہیں کر سکتا۔" میزاب کو مضمحل سا صوفے پہ بیٹھ کر کِٹ سے چیزیں نکالتے دیکھ کر اُس نے چہرہ جُھکائے کہا۔

"تمہیں برداشت کرنے کو کوئی نہیں کہہ رہا مگر عقل و خِرد کو سائیڈ پر رکھ کر تم کیسے لڑائی جھگڑے میں کود سکتے ہو۔" اُس نے عباس کا ہاتھ تھام کر کہتے ہوئے اُس کو چونکنے پر مجبور کر دیا۔ وہ کچھ نا سمجھی سے میزاب کو اپنے ہاتھ کے زخم دیکھتے دیکھنے لگا۔ اُسکے چہرے کے تاثرات سے بہت تکلیف اور پریشانی نظر آ رہی تھی۔

"عشق تو آتشِ نمرود میں بے خطر ہی کود پڑتا ہے۔" اُسکی سرگوشی پر زخم کا جائزہ لیتی میزاب نے نگاہ اُٹھا کر اُسے دیکھا جو فرصت طلب توجہ سے اُسکی جانب ہی مائل تھا۔ میزاب اُن آنکھوں میں مُوجزن مُحبت کو گہرے اِضطراب سے دیکھتی رہی۔

"اور اگر میں بروقت تمہیں یہاں نہ گھسیٹ کر لے کے آتی تو آتشِ نمرود، عشق کو جَلا کر راکھ کر دیتی۔" اُسکا زخم ڈِس اِنفیکٹ کرتے ہوئے اُس نے جِس برجستگی سے کہا، عباس گردن پیچھے کو پھینکے، قہقہ لگانے پر مجبور ہو گیا۔

"یار! آپکو لگتا ہے آپ مُجھے یہاں گھسیٹ کر لائی ہیں؟" اُسکے دلچسپ سوال پر میزاب کی تیوری چڑھی۔ بینڈیج زور سے لگا کر اُس نے عباس کو کراہنے پر مجبور کر دیا۔

"تو اور کون لایا ہے؟" اُسکا سوال کڑا تھا۔ عباس نے بامُشکل مُسکراہٹ دبائی جو اُبل پڑنے کو بیتاب تھی۔

"آپ کے علاوہ کون لا سکتا ہے۔ آپ نے خود بُلایا ہے تو مجھے بھی آنا ہی تھا۔" اُسکی مُبہم بات بلا کی معنی خیز تھی۔ اُسکو خفگی سے گھورتی پلکیں لرز کر جھک گئیں۔

"شاعر سہی کہتا ہے :

✓ طور اور معراج کے قصّے سے معلوم ہوا

اپنا جانا اور ہے اور اُنکا بُلانا اور۔۔۔"

سِحر زدہ لہجے کے سِحر کا کہیں کوئی توڑ نہیں تھا۔ میزاب کے چہرے کا جِس تیزی سے رنگ بدلا، عباس کا دِل ٹھہر گیا۔ وہ آجکل بات بہ بات شعر کہہ کر دِل کے تار چھیڑنے لگا تھا مگر جانتا نہیں تھا۔

"آپ۔۔۔ کا چہرہ گُلاب رنگ ہو رہا ہے۔" اُس شوق مَند لہجے پر میزاب نے جھینپ کر اُسے خفگی سے دیکھ کر اُسکے دِل کے دھڑک اُٹھنے کے معنی بدل دیئے۔

"باتیں بنوالو تم سے بس۔" جھینپ مِٹانے کو کہہ کے اُسکے ہاتھ پر باندھی بینڈیج پر غیر اِرادتاً ہاتھ پھیرنے لگی۔

"باتیں نہیں بنا رہا۔" عباس کو دِل کے جذبوں کی نفی اچھی نہیں لگی۔

"میں تو تب ہی مانوں گی جب تم سُدھر و گے۔ جانتے بھی ہو اُسکے ماموں اور نانا کو معلوم ہوا تو کیا ہو گا؟" اُس فکر مَندی پر عباس کے اندر کشفت بھرنے لگی۔

"بس آپ اُن لوگوں کا ہی سوچتی رہیں۔ میں تو آپ کو نظر ہی نہیں آسکتا۔" اُسکے نَروٹھے شِکوے پر میزاب کی آنکھیں انوکھے انداز سے چمکنے لگیں۔

"نہ میں آپکو نظر آتا ہوں اور نہ ہی میری مُخلصی۔" وہ مزید خود ترس ہونے لگا تو میزاب کی گرفت اُسکے مرہم زدہ ہاتھ پر مضبوط ہوتے ہوئے عباس کو ساکن کر گئی۔

"اِیسا نہیں ہے، جان نِثار۔" وہ چہرہ جُھکائے اُسکے ہاتھ کی پٹی پر ہاتھ پھیرتی رہی۔

"یہ سب مَر جائیں، قتل ہو جائیں، میری بَلا سے۔ مجُھے صِرف تمہاری فکر ہے۔"

مُضطرب انداز کی بات دَھڑکن چُرا لینے والی تھی۔ عباس نے پھیلتی آنکھوں سے چہرہ جُھکا کر اُسے دیکھا جو کبھی اِیسا نہیں کہہ سکتی تھی۔ وہ دوسروں کے معاملے میں اِتنی نرم تھی تو یہ میزاب کا خاندان تھا جِس کے لیئے اُس نے خود کو رول دیا تھا۔ وہ اِتنی بڑی بات کر کے عباس کی ہستی جھنجھوڑ گئی تھی۔

"یہ سب لوگ بہت گھٹیا اور کمینے ہیں۔ آپ کچھ نہیں جانتیں۔" دِل کو ڈپٹ کر اُس نے اِیسی دِل گرفتگی سے کہا کہ میزاب کی آنکھیں نمکین ہونے لگیں۔ بے اِختیار اُس نے چہرہ اُٹھا کر عباس کو دیکھا جو اُن حسین ترین آنکھوں میں غم سِمٹتے دیکھ کر ساکن ہو گیا۔

"میں سب جانتی ہوں، جان نِثار۔ مجُھے ہر ایک بات کی خبر ہے مگر میں چُپ ہوں تو صِرف تمہارے لیئے۔" اُن آنکھوں سے آنسو موتیوں کی طرح ٹوٹ کر گِرنے لگے جبکہ عباس کو لگا اُسکا دِل دَھڑکنا بُھول چُکا ہے۔

"وہ تمہیں مُجھ سے چھین لیں گے۔ میں تمہارے بغیر کیسے رہ سکتی ہوں۔" اُن جھجھک کر لرزتی آنکھوں میں دیکھتے عباس کو لگنے لگا وہ آسمان کی وسعتوں کا مُسافر ہو گیا ہو۔

"تم میرا آخری، سب سے قیمتی اثاثہ ہو، جان نِثار۔ میں۔۔۔ تمہارے بغیر دو قدم نہیں چل سکتی۔"

لرز اُٹھتی آواز کے ساتھ اُسکی کانپتی گرفت عباس کے ہاتھ پر یوں مضبوط ہوئی جیسے اُسکے چِھن جانے کا خدشہ ہو۔

عباس جان نِثار ساکت و جامد اُس جُھکے چہرے کو پلکیں جھپکے بغیر دیکھ رہا تھا اور اُسے یہ اندازہ تھا کہ وہ کتنی دیر سے سانس روکے بیٹھا اُس چہرے اور اُن لرزتی آنکھوں کو دیکھنے میں مگن ہے۔

✓ اِیسے دیکھا کرتا تھا میں اُسکی جھیل سی آنکھیں

جیسے کوئی دیکھ رہا ہو پہلی بار سمندر۔۔۔

(رانا سعید دوشی)

"اِس سے آگے آپ نے کچھ کہا تو میرا تصور کہے گا کہ آپکو بھی مُجھ سے مُحبت ہے۔" اُس لرزتی گرفت میں مُقید اپنے ہاتھ کو ایک ناز سے دیکھ کر اُس نے اِیسے یقین سے کہا کہ میزاب کا دِل کانوں میں آکر دھڑک اُٹھا۔ بامُشکل نظر اُٹھا کر اُس شخص کو دیکھا جو دِل کو بہت پیارا تھا اور یہ بات آج کی نہیں تھی۔

"تمہارا تصور سچا ہے، جان نِثار۔" وہ لفظ ادا ہوئے بھی تو اِیسے کہ جان نِثار کی ساری ہستی اُس مضبوط گرفت میں سِمٹ آئی۔ اُسکا دِل اَب دھڑکنے لگا تھا۔ سانس اَب رواں ہوئی تھی اور جذبوں کو پذیرائی بھی اُسی خوبصورت، گہرے راز کی مانند پوشیدہ بات سے مِلی تھی۔

"میں اپنے تصور کی سچائی پر قربان۔" اپنا دوسرا آزاد ہاتھ اُس پید ہوتے ہاتھ پر رکھتے ہوئے اُس نے میزابِ رحمت کو اُس چمن میں دھکیل دیا جہاں بہار اپنے پورے زوروں پر تھی۔ بے ساختہ ہنستے ہوئے میزاب نے آگے کو ہو کر اُسکے شانے پر اپنا ماتھا ٹِکا لیا۔

وہ گُلاب جو میزاب کو دیئے گئے تھے اُنکی مہک اور رنگت اُس پر اُترتے دیکھ کر عباس کو لگا یہی لمحہ زندگی کا حاصل ہے۔ اِسی لمحے میں زندگی کو جینے کے مقصد کا حوصلہ بڑھایا گیا تھا۔ اُسکی آنکھیں اُس دِل شکن چہرے کو دیکھ کر تھک نہیں رہی تھیں۔

کیا اِیسا خوبصورت، مسحور کر کے بھی چُھپ چُھپ جاتا اِظہار کہیں ہو سکتا تھا؟

✓ تُجھ پہ قربان میرے شانے، میرے ہاتھ اور میں

کیوں تھکائے گا بَھلا تیرا کوئی ناز مُجھے۔۔۔

(نعمان شفیق)

****

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔۔۔

السلام علیکم احباب۔۔۔۔"

"ناولز کی دنیا" کے ناولز میں خوش آمدید ۔۔۔۔

ناولز کی دنیا (NKD) کی جانب سے ناولز کو بغیر کسی غلطی کے آپ تک پہچانے کی کوشش کی گئ۔ اگر کوئی غلطی اس میں ملتی ہے تو اسے محض اتفاق سمجھا جائے۔ کیونکہ ناول کو پورا پروف ریڈ کر کے ہی پبلش کیا جاتا ہے چُوک ہونا محض اتفاق ہوگا۔۔

نئے اور مختلف لکھنے والوں کے لیے "ناولز کی دنیا" ویب سائیٹ / گروپ / پیج / یوٹیوب چینل دے رہا ہے تمام لکھاریوں کو ایک ایسا پلیٹ فارم جہاں آپ اپنی خدا داد صلاحیتوں کو اپنے قلم سے تحریر کر کے اپنا اور اپنے ملک کا نام روشن کرسکتے ہیں ۔۔۔ اگر آپ کو بھی اللہ کی طرف سے یہ صلاحیت دی گئی ہے تو اسے اجاگر ضرور کریں ۔۔۔ ہمیں آپ جیسے ہی لکھاریوں کی تلاش اور ضرورت ہے۔۔۔

اگر آپ ہمارے بلاگز پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، آرٹیکل یا شاعری پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو ہم سے رابطہ کریں ۔۔ اپنی تحریر اردو میں ٹائپ کر کے ہمیں بھیجیں۔ جتنا جلدی ہوسکا آپکی تحریر پوسٹ ہوجائے گی ۔۔۔

مزید تفصیلات یا کسی بھی طرح کی مدد کے لیئے ہم سے گروپ یا پیج انباکس میں رابطہ کریں یا ای میل پر ہم سے رابطہ کرسکتے ہیں۔۔

Email address :- Novelskiduniya77@gmail.com

Facebook page :- Novels ki duniya

(user name @zoyatalib77)

Facebook group :- Novels ki duniya

Instagram Page:- Nkd (ZT) (UserName: Novelskiduniya77)

Youtube Channel: Novels Ki Dunya (NKD) Official

(پر خیال رہے کہ یہ گروپ زویا طالب کا ہی ہو) اور باقی کے رابطے کے لیئے ہر پیج کے نیچے **Blue** الفاظ میں لکھے لفظ میں آپکو لنکس مل جائے گے شکریہ۔۔۔۔۔

"بندہ جان سے بھی جا سکتا ہے۔" جب ہنسی تھمنے کے بعد بھی کافی دیر خاموشی کے ساتھ وہ اُسکے بازو سے پیشانی ٹِکائے بیٹھی رہی تو عباس کو آہستگی سے کہنا پڑا حالانکہ کہنا نہیں چاہتا تھا، اِن لمحوں کو اپنے پاس روکے رکھنا چاہتا تھا مگر اصل بات یہ تھی کہ ابھی میزاب کو تحفظ اور مان دینا تھا۔ اُن لوگوں کے چُنگل سے رہا کروا کر ایک بہترین، پُر سکون اور محبت بَھرا ماحول فراہم کرنا تھا۔

"بدتمیز!" رُکتی دَھڑکن کے ساتھ پیچھے ہوتے ہوئے اُس نے عباس کے بازو پر خفگی سے تھپڑ مارا۔

"چیخنا مت۔ آہستہ مارا ہے۔" وہ جو اُسکے گلاب چہرے کو دیکھتے ہوئے کراہنے کی اداکاری کر کے اُسکی توجہ چاہنے لگا تھا، اپنا سا مُنہ لے کر رہ گیا۔

"بہت ظالم ہیں آپ۔" اُسکی نرالی بات پر میزاب نے تحیر سے اُسکو دیکھا۔

"ابھی بھی میں ظالم ہوں؟" اُسکے سوال پوچھتے انداز پر عباس نے بغور مُسکراتے چہرے سے اُن خفا آنکھوں میں دیکھا جو اُسے اپنے الفاظ واپس لینے کا حکم صادر کر رہی تھیں۔

"میں قربان! آپ کیسے ہو سکتی ہیں؟" اور اُس نے بھی بہت خُوش اسلوبی سے اپنا بیان بدل ڈالا۔ میزابِ رحمت کی ٹھہری دَھڑکن مکمل خوشدلی سے رواں ہونے ہی لگی تبھی سٹپٹا کر اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی اور عین اُسی لمحے عباس نے اُسکی کلائی تھام لی۔ خُوش دل دھڑکن ایک ناز سے جھٹکا کھا کر تھم گئی۔ لرزتی سُرمئی آنکھیں جُھک کر اپنے ہاتھ کو تھامے اُس سفید پٹی والے ہاتھ تک گئیں اور پھِر وہاں سے اُوپر کو اُٹھ کر اُسکے متوجہ، دھڑکن چُراتے چہرے تک۔ پہلی بار اُسکو اُن آنکھوں میں دیکھنے میں دُشواری کا سامنا کرنا پڑا۔ عباس نے چمکتی آنکھوں سے اُن جِھجک کر جُھکتی پلکوں کو دیکھا۔

"یہاں سے کہیں مت جائیں۔" اُس مدہم سرگوشی پر کائنات کی ہر نقل و حرکت تھم گئی۔ اِس بار میزابِ رحمت اپنے چہرے کے بدلتے رنگ سے بخوبی واقف تھی۔ بے اِختیار جھجھکتی نظر اُس کی جانب اُٹھائی جو دِل و جان کی آمدگی سے مائل بہ کرم تھا۔

"میرے سارے کام کون کرے گا؟" وہ زیادہ دیر تک اُن نگاہوں میں نہیں دیکھ سکی۔

"میں ہوں نہ۔ میں آپکے لیئے سب سنبھال لوں گا۔ مُجھے بتائیں! میں آپکا ہر کام کرنے کو تیار ہوں۔" اُسکے لہجے کی مُخلصی پر میزاب کو لگا اُسکے دِل کے زخم رفو پانے لگے ہیں۔

"تم میرے سب کام کرو گے؟" وہ واقعی یقین چاہتی تھی۔

"آزمائش شرط ہے اور اُسکے ساتھ ایک اور شرط بھی ہے۔" اُسکے انداز میں کچھ اِیسا تھا کہ میزابِ رحمت زندگی میں پہلی بار کِھلکھلا کر ہنستی چلی گئی۔ سانس کیسے رُک جاتی ہے اِسکا اِدراک عباس جان نِثار کو اُسی ایک لمحے میں ہوا اور یہ کیسی نااِنصافی تھی کہ وقت یہیں ٹھہر جانے کے بجائے اپنی رفتار سے چل رہا تھا۔

"کیا شرط ہے، بتاؤ؟" اُس پر طاری کیفیت سے بے خبر ہنسی تھمنے کے بعد پوچھتے سوال میں بھی ہنسی کی آمیزش تھی۔ عباس جان نِثار کو زندگی پر آج سے پہلے کبھی اِیسا پیار نہیں آیا۔

"آپ میرے پاس رہ جائیں۔" اُس کلائی کو نرمی سے جھٹک کر اپنی جانب کھینچتے ہوئے اُس نے بڑی دِل رُبا گُزارش کی اور اُس گُزارش پر دِل کے سارے جذبے وارے جاسکتے تھے۔ محبوب کہے رُک جاؤ تو مُحبت کے قدم کیسے نہ زنجیر ہو جائیں۔

"تمہارے پاس رہ کر میں نے ساری زندگی گزارنی ہے، جان نِثار مگر اِس ایک دِن میں مُجھے اپنے کچھ حساب چُکتا کرنے ہیں۔" میزابِ رحمت سے اِیسا سُننا عباس جان نِثار کے لیئے گویا ایک بے یقین ساخواب تھا تبھی آنکھیں پھیلائے اُسکو دیکھنے لگا جو جُھک کر اُسکا ہاتھ نرمی سے تھپک رہی تھی۔

"میں آپ کے حساب کتاب کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتا۔ میں آپ کے ساتھ کھڑا ہونا چاہتا ہوں۔ آپ سب کچھ میں مُجھے بھی شریک کرلیں۔" میزاب نے کچھ نا سمجھی سے اُسکی گُزارش دیکھی۔ وہ تو سمجھی تھی کہ عباس یونہی اُسکو ڈھارس دینے کے لیئے کہہ رہا ہے مگر وہ سنجیدہ تھا۔

"میں اپنی اور آپ کی حفاظت کر سکتا ہوں۔" اُسکو تفکر سے کسی سوچ میں گُم ہوتے دیکھ کر عباس نے اُسکا دھیان اپنی جانب لگایا۔ وہ اِیسا سوچتی رہی تو کبھی بھی عباس تک نہیں آئے گی اور نہ اُسے خود تک آنے دے گی اِسی لیئے اِس مرحلے پر آکر وہ مزید نہیں سہہ سکتا تھا۔

"میں جانتی ہوں، جان نِثار لیکن میرے مُقابل کم ظرف لوگ ہیں جو مارنے سے بھی نہیں چُوکتے اور تم۔۔۔" سوگواری سے کہتے کہتے اُس نے اپنا ہاتھ عباس کے ہاتھ سے ہٹا کر چُھڑواتے ہوئے اُسکی ہستی مُنجمند کر دی۔

"آپ ظالم نہیں ہیں اِس لیئے یہ ظُلم مت کریں۔" وہ اُسی تیزی سے اپنی جگہ سے اُٹھ کر اُسکے رُوبرُو کھڑا ہوا۔ پیچھے ہوتی میزاب کو نگاہ چُرانی پڑی۔

"تم نے مُجھے آج ڈرا کر رکھ دیا ہے۔ میں یہ سب دوبارہ نہیں دیکھنا چاہتی۔" اُسکی دوزیدہ نگاہ عباس کے پٹی زدہ ہاتھ پر تھی۔ عباس نے اُسکی نگاہوں کا مرکز دیکھ کر گہرا سانس لیا اور پھر اُسی ہاتھ کو آگے بڑھا کر ٹھوڑی سے تھامتے ہوئے اُسکا چہرہ، وہ نگاہیں اپنی جانب کیں۔ چند پل تک اُسے اُس چہرے سے نگاہ ہٹانے میں دُشواری کا سامنا کرنا پڑا۔ عباس جان نِثار اپنی بات تک بُھول گیا۔ سُرمئی آنکھیں اُٹھ کر شہد رنگین آنکھوں سے ٹکرا کے پھیل کر وہاں دیکھنے لگیں جہاں مُحبت کا ایک جہاں آباد تھا۔

"وہاں کے بجائے یہاں، میری طرف دیکھتی رہیں۔" اُس اگلی بات پر میزاب بے ساختہ جھینپ گئی۔ وہ اُسکی بات کا مفہوم سمجھ گئی تھی۔ یعنی وہ اُسے اپنے ہاتھ کے زخم کے بجائے چہرے پر نگاہ جمانے کو کہہ رہا تھا۔

"اِس سے کیا ہو گا؟" نظریں پھر سے اپنے چہرے کو تھام رکھے زخمی ہاتھ تک جا کر ٹھہرا لی گئی۔

"میں اپنے ذاتی تجربے سے بتا رہا ہوں کہ اِس طرح دُنیا بہت خوبصورت لگتی ہے۔" اُس اگلی بات میں کچھ اِیسا تھا کہ سُرمئی آنکھیں بے اِختیار اُس شوق مند چہرے تک گئیں۔ وہ بہت دلچسپی سے اُسکے تاثرات دیکھ رہا تھا۔

"عربی کہاوت ہے کہ بعض چہرے آنکھوں کا رزق ہوتے ہیں۔ میں آپکو دیکھتا ہوں تو اِس کہاوت پر ایمان لے آتا ہوں۔" عباس جان نِثار کو میزابِ رحمت کے جذبوں کی بھنک پڑ گئی تھی اور اُسے اَب مُحبت کے کُھلے اِظہار سے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ میزاب نے گھبرا کر اُسکا ہاتھ ہٹانا چاہا مگر عباس نے اُسی تیزی سے اُسکا مزاحمت کو تیار ہاتھ تھام لیا۔

"مُجھے اپنے سے غافل مت سمجھیں، باس لیڈی۔ میری ساری حسیات اور توجہ آپ پر ہوتی ہے۔" وہ جو اُس بات پر بس کہیں چُھپ جانے کو تھی **'باس لیڈی'** کی پُکار پر دونوں ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپ کر بے ساختہ ہنس پڑی۔ ٹھوڑی کو تھام رکھا ہاتھ پہلو میں آ گرا۔ وہ سانس روکے، ٹھہرتی آنکھ کی پُتلیوں سے اُسے دیکھ رہا تھا جس کو دِل چُرانے کے ہر فن پر مکمل دسترس حاصل تھی۔

"آپ۔۔۔ مُجھ سے شرما رہی ہیں؟" جب کافی دیر بعد وہ خود کو سنبھال چُکا تو شریر لہجے میں پوچھتے ہوئے میزاب کو پیچھے قدم لینے پر مجبور کر دیا۔

"جی نہیں!" قبل اِسکے وہ مزید پیچھے سِرکتی، عباس نے اُسے دونوں شانوں سے تھامتے ہوئے اُسکی مزید پیچھے ہونے کی کوشش ناکام بنا دی۔ جھٹکا کھا کے بوکھلا کر میزاب نے چہرے سے ہاتھ ہٹا کر اُسے دیکھا جس کی آنکھوں میں مُحبت جگنو بَن کر اُتر آئی تھی۔

"اَب آپ مُجھ سے مزید بھاگ نہیں سکتیں، میزابِ رحمت عباس۔" اُسکی نرم گرفت سے زیادہ نرمی اُسکے لہجے اور آنکھوں میں تھی۔ میزابِ رحمت کا دِل اُسکی پُکار، اُس حکم صادر کر کے بھی قربان جاتے انداز پر قربان ہو گیا۔

✓"وہ اِک لمحہ جو تیرے قُرب کی خُوشبُو سے ہے روشن

اَب اُس لمحے کو پابندِ سَلاسِل چاہتا ہوں میں۔"

جِس مُسکراتے، دِل نشین انداز میں شعر پڑھا گیا، میزابِ رحمت نے دھڑکنوں سے خائف ہو کر عباس کے شانے میں چہرہ چُھپا لیا۔

"پھر سے شعر۔ تم کب سے شاعر ہو گئے؟" اپنے شانوں پر موجود گرفت کو جھٹکے بغیر یونہی چہرہ چھپائے اُس نے آہستگی سے پوچھتے ہوئے ساکت وجامد رہ جاتے عباس کے وجود میں رُوح واپس پھُونک دی۔

"یہ عشرت ظفر کا شعر ہے، میرا نہیں۔ میں آپ کی مُحبت میں شعر تو نہیں ہاں دیوان ضرور لکھ سکتا ہوں۔" اُسکی بات کچھ اِیسی تھی کہ میزاب ہونٹوں پر دَر آتی مُسکراہٹ نہیں روک سکی۔ پٹی والا ہاتھ پھیلاتے عباس نے چہرہ ذرا کی ذرا جُھکا کر اُسے مُسکراتے دیکھ کر خود کو بھی زندگی سے بھرپور مُسکراتے پایا۔ میزابِ رحمت جانا بُھول گئی تھی تو عباس جان نِثار کو بھی اُسے یاد دِلانے کی کوئی عُجلت نہیں تھی۔

✓اک شخص ہی کافی ہے ہمیں سارے جہاں میں

اِک پھول نے بَھر رکھا ہے گُلدان ہمارا۔۔

(روشان الحق)

"کھوئے کھوئے سے ہمارے یار کیوں نظر آرہے ہیں؟" دھپ سے اُسکے برابر بیٹھتے شُجاعت نے پوچھتے ہوئے جواد کو چونکا دیا۔

"مت تنگ کرو، یار۔ سخت اُلجھن میں ہوں۔" اُسکی بات پر شُجاعت نے کسی قدر چونک کر اُسے دیکھا۔

"کیسی اُلجھن؟" سوال پر جواد نے بے ساختہ سَر جھٹکا۔

"اُلجھن کا سِرا ہی تو ہاتھ نہیں آرہا۔" جواد کے چہرے سے ہی پریشانی اور نا سمجھی صاف پڑھی جاسکتی تھی۔

"پھر بھی کیا ہوا ہے ؟ اور عباس بھائی کہاں ہیں ؟؟" اُس نے اِرد گرد نگاہ دوڑا کر عباس کو نہ پا کر اُسی سے پوچھا جو نہ جانے کِس اُلجھن میں تھا۔

"میرے قابو میں نہیں آ رہا تھا تمہارا بھائی اور اپنی بیوی کو دیکھ کر اِیسے جھاگ کی طرح بیٹھا ہے، میسنا۔" اُسکے نخوت سے کہے جانے پر شُجاعت نے مُسکراہٹ دبائی۔

"تو اِس لیئے پہلی بیوی ناراض ہوئی بیٹھی ہیں۔" شُجاعت کے شریر لہجے پر جواد نے اُسے گھور کر دیکھا۔

"تمہارے بھائی کے نِکاح سے پہلے ہی میں اُسے طلاق دے چُکا ہوں۔" شُجاعت نے اُسکے انداز پر قہقہہ لگایا۔

"طلاق نہیں خُلع۔" اُسکی دُرستگی پر جواد نے دانت پیس کر اُسے دیکھا۔

"یار پہلے ہی میرا دماغ خراب ہے۔ مت تنگ کرو۔" اُسکی جُھنجُھلاہٹ دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔

"واہ بھئی! سہی جا رہے ہیں آپ دونوں دوست۔ کبھی اُنکا مزاج ساتویں آسمان کو پُہنچ جاتا ہے تو کبھی آپ کا مُنہ سُوجھ جاتا ہے۔" شُجاعت کے طنز پر جواد نے اُسے آنکھیں دکھائیں اور تبھی اُسکی نظر سامنے سے آتے عباس اور میزاب پر پڑی۔ عباس چمکتی آنکھوں سے کچھ کہہ رہا تھا جبکہ میزاب مُسلسل مُسکراتے ہوئے اُسکو بڑی محویت سے دیکھ کر اُسکا بایاں بازو تھامے چل رہی تھی۔

"یہ شاہی جوڑا کہاں جا رہا ہے ؟" قبل اِسکے وہ یونہی ایک دوسرے میں مگن جواد اور شُجاعت کے پاس سے گُزرتے، شُجاعت نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر شوخی سے کہتے ہوئے اُن دونوں کو چونکا دیا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو، شُجاع ؟" میزاب نے حیرانگی سے اُسے دیکھا۔ یہ وقت اُسکی یونیورسٹی کا ہوتا ہے۔

"آج ایک ہی کلاس تھی تو عباس بھائی کے لیئے آگیا کہ کئی دِن سے جلتے توے پہ بیٹھے سب کو بھسم کر رہے تھے لیکن یہاں تو اُلٹی گنگا بہہ رہی ہے۔" اُسکی مُبالغہ آرائی پر جہاں عباس نے اُسے خفگی سے گھورا وہیں میزاب کی ہنسی بے ساختہ تھی۔

"یہ تو وہی بات ہو گئی کہ:

تمہیں خبر بھی نہیں ہے، پیارے!

اِدھر کہانی بدل گئی ہے۔"

جواد نے مدہم سا شعر پڑھتے ہوئے اُن تینوں کو اپنی جانب متوجہ کر لیا۔

"آپ کو کیا ہوا ہے؟" اُسکو اِتنا بےزار سا وہ پہلی بار دیکھ رہی تھی۔

"آہ! یہ لیں اپنی امانت۔" اُس نے سیاہ جِلد والی فائل اُٹھا کر میزاب کی طرف بڑھائی۔

"یہ آپ کے پاس کہاں سے آئی؟" میزاب کے تعجب سے پوچھے جانے پر جواد نے ایک اور گہرا سانس لیا۔ عباس نے بغور اُسکے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیا۔

"آپکی سیکٹری، مِس کائنات دے کر گئی ہیں۔ اُنکو بتا دینا امانت میں خیانت نہیں ہوئی۔" جواد کے جواب پر میزاب نے سمجھ کر سَر ہلایا۔

"ناکام عاشقوں کی طرح ٹھنڈی آہیں کیوں بھر رہا ہے؟" عباس کے سوال پر جواد نے کرنٹ کھا کر اُسے دیکھا۔

"استغفر اللہ! چین سے نہ بیٹھنے دینا مجھے۔" جواد نا معلوم اِتنا کیوں جُھنجھلایا ہوا تھا۔

"کیا ہوا ہے؟ لنچ سے پہلے تو ٹھیک ٹھاک چھوڑ کر گیا تھا۔" عباس کو واقعی تعجب ہوا قبل اِسکے جواد کچھ کہتا، میزاب کا سیل فون بج اُٹھا۔ عباس نے چونکتے ہوئے چہرہ پھیر کر اُسے دیکھا جو سیل فون کان سے لگا چکی تھی۔

"بہت بہت مُبارک ہو آپ کو۔ نہیں، نہیں! میں خود مُدثر کو لے کر آتی ہوں گھر۔" لمحے بھر کو وہ جس مصنوعی انداز سے مُسکرائی، عباس کو تشویش ہوئی جبکہ اُسکی اگلی بات پر جواد اور شُجاعت نے اُسکا چہرہ گہری سنجیدگی کی لپیٹ میں جاتا دیکھا۔

"سب ٹھیک ہے؟" عباس کو خاموش دیکھ کر جواد کو ہی اپنا مسئلہ بُھول کر پوچھنا پڑا۔

"مُدثر کی ٹیکس والے کیس میں ضمانت قبل اَز گرفتاری ہو گئی ہے اور۔۔۔" کہتے کہتے اُس نے برابر کھڑے سنجیدہ عباس کو دیکھا۔

"اور؟" شُجاعت کو بھی معاملے کی سنگینی کا اندازہ تھا۔

"اور مزید دوسرے کیس میں وارنٹ منسوخ ہو گیا ہے۔" اگلی بات پر عباس نے جبڑے بھینچ کر چہرے کا رُخ پھیر لیا جبکہ جواد نے تیزی سے کھڑے ہو کر اپنی جیب سے سیل فون نکالا جہاں پر اُسکو تھانے سے کالز آتی رہی تھیں۔

عباس دوسرے کیس سے اُسکی مُراد سمجھ گیا تھا۔ میزابِ رحمت کے قتل کی کوشش والے کیس میں وارنٹ منسوخ کر دیئے گئے تھے۔ اُسکی سوچوں کو پَرکھتی میزاب اُسکا لمحہ بہ لمحہ سُرخ ہوتا چہرہ دیکھنے لگی۔

"جان نِثار!" اُسکی سختی سے بند ہوتی مُٹھی کو میزاب نے آگے ہاتھ بڑھا کر آہستگی سے تھام کر اپنے ہاتھ میں لیا۔ اُسے یہ بھی یاد نہیں رہا کہ اُنکے ساتھ شُجاعت اور جواد کھڑے ہیں۔

"میں سب سنبھال لوں گی۔" اُسکی بات پر عباس نے چہرہ پھیر کر اُسے دیکھا جو بہت توجہ بَھرے تفکر سے اُسے دیکھ رہی تھی۔

"ساری زندگی آپ نے بہت سنبھال لیا۔ اَب مُجھے سنبھالنے دیں۔" اُسکی گرفت میں مُقید اپنے ہاتھ کو اُوپر کر کے نرمی سے اُسکا چہرہ تھپتھپاتے ہوئے اُس نے میزاب کا چہرہ پھر سے رنگین کر دیا اور اِتنے شدید طیش کے باوجود عباس نے خود کو مُسکراتے پایا۔

"میں آپکو گھر چھوڑ دیتا ہوں۔" وہ اُسکا وہی ہاتھ تھامے آگے جیسے ہی بڑھنے لگا، میزاب کی مزاحمت نے اُسے روک دیا۔

"میں ابھی قصرِ بزنجو جاؤں گی مُدثر کو لے کر۔" اُسکی بات پر عباس کی پیشانی پر بَل آئے۔ میزاب نے دیکھا وہ بڑی مُشکل سے اپنے چہرے کے بگڑنے کو تیار زاویے سنبھالے ہوئے تھا۔

"اُسکو کوئی اور لے جائے گا مگر آپ اُس گھر میں نہیں جائیں گی۔ وہ جگہ آپکے لائق نہیں ہے۔" میزاب کے چھُوڑنے کو تیار ہاتھ پر اُس نے گرفت مضبوط کی۔

"میرا جانا ضروری ہے، جان نِثار۔ میں سب مینج کر سکتی ہوں۔" اُسکی تسلی پر بھی عباس کی تشفی نہیں ہوئی۔

"مُجھے وہاں کسی پر اعتبار نہیں۔" اُس کے لہجے اور آنکھوں میں واضح اِنکار تھا۔

"بہت کچھ اِیسا ہے جو میں وہاں جا کر ہی دیکھ سکتی ہوں۔ میرے کچھ ضروری کاغذات وہاں ہیں۔" اُسکی اگلی جھجھکتی بات پر بھی عباس نے اُسکا ہاتھ نہیں چھوڑا۔

"ٹھیک ہے! میں باہر اِنتظار کر لوں گا۔ آپ جا کر۔۔۔" اُسکی بات پوری نہیں ہونے دی گئی۔

"تم میری بات نہیں سمجھ رہے۔" اُسکے خفا لہجے پر عباس نے جہاں سنجیدگی سے اُسے دیکھا وہیں شُجاعت اور جواد کبھی ایک دوسرے کو دیکھتے، کبھی اُن دونوں کو۔

"میں آپکی بات سمجھ رہا ہوں مگر آپ بھی میری بات اچھی طرح سمجھ جائیں کہ میں آپ کو اُن سب کے بیچ نہیں جانے دوں گا۔" اُسکی مضبوط ہوتی گرفت پر میزاب نے چونک کر اُن غصیلی نگاہوں میں حیرانگی سے جھانکا۔

"وہاں تمہارا جانا حالات خراب کر سکتا ہے۔ مُدثر کا جو حشر تم نے کیا ہے اُسکے بعد مُجھے بہت خدشات ہیں۔" وہ اپنی بات چاہ کر بھی سہی نہیں کہہ پا رہی تھی۔ عباس چند پل اُسکے چہرے کے مُضطرب تاثرات دیکھتا رہا۔

"کیسے کاغذات لینے ہیں؟" اُسکے اگلے سوال پر میزاب نے نگاہیں چُرا لی۔ وہ عباس کو یہ بھی بتا کر مُشکل میں نہیں ڈال سکتی تھیں۔

"کچھ ضروری پراپرٹی کے ہیں۔" عباس نے بغور اُسکے آواز کا اُتار محسوس کیا اور قبل اِسکے کچھ کہتا تبھی میزاب کی نگاہ مین لوہے کے دروازے سے اندر آتے کاشف بزنجو اور وکیل تک گئی اور اُس نے جس تیزی سے عباس سے ہاتھ چُھڑوایا وہ نہ جھٹکا کھاتے عباس سے پوشیدہ رہا اور نہ ٹھٹک کر ٹھہر جاتے کاشف بزنجو سے۔ میزاب اُنکی کاٹ دار نظروں کو عباس پر جمے دیکھ کر تیز قدموں سے اُن تک بڑھی جبکہ عباس تحیر زدہ، ٹھہرتے دِل سے خود سے دُور جاتی میزاب رحمت کو دیکھنے لگا۔ جواد نے شُجاعت کو شانہ مارا اور پھر وہ دونوں نا محسوس انداز میں کِھسک لیئے۔ وہ عباس کو جانتے تھے۔ میزاب کا دُور جانا اُسکے لیئے کتنا بڑا اِمتحان ہوتا ہے اِس لیئے اُسے شرمندگی کا شِکار نہیں کرنا چاہتے تھے۔

"چاچو! میں مُدثر کو لے کر ہی آنے لگی تھی۔" مُدثر بزنجو کو اپنی جانب متوجہ کر کے اُس نے آہستگی سے کہا۔

"میں خود اپنے بھانجے کو لینے آیا ہوں اور تم کورٹ جاؤ۔ گلریز کالونی والی زمین کی سماعت ہے اور تمہیں وہاں جانا چاہیئے۔" میزاب نے اپنے چہرے پر تفکر کو پھیلنے سے بڑی خُوش اسلوبی سے بچایا۔ وہ اپنی پُشت پر عباس کی بے یقین نظریں محسوس کر سکتی تھی۔ ابھی کچھ دیر پہلے کا مُحبت بَھرا، دِل کو تقویت پُہنچاتے وقت کی میعاد اِتنی ہی تھی۔ اِسی لمحے سے تو میزابِ رحمت دامن بچاتی آرہی تھی۔

"ٹھیک ہے!" کہہ کر بغیر پلٹے وہ لوہے کا دروازہ تیز قدموں سے پار کر گئی۔ اُسے کچھ کرنا تھا۔ ابھی جاکر کاشف بزنجو اپنے بھانجے کی حالت دیکھ کر سارا نظام تلپٹ کر سکتے تھے۔ اِیسا نہیں تھا کہ اپنی پریشانی اور بے چینی میں یہ بات بُھلا بیٹھی تھی کہ کاشف بزنجو کو تو اِینٹی نارکو ٹیکس والے لے کر گئے تھے۔ اُسے اِس کا جواب معلوم تھا۔ ہاشم بزنجو فارم میں آچُکے تھے۔ اُنہوں نے اِتنے عرصے کی کنارہ کشی کو اپنے وارثوں کو بچانے اور بچائے رکھنے کے لیئے ختم کر دی تھی۔ اُنکے ریسورسز اور کنیکشنز سے پاکستان میں کون نہیں واقف تھا۔ اُنہیں ٹیڑھی اُنگلی سے گھی نکالنا آتا تھا سو یقیناً اُنہوں نے ہی کچھ کیا تھا۔ میزاب کو اچھی طرح معلوم تھا کہ اِینٹی نارکو ٹکس کا ڈائریکٹر، ہاشم بزنجو کا ہی لگایا ہوا تھا۔

اپنی گاڑی میں بیٹھ کر اُس نے تیزی سے کسی کو کال مِلا کر سیل فون کان سے لگایا۔

"میرے خیال سے ہمیں سب سے پہلے اژدھے کا سَر کُچلنا ہو گا۔" دوسری جانب موجود احتساب سَنجرانی اپنی جگہ سے فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"یعنی ڈائیریکٹ حملہ؟" وہ جیسے تصدیق چاہ رہے تھے۔

"جب تک ہاشم بزنجو کو روکا نہیں جائے گا۔ مُدثر اور کاشف بزنجو کو کوئی نہیں روک سکتا۔" اُسکی سنجیدگی پر احتساب سَنجرانی نے اثبات میں سَر ہلایا۔

"ٹھیک ہے! میں دیکھتا ہوں۔ تم بس وہ ڈاکیومنٹ لے کر میری طرف پُہنچنے کی کرو۔" میزاب نے اُنکی بات پر اثبات میں سَر ہلا کر کال مُنقطع کر کے گاڑی تیزی کے ساتھ وہاں سے نکالی۔

"جواد، پلیز! ایک فیور چاہیئے۔ جِتنا ہو سکے مُدثر اور اُسکے ماموں کو روک کر رکھنا اور آدھے گھنٹے تک جانے دینا۔"
عباس کو پیغام بھیج کر کسی مُشکل میں نہیں ڈالنا چاہتی تھی۔ تھی تو یہ خود غرضی مگر عباس کے معاملے میں اُسکا دِل بہت سے تحفظات اور اِضطراب کا شِکار تھا۔

اُسے جلد اَز جلد کاشف بزنجو کے پُہنچنے سے قبل وہ کاغذات نکالنے تھے کیونکہ مُدثر کی حالت دیکھنے کے بعد وہ میزاب کو ایک لمحے کے لیئے بھی قصرِ بزنجو میں برداشت نہیں کرنے والے تھے۔

وہ اپنی گاڑی بھگا کر نہیں اُڑا کر قصرِ بزنجو پُہنچی۔ ہارن بجاتے ہی دروازہ تیزی سے وَا ہونے پر اُس نے گاڑی اندر کھڑی کی اور پھِر اُتر کر تقریباً بھاگتے ہوئے ہال سے اندر داخل ہوئی۔ قبل اِسکے سیڑھیاں چڑھ کر اُسی تیزی سے اُوپر جاتی، عقب سے آتی پُکار پر اُسکا سانس رُک گیا۔ چہرہ پھیر کر اُس نے حیران کھڑے ہاشم بزنجو کو دیکھا۔

"اِتنی جلدی میں کہاں بھاگی جا رہی ہو؟" وہ فکرمندی سے جیسے ہی اُسکی جانب بڑھے، میزاب کو اپنے چہرے کے تاثرات سنبھال کر بہانہ تراشنا پڑا۔

"فیکٹری کے حالات خراب ہو گئے ہیں۔ ورکرز نے پھر سے ہڑتال کر دی ہے اور آپکو معلوم ہے کہ کتنے پروجیکٹ چل رہے ہیں۔" اُسکی بات پر ہاشم بزنجو کی قدرے مشکوک نظروں میں پریشانی لہرائی۔

"مجھے تو رمیز نے کوئی اطلاع نہیں دی۔" میزاب نے ایک نظر دیوار گیر گھڑی پر نگاہ ڈالی۔

"رمیز کی والدہ ہاسپٹل میں ہیں اور وہ وہیں ہے۔" شُکر ہے رمیز کی والدہ کی تیمارداری اُس نے کچھ دِن پہلے ہی کر لی تھی۔ یہ کام وہی کرتی تھی۔ قصرِ بزنجو میں سے کوئی بھی مُلازمین کی خُوشی اور غم میں شرکت کرنے کو مناسب نہیں سمجھتے تھے تبھی ہاشم بزنجو نے سمجھ کر سَر ہلایا۔

"میں اُوپر سے ٹیب لینے جا رہی تھی۔ اُس میں بونس اور نئے پیکجز کی فہرست تھی۔" وہ میزابِ رحمت تھی۔ مُشکل سے مُشکل حالات میں بھی دو جمع دو، چار کرنے والی۔ ہاشم بزنجو کی آنکھوں میں نرمی اُترتے دیکھ کر اُس نے گہرا سانس لیا۔

"میں کاشف کو۔۔۔" وہ جو کہنے والے تھے، یاد آنے پر ٹھہر گئے۔ کاشف بزنجو کو تو ابھی ضمانت پر رہا کروایا گیا تھا تو کیسے؟

"میں سب سنبھال لوں گی۔ آپ بے فکر رہیں۔" میزاب نے ہمیشہ والا جملہ دُہرا کر اُنکے کھچے اعصاب، پُرسکون کر دیئے۔

"تمہاری موجودگی میں فکر کیسے کر سکتا ہوں۔" میزاب نے اندر تک اُتر جاتی نظروں سے اُس چہرے پر چڑھا رکھے مکھوٹے کے پیچھے پنہاں اصل چہرہ دیکھا جو اُس سے اَب کبھی بھی نہیں چُھپ سکتا تھا۔

"میں نے آپ کو کبھی مایوس نہیں کیا ہے، دادا جان لیکن میں آج پھر بہت مایوس ہوئی ہوں۔ مُجھے بہت تکلیف ہوئی ہے۔ آپ سب تو میرے اپنے ہیں اور جب اپنے ہی جڑیں کاٹنے میں لگ جائیں تو درخت کیسے پَھل پُھول سکتا ہے؟" میزابِ رحمت کے لہجے میں کچھ اِیسا تھا کہ ہاشم بزنجو نے چونک کر اُسکے چہرے کے دُکھ بَھرے تاثرات

دیکھے۔ میزاب رحمت کو دِکھاوا نہیں آتا تھا لیکن کیا اُسے کچھ بھنک پڑ گئی تھی؟ کل بھی تو اُس نے سب کے سامنے ہال میں اِیسی عجیب اور سخت باتیں کر کے اُن سب کو ششدر کر کے چونکا دیا تھا۔ وہ اُس سے کاشف اور مُدثر کے معاملے کی وجہ سے تب باز پُرس نہیں کر سکے۔

"تم اِیسا کیوں کہہ رہی ہو، زیب؟ سب ٹھیک ہے؟ کسی نے تم سے کچھ سخت بات کہی ہے؟؟" تشویش سے سوال کرنے کے ساتھ اُنہوں نے دو سیڑھی کھڑی میزاب کو ہاتھ سے تھام کر نیچے اُتارتے ہوئے اپنے برابر کیا۔

"مُدثر نے آج عباس کے سامنے جو میرے بارے میں باتیں کی ہیں وہ سُن کر مجھے بہت شرمندگی ہوئی ہے اور بہت دُکھ پُہنچا ہے۔ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں نے ذکی، تقی اور مُدثر کو ہمیشہ بھائیوں کی طرح زمانے کی اُونچ نیچ سکھائی ہے اور کبھی کوئی غلط سبق نہیں پڑھایا۔" اُسکی بات پر کوئی اِنکار کا پہلو نہیں تھا۔ ہاشم بزنجو نے اثبات میں سَر ہلا کر اُسے جیسے بولتے رہنے کا عندیا دیا۔ وہ چاہتے تھے کہ میزاب کے اندر کی بھڑاس نِکل جائے اور وہ کسی کے بارے میں اندر کوئی عناد اور بُغض نہ رکھے۔

"آپ کو یاد ہے نہ بابا کہتے تھے میں اگر کسی قبیلے کی سردار ہوتی تو ہر جگہ خوشحالی، امن اور سکون ہوتا؟" اُسکی سوگوار یاد دہانی پر ہاشم بزنجو بے ساختہ مُسکرا دیئے مگر میزاب پچھلی سی خوشدلی سے نہیں مُسکرا سکی۔ اُس نے کتنے عرصے سے جواب میں اُنکی جانب دیکھ کر مُسکرانا چھوڑ دیا تھا مگر اُنہوں نے کبھی دھیان دیا ہوتا تو محسوس کرتے۔

"اور تم نے یہ ہر معاملے میں ثابت بھی کیا ہے کہ تم جیسا سردار کوئی مَرد بھی نہیں بَن سکتا۔" وہ پہلے والی میزاب ہوتی تو اِن حوصلہ افزاء باتوں پر کِھل اُٹھتی۔ سب کچھ حاصل وصول ہوتا محسوس کرتی مگر سب کچھ پہلے جیسا کہاں رہتا ہے۔

"آپ کو سب یاد ہے تو آپ مُدثر کو سمجھالیں۔ اَب کی بار اُس نے مُجھ سے بد تمیزی کی تو بغیر کسی لحاظ کے عباس کی طرح میں اُسکا بُرا حشر کر دوں گی۔" میزاب کے سخت باور کرواتے انداز کی تنبیہہ پر اُنکی پیشانی پر شِکنوں کا جال سا بننے لگا۔

"اُس لڑکے نے مُدثر پر ہاتھ اُٹھایا ہے؟" ہاشم بزنجو تو اُسکی بات پر طیش میں آ گئے مگر میزاب کو کوئی فرق نہیں پڑا۔

"صرف ہاتھ نہیں اچھا خاصا مارا ہے۔" میزاب کی مزید تفصیل پر اُنکے چہرے کا رنگ سُرخ ہوا۔

"اُسکی اِتنی جُرأت؟" وہ بولے نہیں غُرائے تھے۔

"ابھی مُدثر آئے گا تو اُس سے پوچھیئے گا ضرور کہ اُسکا یہ حشر کیوں کیا ہے عباس نے اور اِسکے بعد بھی اُسکے ہوش ٹھکانے نہیں آئے نہ، دادا تو مُجھ سے کسی بھلائی کی اُمید مت رکھیئے گا۔" میزاب کے سخت کُھردرے الفاظ نے ہاشم بزنجو کو بھونچکا کر دیا۔

"اَب سوچ لیں کہ اُس نے کتنی غلط اور گھٹیا بات کہی ہو گی میرے بارے میں کہ میرا دِل اُسکی شکل تک دیکھنے کا نہیں کر رہا۔" وہ ڈاکیومنٹ نہیں لے سکی مگر اُس نے ہاشم بزنجو کے سمٹتے تاثرات پر اندر ہی اندر سُکھ بھرا سانس لیا۔ مُدثر اَب کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ پہلے سے ہی سارا گراؤنڈ بِچھا چکی تھی تبھی باہر گاڑیوں کا ہارن بجا اور میزاب کی نگاہ گھڑی تک گئی۔ آدھا گھنٹہ پورا ہو چُکا تھا۔ وہیں کھڑے کھڑے اُس نے کاشف بزنجو کا سہارا لے کر اندر آتے مُدثر کو دیکھا اور اُسکی حالت دیکھ کر رفعت شیراز کے کلیجے پر جبکہ باقی سب کے دِلوں پر ہاتھ پڑا۔ میزاب خاموش آنکھوں سے رفعت شیراز کو بُری طرح روتے ہوئے دیکھ کر اُس جانب بڑھی۔

"کِس کم بخت نے کیا ہے میرے بچے کا یہ حال؟" صوفے پر اُسکو بٹھائے وہ نڈھال ہوئے جا رہی تھیں۔

"جان نِثار نے!" دی گئی اطلاع پر سب کے ساتھ مُدثر نے بھی سوجن زدہ آنکھیں کھول کر میزاب کو دیکھا۔ میزاب نے بغور اُن خون آشام نظروں میں دیکھ کر رفعت شیراز کو دیکھا جو مغلفات کہتے ہوئے اُٹھ رہی تھیں۔

"اُسکی اِتنی اُوقات کے میرے بیٹے پر ہاتھ اُٹھائے۔۔۔ تم کہاں تھی؟" رفعت شیراز کو پہلے کب اُس نے اہمیت دی تھی جو اَب دیتی۔

"میں وہیں تھی اور میرے سامنے ہی جان نِثار نے مُدثر کو مارا۔" قبل اِسکے چیخ اُٹھتا مُدثر معاملہ خراب کرتا اُس نے کہتے ہوئے جہاں کاشف بزنجو اور باقی سب کا چہرہ ششدر کیا وہیں مطمئن نظر، ہاشم بزنجو کے پریشان چہرے پر ڈالی۔

"مُدثر! بتاؤ گے نہیں سب کو کہ کیوں جان نِثار نے تمہیں اِتنا مارا؟" اُسکا سوال پوچھنا قیامت تھا، مُدثر ساری تکلیفیں بُھلائے، چیختے ہوئے اُس پر جھپٹا مگر میزاب غافل نہیں تھی، وہ بروقت سائیڈ پر ہو گئی۔ باقی سب مُنہ کھولے مُدثر کو میزاب کے سامنے دُوبدو دیکھ رہے تھے۔ سب ہی جانتے تھے کہ مُدثر، میزاب رحمت کو پسند کرتا ہے لیکن۔۔۔

"تم اِنتہائی گھٹیا عورت۔۔۔ وہ تمہارا خبیث شوہر مجھے مارتا رہا اور تم۔۔۔ تماشا دیکھتی رہی۔۔۔" مُدثر کی اصلیت دیکھنا کوئی بُرا تجربہ نہیں تھا۔ وہ کیا چیخنے لگا، ہاشم بزنجو پہلو بدل کر اُسکے مُنہ سے نکلنے والی بکواسات سُن کر میزاب کو دیکھنے لگے جس کا اطمینان قابلِ دید تھا۔

"تم ایک اِنتہائی کمینی اور چالاک عورت ہو۔" اُسکا دُکھتا جبڑا اِس سے زیادہ چیخنے کی اِجازت نہیں دے سکتا تھا۔ میزاب مُسکرا کر مُدثر کے عین سامنے آئی۔

"تو یہ تھی تمہاری اصلیت۔ ویسے اِتنا عرصہ کیسے یہ زہر پال کر ناٹک کرتے رہے؟ مُجھے تم سے ہمدردی ہے۔ یہ اِتنا آسان نہیں رہا ہو گا۔" اُسی نرمی سے کہہ کر اُس نے کاشف بزنجو، آمینہ کاشف اور رفعت شیراز کو تلملانے پر مجبور کر دیا جبکہ ہاشم بزنجو نے بڑے ضبط سے نامحسوس انداز میں مُٹھیاں بھینچ لیں۔

"اپنی بکواس بند کرو تم؟" رفعت شیراز نے چیخ کر اُسکو نفرت سے دیکھا۔

"آپ اپنی بکواس بند کریں۔" میزابِ رحمت نے اُن سے بھی زیادہ، پوری قوت سے چیخ کر قصرِ بزنجو کے در و بام یوں ہلائے کے ہر طرف کام کرتے مُلازمین کی سماعتیں پہلی بار میزابِ رحمت کی غصیلی آواز سے مُتعارف ہوئیں۔

"تمہیں کیا لگتا ہے مُدثر شیراز کہ میں خاموش تھی تو تم سے ڈرتی تھی۔ مُجھے اچھی طرح معلوم تھا اور ہے کہ میرے اُوپر قاتلانہ حملہ کروانے میں تم اور تمہارے کاشف ماموں کا ہاتھ ہے۔ اور ابھی بھی تم لوگوں کو میری کامیابیاں چین سے بیٹھنے نہیں دے رہی۔" اُسکا ایک ایک لفظ اِتنا سخت اور سنجیدہ تھا کہ مُدثر اپنا درد بُھول کر گھبراہٹ سے اُسے دیکھنے لگا جبکہ باقی سب اپنی جگہیں چھوڑ کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"میزاب!" ہاشم بزنجو نے اُسے بات بڑھانے سے جیسے روکنا چاہا۔

"تم دونوں ماموں بھانجے کو میں کبھی بھی ہضم نہیں ہوئی کیونکہ میں تم سب سے بہترین ہوں۔ مُجھ سے مقابلہ ہی کرنا تھا تو بزدلوں کی طرح پیٹھ پیچھے وار کرنے کے بجائے سامنے سے آتے۔۔۔" وہ میزابِ رحمت تھی جو اِتنا عرصہ سب کی عزت کرتی رہی اور اَب اُس نے اِیسا آئینہ دِکھایا تھا کہ مُدثر اور کاشف بزنجو کا چہرہ ہتک نے سیاہ کر دیا۔ ہاشم بزنجو کو بات بگڑنے کے خدشے سے زیادہ میزاب کی آواز کی کاٹ نے حیرت زدہ کیا تھا۔

"تمہاری اِتنی ہمت کہ تم۔۔۔" کاشف بزنجو نے تلملا کر کچھ کہنا چاہا۔

"آپ سے مُخاطب نہیں ہوں میں اور تم نے دوبارہ میرے بارے میں بکواس کی تو یاد رکھنا کہ میں کون ہوں اور کیا کر سکتی ہوں۔" مُدثر کے رنگ بدلتے چہرے کو ایک نظر دیکھ کر اُس نے اُن باقی سب کے ہکا بکا چہروں کو دیکھا۔

"تم کتنی احسان فراموش ہو، میزاب۔" مُدثر کی زہر آلود آواز پر پلٹ چکی میزاب نے چہرہ پھیرا۔ اِس سب میں کوئی خاموش تھا تو تقی، ذکی اور زُوبیہ تھے۔

"احسان فراموشی کا مطلب بھی تم جانتے ہو، مُدثر شیراز؟" میزاب کی آواز بہت مدہم مگر واضح تھی۔ سب نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ کچھ تھا جو میزاب میں تبدیل ہوا تھا اور اَب اِسی ایک لمحے میں، مُدثر کی پُکار نے اُن سب پر آشکار کیا تھا۔

"تمہیں مجُھے خاموش رہنے دینا چاہیئے تھا۔ اگر تم مجُھے نہیں اُکساتے تو بھرم رہ جاتا مگر تمہیں بتا دینا بہت ضروری ہے کہ احسان فراموشی کہتے کسے ہیں۔" یہ اُس ہمہ وقت سب سنبھال کر، حوصلہ فراہم کرنے والی میزاب کا لہجہ نہیں تھا۔ کچن کے دروازے سے نکل کر نائمہ بوا ہاتھ میں تھام رکھے فون کے ساتھ ہال سے قدرے ہٹ کر کھڑی ہوئیں۔ اُنکے ہاتھ میں تھامے فون کی سکرین پر کسی کو کال ملی ہوئی تھی اور کالر آئی ڈی میں نام "**سیکورٹی چیف**" لکھا تھا۔

"اگر تمہیں لگتا ہے میں کچھ نہیں جانتی تو اپنی اِس بے عقلی پر گریہ کرو، مُدثر شیراز۔ میزابِ رحمت ہر بات سے باخبر ہے۔ مجُھے تم سب کا ایک ایک راز معلوم ہے۔ مجُھے معلوم ہے میرے باپ کا قتل کیسے اور کِس نے کروایا، مجُھے معلوم ہے مجُھے زہر دینے کی ناکام کوشش کیوں کی گئی۔ میں جانتی ہوں کہ میری ماں سے مجُھے کِس مقصد کے لیئے چھینا گیا۔ مجُھے سب سے بے کار اور خسارے میں بند ہونے کے قریب شاپنگ مال دے کر کیوں آزمایا گیا اور میری کامیابی کے بعد کِس خوف سے سب کچھ میرے نام ہوتا رہا۔" وہ انکشافات نہیں دھماکہ تھا جو اُس نے قصرِ بزنجو کی

ایک شان سے کھڑی عمارت پر گرا یا تھا۔ ہاشم بزنجو بے جان ہوتے قدموں کے ساتھ تیزی سے پیچھے ہوئے مگر میزاب مُدثر کو ساکن دیکھ کر اُنکی جانب بڑھی جن کے قدم اُنکا بوجھ اُٹھانے سے کبھی بھی اِنکار کر سکتے تھے۔

"میں جانتی ہوں کہ مجھے اِن مَردذات پر دھبے جیسے نامَردوں کے لیئے کیوں ڈھال بنایا گیا۔ کتنے مزے کی بات ہے کہ ڈھال بنانے کے چکر میں ہاشم بزنجو کو معلوم ہی نہیں ہو سکا کہ میزابِ رحمت ایک مضبوط چٹان میں تبدیل ہو گئی ہے۔ وہ ایک اِیسا پہاڑ بن چُکی ہے جِسکو اپنے قدموں سے ہلانا ناممکن ہے کیونکہ اُس نے اپنی سمجھ اور عقل کے دُرست اِستعمال سے اپنے قدم زمیں میں جمائے ہیں۔" وہ پہلی بار نہیں ہاشم بزنجو کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی مگر اُس نے پہلی بار اُنکو نام سے پُکار کر برف کی مانند سپید کر دیا تھا۔ رفعت شیراز آنکھیں پھاڑے، مُنہ پر ہاتھ رکھے اُس میزاب کو سُن رہی تھیں جِسے اُن سب نے بس ایک ڈھال اور مُہرہ سمجھا تھا۔ ہاشم بزنجو کو لگا پگھلا ہوا سیسہ اُنکے کانوں میں اُتار دیا گیا ہو۔

"حیران مت ہوں۔ ایک چال آپ نے چلی اور ایک چال اللہ پاک نے اور اللہ سے بہترین چال چلنے والا کوئی نہیں ہے۔ اللہ جب چال چلتا ہے تو مُقابل کے مُنہ پر پلٹا دی جاتی ہے۔ آپ نے مجھے مُہرہ نہیں بنایا تھا مگر میں اپنی رضا سے اپنے قدم جما رہی تھی۔ میں نے سب جانتے بوجھتے سب کام سنوار کر اپنے ہاتھوں میں لیئے۔ میں نے آپکو بتانا تھا کہ ناجائز اور حرام کرنے والوں کا کِیا کرایہ ایک دِن اُنکے سامنے ضرور آتا ہے تو آج یہ دِن وہی ہے۔ میں آپ لوگوں کو جینے سے متعارف کروا کر آپ سب کا حوصلہ بڑھاتی رہی اور آپ سب لوگ میری ہی جڑیں کاٹتے رہے۔" ہاشم بزنجو اُسکو یوں دیکھ رہے تھے گویا پہلی بار دیکھ رہے ہوں۔ بے یقینی سی بے یقینی تھی۔ سارا قصرِ بزنجو دَم سادھے اُسکی وہ گھن گرج سُن رہا تھا جو آج سے پہلے کبھی سُننے کو نہیں ملی تھی۔ یہ دَر و دیوار میزابِ رحمت کے مدھم اور مہربان لہجے کے عادی تھے۔

"میں یاد نہیں کروانا چاہتی تھی مگر میرا اِس پورے خاندان پر احسان ہے۔ مجھے یاد تھا کہ جس پر احسان کرو اُس کے شر سے بچو اور مجھے خود پر فخر ہے کہ میں نے اِس بات کو ہمیشہ سینے سے لگا کر رکھا۔" وہ نہ چیخی تھی اور نہ ہی آواز میں نمی کا کوئی عنصر تھا۔ اُنہی مضبوط قدموں کے ساتھ سب کے پیروں کے نیچے سے زمین نکال کر وہ تیز قدموں سے باہر دروازے کی جانب بڑھی۔ پیچھے اُسے معلوم تھا سب کتنی ہی دیر تک سکتے اور صدمے میں رہیں گے اور یہی ہوا۔ ہاشم بزنجو کو تو گویا کاٹو تو بدن میں لہو نہیں جبکہ مُدثر کا سفید ترین ہوتا چہرہ اُسے اُسکے احساسِ زیاں کا پتہ دے رہے تھے اور کاشف بزنجو لڑکھڑا کر پیچھے صوفے پر بیٹھ گئے۔ میزابِ رحمت نے اُن سب کی سماعتوں میں گویا صُور پھونک دیا تھا۔

باہر آکر اُس نے یوں سانس لیا جیسے نہ جانے کب سے سانس روکے ہوئے تھی۔ وہ اُن سب پر اپنی جذباتی ہار ظاہر نہیں کر سکتی تھی۔ اُن پر یہ آشکار نہیں کر سکتی تھی کہ اُسے اُن لوگوں کے دلوں میں پوشیدہ بُغض اور نفرت کی ایک طویل عرصے تک خبر نہیں ہو سکی تھی۔ اُسے یہ بتا کر اُن سب کو خود پر ہنسنے کا موقع نہیں دینا تھا کہ دُنیا بھر کے لوگوں کی نظر میں ذہین و فطین اور کامیاب وہ عورت اپنوں کی مکاری، دھوکہ دہی اور مکر کا وار سہہ چکی ہے تبھی اُس نے اُن سب کے سامنے اپنی گردن اُٹھی ہوئی اور الفاظ مضبوط رکھ کر خود کے وقار اور اچھائی کا قد اُونچا رکھا تھا۔

✓ یہ بے برکت رفاقت دسترس کی دین ہے پیارے!

تُجھے حاصل ہوں اِس لیئے بیکار عورت ہوں

میں اپنے بھائیوں کو زندگی کے گُر سکھاتی تھی

میرے ابو کہا کرتے تھے میں سردار عورت ہوں۔۔۔

اُسکی آنکھوں میں دُور دُور تک کسی نمی کا کوئی شائبہ تک نہیں تھا۔ یونہی سائیڈ پر کھڑی سیاہ گاڑی کو دیکھ کر ٹھٹکی اور پھر سیل فون کان سے لگائے ساکن، اُسی کی جانب نگاہ جمائے کھڑا شخص سیل فون جیب میں رکھتے ہوئے اُسکی جانب بڑھا۔ میزاب کا دِل لرز کر ندامت سے جُھک جانے لگا۔ قریب آتے عباس نے اُس خفت سے نظر چُراتی عورت کو ایک نظر دیکھا اور پِھر ہاتھ بڑھا کر اپنے ساتھ لگالیا۔ لمحے بھَر کے لیئے میزاب ہک دَق رہ گئی۔ باندھ رکھے ہاتھ بے دَم ہو کر پہلو میں آ گِرے اور پِھر اُسکی نمکین آنکھوں سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر عباس جان نِثار کے شانے میں جذب ہونے لگے۔ یونہی ہچکیاں بھَرتے اُس نے اپنی پُشت اور سَر پر عباس جان نِثار کا مضبوط ہاتھ محسوس کیا۔ اُن مضبوط ہاتھوں کی نرم تھپک اُسکو مزید رُلانے لگی تھی۔ وہ میزابِ رحمت جو روتی نہیں تھی، جسے رونا نہیں آتا تھا اُسکے آنسو اِسی ایک شخص کے سامنے رَستہ پاتے تھے۔ سب کے سامنے سَر اُٹھا رکھنے والی عورت اِسی گھیرے میں آ کر مغلوب ہوتی تھی، موم پڑ جاتی تھی۔

✓ مَر گئے تو پِھر کہاں یہ حُسن زارِ زندگی

زخمِ دِل گہرا بہت ہے، پِھر بھی جینا چاہیئے۔۔۔

جب اُسکی سسکیاں تھم گئیں تو خود ہی چہرہ جُھکائے وہ پیچھے ہوئی جبکہ عباس نے دونوں ہاتھوں کی مدد سے اُسکے چہرے پر ٹھہرے آنسو نرمی سے صاف کرتے ہوئے میزاب کو مُسکرا دینے پر مجبور کر دیا۔

"گھر چلیں؟" اُسکے سوال پر میزاب نے چہرہ اُٹھا کر اپنی جانب مائل سُنہری آنکھوں کو دیکھ کر یونہی مُسکراتی آنکھوں کے ساتھ اثبات میں سَر ہلایا۔ عباس اُسے شانوں سے تھام کر گاڑی تک لایا اور پِھر کچھ دیر بعد اُنکی گاڑی

اُسی گھر کے باہر کھڑی تھی جو میزابِ رحمت کا اصل گھر تھا۔ جس کی چابی عباس جان نثار نے شادی کے شروع دِنوں میں اُسے دی تھی۔

جس وقت وہ دونوں گھر میں داخل ہوئے، اندر محفل لگی ہوئی تھی۔ ٹی۔وی چلنے کے باوجود سب خُوش گپیوں میں مشغول تھے اور اُنہی میں ثُریا اَصفہان بھی تھیں۔ وہ نک چڑھی اور طرحدار، ہر وقت طنز کے تیر چلانے والی عورت نہ جانے کہاں جا سوئی تھیں۔ سہی کہتے ہیں کہ اِنسان اپنے اِردگرد کے لوگوں سے مُتاثر ہوتا ہے۔

"اسلام و علیکم!" اُن دونوں کے بیک وقت سلام پر سب نے باتیں ترک کر کے اُن کی سمت دیکھا۔

"وعلیکم اسلام! تم دونوں بھی آجاؤ۔ بڑی زبردست محفل لگی ہے۔" فوزیہ بیگم کے کہے جانے پر اُنہوں نے ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھا اور پھر اُن سب کی باتوں میں شامل ہو گئے۔ شُجاعت اور جواد کچھ دیر پہلے ہی آئے تھے البتہ احتساب سنجرانی ابھی یہاں موجود نہیں تھے۔

"احتساب انکل کہاں ہیں؟" میزاب کے سوال پر عباس نے چونک کر اُسے دیکھا۔ وہ گھر کے باقی افراد کی طرح بلکہ سب سے زیادہ اُن سے اٹیچ ہوئی تھی حالانکہ عباس کو لگتا تھا وہی اُسے سب سے زیادہ ٹف ٹائم دیں گے مگر خیر! یہ کم اَز کم عباس کے لیئے خواب جیسا تھا۔

"وہ کسی کام سے گیا ہے۔ ابھی آنے ہی والا ہے۔" رحیم بخش سنجرانی کی تشفی پر وہ نازنین کی کسی بات کی جانب متوجہ ہو گئی۔ وہ اُسے اپنی شاپنگ والی کوئی چیز دِکھا رہی تھی۔ عباس چہرہ پھیرے پوری توجہ سے اُسکے مُسکراتے چہرے کو دیکھنے میں محو تھا۔ اِس ہنستی مُسکراتی، محبوب عورت کے خواب بھی دیکھنے سے اُس نے ہر مُمکن پہلو بچایا تھا اور اَب ہر دِن اُسکی آنکھ ایک نیا خوبصورت منظر دیکھ کر مُحبت کے کسی نئے احساس سے متعارف ہو رہی تھیں۔

"بہت پیاری ہے نہ، میری بیٹی!" اُسے اپنے برابر بیٹھتی ثُریا اَصفہان کی موجودگی کا اِحساس بھی نہ ہوسکا۔ ہوش تو تب آیا جب اُسکے کان میں مدہم سرگوشی کی گئی۔ پہلے وہ جو مُسکرا کر بے شرمی سے جواب دینے والا تھا، ثُریا اَصفہان کو دیکھ کر بوکھلا گیا۔

"دیکھو دیکھو! تمہاری ہی بیگم ہے۔ ویسے بہت اچھے لگ رہے ہو میری بیٹی کو دیکھتے ہوئے۔" اُنہوں نے کندھا تھپک کر جیسے اُسے حوصلہ بڑھایا، عباس بے ساختہ ہنس دیا۔ میزاب نے اُسکی ہنسی پر ذرا کی ذرا نظریں پھیر کر وہاں دیکھا اور اپنی ماں کے ساتھ مُسکراتی سرگوشیوں میں بات کرتے عباس کو دیکھ کر ٹھٹکی اور پھر تجسس کا شِکار ہوئی۔ نہ جانے وہ دونوں کِن راز و نیاز میں مصروف ہوں گے۔

"آپ نے ابھی تک اِن دونوں والا گفٹ نہیں کھول کر دیکھا؟" اکبر کے سوال پر سب باتیں چھوڑ کر میزاب کو دیکھنے لگے۔

"نہیں! میں نے سوچا تھا جب یہاں مُستقل ٹھکانہ بناؤں گی تب کھول کر کمرے میں لگاؤں گی۔ تم دونوں نے کوئی وال ہینگنگ دی ہے نہ؟" کہتے ساتھ اُس نے تصدیقی نظروں سے دبا دبا مُسکراتی ٹیم کی جانب دیکھا۔

"کہاں ہے وہ گفٹ؟" نازنین کے سوال پر میزاب نے ناسمجھی سے اُن سب کو دیکھا۔

"ہمارے کمرے کی براؤن الماری میں ہے۔ لے کر آنا جلدی سے۔" میزاب نے مشکوک لہجے میں نورین اور نازنیں کو کمرے سے لے کر آنے کا اِشارہ کیا جبکہ وہ دونوں اصغر اور اکبر کو مُنہ چِڑھا کر کمرے کی جانب بھاگیں۔

"دیکھ کر کہیں اندر بم ہی نہ ہو۔" اصغر کی بات پر میزاب کی ہنسی بے ساختہ تھی۔

"اُن دونوں کا تعلق کسی دہشت گرد تنظیم سے نہیں ہے، میرے بھائی۔" اُسکی برجستگی پر سب کے چہروں پر مُسکراہٹ دوڑ گئی مگر ثُریا اصفہان بہت پہلی بار اپنی بیٹی کو پورے دِل سے مُسکراتے دیکھ کر نمکین آنکھوں سے ہنس دیں۔

"کیا ہے اِس میں اِیسا؟" میزاب نے اُن دونوں کو کمرے سے معنی خیز مُسکراہٹ سے نکلتے دیکھ کر سوال کیا۔

"آپ خود کھول کر دیکھیں۔" نورین نے وہ بڑا سا گفٹ اُسکے سامنے ٹیبل پر رکھا تو سب سیدھے ہو کر متوجہ ہو گئے۔

"میں واقعی سب کے سامنے کھول دوں گی۔" میزاب نے اُن دونوں کو سارے بڑوں کی توجہ کی جانب متوجہ کرنا چاہا۔ نورین اور نازنین نے مُسکرا کر بے نیازی سے شانے اُچکائے۔

"کھول کے دیکھ لیں۔" عباس نے گویا اُسکی مُشکل آسان کر دی۔ میزاب نے جِس طرح **'بسمہ اللہ'** پڑھ کر گفٹ کھولنا شروع کیا سب سے اُونچا قہقہہ شُجاعت کا نِکلا۔ سب بڑے بھی اِشتیاق سے تقریباً صوفے سے اُتر کر آگے آئے ہوئے تھے۔ دروازہ کھول کر اندر آتے احتساب سَنجرانی نے حیرانگی سے اُن سب کو دُور سے سَر جوڑے دیکھا تو تیز قدموں سے اُن تک آئے۔ سوائے صوفے کی پُشت سے ٹیک لگا کر بیٹھے عباس کے سب ٹیبل کی جانب جُھکے ہوئے تھے۔

"کیا ہو رہا ہے؟" اُنکی آواز پر جِس طرح سب دِل پر ہاتھ رکھ کر پیچھے ہوئے، احتسابِ سَنجرانی نے بامُشکل اپنی ہنسی اُن سب کی گُھورتی نظروں پر دبائی۔

"اِیسا کیا کھول رہی ہو، بیٹا؟" اُن سب کی گھوریوں کو نظر انداز کر کے وہ آرام سے میزاب کے برابر خالی جگہ پر آ کر بیٹھے۔

"نازنین اور نورین نے مجھے چاغی سے یہاں آتے ہوئے تحفہ دیا تھا تو وہی کھولنا ہے۔" اُسکی اطلاع پر اُنہوں نے حیرت سے سب کو دیکھا۔

"تحفہ تمہارا ہے تو یہ سب کیوں تحفے میں گھسے چلے جا رہے ہیں۔" اُن کا اِشارہ یقیناً تمام بڑوں کی جانب تھا جو اِس وقت بڑے تو کہیں سے نہیں لگ رہے تھے۔

"بیٹا! تم اِسکو چھوڑو اور کھولو بس۔" رحمان بخش مزید صبر نہیں کر سکتے تھے۔ اُنکی بچوں جیسی بے چینی پر میزاب نے مُسکرا کر اُنکو دیکھا۔

"اگر اِس میں بم ہوا؟" جواد کے سوال پر سب نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا اور تیزی سے واپس صوفے پر نشستیں مضبوطی سے سنبھال لیں۔

"ہوتا تو کب کا پھٹ چُکا ہوتا، ڈی-ایس-پی صاحب۔" عباس نے دانت پیس کر اُسکو کہتے ہوئے اپنی جانب سوالیہ دیکھتی میزاب کو ہنسنے پر مجبور کر دیا۔ سب ایک پھر سے صوفے سے آگے ہو کر آئے۔ اَب کے تحفہ کھولنے میں تیزی آگئی اور جب وہ کُھلا تو وہ بڑا سا کینوس ٹائپ پورٹریٹ تھا۔

"کِس کی تصویر ہے؟" اِتنا تجسس شاید ہی اُن سب کو زندگی میں ہوا ہو تبھی سب نے نورین اور نازنین کو خفگی سے گھورا۔

میزاب کے پلٹنے پر سب قہقہہ لگا کر پیچھے ہوئے جبکہ میزاب نے گُلابی ہوتے چہرے کے ساتھ تصویر تیزی سے پلٹ دی۔

"کیا ہوا؟" عباس صرف ٹیک لگا کر بیٹھا تھا تبھی دیکھ نہیں سکا اور اُن سب کی معنی خیز آوازوں اور ہنسی پر آگے ہوا۔

"تمہاری غلامی کا ثبوت ہے۔" احتساب سَنجرانی نے ہنس کر اُسکو جیسے چِڑانا چاہا جبکہ عباس نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے میزاب کو دیکھا جو اُن سب کی ہنسی میں گُلابی ہوئی جا رہی تھی۔

"تم خود ہی دیکھ لو۔ ہم سے تو بتایا بھی نہیں جاسکتا کہ ہمارا غیور عباس غلام ہو گیا ہے۔" جواد کے نروٹھے ڈرامے پر سب کا قہقہہ بے ساختہ تھا جبکہ میزاب نے چمکتی آنکھوں سے عباس کے کچھ نہ سمجھتے تاثرات دیکھے۔ دِل کچھ دیر پہلے والی ہر کیفیت اور ہر منفی جذبہ بُھلا بیٹھا۔

"اِیسا بھی کیا ہے؟" عباس نے آگے ہو کر ٹیبل پر اُلٹی ہوئی تصویر اپنی جانب کھینچ کر سیدھی کی اور پھر بے ساختہ گردن پیچھے کو پھینکے ہنستا چلا گیا۔ میزاب کے ساتھ باقی سب بھی آنکھیں پھیلائے، تحیر سے عباس کو بے طرح ہنستے دیکھ رہے تھے۔

"کیا کمال کی تصویر لی ہے۔" گردن جُھکا کر اَب ہنستے ہوئے وہ نامحسوس انداز میں تصویر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ سب آنکھیں پھاڑ کر عباس جان نِثار کو دیکھے جا رہے تھے مگر اُسے جیسے کسی کی پرواہ نہیں تھی۔ دھمکتی سُنہری آنکھوں میں سارے زمانے کی چمک آٹھہری تھی۔ وہ نہایت محویت سے اُس تصویر کو دیکھ رہا تھا جِس میں کامدار گھیر دار شرارے میں ملبوس میزابِ رحمت اپنے قدموں میں بیٹھ کر سینڈل اُتارتے عباس کے کندھے پر ہاتھ رکھے قدرے جُھک کر کھڑی تھی۔

"ویسے یہاں میں واقعی غلام لگ رہا ہوں۔" عباس کی مُسکراتی تصدیق پر میزاب نے رُکتی دَھڑکن سے پلکیں جھپک کر اُسکو دیکھا جو اُسکی تصویر کے چہرے پر ہاتھ رکھے ہوئے اُسکو سب سے نظریں چُرانے پر مجبور کر گیا۔

"دا جی! ہمارا لڑکا تو ہاتھ سے نِکل گیا بالکل۔" فوزیہ بیگم نے بے ساختہ ہنستے ہوئے کہہ کر سبھی کو مُسکرانے پر مجبور کر دیا۔

"یہ کہاں لگائیں گے؟" نازنین کو بس یہی فکر تھی۔

"ظاہر ہے اپنے کمرے میں۔ جہاں سے آتے جاتے میری نگاہ پڑتی رہے اور عہد تازہ ہوتا رہے۔" وہ بات اِتنی اچھوتی اور پیاری تھی کہ میزاب کو لگا اُس کے اِرد گرد ہر سُو ہریالی ہو گئی ہو۔ خوابناک کیفیت پر اُس نے بامُشکل سانس لے کر نظریں پھیر لیں۔ اُسکے بعد سب نے کھانا کھایا اور خوش گوار گفتگو کے بعد ثُریا اَصفہان دوبارہ آنے کا وعدہ لے کر جا چکی تھی۔

"آپ سے بات کرنی ہے۔" سَنجرانی خاندان نے کل واپس چاغی جانا تھا۔ وہ سب لوگ یہاں میزاب کے پروجیکٹ کی برینڈ لانچ کے لیئے آئے تھے۔ میزاب کی سرگوشی اور کسی نے سُنی ہو نہ ہو، پیچھے کھڑے عباس نے سُن لی تھی۔ وہ سب لوگ رات ہوتے ہی باہر تک ثُریا اَصفہان کو چھوڑنے آئے تھے۔

"میشن فیل؟" اُنکا سوال بھی سرگوشی سے زیادہ نہیں تھا۔ میزاب نے پریشانی سے اثبات میں سَر ہلایا تو احتساب سَنجرانی نے اُسے آنکھ کے اِشارے سے اُوپر ٹیرس پر جانے کا کہا۔ میزاب کو سب کے درمیان سے پلٹتے عباس کے علاوہ کسی نے نہیں دیکھا۔ احتساب سَنجرانی بھی خود کو کال پر مصروف کر کے تیز قدموں سے اندر کی جانب بڑھے۔ باقی افراد کو باتوں کے ساتھ اندر جاتے دیکھ کر اُس نے جواد کو الوداع کہہ کر ایک نظر اُوپر ٹیرس کو دیکھا اور پھر تیز قدموں سے اُوپر کی جانب بڑھا۔ وہ اندر کے بجائے پچھلی، باہر سے اُوپر کو جاتی گول زینوں سے اُوپر آیا اور تبھی اُسکو ٹیرس پر احتساب سَنجرانی اور میزاب کھڑے نظر آئے۔

"ٹینشن کی بات نہیں ہے، بیٹا۔ میں کچھ کرتا ہوں۔" وہ پریشانی سے کچھ سوچتی میزاب کو تسلی دے رہے تھے۔

"وہاں نائمہ بوا کو اگر میں کہوں تو کسی کو شک تو نہیں ہو گا؟" میزاب کے ذہن میں جیسے کوئی کوندا سا لپکا۔

"وہ تم سے اٹیچ ہیں اور تمہارا کھانا بھی وہی بناتی رہی ہیں تو ظاہر ہے معلوم ہو گا سب کو کہ وہ تم سے وفادار ہیں۔" احتساب سَنجرانی کی یاددہانی پر میزاب نے پیشانی مَسلی۔

"اَب کاغذات کیسے لاؤں؟ آج کی مُنہ ماری کے بعد تو مُجھے کوئی وہاں گھسنے دے تب بھی میں اَب وہاں نہیں رہنا چاہتی، کسی کو نہیں دیکھنا چاہتی۔" میزاب نے سنجیدگی سے سَر جھٹکا۔

"تمہارا سارا سامان وہیں ہے تو۔۔۔؟" احتساب سَنجرانی نے نیا راستہ دیکھانا چاہا۔

"وہ کاغذات میں نے چُھپا کر رکھے ہیں اور خود ہی نکال سکتی ہوں۔" میزاب نے اُس آئیڈیے کو بھی مایوسی سے رَد کر دیا۔

"کیسے کاغذات؟" پیچھے سے کیئے جانے والے سوال پر میزاب جِس طرح گھبرا کر پلٹی، احتساب سَنجرانی نے آگے آتے عباس کو خفگی سے گُھورا۔

"تم۔۔۔ باتیں سُن رہے تھے ہماری؟" پہلا اصول چڑھ دوڑنا ہوتا ہے تو میزاب نے بھی یہی کیا۔

"آپ مُجھے بتائے بغیر کیا کرتی پِھر رہی ہیں؟ میں نے آپ سے کہا بھی تھا کہ میرے بغیر کچھ نہیں کریں گی آپ۔" اُسکی سنجیدگی نے میزاب کو متفکر کر دیا۔

"غلام رعب نہیں ڈالتے۔" احتساب سَنجرانی کے لقمہ دینے پر جہاں میزاب اِتنی پریشانی کے باوجود ہنس پڑی وہیں عباس نے اُنکو خفا نظروں سے گُھورا۔

"یار، آپ اِن کو سمجھانے کے بجائے ساتھ دے رہے ہیں سارے کاموں میں۔"عباس کی جُھنجُھلاہٹ پر میزاب کے کان کھڑے ہوئے۔

"معلوم بھی ہے کہ وہ لوگ کسی اپنے کا بھی لحاظ نہیں کرتے پھر بھی آپ دونوں پر جیمز بونڈ بننے کا بُھوت سوار ہے۔"میزاب جو مشکوک نظروں سے دیکھ رہی تھی اُسکی تمثیل پر احتساب سَنجرانی اور وہ ایک ساتھ ہنسنے لگے۔

"آپ دونوں جِتنا مرضی ہنس لیں مگر میں آپ کو کچھ بھی اکیلے نہیں کرنے دوں گا۔"بس اُنگلی اُٹھا کر وارن کرنا باقی رہ گیا تھا۔

"تم مجُھے دھمکا رہے ہو؟"میزاب تو اُسکے انداز دیکھ کر رہ گئی۔

"جی! میں آپکو دھمکا رہا ہوں اِسی لیئے خبردار جو آپ نے اکیلے کسی مُہم کا آغاز کیا تو۔"اَب کی بار اُس نے اِتنی سختی سے میزاب کو جھاڑ پِلائی کہ احتساب سَنجرانی کو چہرہ جُھکا کر اپنی مُسکراہٹ چُھپانی پڑی۔

"ابے یار! غُلام تڑیاں نہیں لگاتے۔"اُنہوں نے فوراً سے پھٹی پھٹی آنکھوں سے عباس کو دیکھتی میزاب کا صدمہ کم کرنا چاہا۔

"بیوی کے غلام کو لگانی پڑتی ہیں۔"اُسکی بات اِتنی سنجیدگی کے باوجود دِل شاد کر دینے والی تھی۔

"یعنی تم پورے کے پورے ہاتھ سے نِکل چُکے ہو؟"احتساب سَنجرانی نے افسوس سے سوال اُٹھانا چاہا مگر عباس کی خفگی دیکھ کر میزاب کو دیکھا جِس کی آنکھیں میں یَک دَم عباس کے لیئے مہربانی سِمٹ آئی تھی۔

"تم نے ہمارا پورا کا پورا لڑکا ہی ہتھیا لیا ہے، لڑکی۔" احتساب سنجرانی نے میزاب کو مصنوعی غصّے سے کہتے ہوئے کِھلکھلا کر ہنسنے پر مجبور کر دیا اور عباس وہ نئے سِرے سے دَم سادھ کر سارے ماحول کو معطر کر دیتی ہنسی کو دیکھنے لگا۔ کونسی خفگی، کہاں کی خفگی؟ سب ایک دلکش ہنسی نے خاک کر دیا۔

"میں اَب آپ لوگوں کو آپکا لڑکا کبھی واپس نہیں کرنے والی۔" ایک ناز سے کہتے ہوئے اُس نے عباس جان نِثار کا دِل مُٹھی میں لے لیا۔ ادائے بے نیازی تو میزابِ رحمت پر ہی جچتی تھی۔

"تم ہماری بیٹی نہ ہوتی تو ہم اپنا لڑکا واپس لینے کی کوشش بھی کرتے۔" اُنہوں نے بھی بَھرپور جواب دے کر میزابِ رحمت کو بے بہا خُوشی سے نواز دیا۔

"آپ دونوں اِیسی ساحرانہ باتوں کے ذریعے مُجھے بے بس نہیں کر سکتے۔" عباس کے مدھم ہوتی آواز پر میزاب نے اُسے دیکھا جِس کی خفگی ساری جھاگ کی طرح بیٹھ گئی تھی۔

"تم تو بے بس ہو گئے، جان نِثار۔" خُوش نما آنکھوں میں جیسے اُس گہری ہوتی رات میں اَن گِنت ستارے سِمٹ آئے۔ عباس جان نِثار نے اُن سمندر کرتی آنکھوں میں دیکھ کر سانس لینے کی کوشش کی مگر نہیں لے سکا۔ اُسے اَب سمجھ آیا کہ سمندر، مکمل چاند کے آگے بے بس کیسے ہو جاتا ہے۔ یہ معمہ بھی اِیسے ہی کُھلنا تھا۔

اُن سُنہری آنکھوں میں نہ جانے کیسے جذبے اُتر آئے کے میزاب کی پلکیں لرز کر جُھکیں اور اُس نے ایک چُور نگاہ معنی خیز نظروں سے دیکھ کر مُسکراتے احتساب سنجرانی پر ڈالی۔

"تم دونوں کو دیکھ کر مجھے اپنی مُحبت کے دِن یاد آ رہے ہیں۔ میں ذرا ہدیہ کو عہد الست یاد کرواتا ہوں۔" اُنکی بات کچھ اِیسی شریر تھی کہ میزاب اور عباس سارے پہ طاری ہوتی کیفیت کے سنگ ایک ساتھ ہنس پڑے۔ احتساب

سَنجرانی اُن دونوں کو دِل میں سراہتے ہوئے واپس پلٹ کر اندر کی جانب بڑھ گئے جبکہ اپنی جانب پوری توجہ سے متوجہ ہوتی نظروں پر میزاب تیزی سے آگے جا کر ریلنگ کو تھام کر سَر پر دھمکنے کو تیار چاند کو دیکھنے لگی جو مدہم مدہم مگر دلسوز تھا۔

"میں آپ کو کاغذات لا دوں گا۔" میزاب کو اپنے برابر آ رُکتے قدموں کا اِدراک تھا۔ دِل اُنہی کی جانب تو دھیان رکھے ہوئے تھا۔

"کیسے؟" دیکھے بغیر سوال اُٹھایا۔

"پہلے آپ بتائیں کہ کیا وہ اِتنے اہم ہیں جو آپ خود کو مُشکل میں ڈال رہی ہیں؟" عباس کے سوال پر آسمان پر ٹِکا رکھی نگاہ یک دَم جُھک کر نیچے نظر آتے سبزے سے پُر لان کو دیکھنے لگیں۔

"اُن کاغذات میں میرے بابا کے قتل کے تمام ثبوت موجود ہیں۔" اُسکے سرسراتے لہجے پر عباس نے چند پَل ساکن ہو کر اُسے دیکھا۔ وہ اُس سے ایک قدم پیچھے ہو کر بھی برابر تھا۔ کچھ کہے بغیر اُس نے میزاب کو یونہی پیچھے سے اپنے حصار میں لیتے ہوئے اِس نظامِ عالم کی ہر نقل و حرکت کو ہاتھ بڑھا کر روک دیا۔ اپنی بات کی دلگرفتگی بُھول کر وہ اپنے گِرد مضبوط ہوتے حلقے پر دِل کی رفتار ماپ ہی رہی تھی کہ عباس نے جُھک کر اپنا چہرہ اُسکے کندھے پر ٹِکا لیا۔ اُس شخص کی خُوشبُو نے قوتِ شامہ سے ٹکرا کر میزاب کو دُنیا جہان میں خُوشبو لُٹاتے گُلابوں سا کر دیا۔

"میں آپ کے ساتھ ہوں۔" اپنے حلقے میں مُقید خُوشبو کو بند ہوتی آنکھوں سے سَراہتے ہوئے اُس نے گہرا سانس لے کر کہتے ہوئے میزاب کا دِل گُداز کر دیا۔ اَب وہ چہرہ ہٹا کر پیچھے ہوتے ہوئے سیدھا کھڑا ہو رہا تھا مگر نہ اُس نے اپنے بازوؤں کے حلقے سے اُسے آزاد کیا اور نہ میزاب نے کوشش کی۔ دِل کی مُحبانہ خواہش کے ہاتھوں مغلوب ہو

جاتی میزاب نے اپنا سَر پیچھے کھڑے عباس کے شانے پر رکھ لیا۔ اَب مطلع صاف ہو چُکا تھا اور چاند اپنی پوری آب و تاب سے جگمگاتا نظر آ رہا تھا۔ آسمان پر موجود سارے ستارے سُرمئی آنکھوں میں جوک دَر جوک اُتر آنے لگے اور عباس جان نِثار نگاہیں جُھکا کر اِس عنایت پر کُھل کر مُسکرا دیا۔

"اور میں دِل کی مُکمل آمادگی اور اِصرار پر ہمیشہ تمہارے ساتھ رہوں گی۔" خاموشی نے گفتگو کرنی چاہی تو اُسے خاموش کروا کر میزاب نے کہتے ہوئے چہرہ جُھکا کر چاند کی روشنی میں اپنا ہر نقش وارفتگی سے دیکھتے شخص کی ہنستی کو مُعتبر کر دیا۔

"جان لینے کا اِرادہ ہے کیا؟" اُسی دِلنشیں سوال پر وہ چاند کو دیکھ کر بڑا بے ساختہ ہنسی۔

"جان کیوں لوں گی؟" ایک اَدا سے پُوچھے جانے والے سوال پر عباس جو اُس ہنسی میں کھونے لگا تھا، مُسکرا دیا۔

"آپ کا کیا بھروسہ!" اُس مُسکراتے شرارت سے پُر لہجے ہر خُوش رنگ خیالوں میں محو میزاب کو جھٹکا لگا۔

"بدتمیز!" خفگی سے کہنی اُسکو ہلکی سے ماری اور عباس نے اُسی تیزی سے میزاب کے دونوں بازو نرم گرفت میں لے لیئے۔

"مُجھے مارنے کے لیئے ایک زندگی پڑی ہے لیکن ابھی آپ کا مسئلہ حل کرتے ہیں۔" عباس کی بات پر وہ جو اُسکی گرفت پر اپنے بازو خفگی سے چُھڑوانے لگی تھی، ٹھہر گئی۔

"آپ مُجھے بتائیں کہ کاغذات کہاں رکھے ہیں؟" عباس کے سوال میں سنجیدگی کے ساتھ اِستحکام تھا۔ میزاب جو اُسکو منع کرنے والی تھی، کر نہیں سکی۔

"تم کیسے لاؤ گے؟" ہنوز یونہی کھڑے اُس نے ناسمجھی سے پوچھا۔

"آپ کیسے بُھول گئیں کہ میں کافی عرصہ اُس گھر کا سیکورٹی چیف اِنچارج رہا ہوں۔" میزاب اُسکی یاد دہانی پر ٹھٹکی۔ یہ نہیں تھا کہ اُسکو یاد نہیں تھا مگر اُسے اپنے مطلب کے لیئے عباس کو اِستعمال نہیں کرنا تھا۔

"تو اِس سارے سلسلے میں آپکے احتساب انکل سے زیادہ اچھا پارٹنر میں بن سکتا ہوں آپکا۔" اُسکی اگلی خفا بات پر میزاب مُسکرا دی۔ وہ اِس لیئے خفا تھا اُس سے۔

"مُجھے یہ یاد ہے اور اُسی لیئے میں تمہیں اِس سب سے دُور رکھنا چاہتی ہوں۔ احتساب انکل اور میں نے تو ایک مُعاہدہ کیا تھا۔" اُس نے آخر میں کہہ ہی دیا۔ عباس سے اَب کیا چُھپانا تھا۔

"کیسا مُعاہدہ؟" گھنی بھنویں ناسمجھی سے اکھٹی ہوئیں اور یہ میزاب کو دیکھے بغیر بھی معلوم تھا۔

"ایک دوسرے کی مدد کرنے کا مُعاہدہ۔" آسان الفاظ میں بتایا گیا۔

"اور یہ مُعاہدہ کب ہوا؟" اُسے جیسے اِس سارے سلسلے میں اپنا نہ ہونا بُرا لگ رہا تھا۔

"جب مُجھے معلوم ہوا تھا کہ تم سَنجرانی خاندان کے بیٹے ہو۔" میزاب کے جواب پر اُسکے بازو تھام رکھے ہاتھوں کی گرفت کمزور محسوس کر کے میزاب کا دِل ٹھہرا۔

"آپ کہنا چاہ رہی ہیں کہ جب میری اصلیت آپ کو معلوم ہوئی؟" خفا خفا سوال پر میزاب بے طرح ہنس دی۔ پیچھے ہونے کو تیار عباس پیچھے نہیں ہو سکا۔

"کہنا تو یہی چاہ رہی تھی مگر تمہارا دِل دُکھانا کوئی اچھی بات تو نہیں۔" میزاب کو مُسکراہٹ چُھپانے میں آج سے پہلے کبھی مُشکل نہیں ہوئی مگر پھر بھی اُسکے لہجے میں مُسکراہٹ کی آمیزش تھی۔

"ہائے اِس صُود پشیماں کا پشیماں ہونا۔" عباس کی بے بسی پر میزاب نے قدرے آگے کو ہو کر سَر کی پشت' آہستگی سے اُسکے شانے پر مارتے ہوئے کِھلکھلا کر ہنستی چلی گئی۔ گہری ہوتی رات میں اُسکی مُدھر ساز جیسی ہنسی نے عباس جان نِثار کے دِل میں جلترنگ سی بجا کر اُسکو محبت کی خوابناک اور دلکش ترین حقیقت سے مُتعارف کروا کر سحر زدہ کر دیا۔

✓ ہر اِک مقامِ محبت بہت ہی دِلکش تھا

اور ہم اہلِ محبت کشاں کشاں گزرے

جُنوں کے سخت مراحل بھی تیری یاد کے ساتھ

حسیں حسیں نظر آئے، جواں جواں گُزرے۔۔۔

"میرے کمرے کی کھڑکی سے بھی نہیں جاسکتے۔" سیل فون دیکھ کر میزاب نے مایوسی سے پُل سے نظر آتے کمرے کو دیکھ کر گہرا سانس لیا کیونکہ نائمہ بوا گھر نہیں تھیں۔

"آپ لگتا ہے جاسوسی کی کتابیں پڑھتی رہی ہیں۔ رات کے اندھیرے میں چُھپ چُھپا کر داخل ہونے کا طریقہ صِرف کھڑکی اور دیوار نہیں ہوتے۔" عباس کی معلومات میں اضافہ کرتے انداز پر میزاب نے خفگی سے اُسے گُھورا۔

"تو پھر اور کیسے ہوں گے، دروازے سے؟" اُسکے طنز پر عباس چہرہ جُھکا کر مُسکرایا۔

"ہاں، کیوں نہیں!" اُسکے جواب پر میزاب نے اُسے اِیسی نظروں سے پلٹ کر دیکھا جیسے اُسکا دماغ چل گیا ہو۔

"تمہیں اندھے کنویں میں چھلانگ لگانے کی میں ہرگز اِجازت نہیں دوں گی۔ تمہیں کیا لگتا ہے دروزے سے جانے پر پُھولوں کے ہار سے تمہارا اِستقبال ہو گا؟" میزاب نے تنک کر کہتے ہوئے عباس کو دیکھا جو مُسلسل مُسکرا رہا تھا۔

"اصولاً مُجھے پُھولوں کے ہار ہی پہنانے چاہیئے کیونکہ میں بزنجو خاندان کا اکلوتا اور پہلا داماد ہوں۔" فرضی کالر جھاڑ کر میزاب پر رعب بِٹھانا چاہا مگر مُقابل میزاب تھی۔

"تو پھر گھر کے پیچھے کیا کر رہے ہیں، آگے سے چلتے ہیں۔" اُسکے خفا لہجے پر عباس نے ہنستے ہوئے اُسکو بازو سے تھاما۔

"اِتنا بزدل بھی نہیں ہوں کہ آپ کے گھر کھڑکی یا دیوار سے جاؤں۔ ہم دروازے سے جائیں گے۔" کہہ کر میزاب کو حیران ہونے کا موقع دیئے بغیر وہ اُسکو دوسری سائیڈ پر اپنے ساتھ تقریباً تیزی سے لے کر آیا۔ یہ وہی جگہ تھی جِس کی دیوار پر میزاب نے کبوتر کے لیئے کھانا رکھا تھا اور عباس نے پہلی بار اُسے پچھلے دالان میں نَل کے پاس کھانس کر قے کرتے دیکھا تھا۔

"ہم یہاں۔۔۔" عباس نے اُسکا بازو چھوڑا اور اُسکو جھاڑیاں ہٹا کر لکڑی کا چھوٹا سا دروازہ کھولتے دیکھ کر اُسکی بات بیچ میں رہ گئی۔

"یہ ابھی تک یہاں ہے؟" حیرانگی سے وہ تیزی سے آگے بڑھی۔ اُس جگہ کا رنگ اور طرز اَب اندر اور باہر سے دیواروں جیسا تھا تبھی میزاب نے اپنی مصروفیات اور مُختلف توجیہات پر دھیان نہیں دیا کبھی۔ عباس نے آہستگی سے دھکا دے کر اُس دروازے کو کھولا اور پہلے خود جُھک کر اندر گیا اور پھر میزاب کچھ نا سمجھی سے اندر آئی۔ وہ واقعی پچھلے دالان کی گلی تھی جو بہت کم اِستعمال ہوتی تھی۔

"یہ دروازہ کیسے کُھل گیا؟" میزاب کے مدہم سوال پر اِحتیاط سے اِرد گرد دیکھتے عباس نے اُسکو شانوں سے تھام کر اپنے برابر کیا۔

"یہاں میرے بھی وفادار ہیں۔" اُسکے جواب پر میزاب اُسے دیکھ کر رہ گئی۔ اَب وہ دونوں دبے قدموں پچھلے دروازے سے اندر جارہے تھے اور یقیناً لکڑی کا پچھلا دروازہ بھی عباس کے وفادار نے ہی کھولا ہوگا تبھی میزاب نے کوئی سوال نہیں پوچھا۔ وہ دونوں دبے قدموں نیم اندھیرے میں سیڑھیاں طے کرتے ہوئے اُوپر آئے۔ سائیڈ کے کمرے کا دروازہ جیسے ہی کُھلا میزاب کا سانس تھم گیا۔ عباس نے بروقت اُسکو اپنی جانب کھینچ کر پلر کی اُوٹ میں کرلیا۔ یہاں سے کہیں اور جانے کا راستہ بھی نہیں تھا۔ راہداری اور سیڑھیاں بھی مُخالف سمت تھی۔ قدموں کی قریب آتی آواز پر میزاب نے آنکھیں بند کرکے کچھ سوچا اور عباس کا بازو پکڑ کر اُسکو اپنے ساتھ کھینچا اور سب سے کونے والے کمرے میں لے جاکر آہستگی سے دروازہ بند کیا اور دروازے سے ٹیک لگا کر اپنے حواس بحال کیئے اور جب آنکھیں کھولیں عباس کو دلچسپی سے کمرے کا جائزہ لیتے دیکھ کر اُس تک آئی۔

"تو یہاں رہتی رہی ہیں آپ میری نظر میں رہنے سے پہلے۔" وہ جو اُسے ڈانٹنے لگی تھی اُس دِل افروز بات پر بے ساختہ گُلابی ہوگئی۔

"میں جلدی سے۔۔۔" وہ بھاگ کر ڈریسنگ ٹیبل کے پاس آئی اور عباس کے دیکھتے دیکھتے اُس نے جُھک کر ٹیبل کی بہت نچلی سطح پر ہاتھ مارا اور پِھر خاکی لفافہ کھینچ نکالا۔ بستر پر بیٹھتا عباس اُسکی چلاکی پر عَش عَش کر اُٹھا۔

"میں تو ایویں آپکو معصوم سمجھتا رہا۔" عباس کی سرگوشی پر وہ جو خاکی لفافے کو کھول کر کاغذات کی تصدیق کررہی تھی، چہرہ پھیر کر اُسے دیکھنا چاہا اور پِھر اُسکو آرام سے کہنی کے بل نیم دراز دیکھ کر بوکھلا کے اُس تک آئی۔

"تم یہاں آرام کرنے نہیں آئے ہو، اُٹھو۔" اُس نے بازوے سے کھینچ کر عباس کو ایک جھٹکے سے اُٹھا کھڑا کیا۔ اِیسا اُسکو لگا تھا۔

"یار! کچھ دیر تو یہاں رہتے ہیں۔" عباس کی دہائی پر میزاب نے آہستگی سے دروازہ کھول کر ایک تیز نظر اُس پر ڈالی اور باہر دونوں اطراف میں جھانک کر اُسکو یونہی اپنے ساتھ گھسیٹنے لگی۔

"میں تو کہتا ہوں اَب صُبح کا ناشتہ یہیں کر کے جاتے ہیں۔" اگر تو عباس کا مقصد میزاب کو تنگ کرنے کا تھا تو وہ اُس میں کامیاب رہا۔ میزاب نے خاکی لفافہ اُسکے شانے پر مارتے ہوئے اُسکو بازو سے پکڑے باہر گھسیٹ لیا اور پھر کچھ دیر بعد دونوں اُسی پُل پر تھے کیونکہ اُنہوں نے گاڑی یہیں کھڑی کی تھی۔

"ریس لگائیں؟" خاکی لفافے کو کسی گہری سوچ سے دیکھتی میزاب کو اُس نے متوجہ کرنے کے بجائے حیران کر دیا۔ اُس نے حیرانگی سے سَر تا پا گہری نیلی شرٹ اور سیاہ جینز میں ملبوس عباس کو دیکھا۔

"تم پینتیس کے ہی ہو نہ؟" میزاب نے خفگی سے تصدیق چاہی۔

"آپ سے چار، پانچ سال ہی بڑا ہوں۔" اُسکی یاد دہانی پر میزاب نے اُسے تپتی نظروں سے دیکھا۔

"پھر تو ریس لگاتے ہوئے بُرا۔۔۔" قبل اِسکے وہ جملہ مکمل کرتی، عباس کو کندھا مار کر ہلکا سا دھکا دیتے ہوئے وہ تیزی سے آگے بھاگ گئی۔ عباس جو اِس ٹکر کے لیئے تیار نہیں تھا، لڑکھڑا کر اُسکو تحیر سے بھاگتے دیکھنے لگا تبھی میزاب کئی قدم آگے جا کر ٹھہر گئی۔

"ریس نہیں لگانی؟" اُسکے قدرے اُونچی آواز کے سوال پر عباس گردن پیچھے کو پھینکتے ہوئے قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

"یا اللہ! میں آپکو معصوم سمجھتا تھا۔" اُس نے بھی اُسی طرح اُونچا جواباً کہا۔

"میں معصوم ہوں مگر کوئی مُقابلے پر اُکسائے تو کرنا پڑتا ہے اِیسا۔" کندھے بے نیازی سے اَچکا کر خاکی لفافہ اُسکی جانب لہرا کر اُسے اپنی جانب بھاگ کر آنے کا حکم نافذ کیا اور پھِر عباس کے بھاگتے قدموں پر پھِر سے بھاگنے لگی۔

اُن دونوں نے کوئی آخری سِرا مُنتخب نہیں کیا سو میزاب کے مطابق گاڑی کے بونٹ کو ہاتھ لگانے والے کی جیت تھی۔ ہنستے چہرے کے ساتھ اُس نے بھاگ کر قریب آتے عباس کو دیکھا اور جیسے ہی وہ اُسکے پاس سے گُزر کر آخری کھمبے کو ہاتھ لگا کر **"میں جیت گیا"** کا نعرہ مار کر اُچھلا، بونٹ سے ٹیک لگا کر کھڑی میزاب کی مُسکراہٹ سِمٹی اور وہ کرنٹ کھا کر سیدھی ہوئی۔

"بونٹ کو ہاتھ لگانے والے کی۔۔۔" اُسکی بات قریب آتے عباس نے مکمل نہیں ہونے دی۔

"یہ تو طے ہی نہیں ہوا تھا، ملکہ عالیہ!" ہنستے چہرے سے یقیناً کچھ گھنٹے قبل تصویر کو دیکھ کر قبول کی جانے والی غلامی کے ضمن میں پُکارا گیا۔ وہ جو جھگڑا کرنے لگی تھی، جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔

"غلام، ملکہ سے آگے نہیں نِکل جاتے۔" اُسکے خفگی سے پُھولے گالوں کو عباس نے بڑی دلچسپی سے دیکھا۔ اُسے کچھ دِنوں سے کیا جب سے شادی ہوئی تھی میزاب نے ہر موقعہ پر حیران کیا تھا۔ اپنے ہر عمل اور بات سے کیونکہ اِتنی ہی وہ حیران اور ششدر کر دینے والی عورت تھی مگر کچھ عرصے سے عباس پر اُسکی شخصیت کا جو پہلو آشکار ہوا تھا، وہ بہت حسین تھا۔

"ملکہ کی حفاظت کے لیئے تو نِکل سکتے ہیں۔" عباس نے نروٹھے گال کو نرمی سے چُھو کر میزابِ رحمت کو مزید گُلنار کر دیا۔

"یہاں کیسی حفاظت؟" اُس نے حقیقتاً پیر پٹخا۔ عباس اُس دل پسند چہرے کو دیکھتے دیکھتے بے اِختیار آگے بڑھا۔ وہ جو بونٹ سے ٹیک لگا کر کھڑی تھی، مزید پیچھے نہیں ہو سکتی۔

"یہ جیت آپ کے نام اور معذرت ملکہ سلامت!" پھیل کر اپنی جانب دیکھتی آنکھوں اور چہرے کو نگاہ بھر کر دیکھا گیا۔ وہ جو پھر سے مصنوعی خفا ہونے لگی تھی، نہیں ہو سکی۔

"مجھے تم جیسا اپنی مَن مانی کرنے والا غلام نہیں چاہیئے۔" اُسکے کندھے پر ہاتھ مار کر پیچھے کرتے ہوئے وہ ایک ادائے بے نیازی سے اُسکے پاس سے ہو کر پیسنجر سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔ ونڈو سکرین سے میزاب نے عباس جان نِثار کو چہرہ جُھکا کر کُھلے دِل سے مُسکراتے دیکھ کر اپنے دِل کو پوری قوت سے سُکڑ کر پھیلتے پایا۔ وہ دِل جو عباس جان نِثار سے مُحبت میں گرفتار تھا۔ اعتراف کا مکمل لمحہ ابھی باقی تھا۔

اگلے دِن میزابِ رحمت نے وہ کاغذات اور باقی تمام ثبوت پولیس کے حوالے کر دیئے۔ ہر وہ ثبوت بھی جو مُدثر اور کاشف بزنجو کے خلاف وہ اِتنے سالوں میں اکھٹے کرتے کرتے ایک وقت کا اِنتظار کرتی رہی اور وہ وقت بالا آخر آ ہی گیا۔ پاکستان کے قانون کی ایک سب سے خوبصورت اور پیاری بات اُسے جو لگتی تھی آج وہی اُسکے کام آنے والی تھی۔ دُنیا کے زیادہ تر مُمالک میں قتل یا کسی اور جُرم کو اگر دس سال کی معیاد گُزر چُکی ہو تو اُس کے مُجرم کو ثابت ہونے پر بھی گرفتار نہیں کیا جا سکتا۔ اِسے (statue of limitation) کہتے ہیں جبکہ پاکستانی قانون کے مُطابق قتل ایک (non-compoundable) اور (cognizable) جُرم ہے جِس کے مُجرم کی گرفتاری کی کوئی معیاد مُقرر نہیں۔ اگر گواہان یا ثبوت بیس سال بعد بھی سامنے آ جائیں تو اصل مُجرم کو گرفتار کروایا جا سکتا ہے اور عدالت میں فیصلہ سُنایا جا سکتا ہے۔ میزابِ رحمت نے اَب اِسی قانون کو اِستعمال کرنا تھا۔ وہ سیدھا جواد

کے پاس آئی اور اپنے باپ کی رپورٹس، تمام بلڈ ٹیسٹس، وہ تصاویر، چُھپائے گئے ثبوت کی فہرست، ہاشم بزنجو کے مُنہ سے بارہا کیے جانے والا بارہا اعتراف سب سامنے رکھ دیا۔

"یہ آپ سب عباس کو بھی دے سکتی تھیں، بھابھی!" جواد کی بات پر اُس نے گہر سانس لے کر جیسے اگلی بات کے لیئے خود کو تیار کیا۔

"میں کچھ کرنا چاہتی ہوں اور اُس میں مُجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔" میزاب کی بات پر جواد جو بڑی توجہ سے اُن کاغذات کے ڈھیر کو پڑھ رہا تھا، چونک کر اُسے دیکھنے لگا۔

"اور میں چاہتی ہوں یہ میری فیملی میں سے کسی کو بھی معلوم نہ ہو۔ خصوصاً جان نِثار اور احتساب انکل کے۔" اگلی بات مزید پریشان کر دینے والی تھیں۔

"بھابھی! میں کسی مُشکل میں کودنے کی آپ کو اِجازت نہیں دے سکتا، پلیز! عباس میرا قتل کر دے گا۔" جواد نے واقعی بے بسی سے کہا۔

"میں کچھ بھی خطرناک نہیں کروں گی اور آپ ہونے ہی نہ دینا۔ میں بس رفعت شیراز کو رنگے ہاتھوں پکڑوانا چاہتی ہوں۔" جواد نے بے چینی سے پہلو بدل کر اُسے دیکھا جِسکی وہ سنجیدگی اوائل دِنوں والی تھی جب اُسکا کسی سَنجرانی خاندان سے واسطہ نہیں تھا۔

"آپ کرنے کیا والی ہیں؟" جواد کے سوال پر میزاب نے کلائی پر بندھی گھڑی پر وقت دیکھا۔ عباس کو آج ضروری کیس کے سلسلے میں ہیڈ کوارٹر جانا تھا اور آج سے بہتر سُنہری موقع اُسے کبھی بھی نہیں ملنے والا تھا۔

"بس ماہِ نور آنٹی کے قتل کا بدلہ۔" اُس جواب پر جواد نے اُلجھی نظروں سے ٹیبل پر پڑے تاریک سیل فون کو دیکھا۔

"جتنے کیسز کے ثبوت اور گواہان آپ لے آئی ہیں اُسکے بعد وہ اپنے کنیکشنز اِستعمال کرنے کے قابل بھی نہیں رہیں گے اور عدالت بھی ہولا ہاتھ نہیں رکھ سکے گی تو میرے نہیں خیال سے آپکو مزید کچھ کرنا چاہیئے۔" جواد کی بات میں گو وزن تھا مگر میزاب کے سامنے کوئی اور بات تھی۔

" آپ نے بس پوری ٹیم کے ساتھ آکر ارجنٹ اریسٹ کرنا ہے اور بس۔" جواد اُسکی بات پر میزاب کو دیکھ کر رہ گیا۔

" یہ عباس کو بتا کر بھی کیا جا سکتا ہے؟" اُسے عباس سے مخفی رکھنا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

" وہ اہم کیس کے سلسلے میں مصروف ہے۔" میزاب نے گویا بات بنانی چاہی۔ جواد نے چند پَل اُسکے بے بس چہرے کو دیکھا۔

"ٹھیک ہے! آئیں تفصیل سے بات کرتے ہیں۔" جواد اپنی کرسی چھوڑ کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ جِس وقت وہ دونوں ساری بات کر کے باہر پارکنگ میں آئے، جواد کی نگاہ پیسنجر سیٹ کے دروازے کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑی کائنات تک گئی جو پوری فرصت سے ہاتھ میں تھام رکھی فائل میں غرق تھی۔

" میں پھر سے یاد دہانی کروا رہی ہوں کہ آپ جان نِثار کو کچھ نہیں بتائیں گے۔" میزاب نے اُسکی نظروں کے اِرتکاز کی سِمت دیکھ کر اُسے جیسے یاد کروایا۔

" اگر اُس نے پوچھا تو میں اِنکار نہیں کر سکوں گا البتہ ویسے پوری کوشش ہو گی۔" جواد بھی عباس کا ہی دوست تھا۔

"آپ کو آپکے مما اور بابا کا واسطہ۔" میزاب کے بچگانہ واسطے پر جواد نے چونک کر حیرت سے اُسے دیکھا۔

"میرے والدین زندہ نہیں۔" اُس نے مُسکرا کر میزاب ک واسطہ رَد کر کے میزاب کا دِل دُکھی کر دیا۔

"اچھا تو پِھر کسی اِیسے کا واسطہ جِس سے آپکو مُحبت ہے۔" اگر وہ جواد تھا، عباس کا دوست تو سامنے بھی میزاب تھی، عباس کی بیوی۔

"ہیں! یہ مُحبت کہاں سے آگئی؟" وہ جِس طرح بوکھلایا، میزاب کی ہنسی نِکل گئی۔

"یعنی تیر سیدھا نشانے پر جا لگا ہے۔" میزاب کے انداز پر جواد نے تیزی سے نفی میں سَر ہلایا۔

"بے فکر رہیں! یہ تیر مِس کائنات کو بھی لگے گا۔" اُسکی اگلی مُسکراتی بات جواد کو اپنی سماعتوں کا دھوکہ محسوس ہوئی تبھی اُس نے ایک جھٹکے سے مُسکراتی ہوئی میزاب کو دیکھا۔

"اِ۔۔۔اِیسا نہیں بھابھی۔" میزاب اُسکی ہکلاہٹ سے بہت محظوظ ہوئی۔

"مُجھے معلوم ہے مُحبت ایک دَم سے نہیں ہوتی، وقت لیتی ہے لیکن مُجھے یہ بھی معلوم ہے کہ آپ کائنات کو کچھ کچھ پسند کرنے لگے ہیں۔" اُس نے جِس اپنائیت سے اُسکی مُشکل آسان کی، جواد بدلے میں نفی بھی نہیں کر سکا تبھی کائنات کی نگاہ اُن تک سرسری سی گئی اور پِھر وہ تیز قدموں سے اُن تک آئی۔

"اسلام وعلیکم!" جواد کو ایک نظر دیکھ کر سلام کرتے ہوئے وہ میزاب کی جانب متوجہ ہو کر اُس سے آفس کی بات کرنے لگی جبکہ جواد ساکن سا اُسکے چہرے کے اُتار چڑھاؤ دیکھنے میں محو تھا۔ اُس نے دوبارہ جواد کو دیکھا تک نہیں شاید اُسکی یہ کیفیت یکطرفہ تھی۔ گہرے، بوجھل کر دینے والے خیال کی آمد کے ساتھ ہی کائنات نے کچھ چونک کر اُسے دیکھا۔ مایوس اور اُلجھی آنکھوں کا زبردست تصادم ہوتے دیکھ کر میزاب نے مُسکراہٹ دبائی۔

"یہ آپ مجھے اِیسے کیوں دیکھ رہے ہیں؟"کائنات کے مشکوک سوال پر جواد ٹھٹکا۔

"میں۔۔۔آپ کو تو نہیں۔۔۔"عباس یہاں ہوتا تو اُسکی بے بسی سے حظ اُٹھاتا اِسی لیئے شُکر ہے وہ یہاں نہیں تھا مگر اُسکی بیگم تو تھی ناں!

"جی! آپ مجھے ہی کب سے دیکھ کم گُھور زیادہ رہے ہیں۔"وہ بھی کائنات تھی بال کی کھال نکالنے والی جبکہ جواد اُسکی صاف گوئی پر بھونچکا رہ گیا۔میزاب نے ہنس کر اُسکا غصّے سے سُرخ پڑتا چہرہ دیکھا۔

"اگر آپ کو اِیسا لگا ہے تو میں معذرت چاہوں گا۔"جواد نے نرمی سے کہتے ہوئے کائنات کے کھچے اعصاب ٹھیک کر دیئے۔

"معاف کیا۔چلیں،میم!"اُسکو ذرا کی ذرا دیکھ کر میزاب کو چلنے کا کہا۔

"ٹھیک ہے،جواد۔میں پھر آپ کو ریڈ کا میسج کر دوں گی۔"نرمی سے کہہ کر میزاب،کائنات کے ساتھ آگے بڑھ گئی جبکہ جواد تب تک کھڑا رہا جب تک میزاب نے گاڑی پارکنگ سے نکال کر اُسکی نظروں سے اُوجھل نہیں کر لی۔
گہرا سانس لے کر اُس نے سیل فون کو ایک نظر دیکھا اور پھر سَر جھٹک دیا۔عباس کو وہ بعد میں سب کچھ بتا دے گا۔
یہ تسلی خود کو دے کر اندر واپس سٹیشن میں داخل ہو گیا۔

"ساری زندگی کتنی میسنی اور گُھنّی بنی رہی،کم بخت۔"رفعت شیراز اور آمینہ بیگم کا غُصّہ کم ہونے میں نہیں آرہا تھا۔وہ دونوں اور کاشف بزنجو کل سے خاموش بیٹھے ہاشم بزنجو کو اپنے سخت الفاظ سے اِتنا کچھ باور کروا چکے تھے یہاں تک کے مُدثر نے بھی عباس اور اُسکے بارے میں کتنا کچھ بتایا تھا مگر اُنکی خاموشی تھی کہ ٹوٹنے میں نہیں آرہی۔

"لگتا ہے داداجان صدمے میں ہیں۔" زُوبیہ کی سرگوشی بہت آہستہ تھی، اِتنی کہ صِرف ذکی اور تقی سُن سکے۔

"صدمہ تو ہو گا آخر کو داداجان یہ اچھی طرح سمجھے بیٹھے تھے کہ میزاب کو برین واش کر کے اپنے قابو میں کر رکھا ہے۔" ذکی نے بے پرواہی سے کہہ کر کاشف بزنجو کی سخت نظروں کو نظر انداز کر دیا۔

"مجھے پکا یقین ہے وہ ہمیں برباد کرنے کے لیئے سَنجرانیوں کے ساتھ مِل کر کوئی بڑی گیم کھیل رہی ہے۔" کاشف بزنجو کی رائے پر ہاشم بزنجو نے پُرسوچ نظروں کا زاویہ بدلا۔ وہ سوچ رہے تھے کہ آخر اُنکے سارے دھکاوے اور فریب کے اُس پرفیکٹ پلین میں آخر کونسی کمی، کیسا جھول باقی رہا تھا کہ میزابِ رحمت کو سب معلوم ہو گیا تھا۔ ابھی تو بہت وقت باقی تھا۔ اُنھیں میزاب سے بہت سارے کم لینے اور کروانے تھے اور یہ کیا ہو گیا کہ اُنکے اپنے سب سے اہم مُہرے نے ہی چال چل دی تھی۔

"صاحب! میزاب بی بی آئی ہیں۔" مُلازم بھاگتا ہوا اندر آیا تو اُن سب نے تعجب سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"بتا کیوں رہے ہو؟" ہاشم بزنجو نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"وہ میڈم نے کہا ہے آپ سب کو بتا کر آؤں۔" اُسکی اگلی بات پر ہاشم بزنجو ایک جھٹکے سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"بھیجو اندر!" اُنکے حکم پر مُلازم اثبات میں سَر ہلا کر واپس پلٹ کر چلا گیا اور کچھ دیر بعد مضبوط قدموں کے ساتھ اندر آتی میزاب کو دیکھ کر اُن سب کو بے چینی گھیرنے لگی۔ گو کہ وہ کل ہی یہاں سے گئی تھی اور اَب بھی تنہا تھی مگر نہ جانے کیا تھا اُسکے انداز میں کہ سب نے کسی اِنہونی کے احساس سے چونک کر اُسکو دیکھا جو مضبوط پہاڑ کی طرح ہاشم بزنجو کے سامنے اِیستادہ ہو گئی۔

"اسلام وعلیکم! میں ایک بڑے خاص مقصد کے لیئے یہاں آئی ہوں اور چاہوں گی کہ آپ تعاون کریں کیونکہ تبھی معاملات بگڑیں گے نہیں۔" اُسکی بات پر ہاشم بزنجو واپس اپنی جگہ پر بیٹھے، چہرہ اُٹھائے اَنجھنبے سے اُسے بغور دیکھنے لگے۔

"کیا بکواس کرنے آئی ہو تم؟" کاشف بزنجو تپ کر اُٹھ کھڑے ہونے لگے۔

"آپ اپنی بکواس بند کر کے خاموشی سے بیٹھے رہیں۔" میزابِ رحمت کی غُراہٹ پر کاشف بزنجو اُٹھنا بُھول کر ششدر رہ گئے۔ کھڑا ہونے بھی یاد نہیں رہا۔

"تم کیا کرنے والی ہو، میزابِ رحمت؟" ہاشم بزنجو کے سوال پر میزاب نے مُسکرا کر اُنکو دیکھا۔

"اَب کیا ہے آپ نے کام کا سوال۔" اُسکی بات ذُو معنی تھی۔

"میں آپ لوگوں کی طرح پُشت پر وار نہیں کر سکتی اِسی لیئے بتانے آئی ہوں کہ میں آپ سب کا کیا کرایا دُنیا کے سامنے لا کر آپ کو عدالت میں گھسیٹنے والی ہوں۔ میں اپنے باپ کے قتل کی تفتیش کروا کر مُجرم کو سزا دلواؤں گی۔" اُسکے مصمم اِرادے کا عظم دیکھنے لائق تھا۔ ہاشم بزنجو کا رنگ اِس سب میں پہلی بار تبدیل ہوا۔

"اپنے خاندان کو عدالت میں گھسیٹو گی؟" اُنکے سوال پر میزاب نے تاسف سے اُنکو دیکھا۔

"آپ کو یہ کہنا چاہیئے تھا کہ خاندان نے اِیسا کچھ نہیں کیا جِس پر اُنکو عدالت میں گھسیٹا جائے لیکن اچھی بات ہے کہ آپ سب اپنے سیاہ اعمال سے واقف ہیں۔" اُسکی بات وزن دار تھی۔ ہاشم بزنجو نے پہلو بدلا۔ کچھ تھا جو بہت غیر آرام دہ کرنے والا تھا۔

"تم احسان فراموش عورت۔ وہ ہم تھے جنہوں نے تمہیں یتیم ہونے کے بعد پال پوس کر بڑا کیا اور اپنے سیاہ سفید کا مالک بنایا۔ " رفعت شیر از کا ضبط اِتنا ہی تھا۔ اُنکی پھنکار پر میزاب نے چہرہ پھیر کر اُنکے نفرت سے نیلے پڑتے چہرے کو دیکھا۔

"مُجھے یتیم کرنے والے بھی آپ لوگ ہی ہیں اور احسان فراموشی کے طعنے دینے سے پہلے یاد رکھیں کہ آپکے بابا نے مُجھے آپ سب کی ڈھال بنا کر رکھنے کے لیئے سب میرے نام کیا۔ وہ میں تھی جِس نے سب کچھ سنبھال کر رکھا۔ ہر مُشکل وقت میں بزنجو اِیمپائر کو ڈھے جانے سے بچایا اور آپ کی اِتنی جُرأت کے مُجھ پر چیخنے کی کوشش کریں۔" وہ اُن سے بھی زیادہ تیز آواز میں چلائی۔ سب نے آنکھیں پھیلا کر ایک دوسرے کو دیکھا جبکہ ہاشم بزنجو کو اپنے وجود سے جان نکلتی محسوس ہونے لگی۔ اُنہیں تو لگا تھا میزاب اُن سے بس ناراض ہے تبھی اِتنے دنوں سے اپنی شخصیت کے بَرخلاف سخت باتیں کہتی رہی تھی مگر نہیں بات کچھ اور تھی۔

"سب کو اپنے اعمال کا حساب دینا ہے پھِر وہ کوئی بھی ہو اور میں چاہتی ہوں کہ رفعت شیر از کو ماہِ نور آنٹی کے قتل کی سزا ہو۔ اِس کا فیصلہ بھی تو لٹک رہا ہے۔ عدالت میں عباس کی گواہی اَب بہت مُستحکم ثابت ہو گی۔" میزاب کی اگلی بات پر رفعت شیر از لڑ کھڑا کر پیچھے ہوئیں۔ اُوسان خطا ہونا کسے کہتے ہیں یہ آج ہی اُن سب کو معلوم ہوا تھا۔

"کاشف بزنجو کو مُحتسب انکل کے کیس میں دوبارہ اِنوالو نہیں کیا جا سکتا اِس لیئے میں اپنے بابا کا قتل سامنے لا رہی ہوں۔ میں یہ کبھی نہ کرتی اگر جو اُنکے جُرائم اور ستم صِرف مُجھ تک رہتے لیکن آپ لوگ سب صِرف میرے ہی نہیں، سَنجرانیوں کے، اِس قوم کے، اپنے ورکرز کے جنہوں نے آپ پر اندھا اعتماد کیا۔۔۔ سب کے مُجرم ہیں۔" میزاب کو اُنکے اُوپر گُزرتی قیامت کا اِدراک تھا تبھی ایک کے بعد دوسرا دھماکہ کرتی چلی جا رہی تھی۔

"اور اپنی یہ لفاظی تم عدالت میں ثابت کیسے کرو گی؟" کئی دیر کی خاموشی کے بعد ہاشم بزنجو کے سخت سوال پر میزاب نے اُنکو اِیسی نظروں سے دیکھا جیسے اَب آیا نہ اُونٹ پہاڑ کے نیچے۔

"آپ لوگوں کو کیا لگتا ہے مجھے آجکل میں آپ لوگوں کی اصلیت معلوم ہوئی ہے؟" اُنکی آنکھوں کے عین سامنے آ رُکتے ہوئے جو سَرد، مدہم سوال آیا وہ رونگھٹے کھڑے کر دینے والا تھا۔

"مجھے تب سے معلوم ہے جب آپ اور رفعت شیراز کے مشورے پر کاشف بزنجو نے میرے باپ کو ایکسیڈنٹ میں دونوں ٹانگوں سے محروم کروایا تھا اور جب اُنکو زہر دیا گیا تب میں بھی تو وہیں تھی نہ اور میری ماں نے اُنکو بروقت ہاسپٹل پُہنچا کر ضروری ٹیسٹ کروائے تھے۔" میزاب کے انکشافات ہاشم بزنجو کے فُول پُروف پلان کی دھجیاں اُڑا دینے والے تھے۔

"دُنیا تو یہی کہے گی کہ اِتنی مُحبت سے شہزادیوں کی طرح پالی جانے والی میزاب رحمت نے کیسے اپنے عظیم دادا کو کٹھرے میں لا کھڑا کیا۔" ہاشم بزنجو کا لہجہ تمسخرانہ تھا۔ میزاب نے ہنس کر کندھے میں ڈال رکھے بیگ سے وہی خاکی لفافہ نکال کر اُنکی آنکھوں کے سامنے کھول کر اندر موجود تصاویر اور کاغذات لہرائے، وہ جو چیلنجنگ نظروں سے اُسے دیکھ رہے تھے، چونک کر اُنکی نگاہ کاغذات اور تصاویر تک گئی اور ایک جھٹکے سے میزاب کے ہاتھ سے جھپٹ لیا۔ اُنکی نظریں جیسے جیسے کاغذات اور تصاویر پر پھسلتی جا رہی تھی، اُنکا چہرہ اپنی اصل رنگت کھونے لگا۔ رفعت شیراز اور کاشف بزنجو کو کسی انہونی کا اِحساس ہوا تو اُنکی جانب بڑھے اور اُن دونوں کا حال بھی وہی ہوا۔ اُن تصاویر میں کاشف اور ہاشم بزنجو اُسی ٹرک ڈرائیور کو پیسے دے رہے تھے جس نے اَصفہان بزنجو کی گاڑی کو ہٹ کیا تھا، ایک تصویر میں وہ دونوں باپ بیٹا ہاسپٹل کے بستر پر لیٹے اَصفہان کی زخمی ٹانگوں پر دباؤ ڈال کر کھڑے دھمکا رہے تھے۔ اگلی تصویر میں کاشف بزنجو، اُس مُلازمہ کو شیشے کی بوتل پکڑا رہا تھا جسکو پولیس نے اصفہان بزنجو کو زہر دینے کے

الزام میں سزادی تھی اور وہی زہر جیل میں اُسکو بھی دیا گیا تھا۔ اُس بوتل پر صاف زہر کا نام بھی درج تھا اور باقی کی تصاویر میں میزاب کے تمام بدلے جانے والے باڈی گارڈز اور منظور کرامت کے ساتھ دونوں باپ، بیٹا لین دین کرتے نظر آرہے تھے۔ کاغذات پر اُسی زہر کا نام اور اُسکے نقصانات درج تھے جو اصفہان اور میزاب کے خُون میں شامِل ہوا تھا۔ اُن تینوں نے سپید پڑتے چہروں کے ساتھ میزاب کو دیکھا جو اطمینان سے کھڑی تھی۔

"اور اگر یہ بھی ناکافی ہیں تو۔۔۔" مسکرا کر کہتے ہوئے اُس نے ہاتھ میں تھام رکھے سیاہ پین کا بٹن دبایا۔ رفعت شیر از اور ہاشم بزنجو کی ہونے والی اُس دِن کی گرما گرم تکرار پر اُن سب نے جھٹکے سے ایک دوسرے کو دیکھ کر میزاب کو دیکھا جس نے سیدھا ہاتھ ہوا میں اُونچا کر رکھا تھا۔

"تم لوگوں کے لیئے میں اُس دو ٹکے کی لڑکی کی عزت کرتا رہا، اُسکی آو بھگت کرتا رہا اور تم مجھے آنکھیں دِکھاؤ گی۔"
اُس جملے پر ہاشم بزنجو نے لرز اُٹھتے دِل سے میزاب کو دیکھا جِس کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔

"ہم غلط نہیں ہوسکتے۔ میں نے خُود اُسکی آنکھوں میں میزاب کا عکس دیکھا ہے اور اگر نہیں بھی ایسا ہے تو اِیسا ہی ہونا ہوگا ورنہ میں نے اپنی راہ میں آنے والے بیٹے کو راستے سے ہٹا دیا تو پوتی کیا چیز ہے۔" وہ آخری بات تابوت میں آخری کیل ثابت ہوئی۔ آمینہ کاشف نے دونوں ہاتھ ہونٹوں پر رکھ کر اپنی حیرت کا گلا گھونٹا جبکہ کاشف بزنجو کو اپنے قدموں سے زمین کے نکلنے کا اندازہ ہوا اور ہاشم بزنجو کے ہاتھ سے وہ سارے کاغذات اور تصاویر گر گئے اور خود بے دَم ہو کر پیچھے صوفے پر بیٹھ گئے۔ وہ پہلے کی طرح جوان نہیں تھے۔ بوڑھے ہو چُکے تھے۔

"اِس لفاظی کے بعد تو عدالت یقین کرلے گی نہ؟" اُسکے تمسخرانہ سوال پر رفعت شیر از نے قتل کردیتی نظروں سے میزاب کو دیکھا جبکہ کاشف بزنجو جُھک کر تیزی سے وہ کاغذات اور تصاویر جمع کر کے اَب لائیٹر کی مدد سے نظرِ آتش کرنے لگے تھے۔

"یہ ویسے کاپی تھی۔ اوریجنل سب کچھ ڈی۔ایس۔پی جواد کے پاس ہے۔" سب راکھ کر کے کاشف بزنجو ہاتھ جھاڑ کر جِس وقت کھڑے ہوئے میزاب نے ہنس کر اطلاع دیتے ہوئے اُنکو تلملانے پر مجبور کر دیا۔

"تم۔۔۔ تم۔۔۔ گھٹیا لڑکی۔" رفعت شیراز کی آنکھیں آگ اُگلنے لگی تھی۔

"ویسے دادا آپ کو معلوم ہے نہ ہر فرعون کے لیئے ایک موسیٰ اور ہارون علیہ اسلام ہوتے ہیں لیکن۔۔۔۔" اُسکی بات پر ہاشم بزنجو نے خالی خالی نظروں سے اُسکو دیکھا جو اُنکا غرور اور مان تھی۔ جِسکو وہ آج تک بڑی مہارت سے چلاتے رہنے کا خود کو کریڈٹ دیتے آرہے تھے۔ جِسکے نام کے سارے تمغے اُنہیں اپنی دین لگتے تھے۔

"تم نے میرے باپ کو فرعون کہا۔۔۔؟" وہ رفعت شیراز ہی کیا جِن کا غصّہ اور نفرت اُنکو سوچنے سمجھنے کا موقع دے۔

"مُجھے میری بات مکمل کرنے نہیں دیں گی تو نقصان آپکا ہو گا۔" میزاب کی تنبیہ محض اَب تنبیہ تو نہیں رہی تھی۔ مُدثر کا نیل اور زخموں سے چُور چہرہ لٹھے کی طرح سپید ہو چُکا تھا۔ میزابِ رحمت اَب اُسے کبھی نہیں مِل سکتی تھی۔ اُسکے بعد تو کبھی بھی نہیں جب اُس کی اور سب کی اصلیت میزاب کے سامنے آگئی تھی۔

"فرعون مَر تو گیا ہے مگر اپنی اولادیں چھوڑ گیا ہے جو اُسکی طرح ہی لوگوں کی گردنیں کاٹتے ہیں، اُنکی پُشت پر خنجر گھونپتے ہیں لیکن خیر یہ سب تو سبق حاصل کرنے والوں کے لیئے ہے۔" ہاتھ جھٹک کر اُس نے اپنی گفتگو سمیٹ کر پین بیگ رکھنے کے لیئے جیسے ہی چہرہ جُھکایا، ٹیبل پر رکھا کانچ کا گُلدان اُٹھا کر رفعت شیراز اُس پر حملہ آوار ہوئیں۔ سب کی پُکار کہیں اندر ہی دَب کر رہ گئی۔

میزاب نے تیزی سے چہرہ اُٹھا کر اُنکا مارنے کو تیار ہاتھ پوری قوت سے جھٹک دیا۔ گُلدان نیچے گر کر زوردار آواز سے پاش پاش ہو گیا۔

"آپ بعض نہیں آسکتیں لوگوں پر اچانک سے حملہ آور ہونے سے۔" اُسکا تمسخر رفعت شیراز کو تیر کی طرح لگا۔

"صِرف حملہ۔۔۔ میں قتل بھی کر دیتی ہوں تم جیسی منحوس اور احسان فراموش عورتوں کو۔" نیچے بیٹھ کر ایک نوکدار ٹکڑا اُٹھاتے ہوئے وہ بَل کھا کر چیخیں۔ میزاب نے بغور اُنکا نفرت سے سیاہ پڑتا چہرہ دیکھا۔ لوہا گرم تھا اور یہی وقت تھا چوٹ لگانے کا۔

"وہ اور عورتیں ہوں گی۔ میں میزابِ رحمت ہوں۔ آپ مجھے کھرونچ بھی نہیں پُہنچا سکتی۔" اُس ٹھنڈے ٹھار لہجے پر مُدثر سنبھل کر کھڑا ہوا۔ اُسے اپنی ماں کا معلوم تھا۔ وہ غُصّے اور نفرت میں بے قابو ہو جانے والی عورت تھی لیکن اُسکے اُٹھنے تک رفعت شیراز نے میزابِ رحمت پر اُس نوکدار ٹکڑے سے پِھر سے حملہ کر کے سب کو چیخنے پر مجبور کر دیا۔ جواد کے ساتھ اندر بھاگ کر آتے عباس کو معلوم ہوا کہ قدموں سے جان نِکلنا کسے کہتے ہیں۔ سُکڑ کر پھیلتے دِل سے اُس نے میزاب کو وہ نوکیلا ٹکڑا اپنی ہتھیلی سے روکتے دیکھا اور اِیسا کرتے ہوئے اُسکے ہاتھ سے خُون فوارے کی طرح پُھوٹ کر زمین پر گِرنے لگا مگر میزاب کے چہرے پر کوئی تکلیف دہ تاثر نہیں تھا۔

"میں تمہارا بھی قتل کر دوں گی۔ بہت تڑپ جاگ رہی ہے اُس مَری ہوئی منحوس عورت کے لیئے تو تم بھی مَر جاؤ۔" وہ قابو سے باہر ہو کر چیخے جا رہی تھی۔

"آپ کو کیا لگتا ہے مُجھے مارنا اِتنا آسان ہے؟" میزاب اُنکی گرفت میں نوکیلا ٹکڑا اپنے دِل کے مقام تک پُہنچنے سے روک کر غُرائی۔

"ماہِ نور کو بھی یہی لگتا تھا لیکن دیکھا کیسے اُسکو دھکا دے کر گاڑی سے اُسکے چیتھڑے اُڑا کر کام تمام کر دیا اُسکا میں نے۔" اُنکی اگلی بات رُوح قبض کر لینے والی تھی۔ جواد نے دروازہ پر ہی جم چُکے عباس کا نُچڑتا چہرہ دیکھا۔ وہ میزاب کے زخمی ہاتھ کو دیکھ کر قوتِ گویائی کھو بیٹھا تھا۔

"تو آپ مان رہی ہیں کہ ماہِ نور آنٹی کا قتل آپ نے کیا ہے؟" پوری قوت سے اُنکو دوسرے ہاتھ سے جھکڑ کر اپنے سامنے کر کے اُسکا سوال دَر و بام ہلا دینے والا تھا۔

"ہاں! کیا ہے میں نے اُس عباس کی ماں کا قتل جو مرنے کے بعد بھی ہمیں چین لینے نہیں دے رہی لیکن تمہیں میں نہیں چھوڑوں گی۔" اَب کے میزاب کی زخمی ہاتھ پہ رگڑ لگنے پر کراہ نکلنے پر بھاگ کر آتے عباس نے رفعت شیراز کو پیچھے کی جانب دھکیل کر پوری قوت سے تھپڑ اُنکے مُنہ پر دے مارا۔ وہ تھپڑ اِتنا اچانک اور زوردار تھا کہ رفعت شیراز چیختے ہوئے پیچھے صوفے پر مُنہ کے بَل جا گریں۔

"عباس!" قبل اِسکے وہ میزاب کا خُون دیکھ کر ضبط کھو کر اُس عورت کا قتل کرتا، جواد تیزی سے پُکار کر اُس تک آیا۔ سب نے ششدر ہو کر اندر آتی پولیس کی نفری کو دیکھا اور بیک وقت سب کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ یقیناً پولیس نے سب سُن لیا تھا۔

"پیچھے ہٹو!" جواد نے اُسکو بازو سے سائیڈ پر کیا۔ میزاب بوکھلاہٹ سے عباس کے برف جیسے سَرد چہرے کو دیکھنے لگی جو کینہ توز نظروں سے بزنجو خاندان کو دیکھتے ہوئے اُنکا لہو خُشک کر رہا تھا۔

"آپ کی بیٹی کو تو میں نے سزائے موت نہیں کروائی تو میرا نام عباس نہیں ہے۔ گرفتار کر لو اِن سب بے غیرتوں کو۔" اُسکی غُراہٹ نے ہاشم اور کاشف بزنجو کو سوچنے سمجھنے کا موقع تک نہیں دیا۔ یہ بھی سوال کرنا یاد نہ رہا کہ جواد

اور عباس پولیس کے ساتھ اندر کیسے آئے۔ پولیس تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے مُدثر، کاشف، رفعت اور ہاشم بزنجو کو ہتھکڑیاں پہنا رہی تھی۔

"نہیں! چھوڑو اِنکو۔" آمینہ بیگم چیخ کر آگے آئیں۔

"بی بی! یہ جذباتی ڈرامہ کسی اور وقت کے لیئے۔ قانون کو اپنا کام کرنے دیں۔" عباس کی سرد تنبیہہ پر وہ باقی بچنے والے افراد دُبک کر بیٹھ گئے۔ ذکی دوبارہ جیل نہیں جانا چاہتا تھا۔ جیل کی قید بھری زندگی بہت سخت تھی۔ میزاب بے تاثر چہرے کے ساتھ شل اور بوکھلائے ہوئے سے ہاشم اور کاشف بزنجو کو پولیس کے ساتھ گھسیٹ کر جاتے دیکھ رہی تھی۔ اُسے کوئی پچھتاوا نہیں تھا کیونکہ وہ صِرف اُسکے تو مُجرم نہیں تھے کہ معاف کر دیا تھا۔ معاملات اُسکے ہاتھ میں اَب نہیں رہے تھے۔

"چھوڑو مجھے! میں تم سب کا قتل کر دوں گی۔" رفعت شیرازی پاگلوں کی طرح اُچھل اُچھل کے لیڈی پولیس سے خود کو چھڑوانے کی کوششوں میں تھی۔ باہر آتے ہوئے ایک تماشہ سا لگ گیا۔ آس پاس کے گھر کے لوگ، میڈیا کے لاتعداد نمائندے سب کھلے گیٹ سے ہاشم اور کاشف بزنجو کو ہتھکڑیوں میں باہر آتے دیکھ رہے تھے مگر گارڈز پوری قوت سے اُنکو باہر دھکیل رہے تھے۔ پیچھے ہی خُود کو چھڑوانے میں ناکام ہوتے مُدثر کا چہرہ اِس عزت افزائی اور تماشے پر سُرخ ہو رہا تھا۔ گارڈز میڈیا اور لوگوں کے رش پر غلبہ پا کر اُنکو پیچھے دھکیلنے میں کامیاب ہو گئے۔ پولیس کی وین باہر کھڑی تھی تبھی عباس نے میزاب کو تیز قدموں سے باہر جاتے دیکھا تو بھاگ کر اُسکے پیچھے آیا۔ میزاب کو لیڈی پولیس نے اپنے ہاتھ کے خُون کو روکنے کے لیئے جو کپڑا دیا تھا وہ لے کر اُس نے ہاشم بزنجو کی ہتھکڑیوں والے ہاتھ پر یوں ڈالا کہ آگے کے بندھے دونوں ہاتھوں کی ہتھکڑیاں چُھپ گئیں۔ کاشف اور مُدثر نے چونک کر میزاب کو دیکھا جو ساکت و جامد رہ جاتے ہاشم بزنجو کے چہرے کو ترحم سے دیکھ رہی تھی۔

"میرے بابا آپ کو کبھی یوں سارے زمانے میں رُسوا ہوتا نہیں دیکھنا چاہیں گے۔" وہ جو قیامت کے زیرِ اثر میزاب کا ہر جذبے سے عاری چہرہ دیکھ رہے تھے اُن الفاظ پر اُنکو یوں لگا جیسے کسی نے اُونچے پہاڑ سے گہرے پاتال میں دھکا دے دیا ہو۔

عباس نے گہرسانس لے کر، سَر کی پُشت پر ہاتھ رکھتے ہوئے میزاب کے چہرے کو دیکھا۔ نگاہ اُسکے ٹپکتے خُون تک جا کر زخمی ہو رہی تھی تبھی اُس نے میزاب کے پاس آکر بازو سے تھامتے ہوئے ہاشم بزنجو کی لرزتی آنکھوں سے ہٹا کر اپنے حلقے میں لیئے سائیڈ پر کرتے ہوئے جیسے پولیس کو جانے کا رستہ دیا۔ اُس سے ٹکرا کر میزاب نے چہرہ اُٹھائے اُس برف جیسے سَرد اور پتھر ہوتے چہرے کو دیکھا جو اُسکی جانب نہیں دیکھ رہا تھا۔ لیڈی پولیس نے ایک اور کپڑا عباس کی جانب بڑھایا جسے نرمی سے اُسکے ہاتھ پر لپیٹ کر اُسکو اپنے ساتھ کسی قیمتی متاع کی طرح لگائے پولیس کے نکلنے پر باہر گاڑی کی جانب لے کر بڑھا۔

پولیس وین میں بیٹھنے کو تیار مُدثر نے پلٹ کر وہاں دیکھا اور عباس جان نِثار کے حلقے میں محفوظ، نرمی سے عباس کو دیکھتی میزابِ رحمت تک نگاہ گئی اور اُسکی آنکھوں میں حسد، جلن اور رقابت کی مرچیں سی بھر گئیں۔

"میں ٹھیک ہوں، جان نِثار!" دروازے کے پاس کھڑے ہوتے ہوئے اُس نے خود کو تھام رکھے بازو پر محبت سے ہاتھ رکھ کر سہلایا۔ وہ جو میزاب سے حد سے زیادہ خفا، اندر تک کانپتا ہوا عباس تھا اُس نے اپنی سُنہری آنکھوں میں سارے زمانے کا خُوف سمیٹ کر میزابِ رحمت کو دیکھتے ہوئے سُن کر دیا۔ وہاں اُسکو کھو دینے کا ڈر، اُسکے زخم کی اذیت گویا ثبت ہو کر رہ گئی تھی۔

"جان نِثار!" یونہی اُسکے حصار میں موجود میزاب نے اُسکی جانب پلٹ کر اُسکا چہرہ چُھونا چاہا اور تبھی دلخراش چیخوں پر اُن دونوں نے بیک وقت پلٹ کر دیکھا جہاں پولیس کی گن ہاتھ میں لیئے مُدثر شیراز اُنکی جانب بھاگ کر آرہا تھا۔

ہاشم بزنجو، کاشف بزنجو اور رفعت شیراز کو چیخنے کا موقعہ دیئے بغیر اُس نے جیسے ہی روڈ کے وسط میں آ کھڑے ہوتے ہوئے پسٹل کے ٹریگر کو دبایا تبھی ہزاروں لوگوں اور میڈیا کے کیمروں کے سامنے سائیڈ گلی سے پوری رفتار سے آتا سفید ٹرالا مُدثر شیراز کو بُری طرح ہوا میں اُچھال کر قریبی درخت سے جالگا۔ شاید ڈرائیور نے ایک دَم سے سامنے آتے بندے کو دیکھ کر بریک لگائی تھی مگر تب تک دیر ہو گئی تھی۔

عباس نے تیر کی سی تیزی سے میزاب کے سَر کی پُشت پر ہاتھ رکھ کر اُسکا چہرہ اپنے بازوؤں میں چُھپالیا۔ اِسی لیئے وہ ہوا میں اُڑتے مُدثر شیراز کو نہیں دیکھ سکی۔

"مُدثر!" سب سے دلخراش چیخ اِس سارے میں رفعت شیراز کی تھی وہی عورت جِس نے ماہِ نور مُحتسب کو دھکا دے کر گاڑی تلے روندھ کر قتل کر دیا تھا۔

"کیا ہوا عباس؟" اُسکے سینے پر سَر رکھ کر لرزتی میزاب کے سوال میں بھی لرزش تھی۔

"کچھ نہیں!" دونوں بازو اُسکے گِرد مضبوطی سے رکھ کر اُس نے میزاب کو وہاں ہر گز نہیں دیکھنے دیا جہاں ایک قیامت برپا ہو گئی تھی۔ یونہی اُسکے ساتھ لگ کر آنکھیں سختی سے میچ کر کھڑی میزاب کو رفعت شیراز، ہاشم اور کاشف بزنجو کی رونے کی آوازوں کے ساتھ اَب ایمبولینس کا سائرن بھی سُنائی دے رہا تھا مگر اُس نے پلٹ کر پیچھے دیکھنے کی ہلکی سی کوشش بھی نہیں کی۔ عباس جان نِثار نے اپنے شرٹ پر میزابِ رحمت کے آنسو کو بغیر کسی آہٹ کے گِرتے محسوس کیا۔ وہ عورت جو تب سے مضبوط بنی ہوئی تھی۔ اَب بُھر بُھری دیوار کی طرح سِسکیاں بَھرنے لگی تھی۔ اِن لوگوں پر اُس نے اپنی زندگی کے اہم سال وارے تھے۔ اگر جو عباس کی خواہش، اُسکی چاہ کے بعد محبت نہ مِلتی تو کیا میزابِ رحمت اُس زہر آلود، خود سے نفرت میں ڈوبے لوگوں کے ساتھ رہ سکتی تھی؟ اُس سوچ کے ساتھ آنسوؤں میں مزید روانی آ گئی۔ عباس نے چہرہ اُسکے سَر پر رکھ کر آہستگی سے چُھولیا۔ وہ اپنے حلقے میں بے آواز روتی

عورت کی تکلیف اور غم سمجھ سکتا تھا جسے وہ ہر ایک سے چُھپائے ہوئے تھی جسے عباس کے علاوہ کوئی نہیں دیکھ اور محسُوس کر سکتا تھا۔

✓اِک خواہش صَد رنگ تھی جو سب کو نظر آئی

اِک رَنج بلا خیز تھا___بَس دِل کے لیئے تھا۔۔۔

(حارث خلیق)

"ناظرین مُلکی حالات کی خبروں کے بعد ایک بار پِھر سے آپکو بتاتے چلیں کے پاکستان کی نامور بزنجو ایمپائر اپنے اعلیٰ شان نام، وقار اور اعتبار کے ساتھ پورے قد سے زمین بوس ہو گئی ہے۔ اُنکے سٹاکس میں ریکارڈ بریک۔گراوٗ دیکھنے میں آرہا ہے۔ کئی اِنویسٹرز نے مزید اِنویسٹمنٹ روک دی ہے جبکہ بہت سے شیئر ہولڈرز اپنے شیئرز نہایت سستی قیمت پر بیچ رہے ہیں۔ اِس ساری تباہ کاریوں کے پیچھے بزنجو ایمپائر کے فاؤنڈر اور سابق چیئرمین، ہاشم بزنجو کے جرائم کی لمبی فہرست اور اپنے ہی بیٹے، اَصفہان بزنجو کا ثابت قتل بھی ہے۔ عدالت نے ہاشم اور کاشف بزنجو کو سات سال قید بامُشقت کی سزا سُنا کر اُنکے بہت سے غیر قانونی اثاثے ضبط کر لیئے ہیں۔ اُنکی بیٹی رفعت شیر از بھی ماہِ نور مُحتسب سَنجرانی کے قتل اور میزاب رحمت کے اقدامِ قتل کے بعد ایک غیر معینہ مدت تک کے لیئے جیل میں ہیں تاہم اُنکو نہایت نگہداشت کے ساتھ رکھا جا رہا ہے کیونکہ اُنکے بیٹے مُدثر شیر از کے حادثے میں دونوں ٹانگوں سے محروم ہونے پر وہ بہت سے ذہنی مسائل کا شکار ہیں۔ بات کریں مُدثر شیر از کی تو عدالت نے اُنکی نازک حالات اور سنگین جرائم کی طویل فہرست کو سامنے رکھتے ہوئے تین سال کی قید اور پچاس کروڑ کا جُرمانہ عائد کیا ہے۔" اینکر اُس ڈاکیومینٹری میں اور بھی بہت کچھ کہہ رہی تھی مگر میزاب نے گہرا سانس لے کر ٹی-وی بند کرتے ہوئے صوفے کی

پُشت سے ٹیک لگالی۔ اِس سب کو ہوئے آج تیسر دِن تھا لیکن اَب بھی سب کسی ڈراؤنے خواب کے جیسا تھا۔ سَنجرانی خاندان میں سے باقی سارے بڑوں کو کاروباری معاملات جبکہ بچوں کو پڑھائی کی وجہ سے جانا پڑا تھا جبکہ فوزیہ بیگم اور شُجاعت یہیں تھے۔ فوزیہ بیگم بھی اُسکے زخمی ہاتھ کی وجہ سے ٹھہری ہوئی تھیں کیونکہ عباس، میزاب کو ہسپتال سے لانے کے بعد سے تیسرا دِن تھا جواد کے ساتھ جوائنٹ کیس میں مصروف تھا اور میزاب جانتی تھی کہ وہ اُس سے شدید ناراض ہے اور یہ اُسکی ناراضگی کا اِظہار ہی تھا کہ وہ کال کر کے فوزی امی سے تو میزاب کی طبیعت اور ہاتھ کے زخم کے بارے میں پوچھتا رہا تھا مگر میزاب کو ایک کال بھی نہیں کی حالانکہ وہ روزانہ وقفے وقفے سے اُسے کال یا میسج کرتی تھی اور عباس پورے دَھڑلے سے نظر انداز کر کے اپنی مصروفیات کا بہانہ بنائے بیٹھا تھا۔ کل سب کو چھوڑنے ائیر پورٹ بھی وہ گھر آئے بغیر آفس سے گیا تھا۔

آنکھیں کھول کر میزاب نے ٹیبل پر پڑے تاریک سیل فون کو دُکھتے دِل سے دیکھا۔ اُس دِن کے بعد سے اُس نے عباس کو بس اپنے ساتھ ہاسپٹل دیکھا تھا اور پھر وہ گھر نہیں آ رہا تھا۔ اپنے ہاتھ کی پٹی کو سہلاتے ہوئے اُس نے کھڑکی سے باہر گہری ہوتی شام کو دیکھا یعنی کل چوتھا دِن ہو جائے گا؟ نہیں اُسے فوزی امی سے بات کرنی ہو گی۔ جوتے پہن کر وہ تیز قدموں سے اپنے کمرے سے نکل کر کچن میں آئی جہاں فوزیہ بیگم نائمہ بوا کے ساتھ کھانے کی تیاریاں کر رہی تھیں۔

"فوزی امی!" اُسکی پُکار پر فوزیہ بیگم نے پیاز کاٹنا چھوڑ کر اُسے مُسکرا کر دیکھا۔

"میں آ کر تمہارے بال باندھتی ہوں۔" وہی روز رات اور صُبح کو میزاب کو تیار ہونے میں مدد کر رہی تھیں تبھی یہی سمجھیں۔ میزاب جو کچھ اور بھی کہنے والی تھی، نائمہ بوا کو دیکھ کر خاموش ہو گئی۔ نائمہ بوا پرسوں ہی یہاں کچن سنبھالنے آئی تھیں اور میزاب کے ہاتھ کی وجہ سے عباس اور فوزیہ بیگم نے اُنہیں مُستقل یہیں روک لیا۔

میزاب مایوسی سے واپس پلٹ کر اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر چہرہ گرائے اندر آئی اور تبھی اُس نے وہی مخصوص خُوشبُو محسوس کی جو عباس کی تھی۔ جھٹکے سے سَر اُٹھا کر اُس نے اُوپر دیکھا اور وہیں اُسکو سیاہ یونیفارم میں بیڈ پر بیٹھا عباس نظر آیا جو جُھک کر پاؤں سے ڈیلٹا بوٹس اُتار رہا تھا۔ وہ وہیں دروازے پر جم کر کھڑی اُسے دیکھے گئی جو اَب اُٹھ کر جوتے ریک میں رکھنے کے بعد ڈریسنگ روم میں جا رہا تھا۔ اُس نے شاید میزاب کو نہیں دیکھا تھا تبھی خود کو تسلی دے کر وہ اندر کمرے میں آئی اور دروازہ بند کر کے آگے بڑھ کر بیڈ کے ساتھ رکھے سِٹر پر بیٹھ کر سیل فون دیکھنے لگی۔ بظاہر وہ سیل فون دیکھ رہی تھی مگر اُسکی سماعتیں ڈریسنگ روم کا دروازہ کھول کر ٹھٹک کر ٹھہرتے عباس کے قدموں کی آہٹ پر تھی۔ اُسے لگا وہ ساری ناراضگی بُھول کر اُس تک آئے گا اور اُسی مخصوص نرمی اور مُحبت سے اُسکی طبیعت کا پوچھے گا مگر جُھکی آنکھوں سے میزاب نے قدم خُود سے دُور جاتے دیکھ کر سَر اُٹھا کر اُسکی پُشت کو گُھورا جو گہرے سُرمئی رنگ کی قمیض شلوار میں ملبوس صوفے پر بیٹھ کر دیوار پر نصب ایل-ای-ڈی روشن کر رہا تھا۔ جُھنجُھلا کے وہ ایک جھٹکے سے اُٹھی اور پھر اُسی خاموشی سے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھتے ہوئے اُس نے بائیں ہاتھ میں برش لے کر سَر سے دوپٹہ اُتارا اور برش کرنے لگی۔ بال بڑے تھے اور اُسکا بائیاں ہاتھ اُن کو سُلجھانے کے لیئے ناکافی تھے۔

"کیا مُصیبت ہے!" یہ اُس نے دِل میں کہا تھا مگر اڑتے بالوں کو زور سے چُھڑوانے میں اُسکی کراہ اِتنی اُونچی ضرور تھی جو چوکنا مگر بظاہر غافل بیٹھے عباس تک جاتیں۔ چہرہ پھیر کر اُسکو دیکھا جو عباس کی موجودگی کو یکسر بُھلائے اپنے بالوں سے نبرد آزما تھی کیونکہ اُسکا سیدھا ہاتھ کا زخم ابھی بھی کچا تھا۔ عباس تیزی سے اپنی جگہ چھوڑ کر اُس تک آیا۔

"فوزی ام۔۔۔!" اُونچا پُکار کے ساتھ جیسے ہی چہرہ اُٹھایا اپنے عقب میں آ کھڑے ہوتے سنجیدہ عباس کو دیکھ کر اُسکے باقی کے الفاظ اندر ہی رہ گئے۔ کچھ کہے بغیر عباس نے اُسکے ہاتھ سے برش لے لیا۔ میزاب آئینے میں نظر آتے

اُسکے عکس کو دیکھے گئی جو خاموشی سے اُسکے بال سُلجھا رہا تھا۔ اُس نے ایک بار بھی میزاب کو نہیں دیکھا۔ میزابِ رحمت کی آنکھوں کی سطح تیزی سے بھیگنے لگی اور پھر چہرہ جُھکاتے ہی آنسو قطار در قطار رستہ پا کر بہتے چلے گئے۔ کسی عجیب سے اِحساس کے ساتھ عباس نے سرسری نظر شیشے پر ڈالی مگر میزاب کو چہرہ جُھکا کر روتے دیکھ کر اُسکا ہاتھ ٹھہر کر پہلو میں آ گرا۔ چند پَل وہ اُسی سنجیدگی سے آئینے میں دیکھتا رہا۔

"ناراض میں ہوں اور رو آپ رہی ہیں۔" اُسکی آواز میں بھی اِتنی ہی سنجیدگی تھی کہ میزاب نے رونا بُھول کر بے یقینی سے چہرہ اُٹھایا۔

"حالانکہ رونا میرا بنتا ہے کہ تین دِن سے خفا ہوں اور مجال ہے جو کسی نے پلٹ کر خبر بھی لی ہو۔" اُسکے اگلے شکوے پر وہ سانس نہیں لی سکی۔ تڑپ کر پلٹ کے دیکھنا چاہا مگر عباس نے بروقت اُسکے شانے پر ہاتھ رکھ کر اُسکی کوشش ناکام بنا دی۔

"میں نے تمہیں اِن تین دِنوں میں اِتنے کالز اور میسجز کیئے ہیں کہ میری اُنگلیاں دُکھ گئی ہیں، یہ دیکھو!" خفگی سے اُس نے اپنے دونوں ہاتھ اُوپر کو اُٹھا کر جیسے اُسے دیکھانا چاہا۔ عباس نے ایک نگاہ اُسکے پٹی میں لپٹے ہاتھ کو دیکھا جِس کی اُنگلیاں باہر تھیں کیونکہ چوٹ ہتھیلی پر آئی تھی اور پھر میزاب نے لرزاُٹھتی آنکھوں اور بے جان ہوتے قدموں سے عباس جان نثار کو اپنے ہاتھوں پہ جُھکتے دیکھا۔ وہ چہرہ جُھکائے باری باری اُن اُنگلیوں کو ہونٹوں سے لگا رہا تھا جو اُسکو میسجز اور کال کر کر کے دُکھ گئی تھیں۔

"اَب ٹھیک ہے؟" چہرہ اُٹھا کر تصدیق چاہی گئی جبکہ میزابِ رحمت نے دہک اُٹھتے چہرے کے ساتھ اثبات میں سَر ہلایا۔

"میں اِسی لیئے آپ کے سامنے نہیں آ رہا تھا کیونکہ جانتا تھا سب بُھول جاؤں گا۔ ساری ناراضگی اور خفگی بھاڑ میں چلی جائے گی۔" اُسکے خفا لہجے پر میزاب نے چہرہ پھیر کر دھڑکتے دِل سے اُس چہرے کو دیکھا جو آنکھوں کا رزق تھا اور پھر ہنس دی۔

"میں تمہیں منانے کی کوشش کروں تب بھی خفا رہو گے ؟" اُس دِل نشیں سوال پر عباس نے چہرہ جُھکا کر اُن سمندر آنکھوں میں جھانکا جہاں ستاروں کا قافلہ ٹھہرنے آتا تھا۔

"اَب بھی صِرف کوشش کریں گی؟ جانتی بھی ہیں جب میں نے جواد کو باقی پولیس آفیسرز سے بات کرتے سُنا تب مُجھ پر کیا قیامت گُزری؟ میں کِس طرح دِل کو بند ہونے سے روکتے ہوئے وہاں خود کو گھسیٹ کر لے کے گیا اور کِس طرح آپکے قیمتی لہو کو زمین پر گِرتے دیکھا؟" وہ اُسکے دونوں شانوں کو تھام کر جرح پر اُتر آیا۔ میزاب نے اُڑتے حواسوں کے ساتھ اُسکے تاثرات کو دیکھا۔

"آپ مُجھے بتائے بغیر، میری اِجازت کے بغیر کیسے آگ میں کود سکتی ہیں؟" اُسکی نرم گرفت شانوں پر کچھ مضبوط ہوئی اور یہاں میزاب کا دِل مُسکرا اُٹھا۔

"تمہاری والی بات کہوں؟ عشق تو آتشِ نمرود میں۔۔۔" وہ مزے سے اُسکا جملہ ہی لوٹانے لگی تھی۔

"میزاب!" عباس کے سختی سے ٹوک دینے پر ٹھہر کر اُسے بے یقینی سے دیکھنے لگی۔ عباس آج تک اُس سے اُونچا مُخاطب نہیں ہوا تھا تبھی اُسکی آنکھیں پھر سے بھر آئیں۔ عباس نے چہرہ اُوپر کر کے چھت کو دیکھتے ہوئے گہرا سانس ہوا کے سُپرد کر کے مزید اُسکو ڈانٹنے کا اِرادہ مُوخر کر دیا۔

"دوبارہ میں یہ برداشت نہیں کروں گا۔ آپ میری مرضی کے بغیر ہرگز ایسا کچھ نہیں کر سکتیں اور اُس جواد کو تو میں نے ایسا سیدھا کیا ہے کہ یاد رکھے گا۔" وہ جو پھر سے آنسو بہانے کو تیار تھی اُن نرم، دِل کو چھوتے الفاظ پر رونا بُھول گئی۔

"جواد کو کچھ مت کہنا۔ اُس نے بڑی کوشش کی تمہیں بتانے کی مگر میں نے ہی۔۔۔" کہتے کہتے آخر میں اُس نے چہرہ جُھکا لیا۔ برش ٹیبل پر رکھ کر وہ شیشے سے سائیڈ پہ رُخ کر کے بیٹھی میزاب کے سامنے گُھٹنوں کے بَل بیٹھ گیا۔

"یعنی آپ نے تنہا ہی مُجھے شعلوں میں دھکیل دیا؟" اُسکے دلسوز سوال پر میزاب نے بامُشکل پلکیں اُٹھا کر اُسکو دیکھا۔

"میں اپنے ساتھ تمہارا ابھی حساب چکتا کرنا چاہتی تھی۔ تم تب بہت چھوٹے تھے۔ مُجھے تمہارا غم ہے۔ میں تمہارے دُکھ کو کم کرنا چاہتی تھی۔" اُن نظروں کی تاب نہ لا کر، پلکیں جھکائے مدھم آواز میں کہتے ہوئے اُس نے عباس کی ہستی زنجیر کر دی۔ چند پَل وہ بغیر کچھ کہے اُس چہرے کو دیکھتا رہا جو اُسکے الفاظ سَلب کر لیتا تھا۔

"جذاک اللہ، میری غم خوار!" نرمی سے کہہ کر اُس نے اُس پٹی والے ہاتھ کی پُشت پر جُھک کر پیشانی ٹِکاتے ہوئے میزاب کو گُلنار کر دیا۔

"اِن تین دِنوں میں آپ کی موجودگی کے لیئے جو میں ترسا ہوں اُسکے لیئے آپ کو اَب اگلے تین ہزار سال تک میرے ساتھ رہنا ہو گا۔" اُسکی دِل چُراتی فرمائش پر میزاب بے ساختہ ہنس دی۔

"قبول ہے!" عباس نے چہرہ اُٹھا کر اُس مُسکراہٹ کو دیکھا جو اُس سے ہر اِختیار چھین لیتی تھی۔ اُس مُسکراتے لہجے کے الفاظ سِحر طاری کر دینے والے تھے۔ عباس کی نگاہ اُسکی گردن سے لپٹے اُس پینڈینٹ تک گئی اور پھر اُس نے قمیض کی جیب سے سیاہ مخملی ڈبیہ نکال کر میزاب کے سامنے کی۔

"یہ کیا ہے؟" اُس نے چمکتی آنکھوں سے سوال کیا۔

"کھول کر دیکھیں۔" عباس کے کہنے پر اُس نے جِس تیزی سے ڈبیہ لی، عباس مُسکرا دیا۔ ڈبیہ کھولتے ہی اُن سُرمئی آنکھوں کو شوق سے پھیلتے دیکھ کر اُسکا دِل شاد ہو گیا۔

"یہ اُن تین دِنوں کی جُدائی کا تحفہ ہے۔" عباس کی بات پر میزاب نے ہنسی ضبط کی۔ وہ اَب یقیناً ساری زندگی اِن تین دِنوں کو یاد رکھنے والا تھا۔

"پہلے میں پہناؤں؟" میزاب کے پُرجوش سوال پر عباس نے بغور اُسکے خُوشی سے دمکتے چہرے کو دیکھتے ہوئے اثبات میں سَر ہلا کر اپنے بائیں ہاتھ کی پُشت اُسکے سامنے کی۔ میزاب نے ڈبیا میں سے سُرمئی رنگ کی نفیس سی انگوٹھی نکال کر عباس کا ہاتھ نرمی سے تھام کر رِنگ فینگر میں پہنائی اور دوسری گولڈن رنگ کی انگوٹھی عباس نے اُسکے بائیں ہاتھ میں پہنا دی۔ میزاب نے پہلے مُسکرا کر اپنا ہاتھ آنکھوں کے قریب کیا اور پھر عباس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ہاتھ کے برابر۔ دونوں ہاتھوں میں ہلال کی صورت کی پتلی سی وہ ویڈنگ رنگ اِتنی خوبصورت لگ رہی تھی کہ حد نہیں۔

"تمہاری پسند بہت اچھی ہے!" وہ رِنگ کو سراہ رہی تھی۔

"میری پسند واقعی بہت اچھی ہے۔" اور عباس جان نِثار اُسے سراہ رہا تھا۔ اُس معنی خیز لہجے پر چونکتی میزاب نے اُن آنکھوں میں جھانکا اور بے ساختہ جھینپ گئی۔

"آپ مُجھ سے کچھ زیادہ ہی شرمانے، گھبرانے نہیں لگیں؟" عباس کے سوال میں جو تشویش تھی اُس پر میزاب کے دِل کی دَھڑکن بڑھی۔

"عورت اُس مَرد کی نظر سے شرماتی ہی ہے جان نِثار، جس سے اُسے مُحبت ہو۔" وہ آہستگی سے کہہ کر چہرہ جُھکائے اَب عباس کی انگوٹھی پر شہادت کی اُنگلی پھیر رہی تھی۔ نظروں کی تپش اور بڑھتی خاموشی پر اُس نے بامُشکل نظر اُٹھا کر عباس کو دیکھنا چاہا مگر اُسکے چہرے اور آنکھوں میں مُحبت کا اِیسا جہاں آباد تھا کہ وہ تیز ہوتی دَھڑکن کے ساتھ چہرہ جُھکا گئی۔

"اَب میرا تخیل مُجھے کہہ رہا ہے کہ۔۔۔" وہ چاہت سے مغلوب ہو کر کہنے ہی لگا تھا۔۔۔

"مُجھے تم سے مُحبت ہے، جان نِثار۔" اُسکے مدہم اِظہار پر عباس جان نِثار اپنی پوری ہستی سمیت اُس عورت کے سامنے جُھک کر رہ گیا۔ کائنات کے تھم جانے کا یہی وقت متعین تھا شاید۔

"اِس سے زیادہ کچھ بھی خوبصورت نہیں ہو سکتا، رحمت۔ آپ نے آج مُجھے ہمیشہ کے لیئے خرید لیا ہے۔" اُسکی مدہم، لرزتی آواز پر میزاب نے دَھک رہ جاتے دِل سے دیکھا۔

"اِیسے مت کہو! تم کوئی چیز نہیں ہو جسے میں خرید لوں۔ تم۔۔۔ تم میری مُحبت، میرے شوہر ہو، جان نِثار۔" میزاب رحمت نے نرمی سے اُسکی سُرمئی رِنگ والے ہاتھ کی اُنگلیاں اپنی گرفت میں لے کر دِل گرفتگی سے کہا۔

"اور آپ میری سب سے خالص اور قیمتی مُحبت ہیں۔ میں آپ کو کبھی خود سے مایوس نہیں ہونے دوں گا۔" کیا یقین اور اعتماد تھا اُسکے وعدے میں۔

"اور اگر کبھی مایوس کیا؟" وہ مُسکراہٹ دبا کر دمکتی آنکھوں سے اپنی جانب دیکھتی آنکھوں میں جھانکنے لگی۔

"تو میں آپ پر قربان!" اُسکے مُحبانہ انداز پر میزاب جھینپ کر مُسکرا دی۔

" قربان ہونے کا کتنا شوق ہے نہ تمھیں۔" عباس اُس حسین چہرے کی دلفریبی پر مسحور ہو گیا۔

"غلام اَب ملکہ پہ قربان بھی نہ ہو تو کیا فائدہ۔" اُسکی مُبالغہ آرائی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔

"ارے!" بامُشکل مُسکراہٹ دبانے کی کوشش کر کے وہ کِھلکھلا کر ہنس دی۔

"میں بالکل بھی باتیں نہیں بنا رہا۔" اُسکا ہاتھ تھام کر اُس نے دِل کی تمام تر سچائیوں سے یقین دِلانا چاہا۔

" مُجھے معلوم ہے اور بھروسہ ہے کہ تم مُجھے اور میری مُحبت کو کبھی مایوس نہیں کرو گے۔" میزاب نے جُھک کر اُسکے گھنّے سیاہ بالوں کو بکھیر کر ہنستے ہوئے کہہ کر عباس کو آفاق کی بلندیوں سے مُتعارف کروا دیا۔ وہ اُن آنکھوں میں دوبارہ سے جھانکنا چاہتا تھا جو اُسے دیکھنے سے اَب گُریز کر رہی تھیں۔ گالوں پر شفق پھوٹتی لالی کے ساتھ وہ عباس کے دِل میں نئے سِرے سے خیمہ زَن ہو چُکی تھی۔

" آپ کا یہ مان میرے لیئے اعزاز ہے۔" عباس نے اُسکا زخمی تھام رکھا ہاتھ دِل کے مقام پر رکھتے ہوئے سَر جُھکا دیا اور میزاب رحمت کے دِل میں زندگی کی پُر مُسرت لہر دوڑ گئی۔ زندگی کے سارے غم ایک طرف اور عباس جان نِثار کا اُسکا ہو جانا ایک طرف تھا۔ اُس محبوب شخص کا ہونا ہر منفی جذبے، ہر غم اور ہر اِحساس پر حاوی تھا۔ عباس کو محو جان کر وہ ہر غم سے آزاد ہو کر ہنستی چلی گئی۔

✓ یہ تعلق نہیں تو پھر کیا ہے

تم کو صورت مِلی، مُجھے آنکھیں۔۔۔

دو سال بعد!

وقت کا دھارا بہتے بہتے دو حسین سال گُزر چُکا تھا۔ جِس پر وقت مہربان تھا اُنکے لیئے دُنیا جنت تھی اور جن پر نامہرباں اُنکے لیئے جہنم مگر لوگوں کے ساتھ احسان اور مہربانی کا معاملہ رکھنے والوں پر عجائبات سے پُر دُنیا بنانے والا رَب ہمیشہ مائل بہ کرم رہتا ہے جیسے میزابِ رحمت پر کیونکہ جو لوگ زمانے کے فریب، دھوکہ دہی، احسان فراموشی اور سختی کے جواب میں بھی خلقِ خُدا کے ساتھ نرم رہتے ہیں، وقت اُنکے ساتھ ہزار ہا آزمائشوں کے باوجود نااِنصافی نہیں کرتا۔ وہی وقت جو ایک سا نہیں تھا۔

ہم جِس کمرے میں کھڑے زندگی کی خوبصورتی کو پَرکھ رہے ہیں اُسکی سامنے کی دیوار پر ایک بہت حسین منظر پوری تابناکی سے قید ہے۔ ایک مُحبت کا پوری سَرمستی سے اعلان کرتی تصویر جِس میں عباس جان نِثار پنجوں کے بَل بیٹھا تھا اور میزابِ رحمت اُسکے شانے پر ہاتھ رکھے قدرے جُھک کر اُسے سینڈل اُتارتے دیکھ رہی تھی۔

یَک دَم کمرے کی کھلی کھڑکی سے آتا شور، ہنسی اور قہقہوں کی آواز پر اگر باہر کو کُھلتی سفید کھڑکی سے باہر جھانکا جائے تو باہر کے سرسبز و شاداب لان کے بیچ و بیچ سَنجرانی خاندان باسکٹ بال کھیلتا نظر آئے گا۔ گہری نارنجی بال اَب میزابِ رحمت کے ہاتھ میں تھی جِس کے پیچھے باقی سب چیختے، چلاتے ہوئے بھاگ رہے تھے۔

"گول کر کے آنا، میزاب!" کچھ قدم دُور کرسیوں پر بیٹھ کر کھیل دیکھتے بڑوں میں سے احتساب سَنجرانی پُر جوش سا چیخ رہے تھے۔

"تم تو اپنی ایج کا لحاظ کر کے بیٹھ جاؤ۔" رحیم بخش سَنجرانی کی مُسکراتی آواز کو ایک کان سے نکال کر اُنہوں نے میزاب کو اُچھل کر باسکٹ میں بال پھینکتے دیکھا اور جُوش سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"یار! گیم تو دیکھنے دو ہمیں۔" رحمان بخش سَنجرانی نے اُنہیں ڈپٹ کر سائیڈ پہ ہونے کا کہا جبکہ وہ بیٹھنے کے بجائے جیتنے والی ٹیم کی طرف تیز قدموں سے بڑھے۔

"ہم جیت گئے!" شُجاعت کے چڑھانے پر عدن نے بُرا سا مُنہ بنا کر عباس اور میزاب کو دیکھا جو ابھی تک بے یقینی سے بار بار باسکٹ میں بال اُچھال کر یقین کر رہی تھی کہ اُسی نے گول کیا ہے۔

"میزاب تو آج چھا گئی۔" احتساب سَنجرانی کی پُر جوش آواز پر میزاب نے بال تھام کر پلٹ کے اُنکو دیکھا اور ہنس دی۔

"مُجھے یقین نہیں آ رہا کہ میں اِتنا اچھا کھیل سکتی ہوں۔" اُسکے خوشی سے دمکتے چہرے کو نہارتی نظروں سے دیکھتا عباس کُھل کر ہنس دیا۔

"یقین کر لیں کہ آپ نے مُجھے بھی باسکٹ بال میں پیچھے چھوڑ دیا ہے۔" عباس چونکہ اِس کھیل میں ماہر تھا تبھی اُس نے میزاب کا شانہ تھپک کر دَاد دی۔

"مُجھے تو پکا معلوم ہے کہ بھابھی کو خُوش کرنے کے لیئے عباس بھائی نے ہماری ٹیم کو ہروایا ہے۔" نورین سے ہار کا صدمہ کم نہیں ہو رہا تھا۔

"میرے خیال سے اَب ہر سنڈے کو گھڑ سواری کے بجائے یہی گیم کھیلنی چاہیئے۔" اصغر کی بات پر میزاب نے خوشگواریت سے سَر ہلایا۔

"آپ کو اِتنا کیوں پسند ہے یہ کھیل؟" نازنین کے سوال پر میزاب نے بال عباس کی جانب اُچھالی جو اُسکی جانب محو ہونے کی وجہ سے بروقت کیچ نہیں کر سکا۔

"آپ تو بالکل ہی کام سے گئے!" شُجاع کے تاسف پر اُن سب کا قہقہہ ایک ساتھ بلند ہوا۔

"ہنسی قہقہے بہت ہو گئے۔ آکر چائے پیو سب۔" فوزیہ بیگم کی پُکار پر سب نے چہرہ پھیر کر وہاں دیکھا اور آنے کا اِشارہ کیا۔

"میں نے عباس کو کھیلتے دیکھا تھا کچھ سال پہلے تب سے ہی مُجھے بہت اچھا لگا۔" اُسکی وجہ بتانے پر سب نے ایک دوسرے کو معنی خیزی سے دیکھا یا

"ہمارا بھائی یا گیم؟" اکبر نے مُسکراہٹ دبا کر سوال کیا۔

"دونوں!" کُھل کر ہنستے ہوئے عباس کی نظروں کے اِرتکاز پر وہ جی جان سے کِھل اُٹھی۔

"اگلے اتوار کیا پلان کرنا ہے؟" احتسابِ سَنجرانی ہی ہر اتوار کی تیاری کرتے تھے تبھی پوچھا۔ میزاب اور عباس ہر ہفتہ، اتوار چاغی آتے تھے۔ چاہے جتنی بھی مصروفیات ہوں۔ کبھی کبھار ثُریا اَصفہان بھی آتیں مگر آجکل اُنہوں نے جو **'الرحمت'** میں کپڑوں کے سٹورز کھولے تھے، اُن میں مصروف تھیں۔

"اگلے اتوار پلیز کہیں گھومنے چلیں گے۔" عدن کی دہائی پر سب نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"چلو ووٹنگ کرتے ہیں۔" معمول کے مطابق ہر پلان کے لیئے ووٹنگ میں ہاتھ کھڑے کیئے جاتے تھے تبھی احتساب سَنجرانی کی ہدایت پر سب نے ایک ساتھ ہاتھ کھڑے کیئے اور سب ایک ساتھ ہنس دیئے۔ اُنکی ہنسی ایک بار پھِر بہت دُور تک گئی کیونکہ سب نے ایک ساتھ ہی گھُومنے کے لیئے ووٹ کیا تھا۔

"پھِر اگلے اتوار ہم گھومنے چلیں گے۔" عباس نے حتمی فیصلے پر مُہر لگادی۔

"میزاب، بیٹا! یہاں آکر دیکھنا ذرا، مُرتجز جاگ گیا ہے۔" ہدیہ بیگم کی پُکار پر میزاب ساری پلاننگ چھوڑ کر بڑوں کی سمت آئی جہاں پاس رکھی سیاہ ٹرالی میں دس ماہ کا بچہ اپنی سُرمئی نیند بھری آنکھوں سے اِرد گرد دیکھ رہا تھا۔

"ارے! میرا بیٹا جاگ گیا۔" میزاب نے جُھک کر اُسکو ٹرالی سے نکال کر اپنے شانے سے لگائے تھپک کر چلنے لگی۔ تب تک باقی سب چائے پینے کے لیئے وہاں تک آ گئے تھے۔ عباس نے آگے بڑھ کر جُھکتے ہوئے اپنی اُنگلیوں مُنہ میں ڈال کر سب کو ٹکر ٹکر دیکھتے بیٹے کی سُرمئی آنکھوں کو باری باری چوم لیا۔ اُسے یہ آنکھیں سب سے زیادہ محبوب تھیں اُنکے بیٹے کا نام **'مُرتجز عباس'** تھا۔ **مُرتجز: یعنی خُدا کا تحفہ**، مولا علی علیہ اسلام کے تیز رفتار گھوڑے کا نام اُنہوں نے اپنی اولاد کے لیئے مُنتخب کیا تھا جو شکل وصورت میں بالکل عباس جان نِثار جیسا تھا مگر اُسکی آنکھیں میزابِ رحمت کی تھیں اور عباس کو یہی بات سب سے خوبصورت اور پیاری لگتی تھی۔ وہ اُن آنکھوں کے صدقے اُتارتا نہیں تھکتا تھا۔

"اِس موٹو کو ابھی بھی نینو آئی ہے۔" شُجاع اُسکے پُھولے پُھولے گلابی گال کھینچ کر کرسی پر بے دم بیٹھ گیا۔ باقی سب نے بھی اُسکی تقلید کی۔

"میں اِسکے کپڑے چینج کر کے آتی ہوں۔" میزاب کہہ کر اندر کی جانب بڑھنے لگی تو عباس نے بھی اُسکی تقلید کی کیونکہ۔ مُرتجز کے کام اور اُسکو سنبھالنے میں اُن دونوں کا برابر کا حصّہ تھا۔ کمرے میں داخل ہونے سے قبل عباس نے اُسکے ہاتھ سے مُرتجز کو لیتے ہوئے دروازہ کھول کر میزاب کو جانے کا راستہ دیا اور پھر خود بھی اندر آیا۔ میزاب اندر آکر الماری سے کپڑے نکال کر بیڈ پر جیسے ہی آئی عباس بیڈ کے عین وسط میں بیٹے کو لٹا کر خود برابر ہی نیم دراز ہو گیا۔

"یار! کل آپ کی بزنجو ایمپائر کے شئیر ہولڈرز کے ساتھ میٹنگ بھی ہے۔" آنکھیں بند کر کے بیٹھے عباس نے جیسے اُسے یاد دہانی کروائی اور میزاب نے سَر پر ہاتھ مارا۔

"ایک تو کائنات کی جب سے جواد سے بات طے ہوئی ہے نا، اُسکو کچھ یاد نہیں رہتا۔" میزاب کے شکوے پر عباس بند آنکھوں سے ہنس دیا۔

"کچھ دِن میں شادی ہے اُنکی۔ تھوڑا ٹائم دو سب ٹھیک ہو جائے گا۔" عباس کی تسلی پر میزاب نے اثبات میں سَر ہلایا۔

"شُکر ہے اللہ کا بزنجو ایمپائر دوبارہ اپنے پیروں پر کھڑی ہوئی ہے۔ میں اُسکو برباد ہوتا نہیں دیکھ سکتی تھی تبھی اُسکی بُنیاد خلوص سے رکھنے کا فیصلہ کیا تھا۔" مُرتجز کو کپڑے پہناتے ہوئے اُس نے اِیسی سادگی سے کہا کہ عباس کو آنکھیں کھول کر اُسے دیکھنا پڑا جو گہرے براون رنگ کے فراک کے ساتھ سیاہ رنگ کا حجاب اوڑھے ہوئے ہمیشہ کی طرح اُسکو سارے جہان کی خوبصورتی سے مُتعارف کرواگئی۔ عباس جان نِثار کے لیئے دلکشی اور خوبصورتی کا حوالہ میزابِ رحمت تھی۔

"میں جانتا تھا آپ یہ سب کرلیں گی اور میں یہ بھی جانتا تھا کہ آپ زُوبیہ، تقی اور ذکی کے نام باقی جائید اد کر کے بزنجو ایمپائر میں بھی حصّہ دار رکھیں گی۔" اُسکی یقین بھری بات پر میزاب نے نا سمجھی سے اُسے دیکھا۔ جب ایک ماہ بعد ہی اُس نے بزنجو خاندان کے باقی افراد کی کفالت کا دوبارہ سے اِنتظام سنبھالنے کا فیصلہ کیا تو عباس نے اُسے کچھ نہیں کہا تھا۔

"کیونکہ میں جانتا تھا کہ آپ جو ظالموں پر مہربان رہتی ہیں وہ بے قصور لوگوں کو اِس سب میں نہیں گھسیٹ سکتیں۔ آپ کو یہ سب کرنا ہی تھا کیونکہ یہی آپکی اصل فطرت ہے۔" عباس کی بات دِل میں اُتر جانے والی تھی۔

"میں مہربان کوئی نہیں ہوں بس میں چاہتی ہوں اِس دُنیا میں لوگوں کا وفا، خُلوص اور احسان جیسے عظیم جذبوں سے اعتبار نہ اُٹھ جائے۔" اُسکی بات میں اُداسی کی آمیزش تھی۔

"آپ کو دیکھ کر جانتی ہیں مجھے کونسا پرندہ یاد آتا ہے؟" عباس کی مُختلف بات پر مُرتجز کی شرٹ کے بٹن بند کرتے ہوئے میزاب نے اُسے نا سمجھی سے اُسے دیکھا۔

"کونسا؟" بیٹے کی کلکاری پر میزاب کا دھیان بھٹکا۔

"ہما پرندہ!" عباس نے دو لفظی کہہ کر اُس کی توجہ کھینچ لی۔

"یعنی Phoenix ؟" میزاب کے سوال پر عباس نے اثبات میں سَر ہلایا۔

"خُراسان کا تخیلاتی پرندہ جِس کے بارے میں یہ مانا جاتا ہے کہ وہ اپنی راکھ سے ہی دوبارہ زندگی لے کر اُڑان بھرتا ہے۔" چمکتی آنکھوں سے اُسکو دیکھا جو پُر نور آنکھوں کے ساتھ مُرتجز کو دیکھ رہی تھی۔

"اُسے ہماری زُبان میں ہما پرندہ کہتے ہیں اور آپ بھی اُسی جیسی ہیں۔ راکھ سے دوبارہ سب کھڑا کرنا آسان نہیں ہوتا۔ آپ جانتی ہیں نہ کہ مُجھے آپ پر فخر ہے۔" اَب وہ اُٹھ کر سیدھا ہو بیٹھا۔ میزاب نے چہرہ پھیر کر اُسے دیکھا اور اُن مُحبت سے لبریز نظروں پر بے ساختہ ہنس دی۔

"میں جانتی ہوں۔" میزابِ رحمت کی مان بَھری اُٹھی ٹھوڑی پر عباس کو زندگی کی خوبصورتی کا ہر بار کی طرح شدت سے اِحساس ہوا۔

"بس ایک فرق ہے آپ میں اور ہما پرندے میں۔" میزاب کو پھر سے مُرتجز کی جانب مائل دیکھ کر اُس نے مزید توجہ چاہنے کو بات کھینچی۔

"کیا؟" اَب کے وہ چہرہ جُھکا کر مُرتجز کی ناک سے ناک ٹکرا کر ہنس رہی تھی۔

"ہما پرندہ افسانوی بات ہے جبکہ آپ حقیقت۔" اُس نے جِس برجستگی سے جملہ مکمل کیا، میزاب نے ہنستے ہوئے سیدھا ہو کر مُرتجز کو گود میں اُٹھالیا۔ وہ خوبصورت، صحت مند سا بچہ اپنی سُرمئی آنکھوں سے ہنستی ہوئی ماں اور محو باپ کو دیکھتے ہوئے اپنا انگوٹھا چوسنے لگا۔

"یار آپ! مُجھے بھی دیکھ لیں۔" وہ زیادہ دیر صبر نہیں کر سکا۔ میزاب کے لیئے اُسکی جُھنجُھلاہٹ نئی نہیں تھی تبھی چہرہ پھیر کر اُسے توجہ سے دیکھا۔

"تم اپنے بیٹے سے جیلس ہو رہے ہو؟" ہر بار والا سوال، عباس کو ہر بار کی طرح خفت زدہ کر گیا۔ بات تو سچ تھی مگر بات تھی رسوائی کی۔ میزاب کی توجہ کچھ ماہ سے تقسیم ہو چُکی تھی اور اُس سے یہ برداشت کرنا آسان نہیں تھا۔

"نہیں! مگر مجھے بھی اِیسی نظروں سے دیکھا اور سراہا کریں۔" اُسکے شکوے پر میزاب گردن پیچھے کو پھینکے قہقہ لگا کر ہنس دی۔

"دیکھ رہے ہو، مُرتجز! تمہارے بابا تم سے جیلس ہو رہے ہیں۔" وہ جیسے پھِر سے اُسکی بے تابی پر محظوظ ہوئی۔ اُنہوں نے رات کی فلائٹ سے اسلام آباد جانا تھا اور پھِر اُسے آفس اور سب میں مصروف ہو جانا تھا تبھی عباس کو اُسکی توجہ درکار تھی حالانکہ جانتا تھا اُسکے سارے وقت کا اِختیار میزاب رحمت آج سے کچھ سال پہلے مکمل اُسے ہی دان کر چکی تھی مگر خیر! اُسے بوڑھے ہونے تک یونہی میزاب کی توجہ صرف اپنے لیئے چاہیئے تھی۔

"یہ بڑا ہو جائے سہی! دیکھ لوں گا میں اِس گول گپے کو۔" عباس کی تلملاہٹ پر میزاب نے اُسکے شانے پر ہلکا سا تھپڑ مار کر مُرتجز کا چہرہ اپنے سامنے کر کے ماتھے پر پیار کیا۔ اُسکی بڑی بڑی آنکھوں میں ابھی بھی نیند تھی۔

"میرے بچے کو پھِر سے نینو آئی ہے۔" اُس کو جمائی لیتے دیکھ کر میزاب نے جیسے ہی مُرتجز کا سَر تکیے سے لگایا، عباس نے جھک کر بیٹے کو چھوتی میزاب کے کندھے پر عقب سے آ کر سَر رکھتے ہوئے مُحبت سے بیٹے کو دیکھ کر پوچھا۔ میزاب اُسکے لہجے کی چاشنی پر ہنس دی۔ اُسکی مصنوعی خفگی اور جھُنجھُلاہٹ بس لفظوں کی حد تک ہوتی تھی۔

"مُجھے ذکی کی کال آئی تھی۔" عباس کی مدہم آواز عین سماعتوں میں جانے پر میزاب نے بیٹے کی بند ہوتی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا۔

"دو سال ہو گئے ہیں۔ آپ ایک بار بھی ہاشم اور مُدثر بزنجو سے نہیں ملیں۔" اُس نے میزاب کا جھُکتا چہرہ دیکھ کر بھی ٹھوڑی اُسکے شانے سے نہیں ہٹائی۔

"میں کبھی نہیں جاؤں گی، جان نِثار اور تم جانتے ہو کیوں۔ میں کسی کو بُرے حال میں نہیں دیکھ سکتی اور نہ میں اپنی انا کے ایک مخصوص حصّے کو تسکین دینا چاہتی ہوں کہ سب نے اپنے اعمال کی سزا بھگتی۔ یہ میرا نہیں اللہ پاک کا کمال تھا۔ میں اپنے اندر کسی منفی رویئے کو آنے کی اِجازت نہیں دے سکتی۔ اُن سب کی سزا جس دِن ختم ہو گی میں سب کچھ بھُلا کر تمہارے ساتھ جاؤں گی مگر ابھی نہیں۔ یہ آسان نہیں ہے۔" وہ عورت واقعی سراپا سلامتی تھی۔ عباس نے آسودہ ہوتے دِل سے اپنا بازو کا حصار اُسکے گرد باندھ کر حوصلہ دیا کیونکہ جانتا تھا میزابِ رحمت کے لیئے پناہ اُسی کے حصار میں تھی۔

"میں اَب ایک ماں ہوں، جان نِثار اور میں نہیں چاہتی کہ اپنے بیٹے کو اخلاص، احسان اور نرمی جیسے دِل کو نرم کر دینے والے جذبوں سے برگشتہ کروں۔ مجُھے اپنے اولاد کی تربیت ایک خوشگوار اور صحت مند ماحول میں کرنی ہے۔" پھر سے آنکھیں کھولتے بیٹے کا پھولا ہوا گال چھوتے ہوئے اُسکی آنکھوں میں کسی عظم کے آنسو اُترنے لگے تھے۔

"اِسی لیئے تو ہر سانس کے ساتھ کہتا ہوں کہ مجُھے آپ پر فخر ہے۔" اپنا سَر عباس کے سَر سے لگاتے ہوئے وہ نمناک آنکھوں سے مُسکرا دی مگر نگاہ اپنے معصوم اور بے خبر بیٹے کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں جسکے لیئے اُس نے بہت اُونچے خواب دیکھ رکھے تھے۔ اُسکی ستاروں کی مانند دھمکتی آنکھوں میں اپنی مُحبت، عباس جان نِثار اور اپنی اولاد، مُرتجز عباس کو لے کر اَن گنت اُمید کے جگنو سمٹے ہوئے تھے۔

یہ وہی مُحبت تھی جو اُسے اَصفہان بزنجو نے سکھائی اور پڑھائی تھی، یہی سب اُسکی زندگی کا حاصل تھا۔ اُنکی طرح ہی اپنی اولاد کو مُحبت کے پانی سے سِینچ کر بڑا کرنے کی وہ عباس کے ساتھ کوشش کر رہی تھی۔ اُن دونوں کے سامنے خوبصورت مُستقبل باہیں پھیلائے کھڑا تھا۔

✓ میرے بچے نے پہلی بار اُٹھایا ہے قلم

اور پُوچھتا ہے، کیا لکھوں ممّا؟

میں تُجھ سے کیا کہوں بیٹے

کہ اَب سے برسوں پہلے

یہ لمحہ جب میری ہستی میں آیا تھا

تو میرے باپ نے مُجھ کو سِکھائے تھے

محبت اور نیکی اور سچائی کے کلمے

میرے توشے میں اُن لفظوں کی روٹی رکھ کے وہ سمجھا تھا

میرا رَستہ کٹ جائے گا

آگے سفر آسان ہو جائے گا شاید!

مُحبت مجھ سے دُنیا نے وصُولی، قرض کی مانند

نیکی سُود کی صُورت میں حاصل کی

میری سچّائی کے سِکّے

ہوئے رَد اِس طرح سے

کہ میں فوراً سنبھلنے کی نہ گر تدبیر کرتی

تو سَر پر چھت نہ رہتی

تن پر پیراہن نہیں بچتا

میں اپنے گھر میں رہ کر

عُمر بَھر جزِیہ اَدا کرتی رہی ہوں!

'زمانہ'

میرے خدشوں سے سوا عیّار تھا

اور زندگی!

میری توقع سے زیادہ بے مُروت تھی

تعلق کے گھنّے جنگل میں

بِچھو سَر سَراتے تھے

مگر ہم اُس کو سَرشاری میں

فصلِ گُل کی سَرگوشی سمجھتے تھے

پتہ ہی کچھ نہ چلتا تھا

کہ خوابوں کی چَھپر کھٹ پر

لباسِ ریشمیں

کس وقت بَن کر کینچلی اُترا

مُخاطب کے روپہلے دانت، کب لمبے ہوئے

اور کان، کب پیچھے مڑے

اور پاؤں، کب غائب ہوئے یکدم

میں اُس کذب دَریا

اُس بے لحاظی سے بَھری دُنیا میں رہ کر

محبت اور نیکی اور سچّائی کا ورثہ

تُجھ کو کیسے مُنتقل کر دوں

مُجھے کیا دے دیا اُس نے!

مگر میں ماں ہوں

اور اِک ماں اگر مایوس ہو جائے

تو دُنیا ختم ہو جائے

سو میرے خُوش گُماں بچے!

تُو اپنی لوحِ آئینہ پہ

سارے خوبصورت لفظ لکھنا!

سَدا سچ بولنا!

احسان کرنا!

پیار بھی کرنا!

مگر آنکھیں کھُلی رکھنا!

(پروین شاکر)

زندگی کا حسین سفر جاری ہے

مگر کہانی یہاں ختم ہوتی ہے۔

"ختم شُد!"